{ یا أیها الذین آمنوا ان جائکم فاسق بنبأٍ فتبینوا (ألقرآن) }

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو! (الحجرات: ۴۹/۶)

# حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

## اور

# عباراتِ اکابرؒ


تصنیف:

مفتی محمد وقاص رفیعؔ

فاضل مدرسہ عربیہ تبلیغی مرکز رائے ونڈ لاہور



من منشورات:

ادارة التحقيق والأدب

مفتی محمد وقاص رفیع کی کتاب "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابر" 9 مئی 2018ء کو منظر عام پر آئی جس کے متعلق خود انہوں نے اپنی فیس بک آئی ڈی سے درج بالا ٹائٹل کے ساتھ قارئین کو "خوشخبری" سنائی کہ:

# {.....خوش خبری.....}

علمائے اہل سنت والجماعت کے خلاف ہرزہ سرائی پر مشتمل معتوب زمانہ کتاب "ناقدین معاویہ" کا دنداں شکن جواب "حضرت معاویہ اور عبارات اکابر" کے نام سے الحمد للہ منظر عام پر آگیا ہے جس میں راوئ بخاری محدث عبد الرزاق، امام ابن جریر طبری، امام حاکم نیشاپوری، امام ابو بکر الجصاص، صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی، علامہ سعد الدین تفتازانی، میر سید شریف جرجانی، محدث جلیل حضرت ملا علی قاری، مشہور عاشق رسول ملا عبد الرحمان جامی، صاحب نور الانوار ملا جیون، شیخ عبد الحق محدث دہلوی، حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی، قطب الارشاد حضرت گنگوہی، محدث عصر علامہ انور شاہ کشمیری، مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا عبد الشکور لکھنوی، مولانا عبد الرشید نعمانی، مولانا امین صفدر اوکاڑوی اور مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کا منصفانہ انداز میں انتہائی خوش اسلوبی اور متانت کے ساتھ بہت ہی شان دار دفاع کیا گیا ہے۔

از قلم: مفتی محمد وقاص رفیع

+923005808678




مفتی محمد وقاص رفیع کے نام سے منسوب کتاب "حضرت امیر معاویہ رض اور عباراتِ اکابر" (جس پر چھپنے والے ٹائٹل کا اسکین آگے دیا گیا ہے۔) مارکیٹ میں آنے کے ٹھیک چار دن بعد بلا تاخیر 13 مئی 2018 کو حافظ عبیداللہ صاحب نے اپنی فیس بک وال پر مذکورہ کتاب سے متعلق ایک مختصر پوسٹ زیر عنوان "کیا پدی کیا پدی کا شوربہ" دی جس میں وہ لکھتے ہیں کہ :۔

"آج حال ہی میں شائع ہونے والی ایک کتاب بنام "حضرت امیر معاویہ (رض) اور عبارات اکابر" کا سرسری مطالعہ کیا، معلوم ہوا کہ اس میں ان "اکابرین" کا دفاع کیا گیا ہے جن کی چند عبارات کو لے کر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان عبارات سے حضرت معاویہ (رض) پر تنقید کا پہلو نکلتا ہے۔
صاحب کتاب نے بظاہر یہ تاثر دیا ہے وہ حضرت معاویہ (رض) کو ایک جلیل القدر صحابی ہی سمجھتے ہیں۔ لیکن اس کتاب کے آخر میں لکھتے ہیں کہ "حضرت معاویہ کی خطائیں نصِ قرآنی سے ثابت ہے"

اب سوال ہوتا ہے کہ نصِ قرآنی سے خطا ثابت ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ "حضرت معاویہ (رض) نے نصِ قرآنی کی مخالفت کی"۔ اب آگے "مدرسہ رائے ونڈ" کے فارغ التحصیل مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ "اگر یہی خطا کسی عام شخص سے ہوتی تو اس پر گناہ کبیرہ اور فسق کا اطلاق ہوتا"۔

(یعنی نصِ قرآنی کے خلاف کرنے والے کو فاسق اور گناہ کبیرہ کا مرتکب کہا جائے گا)

آگے لکھتے ہیں کہ :

"مگر یہاں حضرت معاویہ کا شرف صحابیت اور آپ کا علم و فضل یہ لازم کرتا ہے کہ آپ کی اس خطا کو (فسق یا گناہ کبیرہ نہیں) بلکہ خطائے اجتہادی قرار دیا جائے"

اب اگر ان مفتی صاحب سے کوئی رافضی یہ سوال کردے کہ صاحب: نصِ قرآنی کی مخالفت غیر صحابی کرے تو وہ فاسق اور گناہ کبیرہ کا مرتکب، اور اگر صحابی کرے تو اس کی اجتہادی خطا جس پر آپ کے ہاں ایک اجر بھی ملتا ہے، یہ فرق کہاں سے ثابت ہے؟؟؟ تو مفتی صاحب نہ جانے کیا جواب دیں گے؟؟؟

ان لوگوں کی کیا اوقات ہے کہ یہ صحابہ کرام کو پہلے نصوص قرآنیہ کا مخالف بتائیں پھر ان پر احسان کرتے ہوئے کہیں کہ یہ "اجتہادی خطا ہے"، جنہیں یہ تک نہیں پتہ کہ "خروج" کیا ہوتا ہے؟ اور جن سے "کتاب لکھوانے والوں" نے انھیں یہ تک نہیں بتایا کہ جنگ صفین میں "خروج" کس طرف سے اور کس کی جانب ہوا تھا وہ بن بیٹھے ہیں "مفتی" ... اور چار لفظ پڑھ کر چلے ہیں صحابہ کے فیصلے کرنے... شرم ان کو مگر نہیں آتی..."

---

قارئین کرام

اس مختصر پوسٹ کے اگلے روز یعنی 14 مئی 2018 سے حافظ عبید اللہ صاحب نے فیس بک پر مفتی وقاص رفیع کی کتاب پر ناقدانہ تبصرہ "اکابر کے نادان وکیل" کے عنوان سے قسط وار لکھنا شروع کیا جو 2 اگست 2018ء کو 32 اقساط پر اختتام پذیر ہوا۔ حافظ عبید اللہ صاحب کے تبصرہ کو بہت سارے قارئین نے فیس بک پر پڑھا ہے ممکن ہے کہ ابھی تک انہیں مفتی وقاص رفیع کی کتاب تک رسائی حاصل نہ ہوئی ہو اور وہ پوسٹوں میں دیئے گئے حوالہ جات کا مشاہدہ نہ کرسکے ہیں اس لئے حافظ عبید اللہ صاحب کے تبصرہ کی پی ڈی ایف میں مفتی وقاص رفیع کی کتاب کے صفحات کے اسکین بھی پیش کئے گئے ہیں۔ حافظ عبید اللہ صاحب کے تبصرہ کے مطابق مفتی محمد وقاص رفیع کی کتاب میں چونکہ پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی کی کتاب "سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین" میں شامل بعض اکابر کی عبارات کے دفاع کے نام پر صحابہ کرام کی ایک جماعت پر کھلم کھلا تنقید کی گئی ہے اس لئے حافظ صاحب نے مفتی

وقاص رفیع کی کھلی جارحیت کا بروقت نوٹس لیا گیا ہے جس پر وہ بجاطور پر امت مسلمہ کی طرف سے ہدیہ تبریک کے مستحق ہیں۔ "اکابر کے نادان وکیل" کے عنوان سے فیس بک پر پیش کیا گیا تنقیدی جائزہ جدید سبائیت کے فتنہ کا تریاق ہے۔

حافظ عبیداللہ صاحب کے تبصرہ کی پی ڈی ایف کے ساتھ اب زیر تبصرہ کتاب کے اسکین بھی شامل کئے گئے ہیں تاکہ قارئین حوالہ جات کی تسلی کرتے ہوئے مفتی وقاص رفیع کی کتاب بارے خود ہی کوئی رائے قائم کریں۔ پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی کی کتاب کا "نفس مسئلہ" اکابر کی بعض تنقیصی عبارات ہیں۔ اس بابت پروفیسر صاحب اپنی کتاب "سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین" میں لکھتے ہیں:

"۔۔۔ یہ بات ملحوظ رہے کہ اکابر کی بعض عبارات اور الفاظ کی اگرچہ "تاویل" کی جاسکتی ہے لیکن ان عبارات اور الفاظ پر بھی بہ ظاہر اور "صورتاً" نقد ہی کا اطلاق ہوتا ہے۔ جب "خطائے اجتہادی حقیقتاً نہیں بلکہ صورتاً معصیت ہو سکتی ہے تو "نقد" بھی صورتاً معصیت ہو سکتا ہے۔
امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ:
"اور جو کچھ بعض سے حرب حضرت امیرؓ یا کچھ اور بشریت سے تقصیر ہوئی وہ خطائے اجتہادی تھی اور جو امر بخطاء اجتہاد سرزد ہوتا ہے وہ بصورتِ معصیت ہے نہ خود معصیت۔"
(تالیفات رشیدیہ۔ ہدایت الشیعہ ص550۔ مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور)

---

حضرت شاہ اسماعیل شہید فرماتے ہیں کہ:
"غرضیکہ ایسا لفظ منہ سے نہ بولے جس سے کچھ بو شرک کی یا بے ادبی کی آوے کہ اس (اللہ تعالیٰ) کی بہت بڑی شان ہے اور وہ بڑا بے پرواہ ہے۔ ایک نکتہ میں پکڑ لینا اور ایک نکتہ میں نواز دینا اسی کا کام ہے۔
اور یہ بات محض بے جا ہے کہ ظاہر میں لفظ بے ادبی کا بولے اور اس سے کچھ اور معنی مراد لے...." (تقویۃ الایمان ص80۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

اس سے معلوم ہوا کہ گستاخی کے کلمہ میں قائل کی نیت کا اعتبار نہیں ہوتا اور نہ ہی بے ادبی کے صریح الفاظ میں کسی تاویل کی گنجائش ہوتی ہے کیونکہ کہنے اور لکھنے والوں کی نیت خواہ کچھ بھی ہو مگر پڑھنے والا اسے بے ادبی پر ہی محمول کرے گا۔

زیر نظر کتاب (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین) میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص پر مبنی اکابر کے جو اقوال پیش کیے گئے ہیں وہ صریح ہیں۔ ان کی تاویل ''خطائے اجتہادی'' کے مفہوم سے ہرگز نہیں کی جا سکتی۔ کاش یہ اکابر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ''تنقیصی الفاظ'' استعمال کرنے کے بجائے اپنے قلم کو ''خطائے اجتہادی'' کی اصطلاح تک ہی روک لیتے جس میں تحقیر و تنقیص کا کوئی شائبہ نہیں پایا جاتا لیکن صد افسوس کہ وہ اس پر ''اکتفاء'' نہ کر سکے۔ اس کی مزید وضاحت کتاب کے آخر میں زیر عنوان ''اختتامیہ'' ملاحظہ فرمائیں۔،

---

اکابر کی "تنقیصی عبارات" ان کے کسی "مخطوطے" یا ذاتی ڈائری سے نقل نہیں کی گئیں بلکہ وہ ان کتب سے پیش کی گئی ہیں جنہیں خود علمائے کرام نے بار بار اپنے اداروں سے شائع کیا ہے۔ حتیٰ کہ ان میں سے بعض کتب "درس نظامی" کے نصاب میں بھی شامل ہیں۔

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ راقم الحروف (پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی) کوئی پہلی مرتبہ اکابر کی "تنقیصی عبارات" کو منظر عام پر نہیں لا رہا بلکہ ان میں سے اکثر عبارات مع فوٹو اسٹیٹ نقول ایک معروف بریلوی پیر سید محمود شاہ محدث ہزاروی اپنے خلاف 298 اے- کے تحت حضرت معاویہؓ کی توہین کے ایک مقدمہ میں سات سال (یکم جولائی 1985ء - 25 دسمبر 1992) تک ایبٹ آباد کی بھری عدالت میں پیش کرتے رہے ہیں جو آج بھی عدالتی ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔ سید محمود شاہ کے حالات زیر نظر کتاب میں اپنے مقام پر ملاحظہ فرمائیں۔

اس کے علاوہ شہید ناموس صحابہ مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی کی مرتبہ کتاب ''تاریخی دستاویز'' (جس کی ضخامت

744 صفحات ہے) کے جواب میں اہل تشیع کی طرف سے 1997 میں 1222 صفحات پر مشتمل کتاب "تحقیقی دستاویز" شائع کی گئی ہے (ناشر مرکز مطالعات اسلامی پاکستان 71۔ سی، سیٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی) اس میں از صفحہ نمبر 951 تا 1172 صرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف علماء اہل سنت کی کتب کی فوٹو اسٹیٹ نقول ملاحظہ کی جاسکتی ہیں (جو 222 صفحات پر مشتمل ہیں)۔

---

اکابر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ "تنقیصی کلمات" خود ان کی بار بار شائع ہونے والی کتب سے ماخوذ ہیں جن میں سے بعض درس نظامی کے نصاب میں بھی شامل ہیں۔ راقم الحروف نے "اکابر" کو سیدنا معاویہؓ کے "ناقدین" کی قطار میں ہرگز کھڑا نہیں کیا بلکہ ان کے ادب واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے بغیر کسی قطع وبرید اور توڑ موڑ کے پوری احتیاط سے ان کے کلمات نقل کیے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اکابر کے مذکورہ کلمات درست تسلیم کرنے سے کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت داغ دار اور مجروح نہیں ہوتی؟

کیا مذکورہ صریح الدلالت کلمات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین اور تنقیص پر مبنی نہیں ہیں؟

اگر بفرض محال مذکورہ کلمات سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین نہیں ہوتی تو کیا خود اکابر کی مدح وتوصیف میں مذکورہ کلمات ان کے پیروکار برداشت کرلیں گے؟

(جب کہ یہ جملہ اکابر مل کر بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خاک پاکے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتے)

اگر وہ ان کلمات کو اپنے اکابر کے حق میں برداشت نہیں کرسکتے اور انہیں اکابر کی گستاخی اور توہین پر محمول کرتے ہیں تو پھر ان کلمات کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین وتنقیص کیوں نہیں سمجھا جاتا؟

کیا مذکورہ کلمات کے استعمال سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایذا نہیں پہنچے گی؟ کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا ہی نہیں ہے؟ (ومن اٰذاھم فقد اٰذانی)

اکابر کے زیر بحث "کلمات" سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف سبائی

پروپیگنڈے سے متاثر ہوگئے ہیں اور یہ خیال کچھ بعید بھی نہیں ہے۔ کتب اسماء الرجال کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خارجیوں اور سبائیوں کے گمراہ کن نظریات نے ہر دور میں بعض صحیح العقیدہ علماء دین کو بھی کلی یا جزوی طور پر متاثر کیا۔ مفسرین، محدثین، متکلمین اور فقہاء میں سے بعض ائمہ فن ایسے بھی ملتے ہیں جو تمام تر علم و فضل کے باوجود سبائی، خارجی اور ناصبی تھے یا پھر ان کے نظریات سے جزوی طور پر متاثر۔ ان کے حالات ایک مستقل کتاب کے متقاضی ہیں۔ امام ذہبی نے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں جا بجا ان کے علم و فضل کے اعتراف کے ساتھ ساتھ ان کی خاص ''علت'' کی بھی نشاندہی فرمائی ہے۔ انہوں نے جہاں بعض حضرات کو "الامام، الحافظ، الحجۃ، الاعلام، الفقیہ، القدوۃ، العابد، المحدث، الامام الجوّال، العارف، الصدوق، الحافظ الکبیر، من أوعیۃ العلم، إمام المحدثین، الحافظ الثبت، الحبر العالم" کے القابات سے یاد کیا ہے تو وہیں ساتھ ہی ساتھ "کان عثمانیا، فیہ خارجیۃ، فیہ تشیع قلیل، کان یتشیع، کان شیعا محترقا، غال فی التشیع، نقموا علیہ التشیع، کان شدید التعصب للشیعۃ فی الباطن وکان یظہر التسنن فی التقدیم والخلافۃ وکان منحرفا عن معاویۃ وآل متظاھرا بذلک ولایعتذر منہ" وغیرہ الفاظ کے ذریعے ان کے چہروں پر سے ردائے تقیہ بھی اتاری ہے۔

اس ایک "اشارے" سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ اکابر اپنے مخصوص ماحول سے کلی یا جزوی طور پر متاثر ہوتے رہے ہیں۔ اس لیے صحابہ کرامؓ کے بارے میں قرآن، حدیث اور کتب عقائد اہل سنت میں بیان کردہ شرعی مقام و مرتبہ کے مقابلے میں اکابر کے صحابہ کرامؓ کے کردار کو مجروح کرنے والے اقوال کو بلا ادنٰی توقف رد کر دیا جائے گا۔ (بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین۔ ملخصاً)

---

جبکہ مفتی محمد وقاص رفیع اپنی کتاب "حضرت امیر معاویہؓ اور عباراتِ اکابر" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ:

''۔۔۔انہیں حضرات میں حویلیاں سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب پروفیسر طاہر ہاشمی بھی ہیں، جنہوں نے اپنے مذموم افکار و نظریات اور مکروہ عزائم و خیالات کی بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی محبت و عقیدت کا مصنوعی لبادہ اوڑھ کر اکابر علماء اہل سنت و اساطین اُمت کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق

عبارات توڑ مروڑ کر اور ان کا سیاق و سباق حذف کر کے خواہ مخواہ انہیں "ناقدین معاویہؓ" کی فہرست میں شامل کر کے عوام الناس کو ان سے متنفر و بد ظن کرنے کا بیڑہ اُٹھا رکھا ہے"

(حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابر : ۳۴)،

مفتی محمد و قاص رفیع صاحب مزید لکھتے ہیں کہ : " گزشتہ چودہ صدیوں میں کوئی ایک بھی صحابہ کا ایسا دیوانہ پیدا نہیں ہوا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نقد کرنے والے ان ناقدین کی زبانوں کو لگام دیتا، ان کا احتساب کرتا اور ان کے خلاف تقریراً یا تحریراً یا احتجاجاً کوئی کاروائی عمل میں لاتا، اور "ناقدین معاویہ" نامی کتاب لکھ کر جو سعادت آج پروفیسر طاہر علی ہاشمی صاحب نے اپنی قسمت میں سمیٹی ہے وہ حاصل کرتا؟ آخر یہ امام احمد بن حنبل، امام ابو جعفر طحاوی، امام ابوالحسن اشعری، امام ابو منصور ماتریدی، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ، امام الحرمین الجوینی، حجۃ الاسلام امام غزالی، امام فخر الدین رازی، امام نووی، علامہ شمس الدین ذہبی، علامہ بدر الدین عینی، حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ تاج الدین سبکی، علامہ ابن ہمام حنفی، علامہ ابن حجر ہیتمی، علامہ عبدالعزیز فرہاروی، مولانا سرفراز خان صفدر، علامہ علی شیر حیدری، اور مولانا محمد نافع وغیرہ حضرات کہاں تھے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نقد کرنے والے ان ناقدین کی زبانوں کو لگام نہ دے سکے، ان کا احتساب نہ کر سکے، اور آنے والی نسل کو ان کی صحابہ دشمنی سے آگاہ نہ کر سکے؟ جس کا سارا بوجھ آج پروفیسر طاہر علی ہاشمی صاحب کو اپنے ساٹھ سالہ بوڑھے کندھوں پر اٹھانا پڑ رہا ہے"۔ (ایضا: ۳۴)

اس کے متصل بعد مفتی و قاص رفیع لکھتے ہیں کہ :

گو کہ بعض چیدہ چیدہ حضرات (مثلاً امام عبدالرزاق، امام حاکم، امام ابو بکر جصاص اور علامہ تفتازانی وغیرہ) پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بعض علماء نے نقد ضرور کیا ہے، لیکن ایک تو انھوں نے مذکورہ حضرات پر اجتماعی نہیں بلکہ فرداً فرداً ایک ایک شخص پر نقد کیا ہے، دوسرے یہ کہ انہیں نقد کرنے والے علماء ہی کے ہم عصر بعض دوسرے علماء نے ان کے اس نقد کو قطعی طور پر تسلیم نہیں کیا، اور مذرہ بالا حضرات کے

دفاع میں نقد کرنے والے علماء کو اپنے دلائل قویہ اور حجج بینہ کی بناء پر خاموش کرکے ان پر سے نقدِ معاویہ کا الزام صاف کرکے اس کی دوٹوک الفاظ میں نفی کی ہے"۔(حوالہ مذکور )

مفتی محمد وقاص رفیع مزید لکھتے ہیں کہ :۔"ایک تو انہوں نے مذکورہ حضرات پر اجتماعی نہیں بلکہ فرداًفرداًایک اور دوسرے یہ کہ انہیں نقد کرنے والے علماء ہی کے ہم عصر بعض دوسرے علماء نے ایک شخص پر نقد کیا ہے ان کے اس نقد کو قطعی طور پر تسلیم نہیں کیا،اور مذرہ بالا حضرات کے دفاع میں نقد کرنے والے علماء کو اپنے دلائل قویہ اور حجج بینہ کی بناء پر خاموش کرکے ان پر سے نقدِ معاویہ کاالزام صاف کرکے اس کی دوٹوک الفاظ میں نفی کی ہے" "۔(ایضا)

مفتی محمد وقاص رفیع صاحب، قاضی پروفیسر طاہر علی ہاشمی صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ :۔" پروفیسر آں موصوف نے اپنی کتاب میں اکابر اہل سنت کے عبارات کو توڑ مروڑ کر،ان میں قطع وبرید کرکے اور ان کا سیاق وسباق حذف کرکے جس دجل وفریب اور تلبیس ابلیس کا مظاہرہ کیا ہے اسے دیکھ کر عزازیل بھی شرما جاتا ہے"۔(صفحہ نمبر:35)
مفتی وقاص رفیع لکھتے ہیں:

"بہر حال ہم نے اپنی طاقت بشریہ کے مطابق پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی ان تمام شنیعہ ورذیلہ،تلبیسات و دجالیات اور فریب کاریوں کی مکمل طور پر قلعی کھولی اور انہیں طشت از بام کیا ہے اور اکابر علمائے اہل سنت والجماعت کی طرف منسوب ایک ایک واقعہ اور ایک ایک جزئی کی اصل حقیقت کا قدیم وجدید ماخذ کی طرف مراجعت کرکے بڑی محنت وجاں فشانی کے ساتھ اصل حقیقت کا سراغ لگایا ہے اور ان کی طرف غلط طور پر منسوب "نقد معاویہؓ" جیسے بدنما داغ کا انصاف کے کٹہرے میں رہتے ہوئے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ دفاع کیا ہے۔

ہماری یہ کتاب "حضرت معاویہؓ اور عباراتِ اکابر" پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی کتاب "سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین" کا جواب برائے جواب ہی نہیں بلکہ ایک مستقل تصنیف بھی ہے جو اکابر علمائے اہل سنت کی بعض موہوم و مشتبہ عبارات کے دفاع میں اگرچہ بہت پہلے لکھنی چاہیے تھی"۔۔۔۔

-

-

ہیچ مداں محمد وقاص رفیع

اسلام پورہ (واہ کینٹ)

23 جمادی الثانی 1439ھ

*(حضرت معاویہؓ اور عباراتِ اکابر صفحہ نمبر 38، 39)*

---

قارئین کرام!

پروفیسر صاحب کی کتاب کا "نفس مسئلہ" سیدنا رضی اللہ عنہ کے بارے میں اکابر کی "تنقیصی عبارات" ہے۔ جبکہ مفتی وقاص رفیع صاحب نے اپنی کتاب میں اکابر کی ان عبارات کی توضیح وتاویلات پیش کی ہیں، جو عبارات پروفیسر قاضی صاحب کے نزدیک "نقد معاویہ" کے زمرے میں شمار ہوتی ہیں۔ اور مفتی وقاص رفیع کی کتاب بقول ان کے پروفیسر قاضی صاحب کی کتاب کا جواب ہے۔ جیسا کہ مفتی وقاص رفیع نے کتاب کے مقدمہ کے آخر میں لکھا کہ:

"ہماری یہ کتاب "حضرت معاویہؓ اور عباراتِ اکابر" پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی کتاب "سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین" کا جواب برائے جواب ہی نہیں بلکہ ایک مستقل تصنیف بھی ہے جو اکابر علمائے اہل سنت کی بعض موہوم و مشتبہ عبارات کے دفاع میں اگرچہ بہت پہلے لکھنی چاہیے تھی"۔۔۔۔

قارئین کرام! یہ کیسا جواب ہے کہ قاضی صاحب کی کتاب میں شامل ناقدین کی نصف تعداد کو بھی عبور نہ کرسکے۔ اور جن اکابر کی عبارات کی وضاحت و تاویل پیش کی اس کی حقیقت حافظ عبید اللہ صاحب نے بطور قاری تبصرہ کرتے ہوئے واضح کردی ہے۔

جبکہ ماہنامہ حق چار یار لاہور ستمبر 2018 کے شمارے میں تبصرہ نگار حافظ عبدالجبار سلفی نے دھوکا دینے کی کوشش کی کہ مذکورہ کتابوں کا مبحث "مشاجرات صحابہ" ہے اور یقینا ایسا حسب عادت سلفی صاحب نے قصدا کیا ہوگا۔

چنانچہ سلفی صاحب لکھتے ہیں کہ: "یہ کتاب مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے فاضل مولانا مفتی محمد وقاص رفیع کے گوہر ریز قلم کا نتیجہ ہے۔ اس میں انہوں نے بڑی متانت اور خوش اسلوبی کے ساتھ یہ نازک پگڈنی عبور کرنے کی ہمت کی ہے اور یہ ثابت کیا کہ جب کوئی شخصیت کسی بھی متحارب گروہ سے متعلق ہوتی ہے تو اس سے وابستہ جذبات میں مدوجزر کا پیدا ہوجانا ایک امرِ طبعی ہے۔ اہل سنت والجماعت کا دوٹوک نظریہ ہے کہ خلفاء راشدین موعودہ چار ہیں، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم، کاتب وحی اور اپنے دیگر کمالات کی بناء پر جنتی ہیں اور ان کی محبت اہل ایمان کا اثاثہ ایمان ہے۔ تاہم مرتبہ کے لحاظ سے وہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہم پلہ نہ تھے اور باہمی جنگوں میں حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا اور نکتہ خطاء پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ مگر اس سے مراد خطاء اجتہادی ہے۔"

سلفی صاحب مزید لکھتے ہیں کہ "مجموعی اعتبار سے یہ کتاب سلسلہ دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک بہترین لائق مطالعہ، قابل قدر اور مستحق تحسین کاوش ہے۔"، "حوالہ جاتی کتاب پر نظر ڈالنے سے محسوس

ہوتا ہے کہ مصنف کتاب ہٰذا نے سینکڑوں صفحات کا مطالعہ بایں معنی کیا ہے کہ اصل مصادر اور علمی متابع پر توجہ مرکوز رکھی ہے۔ اعتدال اور نتیجہ فکر کے طور پر انہوں نے جو سطور لکھی ہیں، ان میں بھی کافی حد تک اعتدال چھلکتا ہے۔" حافظ عبدالجبار سلفی اپنی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "۔۔۔ مبصر کی خواہش ہے کہ مولانا محمد اسماعیل ریحان، مفتی ابولبابہ شاہ منصور، مولانا طلحہ السیف اور اس سے اگلی صف کے لوگوں میں سے بالخصوص حضرت مولانا عبدالقدوس خان قارن اس محاذ پر توجہ دیں اور مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم، خلافتِ راشدہ موعودہ، نیز داخلی فتنوں کے متعلق جمہور اہل سنت والجماعت کے بے غبار نظریہ کو اپنی خداداد صلاحیتوں سے آشکار کریں"، "اہل علم زیر تبصرہ کتاب دیئے گئے فون نمبر سے رابطہ کرکے حاصل کریں۔ اسے اپنے کتب خانوں کی زینت بنائیں اور اس علمی تحفہ کی قدر کرکے اپنے خزانۂ معلومات میں اضافے کے ساتھ ساتھ مصنف کی بھی ضرور حوصلہ افزائی فرمائیں"۔۔۔۔۔ اللہ کریم مصنف کی اس محنت کو قبول عام کا شرف بخشیں اور اپنی بارگاہ میں اسے مقبول فرما کر مخلوق کی ہدایت کا ذریعہ بنائیں۔" (ماہنامہ حق چار یار لاہور۔ ستمبر 2018۔ صفحہ نمبر 47،48،49-)

قارئین کرام!

اسی دوران مولانا عبدالمنان معاویہ نے بھی مفتی محمد وقاص رفیع کی مذکورہ کتاب کے مقدمہ پر تبصرہ اپنی فیس بک وال پر پانچ اقساط میں پیش کرچکے ہیں۔ حافظ عبیدللہ صاحب کے ناقدانہ تبصرہ کی پی ڈی ایف میں اسے بھی شامل کردیا گیا ہے۔ اسی طرح مناسب معلوم ہوا کہ حافظ عبدالجبار سلفی کے تائیدی تبصرے کے اسکین بھی پی ڈی ایف میں شامل کرلئے جائیں کیونکہ بعدازاں حافظ عبیداللہ صاحب نے سلفی صاحب کے تبصرہ کا بھی جائزہ فیس بک پر پیش کیا ہے جو چار اقساط پر مشتمل تھا اور جس کا نام ہے:

" بسلسلہ دفاع سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

" من ترا حاجی بگویم، تو مرا حاجی بگو" (قسط: 1)

(ضمیمہ "اکابر کے نادان وکیل")

بعد ازاں " تتمہ ضمیمۃ " اکابر کے نادان وکیل " کے عنوان سے 2 اقساط پیش کی گئیں۔

" اکابر کے ناداں وکیل، ضمیمہ، تتمہ ضمیمہ، مولانا عبد المنان معاویہ کا پانچ اقساط پر مشتمل تبصرہ، مفتی محمد وقاص رفیع کی کتاب کے اسکین، اور حافظ عبد الجبار سلفی کا تبصرہ ماہنامہ حق چار یار لاہور ستمبر 2018 کے اسکین پی ڈی ایف میں شامل کئے گئے ہیں۔ اب قارئین حافظ عبید اللہ صاحب کے تبصرہ کے تناظر میں مفتی وقاص رفیع کی کتاب کے " علمی تحفہ کی قدر " صحیح طرح سے کر سکیں گے۔ نیز آخر میں پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی کی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع میں لکھی گئی کتاب " سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین " کا ڈاؤن لوڈنگ لنک بھی دے دیا گیا ہے تاکہ قارئین " معتوب زمانہ " کتاب کو انٹرنیٹ سے ڈاؤن لوڈ کر کے خود مواد کا تقابل کر سکیں۔ کہ واقعی اکابر کی عبارات " نقد " کے زمرے میں آتی ہیں یا خواہ مخواہ پروفیسر قاضی صاحب نے اکابر کو " ناقدین معاویہ " کی فہرست میں لا کھڑا کیا ہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ مفتی وقاص رفیع نے پروفیسر قاضی صاحب کی کتاب میں شامل 44 ناقدین میں سے 21 ناقدین کی کچھ عبارات کی وضاحت و صفائی پیش کرنے کی " کوشش " کی ہے۔ مفتی صاحب کی یہ " کوشش " کہاں تک کامیاب ہوئی یہ قارئین کتاب کے اسکین اور دونوں تبصروں کے مطالعہ کے بعد جان سکیں گے۔ اور انہیں مفتی وقاص رفیع کی " کاوش " کی حیثیت و حقیقت بھی معلوم ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ

------

عرش والے میری توقیر سلامت رکھنا

فرش کے سارے "خداؤں" سے الجھ بیٹھا ہوں

چونکہ میں نے اپنی وال پر پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی صاحب کی تحقیق پر ان کے مضبوط دلائل کی وجہ سے مکمل اعتماد کرتے ہوئے ان کی کتاب " سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین " سے پوسٹیں پیش کی ہیں اور جہاں بہت سارے حضرات بندہ سے الجھتے رہے اور الزام تراشیاں کرتے رہے وہیں مفتی محمد وقاص رفیع نے اپنی کتاب کی تشہیر فیس بک پر کی تو بہت سارے اکابر کے مداحوں نے ان کی اس کاوش کو داد تحسین پیش

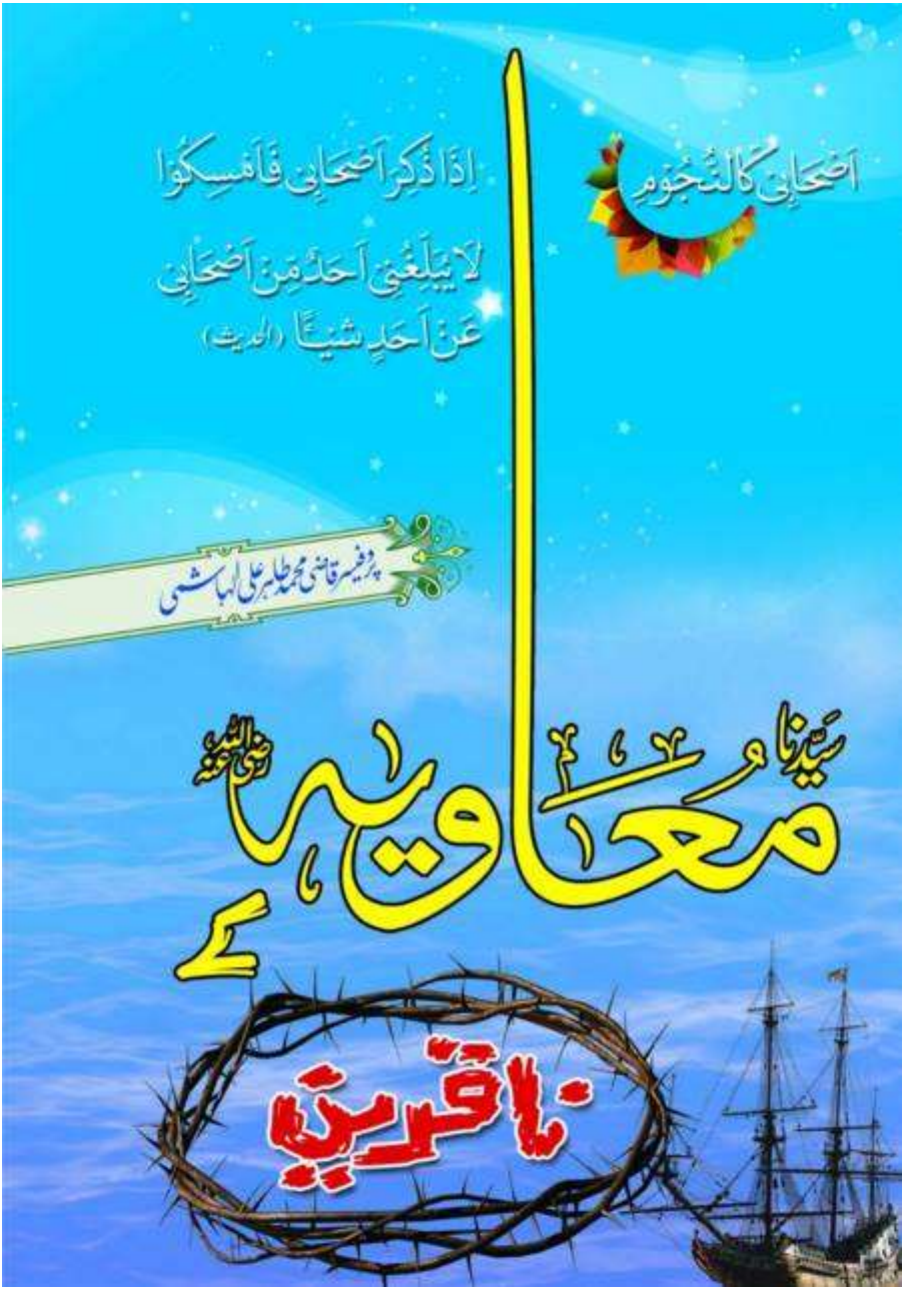
کی۔ جبکہ بندہ نے مفتی صاحب سے انباکس درخواست کی تھی کہ کتاب سے پوسٹوں کی صورت میں قارئین کی راہنمائی کی جائے کیونکہ بہت سارے لوگوں تک میری وال سے قاضی صاحب کی کتاب پوسٹوں کی صورت میں پہنچی ہے اس لئے اب اگر اکابرین کی عبارات کی کوئی مناسب تاویل کی گئی ہے تو قارئین تک اسے پہنچایا جائے اور اس مقصد کے لئے بندہ اپنی وال سے پوسٹیں کرنے کے لئے تیار ہے بشرطیکہ کمپوز شدہ فائل سنڈ کردی جائے۔ اور ساتھ یہ بھی عرض کیا تھا کہ بہتر ہوتا کہ علماء دیوبند کی اعلی علمی قیادت کی تقاریظ و تائید کے ساتھ کتاب شائع کی جاتی۔ اب چونکہ علماء دیوبند سے منسوب تحریک خدام اہل سنت کے ترجمان رسالے ماہنامہ حق چار یار لاہور میں حافظ عبدالجبار سلفی صاحب کے شعلہ بار قلم سے تبصرہ سامنے آچکا ہے۔ جس کا مختصر ذکر اوپر ہوچکا ہے۔ آگے مکمل اسکین دیئے ہوئے ہیں۔ ممکن ہے کہ آنے والے دنوں میں مزید رسائل و جرائد اس کتاب پر تبصرہ کریں لیکن فی الوقت قارئین حافظ عبیداللہ صاحب اور عبدالمنان معاویہ کے تبصروں کی روشنی میں مفتی وقاص رفیع صاحب کی کتاب کے اسکین کا مطالعہ شروع کریں ہم آگے چل کر مذکورہ کتاب پر تبصرہ کریں گے۔ جس سے رہی سہی کسر پوری ہوجائے گی۔ ان شاء اللہ

محمد اعجاز کراچی

5 نومبر 2018ء

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی صاحب کی کتاب کا لنک :۔

https://jumpshare.com/v/RFEfba8CjuXHKwWvT7rC?b=34EO25Gyt40GpmR2r8w6


اصحابی کالنجوم
اذا ذکر اصحابی فامسکوا
لا یبلغنی احد من اصحابی
عن احد شیئا (الحدیث)
پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی
سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ
کے
ناقدین

# اکابر کے نادان وکیل

## مفتی وقاص رفیع (فاضل مدرسہ عربیہ رائے ونڈ) کی کتاب
## "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابر"
## پر بطور قاری مختصر تبصرہ

از قلم
حافظ عبید اللہ

# اکابر کے نادان وکیل:

## (قسط:1) ....... 14 مئی 2018

--------

## اکابر کے دفاع کے نام پر صحابہ کرام پر حملہ.

کسی "مفتی محمد وقاص رفیع" نامی مصنف کے نام کے ساتھ ایک کتاب منظر عام پر آئی ہے جس کا نام ہے "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابر"، مفتی مذکور نے اپنے نام کے ساتھ "فاضل مدرسہ عربیہ تبلیغی مرکز رائے ونڈ" بھی بطور خاص لکھا ہے، اس کتاب میں ان کا دعوی ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بعض اکابر اہل سنت کی ایسی عبارات کا دفاع کیا ہے جن کو لے کر بعض حضرات نے ان اکابر کو "ناقدین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ" میں شامل کیا ہے.

لیکن جیسے جیسے کتاب پڑھتے جائیں، تو اندر کی بات یہ سامنے آتی ہے کہ مفتی موصوف (یا جس نے ان سے یہ کتاب لکھوائی ہے) بار بار یہ باور کروانا چاہتے ہیں کہ "حضرات ام المؤمنین عائشہ صدیقہ، طلحہ، زبیر، معاویہ، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم اجمعین" وغیرہم یہ تمام حضرات تھے تو نص کی رو سے باطل پر اور شرعی وفقہی باغی تھے، لیکن چونکہ یہ سب صحابی ہیں اس لیے ہم ان کو یہ رعایت دیتے ہیں کہ انھیں "مجتہد مخطی" کہتے ہیں، ورنہ اگر یہ کام اگر کسی غیر صحابی سے ہوئے ہوتے تو اسے گناہ کبیرہ کا مرتکب اور فاسق کہا جاتا.. (دیکھیں کتاب مذکور کا صفحہ 631).

(یہاں یہ بیان کرتا جاؤں کہ ملک کے ایک معروف عالم جو کالم نگار بھی ہیں سے بہت عرصہ پہلے میری ایک پروگرام میں ملاقات ہوئی تھی، دوران گفتگو ان صاحب نے بھی صاف طور پر مجھ سے یہی کہا کہ "ہاں یہ تمام

حضرات ہیں تو حقیقی طور پر باغی اور باطل پر لیکن ہم صرف ان کے مقام صحابیت کی وجہ سے انھیں مجتہد مخطی کہتے ہیں، تفصیل پھر کبھی).

یہ کتاب عجیب و غریب قسم کے مغالطات اور تناقضات کا مجموعہ ہے.. چند مثالیں پیش خدمت ہیں :

جناب مفتی موصوف ایک جگہ ان اکابرین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جن پر "ناقدین معاویہ" ہونے کا الزام ہے لکھتے ہیں کہ :

"اگر واقعی یہ حضرات ایسے ہی تھے جیسا کہ دعوا ہے تو پھر سوال ہے کہ گذشتہ چودہ صدیوں میں کوئی ایک بھی صحابہ کا ایسا دیوانہ پیدا نہ ہوا جو حضرت معاویہ (رض) پر نقد کرنے والے ان ناقدین کی زبانوں کو لگام دیتا، ان کا احتساب کرتا اور ان کے خلاف تقریراً یا تحریراً یا احتجاجاً کوئی کروائی عمل میں لاتا."

اور پھر اسی صفحے پر اپنی ہی بات کو یوں توڑتے ہیں کہ:

"گو کہ بعض چیدہ چیدہ حضرات مثلاً امام عبدالرزاق، امام حاکم، امام ابوبکر جصاص، علامہ تفتازانی وغیرہ پر حضرت معاویہ (رض) کے حوالے سے بعض علماء نے نقد ضرور کیا ہے لیکن ایک تو انھوں نے مذکورہ حضرات پر اجتماعی نہیں بلکہ فرداً فرداً ایک ایک شخص پر نقد کیا ہے.." (دیکھیں کتاب کا صفحہ 34).

یعنی یہ بعض علماء جنھوں نے ان حضرات کی عبارات پر نقد کیا یہ مفتی وقاص رفیع کے نزدیک چودہ صدیوں سے باہر کے ہیں کیا؟؟ نیز کیا ان کے خیال میں صرف اجتماعی نقد کرنا ہی قابل اعتراض ہے، اگر فرداً فرداً کیا جائے تو پھر قابل قبول ہے؟.

مفتی موصوف ایک جگہ آپے سے باہر ہو کر لکھتے ہیں :

"حضرت معاویہ (رض) کے مخطی اور باغی ہونے پر پوری امت کا اجماع ہے "

(یاد رہے اس عبارت میں مفتی صاحب نے صرف "مخطی" اور "باغی" کے الفاظ لکھے ہیں "مجتہد مخطی" کے الفاظ نہیں لکھے ... " (دیکھیں کتاب کا صفحہ 111).

ایک جگہ پر لکھتے ہیں :

"شہادت عمار (رض) کے بعد بھی حضرت معاویہ (رض) کا حضرت علی (رض) کے ساتھ برابر قتال جاری رکھنا اور مسلسل لڑتے رہنا حق سے اعراض اور باطل پر اصرار کے مترادف ہے "
(دیکھیں کتاب کا صفحہ 94)

یاد رہے مفتی صاحب نے یہ بات شوکانی کے حوالے سے اپنے موقف کے حق میں نقل کی ہے، اور شوکانی کے بارے میں علماء نے لکھا ہے وہ "زیدی شیعہ" تھے.

ایک جگہ لکھتے ہیں:

"جہاں تک.......... مولانا سید ابو الاعلی مودودی صاحب کے حدیث عمار کی رو سے حضرت معاویہ (رض) کو باغی ثابت کرنے کے مذکورہ بالا استدلال کا تعلق ہے تو یہ تو جمہور علماء اہل سنت کا ایک اجماعی موقف ہے (دیکھیں کتاب کا صفحہ 96)

غور کریں مفتی موصوف ایک ہی سطر میں "جمہور علماء اہل سنت" کا مسلک بھی لکھ رہے ہیں اور ساتھ ہی "اجماعی موقف" بھی لکھ رہے ہیں ... "جمہور" کے لفظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ علماء اہل سنت کا یہ مسلک نہیں، اگر ایسا ہی ہے تو پھر یہ اہل سنت کا "اجماعی موقف" کیسے ہوا؟، نیز مولانا مودودی کے استدلال کی تائید کر رہے ہیں.

بلکہ مفتی موصوف نے اسی کتاب میں "میر سید شریف جرجانی" کے حوالے سے یہ بات خود نقل کی ہے کہ انہوں نے اہل سنت کی ایک جماعت کا یہ مسلک بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے مشاجرات صحابہ جیسے واقعات کے بارے میں مکمل توقف اور سکوت سے کام لیا ہے اور دونوں فریقوں میں سے کسی ایک فریق کی طرف بھی علی التعیین والیقین نہ خطا کو منسوب کیا ہے اور نہ صواب کو " (دیکھیں کتاب کا صفحہ 81).

اگر میر سید شریف جرجانی کی یہ بات درست ہے تو پھر مفتی موصوف "اجماع" کس پر بتا رہے ہیں؟ اہل سنت کی یہ ایک جماعت کیا مفتی صاحب کے نزدیک اہل سنت سے خارج ہے؟

(نوٹ: شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی اہل سنت کی ایک جماعت کا یہی مسلک نقل کیا ہے، بلکہ ایک مسلک دونوں گروہوں کے مصیب ہونے کا بھی نقل کیا ہے اسی طرح ان حزم (رح) نے بھی صحابہ کرام اور

اہل سنت کے مختلف مواقف ذکر کیے ہیں، نیز حضرت مجدد الف ثانی (رح) نے بھی لکھا ہے کہ اس معاملے میں حضرت معاویہ (رض) کے ساتھ تقریباً آدھے صحابہ کرام شریک تھے... تفصیل آگے آئے گی).

آگے سنیے! مدرسہ رائے ونڈ کے فاضل یہ مفتی صاحب ایک جگہ یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ "مشاجرات صحابہ میں واجب، اصل اور بہتر مسلک یہی ہے کہ اس بارے میں توقف، امساک اور کف لسان کیا جائے اور اگر کبھی مجبوراً یا اضطراراً اُس بارے میں بات کرنی ہی پڑے تو نہایت احتیاط کی ضرورت ہے اور کوئی ایسی بات نہ کی جائے جس سے کسی صحابی کی تنقیص ہوتی ہو، موصوف نے اس پر بہت سے حوالے بھی لکھے ہیں، لیکن آگے مفتی صاحب یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ:

"بعض مخصوص مواقع میں ضرورت شرعیہ شدیدہ کی بنا پر اس مسئلے میں توقف وامساک اور کف لسان کا حکم واجب کا نہیں رہتا بلکہ ناجائز کا ہو جاتا ہے اور ایسے مواقع میں توقف وامساک اور کف لسان نہ کرنا واجب ہو جاتا ہے... " (دیکھیں کتاب کا صفحہ 89 وما قبل).

غور فرمائیں! یہ ایسے ہی ہے جیسے خنزیر کھانا حرام ہے، لیکن شدید اضطراری حالت میں بقدر ضرورت کھانے کی اجازت دی گئی ہے... اور وہ اجازت صرف اباحت تک ہے نہ واجب ہے اور نہ کوئی مفتی یہ فتویٰ دیتا ہے کہ اضطرار کی حالت میں خنزیر کھانا واجب ہو جاتا ہے اور نہ کھانا ناجائز ہوتا ہے، لہٰذا اگر مفتی موصوف کے اقرار کے مطابق مشاجرات صحابہ میں واجب یہی ہے کہ توقف وامساک وکف لسان کیا جائے تو پھر ضرورت شرعیہ شدیدہ کی صورت میں بھی بقدر ضرورت اس پر کلام صرف مباح یا جائز ہی ہوگا... واجب نہیں ہو سکتا، اور یہی وہ نکتہ ہے جسے مفتی وقاص رفیع اور ان کے ہمنوا نہیں سمجھ سکے، یہیں علماء اہل سنت نے یہ فرمایا ہے کہ "اگر کسی خاص مجبوری کی وجہ سے صحابہ کرام کے درمیان ہونے والے ان مشاجرات کا ذکر کرنا ہی پڑے تو پھر آخری حد اجتہادی خطاء ہی ہے، اس سے تجاوز نہیں کرنا"، جس سے مفتی وقاص رفیع نے یہ سمجھ لیا ہے کہ پہلے تو دلائل کے ساتھ ایک طرف کو "باغی" "طاغی" "ناحق خروج کرنے والے" "نصوص کی مخالفت کرنے والے" وغیرہ وغیرہ ثابت کیا جائے اور پھر آخر میں یہ کہہ دیا جائے کہ چونکہ وہ صحابی ہیں اس لئے ہم

ان کا لحاظ کرتے ہوئے ان کے ان تمام کاموں کو "خطائے اجتہادی" کہتے ہیں ... اور اگر کوئی یہ کہے کہ جناب ! اہل سنت کا اصولی موقف مشاجرات صحابہ میں "توقف و امساک ہے" تو اس کے خلاف کتابیں لکھی جاتی ہیں کہ نہیں تم پر لازم ہے کہ ایک جانب کو ضرور غلط، ناحق اور باغی کہو.

ایک جگہ مفتی موصوف یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ "حضرت عمار (رض) کی شہادت کے بعد کئی غیر جانبدار صحابہ کرام حضرت علی (رض) کے لشکر میں شامل ہوئے" .. اور دلیل کے طور پر کیا پیش کرتے ہیں؟ یہ کہ "فلاں صحابی صفین کے موقع پر حضرت علی کے ساتھ شامل تھے، لیکن وہ لڑائی میں حصہ نہیں لے رہے تھے، حضرت عمار (رض) کی شہادت کے بعد انہوں نے لڑائی میں حصہ لیا ... " (دیکھیں کتاب کا صفحہ 101 – 102).

اب سوال یہ ہے کہ مفتی موصوف نے عنوان میں "غیر جانبدار" کا لفظ لکھا ہے .. جبکہ جن صحابی کا حوالہ پیش کیا ہے وہ تو پہلے ہی سے حضرت علی (رض) کے لشکر میں تھے .. غیر جانبدار تو نہ تھے ... (اگر مستدرک حاکم کی اس پوری روایت کا مطالعہ کیا جائے جو مفتی صاحب نے دلیل کے تو طور پر پیش کی ہے تو اس میں مزید ایسی باتیں بھی ہیں جو مفتی صاحب کے خلاف بھی جاتی ہیں، مثلاً حضرت عمار (رض) کو قتل کرنے والوں کے تین نام بھی ہیں اس روایت میں جبکہ مفتی صاحب ان تینوں میں سے کسی کو بھی قاتل عمار (رض) نہیں کہتے).
ابھی میں نے کتاب کے صرف 110 صفحات بالاستیعاب پڑھے ہیں اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ کسی "سبائیت سے متاثر شخص" نے یہ کتاب لکھوائی ہے اور مفتی صاحب موصوف کا صرف نام استعمال کیا گیا ہے ورنہ جو زبان اور انداز اس کتاب میں اختیار کیا گیا ہے وہ کسی طرح بھی تبلیغی جماعت کے اکابرین اور مدرسہ رائے ونڈ کے فضلاء کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتا ... مفتی صاحب کا یہ حق تھا کہ وہ اپنا موقف ضرور بیان کرتے لیکن اس کے لیے اگر الفاظ اور انداز وہی ہوتا جو تبلیغی جماعت کے احباب کا ہے تو بہتر تھا .. میرا حسن ظن یہی ہے.
نوٹ: جیسے جیسے کتاب کا مطالعہ کرتا جاؤں گا اس پر مزید گزارشات کرتا جاؤں گا...

# اکابر کے نادان وکیل (قسط: 2)

---

مفتی وقاص رفیع کی کتاب "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عبارات اکابر" بندہ جوں جوں پڑھتا جاتا ہے یہ یقین ہوتا جاتا ہے کہ یہ کتاب کسی اعلی درجے کے تقیہ باز سبائی کی تحریر ہے کیونکہ مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کا ایک فاضل کم از کم ایسی جہالت نہیں بکھیر سکتا...

اہل سنت کے ہاں ایک مجتہد اور امام سمجھے جانے والی شخصیت کا نام ہے "ابو بکر الجصاص".. موصوف کا علم اور اجتہاد اپنی جگہ ، لیکن اپنی تفسیر "احکام القرآن" میں بلا وجہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کہیں بھی ذکر کرکے ان پر اپنا غصہ نکالتے نظر آتے ہیں... خود مفتی وقاص رفیع نے اقرار کیا ہے کہ:

"امام جصاص کی احکام القرآن میں بعض عبارتیں ایسی ضرور موجود ہیں جن پر بظاہر (یہ بظاہر کی قید صرف جصاص کی ان عبارات کی شدت میں نرمی بتانے کے لیے مفتی موصوف نے لگائی ہے_ناقل) نقد کا اطلاق کیا جاسکتا ہے" (دیکھیں کتاب کا صفحہ 232).

ان جصاص صاحب نے جہاں آیت تمکین وآیت استخلاف میں خوامخواہ حضرت معاویہ (رض) کا تذکرہ کرکے اپنے دل کی بھڑاس نکالی ہے اور جس کا مفتی وقاص (یا اس کتاب کے اصل موجد) نے یہ کہہ کر دفاع کیا ہے کہ انہوں نے ایسا اس لیے کیا ہے کہ آیت تمکین اور آیت استخلاف جب نازل ہوئیں تو اس وقت حضرت معاویہ (رض) اسلام نہیں لائے تھے اس لیے امام جصاص نے درست کیا ہے کہ یہ بتا دیا کہ حضرت معاویہ (رض) کا ان آیات سے کوئی تعلق نہیں.. لیکن ہمارا سوال یہ ہے کہ جصاص صاحب کو حضرت معاویہ (رض) کے علاوہ کسی اور کا نام کیوں نہ یاد آیا؟ مثال کے طور پر انہوں نے حضرت حسن (رض) یا حضرت عمر بن عبدالعزیز (رح) کا نام کیوں نہ ذکر کردیا؟ یہاں خاص طور پر حضرت معاویہ (رض) کا نام لینے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی؟.

بہرحال جو بات آپ کے سامنے اس وقت رکھنی ہے وہ یہ ہے کہ انہی جصاص صاحب نے قرآن کریم کی آیت "لا ينال عهدي الظالمين" (البقرة:124) کے تحت پہلے تو (بقول مفتی وقاص رفیع صاحب بحوالہ حضرت مجاہد) یہ بات لکھی ہے کہ:

"ظالم امام نہیں بن سکتا.... لہٰذا یہ جائز نہیں کہ ظالم نبی ہو اور نہ یہ جائز ہے نبی کا خلیفہ ہو اور نہ اس کے لئے قاضی بننا جائز ہے"

پھر اس کے بعد اسی آیت کے تحت آگے جصاص صاحب نے لکھا ہے کہ :

"عرب اور آل مروان میں عبدالملک سے بڑھ کر کوئی ظالم، کافر اور فاجر نہ تھا، اور نہ اس کے عمال میں حجاج سے بڑھ کر کوئی کافر ظالم اور فاجر تھا"

اور پھر اس دور کے صحابہ وتابعین کا ذکر کرتے ہوئے جصاص صاحب لکھتے ہیں:

(خلاصہ) " حسن بصری، سعید بن جبیر، شعبی اور تمام تابعین ان ظالموں سے اپنے وظائف وصول کرتے تھے، یہ اس لیے نہیں کہ وہ ان ظالموں کو دوست رکھتے تھے یا ان کی امامت وحکومت کو درست سمجھتے تھے بلکہ اس لئے وصول کرتے تھے کہ وہ ان وظائف کو اپنا حق سمجھتے تھے جو ظالم اور فاجر قسم کے لوگوں کے ہاتھوں میں تھا ................. (آگے لکھتے ہیں).. حضرت معاویہ (رض) کے ساتھ بھی اس سے پہلے لوگوں (صحابہ وتابعین_ناقل) کا رویہ اور سلوک ایسا ہی تھا جب وہ علی علیہ السلام (رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ علیہ السلام لکھا ہے_ناقل) کی شہادت کے بعد خلافت پر جبری قابض ہو گئے تھے اور حضرات حسنین اور جو صحابہ ان کے دور میں موجود تھے وظائف قبول کرتے تھے مگر ان (یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کے ساتھ دوستی اور محبت نہیں رکھتے تھے بلکہ ان سے اسی طرح تبرا کرتے تھے جس طرح علی علیہ السلام اپنی وفات تک کرتے رہے، لہٰذا ان (صحابہ وتابعین) کا ان لوگوں (جن کا ذکر ذکر جصاص صاحب نے کیا یعنی عبدالملک، حجاج اور حضرت معاویہ وغیرہم) کی طرف سے عہدہ قضاء قبول کرنا اور ان سے وظائف لینے میں اس بات پر کوئی دلالت نہیں کہ وہ ان سے محبت رکھتے تھے اور ان کی امامت وخلافت کے صحیح ہونے کے قائل تھے. "

قارئین محترم! جناب جصاص صاحب کی یہ عبارت بالکل واضح ہے، انہوں نے عبدالملک اور حجاج کو "کافر" لکھا.. اور پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو "زبردستی خلافت پر قبضہ کرنے والا" لکھا.. پھر یہ بھی لکھا کہ حضرت معاویہ (رض) کے دور میں صحابہ و تابعین جو ان سے وظائف لیتے تھے وہ اس لیے نہیں لیتے تھے کہ وہ ان کی امارت و امامت کو صحیح سمجھتے تھے، نیز جصاص کی اس عبارت سے صاف طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت معاویہ (رض) کو بھی ظالم ہی بتا رہے ہیں...

لیکن قربان جائیں مفتی وقاص رفیع پر.. انہوں نے چونکہ چنانچہ کے ساتھ بڑی کوشش کی کہ الفاظ کا ہیر پھیر کرکے جناب جصاص صاحب کی بات کا مطلب کچھ سے کچھ بنا دیں لیکن بات پھر بھی کچھ بنی نہیں.. ذرا مفتی صاحب کی تاویل ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں:

"امام جصاص کی اس توضیح سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت معاویہ (رض) اور دیگر اموی خلفاء کے بارے میں جو ظالم اور فاجر وغیرہ کے الفاظ مروی ہیں (مروی نہیں بلکہ جصاص نے لکھے ہیں، مفتی صاحب دھوکہ دے رہے ہیں_ناقل) وہ اس دور کے مذکورہ بالا قضاۃ حضرات کے اپنے ہیں، جنہوں نے اموی حکام سے اپنے وظائف اور قضاء کے عھدے قبول کر رکھے تھے، نیز یہ الفاظ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کے نہیں ہیں بلکہ انہوں نے تو محض بنو امیہ کے مذکورہ قضاۃ وغیرہ حضرات کے یہ الفاظ بطور حکایت کے نقل کیے ہیں کے ان قضاۃ وغیرہ حضرات کے خلفاء بنو امیہ کے بارے میں خیالات و نظریات یہ یہ تھے".

(دیکھیں مفتی وقاص رفیع کی کتاب کا صفحہ 257و258)

نوٹ: مفتی صاحب تسلیم کر گئے کہ جصاص کی عبارت میں حضرت معاویہ (رض) اور دوسرے اموی خلفاء کے بارے میں ظالم اور فاجر کے الفاظ تو لکھے ہیں..

میرا سوال مفتی صاحب سے یہ ہے کہ جصاص صاحب کی عبارت میں کونسا ایسا لفظ ہے جس میں جصاص صاحب نے یہ لکھا ہے کہ "عبدالملک بن مروان اور حجاج کو کافر کہنے والے اور حضرت معاویہ (رض) کو جبری خلافت پر قبضہ کرنے والے اور ظالم کہنے والے فلاں فلاں ان کے قاضی اور فلاں فلاں ان سے وظیفہ لینے والے تھے"؟؟.

عجیب بات ہے کہ جصاص کو بچانے کے لئے ایسی جاہلانہ تاویلات کی جارہی ہیں اور عبدالملک بن مروان جیسے فقیہ وقت کو "کافر" کہنے پر مفتی صاحب چپ سادہ لیتے ہیں ( جبکہ خود مفتی وقاص نے ابن اثیر جزری کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ عبدالملک عاقل، دور اندیش، ادیب، لبیب اور عالم تھا، اور مدینہ کے چار فقہاء میں سے ایک تھا، دیکھیں صفحہ 259) اور حضرت معاویہ (رض) کی مثال جصاص نے "ظالم" حکمران اور ایسا امام جس سے لوگ محبت نہیں کرتے تھے کے ضمن میں دی ہے اس پر مفتی صاحب یہ جھوٹ بولتے ہیں کہ یہ جصاص نے اس دور کے قاضیوں کی بات نقل کی ہے .... شرم تم کو مگر نہیں آتی..

آگے چلیے، یہی مفتی وقاص رفیع کے امام جصاص، سورۃ التوبہ کی آیت "فقاتلوا ائمة الكفر" کے تحت لکھتے ہیں کہ:

"( صحیح) بات یہ ہے کہ ان ائمہ کفر سے مراد قریش کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیا (جی صرف ظاہر کیا_ ناقل) وهم الطلقاء من نحو ابي سفيان وأحزابه ممن لم ينق قلبه من الكفر.. اور وہ طلقاء ہیں، جیسے ابو سفیان اور ان کا گروہ جن کے دل کفر سے پاک نہیں ہوئے تھے "

یاد رہے کہ انہی جصاص صاحب نے اپنی تفسیر میں ایک دوسری جگہ حضرت معاویہ (رض) کو بھی "طلقاء" میں شمار کیا ہے.. "ليس معاوية من المهاجرين بل هو من الطلقاء".. یوں ائمۃ الکفر میں ابو سفیان اور ان کے گروہ میں حضرت معاویہ (رض) بھی آتے ہیں، اور جصاص لکھتے ہیں کہ "انہوں نے صرف اسلام ظاہر کیا تھا لیکن ان کے دل کفر سے پاک نہیں ہوئے تھے... "

جصاص کی اس عبارت کا دفاع جناب مفتی وقاص صاحب یوں فرماتے ہیں :

" جن لوگوں نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا تھا ان کے دل چوں کہ فوراً جاہلیت کے اثرات سے پاک صاف نہیں ہو گئے تھے بلکہ تا ہنوز ان کے دلوں میں جاہلیت کے اثرات باقی تھے" ......یہی مطلب ہے امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کا.... الخ" (دیکھیں مفتی صاحب کی کتب کا صفحہ 277و278).

لاحول ولا قوۃ الا باللہ... جصاص کے الفاظ ہیں "ممن لم ینق قلبه من الكفر" کہ ان کے دل کفر سے پاک صاف نہیں ہوئے تھے.. اور مفتی صاحب ان الفاظ کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ ان کے دل میں جاہلیت کے اثرات باقی تھے.

نیز کیا مفتی صاحب یہ بتا سکتے ہیں کہ ابو سفیان (رض) کو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد نجران کا حاکم بنادیا تھا، آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت بدستور نجران کے حاکم تھے، آپ نے اسلام لانے کے بعد غزوہ حنین اور یرموک میں شرکت بھی کی تھی، اور جصاص صاحب جو انھیں "ائمۃ الکفر" کا مصداق بنا رہے ہیں کیا یہ نبوی فیصلے پر اعتراض نہیں؟ اور "فقاتلوا ائمۃ الکفر" کا مطلب تو مفتی صاحب شاید بیان کرنا بھول گئے..

کاش مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کا یہ فاضل نوجوان ایسی ہی تاویلیں صحابہ کرام کو "مخطی" اور "باغی" ہونے سے بچانے میں کرتا.

(اس تبصرے میں اگر قارئین کو کچھ الفاظ سخت محسوس ہوں تو در گزر فرمائیں، دراصل مصنف کتاب مذکور نے جو زبان استعمال کی ہے اس کے مقابلے میں یہ الفاظ نہایت مؤدب ہیں).

# اکابر کے نادان وکیل (قسط: 3)

----------------------

مفتی وقاص رفیع (فاضل مدرسہ عربیہ رائے ونڈ) کے نام سے شائع ہونے والی کتاب "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عبارات اکابر" کا مطالعہ جاری ہے، مفتی موصوف نے بزعمِ خود حضرات صحابہ، خاص طور پر ام المؤمنین عائشہ صدیقہ ، حضرات طلحہ وزبیر، حضرات معاویہ وعمرو بن العاص وغیرہم (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے بارے میں غیر صحابہ اکابرین کی ان عبارات کا دفاع کرنے کا دعوا کیا ہے جن عبارات کو لے کر ان اکابرین پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان کی یہ عبارات صحابہ کرام کے بارے میں تنقیدی وتنقیصی ہیں.

اسی سلسلے میں حنفی فقہ کی معروف کتاب "الہدایۃ فی شرح بدایۃ المبتدی" کے مصنف امام مرغینانی کی ایک عبارت پر بھی اعتراض کیا جاتا ہے، ہدایہ میں ایک جگہ یہ مسئلہ بیان کرتے ہوئے کہ جس طرح "سلطان عادل" (یعنی انصاف پسند حاکم) کی طرف سے قضاء کا عہدہ قبول کرنا جائز ہے اسی طرح "سلطان جائر" (ظالم حاکم) کی طرف سے بھی یہ منصب قبول کرنا جائز ہے، صاحب ہدایہ نے اپنی اس بات کی دلیل کچھ یوں پیش کی ہے کہ:

"ثم يجوز التقلد من السلطان الجائر كما يجوز من العادل لأن الصحابة تقلدوه من معاوية والحق كان بيد علي رضي الله عنه في نوبته، والتابعين تقلدوه من الحجاج وكان جائراً" (سلطان جائر) کی طرف سے عہدہ قضاء قبول کرنا اس لیے جائز ہے کیونکہ صحابہ نے حضرت معاویہ (رض) سے یہ منصب قبول کیا جبکہ اس زمانے میں حق حضرت علی (رض) کے ہاتھ میں تھا، اور اسی طرح تابعین نے حجاج (بن یوسف) سے یہ عہدہ قبول کیا جبکہ وہ جائر (ظالم) حاکم تھا.

صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی کی اس عبارت سے صاف واضح ہے کہ انہوں نے یہاں "سلطان جائر" کے الفاظ "سلطان عادل" کے مقابلے میں لکھے ہیں، اور جب "سلطان عادل" (انصاف پسند) حاکم کے مقابلے میں "سلطان جائر" بولا جائے تو اس سے مراد ظالم وجابر حکمران کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا، نیز اسی عبارت میں آگے انہوں نے "حجاج بن یوسف" کا ذکر بھی کیا ہے اور اس کے ساتھ بھی "جائر" کا لفظ لکھا ہے.

"جائر" کے معنی کی مزید وضاحت اس حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے افضل جہاد "کلمتہ حق عند سلطان جائر" کو فرمایا ہے (اِو کما قال علیہ السلام)، یعنی ایک جابر وظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا سب سے افضل جہاد ہے.

صاحب ہدایہ کا یہ استدلال اتنا واضح ہے کہ اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں، انہوں نے حضرت معاویہ (رض) کو "جائر" بتایا ہے، جیسے "حجاج" جائر تھا، اور یاد رہے "جور" یا "ظلم "گناہ کبیرہ ہوتا ہے، یہ فسق شمار ہوتا ہے، اسے "اجتہادی خطأ" نہیں کہا جاتا... لہٰذا اگر کسی شارح نے صاحب ہدایہ کی اس بات کی یہ تاویل کی ہے کہ اس "جور" سے مراد ان کی "اجتہادی خطأ" ہے تو یہ تاویل بظاہر درست نہیں بنتی کیونکہ "جور" اور "ظلم" کسی طرح بھی اجتہادی غلطی نہیں کہی جا سکتی، کیونکہ مجتہد مخطی کو تو اپنے اجتہاد پر ایک اجر بھی ملتا ہے، تو کیا "جور" اور "ظلم" پر بھی ایک اجر ملتا ہے؟؟

لہٰذا صاحب ہدایہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو "سلطان جائر" کی مثال کے طور پر پیش کرنا بذات خود ظلم و زیادتی ہے، اور ایک جلیل القدر صحابی پر تنقید ہی ہے.

لیکن مفتی وقاص رفیع صاحب نے صاحب ہدایہ کی اس تنقید کا بھی دفاع کرنے کی کوشش کی ہے، اور انہوں نے جو تاویل کی ہے اس کا خلاصہ کچھ یوں ہے کہ :

" یہاں لفظ "جور" سے اس کا لغوی معنی "ظلم" مراد نہیں بلکہ صاحب ہدایہ خود تصریح کر رہے ہیں کہ اس کا اصطلاحی معنی "خطائے اجتہادی" بتاویل "میل عن سواء السبیل" مراد ہے، اس لیے اصطلاح فقہ میں امام عادل کے مقابلہ میں خروج کرنے والے پر لفظ جور، خروج، اور بغاوت وغیرہ الفاظ کا اطلاق کرکے اسے "جائر اور باغی" کہا جاتا ہے اور یہ اطلاق "ظلم" کو مستلزم نہیں".

<u>تبصرہ:</u> سب سے پہلی بات یہ کہ صاحب ہدایہ نے ہرگز ہرگز اپنی اس "سلطان جائر" والی بات کا کہیں بھی یہ مطلب نہیں بیان کیا کہ میں نے جو یہ "جائر" لکھا ہے اس سے مراد "خطائے اجتہادی" ہے.. مفتی موصوف نے یہ سراسر دھوکہ دیا ہے، در اصل انہوں نے صاحب ہدایہ کی اپنی کتاب میں ایک اور جگہ موجود اور ایک

دوسری عبارت کو جس میں "ظلم" کا لفظ ہے "جور" کا نہیں، اسے اس عبارت سے متعلق ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے .

دوسری بات یہ کہ مفتی صاحب نے نہ جانے کہاں سے یہ شوشہ نکالا ہے کہ "جور" کا اصطلاحی معنی "خطائے اجتہادی" ہے؟؟؟

تیسری بات مفتی موصوف نے اپنی کتاب میں بار بار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو "امام حق کے خلاف خروج کرنے والا" لکھا ہے، جس سے یہ بات اچھی طرح سمجھ آجاتی ہے کہ نوجوان مفتی موصوف کا مبلغ علم کیا ہے، انھیں یہ بھی علم نہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم نے ہرگز حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف جنگ کی غرض سے خروج نہیں کیا، بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عراق سے شام کی طرف پیش قدمی کی تھی، نیز اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت وخلافت پر دوسروں کو چھوڑیں خود صحابہ کرام کا اجماع نہیں ہوا تھا، بلکہ آدھے یا اس سے زیادہ صحابہ کرام نے ابھی ان کی بیعت بھی نہیں کی تھی (امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے منہاج السنۃ میں یہ بات متعدد بار لکھی ہے، حوالے آگے بیان ہوں گے)... اس لیے مفتی صاحب بار بار حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں "خروج" کا لفظ بول کر اپنے دل میں چھپے جذبات کا اظہار کر رہے ہیں، پھر "خروج" کا معنی ہے "نکلنا"، اگر اس کا معنی "بیعت سے نکلنا" لیا جائے تو بھی یہ حضرت معاویہ (رض) کے لیے نہیں بولا جاسکتا، کیونکہ آپ نے حضرت علی (رض) کی بیعت ہی نہیں کی تھی، آپ ان کی بیعت میں داخل ہی نہیں ہوئے تھے تو پھر اس سے "خروج" کا کیا مطلب؟.

نیز مفتی موصوف نے اگر واقعی تخصص فی الفقہ کیا ہوا ہے تو انھیں معلوم ہوتا کہ علماء اہل سنت تو یہ بھی کہتے ہیں کہ کسی فاسق حاکم کے خلاف بھی خروج جائز نہیں، جمہور کا یہی مسلک ہے، بلکہ بعض حضرات (امام نووی وغیرہ) نے تو اس پر اجماع بھی لکھا ہے لہٰذا یاد رہے! جمہور اہل سنت کے نزدیک امام فاسق کے خلاف بھی خروج جائز نہیں (فتدبر)... تو پھر صرف "امام عادل کے خلاف خروج" ہی ناجائز نہ ہوا بلکہ "امام جائر" کے خلاف خروج بھی ناجائز بنتا ہے، اور مفتی صاحب شاید نہیں جانتے کہ اس کے نتائج کیا ہوں گے .... (بہرحال ابھی ہماری بحث اس سے نہیں).

لہٰذا مفتی موصوف کو چاہیے کہ پہلے وہ "خروج" کی تعریف کریں اور پھر ثابت کریں کہ حضرت معاویہ (رض) نے حضرت علی (رض) کے خلاف خروج کیا تھا اور آپ کے خلاف لشکری کشی کرتے ہوئے پیش قدمی کی تھی... جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے حضرت علی (رض) کے مقابلے میں دعوائے خلافت نہیں کیا تھا، صرف قصاص عثمان (رض) کا مطالبہ کیا تھا جو کہ کسی طرح بھی خروج نہیں کہا جاسکتا، اور بقول حضرت مجدد الف ثانی (رح) تو "اس معاملے میں حضرت معاویہ (رض) تنہا نہیں ہیں بلکہ صحابہ کرام کی کم و بیش نصف جماعت اس معاملے میں حضرت معاویہ (رض) کے شریک ہیں...." (مکتوبات امام ربانی مترجم اردو از مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب، جلد دفتر اول، مکتوب نمبر 251 صفحہ 190).

نیز مفتی موصوف کو یہ بھی علم نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت سے قبل ہی ایک معاہدہ کے تحت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کئی علاقوں پر تسلیم فرمائی تھی اور بہت سے علاقے ان کی تولیت میں دے دیے تھے (جس کا اقرار خود مفتی وقاص رفیع نے بھی کیا ہے، دیکھیں ان کی کتاب: صفحہ 59) تو اگر بقول مفتی صاحب "مصالحت حسن رضی اللہ عنہ سے پہلے حضرت معاویہ (رض) جائر (کسی بھی معنی میں) تھے تو پھر کیا حضرت علی (رض) نے ایک "جائر" کی تولیت میں یہ علاقے دیے؟؟؟

صاحب ہدایہ کے ایک غلط استدلال کا دفاع کرتے کرتے، مفتی موصوف سوچیں کہ وہ کہاں پہنچ رہے ہیں.. ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ حضرت معاویہ (رض) کا دفاع کرتے کہ ان کی طرف "جور" کی نسبت درست نہیں اور یہ صاحب ہدایہ کی زیادتی ہے، کیونکہ مفتی وقاص صاحب دوسری طرف یہ بات خود تسلیم کرتے ہیں کہ اکابرین اہل سنت نے مشاجرات صحابہ میں سب سے بہتر یہی بتایا ہے کہ اس میں توقف، امساک اور کف لسان ہی کیا جائے، لیکن اگر کہیں کسی وجہ سے اس پر مجبوراً بات کرنی ہی پڑے تو "اجتہادی غلطی" سے آگے نہیں جانا چاہیے.. اکابرین یہی کہنا چاہتے ہیں کہ مشاجرات صحابہ میں زیادہ سے زیادہ آخری حد "اجتہادی خطأ" ہے، لیکن صاحب ہدایہ اور جصاص وغیرہما نے اس حد سے تجاوز کیا ہے، لہٰذا ان کی عبارات کا دفاع کرنے کی بجائے مفتی صاحب کو چاہیے تھا کہ وہ یہ کہتے کہ "صاحب ہدایہ سے اجتہادی غلطی ہو گئی ہے اللہ انھیں معاف

فرمائے" .... لیکن چونکہ مفتی موصوف کے دل میں بغض معاویہ (رض) ہے (جس کا اظہار وہ بار بار اس کتاب میں ان کو باغی اور ناحق خروج کرنے والا لکھ کر کر رہے ہیں) اس لیے وہ اپنے ان اکابرین کی ان عبارات کا دفاع کرنے میں ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں جو عبارات خود اصول اہل سنت سے تجاوز ہیں.

آخر میں ایک مزے کی بات بھی پڑھتے جائیں، مفتی وقاص نے علامہ ابن خلدون کی ایک عبارت کے حوالے سے یہ تسلیم کیا ہے کہ قرن اول (یعنی صحابہ) کے دور میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع و اتفاق نہیں ہوا تھا، بلکہ یہ اجماع قرن ثانی میں ہوا تھا" (تفصیل کے لیے دیکھیں کتاب کا صفحہ 143 و 144) ... اگر یہ بات درست ہے تو پھر جب قرن اول کے لوگوں کے درمیان حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت متفقہ علیہا اور مجمع علیہا نہیں تھی تو اس زمانے کے لوگوں پر "خروج" اور "بغاوت" کے لفظ بولنا کیسے صحیح ہوا؟؟ بینوا توجروا

...

الغرض! صاحب ہدایہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو "جائر" باور کروانا کسی طرح بھی دفاع کے قابل نہیں... ہم اسے صاحب ہدایہ کی "اجتہادی غلطی" اور ان کا تسامح سمجھتے ہیں، اور اس میں صاحب ہدایہ کی کوئی توہین بھی نہیں کیونکہ مفتی وقاص و اعوانہ کے نزدیک تو کسی صحابی کی طرف بھی "اجتہادی غلطی" کی نسبت اس صحابی کی تنقیص نہیں.. تو صاحب ہدایہ تو پھر بھی غیر صحابی ہیں لہٰذا اس بات کو ان کی اجتہادی غلطی کہنے سے ان کی شان میں بھی کوئی کمی نہیں ہو گی..

# اکابر کے نادان وکیل (قسط: 4)

-----------------------

رمضان المبارک سے پہلے "فاضل مدرسہ عربیہ رائے ونڈ" مفتی محمد وقاص رفیع کی کتاب "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابر" پر تبصرے کا سلسلہ شروع کیا تھا، جو رمضان کی مصروفیات کی وجہ سے موقوف رہا... اب بات وہیں سے شروع کرتے ہیں جہاں یہ سلسلہ رکا تھا.

جیساکہ میں نے عرض کیا تھا کہ اپنی کتاب میں مفتی وقاص رفیع نے جو زبان اور لب ولہجہ استعمال کیا ہے وہ کسی طرح بھی تبلیغی جماعت یا ان کے ادارے مدرسہ عربیہ کے فضلاء سے جوڑ نہیں کھاتا، اس لیے ہمارے خیال میں اس کتاب کا اصل خالق کوئی اور ہے صرف نام مفتی مذکور کا استعمال کیا گیا ہے، اور جب کتاب کا مطالعہ کریں تو مفتی مذکور کی علمی سطح دیکھ کر بھی احساس ہوتا ہے کہ ان کا مطالعہ محدود ہے اور زیادہ تر "شاملہ" سے حوالے نقل کرتے ہیں... جیساکہ آج کی پوسٹ میں آپ ملاحظہ کریں گے..

کتاب کے صفحہ 338 سے مفتی صاحب نے "علامہ سعد الدین تفتازانی" کی عبارت کا دفاع شروع کیا ہے..

تفتازانی صاحب نے اپنی کتاب میں ایک مثال ذکر کی تھی: "ركب علي وهرب معاوية" (علی سوار ہوے اور معاویہ بھاگ گئے). ان کی اس عبارت پر شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"والمتبادر أن المراد بعلي ومعاوية صاحبا رسول الله ولا يخفى مافيه من سوء الأدب في حق سيدنا معاويه والجرأة عليه بما لايليق بمنصبه بل لو حملناهما على غيرها لم يخل من سوء الأدب لما فيه من الايهام" (بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ علی اور معاویہ سے مراد اللہ کے رسول کے دو صحابی ہیں، اور اس میں سیدنا معاویہ کے حق میں بے ادبی ہے اور ان پر جس قسم کی جرأت ہے وہ مخفی نہیں، جو ان کے منصب کے لائق نہیں (مفتی وقاص رفیع نے بمنصبه کی ضمیر تفتازانی کی طرف لوٹائی ہے کہ یہ بات تفتازانی کے منصب کے لائق نہیں، نہ معلوم اس کا کیا قرینہ ہے؟) بلکہ

اگر ہم ان دونوں (یعنی علی اور معاویہ) سے ان دونوں صحابیوں کے علاوہ کوئی اور بھی مراد لیں) تو بھی یہ کلام بے ادبی سے خالی نہیں ہوگا کہ اس میں (تنقیص کا) وہم موجود ہے... حضرت شیخ الہند کا تبصرہ ختم ہوا.

اب مفتی وقاص رفیع صاحب علامہ تفتازانی کی اس عبارت کا دفاع شروع کرتے ہیں اور اپنے آپ کو حضرت شیخ الہند سے زیادہ عالم و فاضل اور اس عبارت کو سمجھنے والا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں... چنانچہ لکھتے ہے کہ:

"چاہے ان دونوں لفظوں کا محمل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابی ہوں یا ان کے علاوہ کوئی دوسرا محمل ہو "ظنوا بالمؤمنين خيراً" کی رو سے بہر حال علامہ تفتازانی کو قطعی اور یقینی طور پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد و گستاخ ٹھہرانا کسی طرح بھی درست نہیں اس لیے کہ اول تو قطعی اور یقینی طور پر یہ بات ثابت نہیں کہ یہ مثال علامہ تفتازانی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات اور آپ کے مقام صحابیت کو گرانے اور اس پر طعن و تنقید کی غرض سے ذکر کی ہے کہ دلوں کا حال تو اللہ تعالی ہی بہتر جانتے ہیں اور ہمیں "ظنوا بالمؤمنين خيراً" کا حکم دیا گیا ہے" (صفحہ 345و346).

ملاحظہ فرمائیں فاضل رائے ونڈ کا دفاع... حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی اوپر مذکورہ عبارت خود انہی مفتی صاحب نے نقل کی ہے جس میں حضرت شیخ الہند صاف فرماتے ہیں کہ یہ عبارت بہر صورت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بے ادبی ہے... لیکن مفتی وقاص رفیع یہاں "اچھے ظن" کا فلسفہ چھانٹ رہے ہیں.. یوں تو جب آپ کسی رافضی کی عبارت پیش کریں جس میں حضرت ابوبکر و عمر و عثمان وغیرہم (رضی اللہ عنہم) جیسے صحابہ کرام کے نام پر مشتمل کوئی گستاخانہ مثال مذکور ہو تو اس کی بھی تاویل ہو سکتی ہے کہ یہ بات قطعی طور پر ثابت نہیں کہ یہ مثال ذکر کرنے والے کی مراد وہی اصحاب رسول ہیں، لہٰذا ان کی طرف گستاخی اور بے ادبی کی نسبت کرنا درست نہیں.. واہ واہ کیا استدلال ہے علامہ تفتازانی کے اس نادان وکیل کا..

نیز اگر دلوں کا حال تو اللہ تعالی ہی جانتے ہیں تو پھر مفتی وقاص رفیع صاحب اپنی اسی کتاب میں بار بار اسی "ظنوا بالمؤمنين خيراً" کا فائدہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دینے پر کیوں تیار نہیں؟ وہ بار بار یہ راگ کیوں الاپتے ہیں کہ : "حضرت معاویہ کے مخطی اور باغی ہونے پر پوری امت کا اجماع ہے" (صفحہ 111 وغیرہ)؟؟

کیا حضرت معاویہ (رض) کے دل کا حال مفتی وقاص رفیع اور ان کے پیچھے پردہ نشین ان کے سرپرست جانتے تھے؟؟ وہاں مفتی صاحب کو یہ تاویلیں کیوں یاد نہیں آئیں؟؟

اب آگے چلیں، مفتی موصوف دوسرا جواب یوں دیتے ہیں کہ :

"یہ ہوسکتا ہے کہ یہ مثال (جو علامہ تفتازانی نے دی ہے) بھی روافض کے اس پروپگنڈے اور سازش کا حصہ ہو کہ جس کے تحت صرف و نحو کی مبتدی کتابوں سے لے کر منتہی کتابوں تک "ضرب زید عمرواً" وغیرہ کی جو مثالیں دی جاتی ہیں ان میں حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمرو بن العاص اور حضرت زید بن ثابت (رضی اللہ عنہم) کے نام استعمال کیے جاتے ہیں....... لیکن اس کے باوجود کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی کہ وہ ان کتابوں کے مصنفین پر طعن و تشنیع کرے....... کسی بھی مسلمان کو اس بات کا شائبہ تک نہیں ہوتا کہ اس قسم کی مثالوں سے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمرو بن العاص اور حضرت زید بن ثابت (رضی اللہ عنہم) کی ذاتیں مراد ہیں بلکہ وہ تو صرف ایک نام کی حد تک ان مثالوں سے استفادہ کرتے ہیں، کسی مخصوص صحابی کا نام سمجھ کر ہرگز استفادہ نہیں کرتے"... (خلاصہ : صفحہ 346)

چلو جی مفتی رائے ونڈ نے علامہ تفتازانی کے ساتھ ساتھ روافض کی بھی وکالت کردی، وہ تو اپنی کتب میں صرف "اول، ثانی اور ثالث" کے الفاظ لکھ کر خلفائے ثلاثہ (رض) پر طعن کرتے ہیں، تو ان کی طرف سے بھی جواب ہو گیا کہ تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ اول سے مراد حضرت ابوبکر، ثانی سے مراد حضرت عمر اور ثالث سے مراد حضرت عثمان ہیں؟؟

اور مفتی صاحب کے استادوں نے اگر انھیں نہیں بتایا تو اس میں دوسروں کا کوئی قصور نہیں، بہت سے علماء کرام اپنے تلامذہ کو "زید وعمرو وبکر" کی مثالوں پر بھی متنبہ کرتے ہیں کہ یہ مثالیں محل نظر ہیں، ہمارے

اساتذہ نے ہمیں یہ بات بتائی تھی، پھر کاش علامہ تفتازانی بھی زید وعمرو وبکر والی مشہور مثالیں ہی دے دیتے ... انھیں خاص طور پر ایک غیر معروف مثال بنانے اور اس میں علی ومعاویہ کا نام لینے کی کیا ضرورت تھی؟؟ کیا وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ دو نام مشہور ہیں؟ کیا انھیں نہیں اندازہ تھا کہ اس سے قاری کا ذہن کس طرف جائے گا؟؟

اب آگے چلیے، یہی علامہ تفتازانی لکھتے ہے کہ :

**"ذهب الأكثرون الى أن أول من بغى في الاسلام معاوية"** (اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ اسلام میں سب سے پہلی بغاوت کرنے والے حضرت معاویہ ہیں) (شرح المقاصد للتفتازانی)

اسی عبارت کے سیاق میں علامہ تفتازانی یہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگ (عمرو بن عبیدہ، واصل بن عطاء وغیرہ) کہتے ہیں کہ حضرت علی (رض) کے گروہ اور حضرت معاویہ (رض) کے گروہ میں سے صرف ایک گروہ درست اور صحیح تھا لیکن کونسا تھا؟ یہ تعیین نہیں کر سکتے، علامہ تفتازانی کہتے ہیں کہ ان لوگوں کا یہ قول فاسد اور غلط ہے (بلکہ دونوں گروہوں میں تعین ہے کہ کون درست تھا اور کون غلط)..

اسی طرح علامہ تفتازانی کہتے ہیں کہ : "بعض حضرات اس طرف گئے ہیں کہ دونوں گروہ صحیح تھے، کیونکہ (دونوں مجتہد تھے) اور ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے"، علامہ تفتازانی ان لوگوں کا قول بھی غلط ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

**"وذلك لأن الخلاف انما هو اذا كان كل منهما مجتهداً في الدين على الشرائط المذكورة في الاجتهاد، لا في كل من يتخيل شبهة واهية ويتأول تأويلاً فاسداً ، ولهذا ذهب الكثيرون الى أن أول من بغى في الاسلام معاوية"** (یعنی جو لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ دونوں مجتہد تھے، اور ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے اس لیے دونوں ہی مصیب تھے، ان کی بات بھی غلط ہے، کیونکہ اختلاف اس وقت معتبر ہوتا ہے جب دونوں مجتہدوں میں ہر ایک دین میں اجتہاد کی شرائط کے ساتھ اجتہاد کرے (تب تو کہہ سکتے ہیں کہ ہر مجتہد مصیب ہے) لیکن اگر (ان مجتہدوں میں سے) کوئی ایسا ہو جس کے دماغ میں شبہ ہو اور وہ فاسد و باطل قسم کی تاویلیں کرے تو اس کے بارے میں یہ بات نہیں کہہ

سکتے کہ وہ مصیب ہے، اسی لیے بہت سے لوگ اس طرف گئے ہیں کہ اسلام میں سب سے پہلے جس نے بغاوت کی وہ معاویہ ہیں)

یہاں مفتی وقاص رفیع نے جان بوجھ کر یا لاعلمی میں اس عبارت کا غلط مفہوم بیان کرنے کی کوشش کی ہے ... تفتازانی اس عبارت میں یہی کہہ رہے ہیں کہ اگر دونوں طرف کے مجتہد اجتہادی کی شرطوں کے مطابق اجتہاد کریں تو ان کے بارے میں کہہ سکتے ہیں کہ "**كل مجتهد مصيب**" (ہر مجتہد مصیب ہی ہے) لیکن اگر ان میں سے کوئی فاسد تاویلیں کرے تو اس صورت میں اسے مصیب نہیں کہہ سکتے، اور اس کے ساتھ ہی متصل حضرت معاویہ (رض) کو اسلام میں سب سے پہلا باغی بھی لکھ دیا... اس سے صاف واضح ہے کہ تفتازانی کے نزدیک حضرت معاویہ (رض) ایسے مجتہد نہ تھے جنہوں نے اجتہاد کی شرائط کے مطابق اجتہاد کیا کہ انھیں بھی مصیب کہا جاسکے، بلکہ انہوں نے باطل تاویلیں کیں اسی لیے انہیں سب سے پہلا باغی لکھا.

تفتازانی کی اس عبارت میں یقیناً حضرت معاویہ (رض) کی تنقیص ہے اور انھیں ایسا مجتہد بتایا گیا ہے جو باطل تاویلیں کرے..

مفتی وقاص رفیع نے یہ لکھ کر جان چھڑانے کی کوشش کی ہے کہ تفتازانی نے حضرت معاویہ (رض) کو باطل تاویلیں کرنے والا نہیں لکھا... لیکن اس عبارت کا سیاق و سباق پڑھیں تو وہ یہی دلیل دے رہے ہیں کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہما) دونوں کو "مجتہد مصیب" نہیں کہا جاسکتا... اور آگے اس کی وجہ یہی لکھی ہے کہ "اگر ان دونوں مجتہدوں میں سے ایک فاسد تاویل کرے تو وہ کیسے مصیب ہو سکتا ہے"..

اب میں مفتی وقاص رفیع سے پوچھتا ہوں کہ یہ حضرت علی و حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہما) دونوں میں سے تفتازانی کے خیال میں کس نے "فاسد تاویلیں" کی تھیں کہ اس وجہ سے انھیں "کل مجتہد مصیب" کے تحت "مصیب" نہیں کہا جاسکتا؟؟

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ فاضل رائے ونڈ مفتی وقاص رفیع نے تفتازانی کی مزید وکالت کیسے کی؟

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ جنگ صفین سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف باغیوں اور شر پسندوں کی شورش ہو چکی تھی جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا تھا، اس کے بعد جنگ

جمل بھی ہو چکی تھی جس میں ایک طرف ام المؤمنین حضرت عائشہ، حضرت طلحہ و حضرت زبیر (رضی اللہ عنہم) تھے تو دوسری طرف حضرت علی (رض) اور ان کے ساتھی۔... اب سوال پیدا ہوتا تھا کہ تفتازانی نے اسلام میں سب سے پہلا باغی حضرت معاویہ (رض) کو کیوں اور کیسے لکھا؟ تفتازانی کی یہ بات درست ہے یا غلط؟؟

تو تفتازانی کے نادان وکیل کو یہاں سمجھ نہیں آ رہی کہ وہ کیسے دفاع کرے؟ لیکن اس خلاف حقیقت بات کا دفاع بھی ضرور کرنا ہے تو اس کے جواب میں مفتی وقاص رفیع نے خود یہ سرخی لکھی ہے کہ:

"اسلام میں دو قسم کی بغاوتیں ہوئی ہیں"

اور اس کے ذیل میں پہلے جنگ جمل کا ذکر کیا ہے اور دوسرے نمبر پر جنگ صفین کا، یعنی نادان وکیل تسلیم کرتے ہیں کہ جنگ جمل بھی بغاوت ہی تھی، تو پھر تفتازانی کا جنگ صفین کو پہلی بغاوت لکھنا تو غلط ہوا ناں؟؟

لیکن مفتی وقاص رفیع ایک دم قلابازی کھاتے ہیں اور یہ فلسفہ جھاڑتے ہیں کہ چونکہ جنگ جمل میں جنگ اتفاقیہ وقوع پذیر ہوئی تھی، اس لیے تفتازانی نے اسے پہلی بغاوت نہ کہا، اور صفین کی جنگ چونکہ قصدا ہوئی تھی اس لیے اسے تفتازانی نے پہلی بغاوت کہا... اور صفین والی جنگ چونکہ جمل کے مقابلے میں بڑی تھی اس لیے بھی اسے پہلی بغاوت کہہ دیا، مفتی وقاص رفیع کا مبلغ علم یہ ہے کہ انہوں نے آگے اپنی کتاب میں "بغاوت" کی تعریف بھی کی ہے جس کی رو سے "امام حق کی اطاعت سے نکلنا اور اس کے خلاف خروج کرنا" بغاوت کہلاتا ہے، اس تعریف کی رو سے قاتلین عثمان (رض) بھی باغی بنتے ہیں اور جنگ جمل والے بھی، بلکہ حضرات طلحہ و زبیر (رضی اللہ عنہما) کے بارے میں تو آتا ہے کہ انہوں نے پہلے حضرت علی (رض) کی بیعت کی تھی پھر توڑ دی تھی... لیکن قربان جائیں مفتی صاحب پر کہ وہ کہتے ہیں کہ چونکہ یہاں جنگ جمل چونکہ اتفاقیہ ہوئی تھی اس لیے اسے تفتازانی نے بغاوت نہیں کہا.. لیکن کیا مفتی صاحب یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ جنگ صفین میں حضرت معاویہ (رض) نے حضرت علی (رض) کے خلاف جنگ کے لیے خروج کیا ہو؟؟؟ اگر انہوں نے تاریخ پڑھی ہوتی تو انھیں علم ہوتا کہ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شام کی

طرف چڑھائی کی تھی.. نہ کہ حضرت معاویہ (رض) نے... نیز وہاں بھی وہی سبائی شر پسند موجود تھے جن پر مفتی صاحب جنگ جمل بھڑکانے کا الزام دھر رہے ہیں... تو "اتفاقیہ" اور "قصدا" کی تفریق سے مفتی صاحب کو کچھ فائدہ نہیں، اگر وہ بغاوت کی تعریف کو لاگو کرنا چاہتے ہیں تو جنگ جمل والے بھی باغی بنتے ہیں..

مفتی وقاص رفیع کے ممدوح حضرت قاضی مظہر حسین صاحب (رح) لکھتے ہیں:

"حضرت معاویہ (رض) کے لشکر والوں نے جنگ میں ابتداء نہیں کی یہاں تک کہ انہوں نے (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر نے_ناقل) ابتداء کی، اور اسی وجہ سے اشتر نخعی نے کہا تھا کہ وہ فریق مخالف جنگ میں ہمارے خلاف اس لیے کامیاب ہو رہے ہیں کہ ہم نے ان سے جنگ کرنے میں ابتداء کی تھی"....

(آگے اسی صفحے پر علامہ ابن تیمیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ): "حضرت معاویہ (رض) نے متوقع خطرات کے تحت دفاعی جنگ لڑی ہے". (خارجی فتنہ، جلد اول، صفحہ 365 طبع اول)

اور مزے کی بات یہ کہ آگے اسی جگہ یہی مفتی وقاص رفیع صاحب بہت سے حوالے یہ بھی ثابت کرنے کے لیے پیش کرتے ہیں کہ "جنگ جمل میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ قتال کرنے والے باغی ہی تھے" مفتی صاحب نے پورے 13 حوالے پیش کیے ہیں، (دیکھیں ان کی کتاب کا صفحہ 363 تا 368)، عجیب بات ہے کہ یہ حوالے اس بات پر پیش کرکے کہ جنگ جمل میں حضرت علی (رض) کے مقابل لوگ باغی ہی تھے خود تفتازانی کے یہ وکیل صاحب اپنے موکل کی اس بات کی تردید کر رہے ہیں کہ "اسلام میں سب سے پہلے باغی حضرت معاویہ تھے"....

یاد رہے کہ مفتی وقاص رفیع نے جنگ جمل میں شریک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابل گروہ کو باغی ثابت کرنے کے لیے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک قول "اخواننا بغوا علینا" مصنف ابن شیبہ کے حوالے سے نقل کیا ہے... جبکہ یہ روایت منقطع ہے، اس روایت میں حضرت علی (رض) سے یہ بات روایت کرنے والا راوی "ابو البختری" ہے جس نے حضرت علی (رض) کا زمانہ نہیں پایا، اسی طرح اس روایت میں "شریک" راوی ہے جس پر "سوء حفظ" کی شدید جرح موجود ہے اور اسے اکثر علماء اسی بنیاد پر

ضعیف کہتے ہیں... لیکن مفتی وقاص رفیع صاحب "شاملہ" سے دیکھ کر بے دھڑک یہ روایت پیش کر رہے ہیں، اور تفتازانی کی اس بات کو غلط ثابت کرتے ہوئے پیش کر رہے ہیں کہ "اسلام میں سب سے پہلے باغی حضرت معاویہ ہیں"... اور انھیں علم ہی نہیں رہا کہ وہ خود تفتازانی کی بات کی تردید بھی کر رہے ہیں..

پھر مفتی موصوف یہ فریب دیتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین "باغی نہیں تھے"... بلکہ باغیوں سے بڑھ کر ظالم اور سرکش تھے.... میں پوچھتا ہوں کہ جب انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اپنی شورش شروع کی تو کیا اس وقت انہوں نے "امام حق" کے خلاف خروج نہیں کیا تھا؟؟ اس کی اطاعت سے نہیں نکلے تھے؟؟ اگر ایسا ہوا تھا اور یقینا ہوا تھا تو پھر وہ پہلے باغی بنے تھے... بعد میں خلیفہ برحق کو شہید کرکے وہ باغی سے بھی آگے نکل گئے... لہٰذا اگر کسی نے ان کے بارے میں یہ کہا ہے کہ وہ باغی نہیں بلکہ ظالم اور سرکش تھے تو انہوں نے آخری سٹیج ذکر کیا ہے، ورنہ انہوں نے اپنا ظلم اور سرکشی بغاوت ہی سے شروع کی تھی.... وہ خلیفہ برحق کی اطاعت سے نکلے تھے، اور ان کے خلاف خروج کیا تھا... اور پھر بعد میں انھیں شہید کیا.

نوٹ: ملا علی قاری (رح) نے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو "باغی" لکھا ہے... "لانهم كانوا بغاة" (منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر، صفحہ 198 طبع دار البشائر بیروت)

چلیں بقول مفتی صاحب وہ باغی سے بڑھ کر ظالم تھے تو کیا مفتی صاحب اس پر روشنی ڈالیں گے کہ کسی ظالم کے خلاف آواز اٹھانا اور ظالم کے ظلم کے حساب کا مطالبہ کرنا ان کے نزدیک کیسا ہے؟؟؟ بینوا توجروا..

آخر میں مفتی صاحب نے علامہ تفتازانی پر "شیعیت" کے الزام پر بات کی ہے، تفتازانی پر یہ الزام ہے کہ وہ حضرت علی (رض) کی حضرت عثمان (رض) پر افضیلت کے قائل تھے، اسی بناء پر بہت سے علماء نے ان پر شیعیت سے متاثر ہونے کا الزام لگایا ہے، مفتی وقاص رفیع صاحب بھی اس الزام کا انکار نہیں کر سکے... اور "خلاصہ کلام" کے تحت لکھتے ہیں کہ: "الغرض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان افضیلت کے مسئلہ میں جمہور علماء اہل سنت کے برعکس یہ علامہ تفتازانی کی اپنی انفرادی تحقیقات ہیں

جو ان کے رفض و تشیع سے متاثر ہونے کے نتیجہ میں نہیں بلکہ ان کی اپنی علمی و تحقیقی تحقیقات کے نتیجہ میں عمل میں آئی ہیں"...

واہ کیا بات ہے.... کتب اسماء الرجال میں صاف لکھا ہے کہ "متقدمین کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دینے کا نام ہی تشیع اور شیعیت ہے"..... اور جب علامہ تفتازانی کے بارے میں یہ بات ثابت ہو جاتی ہے تو ان کے نادان وکیل کہتے ہیں کہ یہ شیعیت سے متاثر ہونا نہیں بلکہ علامہ تفتازانی کی جمہور اہل سنت کے بر عکس یہ اپنی انفرادی تحقیق ہے....... یاللعجب..

# اکابر کے نادان وکیل (قسط: 5)

-----------------------

آج کل ہر ایرا غیرا نتھو خیرا، اپنے نام کے ساتھ "مفتی" لکھ لیتا ہے چاہے وہ جہالت کے اعلیٰ درجے پر فائز ہو، یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ایک یا دو سال تخصص فی الفقہ نامی کورس کر لیا تو اب وہ "مفتی" ہو گئے اور جس پر چاہے فتوے لگاتے رہیں، مفتی وقاص رفیع کی کتاب پڑھ کر میرا یہ تاثر مزید پختہ ہو گیا ہے، (بلکہ مفتی کا منصب اس سے کہیں بلند ہے) اس کتاب میں جو انداز کلام و تخاطب ہمیں نظر آتا ہے وہ کسی بھی طرح ایک اہل علم مفتی کے شایان شان نہیں، اور مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے فاضلین کے ساتھ تو بالکل جوڑ نہیں کھاتا.

یہ مفتی صاحب اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 394 سے میر سید شریف جرجانی کا دفاع شروع کرتے ہیں، اور صفحہ نمبر 397 تک ان جرجانی صاحب کا تعارف کرواتے ہیں کہ یہ جامع المعقول والمنقول اور بہت بڑے عالم اور فضل و کمال کے حامل تھے... لیکن یہ مفتی صاحب یہ بھول گئے کہ جرجانی صاحب جیسے ہزار بھی مل جائیں تو وہ ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں کی خاک کو بھی نہیں پہنچ سکتے.. اس لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بے ادبانہ اور ناقدانہ عبارات لکھنے والوں کے علم و فضل پر ورق سیاہ کرنے سے ان کی یہ بے ادبی اور تنقید جائز نہیں ہو جاتی..

صفحہ نمبر 398 پر یہ فاضل رائے ونڈ ایک سرخی لکھتے ہیں:

"ہاشمی صاحب کا دجل اور میر سید شریف کی طرف منسوب عبارت کی وضاحت"

ہاشمی صاحب سے مراد ان کی قاضی طاہر ہاشمی صاحب ہیں جن کی کتاب کا بزعم خود یہ نوجوان مفتی صاحب جواب لکھنے بیٹھے ہیں، ہاشمی صاحب نے ان میر سید جرجانی صاحب کے بارے میں لکھا تھا کہ:

"جمہور اہل سنت کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جو اختلاف ہوا وہ اجتہادی تھا جب کہ میر سید شریف جرجانی نے کہا ہے کہ ہمارے بہت سے اصحاب کا قول ہے کہ یہ اختلاف اجتہاد پر مبنی نہیں تھا" (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، صفحہ 122)

اس پر یہ آج کے مفتی صاحب نے سرخی جمائی ہے "ہاشمی صاحب کا دجل" اور پھر لکھا ہے کہ :

"پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے میر سید شریف جرجانی رحمۃاللہ علیہ کے مذکورہ بالا قول کا کوئی حوالہ پیش نہیں کیا اور بلا حوالہ بات نقل کر دی ہے" (صفحہ 498).

پھر اگلے صفحے پر دوبارہ لکھتے ہیں:

"غالباً پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے میر سید شریف جرجانی کی مذکورہ بالا عبارت کسی کتاب سے یہاں غلط نقل کر دی، جبھی تو اس کا بقید جلد و صفحہ کوئی حوالہ بھی نہیں دیا لہٰذا انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ نقل را عقل باید، یا پھر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب اگر اصل کتاب کا حوالہ نہیں دے سکتے تھے تو کم از کم جس کتاب سے یہ عبارت نقل کی ہے اسی کا حوالہ دے دیتے" (صفحہ 400).

قارئین محترم! میں سوچ رہا تھا کہ جس کتاب کا یہ فاضل رائے ونڈ مفتی صاحب بزعم خود جواب لکھنے بیٹھے ہیں، انہوں نے یقیناً وہ کتاب خود پڑھی بھی ہو گی، لیکن یہاں پہنچ کر اب مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب (حضرت امیر معاویہ اور عباراتِ اکابر) مفتی وقاص رفیع کی تخلیق ہر گز نہیں، یہ کسی تقیہ باز رافضی یا سبائی ذہن رکھنے والے کی تخلیق ہے جس کے جال میں یہ نوجوان مفتی صاحب کسی طرح آ گئے ہیں... کیونکہ اگر انہوں نے قاضی طاہر ہاشمی صاحب کی کتاب کو پڑھا ہوتا تو وہاں انھیں نظر آ جاتا کہ ہاشمی صاحب نے جرجانی کے بارے میں یہ بات حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے مکتوبات کے حوالے سے نقل کی ہے، اور باقاعدہ مکتوبات، حصہ چہارم، دفتر اول، جلد دوم، اردو کے صفحہ 578 کا حوالہ دیا ہے اور ساتھ ہی مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی بھی لکھا ہے (دیکھیں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، صفحہ 122 و 123 طبع سوم، اپریل 2016) لہٰذا اب جو سرخی مفتی وقاص رفیع نے "ہاشمی صاحب کا دجل" کی لگائی ہے، وہ حضرت مجدد الف ثانی پر لگ جاتی ہے، مفتی وقاص کو مجدد صاحب سے پوچھنا چاہیے کہ انہوں نے سید شریف جرجانی کی یہ بات کہاں سے

نقل کی ہے نہ کہ ہاشمی صاحب سے کہ انہوں نے تو صاف لکھا ہے کہ یہ بات مجدد صاحب نے لکھی ہے...
اب دیکھتے ہیں کہ مفتی وقاص رفیع مجدد صاحب پر کب "دجل" کا فتویٰ کب لگاتے ہیں..

پھر قربان جائیں اکابر کے اس نادان وکیل مفتی پر، کر تو رہا ہے میر سید شریف جرجانی کا دفاع، اور پھر خود جرجانی کی ایک ایسی عبارت نقل کرتا ہے جو ہاشمی صاحب نے بھی نقل نہیں کی تھی، آپ بھی وہ عبارت غور سے ملاحظہ فرمائیں، جرجانی لکھتے ہیں:

**"(والذي عليه الجمهور) من الأمة هو (أن المخطيء قتلة عثمان ومحاربوا علي لأنهما امامان فيحرم القتل والمخالفة قطعاً) الا أن بعضهم كالقاضي ابي بكر ذهب الى أن هذه التخطئة لا تبلغ الى حد التفسيق ومنهم من ذهب الي التفسيق كالشيعة وكثير من أصحابنا"**

(شرح المواقف، جلد 8 صفحہ 407، طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت)

اس عربی عبارت کا ترجمہ یہ ہے:

"امت کے جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی کرنے والے دونوں خطاکار ہیں کیوں کہ وہ دونوں امام ہیں، پس ان کو قتل کرنا اور ان کی مخالفت (لڑائی) کرنا قطعی طور پر حرام ہے، مگر بعض علماء قاضی ابو بکر وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ خطاء اور غلطی (مفتی وقاص نے جان بوجھ کر یہاں عربی لفظ تخطئۃ لکھا ہے تاکہ عبارت میں اپنا کھیل کھیل سکیں۔ ناقل)، حد تفسیق تک نہیں پہنچتی، اور بعض علماء جیسا کہ شیعہ حضرات اور ہمارے بہت سے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ یہ خطاً (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی کرنے والی) حد تفسیق تک پہنچ جاتی ہے"

جو آدمی عربی زبان سے تھوڑی سی بھی شد بد رکھتا ہے اس کے لیے جرجانی کی یہ عبارت بالکل واضح ہے کہ یہ لکھ رہے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی کرنا اور ان کی مخالفت کرنا دونوں غلط اور خطأ ہیں، لیکن بعض علماء کے نزدیک یہ غلطی اور خطأ فسق تک نہیں پہنچتی، جبکہ شیعہ اور جرجانی کے بہت سے اصحاب کے نزدیک یہ خطأ فسق کے درجے تک پہنچ جاتی ہے...

اس عبارت کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہے کہ جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی کی، یہ ان کی خطأ تو یقیناً تھی، اب آگے کیا یہ خطأ فسق کے درجے تک بھی پہنچ گئی یا نہیں؟ تو جرجانی کے بقول ان کے بہت سے اصحاب اور شیعہ کے نزدیک یہ خطأ فسق کے درجے تک پہنچ گئی تھی.... دوسرے لفظوں میں جس جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی کی اس نے فسق کا ارتکاب کیا...

مفتی وقاص رفیع شاید ساری دنیا کو احمق سمجھتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں وہ جرجانی کی اس عبارت کا دفاع یوں کرتے ہیں:

" میر سید شریف جرجانی نے یہاں پر تفسیق کی نسبت "خطأ" کی طرف کی ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف نہیں کی".

ہم مفتی وقاص سے پوچھتے ہیں کہ بات مکمل کریں... خطأ کی نسبت ان تمام کی طرف کی جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی کی... یا نہیں؟؟ اب آپ کے بقول تفسیق کی نسبت اسی خطأ کی طرف کی تو وہ خطأ فسق ہوئی یا نہیں؟؟؟ اور آپ ہی فرمائیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی کرنے کی خطأ آپ کے نزدیک کس کس نے کی؟؟ ان کے نام تو بتائیں.. کیا اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نہیں؟ کیا اس میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرات طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما نہیں؟ تو میر سید شریف جرجانی نے ان کی خطأ کی طرف فسق کی نسبت کی یا نہیں؟؟؟

جس بات کا آپ دفاع نہیں کر سکتے تو عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ صاف کہہ دیں کہ میر سید شریف جرجانی نے یہ بات غلط لکھی ہے... اہل سنت کے کسی بھی معتبر عالم نے محاربین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خطأ کو تفسیق یا فسق نہیں کہا.. یہ سید شریف جرجانی کی بات غلط ہے... لیکن آپ نے تو ہر غلط بات کے دفاع کی قسم کھائی ہوئی ہے

# اکابر کے نادان وکیل (قسط: 6)

-----------------------

عجیب بات یہ ہے کہ اپنے آپ کو "فاضل مدرسہ عربیہ رائے ونڈ" لکھنے والے "مفتی محمد وقاص رفیع" نے جلیل القدر صحابی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کے بعد ہونے والے غیر صحابہ اکابرین کی قابل اعتراض عبارات کا دفاع کرنے اور ان کی تاویلات کرنے کے لیے 632 صفحات پر مشتمل کتاب لکھی ہے، جبکہ اس کتاب میں مذکور 20 کے قریب جن اکابرین کی عبارات کی مفتی موصوف نے تاویلات کرنے بلکہ بعض کی تو تاویلات باطلہ کرنے پر محنت کی ہے یہ سب مل کر بھی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں کی خاک کے برابر بھی نہیں پہنچتے، ان حضرات کا یہ مرتبہ ہی نہیں کہ وہ کسی صحابی کو کٹہرے میں کھڑے کرکے یہ فیصلے کرتے پھریں کہ فلاں فلاں صحابی نے خطا کی اور ان کی خطا جان بوجھ کر تھی یا اجتہادی، اور خاص طور پر اس دور کے بارے میں فیصلے چکائیں جب صحابہ کرام کی بڑی اکثریت غیر جانبدار رہی، انہوں نے نہ حضرت علی رض اللہ عنہ کی بیعت کی، نہ ان کے ساتھ مل کر لڑائی میں حصہ لیا، اور نہ انہوں نے حضرات ام المؤمنین عائشہ، طلحہ، زبیر اور سیدنا معاویہ (رضی اللہ عنہم) کی طرف سے لڑائی میں حصہ لیا، جس سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ اس وقت صحابہ کرام میں کسی ایک شخصیت پر اتفاق نہ تھا، اور وہ دور ایک ابتلاء کا دور تھا، حضرت معاویہ (رض) کے ساتھ بھی کئی جلیل القدر صحابہ تھے، اس لیے یہ اکیلے حضرت علی و معاویہ (رضی اللہ عنہما) کی بات نہیں، بلکہ صحابہ کرام کی عظیم اکثریت کی بات ہے... لہٰذا مفتی وقاص رفیع کا بار بار یہ نعرہ لگانا کہ "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطائے اجتہادی پر اجماع ہو گیا تھا" یہ بھی محل نظر ہے، اس دور کے صحابہ کرام میں ہر گز اس پر کوئی اجماع نہیں ہوا تھا، بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت پر بھی اس دور میں موجود صحابہ کرام کا اجماع نہ ہوا تھا، ورنہ جنگ جمل و صفین جیسے واقعات نہ ہوتے، اگر صحابہ کے بعد کے کسی دور میں کچھ لوگوں نے اسے اجماع بتایا ہے تو یہ ان کے دور کا ہو گا... صحابہ کرام کے دور کا نہیں، چنانچہ خود ہی مفتی وقاص رفیع بحوالہ ابن خلدون یہ نقل کرتے ہیں کہ:

"عصر اول کے لوگوں کے بعد عصر ثانی کے لوگ بیعت علی (رض) کی صحت انعقاد پر متفق ہو گئے" (حضرت امیر معاویہ اور عباراتِ اکابر، صفحہ 143 — 144).

اس سے وضاحت کے ساتھ ثابت ہوتا ہے کہ عصر اول کے لوگوں کا اس بات پر اتفاق نہیں ہوا تھا... اس کی وجوہات کیا ہیں؟ اس پر بحث کرنا یہاں ہمارا مقصد نہیں.

یہ تمہید اس لیے لکھنے کی ضرورت پیش آئی کہ مفتی وقاص رفیع جیسے لوگ بار بار یہ راگ الاپتے ہیں کہ حضرت معاویہ (رض) فلاں آیت اور فلاں حدیث اور فلاں نص کی رو سے سرکش اور باغی تھے اور غلطی پر تھے ... جبکہ یہ تمام نصوص اس دور کے صحابہ کرام کی نظر سے اوجھل نہیں تھیں، تو کیا یہ سمجھ لیا جائے کہ اس دور کی جماعت صحابہ (جن کی تعداد بقول امام ابن سیرین دس ہزار کے قریب تھی) کی اکثریت کو ان نصوص اور احادیث کا مطلب سمجھ ہی نہیں آیا اور وہ شش و پنج میں رہے کہ کس کا ساتھ دیں؟ (بقول امام ابن سیرین ان دس ہزار کے قریب صحابہ میں سے کسی بھی طرف سے لڑائی میں شامل ہونے والوں کی تعداد تیس چالیس سے زیادہ نہیں تھی، یوں تقریباً 99 فیصد صحابہ کرام الگ غیر جانبدار بیٹھے رہے، اگر ایسی کوئی نصوص تھیں جن سے صحیح اور غلط کا قطعی فیصلہ ہوتا تھا تو ان صحابہ کرام کے غیر جانبدار ہو کر بیٹھے رہنے کو کیا کہیں گے؟) اور ان کے زمانے کے بعد غیر صحابی علماء پر یہ حقیقت آشکارا ہوئی کہ فلاں فلاں آیت اور فلاں فلاں حدیث سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ کون غلط تھا اور کون صحیح ؟؟؟

غیر صحابی اکابرین امت کی تحقیق اور تشریح پر اعتماد کرنے کا سبق پڑھانے والے ذرا غور فرمائیں کہ اس دور میں موجود صحابہ کرام جن کے سامنے یہ سارے مشاجرات ہوئے، ان کے سامنے بھی یہ تمام نصوص تھیں اور یقینا تھیں، لیکن انہوں نے تو یہ قطعی فیصلے نہ کیے، کیا ام المؤمنین حضرت عائشہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عمرو بن العاص، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت ابو موسی اشعری، حضرت اسامہ بن زید وغیرہم (رضی اللہ عنہم) کو ان نصوص کا مطلب سمجھ نہ آیا؟ اور بعد والوں کو سمجھ آیا؟ بلکہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد بھی ایسا نہیں ہوا کہ وہ تمام صحابہ جو غیر جانبدار تھے، اور کسی بھی جماعت کا ساتھ دینے سے اپنی معذوری ظاہر کر چکے تھے وہ یہ کہتے ہوں کہ اب ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ حق کس طرف ہے اور

پھر ان تمام نے بیعت کرلی ہو.... ان صحابہ کرام کی تحقیق پر اعتماد کیوں نہیں کیا جاتا؟ جبکہ امت کے سب سے بڑے اکابر تو یہی تھے...

اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 402 پر مفتی وقاص رفیع نے "ملا عبدالرحمٰن جامی" کا دفاع شروع کیا ہے، یہ بات ثابت شدہ ہے کہ ملا جامی اگر شیعہ نہیں بھی تھے تو کم از کم "شیعت کی طرف مائل" ضرور تھے، ان کی کتب میں جہاں شیعہ عقائد درج ہیں وہیں ان کی کتابوں میں سنی عقائد و نظریات بھی پائے جاتے ہیں.. خود مفتی موصوف نے ملا جامی کے حالات لکھنے والوں کے حوالے پیش کیے ہیں جن میں لکھا ہے کہ ان کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شیعیت کی طرف مائل تھے.

انہی ملا جامی نے صحابہ کرام کی اس ساری جماعت کے لیے "سرکش" کے لفظ بولے ہیں جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی، نیز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطا کو "اجتہادی" نہیں بلکہ "خطائے منکر" کہا ہے... پھر انہوں نے حضرت معاویہ (رض) کے مستحق لعنت ہونے نہ ہونے کی بات بھی بلا وجہ چلائی ہے... ملا جامی کی اس بات پر مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے صاف لکھا ہے (جس کا خلاصہ یہ ہے کہ):

"ملا جامی نے حضرت معاویہ (رض) کی خطا کو "منکر" کہہ کر زیادتی کی ہے، پھر مستحق لعنت ہونے نہ ہونے کی بات بھی نامناسب کی ہے، یہ تردید کا کون سا مقام تھا؟ اور شبہ کا کونسا محل تھا؟ اگر یہ بات یزید کے بارے میں چلائی جاتی (کہ وہ مستحق لعنت ہے یا نہیں) تو اس پر بحث کی گنجائش تھی، لیکن حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں یہ بات (مستحق لعنت ہونے یا نہ ہونے کی) کہنا نہایت گھناونی بات ہے، حدیث نبوی میں ثقہ راویوں کی سند سے آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ دعاء فرمائی کہ: اے اللہ! معاویہ کو کتاب و حساب کا علم عطا فرما اور عذاب سے بچا، دوسرے موقع پر یہ دعا فرمائی کہ: اے اللہ! ان کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا.... اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء مقبول و منظور ہے، ان تمام باتوں کی موجودگی میں شاید مولانا جامی سے یہ باتیں سہو و نسیان کے طور پر نکل گئی ہیں، پھر مولانا جامی نے ان اشعار میں (حضرت معاویہ) کے نام کی تصریح نہیں کی بلکہ صرف یہ کہا ہے کہ: اے

دوسرے صحابی... اس عبارت سے بھی صحابہ کرام سے ان کی ناخوشی کی بو آتی ہے، اس لیے ہم یہی دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہماری خطاء اور بھول پر مواخذہ نہ فرمانا".
(مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی، دفترِاول، مکتوب نمبر 251، بحوالہ مفتی محمد وقاص رفیع کی کتاب کا صفحہ 409 – 410)

قارئین محترم! جو بات ہم کہنا چاہتے ہیں کہ وہ حضرت مجدد صاحب نے تفصیل سے فرمادی ہے اور جس کو خود مفتی وقاص رفیع نے نقل بھی کیا ہے... کیا مجدد صاحب یہ نہیں فرمارہے کہ ملا جامی نے "خطائے منکر" لکھ کر زیادتی کی ہے؟ کیا وہ یہ نہیں لکھ رہے کہ حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں لعنت یا عدم لعنت کی بات کرکے انہوں نے نہایت گھناونی بات کی ہے؟ کیا یہ نہیں لکھا کہ ان کا صحابی کا نام نہ لینا اور صرف اشارہ کرنا اس بات کا غماز ہے کہ وہ ان سے ناخوش ہیں؟؟؟
اب اس بات کا دفاع کیسے کیا جائے؟ اور کیا کیا جائے؟؟؟ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ ملا جامی نے یہ زیادتی کی ہے، اور حد سے تجاوز کیا ہے... اس پر مفتی وقاص رفیع کیوں چیں بجبیں ہیں؟؟؟ مفتی موصوف نے دفاع یوں کیا ہے کہ:
"ملا جامی کی زبان سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطائے اجتہادی کے بارے میں جو "خطائے منکر" کے الفاظ سرزد ہوے ہیں وہ بقول امام ربانی مجدد الف ثانی بطور سہو و نسیان کے سرزد ہوے ہیں جسے تسامح کہا جاتا ہے، اور دوسرا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ کسی نے تدسیس کرتے ہوے چپکے سے اس بات کو آپ کے کلام میں شامل کردیا ہو واللہ اعلم"
(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 411 نیز 416و417)
قارئین محترم! حضرت مجدد صاحب (رح) نے تو ملا جامی کا لحاظ رکھتے ہوئے یہ لکھا تھا کہ یہ ان کا تسامح ہے... اسکا یہ مطلب نہیں کہ حقیقتاً کوئی ایسی بات بھول کر لکھ سکتا ہے.. لیکن مفتی وقاص رفیع پر قربان جائیں کہ وہ ایک طرف مانتے ہیں کہ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید اور ان کی تنقیص ہے لیکن کہنا یہ چاہتے ہیں

کہ اس بات کو لے کر ملا جامی کو "ناقدین حضرت معاویہ" میں شمار نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ یہ ان کا تسامح ہے، پھر دوسری بات اس سے بھی مضحکہ خیز کی کہ شاید یہ باتیں ان کے کلام میں کسی اور نے شامل کر دی ہوں ....

کاش یہی رویہ مفتی موصوف حضرت معاویہ (رض) اور اس زمانے کے ان صحابہ کرام کے بارے میں رکھتے جنھیں وہ بار بار "طاغی" "باغی" "مخطی" اور "قرآن وسنت کو مہجور کرنے والے" لکھتے ہیں .... کاش وہاں بھی وہ یہ لکھ دیتے کہ "یہ ان کا تسامح تھا" یا یہ لکھ دیتے کہ دشمنان صحابہ نے اکابرین کی کتب میں ممکن ہے ایسی باتیں ڈال دی ہوں... لیکن شاید ان کے نزدیک ملا جامی جیسے اکابرین کا تقدس اور عظمت، صحابہ کرام سے بڑھ کر ہے...

نوٹ: مفتی وقاص رفیع نے کا مبلغ علم یہ ہے کہ انہوں نے "مولانا ظفر اقبال" کی کتاب "سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ... گمراہ کن غلط فہمیوں کا ازالہ" سے مولانا جامی کے بارے میں پورے پورے اقتباس من وعن نقل کیے ہیں لیکن اس کتاب کا حوالہ تک نہیں دیا.

چونکہ اوپر حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ کا ذکر آیا ہے تو ان کی ایک بات نقل کرکے یہ قسط ختم کرتا ہوں، آپ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ:

"اے برادر! اس معاملہ میں امیر معاویہ (رض) تنہا نہیں ہیں، بلکہ صحابہ کرام کی کم و بیش نصف جماعت اس معاملہ میں حضرت معاویہ کے شریک ہیں، پس محاربان حضرت علی (رض) اگر کفر یا فسق پر ہوں تو نصف دین پر اعتماد ختم ہو جاتا ہے جو کہ ان کی تبلیغ سے ہم تک پہنچا ہے، اور اس طرح کی بات کو سوائے اس زندیق کے کوئی تجویز نہیں کرتا جس کا مقصود دین کی بربادی اور اس کو جھٹلانا ہے" (مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب نمبر 251)

# اکابر کے نادان وکیل : (قسط : 7)

--------------------

مفتی محمد وقاص رفیع کی کتاب "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابر" پر بطور ایک قاری تبصرہ کی آئندہ قسط میں ہم معروف محدث ملا علی قاری رحمہ اللہ کی چند عبارات پر بات کریں گے... لیکن اس سے پہلے چند اہم باتیں.

مفتی وقاص رفیع نے اپنی کتاب میں بار بار ایک دعوی کیا ہے کہ "جو یہ کہتا ہے کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہما) دونوں ہی اپنی اپنی جگہ ٹھیک اور درست تھے، اور دونوں ہی مجتہد مصیب تھے، ایسا شخص اہل سنت کے مسلک کے خلاف بات کرتا ہے کیونکہ اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یقیناً مجتہد مصیب تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یقینی طور پر مجتہد مخطی تھے"....
نیز مفتی وقاص رفیع بار بار یہ جھوٹ بولتے ہیں کہ "جنگ جمل و صفین میں حضرات عائشہ و طلحہ و زبیر و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا تھا"... جبکہ حقیقت یہ ہے کہ لشکر کشی حضرت علی رضی اللہ علیہ نے ان دونوں جگہ کی تھی... جنگ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ اور ان کا لشکر مکہ مکرمہ سے عراق کی طرف گیا تھا اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ ابھی مدینہ میں تھے، اگر ان کے خلاف خروج ہوتا تو وہ لشکر مکہ سے مدینہ کی طرف آتا.. اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہرگز شام سے عراق کی طرف لشکر کشی میں پہل نہیں کی تھی، بلکہ لشکر کشی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے شام کی طرف ہوئی تھی...
معلوم ہوتا ہے کہ مفتی وقاص رفیع کا مطالعہ انتہائی ناقص ہے، میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا، سردست چند اکابر کی عبارات ہی پیش کرتا ہوں جو ہر لحاظ سے مفتی وقاص سے اعلی ہیں اور جن کی علمیت و جلالت شان

اہل سنت کے ہاں مسلم ہے، اور دیکھتا ہوں کہ کیا مفتی وقاص رفیع صاحب ان اکابر کی بات مانتے ہیں یا نہیں؟

..

علامہ ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ (متوفی 456 ہجری) لکھتے ہیں:

**الْكَلَام فِي حَرْب عَليّ من حاربه من الصَّحَابَة رَضِي الله عَنْهُم**

**(قَالَ أَبُو مُحَمَّد) اخْتلف النَّاس فِي تِلْكَ الْحَرْب على ثَلَاث فرق فَقَالَ جَمِيع الشِّيعَة وَبَعض المرجئة وَجُمْهُور الْمُعْتَزلَة وَبَعض أهل السّنة أَن عليا كَانَ الْمُصِيب فِي حربه وكل من خَالفه على خطأ وَقَالَ وَاصل بن عَطاء وَعَمْرو بن عبيد وَأَبُو الْهُذيْل وَطَوَائِف من الْمُعْتَزلَة أَن عليا مصيبا فِي قِتَاله مَعَ مُعَاوِيَة وَأهل النَّهر ووقفوا فِي قِتَاله مَعَ أهل الْجمل وَقَالُوا إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ مخطئة وَلَا نَعْرِف أَيهمَا هِيَ وَقَالَت الْخَوَارِج عَليّ الْمُصِيب فِي قِتَاله أهل الْجمل وَأهل صفّين وَهُوَ مخطيء فِي قِتَاله أهل النَّهر وَذهب سعد بن أبي وَقاص وَعبد الله بن عمر وَجُمْهُور الصَّحَابَة إِلَى الْوُقُوف فِي عَليّ وَأهل الْجمل وَأهل صفّين وَبِه يَقُول جُمْهُور أهل السّنة وَأَبُو بكر بن كيسَان وَذهب جمَاعَة من الصَّحَابَة وَخيَار التَّابِعين وَطَوَائِف مِمَّن بعدهمْ إِلَى تصويب محاربي عَليّ من أَصْحَاب الْجمل وَأَصْحَاب صفّين وهم الْحَاضِرُونَ لقتاله فِي الْيَوْمَيْنِ الْمَذْكُورين وَقد أَشَارَ إِلَى هَذَا أَيْضا أَبُو بكر بن كيسَان..."**

ترجمہ : حضرت علی (رض) کی دوسرے صحابہ کے ساتھ جو جنگیں ہوئیں اس بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے اور ان کے تین (بڑے) گروہ ہیں.

تمام شیعہ، بعض مرجئہ، جمہور معتزلہ اور بعض اہل سنت کہتے ہیں کہ حضرت علی (رض) ان جنگوں میں درست تھے اور وہ تمام لوگ جو آپ کے مد مقابل تھے وہ غلطی پر تھے، (پھر اس گروہ میں سے) واصل بن عطاء، عمرو بن عبید، ابو الہذیل اور معتزلہ کے بہت سے گروہ کہتے ہیں کہ جہاں تک حضرت علی (رض) کی حضرت معاویہ (رض) اور اہل نہر کے ساتھ جنگ کا تعلق ہے تو ان میں حضرت علی (رض) درست تھے (اور دوسرے غلط تھے) لیکن آپ کی جو جنگ اہل جمل (حضرت عائشہ وطلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم کے ساتھ) ہوئی اس میں ایک گروہ صحیح اور دوسرا غلط تھا لیکن کون صحیح اور کون غلط تھا؟ یہ ہم نہیں جانتے، لہٰذا ہم اس بارے

توقف کرتے ہیں، اور خوارج کہتے ہیں کہ جنگ جمل و صفین میں حضرت علی (رض) ہی حق پر اور درست تھے، لیکن اہل نہر کے ساتھ جنگ میں وہ غلط تھے.

حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن عمر اور جمہور صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کا موقف ہے کہ ہم جنگ جمل اور جنگ صفین دونوں کے بارے میں توقف کرتے ہیں (یعنی ہم یہ فیصلہ نہیں دیتے کہ کون صحیح تھا اور کون غلط_ ناقل) اور جمہور اہل سنت اور ابو بکر بن کیسان کا یہی مسلک ہے.

جبکہ صحابہ اور خیار تابعین کی ایک جماعت اور ان کے بعد بہت سے لوگوں کا یہ مسلک ہے کہ جمل اور صفین دونوں جنگوں میں حضرت علی (رض) کے مد مقابل حضرات "مصیب" یعنی صحیح موقف پر تھے، اور یہ لوگ (یعنی جو صحابہ اور تابعین یہ موقف رکھتے ہیں_ ناقل) ان دونوں جنگوں میں شریک تھے، اس بات کی طرف بھی ابو بکر بن کیسان نے اشارہ کیا ہے.

(الفصل في الملل والنحل، جلد 4 صفحہ 119 – 120، مکتبۃ الخانجی، مصر)

ملاحظہ فرمائیں! ابن حزم رحمہ اللہ بھی "جمہور صحابہ کرام" اور اور "جمہور اہل سنت" کا مسلک یہی بیان کر رہے ہیں کہ ہم جنگ جمل و جنگ صفین کے بارے میں توقف کرتے ہیں اور فریقین میں سے کسی کے بارے میں بھی یہ فیصلہ نہیں دیتے کہ کون صحیح تھا اور کون غلط...

نوٹ: اگرچہ آگے علامہ ابن حزم نے ان تمام گروہوں کے مسالک پر اپنا تبصرہ کیا ہے اور اپنی رائے بھی دی ہے جس کی تفصیل اسی کتاب میں آگے دیکھی جا سکتی ہے، لیکن سر دست ہم یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ابن حزم نے "جمہور صحابہ" اور "جمہور اہل سنت" کا مسلک کیا بیان کیا ہے، نیز انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ "صحابہ اور خیار تابعین کی ایک جماعت اور ان کے بعد بہت سے لوگوں کا یہ مسلک بھی ہے کہ جمل اور صفین دونوں جنگوں میں حضرت علی (رض) کے مد مقابل حضرات "مصیب" یعنی صحیح موقف پر تھے".

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فَلَا رَيْبَ أَنَّهُ اقْتَتَلَ الْعَسْكَرَانِ: عَسْكَرُ عَلِيٍّ وَمُعَاوِيَةَ بِصِفِّينَ، وَلَمْ يَكُنْ مُعَاوِيَةُ مِمَّنْ يَخْتَارُ الْحَرْبَ ابْتِدَاءً، بَلْ كَانَ مِنْ أَشَدِّ النَّاسِ حِرْصًا عَلَى أَنْ لَا يَكُونَ قِتَالٌ، وَكَانَ غَيْرُهُ أَحْرَصَ عَلَى الْقِتَالِ مِنْهُ. وَقِتَالُ صِفِّينَ لِلنَّاسِ فِيهِ أَقْوَالٌ: فَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ: كِلَاهُمَا كَانَ مُجْتَهِدًا مُصِيبًا، كَمَا يَقُولُ ذَلِكَ كَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ الْكَلَامِ وَالْفِقْهِ وَالْحَدِيثِ، مِمَّنْ يَقُولُ: كُلُّ مُجْتَهِدٍ مُصِيبٌ، وَيَقُولُ: كَانَا مُجْتَهِدَيْنِ. وَهَذَا قَوْلُ كَثِيرٍ مِنَ الْأَشْعَرِيَّةِ وَالْكَرَّامِيَّةِ وَالْفُقَهَاءِ وَغَيْرِهِمْ، وَهُوَ قَوْلُ طَائِفَةٍ مِنْ أَصْحَابِ أَبِي حَنِيفَةَ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَغَيْرِهِمْ، وَتَقُولُ الْكَرَّامِيَّةُ: كِلَاهُمَا إِمَامٌ مُصِيبٌ، وَيَجُوزُ نَصْبُ إِمَامَيْنِ لِلْحَاجَةِ.

وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ: بَلِ الْمُصِيبُ أَحَدُهُمَا لَا بِعَيْنِهِ، وَهَذَا قَوْلُ طَائِفَةٍ مِنْهُمْ.

وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ: عَلِيٌّ هُوَ الْمُصِيبُ وَحْدَهُ، وَمُعَاوِيَةُ مُجْتَهِدٌ مُخْطِئٌ، كَمَا يَقُولُ ذَلِكَ طَوَائِفُ مِنْ أَهْلِ الْكَلَامِ وَالْفُقَهَاءِ أَهْلِ الْمَذَاهِبِ الْأَرْبَعَةِ.

" بلاشک صفین میں حضرت علی (رض) اور حضرت معاویہ (رض) کے لشکروں کا ٹکراؤ ہوا، لیکن جنگ اختیار کرنے والے (یعنی ابتداء کرنے والے) حضرت معاویہ (رض) نہ تھے، بلکہ آپ تمام لوگوں میں سے اس بات کے خواہاں تھے کہ جنگ نہ ہو، جبکہ ان کے علاوہ دوسرے لوگ یہ چاہتے تھے کہ جنگ ہو جائے. (لیکن مفتی وقاص رفیع یہ غلط بیانی کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج میں ابتدا کی تھی_ناقل).

(پھر ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ) اور صفین کی جنگ کے بارے میں لوگوں کے تین قول ہیں.

پہلا قول: ان میں سے کچھ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ وہ دونوں (یعنی حضرت علی وحضرت معاویہ رضی اللہ عنہما) مجتہد مصیب تھے (یعنی اپنے اپنے اجتہاد میں ٹھیک تھے)، یہ قول متکلمین وفقہاء ومحدثین میں سے بہت سے لوگوں کا ہے جن کا یہ کہنا ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہی ہوتا ہے، اور کہتے ہیں کہ (چونکہ) وہ دونوں ہی مجتہد تھے (اس لیے دونوں مصیب تھے)، یہی قول ہے اشعریہ، کرامیہ اور فقہاء میں سے بہت سوں کا اور ان کے علاوہ دوسروں کا، نیز یہی قول ہے امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد کے اصحاب میں سے ایک جماعت کا.

دوسرا قول: کچھ یہ کہتے ہیں کہ ان دونوں میں سے صرف ایک ہی "مجتہد مصیب" تھے، لیکن کون تھے؟ اس کی تعیین نہیں کر سکتے، یہ بھی ان میں ہی ایک جماعت کا قول ہے.

تیسرا قول: ان میں وہ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی (رض) ہی مصیب تھے اور حضرت معاویہ (رض) مجتہد مخطی تھے، جیسے کہ متکلمین اور چاروں مذاہب کے فقہاء کی کئی جماعتوں کا قول ہے.

(منہاج السنۃ، صفحہ 447، جلد 4، طبع السعودیۃ)

تو ملاحظہ فرمائیں، امام ابن تیمیہ نے اس بارے میں تین اقوال ذکر فرمائے ہیں، اور تینوں ہی اہل سنت کے اقوال بتائے ہیں، لہٰذا یہ رٹ لگانا کہ اہل سنت کا صرف اس پر اجماع ہے کہ ان دونوں مجتہد صحابیوں میں سے صرف ایک مصیب تھے اور دوسرے غلط، اور مصیب یقینی طور پر حضرت علی (رض) تھے اور حضرت معاویہ (رض) یقینی طور پر غلط تھے... یہ دعوی غلط ہے.. بلکہ یہ تین اقوال میں سے صرف ایک قول ہے.

یہی امام تیمیۃ (رح) اسی کتاب میں ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَخْبَرَ أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ مَسْلَمَةَ لَا تَضُرُّهُ الْفِتْنَةُ، وَهُوَ مِمَّنِ اعْتَزَلَ فِي الْقِتَالِ فَلَمْ يُقَاتِلْ لَا مَعَ عَلِيٍّ وَلَا مَعَ مُعَاوِيَةَ، كَمَا اعْتَزَلَ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ، وَأُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ، وَأَبُو بَكْرَةَ، وَعِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ، وَأَكْثَرُ السَّابِقِينَ الْأَوَّلِينَ.وَهَذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ لَيْسَ هُنَاكَ قِتَالٌ وَاجِبٌ وَلَا مُسْتَحَبٌّ، إِذْ لَوْ كَانَ كَذَلِكَ لَمْ يَكُنْ تَرْكُ ذَلِكَ مِمَّا يُمْدَحُ بِهِ الرَّجُلُ، بَلْ كَانَ مَنْ فَعَلَ الْوَاجِبَ أَوِ الْمُسْتَحَبَّ أَفْضَلَ مِمَّنْ تَرَكَهُ، وَدَلَّ ذَلِكَ عَلَى أَنَّ الْقِتَالَ قِتَالُ فِتْنَةٍ.

كَمَا ثَبَتَ فِي الصَّحِيحِ عَنِ النَّبِيِّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَنَّهُ قَالَ: " «سَتَكُونُ فِتْنَةٌ الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ، وَالْقَائِمُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْمَاشِي، وَالْمَاشِي خَيْرٌ مِنَ السَّاعِي، وَالسَّاعِي خَيْرٌ مِنَ الْمُوضِعِ» "، وَأَمْثَالُ ذَلِكَ مِنَ الْأَحَادِيثِ الصَّحِيحَةِ الَّتِي تُبَيِّنُ أَنَّ تَرْكَ الْقِتَالِ كَانَ خَيْرًا مِنْ فِعْلِهِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ، وَعَلَى هَذَا جُمْهُورُ أَئِمَّةِ أَهْلِ الْحَدِيثِ وَالسُّنَّةِ؛ وَهَذَا مَذْهَبُ مَالِكٍ، وَالثَّوْرِيِّ وَأَحْمَدَ وَغَيْرِهِمْ.

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ محمد بن مسلمہ (رضی اللہ عنہ) کو فتنہ نقصان نہیں پہنچائے گا، پس یہ (صحابی) محمد بن مسلمہ (رض) اس لڑائی میں ایک طرف ہو رہے، نہ انہوں نے حضرت علی (رض) کی طرف سے لڑائی میں حصہ لیا اور نہ ہی حضرت معاویہ (رض) کی طرف سے، اسی طرح حضرت سعد بن بن ابی وقاص، اسامۃ بن زید، عبداللہ بن عمر، ابوبکرہ، عمران بن حصین، اور اکثر سابقون اولون (صحابہ کرام) اس موقع پر الگ ہی رہے (یعنی دونوں میں سے کسی کا بھی ساتھ نہیں دیا).
یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہاں جنگ نہ واجب تھی اور نہ ہی مستحب، کیونکہ اگر اس جنگ میں حصہ لینا واجب یا مستحب ہوتا تو اس کو چھوڑنے (اور الگ رہنے پر) آدمی کی تعریف نہ کی جاتی (اشارہ ہے اس حدیث کی طرف جو حضرت محمد بن مسلمہ کے بارے میں گزری جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمد بن مسلمہ کے اس قتالِ فتنہ سے الگ رہنے کو بطور تعریف ذکر فرمایا–ناقل) بلکہ کسی واجب یا پسندیدہ چیز کا کرنا بنسبت اس کے چھوڑنے کے افضل ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ لڑائی (یعنی جنگ صفین) قتالِ فتنہ تھی...
اسی طرح صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: عن قریب ایک فتنہ بپا ہوگا، اس دوران (اپنی جگہ پر) بیٹھا رہنے والا، کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا، اور اپنی جگہ پر کھڑا رہنے والا، چلنے سے والے سے بہتر ہوگا، اور چلنے والا بھاگنے والے سے بہتر ہوگا، اور بھاگنے والا اس فتنہ میں پڑنے والے سے بہتر ہوگا.. اسی طرح کی اور بھی بہت سی صحیح احادیث ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ دونوں طرف سے جنگ اور لڑائی کا ترک کرنا ہی افضل تھا، یہی جمہور محدثین اور اہل سنت کا کہنا ہے، اور یہی امام مالک، امام ثوری اور امام احمد وغیرہا کا مذھب ہے.
(منہاج السنۃ، صفحہ 541 – 542، جلد 1، طبع سعودیہ)

نوٹ: اس عبارت میں حافظ ابن تیمیہ (رح) صراحت کے ساتھ ان حضرات صحابہ کرام کے موقف کو ترجیح دے رہے ہیں جو ان باہمی جنگوں اور قتال فتنہ سے الگ رہے اور کسی کا بھی ساتھ نہیں دیا... اور یہ ترجیح

بہت سی صحیح احادیث کی بنیاد پر دے رہے ہیں، نیز انہوں نے ان بعض جلیل القدر صحابہ کرام کے نام بھی لکھے ہیں جو غیر جانبدار رہے.

پھر ایک جگہ چند اقوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

**وَيُقَالُ: حَادِي عَشَرَ قَوْلُكُمْ: " بَايَعَهُ الْكُلُّ بَعْدَ عُثْمَانَ ".**
**مِنْ أَظْهَرِ الْكَذِبِ، فَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ: إِمَّا النِّصْفُ، وَإِمَّا أَقَلُّ أَوْ أَكْثَرُ لَمْ يُبَايِعُوهُ، وَلَمْ يُبَايِعْهُ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ وَلَا ابْنُ عُمَرَ وَلَا غَيْرُهُمَا.**

"اور جو گیارہویں بات یہ کہی جاتی ہے کہ: حضرت عثمان (رض) کے بعد سب نے ان (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی بیعت کرلی تھی.. تو یہ بات صاف جھوٹ ہے، کیونکہ بہت سے مسلمانوں نے، آدھوں نے یا اس سے ذرا کم یا اس سے زیادہ نے (یعنی تقریباً آدھوں نے) ان کی بیعت نہیں کی تھی، سعد بن ابی وقاص نے نہیں کی تھی، ابن عمر نے نہیں کی تھی.

(منہاج السنۃ، صفحہ 515 – 516 جلد 4، طبع سعودیہ)

نوٹ: امام ابن تیمیہ (رح) سے بڑا قاطع رافضیت شاید ہی کوئی ہوا ہے، اور وہ فرمارہے ہیں کہ اس وقت موجود مسلمانوں کی آدھی کے قریب تعداد نے حضرت علی (رض) کی بیعت نہیں کی تھی، اور پہلے انہی کی بات گزری کہ سابقون اولون میں اکثر لوگوں نے ان کی بیعت نہیں کی تھی.

ایک اور جگہ یہی امام ابن تیمیہ (رح) لکھتے ہیں:

**فَإِنَّ ثُلُثَ الْأُمَّةِ - أَوْ أَقَلَّ أَوْ أَكْثَرَ - لَمْ يُبَايِعُوا عَلِيًّا، بَلْ قَاتَلُوهُ وَالثُّلُثَ الْآخَرَ لَمْ يُقَاتِلُوا مَعَهُ وَفِيهِمْ مَنْ لَمْ يُبَايِعْهُ أَيْضًا؛ وَالَّذِينَ لَمْ يُبَايِعُوهُ مِنْهُمْ مَنْ قَاتَلَهُمْ، وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ يُقَاتِلْهُمْ...**

بے شک امت کے ایک تہائی کے قریب لوگوں نے حضرت علی (رض) کی بیعت نہیں کی تھی، بلکہ ان کے ساتھ جنگ بھی کی، اور دوسرے ایک تہائی نے ان کے ساتھ جنگ تو نہ کی لیکن ان میں بھی ایسے تھے جنہوں نے ان کی بیعت نہیں کی تھی، اور پھر جنہوں نے ان کی بیعت نہیں کی تھی ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے

جنہوں نے ان کے ساتھ قتال کیا اور ایسے بھی تھے جنہوں نے نہیں کیا. (منہاج السنۃ، صفحہ 338، جلد 8، طبع سعودیہ)

اور حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ کا حوالہ تو میں پہلے بھی نقل کر چکا ہوں جس میں انہوں نے لکھا کہ:

"اے برادر! اس معاملہ میں (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کرنے میں) امیر معاویہ (رض) تنہا نہیں ہیں، بلکہ صحابہ کرام کی کم و بیش نصف جماعت اس معاملہ میں حضرت معاویہ (رض) کہ شریک ہیں.
(مکتوبات امام ربانی، اردو، دفتر اول، مکتوب نمبر: 251، طبع ادارہ مجددیہ کراچی)

مفتی وقاص رفیع کے مقتدا حضرت قاضی مظہر حسین صاحب (رح) نے بھی ابن حزم (رح) کی یہ عبارت نقل کی ہے اور اس کا اردو ترجمہ یوں کیا ہے کہ: "صحابہ کرام کی ایک جماعت اور تابعین کے بہتر حضرات اور ان کے بعد کے بعض گروہ اس طرف گئے ہیں کہ اصحاب جمل اور اصحاب صفین میں سے جو حضرت علی (رض) سے لڑنے والے ہیں وہ صواب پر ہیں (یعنی ان کا اجتہاد صحیح ہے" (دیکھیں خارجی فتنہ، جلد اول، صفحہ 279 – 280 طبع اول).

لہٰذا مفتی وقاص رفیع کا یہ فتویٰ کہ جو حضرت معاویہ (رض) کو بھی "مصیب" سمجھے وہ اہل سنت سے خارج ہے، نری ضد اور جہالت پر مبنی ہے.

الغرض! بتانا یہ مقصود ہے کہ یہ جو مفتی محمد وقاص رفیع اور کچھ دوسرے حضرات یہ آوازہ کستے ہیں کہ "اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت علی و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں مجتہد تھے، لیکن ان میں سے حضرت علی یقینا قطعی طور پر مجتہد مصیب تھے اور حضرت معاویہ قطعی طور پر مجتہد مخطی اور باغی تھے، اور اس پر اہل سنت کا اجماع ہے" یہ دعوی درست نہیں... اہل سنت کے اس بارے میں تین اقوال ہیں جیسا کہ امام ابن تیمیہ نے لکھا ہے... اور اس زمانے میں سب سے بہتر موقف انہی صحابہ کرام کا تھا جو غیر جانبدار رہے اور انہوں نے دونوں میں سے کسی کا بھی ساتھ نہیں دیا، اور بقول ابن حزم جمہور صحابہ اور جمہور اہل سنت کا

یہی مسلک تھا. لہٰذا اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ میرے نزدیک حضرت علی اور حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہما) دونوں ہی اپنی اپنی جگہ "مجتہد مصیب" ہی تھے، میں کسی کو بھی غلط نہیں کہتا تو اسے اہل سنت سے خارج کرنے کا فتویٰ اگر مفتی محمد وقاص رفیع دیں گے تو ہم امام ابن تیمیہ کے فتوے کے سامنے اسے لپیٹ کر واپس ایسے مفتیان کے منہ پر مار دیں گے، اگر آپ واقعی اکابرین امت کا پاس رکھتے ہیں تو علامہ ابن حزم، علامہ ابن تیمیہ کی بات اور مجدد صاحب کی بات کو بھی مانیں...

نیز جن آیات یا احادیث کا حوالہ دے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کرنے والوں کو "باغی و طاغی" ثابت کیا جاتا ہے، کیا وہ نصوص ان کبار صحابہ کرام کے سامنے نہ تھیں جن میں بقول ابن تیمیہ "سابقون اولون" کی اکثریت بھی تھی؟؟ کیا انھیں نہیں معلوم تھا کہ ہم بیعت نہ کرکے "باغی" بن رہے ہیں؟؟ کیا بعد کے شارحین حدیث کو جو بات سمجھ آئی وہ ان صحابہ کرام کی اکثریت کو سمجھ نہ آسکی؟؟

# اکابر کے نادان وکیل : ( قسط : 8 )

------------------

مفتی محمد وقاص رفیع (جو اپنے آپ کو فاضل مدرسہ عربیہ رائے ونڈ لکھتے ہیں) نے نویں نمبر پر اپنی کتاب کے صفحہ 418 سے مشہور حنفی عالم و محدث جناب ملا علی قاری رحمہ اللہ کی کتب میں موجود سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں چند قابل اعتراض عبارات کا دفاع کرنے کی کوشش کی ہے، آیئے اس قسط میں ان عبارات، اور ان پر مفتی وقاص رفیع کے جواب کا جائزہ لیتے ہیں .

سب سے پہلے ملا علی قاری (رح) کی کتب میں موجود وہ عبارات پڑھیں :

**وَقَالَ ابْنُ الْمَلَكِ: اعْلَمْ أَنَّ عَمَّارًا قَتَلَهُ مُعَاوِيَةُ وَفِئَتُه، فَكَانُوا طَاغِينَ بَاغِينَ، بِهَذَا الْحَدِيثِ، لِأَنَّ عَمَّارًا كَانَ فِي عَسْكَرِ عَلِيٍّ، وَهُوَ الْمُسْتَحِقُّ لِلْإِمَامَةِ، فَامْتَنَعُوا عَنْ بَيْعَتِهِ .**

ابن الملک نے کہا ہے کہ : جان لو کہ (حضرت) عمار کو (حضرت) معاویہ اور ان کے گروہ نے قتل کیا تھا، پس وہ اس حدیث کی رو سے سرکش اور باغی ہوئے، کیونکہ (حضرت) عمار، (حضرت) علی کے لشکر میں تھے، اور (اس وقت) حضرت علی ہی امامت (یعنی خلافت) کے مستحق تھے اور وہ لوگ ان کی بیعت سے الگ رہے.

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، جلد 11، صفحہ 17، دار الکتب العلمیہ بیروت)

پھر اس سے اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں :

**قُلْتُ: فَإِذَا كَانَ الْوَاجِبُ عَلَيْهِ أَنْ يَرْجِعَ عَنْ بَغْيِهِ بِإِطَاعَتِه الْخَلِيفَةَ، وَيَتْرُكَ الْمُخَالَفَةَ وَطَلَبَ الْخِلَافَةِ الْمُنِيفَةِ، فَتَبَيَّنَ بِهَذَا أَنَّهُ كَانَ فِي الْبَاطِنِ بَاغِيًا، وَفِي الظَّاهِرِ مُتَسَتِّرًا بِدَمِ عُثْمَانَ مُرَاعِيًا مُرَائِيًا، فَجَاءَ هَذَا الْحَدِيثُ عَلَيْهِ نَاعِيًا، وَعَنْ**

عَمَلِهِ نَاهِيًا، لَكِنْ كَانَ ذَلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا، فَصَارَ عِنْدَهُ كُلٌّ مِنَ الْقُرْآنِ وَالْحَدِيثِ مَهْجُورًا، فَرَحِمَ اللَّهُ مَنْ أَنْصَفَ وَلَمْ يَتَعَصَّبْ وَلَمْ يَتَعَسَّفْ، وَتَوَلَّى الِاقْتِصَادَ فِي الِاعْتِقَادِ، لِئَلَّا يَقَعَ فِي جَانِبَيْ سَبِيلِ الرَّشَادِ مِنَ الرَّفْضِ وَالنَّصْبِ بِأَنْ يُحِبَّ جَمِيعَ الْآلِ وَالصَّحْبِ

میں (یعنی ملا علی قاری) کہتا ہوں کہ: جب ان (معاویہ) پر واجب تھا کہ وہ خلیفہ کی اطاعت کرکے اپنی بغاوت سے رجوع کرتے، اور (خلیفہ) کی مخالفت اور خلافت کی طلب و خواہش ترک کردیتے، (مگر انہوں نے ایسا نہ کیا) تو اس سے ظاہر ہوا کہ وہ باطنی طور پر (یعنی حقیقت میں) باغی تھے اور ظاہری طور پر انہوں نے دکھلانے کے لیے اور اپنے آپ کو بچانے کے لیے قصاص عثمان کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا، پس یہ حدیث ان کے عیب کا اعلان کرنے اور ان کے اس عمل کو روکنے کے لیے آگئی، لیکن یہ سب کچھ کتاب تقدیر میں لکھا جا چکا تھا، پس (حضرت) معاویہ کے نزدیک قرآن وحدیث دونوں ہی مہجور ومتروک ہوگئے، سو اللہ رحم کرے اس شخص پر جس نے تعصب نہ کیا اور نہ ہی ظلم کیا اور اعتقاد میں میانہ روی اختیار کی، تاکہ سیدھی راہ سے ہٹ کر رافضیت اور ناصبیت میں نہ جاپڑے اور تمام آل واصحاب سے محبت رکھے .

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، جلد 11، صفحہ 18 ، دار الکتب العلمیہ بیروت)

قارئین محترم! ملا علی قاری (رح) کی کتاب کی اس عبارت سے مندرجہ ذیل باتیں نکلتی ہیں :

- حضرت عمار (رض) کو حضرت معاویہ (رض) اور ان کے گروہ نے قتل کیا.
- اور کیونکہ وہ حضرت علی (رض) کی بیعت سے بھی الگ رہے، یوں وہ "طاغی" یعنی سرکش اور باغی ہوئے.
- حضرت معاویہ (رض) کو چاہئے تھا کہ وہ اپنی بغاوت سے رجوع کرتے.
- ان پر لازم تھا کہ وہ خلیفہ (یعنی حضرت علی) کی اطاعت کرتے اور آپ کی مخالفت ترک کرتے .
- ان کو چاہیے تھا کہ وہ خلافت کی ناجائز طلب اور خواہش چھوڑ دیتے.
- معاویہ باطن (حقیقت) میں باغی تھے .

- انہوں نے صرف دکھلاوے کے لیے اور ریاکاری کے طور پر حضرت عثمان کے خون (قصاص) کی آڑ لے رکھی تھی۔
- معاویہ نے قرآن وحدیث کو مہجور کر دیا (ترک کر دیا) (یعنی انہوں نے قرآن وحدیث کی مخالفت کی)۔
- یہ باتیں انصاف اور اعتدال پر مبنی ہیں (کہ حضرت معاویہ کو ان امور کا مرتکب سمجھا جائے)۔

قارئین محترم! جو حضرات عربی زبان کی تھوڑی سی شدبد رکھتے ہیں، ان کے سامنے اصل عربی الفاظ بھی ہیں، ان کا وہی مفہوم نکلتا ہے جو اردو میں بیان کیا گیا... میرے اردو ترجمے میں غلطی کا امکان ہے، لیکن جو مفہوم عربی عبارت کا ہے وہی ہے جو بیان ہوا..

اب انہی ملا علی قاری صاحب کی ایک دوسری کتاب کی ایک عبارت بھی ملاحظہ فرمالیں پھر آگے چلتے ہیں، آپ لکھتے ہیں:

"ثم كان معاوية مخطئاً ، الا أنه فعل ما فعل عن تأويل فلم يصر به فاسقاً. فاختلف أهل السنة والجماعة في تسميته باغياً، فمنهم من امتنع من ذلك والصحيح قول من أطلق لقوله عليه السلام لعمار تقتلك الفئة الباغية.

وكان علي رضي الله عنه مصيباً في التحكيم ، وزعمت الخوارج أنه كان مخطئاً فيه وقد كفر ، اذ الواجب في أهل البغي المحاربة لقوله سبحانه وتعالى ..فان بغت احداهما على الأخرى فقاتلوا التي تبغي حتى تفيء الى أمر الله.. ولكنا نقول المقصود إرادة دفع الشر وتأليف القلوب وهذا فيما فعل علي"

پھر حضرت معاویہ مخطی تھے، مگر انہوں نے جو کچھ کیا تاویل کے ساتھ کیا، پس وہ اس فعل سے فاسق نہیں ہوئے، اور اہل سنت والجماعت نے انہیں باغی کا نام دینے میں اختلاف کیا ہے، پس بعض نے اس سے منع کیا ہے، اور صحیح یہ ہے کہ (حضرت معاویہ پر) باغی کا اطلاق درست ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار کو فرمایا تھا کہ: تجھے باغی گروہ قتل کرے گا، اور حضرت علی (رض) تحکیم میں بھی مصیب اور

درست تھے، خوارج کا خیال ہے کہ (تحکیم قبول کرکے) انہوں نے غلطی کی اور کفر کیا، کیونکہ باغیوں کے ساتھ جنگ واجب ہے، اللہ کا فرمان ہے "اگر دونوں گروہوں میں ایک گروہ دوسرے پر بغاوت کرے تو اس کے ساتھ قتال کرو اس کے ساتھ جس نے بغاوت کی ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے" (اور حضرت علی نے بجائے قتال کے تحکیم قبول کی_ ناقل)، لیکن ہم (اس کے جواب میں_ ناقل) کہتے ہیں کہ مقصود دفعِ شر اور تالیف قلوب ہے اور یہی حضرت علی نے کیا (اسی وجہ سے تحکیم قبول کی_ ناقل) .

(مِنح الروض الأزهر في شرح الفقه الأكبر، صفحہ 200، دار البشائر الاسلامیۃ بیروت)

ملا علی قاری (رح) کی اس عبارت سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوئیں :

- حضرت معاویہ (رض) مخطی تھے .
- اس فعل کی وجہ سے وہ فاسق نہیں ہوئے .
- اہل سنت میں اس بات پر اختلاف ہے کہ حضرت معاویہ (رض) پر "باغی" کے لفظ کا اطلاق کرنا چاہیے یا نہیں، بعض نے اس سے منع کیا ہے .
- ملا علی قاری کہتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ ان پر "باغی" کا اطلاق درست ہے، اور جو باغی کا اطلاق نہیں کرتے وہ غلط ہیں .
- ان پر "باغی" کا اطلاق کرنے کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار (رض) سے فرمایا تھا کہ "تمہیں باغی گروہ قتل کرے گا" (اور انھیں حضرت معاویہ اور ان کے گروہ نے قتل کیا لہٰذا وہ باغی ہیں) اب سوال ہوتا تھا کہ اگر وہ واقعی باغی تھے تو قرآن کا حکم تو یہ ہے کہ باغیوں سے اس وقت تک جنگ کرو جب تک وہ اللہ کے حکم کی طرف نہ لوٹ آئیں، تو پھر حضرت علی (رض) نے (قتل عمار کے بعد) ان کے ساتھ جنگ کے بجائے تحکیم پر کیوں رضامندی قبول کی؟ جس کی وجہ سے خارجیوں نے حضرت علی (رض) کو غلط کہا؟ تو اس کا جواب ملا علی قاری نے یہ دیا ہے کہ "حضرت علی نے یہ کام شر کو دور کرنے اور تالیف قلب کے لئے کیا تھا. "

قارئین محترم! یہ ہیں ملا علی قاری (رح) کی کتب سے چند عبارات، اگر تو ملا علی قاری صرف اس حد تک رہتے کہ "حضرت علی اور حضرت معاویہ دونوں مجتہد تھے، اور میرے نزدیک حضرت علی کا اجتہاد درست اور حضرت معاویہ کا غلط تھا، یوں حضرت معاویہ مجتہد مخطی تھے" تو عبارت اتنی سخت نہ ہوتی، کہ بہت سے دوسرے علماء نے بھی اسے "اجتہادی خطا" لکھا ہے، (اگرچہ یہ الگ بحث ہے کہ کیا کسی مجتہد کے صواب اور خطاء کا قطعی فیصلہ اس دنیا میں ہو سکتا ہے یا نہیں)، لیکن ملا علی قاری نے اس سے تجاوز کیا ہے .

- انہوں نے حضرت معاویہ (رض) کو ایسا باغی کہا ہے جس کے ساتھ جنگ کرنا حکم قرآنی ہے .
- انہوں نے انھیں "مجتہد مخطی" کے بجائے صرف "مخطی" لکھا ہے .
- انہوں نے ان اہل سنت کو غلط کہا ہے جو حضرت معاویہ کو باغی نہیں کہتے .
- ملا علی قاری نے کہا ہے کہ حضرت معاویہ پر حضرت علی کی اطاعت واجب تھی .
- انہوں نے حضرت معاویہ پر الزام لگایا ہے کہ "وہ خلافت کی طلب رکھتے تھے اس لئے حضرت علی سے جنگ کی ."
- انہوں نے حضرت معاویہ پر الزام لگایا ہے کہ "وہ حقیقت میں اندر سے باغی تھے، لیکن باہر باہر سے دکھلاوے کے لیے حضرت عثمان کے خون کے قصاص کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا" .
- انہوں نے حضرت معاویہ پر "قرآن وسنت کو ترک کرنے اور مہجور کرنے" کا الزام بھی لگایا.

ہمارے خیال میں یہ باتیں اگر واقعی ملا علی قاری نے ہی لکھی ہیں اور ان کی کتب میں بعد میں نہیں ڈالی گئیں تو، یہ ملا علی قاری کا اپنی حیثیت اور مرتبہ سے تجاوز ہے، ہم ان سے پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ حضرت! آپ یہ تو بتائیں کہ قرآن کی کس آیت کی خلاف ورزی ہوئی؟ کیا حضرت عثمان (رض) کا قصاص طلب کرنا یہ قرآن کی خلاف ورزی تھا؟ یا اگر حضرت علی (رض) کی بیعت سے الگ رہنا یہ قرآن کی خلاف ورزی تھی تو یہ "خلاف ورزی" صرف حضرت معاویہ (رض) نے ہی کی؟ آپ ذرا آگے ہمت کرتے اور لکھتے کہ اس وقت موجود صحابہ کرام کی اکثریت جن میں غیر جانبدار رہنے والے بھی ہیں اور حضرات ام المؤمنین عائشہ، طلحہ

وزبیر بھی ہیں اور وہ تمام صحابہ جنھوں نے بیعت نہیں کی تھی، ان سب نے یہ قرآن کی خلاف ورزی کی.. آپ کا یہ تجاوز صرف حضرت معاویہ (رض) تک نہیں رہتا بلکہ صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت تک بھی جاتا ہے، پھر آپ یہ بھی بتادیتے کہ کس آیت میں انھیں یہ حکم تھا کہ "حضرت علی کی بیعت کرو"؟؟ لہٰذا ملا علی قاری کو ایک غیر صحابی ہوتے ہوئے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ ایک ایسے صحابی پر "قرآن وسنت مہجور کرنے" کا الزام لگائیں جن کے بارے میں وہ خود اپنی اسی کتاب میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ :

"وَأَمَّا مُعَاوِيَةُ ; فَهُوَ مِنَ الْعُدُولِ الْفُضَلَاءِ، وَالصَّحَابَةِ الْأَخْيَارِ، وَالْحُرُوبُ الَّتِي جَرَتْ بَيْنَهُمْ كَانَتْ لِكُلِّ طَائِفَةٍ شُبْهَةٌ اعْتَقَدَتْ تَصْوِيبَ أَنْفُسِهَا بِسَبَبِهَا، وَكُلُّهُمْ مُتَأَوِّلُونَ فِي حُرُوبِهَا، وَلَمْ يَخْرُجْ بِذَلِكَ أَحَدٌ مِنْهُمْ مِنَ الْعَدَالَةِ ; لِأَنَّهُمْ مُجْتَهِدُونَ اخْتَلَفُوا فِي مَسَائِلَ، كَمَا اخْتَلَفَ الْمُجْتَهِدُونَ بَعْدَهُمْ فِي مَسَائِلَ، وَلَا يَلْزَمُ مِنْ ذَلِكَ نَقْصُ أَحَدٍ مِنْهُمْ "

حضرت معاویہ عادل وفاضل اور بہترین صحابہ میں سے ہیں، اور جو جنگیں ان (صحابہ) کے درمیان ہوئیں، ان میں ہر فریق کو شبہ تھا کہ وہ درست ہیں، اور ہر ایک کی اس جنگ کے بارے میں اپنی تاویل تھی، اور اس وجہ سے ان میں سے کوئی بھی عدالت وانصاف سے باہر نہیں نکلا، کیونکہ وہ ایسے مجتہد تھے جنھوں نے چند مسائل میں اختلاف کیا بالکل اسی طرح جیسے ان کے بعد آنے والے مجتہدین میں اختلاف ہوا ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان میں سے کسی کی تنقیص کی جائے .

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، جلد 11، صفحہ 151، دار الکتب العلمیہ بیروت)

نیز اسی صفحے پر پہلے یہ بھی لکھا ہے کہ:

وَالصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عُدُولٌ مُطْلَقًا لِظَوَاهِرِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَإِجْمَاعِ مَنْ يُعْتَدُّ بِهِ

کتاب وسنت کی ظاہری نصوص کی رو سے اور اجماع کی رو سے تمام صحابہ مطلقاً عادل ہیں

لہٰذا اگر وہ حضرت معاویہ (رض) کو بھی "عادل صحابہ" میں شمار کرتے ہیں، اور انھیں "فضلاء اور اخیار" صحابہ میں گنتے ہیں، نیز انھیں دوسرے مجتہدین کی طرح ہی سمجھتے ہیں تو پھر انھیں "قرآن وسنت ترک کرنے والا"

اور "خلافت کے لیے لڑنے والا" اور باطن میں کچھ، ظاہر سے کچھ رکھنے والا قرار دینا حد سے تجاوز نہیں تو کیا ہے؟ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ملا علی قاری کی "تنقید" نہیں تو کیا ہے؟ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ اور حضرت علی (رضی اللہ عنہما) کا اختلاف "خلافت" پر ہرگز نہیں تھا، کہ ملا علی قاری حضرت معاویہ کو "خلافت کی طلب ترک کرنے" کا مشورہ دے رہے ہیں.. نیز ملا علی قاری کو کوئی حق نہیں کہ وہ حضرت معاویہ (رض) کے باطن میں جھانکیں... اور نہ ہی یہ ان کا منصب ہے۔

پھر عجیب تر بات یہ ہے کہ یہی ملا علی قاری اپنی ایک کتاب میں یہ نصیحت بھی کرتے پائے جاتے ہیں کہ:

ولا نذكر الصحابة الا بخير

ہم تمام صحابہ کا ذکر خیر کے ساتھ ہی کرتے ہیں

نیز اسی جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ:

"جو کچھ ان کے درمیان ہوا وہ ضد اور عناد کی وجہ سے نہ تھا

پھر یہ بھی لکھا کہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب میرے صحابہ کا ذکر کیا جائے (یعنی جب ان کے درمیان ہونے والے اختلافات کا ذکر کیا جائے) تو رک جاؤ۔

پھر اسی صفحے پر ملا علی قاری نے وہ حدیث بھی لکھی ہے کہ.

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے۔

(دیکھیں: شرح الفقہ الاکبر (الروض الازہر) صفحہ 209، طبع دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت)

اب ہم ملا علی قاری کی کس بات کو درست سمجھیں؟ اس بات کو کہ حضرت معاویہ (رض) نے خلافت کی طلب اور خواہش میں جنگ کی، قرآن وسنت کو ترک کیا، وہ اندر سے کچھ اور باہر سے کچھ تھے؟

یا اس بات پر کہ وہ ایک جلیل القدر اور بہترین صحابہ میں سے تھے، ان کا اختلاف ایسے ہی اجتہادی تھا جیسے دوسرے مجتہدین کا؟

جب صحابہ کے اختلاف کا ذکر کیا جائے تو رک جاؤ... اور تمام صحابہ عادل ہیں... وغیرہ؟؟

یا اس بات کو تمام صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے؟.

ہم ملا علی قاری کی حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں تنقیصی عبارات کو ان کا تسامح اور ان کے بقول خود بہترین اور نجیب صحابی پر تنقید ہی سمجھتے ہیں... اللہ انھیں معاف فرمائے.. اور عین ممکن ہے کہ یہ تنقیصی عبارات ان کی کتب میں کسی نے بعد میں ڈال دی ہیں کیونکہ ان کی یہ عبارات انہی کی دوسری صحابہ کرام کے مشاجرات میں سکوت اختیار کرنے والی عبارات کے ساتھ متعارض ہیں.

لیکن ملا علی قاری کے نادان وکیل، فاضل مدرسہ عربیہ رائے ونڈ مفتی وقاص رفیع نے اس پر نہایت بے شرمی کے ساتھ جو کچھ لکھا ہے ہم اس کا جائزہ لیتے ہیں، مفتی وقاص رفیع لکھتے ہیں :

"اس میں شک ہی نہیں کہ حضرت معاویہ (رض) کو چاہئے تھا کہ وہ خلیفہ بر حق یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت اور ناجائز خلافت کی طلب ترک کرکے بغاوت سے رجوع کرتے اور خلیفہ کی اطاعت کرتے، لیکن چوں کہ انہوں نے یہ سب کچھ نہیں کیا اس لیے فقہی اعتبار سے وہ باغی کہلائے"

(حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابر، صفحہ 424)

قارئین محترم! حیرت ہے ایک ایسا آدمی جسے یہ بھی معلوم نہیں کہ حضرت معاویہ (رض) کا مطالبہ "ناجائز خلافت" کے حصول کا نہیں تھا بلکہ "قصاص عثمان" کا تھا، وہ اپنے نام کے ساتھ بڑے دھڑلے سے "مفتی" لکھ رہا ہے اور بار بار "اہل سنت کا اجماع" اور "جمہور اہل سنت" کے الفاظ لکھتا ہے، کیا یہ مفتی موصوف بتا سکتے ہیں کہ واقعی "جمہور اہل سنت" کا یہی مسلک ہے کہ صحابہ کرام کے درمیان یہ جنگیں "طلب خلافت" کے لئے ہوئی تھیں؟؟؟ کہیں مفتی وقاص رفیع یہ بات لکھ کر رافضیوں اور رافضیت نوازوں کی خدمت تو نہیں کر رہے؟

مفتی موصوف کا مبلغ علم یہ ہے کہ وہ صحابہ کرام کی ایک بڑی اکثریت پر ملا علی قاری کو بچانے کے لیے "ناجائز خلافت کی طلب" کا الزام لگا رہے ہیں اور پھر کہتے بھی اپنے آپ کو "اہل سنت" اور "محب صحابہ" ہیں.. اگر یہ سنیت اور صحابہ کی محبت ہے تو پھر رافضیت اور سبائیت کس چیز کا نام ہے؟

پھر ان مفتی صاحب نے "بغاوت" کی عجیب تقسیم بھی کی ہے.. لکھتے ہیں "فقہی بغاوت"... ارے جناب! بغاوت کی تعریف تو فقہ ہی میں ہے، قرآن کریم یا حدیث میں تو بغاوت کی تعریف نہیں کی گئی، لہٰذا آپ "فقہی" اور "غیر فقہی" بغاوت کے فلسفے کیوں چھانٹ رہے ہیں؟؟ یہ فرمائیں کہ اگر حضرت معاویہ (رض) فقہی احکام کے اعتبار سے باغی کہلائے تو ہمیں یہ بھی بتا دیں کہ فقہی باغی کے احکام کیا ہیں؟ اور کیا صرف حضرت معاویہ (رض) ہی "فقہی باغی" ہووے ہیں یا جس جس پر آپ کی "فقہی بغاوت" کی تعریف لاگو ہوتی جائے گی وہ بھی "باغی" بنتا جائے گا؟؟؟ ذرا سوچ سمجھ کر جواب درکار ہے... یاد رکھیں.. "فقہ" کا دارو مدار "اصول فقہ" پر ہے... اور اصول افراد کو دیکھ کر لاگو نہیں ہوتے بلکہ اصول تو اصول ہوتے ہیں.. آپ "فقہی بغاوت" کی تعریف کریں اور پھر ہمیں موقع دیں کہ ہم آپ کو بتائیں کہ یہ تعریف صرف حضرت معاویہ (رض) پر ہی صادق آتی ہے یا اور لوگ بھی اس میں آتے ہیں؟؟

نیز اگر آپ کے نزدیک ایسے حاکم کی بیعت سے دور رہنا ہی بغاوت ہے جس پر مسلمانوں کی اکثریت متفق ہو چکی ہو تو بھی فرمائیں کیا یہ اصول صرف حضرت معاویہ (رض) پر ہی لاگو ہوگا؟؟ جبکہ حضرت علی (رض) کی تو اکثر صحابہ کرام کی بیعت بھی ثابت نہیں ہو سکتی... یا یہ اصول ہر جگہ لگے گا؟. (اچھی طرح دائیں بائیں دیکھ کر جواب دیں).

پھر مفتی موصوف نے ملا علی قاری کی ایک عبارت کی ایک مضحکہ خیز تاویل بھی کی ہے جس میں اپنی ہی بات کو رد بھی کیا ہے.. لکھتے ہیں کہ:

"حضرت عمار کی شہادت سے پہلے حضرت معاویہ جو حضرت علی کے ساتھ قصاص دم عثمان کی بناء پر لڑائی کر رہے تھے تو اس وقت تک بہت سے لوگوں کو کسی کے بارے میں یہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ ان دونوں میں سے کون حق پر ہے اور کون غلطی پر؟ لیکن جب حضرت عمار، حضرت معاویہ کے لشکر کے ہاتھوں شہید ہو گئے

تو یہ بات خوب اچھی طرح کھل کر سامنے آگئی کہ حضرت معاویہ جو بظاہر ایک معقول تاویل کے سائے میں حضرت علی سے لڑائی کر رہے تھے باطن (حقیقت) میں وہی باغی ہیں اور غلطی پر ہیں " (دیکھیں مفتی وقاص رفیع کی کتاب کا صفحہ 425)

قارئین محترم! توجہ فرمائیں، پہلے یہی مفتی موصوف یہ لکھ آئے ہیں کہ حضرت معاویہ (رض) کی یہ لڑائی "ناحق خلافت" کی طلب کے لیے تھی، اب یہ لکھ رہے کہ "وہ قصاص دم عثمان کی بناء پر لڑائی کر رہے تھے" ... کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ "جھوٹے کا حافظہ نہیں ہوتا ... "

پھر لکھتے ہیں کہ "حضرت عمار (رض) کی شہادت سے پہلے بہت سے لوگوں کو (مراد وہ صحابہ ہیں جو غیر جانبدار رہے اور جنہوں نے حضرت علی رض کی بیعت نہیں کی تھی) یہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ کون حق پر ہے؟؟

عرض ہے کہ، اگر آپ کے بقول حضرت علی (رض) کی بیعت تمام اہل حل وعقد نے کرلی تھی، اور یوں وہ خلیفہ برحق بن چکے تھے تو پھر ان لوگوں کو کیوں معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ کون حق پر ہے؟؟ کیا وہ نہیں جانتے تھے کہ اہل حل وعقد نے کسے خلیفہ بنایا ہے؟؟ پھر یہ فرمائیں کہ کیا حضرت عمار (رض) کی شہادت کے بعد ان سب صحابہ کرام نے جو پہلے بیعت سے دور رہے تھے اور جنہوں نے حضرت علی (رض) کا ساتھ نہیں دیا تھا وہ سب کے سب حق کو جان کر حضرت علی (رض) کی بیعت میں آگئے تھے؟؟؟ اگر آگئے تھے تو ثبوت درکار ہے.. اور اگر نہیں آئے تھے تو فرمائیں کہ جلیل القدر صحابہ کرام نے شہادت حضرت عمار (رض) کے بعد بقول آپ کے حق واضح ہونے کے بعد بھی حق کا ساتھ کیوں نہ دیا؟ اور حضرت علی (رض) کی بیعت کیوں نہ کی؟؟.

نوٹ: یہاں مفتی وقاص رفیع اور ان کا ہم نوا گروہ یہ فلسفہ بکھیرتا ہے کہ چونکہ اس وقت تمام صحابہ کرام صفین میں موجود نہیں تھے، کوئی کہاں تھا اور کوئی کہاں، اور اس وقت خبروں تک رسائی کے ایسے ذرائع نہ تھے کہ کئی سو میل دور ہونے والے واقعے کی خبر لمحوں میں مل جائے اس لیے ان تمام غیر جانبدار صحابہ کا حضرت عمار (رض) کی شہادت کے بعد حضرت علی (رض) کی بیعت نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ انھیں

حضرت عمار (رض) کی شہادت کا علم ہو گیا تھا اور انھیں یقینی طور پر پتہ چل گیا تھا کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون.

تو عرض ہے کہ چلیں، جنگ صفین ہوئی ماہ صفر 37 ہجری میں، اس کے بعد حضرت علی (رض) تقریباً ساڑھے تین سال زندہ رہے، آپ کی شہادت رمضان 40 ہجری میں ہوئی، کیا ان دور دراز رہنے والے صحابہ کرام کو اس سارے عرصے میں بھی یہ علم نہ ہوا کہ حضرت عمار (رض) کی شہادت حضرت معاویہ (رض) اور ان کے لشکر کے ہاتھوں ہوئی ہے اور یوں حضرت علی (رض) کا حق پر ہونا یقینی ہو گیا ہے لہٰذا ہمیں اب ان کی بیعت کر لینی چاہیے؟؟ ذرا یہ فرمائیں کہ اس ساڑھے تین سالہ عرصے میں غیر جانبدار صحابہ کرام میں سے کس کس نے حضرت علی (رض) کی بیعت کر لی تھی؟؟ یاد رہے، اکا دکا واقعات بیان کر کے مسئلہ حل نہیں ہوگا، کیونکہ بقول محمد بن سیرین، اس وقت تقریباً دس ہزار صحابہ تھے، جن میں تیس چالیس سے زیادہ کا کسی بھی طرف سے جنگ میں حصہ لینا ثابت نہیں... یوں تقریباً 99 فیصد صحابہ غیر جانبدار تھے.

آگے مفتی وقاص رفیع نے تمام حدود سے تجاوز کرتے ہوئے لکھا ہے :

" باقی اس بات میں کیا شک ہے کہ حدیث عمار، معاویہ کے باغی ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر رہی ہے (کیا اس حدیث میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عمار کو قتل حضرت معاویہ نے کیا تھا؟، اس پر تو ہم بعد میں بات کریں گے_ناقل) پس اگر اس معاملہ میں غلطی سے کسی طرح قرآن وحدیث دونوں ہی (کیا حدیث قتل عمار قرآن ہے؟_ناقل) حضرت معاویہ سے مہجور ہو گئے تو اس میں حیرانگی والی کون سی بات ہے؟ اس لیے کہ حضرت معاویہ معصوم تو نہیں تھے کہ ان سے غلطی کا صدور ہی ممکن نہ ہوتا جیسا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام سے غلطی کا صدور ممکن نہیں ہوتا، بلکہ وہ صحابی تھے اور صحابی سے بعض مرتبہ کسی ایسی غلطی کا صدور ہونا عین ممکن ہے کی جس کی قرآن وحدیث میں بالکل اجازت نہ ہو".. (صفحہ 425 – 426)

میرا مفتی موصوف سے سوال ہے کہ اگر آپ واقعی مفتی ہیں تو فرمائیں کہ "قرآن وحدیث کو ترک کرنے والا گناہگار ہوتا ہے یا مجتہد مخطی"؟؟؟ پھر یہ فرمائیں کہ اگر بقول آپ کے حضرت معاویہ (رض) سے غلطی سے قرآن وحدیث مہجور ہو گیا تھا تو انہوں نے اس سے توبہ کی یا نہیں؟ آپ یہ راگ الاپتے ہیں کہ جمہور اہل سنت

حضرت معاویہ (رض) کو "مجتہد مخطی" کہتے ہیں، اور مجتہد مخطی بھی ایک اجر کا مستحق ہوتا ہے.. تو یہ "قرآن وحدیث کو مہجور کرنا خطائے اجتہادی کی کونسی قسم ہے"؟؟؟؟آپ کے دل کے اندر جو ہے اسے باہر نکالیں.. نیز کیا حضرت معاویہ (رض) نے قصاص دم عثمان (رض) کا مطالبہ کرکے قرآن کو مہجور کیا تھا؟؟ یا بیعت نہ کرکے؟ وضاحت کریں.. نیز یہ فرمائیں کہ کیاآپ کی یہ بات کہ کسی بھی صحابی سے غلطی ہوسکتی ہے کیونکہ صحابی معصوم نہیں، یہ حضرت علی (رض) کو بھی شامل ہے یا وہ اس سے مستثنی ہیں؟؟اگر وہ بھی اس میں شامل ہیں تو فرمائیں کہ آپ کی طرح اگر کوئی آپ کا فریق مخالف یہ کہے کہ "میرے نزدیک حضرت علی (رض) نے باغی کے ساتھ قتال کے بجائے تحکیم قبول کرکے قرآن کو مہجور کیا" (جیساکہ خوارج کہتے تھے) تو آپ اس کا جواب کیا دیں گے؟؟؟ چلیں آپ جو بھی جواب دیں، وہ آگے سے کہے کہ "حضرت علی (رض) معصوم تو نہیں کہ ان سے غلطی سے قرآن کی خلاف ورزی نہ ہوسکے" تو آپ کے پاس کیا جواب ہوگا؟؟؟ ملا علی قاری تو اس کا تسلی بخش جواب نہیں دے سکے، صرف یہ کہہ کر بات ختم کردی ہے کہ حضرت علی (رض) نے بجائے قتال کے تحکیم قبول کرکے رد شر اور تالیف قلب کیا ہے ...

پھر مفتی وقاص رفیع یا ملا علی قاری.. قرآن کی وہ آیات کیوں نہیں پیش کرتے جن کی خلاف ورزی کا الزام وہ حضرت معاویہ (رض) پر لگاتے ہیں؟ وہ احادیث کیوں نہیں پیش کرتے جن کو ترک کرنے کا الزام وہ ان کو دیتے ہیں؟؟ رہی بات "حدیث قتل عمار" کی جس کی بنیاد پر یہ سارے الزام دہرائے جارہے ہیں تو اس پر مفصل بات ہم آگے کریں گے اور بتائیں گے کیا واقعی حضرت عمار (رض) کی شہادت حضرت معاویہ (رض) کے لشکر کے ہاتھوں ہوئی تھی؟؟ .

مفتی وقاص رفیع انتہائی ڈھٹائی سے لکھتے ہیں کہ:

"ملا علی قاری کا یہ لکھنا کہ انصاف اور اعتدال یہ ہے کہ معاویہ کو مذکورہ بالا امور مرتکب سمجھا جائے" اپنی جگہ بالکل صحیح اور درست ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی ابہام اور پیچیدگی نہیں.. (مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 426)

ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر یہ عبارت واقعی ملا علی قاری کی ہی ہے اور کسی نے ان کی کتاب میں بعد میں داخل نہیں کی تو ملا علی قاری کا یہ لکھنا انصاف اعتدال سے کوسوں دور ہے اور ایک جلیل القدر صحابی پر سنگین الزام ہے، اور مفتی وقاص رفیع کا اسے درست لکھنا ان کے اندر چھپے بغض معاویہ (رض) کا اظہار ہے.. اور اس کتاب کے اصل خالق کی سبائی ذہنیت کا آئنیہ دار ہے... ورنہ اہل سنت والجماعت کا یہ مسلک نہیں کہ وہ صحابہ کرام کی ایک جماعت کے بارے میں بے دھڑک ہو کر لکھے کہ "انہوں نے قرآن وسنت کو مہجور کر دیا تھا ...... "

# اکابر کے نادان وکیل : (قسط : 9)

------------------

مفتی وقاص رفیع نے (جو اپنے آپ کو فاضل مدرسہ عربیہ رائے ونڈ لکھتے ہیں) اپنی کتاب "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابر" کے صفحہ 429 سے شیخ عبدالحق محدث دہلوی (رح) کی چند عبارات پر اپنا نکتہ نظر بیان کیا ہے اور ان کے اقوال کی تاویل کرنے کی کوشش کی ہے، اس سے پہلے کہ ہم شیخ عبدالحق (رح) کی عبارات اور ان کے بارے میں مفتی وقاص رفیع کی تاویلات کا جائزہ لیں چند اہم باتوں کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں:

کوئی مصنف اگر اپنے کسی نظریہ یا کسی دعوے کے حق میں کسی بھی حدیث کی کتاب یا کتب تاریخ سے کوئی بھی روایت اپنے استدلال میں پیش کرتا ہے تو اسے یہ کہہ کر چھوٹ نہیں دی جاسکتی کہ "اس نے تو یہ بات فلاں کتاب سے نقل کی ہے اس لیے اگر یہ بات غلط یا غیر مستند ہے یا اس میں کسی صحابی کی تنقیص ہے تو اعتراض اس اصل مأخذ پر ہوتا ہے جہاں سے اس نے یہ بات نقل کی ہے"۔۔۔۔ (یہ بات مفتی وقاص رفیع اکثر دہراتے ہیں)۔۔
کیونکہ جس آدمی کو تھوڑا سا بھی حدیث اور اصول حدیث کا علم ہے وہ جانتا ہے کہ کتب حدیث میں محدثین نے جو روایات جمع کی ہیں ان کی مکمل اسناد ذکر کی ہیں، اب یہ علماء اسماء الرجال وجرح وتعدیل اور محققین کا کام ہے کہ وہ ہر روایت کی اصول حدیث کی روشنی میں جانچ پڑتال کریں اور تحقیق کے بعد جو صحیح ہو اسے لے لیں اور جو ضعیف یا غیر مستند ہو اسے ترک کردیں، لہٰذا مثال کے طور پر اگر کوئی آدمی اپنے حق میں کسی موضوع حدیث سے استدلال کرے تو یہ اعتراض اسی پر آئے گا کہ اس نے ایک جھوٹی اور من گھڑت حدیث کا سہارا لیا،

یہ اسی کی غلطی شمار ہو گی، اس کا دامن یوں نہیں چھڑایا جا سکتا کہ "اس نے تو یہ حدیث فلاں کتاب سے نقل کی ہے، اگر یہ من گھڑت ہے تو اعتراض اس محدث پر آتا ہے جس نے اپنی کتاب میں یہ نقل کی"....

خود مفتی وقاص رفیع نے امام طبری پر اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہ انہوں نے اپنی تفسیر اور تاریخ میں انبیاء کرام اور صحابہ کرام کے بارے میں توہین آمیز روایت نقل کی ہیں، یہی بات لکھی ہے کہ:

"تمام متقدمین، مفسرین، محدثین اور مؤرخین کا طریقہ کار یہ رہا ہے کہ وہ ایک باب سے متعلق تمام احادیث و روایات ان کی سند کے تذکرے کا سہارا لے کر لاتے تھے، ان کی سند صحیح ہو یا نہ ہو، یا ان کی سند کے باطل ہونے کا انہیں علم بھی ہو اس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا، اس لیے سند کا ذکر کرنا احادیث و روایات کے نقل کرنے سے مؤاخذہ سے انھیں بری کر دیتا تھا.."

(حضرت امیر معاویہ اور عباراتِ اکابر، صفحہ 220)

میں اس کی ایک مثال بھی پیش کرتا ہوں، جناب مودودی صاحب نے جب اپنی کتاب "خلافت و ملوکیت" لکھی تو اس پر بڑے بڑے علماء اہل سنت نے ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا کہ اس میں صحابہ کرام کی توہین و تنقیص کی گئی ہے... اس کتاب کے رد میں بہت سے علماء نے قلم بھی اٹھایا.... تو مودودی صاحب کے مدافعین کی طرف سے یہ جواب بھی دیا گیا کہ "مودودی صاحب نے اپنی کتاب میں زیادہ تر مواد تو پرانی کتب تاریخ طبری وغیرہ سے ہی نقل کیا ہے، اس لیے مودودی صاحب پر اعتراض کیوں؟" تو اس کا جواب الجواب یہی دیا گیا کہ مودودی صاحب کی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ آیا جو روایت میں نقل کر رہا ہوں یہ مستند بھی ہے یا نہیں؟ کہیں اس میں ابو مخنف و کلبی جیسے جھوٹے راوی تو نہیں؟؟ یہ انکی غلطی ہے...

تو عرض ہے کہ ایک ہوتا ہے صرف روایات جمع کرنا یا احادیث جمع کرنا، اور تحقیق دوسروں پر چھوڑ دینا کہ روایات کے اس انبار میں سے اب خود اصول و ضوابط کی روشنی میں صحیح و ضعیف اور درست و غلط کی تحقیق کر لو.

اور ایک ہوتا ہے کسی کا اپنے کسی دعوی یا نظریہ کے حق میں کسی روایت کو بطور دلیل و استشہاد پیش کرنا.

لہٰذا جو بھی کسی من گھڑت یا غیر مستند یا جھوٹی یا ضعیف روایت سے استدلال کرے اور اسے اپنے کسی نظریہ یا دعوے کے حق میں پیش کرے تو اس کی ساری ذمہ داری اسی پر عائد ہوتی ہے نہ کہ اس پر جس کی کتاب سے نقل کیا ہے.

اب آیئے دیکھتے ہیں شیخ عبدالحق محدث دہلوی (رح) کی وہ عبارات کیا ہیں جن کی تاویل کرنے کی مفتی وقاص رفیع نے کوشش کی ہے.
لغت کی مشہور کتاب ہے "القاموس المحیط" اس کے مصنف معروف لغوی محمد بن یعقوب فیروز آبادی (رح) ہیں، انہوں نے ایک کتاب "سفر السعادۃ" کے نام سے لکھی، اس وقت میرے سامنے اس کتاب کا 1332 ہجری میں مصر سے چھپا نسخہ ہے، اس کتاب کے آخر میں "خاتمۃ الکتاب" کے عنوان سے مصنف نے ایسے بہت سے ابواب اور موضوعات کا ذکر کیا ہے جن کے بارے میں علامہ فیروز آبادی کے نزدیک " کوئی صحیح حدیث موجود نہیں اور کچھ بھی ثابت نہیں" .. ان کے الفاظ ہیں :
"خاتمة الكتاب في الإشارة الى أبواب رُوي فيها أحاديث وليس منها شيء صحيح ولم يثبت منها عند جهابذة علماء الحديث..." (کتاب کے خاتمہ میں ان ابواب کی طرف اشارہ ہوگا جن کے بارے میں احادیث تو مروی ہیں لیکن ان میں کوئی چیز بھی صحیح نہیں، اور حدیث کے ماہر علماء کے نزدیک کوئی (حدیث) بھی ثابت نہیں)

(سفر السعادۃ، صفحہ 142 طبع مصر)
ان الفاظ پر غور کرنے سے یہی سمجھ آتی ہے کہ اس "خاتمۃ الکتاب" میں ان موضوعات کا ذکر ہوگا جن کے بارے میں مصنف کے خیال میں کوئی بھی حدیث صحیح نہیں اور علماء حدیث کے نزدیک ثابت ہی نہیں ...یعنی وہ یہاں " صحیح" کو "غلط" اور "غیر ثابت" کے مقابلے میں لکھ رہے ہیں یہ نہیں کہہ رہے کہ " صحیح حدیث تو نہیں لیکن حسن درجے کی احادیث موجود ہیں" کیونکہ حسن درجے کی حدیث کے بارے میں یہ کہنے کا کیا مطلب کہ "ان میں سے کوئی بھی چیز علماء حدیث کے نزدیک ثابت نہیں"؟؟؟

پھر مصنف نے کتاب کے آخر تک (یعنی صفحہ 142 سے 147 تک) بہت سے ایسے مواضیع گنوائے ہیں جن کے بارے میں ان کے خیال میں کوئی حدیث ثابت نہیں، اور بہت سی روایات کے بعد صاف لکھا ہے کہ "یہ موضوع ہے" اور یہ "جھوٹی" ہے وغیرہ، جو اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ اس باب میں وہ جن موضوعات کے بارے میں لکھ رہے ہیں کہ "اس بارے میں کوئی حدیث صحیح نہیں" اس سے مراد یہ نہیں کہ اصطلاحی صحیح نہیں ہاں حسن ہو سکتی ہے، ورنہ وہ بہت سی احادیث کے بارے میں موضوع اور کذب جیسے الفاظ نہ لکھتے .. بہر حال اسی "خاتمۃ الکتاب" میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

"وباب فضل معاوية ليس فيه حديث صحيح و باب فضل ابي حنيفة والشافعي وذمهم ليس فيه شيء صحيح وكل ما ذكر من ذلك فهو موضوع ومفترى"

(معاویہ کے فضائل کے باب میں بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے، اور اسی طرح ابو حنیفہ اور شافعی کے فضائل کے باب اور ان کی مذمت میں بھی کچھ بھی صحیح نہیں ہے اور جو کچھ بھی اس بارے میں ذکر کیا جاتا ہے وہ سب من گھڑت اور افتراء ہے" (سفر السعادۃ، صفحہ 143)

اس عبارت کا سیاق و سباق پڑھ لیں، بلکہ یہ پورا "خاتمۃ الکتاب" پڑھ لیں، اس میں صرف یہ ایک بات نہیں لکھی بلکہ بہت سے اور موضوعات کی احادیث کے بارے میں بھی لکھا ہے کہ اس بارے میں کوئی صحیح حدیث نہیں اور کچھ بھی ثابت نہیں... آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ "صحیح" سے مراد اصطلاحی "صحیح" (حدیث کی قسم) نہیں لے رہے بلکہ "موضوع" اور "من گھڑت" اور "ضعیف" کے مقابلے میں "صحیح" مراد لے رہے ہیں، نیز وہ "غیر صحیح" سے "غیر ثابت" مراد لے رہے ہیں...

اوپر منقول عربی عبارت میں بھی انہوں نے حضرت معاویہ (رض) کے ساتھ ہی امام ابو حنیفہ (رح) اور امام شافعی (رح) کے مناقب یا ان کی مذمت کے بارے میں بھی احادیث کا ذکر کیا ہے پھر الفاظ لکھے ہیں کہ "جو بھی اس بارے میں احادیث ذکر کی جاتی ہیں وہ سب موضوع ہیں"... یہ مزید تاکید ہے کہ انہوں نے "لم یصح" سے مراد اصطلاحی "صحیح" نہیں لیا بلکہ وہ اسے غیر ثابت اور جھوٹی احادیث کے مقابلے میں بھی لے

رہے ہیں ونہ یہ ماننا ہوگا کہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے مناقب یا مذمت میں حسن درجے کی احادیث تو ہیں البتہ صحیح حدیث نہیں.. اور یہ بات درست نہیں.

اب آگے چلیں، اسی کتاب "سفر السعادۃ" کی ایک شرح لکھی شیخ عبدالحق محدث دہلوی (رح) نے، اس شرح میں شیخ دہلوی نے سفر السعادۃ میں علامہ فیروزآبادی کی کئی باتوں پر پکڑ بھی کی ہے، لیکن ان کی اس بات پر کہ "معاویہ کے فضائل کے باب میں کوئی حدیث بھی صحیح نہیں" اس پر نہ صرف یہ کہ کوئی پکڑ نہیں کی، بلکہ الٹا اس کی تائید کی کہ ہاں بات ایسے ہی ہے.. یہ تک نہیں لکھا کہ "اگر اس سے مراد اصطلاحی صحیح نہ ہونا ہے تو درست ہے، لیکن اگر مراد ضعیف یا موضوع کے مقابلے میں صحیح ہے تو یہ بات درست نہیں"... چنانچہ شیخ عبدالحق دہلوی کی اسی بات کے بارے میں، علامہ عبدالعزیز فرہاروی (صاحب نبراس، شرح شرح العقائد) لکھتے ہیں:

"ولم ينصف الشيخ عبد الحق الدهلوي في شرح سفر السعادة فإنه أقر كلام المصنف ولم يتعقبه كتعقبه على سائر تعصباته" (شیخ عبدالحق دہلوی نے شرح سفر السعادۃ میں انصاف نہیں کیا، انہوں نے الٹا مصنف (سفر السعادۃ) کی بات کی تائید کر دی ہے اور ان کی اس بات پر ایسے پکڑ نہیں کی جیسے ان کے دوسرے تعصّبات پر کی ہے)

(الناہیۃ عن طعن امیر المؤمنین معاویۃ).

ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ "شیخ عبدالحق دہلوی نے مصنف سفر السعادۃ کی اس بات کی تائید کرکے انصاف نہیں کیا"... تو اس میں کون سا آسمان گر گیا؟ اور جو یہ کہتا ہے کہ حضرت معاویہ (رض) کے فضائل میں کوئی حدیث بھی ثابت اور صحیح نہیں وہ غلطی پر ہے..

نیز یہ بات بھی الگ موضوع ہے کہ کیا واقعی حضرت معاویہ (رض) کے مناقب میں تمام احادیث "حسن" یا اس سے نچلے درجے کی ہیں یا کسی نے ان میں سے کسی حدیث کو اصطلاحی " صحیح" بھی کہا ہے... یہ بات پھر کبھی.

اب مفتی وقاص رفیع کا جواب ملاحظہ فرمائیں، وہ لکھتے ہیں:

"علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب سر آنکھوں پر (انہوں نے جواب نہیں دیا بلکہ شیخ عبدالحق پر نقد کیا ہے_ناقل) تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کتابوں میں جو یہ منقول ہے کہ ان کے فضائل میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں تو یہ قول صرف شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نہیں بلکہ دوسرے کئی اہل علم کا ہے"

(حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابر، صفحہ 435)

پھر مفتی وقاص رفیع نے امام نسائی کا ایک واقعہ بلا سند صرف ایک کتاب "بستان المحدثین" کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک موقع پر فرمایا کہ حضرت معاویہ (رض) کے فضائل ہی کہاں ہیں؟ اور کچھ کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ان کے مناقب میں کوئی صحیح روایت ثابت نہیں سوائے لا أشبع الله بطنه کے.. (مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ) یہیں سے عوام الناس نے ان پر تشیع کا الزام جڑ دیا اور انھیں ضربیں لگائیں جن کی وجہ سے وہ نیم جان ہو گئے....

یعنی مفتی صاحب یہ ثابت کرنا چاہ رہے ہیں کہ اگر شیخ عبدالحق دہلوی نے یہ بات لکھی ہے تو ایسی بات تو امام نسائی نے بھی کہی ہے (امام نسائی کا یہ واقعہ کس حد تک درست اور مستند ہے اس بارے میں اسی وقت بات کی جا سکتی ہے جب مفتی وقاص رفیع اس کی کوئی صحیح سند پیش فرمائیں گے)..

آگے مفتی صاحب نے دو تین صفحات یہ ثابت کرنے پر صرف کیے ہیں کہ جب محدثین یہ کہتے ہیں کہ "فلاں حدیث صحیح نہیں" تو اس سے مراد ہر وقت یہ نہیں ہوتا کہ یہ ضعیف یا غلط یا موضوع ہے، بلکہ اس سے مراد

"اصطلاحی صحیح" بھی ہو سکتی ہے جو کہ "حسن" کے مقابلے میں ہوتی ہے... لہٰذا اگر بعض لوگوں کی جانب سے حضرت معاویہ (رض) کی فضیلت کی روایات کے متعلق "عدم صحت" کا قول پایا گیا ہے تو وہ کوئی مضر نہیں.... لہٰذا شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں یہ فرمانا کہ ان کے فضائل میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں اس سے وہ صحیح مراد نہیں کہ جس سے اس کا مفہوم مخالف لازم آتا ہے یعنی کہ موضوع اور من گھڑت، بلکہ مطلب یہ ہے کہ محدثین کی اصطلاح کے مطابق اس سے وہ حسن احادیث مراد ہے جو ضعیف سے اوپر کی درجہ کی اور صحیح سے نیچے درجہ کی ہوتی ہیں، لہٰذا شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے البتہ حسن درجہ کی احادیث ضرور موجود ہیں...

قارئین محترم! میں دعوے سے کہتا ہوں کہ مفتی وقاص رفیع نے "سفر السعادۃ" کے اس آخری باب "خاتمۃ الکتاب" کا مطالعہ نہیں کیا جس کی شرح میں شیخ عبدالحق یہ بات لکھ رہے ہیں، وہاں علامہ فیروزآبادی نے "صحیح" کو غلط اور غیر ثابت شدہ کے مقابلے میں ہی لیا ہے، کیونکہ اس باب میں جو بہت سے مواضیع انہوں نے ذکر کیے ہیں ان کے ساتھ کئی جگہ خود لکھا ہے کہ اس بارے میں صحیح حدیث کوئی نہیں بلکہ جو احادیث ہیں وہ من گھڑت اور افتراء ہیں.... لہٰذا مفتی وقاص رفیع کا یونہی تکے سے علامہ فیروزآبادی کے "لم یصح" کی یہ تاویل کرنا کہ اس سے مراد ہے کہ حسن درجے کی احادیث ضرور موجود ہیں" توجیه القول بما لا یرضی به قائله" (بات کہنے والے کی بات کا ایسا مطلب بیان کرنا جو اس کی مراد نہیں) ہے... مفتی صاحب پہلے "سفر السعادۃ" کا اس مقام سے مکمل مطالعہ کریں پھر بتائیں کہ کہ وہاں مذکور تمام موضوعات کے بارے میں وہ یہی تاویل کریں گے کہ اس بارے میں اصطلاحی صحیح حدیث تو موجود نہیں البتہ حسن درجے کی موجود ہیں؟؟؟

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے سامنے تو یقیناً یہ پورا باب تھا، اس میں مذکور تمام موضوعات تھے، انہوں نے جو اس بات کی تائید کی تو یقیناً اسی مفہوم کی تائید کی ہے جو سفر السعادۃ کے مصنف "فیروزآبادی" نے لیا

ہے... ذہن میں رہے کہ علامہ فیروز آبادی بطور "محدث" معروف نہیں بلکہ ان کی پہچان ماہر لغت کی ہے .. اس لیے حافظ ابن حجر یا امام احمد بن حنبل کی کسی حدیث کے بارے میں کہی گئی کسی بات پر ان کی بات کو قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ یہ لوگ اصطلاحات حدیث کے امام تھے..

لہٰذا میں مفتی صاحب سے پوچھتا ہوں کہ اگر مثلاً میں، (جو کہ حدیث کا امام تو کیا طالب علم بھی نہیں) آج لوگوں کے سامنے یہ کہوں کہ "فلاں مسئلے میں کوئی بھی صحیح حدیث موجود نہیں" تو سننے والے میری اس بات کا کیا مطلب لیں گے؟؟؟؟

لہٰذا اگر کسی نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ممکن ہے سفر السعادۃ کے مصنف یا شیخ عبدالحق دہلوی نے اس صحیح سے مراد اصطلاحی صحیح لیا ہو، اس کا یہ جواب سفر السعادہ کی اس عبارت کے سیاق و سباق سے جوڑ نہیں کھاتا.

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (رح) کی مزید عبارات پر بات اگلی قسط میں ان شاء اللہ

# اکابر کے نادان وکیل: (قسط: 10)

------------------

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی ایک کتاب ہے "جذب القلوب الی دیار المحبوب"، اس وقت میرے سامنے اس کتاب کا 1916ء میں مطبع نولکشور کانپور سے چھپا ایڈیشن ہے.

اس کتاب میں "فضائل مدینۃ النبی" کے عنوان کے تحت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مسند احمد بن حنبل کے حوالے سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کی ہے جس میں زمانہ فتنہ کے کسی امیر کے مدینہ آنے اور حضرت جابر کے اس سے ڈر کر بھاگنے کا ذکر ہے... الی آخر الحدیث. (یاد رہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سے لے کر حضرت معاویہ (رض) اور حضرت حسن (رض) کی صلح تک کے زمانے کو زمانہ فتنہ کہا جاتا ہے، اس فتنہ سے مراد اردو والا فتنہ نہیں بلکہ یہ بمعنی آزمائش والے مشکل حالات کا زمانہ ہے، مسند احمد بن حنبل کی جس روایت کا حوالہ شیخ عبدالحق نے دیا ہے اس میں "أَنَّ أَمِيرًا مِنْ أُمَرَاءِ الْفِتْنَةِ قَدِمَ الْمَدِينَةَ" کے الفاظ ہیں جن کا مفہوم ہے کہ زمانہ فتنہ کے دوران جو مختلف علاقوں کے امراء تھے ان میں سے ایک امیر مدینہ آیا)...

نوٹ: مسند احمد کی یہ روایت منقطع ہے، کیونکہ حضرت جابر (رض) سے روایت کرنے والے ہیں "زید بن اسلم" اور ان کا سماع حضرت جابر (رض) سے ثابت نہیں.

بہرحال اس روایت کو بیان کرنے کے بعد شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا یہ قول لکھا ہے کہ:
"بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس امیر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور جس سے ڈر کے حضرت جابر بھاگے وہ بُسر بن اِرطاۃ تھے"...

پھر شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ایک روایت ذکر کی ہے جس میں حضرت معاویہ (رض) کی طرف سے بُسر بن اِرطاۃ کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ مدینہ بھیجنے اور حضرت جابر (رض) سمیت تمام مدینہ والوں سے زبردستی حضرت معاویہ (رض) کی بیعت کروانے اور اکثر اہل مدینہ کے بھاگ کر حرہ بنی سلیم میں چھپ جانے کا ذکر ہے، نیز یہ بھی ذکر ہے کہ حضرت جابر (رض) نے ام المؤمنین ام سلمہ (رض) سے کہا کہ "یہ بیعت (یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی) ہے تو "بیعت ضلال" (گمراہی کی یا گمراہی والی بیعت) اس میں فلاح کی امید نہیں لیکن اگر میں بیعت نہ کروں تو جان جانے کا خطرہ بھی ہے، تو حضرت ام سلمہ رض) نے انھیں یہ بیعت (بیعت ضلال) کرنے کی اجازت دے دی.... الی آخر الحکایۃ..

(دیکھیں: جذب القلوب فارسی، صفحہ 33و34)

اس غیر مستند اور ناقابل اعتماد تاریخی روایت کو شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے یہاں بلاوجہ بیان کیا جس میں نہ صرف حضرت جابر (رض) کی تنقیص ہے کہ انہوں نے ڈر کر اور اس بڑھاپے میں "بیعت ضلال" (گمراہی کی بیعت) کی، اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہ (رض) کے مشورے سے کی، نیز حضرت معاویہ (رض) پر بھی تنقید ہے کہ انہوں نے بسر بن اِرطاۃ کو (جنھیں امام ذہبی، حافظ ابن حجر نے بحوالہ ابن یونس اور امام دارقطنی وغیرہم نے صحابی لکھا ہے) مدینہ والوں سے زبردستی بیعت لینے کے لیے بھیجا اور پھر اس جیسی بے سر و پا روایات میں حضرت بسر بن اِرطاۃ کے فرضی مظالم کی جو داستان گھڑی گئی ان مظالم پر حضرت معاویہ (رض) کا کوئی ایکشن نہ لینا بھی بیان کیا جاتا ہے... جو کہ ایک اور طعن ہے.

اس روایت کو حافظ ابن کثیر نے اپنی کتاب "البدایۃ والنہایۃ" میں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: "وفي صحته عندي نظر" اس روایت کی صحت میں میرے نزدیک کلام ہے..

خود مفتی وقاص رفیع بھی تسلیم کرتے ہیں کہ:

"یہ اور اس جیسے دوسرے مشاجرات صحابہ سے متعلق واقعات ناقابل اعتماد اور غیر ثابت شدہ تاریخی روایات پر مبنی ہیں"

(مفتی وقاص کی کتاب کا صفحہ 443).

لیکن مفتی وقاص کا باطن دیکھیں کہ وہ ایک طرف ایسی روایات کو غیر ثابت شدہ بھی لکھ رہے ہیں اور دوسری طرف حضرت بسر بن اِرطاۃ کے مظالم کا ڈھنڈھورا بھی پیٹ رہے ہیں.. لکھتے ہیں کہ:

"ہم بسر بن اِرطاۃ کے مظالم سے حضرت معاویہ (رض) کے صرف نظر کرنے میں ان کو معذور سمجھتے ہیں" (صفحہ 443) .. یعنی مفتی موصوف کے نزدیک اگرچہ یہ بسر بن اِرطاۃ کے مظالم کی داستان غیر ثابت شدہ اور ناقابل اعتماد ہے لیکن بسر بن اِرطاۃ نے مظالم کیے ضرور تھے... ہاں حضرت معاویہ (رض) نے جو ان کے مظالم سے صرف نظر کیا اس میں حضرت معاویہ (رض) معذور تھے... کیا مفتی ایسے ہوتے ہیں؟

اور آگے دیکھیں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا دفاع کچھ یوں کرتے ہیں کہ:

"پس ثابت ہوا کہ ان مشکوک اور ناقابل اعتماد تارخی روایات و واقعات کی بناء پر کوئی بھی صحابی شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ مذکورہ احادیث کی وعید میں ہر گز شامل نہیں" (صفحہ 443) ..

کتنی عجیب بات ہے کہ ان غیر ثابت شدہ روایات سے حضرت بسر بن اِرطاۃ کے مظالم تو مفتی وقاص رفیع کے نزدیک ضرور ثابت ہوتے ہیں... لیکن شیخ عبدالحق محدث دہلوی جب اس بے سر و پا روایت کو اپنی کتاب میں ایک حدیث کی تشریح کے طور پر لکھیں تو اس میں ان کا کوئی قصور نہیں؟؟؟ کیا شیخ صاحب جیسے عالم فاضل محدث کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ روایت غیر ثابت شدہ اور غیر مستند ہے جبکہ آج کے مفتی وقاص رفیع کو یہ بات معلوم ہو گئی؟؟؟

پھر مفتی وقاص رفیع نے حضرت بسر بن اِرطاۃ کی صحابیت کی بحث چھیڑی ہے، لیکن خود یہ لکھ دیا ہے کہ:

"جہاں تک بسر بن اِرطاۃ کے صحابی اور عدم صحابی ہونے کے مسئلہ کا تعلق ہے تو اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض علماء نے انھیں صحابہ کی جماعت میں شامل کیا ہے جب کہ بعض دوسرے علماء نے اس سے صحابیت کی نفی کی ہے" ..

لہٰذا ہم اس پر کوئی مزید بات نہیں کرتے... اگر تو یہ صحابی تھے جیسا کہ امام دار قطنی وامام ذہبی وابن حجر وغیرہم سے منقول ہے تو پھر اس غیر ثابت شدہ روایت میں جن صحابہ کی تنقیص پائی جاتی ہے ان میں ایک اور صحابی کا اضافہ بھی ہو جائے گا.

اب آگے چلیں،
شیخ عبدالحق دہلوی کی ایک اور کتاب ہے "ما ثبت بالسنة في أيام السنة"، اس میں ایک جگہ شیخ صاحب نے لکھا ہے کہ:
"استلحق معاوية زياد بن سمية وهو أول قضية غيّر فيها حكم النبي في الاسلام"
حضرت معاویہ نے زیاد بن سمیہ کا استلحاق کیا (یعنی اسے اپنے والد کی اولاد میں شمار کیا) اور یہی وہ پہلا عمل ہے جس کے ذریعے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کو تبدیل کیا گیا.

اس پر مفتی وقاص رفیع لکھتے ہیں:
اس میں شک نہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سنہ 43 ہجری میں زیاد کا استلحاق کرکے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی نفی کی تھی اور اس کو تبدیل کر دیا تھا، لیکن ایسا آپ نے اپنی ذاتی خواہشات یا سیاسی اغراض کے لیے ہر گز نہیں کیا تھا بلکہ یہ آپ کی اجتہادی غلطی تھی جس کے نتیجے میں یہ عمل آپ کی ذات سے صادر ہوا"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 447)
نوٹ: مجھے آج تک سمجھ نہیں آئی کہ فرمان نبوی کی نفی کرنا اور اسے تبدیل کرنا "اجتہادی غلطی" کی کون سی قسم ہے؟ بڑے آرام سے تبرا کرکے آخر میں کہہ دیا جاتا ہے کہ ہاں انہوں نے قرآن وحدیث کو مہجور (ترک) کر دیا، فرمان نبوی کی نفی کی اور اسے تبدیل کر دیا... لیکن یہ ان کی اجتہادی غلطی تھی.... لہٰذا ہم تو حضرت

معاویہ (رض) کو صرف "مجتہد مخطی" کہتے ہیں، پھر نہ جانے ہمیں کیوں "ناقدین معاویہ" کہا جاتا ہے ؟؟

....

پھر دو تین صفحات بعد دوبارہ لکھتے ہیں:

"شیخ عبدالحق نے جو یہ لکھا ہے کہ .... امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد بن ابیہ کا استلحاق کیا اور اسلام میں یہی وہ پہلا عمل ہے جس کے ذریعے احکامات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نفی (تبدیلی) کی گئی، تو وہ اپنی جگہ بالکل صحیح اور سچ ہے اور کسی طرح بھی اس کی نفی نہیں کی جاسکتی" (صفحہ 455)

تعجب در تعجب ہے کہ مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کا فاضل کہلانے والے یہ نئے نویلے مفتی صاحب اپنی کتاب میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ کے حوالے بھی جا بجا دیتے ہیں، کاش انہوں نے ان کی کتاب "حضرت معاویہ (رض) اور تاریخی حقائق" کے صفحات 46 تا 56 طبع مکتبہ معارف القرآن ہی پڑھ لیے ہوتے، مولانا نے وہاں مودودی صاحب کے ایسے ہی الزام کا جو مفتی وقاص رفیع نے لگایا ہے مفصل جواب دیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ حضرت معاویہ (رض) نے ہر گز کسی فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نفی نہیں کی اور جنہوں نے یہ الزام لگایا ہے وہ غلط ہیں... تفصیل کا یہ مقام نہیں، میری گزارش تمام قارئین سے بھی ہے مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی اس کتاب کے ان صفحات کا ضرور مطالعہ کریں اور مفتی وقاص رفیع کی ایک جلیل القدر صحابی کے بارے میں اس جارحانہ زبان درازی کی حقیقت جانیں... مفتی تقی عثمانی صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت ابوسفیان (رض) نے زیاد کی والدہ کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں اس وقت رائج نکاحوں میں سے ایک قسم کا نکاح کیا تھا، اور جب زیاد پیدا ہوا تو اس کی ماں نے خود بتایا کہ یہ ابوسفیان کی اولاد ہے، نیز حضرت ابوسفیان (رض) نے زمانہ جاہلیت میں خود زیاد کے بارے میں اپنی اولاد ہونے کا خفیہ اقرار بھی کیا تھا... اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے دس کے قریب گواہوں نے اس بات کی گواہی بھی دی تھی جن گواہوں میں چند جلیل القدر کے صحابہ کے نام بھی ہیں..

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تو لکھتے ہیں کہ:

"ہم پر اس واقعہ کی تمام تفصیلات پڑھنے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے احترام شریعت کا غیر معمولی تاثر قائم ہوا ہے (حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق، صفحہ 54)

اور مولانا نے آخر میں مودودی صاحب کو ایک نصیحت بھی کی ہے کہ:

"ہمیں یہ توقع رکھنا بے محل نہیں کہ مولانا مودودی صاحب بھی مجموعی صورت حال سے واقف ہونے کے بعد اپنے اس اعتراض سے رجوع کر لیں گے" (صفحہ 56)

مجھے سمجھ نہیں آتی کہ ان مفتی وقاص رفیع صاحب کو "مفتی" کی سند کس نے دی ہے؟ جنہوں نے تاریخ ابن خلدون، الاصابۃ اور الاستیعاب جیسی بڑی کتب تو شاید کسی وجہ سے نہ پڑھی ہوں، لیکن مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی وہ کتاب بھی مکمل نہیں پڑھی جس کے حوالے وہ خود اپنی کتاب میں دیتے ہیں؟؟؟ یا مفتی صاحب کے باطن کے اندر جو "بغضِ حضرت معاویہ" تشریف فرما ہے اس سے مجبور ہو کر وہ بے دھڑک یہ لکھ دیتے ہیں کہ:

"اس میں شک نہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سنہ 43 ہجری میں زیاد کا استلحاق کر کے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نفی کی تھی اور اس کو تبدیل کر دیا تھا"

کہاں ہیں وہ وکلاء صحابہ و مناظرین اہل سنت جو مودودی صاحب کی کتاب "خلافت و ملوکیت" پر فتوے لگاتے ہیں؟؟ وہ بتائیں کہ کیا مفتی وقاص رفیع نے وہی زبان نہیں بولی؟؟

(شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی مزید عبارات پر بات آئندہ قسط میں ان شاء اللہ)

# اکابر کے نادان وکیل: (قسط: 11)

------------------

نوٹ: قارئین محترم! اس قسط میں آپ کو میری تحریر میں چند سخت الفاظ پڑھنے کو ملیں گے، اس کی وجہ مفتی وقاص رفیع کا چند جلیل القدر صحابہ کرام کے بارے میں اپنی کتاب کے اس مقام پر کیا گیا رافضی تبرا ہے جو اس مفتی نے کیا ہے، لہٰذا میں پیشگی معذرت چاہتا ہوں.

-----------------------

مفتی وقاص رفیع (جو اپنے آپ کو فاضل مدرسہ عربیہ رائے ونڈ لکھتے ہیں) نے اپنی کتاب "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابر" کے صفحہ نمبر 455 پر ایک عنوان باندھا ہے:

"لوگوں میں فتنہ وفساد پھیلانے والے دو آدمی"

اور پھر اس عنوان کے تحت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی اپنی کتاب میں نقل کردہ ایک روایت بحوالہ کتاب "حضرت معاویہ کے ناقدین" ذکر کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"لوگوں میں فتنہ وفساد کی آگ سلگانے والے صرف دو آدمی ہیں، جن میں سے ایک عمرو بن عاص (رض) ہیں جنہوں نے امیر معاویہ (رض) کو نیزوں پر قرآن کریم اٹھانے کا مشورہ دیا.. اور دوسرے شخص مغیرہ بن شعبہ (رض) ہیں جو کوفہ میں امیر معاویہ (رض) کے گورنر تھے جن کو حضرت معاویہ (رض) نے لکھا کہ یہ خط ملتے ہی آپ اپنے آپ کو معزول سمجھیں اور فورا ہمارے پاس (دمشق) آ جائیں، لیکن حضرت مغیرہ (رض) نے حکم کی تعمیل میں تعویق کی (یعنی اس حکم پر فوراً عمل درآمد نہ کیا بلکہ تاخیر کی_ناقل) جب تاخیر سے حضرت معاویہ (رض) کے دربار میں پہنچے تو سبب یہ بتایا کہ ایک معاملہ درپیش تھا جسے سلجھانے کی وجہ سے دیر ہو گئی، امیر معاویہ (رض) نے پوچھا کہ کیا معاملہ تھا؟ مغیرہ (رض) نے جواب دیا: "آپ کے بعد یزید

یزید کی بیعت لینے کے لیے زمین ہموار کر رہا تھا"، حضرت معاویہ (رض) نے پوچھا: کیا یہ کام تم نے پورا کرلیا؟ تو حضرت مغیرہ (رض) نے جواب دیا: "جی ہاں"، یہ سن کر امیر معاویہ (رض) نے کہا: اچھا اپنی گورنری پر واپس جاؤ، اور حسب سابق اپنے فرائض انجام دو، یہاں سے لوٹ کر حضرت مغیرہ (رض) جب اپنے احباب کے پاس پہنچے تو انہوں نے پوچھا بتاؤ کیسی رہی؟ مغیرہ (رض) نے کہا: "میں نے معاویہ (رض) کے پاؤں اس ناواقفیت کے رکاب میں رکھ دیے ہیں جس میں قیامت تک وہ گرفتار رہیں گے" (دیکھیں مفتی وقاص رفیع کی کتاب کا صفحہ 455و456)

قارئین محترم! اس بے سر و پا کہانی میں نہ صرف دو جلیل القدر صحابہ فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص اور بیعت رضوان میں شریک صحابی حضرت مغیرہ بن شعبہ (رضی اللہ عنہما) کے بارے میں بکواس ہے بلکہ حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں بھی یہ تاثر دیا گیا ہے کہ انہوں نے صرف اس لیے ایک معزول گورنر کی معزولی کے آرڈر واپس لے لیے کہ وہ آپ کے بیٹے یزید کے لیے بیعت کی راہ ہموار کر رہا تھا، نیز حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بکواس کی گئی ہے کہ انہوں نے واپس آکر اپنے دوستوں سے فخریہ انداز میں کہا کہ "میں نے ایسا کام کیا ہے کہ اب قیامت تک حضرت معاویہ (رض) اس میں پھنسے رہیں گے".

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس روایت کی صحت پر کوئی تبصرہ نہیں کیا کہ آیا اس کی کوئی صحیح سند بھی ہے یا نہیں؟ صرف اپنی کتاب میں نقل کردی.. جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکے نزدیک یہ کہانی درست تھی.. انہوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ اس افسانے میں تین جلیل القدر صحابہ کرام پر تبرا کیا جا رہا ہے..

لیکن قربان جائیں رائے ونڈ کے اس مفتی پر، جو یہاں بھی وکیل صفائی بن کر آرہا ہے، لکھتا ہے کہ:

"یہ روایت شیخ عبدالحق دہلوی کی اپنی ذاتی نہیں بلکہ انہوں نے یہ عبارت امام سیوطی کی کتاب "تاریخ الخلفاء" سے نقل کی ہے، نیز اس طرح کی ایک عبارت علامہ ذھبی نے بھی "تاریخ الاسلام" میں نقل کی ہے.. لہٰذا چاہیے یہ کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے پہلے تاریخ الخلفاء اور تاریخ الاسلام کے مصنفین کو ہدف تنقید بنایا جائے، اس کے بعد شیخ عبدالحق دہلوی کا نمبر آئے گا"

یعنی مفتی وقاص رفیع کی اس بات سے یہ نتیجہ نکلا کہ کوئی بھی مصنف اپنی کتاب میں اپنا کوئی دعوا ثابت کرنے کے لیے یا کسی بھی صحابی کو ہدف تنقید بنانے کے لیے سابقہ کسی بھی مصنف کی کسی کتاب سے کوئی بھی جھوٹی یا غیر مستند بات پیش کر دے تو وہ بالکل بری الذمہ ہو جاتا ہے، اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا، تو یوں مثلاً مودودی صاحب کی کتاب "خلافت وملوکیت" پر مفتی صاحب کے جن اکابرین نے اعتراضات کیے اور انھیں گستاخ صحابہ قرار دیا وہ سب غلط ثابت ہوتا ہے، کیونکہ مودودی صاحب نے صحابہ کرام پر جو بھی تنقید کی ہے اس کی بنیاد تاریخ طبری وغیرہ کی روایات پر ہی رکھی ہے... بلکہ مودودی صاحب نے اپنی تفسیر میں اگر کسی نبی کے بارے میں بھی غیر محتاط طرز اپنایا ہے تو وہ بھی تفسیر طبری وغیرہ ہی سے لیا ہے، یوں مودودی صاحب بھی پاک صاف.. اگر کسی کو اعتراض کرنا ہے تو ان پر کرے جہاں سے مودودی صاحب نے روایت ذکر کی ہے.. بلکہ اگر آج کا کوئی بدعتی یا دوسرے باطل فرقے اپنی دلیل میں کوئی "موضوع" یا "ضعیف" حدیث پیش کریں تو ان پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا، بلکہ اعتراض اس محدث پر ہوگا جس نے اپنی کتاب میں وہ من گھڑت، جھوٹی یا ضعیف حدیث نقل کی ہے... کیوں مفتی صاحب! ایسا ہی ہے ناں؟؟ اگر ایسا ہی ہے تو بے شک شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا کوئی قصور نہیں، اور اگر ایسی بات نہیں تو پھر شیخ عبدالحق دہلوی کا یہ روایت نقل کرنا اور اس پر کوئی تبصرہ نہ کرنا کہ یہ درست ہے یا نہیں.. یہی ثابت کرتا ہے کہ وہ اس روایت اور اس کے اندر موجود تین صحابیوں پر کیے گئے تبرے کو درست سمجھ کر ہی نقل کر رہے ہیں.

نوٹ: یاد رہے کہ علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں اس روایت کی کوئی سند ذکر نہیں کی، امام ذہبی نے تاریخ الاسلام میں اس طرح لکھا ہے کہ "زحر بن حصن نے اپنے داداحمید بن منھب سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حسن بصری سے یہ بات نقل کی"، جبکہ خود یہی امام ذہبی "زحر بن حصن" کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "لا یُعرف" یہ حضرت خود مجہول ہیں، ان کا پتہ ہی نہیں کہ یہ کیسے تھے.. دیکھیں: میزان الاعتدال: راوی نمبر 2850 اور امام ذہبی کی ہی کتاب "المغنی فی الضعفاء" راوی نمبر: 2176، نیز اس زحر بن حصن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کی وفات 204 ہجری میں ہوئی، جبکہ امام ذہبی کی ولادت 673 ہجری اور امام سیوطی کی ولادت 849ہجری کی ہے، یوں "زحر بن حصن" اور ان دونوں کے درمیان کئی سو سال کا فاصلہ ہے، یہ درمیانی سند کہاں مذکور ہے؟ یوں یہ روایت ایک مجہول شخص کی ہے اور ہے بھی منقطع.

اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ خود مفتی وقاص رفیع نے اپنی اسی زیر تبصرہ کتاب میں آگے ایک جگہ بقلم خود حسن بصری (رح) کی طرف منسوب تاریخ ابن عساکر کے حوالے سے مروی اسی روایت کی سند پر بات کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"اس کا بنیادی راوی زحر بن حصن ہے جس کے بارے میں علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ یہ غیر معروف یعنی مجہول راوی ہے" (حضرت امیر معاویہ اور عباراتِ اکابر، صفحہ 580)

پھر مفتی وقاص رفیع نے "تہذیب الکمال" کا حوالہ بھی دیا ہے کہ یہ راوی مجہول راوی ہے... اور آخر میں خود نتیجہ نکالا ہے کہ:

"مذکورہ بالا تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ قدح صحابہ پر مشتمل زیر بحث مذکورہ بالا روایت نہ تو پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے اور نہ ہی اس کی نسبت معروف اور ہر دل عزیز مشہور تابعی حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف صحیح معلوم ہوتی ہے، بلکہ یہ روایت مجہول، ناقابل اعتبار اور درجہ احتجاج سے ساقط ہے، واللہ اعلم" (مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 580)

قارئین محترم! مفتی وقاص رفیع بقلم خود تسلیم کر رہے ہیں کہ یہ روایت "قدح صحابہ پر مشتمل ہے" اور پھر وہ خود اسے ناقابل اعتبار بھی لکھ رہے ہیں..

لیکن یہاں مفتی وقاص رفیع کو تو شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا دفاع کرنا ہے چاہے اس کے لیے دو جلیل القدر صحابہ کو "فسادی" ہی کہنا پڑے.. چنانچہ ملاحظہ فرمائیں اس مفتی کا ان صحابہ پر علی الاعلان تبرا... لکھتا ہے:

"اور اس بات میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ حضرت عمرو بن العاص نے حضرت علی کو ناکام بنانے کی جو تدبیر (تحکیم) اختیار کی تھی وہ واقعتاً امت میں چند در چند فتنوں اور رخنوں کے پیدا ہونے کا سبب بنی تھی"......

(پھر مفتی وقاص رفیع اپنے حق میں مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی کتاب سے ایک اقتباس نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے)

"ان الفاظ سے خود معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ تحکیم کی تجویز کو پیش کر رہے تھے ان کی نیتوں میں خلوص نہیں تھا (یعنی حضرت عمرو بن العاص اور دوسرے صحابہ کی نیتوں کو اب مفتی وقاص جیسا آج کا لونڈا ٹٹول رہا ہے_ناقل) اور وہ وقتی طور پر اس بہانہ سے اپنا کام نکالنا چاہتے تھے، اور حضرت علی (رض) بھی اچھی طرح سمجھتے تھے کہ یہ تحکیم کی پیش کش نیک نیتی پر مبنی نہیں بلکہ خدع وفریب پر مبنی ہے (دیکھیں اس لونڈے کی صحابہ کرام کی طرف خدع وفریب کی نسبت_ناقل)"

آگے لکھتا ہے:

"نتیجہ اس کا بھی اسلام کے حق میں نہایت خطرناک نکلا جس کا سب سے زیادہ الم ناک پہلو یہ تھا کہ اب تک مسلمانوں میں حضرت علی (رض) اور حضرت معاویہ (رض) کے حامیوں کی دو جماعتیں تھیں (اس مفتی کو علم ہی نہیں کہ سب سے بڑی جماعت تو ان صحابہ کی تھی جو غیر جانبدار رہے تھے_ناقل)، اب خوارج کے نام سے ایک اور فرقہ پیدا ہو گیا جو دونوں کا شدید مخالف اور دشمن تھا، اب ذرا تصور کیجیے! حضرت علی (رض) کو ناکام کرنے کی ایک تدبیر (تحکیم) جو فاتح اجنادین عمرو بن العاص (رض) کے دماغ نے سوچی تھی کس طرح امت میں چند در چند فتنوں اور رخنوں کے پیدا ہونے کا سبب ہوئی"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب کے صفحات 456تا458)

قارئین محترم! یہ ہے آج کا لونڈا جو اپنے آپ کو مفتی کہتا ہے، جس کا مبلغ علم یہ ہے کہ اسے یہ علم ہی نہیں کہ اسلام میں سب سے پہلے فسادی وہ بلوائی اور فسادی تھے جنہوں نے خلیفہ راشد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے خلاف فساد برپا کیا اور انھیں شہید کیا... اور اس مفتی کو یہ علم تو ہوگا کہ یہ فسادی بعد میں کہاں رہے؟ اور کیا کیا گل کھلاتے رہے ... یہی فسادی بعد میں "خوارج" کے نام سے ابھرے .. اور کیوں ابھرے؟ اس لیے کہ یہ چاہتے تھے کہ یہ جنگ اس وقت تک جاری رہے جب تک مسلمان آپس میں لڑ کر ختم نہ ہو جائیں .. اس لیے انہوں نے " تحکیم " یا صلح کی بات پسند نہ کی ... مفتی وقاص رفیع بھی مجھے اسی سبائی پارٹی کا ایک فرد نظر آتا ہے.

میں تفصیل میں نہیں جاتا، ورنہ مفتی وقاص اور اس کے پیچھے ڈوریاں ہلانے والے پردہ نشینوں کو بتلاتا کہ ان کے "اجداد" عبداللہ بن سبأ کی ذریت نے امت میں کیا کیا فساد مچائے اور وہ کہاں پائے جاتے ہیں؟.

مفتی وقاص رفیع .. تیرے آباء واجداد کی چالوں پر پانی پھر گیا اس جنگ بندی سے، تیرے آباء واجداد نے جو آگ حضرت عثمان رض) کو شہید کرکے لگائی تھی (جنھیں تو باغی بھی تسلیم نہیں کرتا) وہ آگ پہلے جنگ جمل میں لگائی گئی، پھر جنگ صفین بھی انہی کا مچایا ہوا فساد تھا، حضرت عمرو بن العاص (رض) کی اس تدبیر نے چونکہ اس آگ کو اچانک بجھا دیا اس لیے تجھے اور تیرے آباء واجداد کو تکلیف ہوئی اور وہ چونکہ پہلے سے اسلام اور مسلمانوں کے دشمن تھے صرف "حب علی" کا جھوٹا نعرہ لگا کر لشکر علوی میں شامل تھے .. اب جب ان کی چال دم توڑتی نظر آئی تو وہ اپنے منہ سے "حب علی" کا نقاب اتار کر میدان میں آ گئے ..

ہمارے لیے تو یہ تدبیر یا جنگ بندی ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک عظیم الشان پیشگوئی پورا ہونا کا پہلا زینہ ثابت ہوئی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) کے بارے میں فرمائی تھی کہ : اللہ میرے اس بیٹے کے ذریعے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح فرمائیں گے " ... اگر جنگ جاری رہتی تو شاید یہ دو جماعتیں موجود ہی نہ رہتیں.

# اکابر کے نادان وکیل: (قسط: 12)

------------------

قارئین محترم! انہی شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب "جذب القلوب فارسی" کا 1916 میں مطبع نولکشور لکھنؤ کا ایڈیشن میرے سامنے ہے، اس کے صفحہ نمبر 41 و 42 پر لکھتے ہیں کہ:

"ابن ابی خیثمہ بسند صحیح رسانیدہ می گوید کہ اشیاخ مدینہ منورہ حدیث می کردند کہ معاویہ در حالت احتضار موت یزید پلید را پیش خود طلبیدہ گفت چنیں دانم ترا از اہل مدینہ منورہ روزی پیش خواہد آمد باید کہ علاج آں واقعہ بمسلم بن عقبہ کنی کہ ہیچکس را ناصح از وے دریں واقعہ نمی بینم چوں یزید پلید بعد از پدر بر سریر امارت نشستند بعد از وقوع واقعہ بر نہجی کہ مذکور شد ہم بر وصیت پدر عمل نمودہ.... الخ"

ترجمہ: ابن ابی خیثمہ صحیح روایت بیان کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے بعض بزرگ بیان کرتے تھے کہ معاویہ نے اپنے آخری وقت یزید پلید کو اپنے سامنے بلایا اور کہا کہ مجھ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تجھ کو اہل مدینہ سے ایک سخت دن پیش آئے گا، تجھے چاہیے کہ اس کی تدبیر مسلم ابن عقبہ کے ذریعہ سے کرنا، اس لیے کہ میں اپنی رائے میں کسی اور شخص کو اس سے زیادہ نصیحت کرنے والا (یا اس لائق) خیال نہیں کرتا، چنانچہ باپ کے بعد یزید پلید تخت عمارت پر بیٹھا، جب واقعات اسی طرح پیش آئے جیسا کہ بیان ہوا تو اس (یزید) نے اپنے باپ کی نصیحت پر عمل کیا (اور مسلم بن عقبہ کو ان کی سرکوبی کے لیے بھیجا_ ناقل).

پھر شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے "واقدی" کی ایک کتاب سے یہ کہانی نقل کی ہے کہ:

"یزید پلید، مسرف (یعنی خون بہانے والے، مراد اس سے مسلم بن عقبہ ہیں_ ناقل) کے پاس آیا جو کہ اس وقت فالج کے مرض میں مبتلا تھا اور بستر پر پڑا تھا، یزید نے اس سے سے کہا کہ اگر تو بیمار اور کمزور نہ ہوتا تو اس مہم کا والی اور حاکم میں تجھے بناتا، کیونکہ میرے والد نے مجھ کو اپنی مرض الموت میں یہ وصیت کی تھی کہ اگر اہل حجاز کی طرف سے تجھے لڑائی پیش آئے تو اس کا علاج مسلم بن عقبہ کے ذریعے کرنا، یہ سن کر مسرف (یعنی

مسلم بن عقبہ_ناقل) اٹھ بیٹھا، اور کہا: اے امیر المؤمنین! آپ کو خدا کی قسم اگر آپ اس کام کا میرے سوا کسی اور کو متولی بنائیں، کیونکہ اس کام میں اہل مدینہ کا حریف بننے کی میرے سوا کوئی طاقت نہیں رکھتا اور میں نے اس بارے میں ایک خواب بھی دیکھا ہے... الخ"

اس کے بعد شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مسلم بن عقبہ کے مظالم کی ایک لمبی فہرست گنوائی ہے، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں.

قارئین محترم!
سب سے پہلے یہ ذہن میں رکھیں کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جس روایت کے بارے میں لکھا ہے کہ "یہ ابن ابی خیثمہ نے صحیح سند سے بیان کی ہے" اسی روایت کی ابتداء ان الفاظ سے ہے کہ "مدینہ کے بعض بزرگ بیان کرتے ہیں"... یہ بزرگ کون ہیں؟ کوئی پتہ نہیں، تو پھر ایسے مجہول لوگوں کی بیان کردہ کہانی "صحیح" کیسے ہو گئی؟؟ شیخ عبدالحق کا اس روایت کو "صحیح" لکھنا بھی محل نظر ہے، اور یہ کس کتاب سے انہوں نے لی ہے اس کا بھی کوئی ذکر نہیں.

پھر یہ افسانہ سنا کر کیا شیخ عبدالحق یہ نہیں بتانا چاہتے کہ "مسلم بن عقبہ" نے اہل مدینہ پر جو مظالم ڈھائے (جن کی دوہائی شیخ عبدالحق صاحب نے اگلے صفحات پر افسانوی انداز میں دی ہے) وہ اس وجہ سے تھے کہ یزید کو اس کے والد (حضرت معاویہ) نے یہ وصیت کی تھی کہ جب بھی اہل مدینہ تمہارے خلاف اٹھیں تو ان کا علاج "مسلم بن عقبہ" کے ذریعہ کرنا.. کیا ان "چند مجہول مدینہ والوں" سے نقل کردہ افسانے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مدینہ والوں پر جو مظالم (بقول شیخ عبدالحق) ڈھائے گئے اس کا سبب حضرت معاویہ کی اپنے بیٹے کو کی گئی وصیت تھی؟؟؟

پھر شیخ عبدالحق صاحب اس غیر مستند افسانے کو " صحیح روایت " بھی کہہ رہے ہیں یعنی وہ اس کی تائید کر رہے ہیں..

اس کے بعد مشہور زمانہ کذاب واقدی کی کتاب سے ایک دوسرا افسانہ بھی نقل کرتے ہیں.

لہٰذا یہ دونوں افسانے غیر مستند، مجہول راویوں اور واقدی جیسے کذاب کی کتاب سے منقول ہیں جس کی کتابوں کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ واقدی کی تمام کتابیں جھوٹ ہیں...

لیکن شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے وکیل صفائی مفتی وقاص رفیع کی منطق ملاحظہ ہو، وہ بجائے یہ ماننے کہ یہ افسانے ہی غیر مستند ہیں، الٹا لکھتے ہیں:

"اولاً تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ وصیت ان کے اپنے تجربہ، ذاتی مشاہدہ اور ایک حسن تدبیر کی بنیاد پر تھی، جس کے مستقبل میں رونما ہونے والے الم ناک اور دردناک نتائج سے قطعی اور یقینی طور پر وہ لاعلم اور بے خبر تھے..."

پھر آگے لکھتے ہیں:

"اور ثانیاً اس کا جواب یہ ہے کہ اگر واقعی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ وصیت نعوذ باللہ ایک غلط کام کے پورا کرنے کی، کی تھی سوال یہ ہے کہ یزید کو اتنا تو علم تھا کہ کسی گناہ کے کام کی وصیت کو پورا کرنا بجائے خود ایک بڑا گناہ ہے پھر اس نے اس وصیت پر عمل کیوں کیا؟ بلکہ یہ تو اس کا اپنا ایک فعل تھا جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو برابر کا شریک اور حصہ دار بنانا بجائے خود ایک ظلم ہے" ....................

"اس لیے واقعہ حرہ میں قتل و غارت، لوٹ مار اور عصمت دری کے جو جو سانحات رونما ہوئے ہیں ان تمام تر سانحات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو برابر کا شریک اور حصہ دار ٹھہرانا کسی طرح بھی قرین انصاف نہیں (ہاں اگر برابر کا نہ ٹھہرایا جائے بلکہ کم ٹھہرایا جائے تو مفتی صاحب کا کیا خیال ہے؟؟ یہ وضاحت انہوں نے نہیں کی_ناقل)... اس سے ثابت ہوا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پر واقعہ کے نقل کرنے

میں کہ "یزید نے واقعہ حرہ میں مدینہ پر یلغار اور اسے تاراج کرنے کے لیے مسلم بن عقبہ کو جو سپہ سالار مقرر کیا تھا تو وہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وصیت کے عین مطابق تھا" کسی طرح کا کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 461و462)

قارئین محترم! پہلی بات یہ ذہن میں رکھیں کہ یہ جو واقعہ حرہ اور مدینہ کو تاخت و تاراج کرنے کا ذکر ہوا ہے اس پر ہم پھر کبھی بات کریں گے کہ اس کا سبب کون لوگ بنے... اور یہ جو مدینہ میں مظالم کے افسانے بڑھا چڑھا کر پیش کیے جاتے ہیں ان میں کتنا سچ ہے اور کتنا جھوٹ ہے..
سر دست ہم صرف مفتی وقاص رفیع کے اس دجل کو طشت از بام کرنا چاہتے ہیں کہ وہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے یہ لکھا ہے کہ "یزید نے اپنے والد حضرت معاویہ (رض) کی وصیت کے عین مطابق اہل مدینہ کو تاخت و تاراج کرنے کے لیے مسلم بن عقبہ کو لشکر کا امیر بنایا تھا"..... اب فرض کریں اگر کوئی رافضی یہ سوال مفتی وقاص رفیع (نیم رافضی) سے کرے کہ یزید نے تو صرف اپنے والد کی وصیت پر عمل کیا تھا، اسے کیا علم تھا کہ مسلم بن عقبہ مدینہ کو تاخت و تاراج کر دے گا تو آپ اسے کیا جواب دیں گے؟؟؟ کیا یہ بچگانہ راگ گائیں گے کہ:
"شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پر واقعہ کے نقل کرنے میں کہ "یزید نے واقعہ حرہ میں مدینہ پر یلغار اور اسے تاراج کرنے کے لیے مسلم بن عقبہ کو جو سپہ سالار مقرر کیا تھا تو وہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وصیت کے عین مطابق تھا" کسی طرح کا کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا"؟؟؟

ہمارا اعتراض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نہیں، بلکہ ان جھوٹے افسانوں کی بنیاد پر جھوٹے قصے کہانیاں بیان کرنے والوں پر ہے، ہمارا اعتراض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نہیں بلکہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے "مجہول لوگوں" اور واقدی جیسے "جھوٹوں" کی روایات کی بنیاد پر غلط نتیجے نکالنے پر ہے... اور ہمارا اعتراض

مفتی وقاص رفیع جیسے "سبائی" ذہنیت کے حامل علمی بونوں پر ہے جن کو اللہ یہ توفیق نہیں دیتے کہ وہ صاف لکھ دیں کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جن روایات کی بنیاد پر یہ افسانے لکھے ہیں وہ روایات ہی ناقابل اعتبار ہیں، شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو ایسے افسانے ذکر نہیں کرنے چاہیے تھے...

**مفتی وقاص رفیع کی طرف سے محمد بن عمر واقدی کی وکالت :**

اوپر مذکور افسانہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے "واقدی" کی ایک کتاب کے حوالے سے لکھا تھا، اب ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ مفتی وقاص رفیع یہاں بھی حسب معمول اپنی وکالت یوں دکھاتے کہ وہ لکھتے : "شیخ عبدالحق نے تو یہ افسانہ واقدی کی کتاب سے نقل کیا ہے لہٰذا اگر کوئی اعتراض ہوتا ہے تو واقدی پر ہوتا ہے نہ کہ شیخ عبدالحق پر".

لیکن حیرت ہے مفتی وقاص جیسے علمی بونوں پر کہ انہوں نے واقدی جیسے غیر معتبر اور متروک آدمی کی وکالت شروع کردی جبکہ مفتی وقاص رفیع خود تسلیم بھی کرتے ہیں کہ :

" جن حضرات نے امام واقدی پر جرح کی ان کی تعداد بھی زیادہ ہے اور علمی حیثیت سے بھی وہ بلند ہیں" (اس کے بعد مفتی وقاص رفیع نے واقدی پر جرح کرنے والوں کے یہ نام خود گنوائے ہیں) : "امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام احمد، امام شافعی، یحیٰی بن معین، دار قطنی، علی بن المدینی، اسحاق بن راھویہ، ابو حاتم رازی، امام ابوزرعہ دمشقی، امام حاکم، وکیع بن جراح، ابن نمیر، علامہ ہیثمی، امام عقیلی، ابن عدی، ابن الاثیر الجزری وغیرہ حضرات"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 463)

نیز مفتی وقاص رفیع آگے یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ :

"اس میں کوئی شک نہیں کہ جرح کرنے والوں کی تعداد بھی زیادہ ہے اور علمی رتبے کے لحاظ سے بھی وہ بلند ہیں، اس لیے فن حدیث میں واقدی کے متعلق جرح کرنے والوں کا پلڑا بہر حال بھاری ہے" (صفحہ 465)

اب اگر مفتی وقاص رفیع واقعی "فاضل مدرسہ عربیہ رائے ونڈ" ہوتے، اور انہوں نے اصول حدیث کی کوئی چھوٹی سی کتاب بھی پڑھی ہوتی تو انھیں یہ معروف اصول یاد ہوتا کہ "جرح، تعدیل پر مقدم ہوتی ہے" (جس کی تشریح علماء اصول حدیث نے یہ کی ہے کہ وہ جرح جو مفسر ہو، وہ تعدیل پر مقدم ہوتی ہے) لہٰذا جب مفتی وقاص رفیع خود تسلیم کرتے ہیں کہ واقدی اکثر ائمہ جرح و تعدیل کے نزدیک جو مرتبے میں بھی بلند ہیں مجروح ہے تو پھر واقدی کی وکالت پر چار ورق سیاہ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟؟

قارئین محترم! مفتی وقاص رفیع کا دجل وفریب ملاحظہ ہو (سخت الفاظ پر معذرت، لیکن یہاں اس سے زیادہ مناسب الفاظ مجھے نہیں ملے جو میں لکھتا)، لکھتے ہیں:

"حاصل یہ ہے کہ واقدی مغازی اور تاریخ میں تو بلاشبہ امام ہیں، اور حدیث میں ضعیف ہیں، لیکن اس قدر بھی نہیں کہ ان کی روایت کو لینا درست ہی نہ ہو، بلکہ ان کی روایت کردہ حدیث لکھی اور بیان کی جا سکتی ہے.... پس ثابت ہوا کہ امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ، سیرت، تاریخ، غزوات اور اسلامی واقعات میں بلاشک و شبہ امام اور کسی اختلاف کے بغیر ایک مسلمہ شخصیت ہیں، البتہ فن حدیث کے محدثانہ معیار کے مطابق وہ ایک مختلف فیہ راوی ہیں لیکن حدیث میں ان کے مختلف فیہ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سیرت، تاریخ، مغازی اور اسلام واقعات میں بھی انہیں غیر معتبر سمجھا جائے"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 466)

قارئین محترم! آیئے پہلے دیکھتے ہیں کہ ان واقدی صاحب کے بارے میں علماء جرح وتعدیل نے کن الفاظ کے ساتھ جرح کی ہے، مفتی وقاص رفیع نے یہ جرحیں جان بوجھ کر نہیں ذکر کیں:

- امام شافعی نے کہا کہ: واقدی کی تمام کتابیں (کذب) جھوٹ ہیں. (اس میں اس کی تمام کتابیں آتی ہیں)
- امام یحیٰ بن معین کہتے ہیں "لیس بشيء" یہ کچھ بھی نہیں.
- علی بن المدینی کہتے ہیں کہ "واقدی سے روایت نہ لی جائے، یہ روایت لینے کے لائق ہی نہیں."

- اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ "میرے نزدیک یہ جھوٹی حدیثیں گھڑا کرتا تھا".
- امام احمد بن حنبل کہتے ہیں یہ "کذاب" بڑا جھوٹا ہے.
- امام بخاری کہتے ہیں واقدی "متروک الحدیث" ہے، اور میرے پاس اس کے لیے کہنے کو ایک حرف بھی نہیں.
- ابوزرعہ رازی کہتے ہیں "یہ ضعیف ہے"
- امام مسلم کہتے ہیں یہ "متروک الحدیث" ہے.
- امام ابوداود کہتے ہیں کہ "میں اس کی حدیث نہیں لکھتا"
- امام نسائی کہتے ہیں کہ "اللہ کے رسول پر جھوٹ گھڑنے والے بڑے جھوٹے چار ہیں، ان میں سے ایک واقدی ہے"
- امام دار قطنی کہتے ہیں کہ "یہ ضعیف ہے"
- امام بیہقی کہتے ہیں کہ "یہ ضعیف ہے" یہ "حجت نہیں ہے"
- ابن جوزی کہتے ہیں کہ "امام احمد نے اسے کذاب اور امام بخاری نے اسے متروک الحدیث کہا ہے"
- امام نووی لکھتے ہیں کہ "ضعيف باتفاقهم" یہ بالاتفاق ضعیف ہے.
- امام ذہبی نے لکھا کہ "مجمعٌ على ضعفه" اس کے ضعیف ہونے پر اجماع ہے.

  نیز یہی امام ذہبی کہتے ہیں کہ: "وقد وثقه غير واحد لكن لا عبرة بقولهم مع توافر من تركه" کچھ لوگوں نے اس کی توثیق کی ہے لیکن ان کی بات کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ جنہوں نے اسے ترک کیا ہے وہ وافر تعداد میں ہیں.
- امام علائی کہتے ہیں کہ "متروكٌ باتفاق لا يُحتج به" اس کے ترک پر اتفاق ہے، اس سے دلیل نہ پکڑی جائے.

- ابن الملقن کہتے ہیں: "كذّاب ، قاله أحمد ، وزاد النسائي : وضّاع" امام احمد نے اسے بڑا جھوٹا کہا ہے، اور امام نسائی نے اسے "وضاع" حدیثیں گھڑنے والا کہا ہے.
- امام ہیثمی بھی اسے "کذاب" کہتے ہیں .
- امام بوصیری بھی اسے "کذاب" کہتے ہیں .

مناوی نے بھی اسے "کذاب" کہا ہے .

- شیخ البانی نے بھی اسے "کذاب" لکھا ہے.

(نوٹ: ان تمام جرحوں کے حوالے دستیاب ہیں، طلب کرنے پر مل سکتے ہیں)

امام احمد بن حنبل نے تو اس پر "مفسر جرح کی ہے" ابو حاتم رازی نے ان کی جرح کے جو الفاظ نقل کیے ہیں وہ یہ ہیں: " قال أحمد بن حنبل: كان الواقدي يقلب الاحاديث يلقى حديث ابن اخى الزهري على معمر ونحو هذا، قال اسحاق ابن راهويه كما وصف وأشد لانه عندي ممن يضع الحديث"

احمد بن حنبل نے فرمایا: واقدی احادیث کو الٹ پلٹ کر دیا کرتا تھا (یعنی احادیث کی سندوں کو) وہ زہری کے بھائی کے بیٹے کی حدیث کو معمر کے ساتھ جوڑ دیا کرتا تھا، اسحاق بن راہویہ نے فرمایا کہ: ہاں بات ایسی ہی ہے جیسے امام احمد نے بیان کی، بلکہ اس سے بھی زیادہ سنگین ہے، وہ (واقدی) میرے نزدیک تو ان لوگوں میں سے جو حدیثیں گھڑا کرتے ہیں.

(الجرح والتعدیل، جلد 8 صفحہ 21، حیدآباد دکن)

اسی طرح امام یحی بن معین کی جرح بھی واقدی پر "مفسر" ہے، کہ وہ مجہول لوگوں سے منکر احادیث روایت کرتا تھا (نظرنا في حديث الواقدي فوجدنا حديثه عن المدنيين عن شيوخ مجهولين احاديث مناكير فقلنا يحتمل ان تكون تلك الاحاديث المناكير منه ويحتمل ان تكون منهم، ثم نظرنا إلى حديثه عن ابن ابى ذئب ومعمر فانه

یضبط حدیثهم فوجدناه قد حدث عنهما بالمناکیر فعلمنا انه منه فترکنا حدیثه)
(الجرح والتعدیل، جلد 8 صفحہ 21، حیدآباد دکن)

قارئین محترم! جب امام شافعی فرمائیں کہ "واقدی کی کتابیں جھوٹ ہیں" تو شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اگر واقدی کی کتاب کا نام لے کر اس کی کتاب سے یہ افسانہ نقل کیا ہے تو کیا یہ جھوٹ نہ ہوگا؟

جب امام احمد بن حنبل فرمائیں کہ یہ آدمی حدیث کی سندیں الٹ پلٹ کر دیا کرتا تھا اور کسی کی حدیث کسی دوسرے کے نام سے تیار کر دیا کرتا تھا... جب امام اسحاق بن راہویہ کہیں کہ "میرے نزدیک یہ جھوٹی حدیثیں گھڑا کرتا تھا" امام علائی کہیں کہ "واقدی بالاتفاق متروک ہے" امام بخاری اسے "متروک" کہیں، امام نسائی اسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹی حدیثیں گھڑنے والوں میں شمار کیں، امام نووی کہیں کہ "یہ بالاتفاق ضعیف ہے" امام ذہبی لکھیں کہ "مجمع علی ضعفه" واقدی کے ضعیف ہونے پر اجماع ہے... تو مفتی وقاص رفیع نے یہ دجل کیوں دیا کہ:

"پس ثابت ہوا کہ امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ، سیرت، تاریخ، غزوات اور اسلامی واقعات میں بلا شک و شبہ امام اور کسی اختلاف کے بغیر ایک مسلمہ شخصیت ہیں، البتہ فن حدیث کے محدثانہ معیار کے مطابق وہ ایک مختلف فیہ راوی ہیں لیکن حدیث میں ان کے مختلف فیہ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سیرت، تاریخ، مغازی اور اسلام واقعات میں بھی انہیں غیر معتبر سمجھا جائے"؟؟؟؟

کسی ایک معروف امام جرح و تعدیل نے یہ نہیں لکھا کہ "یہ حدیث میں تو کذاب و وضاع ہے لیکن تاریخ و مغازی کی روایات میں یہ قابل قبول اور ثقہ ہے"... جو آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ منسوب کرتا ہو، اور جو حدیث کی سند بدل دیتا ہو اس کے بارے میں مفتی رائے ونڈ (وقاص رفیع) کا یہ لکھنا کہ یہ مغازی اور تاریخی روایات میں بالاتفاق امام اور سچا ہے.. یہ دھوکہ اور فریب ہے اور کچھ نہیں... نیز اس نئے نویلے مفتی کو یہ بھی علم نہیں کہ "جرح مفسر" کے مقابلے میں تعدیل قابل قبول نہیں ہوتی... ان مفتی صاحب کے "اکابرین" میں واقدی جیسا کذاب و وضاع بھی ہے لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے صحابی کو یہ اپنے اکابر میں نہیں سمجھتے..... یا اسفاہ.

یاد رہے کہ واقدی کی ولادت سنہ 130 ہجری کی ہے اور اس کی وفات 207 ہجری میں ہوئی، جبکہ جو افسانہ شیخ عبدالحق دہلوی نے واقدی کی کتاب کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ سنہ 63 ہجری کا ہے، یعنی واقدی کے پیدا ہونے سے تقریباً 67 سال پہلے کا، اور مفتی و قاص رفیع جو اپنے آپ کو مفتی بھی کہتا ہے اور فاضل مدرسہ عربیہ رائے ونڈ بھی وہ یہاں واقدی جیسے کذاب کی وکالت کر رہا ہے..

اگر متاخرین میں سے کسی اکا دکا لوگوں نے واقدی کی تعدیل بھی کی ہو تو وہ معتبر نہیں کہ اس پر جرح مفسر موجود ہے اور جرح بھی سخت ہے، نیز اس پر "کذب" کی جرح بھی ہے اور "وضع حدیث" کی بھی.. ایسے آدمی کی روایت قابل قبول نہیں چاہے وہ تاریخی روایت ہو یا حدیث کی.

اور مزے کی بات یہ کہ خود مفتی و قاص رفیع نے اپنی کتاب میں "محدث عبدالرزاق الصنعانی" کے دفاع میں امام عقیلی کی محدث عبدالرزاق کے بارے میں اس جرح کا جواب امام ذہبی سے نقل کیا ہے جس میں امام عقیلی نے محدث عبدالرزاق کے بارے میں کہا تھا کہ "وہ اتنا بڑا جھوٹا ہے کہ محمد بن عمر واقدی اس سے سچا ہے"، یہاں مفتی و قاص رفیع نے امام ذہبی کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے "امام عقیلی کی مذکورہ جرح کا زبردست تعاقب کیا ہے" اور پھر مفتی و قاص رفیع نے امام ذہبی کی طویل عبارت مع اردو ترجمہ نقل کی ہے جس میں امام ذہبی کے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں کہ:

"(عبدالرزاق) پر وہ (یعنی امام عقیلی_ناقل) کذاب ہونے کی تہمت لگا رہا ہے (جی مفتی و قاص رفیع نے امام عقیلی کے بارے میں "لگا رہا ہے" سے ہی ترجمہ کیا ہے_ناقل) اور ان پر واقدی کو مقدم کر رہا ہے کہ جس کے ترک پر حفاظ حدیث کا اجماع ہے، پس وہ اپنی اس بات میں یقیناً اجماع کی مخالفت کر رہا ہے"

(حضرت امیر معاویہ اور عباراتِ اکابر، صفحہ 190)

قارئین محترم! جہاں محدث عبدالرزاق صنعانی کا دفاع کرنا تھا، وہاں مفتی و قاص رفیع نے امام ذہبی کی یہ عبارت اپنے حق میں پیش کی ہے جس میں امام ذہبی نے لکھا ہے کہ "واقدی کے ترک پر حفاظ حدیث کا اجماع ہے"، وہاں مفتی و قاص رفیع نے امام ذہبی کی اس بات پر کوئی نوٹ کیوں نہیں لکھا؟؟

پھر مفتی و قاص کو میرا مشورہ ہے کہ وہ اپنی یہ غلط فہمی دور کرنے کے لیے کہ "واقدی حدیث میں تو ضعیف ہے لیکن تاریخ اور مغازی میں امام ہے" حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ کی کتاب "حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق" کا صفحہ نمبر 133 تا 140 پڑھ لیں، اس مضمون کا عنوان ہے "تاریخی روایات کا مسئلہ" .. مفتی جی کو معلوم ہو جائے گا کہ کسی کا "تاریخ و مغازی میں امام" ہونے کا کیا مطلب ہے؟.

یہاں شیخ عبدالحق محدث دہلوی (رح) کی عبارات کی بحث ختم ہوتی ہے..

# اکابر کے نادان وکیل: (قسط: 13)

-------------------

اپنی کتاب کے صفحہ 470 سے مفتی وقاص رفیع نے شیخ ابو سعید المعروف ملا جیون (رح) صاحب نور الانوار شرح المنار کی بات شروع کی ہے، "نور الانوار" میں ملا جیون نے "جہلِ باطل" اور "سنت مشہورہ کی مخالفت" کی مثال ذکر کرتے ہوئے نہ صرف امام شافعی رحمہ اللہ کا ذکر کیا بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر بھی کر دیا کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرمان کی مخالفت میں فیصلہ صادر فرمایا.
یہ لکھنے کے بعد ملا جیون نے بھی لکھا کہ یہ بات اسلاف نے کہی ہے اس لئے میں نے ذکر کر دی، اگر اسلاف نے نہ کہی ہوتی تو میں اس بات کی جرات نہ کرتا.

قارئین محترم! ملا جیون جس کتاب "المنار" کی شرح کر رہے ہیں اس کتاب میں بھی یہ مثالیں موجود نہیں ہیں، اور ملا جیون نے یہ مانتے ہوئے کہ ایک صحابی نیز فقہ و حدیث کے ایک معروف امام کی طرف "جہل باطل" اور "حدیث رسول کی صریح مخالفت" کی نسبت کرنے کی جسارت بہت بڑی بات ہے (کیونکہ یہ بے ادبی ہے) لیکن پھر بھی اسلاف کا نام لے کر انہوں نے یہ مثالیں نام لے کر ذکر کر دیں، حالانکہ اگر بالفرض کسی نے یہ بات پہلے کہی بھی تھی تو انھیں چاہیے تھا کہ وہ اسے ذکر ہی نہ کرتے یا یوں ذکر کرتے کہ بعض اسلاف نے یوں کہا ہے جو کہ ایک صحابی اور امام شافعی کی بے ادبی ہے، لیکن انہوں نے بلا وجہ اور بلا کسی تعلق کے یہ بات یہاں لکھ ماری.
خود مفتی وقاص رفیع نے لکھا ہے کہ:
"یہ مسئلہ صحابہ کرام کے درمیان مختلف فیہ چلا آرہا ہے اور اسی وجہ سے فقہاء میں بھی مختلف فیہ ہی رہا ہے، قطع نظر اس سے کہ اس فعل کی نسبت حضرت معاویہ (رض) کی طرف صحیح ہے یا نہیں، تاہم اتنی بات ضرور

ہے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ، مجتہد فیہ اور صحابہ کرام کا معمول بہا ہونے کی وجہ سے "جہل باطل" یا "بدعت" کے زمرے میں کسی طرح بھی نہیں آتا"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: 476)

غور فرمائیں! جب خود مفتی وقاص رفیع تسلیم کرتے ہیں کہ جس مسئلہ میں ملا جیون نے حضرت معاویہ (رض) اور امام شافعی (رح) کی طرف "جہل باطل" اور "حدیث کی صریح مخالفت" کی نسبت کی ہے وہ درست نہیں، کیونکہ یہ مسئلہ صحابہ کرام کے درمیان مختلف فیہ رہاہے اور اسی طرح فقہاء کے درمیان بھی، اور یہ اجتہادی اختلاف ہے.. تو پھر مفتی وقاص رفیع کو یہ کہنے میں کیوں شرم آتی ہے کہ ملا جیون نے یہاں خوامخواہ حضرت معاویہ (رض) اور حضرت امام شافعی (رح) کی طرف "جہل باطل" کی نسبت جو کی ہے یہ درست نہیں اور ملا جیون کی غلطی یا تسامح ہے؟؟؟ اور اگر دیکھا جائے تو ان تمام صحابہ کرام اور فقہاء کی طرف بھی "جہل باطل" اور "حدیث کی مخالفت" کی نسبت ہے جن کا مفتی وقاص رفیع کے اپنے اقرار کے مطابق یہی مسلک ہے...

نیز مفتی موصوف آگے علامہ تفتازانی کی کتاب "التلویح علی التوضیح" کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "انہوں نے بھی مبسوط کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کرنا بدعت ہے اور سب سے پہلا اس کے ساتھ فیصلہ حضرت معاویہ نے کیا" (مفتی رفیع کی کتاب: صفحہ 477) ... جبکہ علامہ سعد الدین تفتازانی نے تو "توضیح" میں لکھی گئی بات کی تردید ان الفاظ کے ساتھ کی ہے کہ:

لَكِنَّ الْمَرْوِيَّ عَنْ عَلِيٍّ - رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ - أَنَّ النَّبِيَّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - «قَضَى بِشَهَادَةِ شَاهِدٍ وَيَمِينِ صَاحِبِ الْحَقِّ» وَرُوِيَ عَنْهُ أَيْضًا «أَنَّ النَّبِيَّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ كَانُوا يَقْضُونَ بِشَهَادَةِ الشَّاهِدِ الْوَاحِدِ وَيَمِينِ الْمُدَّعِي» ، وَعَنْ عَلِيٍّ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - أَنَّهُ كَانَ يَقْضِي بِالشَّاهِدِ، وَالْيَمِينِ فَعَلَى هَذَا لَا يَكُونُ الْعَمَلُ بِهِ مِنْ مُبْتَدَعَاتِ مُعَاوِيَةَ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور قسم کے ساتھ صاحب حق کے حق میں فیصلہ فرمایا، اور حضرت علی (رض) ہی سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، ابو بکر، عمر

وعثمان (رضی اللہ عنہم) یہ تمام ایک گواہ کی گواہی اور قسم کے ساتھ فیصلہ فرمایا کرتے تھے، اسی طرح حضرت علی (رض) سے خود یہ بات مروی ہے کہ آپ بھی ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ فرمایا کرتے تھے، لہٰذا اس پر عمل کرنا حضرت معاویہ (رض) کی بدعات میں سے نہیں.

(التلویح علی التوضیح، جلد 2 صفحہ 8 و 9 دار الکتب العلمیۃ بیروت)

تو علامہ تفتازانی تو "توضیح" کی شرح "تلویح" میں صاحب توضیح کی بات کی تردید فرمارہے ہیں اور بتارہے ہیں کہ یہ عمل تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء اربعہ سے ثابت ہے، اور اسے روایت کرنے والے بھی حضرت علی (رض) ہیں... اس لیے یہ کہنا کہ یہ عمل سب سے پہلے حضرت معاویہ (رض) نے کیا، درست نہیں.. لیکن مفتی وقاص رفیع انتہائی دجل کا ثبوت دیتے ہوے علامہ تفتازانی کا نام لے کر تلویح کا حوالہ دے رہے ہیں لیکن علامہ تفتازانی کی یہ بات نقل نہیں کرتے بلکہ "توضیح" کی بات کو علامہ تفتازانی کی بات ظاہر کر رہے ہیں... آخر حقیقت بتائیں بھی کیوں؟ انھیں تو حضرت معاویہ (رض) کو بدعتی ثابت کرنا ہے اور ملا جیون اور صاحب توضیح کو معصوم بنانا ہے..

نوٹ: جمہور فقہاء کرام بھی اسی بات کے قائل ہیں کہ "مالی امور" میں مدعی نے اگر ایک گواہ پیش کیا اور ساتھ قسم بھی اٹھالی تو اس کے حق میں فیصلہ ہو سکتا ہے، صرف احناف کے نزدیک ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ نہیں ہو سکتا.. اس کی مزید تفصیل علامہ وہبہ زحیلی (رح) کی کتاب "الفقه الاسلامی وأدلته" میں دیکھی جا سکتی ہے جہاں دونوں اطراف کے اقوال ہر ایک کے دلائل کے ساتھ موجود ہیں...

انہوں نے عربی الفاظ میں اسے یوں بیان کیا ہے:

القضاء بشاهد ويمين:

إذا أقام المدعي شاهداً، وعجز عن تقديم شاهد آخر وحلف مع شاهده، هل يقضى به بشاهده ويمينه؟

1 - قال الحنفية : لا يقضى بالشاهد الواحد مع اليمين في شيء...... (الى قوله)

2 - وقال جمهور الفقهاء : يقضى باليمين مع الشاهد في الأموال

(دیکھیں: الفقه الاسلامی وادلته للزحيلي، جلد 6 صفحہ 526 – 527 داالفکر، دمشق)

اگرچہ مجھے مفتی وقاص کے پیش کیے گئے حوالوں پر بات کرنے کی ہی ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ اگر ایک غلط بات سو بندوں نے بھی کہیں سے نقل کردی ہے تو وہ غلط ہی رہے گی... لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مفتی وقاص رفیع کی علمی خیانت بھی ساتھ ساتھ بیان ہوتی رہے...

مفتی وقاص رفیع کی ایک خیانت تو آپ نے اوپر ملاحظہ فرمائی کہ انہوں نے علامہ تفتازانی کی "تلویح" کا حوالہ تو دیا لیکن ان کی وہ بات نہیں نقل کی جو انہوں نے صاحب "توضیح" کے رد میں لکھی ہے..

یہ بھی ذہن میں رہے کہ "زہری" کے حوالے سے روایت پیش کی جاتی ہے کہ ایک گواہ اور قسم کے ساتھ مدعی کے حق میں سب سے پہلے فیصلہ حضرت معاویہ (رض) نے کیا تھا... جبکہ "زہری" خود پیدا ہوئے 58 ہجری میں، یعنی جب حضرت معاویہ رض) کی وفات سنہ 60 ہجری میں ہوئی تو اس وقت زہری دو سال کے بچے تھے... تو ان کا قول (اگر ان تک صحیح سند سے بھی ثابت ہو) ایک ایسے دور کے بارے میں جس میں وہ موجود ہی نہ تھے کیسے مستند ہو سکتا ہے؟

اب آگے ایک اور خیانت ملاحظہ ہو.. مفتی موصوف نے سرخسی کی "مبسوط" کا حوالہ بھی ان الفاظ کے ساتھ دیا ہے:

"شمس الائمہ امام سرخسی لکھتے ہیں: أول من قضى به معاوية ..ترجمہ: (ایک گواہ اور قسم کے ساتھ) سب سے پہلے حضرت معاویہ نے فیصلہ دیا" (مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 477)

مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ ایک بندہ جو اپنے آپ کو "مفتی" کہتا ہے وہ بھی ایسا دجل کر سکتا ہے؟ میں نے سرخسی کی "مبسوط" چھان ماری لیکن مجھے وہاں "ایک گواہ اور قسم" کی بحث میں حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں یہ بات کہیں نہیں ملی، اور جو عبارت مفتی وقاص رفیع نے پیش کی ہے وہ "باب القسامة" کی ہے اور وہاں "قَوَد" کا ذکر ہو رہا ہے جو کہ صرف "قسم" ہوتی ہے نہ کہ "گواہی اور قسم"... مفتی وقاص رفیع

نے انتہائی خیانت کرتے ہوئے اردو ترجمہ میں "ایک گواہ اور قسم کے ساتھ "کے الفاظ ڈالے ہیں.. اللہ انھیں ہدایت دے.

اب آگے دیکھیں مفتی وقاص رفیع کی منطق، لکھتے ہیں:

"ان حوالہ جات سے ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات تو ثابت ہو گئی کہ بعض اسلاف سے حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں اس قسم کی بعض روایات واقعتاً منقول ہیں، تاہم اس سے یہ ہر گز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا مسلک بھی اس بارے میں یہی تھا جب کہ وہ خود اقرار کر رہے ہیں کہ "یہ سب کچھ ہم نے اس طرح نقل کیا جو ہمارے اسلاف نے فرمایا ہے اگرچہ ہم اس پر جرءت نہیں کرتے"....

نوٹ: یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کسی کو گالی دینا چاہتا ہو اور یوں کہے کہ "اس کے بارے میں فلاں فلاں آدمی یوں یوں کہتا ہے".... اور ساتھ ہی کہہ دے کہ توبہ توبہ میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا، یہ تو فلاں فلاں کی بات میں نے نقل کی ہے...

(آگے لکھتے ہیں)

"لہٰذا اس تناظر میں ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے بعض اسلاف کا مذکورہ بالا قول حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں صرف نقل کیا ہے جس کی وجہ سے انھیں حضرت معاویہ (رض) کا ناقد ہر گز نہیں ٹھہرایا جا سکتا اس لئے کہ حضرت معاویہ (رض) کے حق میں بعض اسلاف کے مذکورہ اقوال نقل کرنے میں ملا جیون کی حیثیت محض ایک ناقل کی ہے، خود ان کا اپنا نظریہ اور موقف اس بارے میں وہ نہیں ہے جو انہوں نے نقل کیا"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 477و475)

جناب! انہوں نے نقل کیا اور "جہل باطل" کی مثال کے طور پر نقل کیا، جبکہ جن اسلاف کا وہ نام لیتے ہیں ان میں سے کسی نے بھی "جہل باطل" کی مثال حضرت معاویہ (رض) سے نہیں دی اس لیے ملا جیون اس غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں.. ہاں اگر مفتی وقاص رفیع کے نزدیک ملا جیون سے غلطی نہیں ہو سکتی تو اور بات ہے.

قارئین محترم! عربی کا ایک مقولہ ہے "فرّ من المطر وقام تحت الميزاب" (بارش سے بھاگا اور پرنالے کے نیچے جا کھڑا ہوا)، یہی حال ہے مفتی وقاص رفیع کا، وہ یہ تو تسلیم کر گئے کہ یہ بات تو واقعی حضرت معاویہ (رض) کے حق میں بے ادبی اور گستاخی ہے، اب ملا جیون کو بچاتے ہیں کہ انہوں نے تو صرف یہ بات نقل کی ہے، اور یہ ان کا نظریہ نہیں ہے... یعنی ثابت ہوا کہ جن حضرات نے یہ بات خود لکھی ہے اور جن کا یہ نظریہ ہے وہ سب حضرت معاویہ (رض) کے ناقد ہوئے .... ملا جیون کو بچاتے ہوے مفتی وقاص رفیع شمس الاسلام سرخسی، صاحب توضیح، صاحب انوار البروق، صاحب المحیط البرہانی وغیرہم کو "ناقدین معاویہ" تسلیم کر چکے.. اور ملا جیون کو یہ لکھ کر بچا چکے کہ "وہ تو صرف ناقل ہیں، لکھنے والے تو اور ہیں"..

نیز غور فرمائیں! صاحب تلویح "علامہ تفتازانی" نے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ان سے پہلے خلفاء ثلاثہ کا مسلک بھی یہی لکھا ہے کہ "وہ ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کیا کرتے تھے"... تو اگر یہ "نعوذ باللہ" بقول ملا جیون "جہل باطل" ہے تو سوچیں بات صرف حضرت معاویہ (رض) تک رہے گی یا کہاں تک پہنچے گی؟

جب مفتی وقاص رفیع کو اس بات کا احساس ہوا تو انہوں نے یوں قلابازی کھائی:

"باقی رہے وہ اسلاف جو اس روایت کے اصل ناقل ہیں، تو انہوں نے بھی اصولا کوئی خلاف اسلام بات نہیں کہی، اس لیے کہ اہل سنت صحابہ کرام سے غلطی، لغزش، خطائے اجتہادی، صغیرہ وکبیرہ معصیت سبھی کا امکان مانتے ہیں" (صفحہ 478)

جی ہاں مفتی و قاص رفیع صاحب! اہل سنت صرف صحابہ کرام کے بارے میں ہی یہ امکان مانتے ہیں، لیکن ملا جیون، ملا علی قاری، ابو بکر جصاص، تفتازانی، ملا علی قاری، شیخ عبدالحق دہلوی وغیرہم کے بارے میں اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ یہ سب معصوم ہیں، یہ حضرت معاویہ (رض) کے ناقد نہیں ہو سکتے، انہوں نے جو بھی لکھا ہے وہ بالکل درست ہے، ان سے غلطی ہو ہی نہیں سکتی.. اور نہ مفتی و قاص رفیع سے ہو سکتی ہے، اور ہاں تمام صحابہ کرام سے غلطی، لغزش بلکہ گناہ تک ہو سکتا ہے لیکن اگر یہی بات کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہہ دے تو اس پر ناصبی اور خارجی کے فتوے لگائے جائیں گے... شرم تم کو مگر نہیں آتی... غیر صحابیوں کی غلط بات کا تو دفاع کرتے ہو اور دلیل یہ دیتے ہو کہ صحابہ معصوم تھوڑی ہیں؟؟ اگر یہ "دیوبندیت" ہے تو پھر مودودیت اور رافضیت کس چیز کا نام ہے؟

آخر میں مفتی و قاص رفیع نے اپنے سارے کیے کرائے پر خود یوں پانی پھیر دیا کہ:

"ہاں! یہ ہو سکتا ہے کہ فی الواقع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مذکورہ بالا فیصلہ کا صدور ثابت نہ ہو اور ان کی طرف غلطی سے اس کی نسبت کر دی جائے تو واقعی یہ بالکل خلاف واقع بات اور ایک انتہائی ناروا جسارت کہلائی جائے گی لیکن یہ بھی تب ہے کہ سند پر بحث کی جائے" (مفتی و قاص رفیع کی کتاب: صفحہ 478)

تو مفتی و قاص رفیع! سند پر بحث کریں ناں اگر ہمت ہے تو، آپ نے "مبسوط" اور "توضیح" وغیرہ کے حوالے تو پیش کر دیے، وہاں تو اس بات کی سرے سے کوئی سند موجود ہی نہیں، اور جو زہری کی حوالے سے کسی نے ذکر کیا ہے تو میں نے بتا دیا کہ زہری نے تو حضرت معاویہ (رض) کا عہد پایا ہی نہیں، وہ تو حضرت معاویہ (رض) کی وفات کے وقت دو سال کے بچے تھے.. اب یا تو مفتی و قاص رفیع اس بات کی صحیح متصل سند پیش کریں کہ "سب سے پہلے ایک گواہ قسم کے ساتھ فیصلہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کیا تھا" (جیسا کہ دعوا کیا گیا ہے)، اور اگر کوئی سند نہ پیش کر سکیں تو تسلیم کریں کہ جس نے بھی یہ بات لکھی ہے یا نقل کی ہے اس نے غلطی کی ہے اور یہ حضرت معاویہ (رض) پر تنقید ہی ہے.........

اگر آپ سند پر بات کرنا چاہیں تو آئیں میدان میں، میں ان جمہور فقہاء کرام کے دلائل احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پیش کروں گا جو کہتے ہیں کہ "ایک گواہ اور قسم کے ساتھ مدعی کے حق میں فیصلہ کیا جا سکتا ہے"...

آگے قاضی ثناء اللہ پانی پتی (رح) کی عبارت پر بات ہوگی، اور مفتی وقاص رفیع کے "اہل حل و عقد" کی تعریف کے بارے میں من گھڑت، جاہلانہ، اور دجل وفریب سے بھرپور فلسفے کا پوسٹ مارٹم ہوگا.... انتظار فرمایئے.

# اکابر کے نادان وکیل : ( قسط : 14 )

------------------

مفتی وقاص رفیع نے اپنی کتاب کے صفحہ 479 سے علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی (رح) کی چند عبارات پر بحث شروع کی ہے.

قارئین محترم ! جیسا کہ خود مفتی وقاص رفیع بار بار اپنی اس کتاب میں یہ بات دہراتے ہیں کہ "اہل سنت ، صحابہ کرام سے غلطی، لغزش، صغیرہ وکبیرہ گناہ بلکہ معصیت سبھی کا امکان مانتے ہیں" . . اس سے مفتی وقاص رفیع کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ اگر کسی نے کسی صحابی کی طرف غلطی، گناہ یا معصیت کی نسبت کی بھی ہے تو اصولا یہ بات کوئی خلاف اسلام نہیں کہ صحابہ کرام معصوم نہیں . . .
تو ہم مفتی وقاص رفیع کی اسی منطق کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ :
"اگر اس وجہ سے کہ صحابہ کرام معصوم نہیں، اور ان سے گناہ کبیرہ و صغیرہ اور معصیت کے کام ہونا ممکن ہے، ان کی غلطیاں نکالنا، اور یہ فیصلے کرنا کہ فلاں صحابی سے فلاں معصیت ہوئی، اور فلاں جگہ اس نے قرآن وسنت کو ترک کردیا، یہ مفتی وقاص کی نظر میں اصولا خلاف اسلام نہیں . . . جبکہ صحابہ کرام کے بارے میں اللہ تعالی نے "رضي الله عنهم ورضوا عنه" اور "وكلاً وعد الله الحسنى" جیسے اعلان بھی کر رکھے ہیں . . . اور کتب اسماء الرجال وجرح وتعدیل میں کسی صحابی پر جرح نہیں کی جاسکتی . . . تو پھر صحابہ کرام کے کئی سو سال بعد پیدا ہونے والے غیر صحابہ اکابرین سے تو بطریق اولی گناہ، معصیت اور خلاف قرآن وسنت افعال صادر ہو سکتے ہوں گے . . . اور ان کے بارے میں اللہ نے "وکلا وعد اللہ الحسنی" جیسے وعدے بھی نہیں کیے , تو کیا وجہ ہے کہ مفتی وقاص رفیع صاحب اور ان کے ہمنوا غیر صحابہ اکابرین کے بارے میں تو یہ سننا بھی گوارا نہیں کرتے کہ ان کی فلاں عبارت میں حضرت معاویہ (رض) یا کسی اور صحابی کے بارے میں بے ادبی

یا تنقید پائی جاتی ہے؟... یہاں مفتی وقاص اور ہمنوا "اکابر کے گستاخ" کا فتویٰ لگاتے ہیں... یہ دورنگی کیوں؟ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ غیر صحابہ اکابرین سارے مل کر بھی صرف ایک چھوٹے صحابی کے درجے کے قریب بھی نہیں پہنچ سکتے...

لیکن ہم اس سے بھی ایک درجہ نیچے اتر کر مفتی وقاص رفیع اور ان کے ہمنواؤں سے کہتے ہیں کہ کم از کم جو پیمانہ تم نے اپنے غیر صحابہ اکابر کے لئے مقرر کر رکھا ہے وہ تو صحابی کے لیے قبول کرو... اگر تم سمجھتے ہو کہ صحابہ کرام کو کٹہرے میں کھڑا کرکے ان کے خلاف فیصلے کرنا درست ہے کہ صحابہ معصوم نہیں... تو پھر غیر صحابہ اکابرین سے اگر کوئی تسامح یا غلطی ہوئی ہے تو اسے غلطی اور تنقید بر صحابی تسلیم کرنے میں تمہیں اتنی کوفت کیوں ہوتی ہے؟؟ اگر کسی صحابی کو تمہارے نزدیک "طاغی" "باغی" "قرآن وسنت مہجور کرنے والا" "باطل پر" "فسادی" وغیرہ جیسے الفاظ کہنے سے اس صحابی کی شان مجروح نہیں ہوتی تو پھر کسی غیر صحابی کے لیے اس سے بہت چھوٹے لفظ "ناقدین" وغیرہ کہنے سے تمھاری نیندیں کیوں اڑ جاتی ہیں اور تم لوگ "ناصبی" "خارجی" کے فتوے کیوں لگانا شروع کردیتے ہو؟؟؟ یہ دورنگی چھوڑ دو اور یک رنگ ہو جاؤ... اگر ایک اصول کو مانتے ہو تو وہ اصول ہر جگہ لاگو کرو..

اب مثلاً قاضی ثناء اللہ پانی پتی (رح) کو ہی لے لیجئے، ان کا علم و فضل اپنی جگہ، ان کے مجاہدانہ کارنامے اپنی جگہ، لیکن کیا ان سے کہیں غلطی نہیں ہو سکتی؟؟ ضرور ہو سکتی ہے اور ہوئی ہے... ایک مثال میں یہاں پیش کرتا ہوں ..

انہوں نے تفسیر مظہری کہ نام سے ایک تفسیر بھی لکھی ہے، سورۃ النساء کی آیت 159 (وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ) کے تحت قاضی ثناء اللہ صاحب نے صحابی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر تنقید کی ہے کہ انہوں نے "قبل موتہ" میں "ہ" کی ضمیر حضرت عیسی علیہ السلام کی طرف لوٹائی ہے (جیسا کہ صحیح بخاری کی ایک روایت میں بھی اس کا ذکر ہے)، چنانچہ قاضی صاحب لکھتے ہیں:

"یہ ضمیر حضرت عیسی (ع) کی طرف لوٹانا ممنوع ہے، یہ حضرت ابوہریرہ (ض) کا اپنا زعم اور خیال ہے، کسی صحیح مرفوع حدیث میں یہ بات نہیں بیان ہوئی، یہ تفسیر صحیح نہیں ہو سکتی... الخ (تفسیر مظہری، تحت آیت مذکورہ)

اب یہاں ہم بصد احترام قاضی صاحب کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ آپ کو کوئی حق نہیں کہ آپ ایک صحابیِ رسول کی تفسیر کو جو کہ صحیح بخاری میں صحیح سند کے ساتھ مذکور ہے یوں ایک دم "ممنوع" اور "**کیف یصح**" کے الفاظ سے بیان کریں..

اب اگر کوئی یہاں اس بات کو حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب کا "تسامح" یا "غلطی" کہے تو اسے اکابر کا گستاخ کہنا چہ معنی دارد؟؟ کیا ان سے غلطی یا بے احتیاطی نہیں ہو سکتی؟؟ لیکن مفتی وقاص اینڈ کمپنی شاید یہاں بھی یہ ثابت کرنا شروع کر دیں کہ قاضی ثناء للہ صاحب نے درست لکھا ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت سے جو سمجھا ہے وہ غلط ہی ہے... اور وہ معصوم تھوڑی ہیں کہ ان سے اس آیت کا مفہوم سمجھنے میں غلطی نہ ہو سکے.. واللہ اعلم.

انہی قاضی ثناء اللہ پانی پتی صاحب (رح) کی ایک کتاب ہے جس کا نام ہے "السیف المسلول" جو کہ بنیادی طور پر اہل تشیع کے افکار و نظریات کے رد میں ہے، لیکن بعض مقامات پر بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت قاضی صاحب نے حد سے تجاوز کیا ہے... جس کی تفصیل یہ ہے:

ایک جگہ حضرت معاویہ (رض) اور حضرت حسن (رض) کی صلح کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ:

"حضرت معاویہ (رض) کی خلافت، خلفاء اربعہ (رض) کی خلافت کی طرح اہل حل و عقد کے اجتہاد اور مشورہ سے نہیں ہوئی تھی" (السیف المسلول، اردو ترجمہ، صفحہ 201، فاروقی کتب خانہ ملتان)

پھر اپنی اسی کتاب میں آگے چل کر ایک جگہ لکھتے ہیں:

"اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی (رض) کی خلافت بر حق تھی، اور حضرت معاویہ (رض) باطل پر تھے"

(السیف المسلول، اردو ترجمہ، صفحہ 375)

یوں قاضی ثناء اللہ صاحب (رح) نے دو باتیں لکھیں، ایک یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنے تو ان کی خلافت " خلفائے اربعہ کی طرح " اہل حل و عقد کے مشورے سے نہیں قائم ہوئی تھی (یعنی دوسرے لفظوں میں وہ زبردستی خلیفہ بن گئے تھے_ناقل) ، اور دوسرا قاضی صاحب نے حضرت معاویہ (رض) کو " باطل " پر لکھا ہے (اجتہادی خطا وغیرہ نہیں کہا_ناقل) اور اسے اہل سنت کا مسلک بتایا ہے.

ہمارے خیال میں قاضی صاحب کی یہ دونوں باتیں درست نہیں، دوسری بات کا غلط ہونا تو واضح ہے کہ اہل سنت میں سے جو حضرات حضرت معاویہ (رض) کی خطا کے بھی قائل ہیں تو وہ صرف "خطائے اجتہادی" کے قائل ہیں، اور وہ حضرت علی و حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہما) کے اختلاف کو "حق و باطل" کا اختلاف نہیں کہتے بلکہ "اجتہادی اختلاف" کہتے ہیں ... جبکہ قاضی صاحب نے "باطل" کا لفظ لکھا ہے جو کہ اہل سنت کا مسلک نہیں .. "باطل" پر ایک اجر نہیں ملا کرتا، جبکہ جو اہل سنت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو "مجتہد مخطی" کہتے ہیں وہ اس بات کے قائل ہیں کہ انھیں بھی ایک اجر ملے گا... لہٰذا قاضی صاحب کی یہ بات تو اہل سنت کا مسلک نہیں، یہ قاضی صاحب کا تسامح ہی ہے.. معروف مفسر امام قرطبیؒ (متوفی 671 ہجری) لکھتے ہیں کہ:

لَا يَجُوزُ أَنْ يُنْسَبَ إِلَى أَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ خَطَأٌ مَقْطُوعٌ بِهِ، إِذْ كَانُوا كُلُّهُمُ اجْتَهَدُوا فِيمَا فَعَلُوهُ وَأَرَادُوا اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ، وَهُمْ كُلُّهُمْ لَنَا أَئِمَّةٌ (صحابہ میں سے کسی ایک کی طرف بھی قطعی خطا کی نسبت کرنا بھی جائز نہیں، کیونکہ ان سب نے جو کیا اس میں اجتہاد کیا اور ان کی غرض اللہ عزوجل کی رضاء تھی، اور وہ سب ہمارے امام ہیں) .

(تفسیر قرطبیؒ، جلد 16 صفحہ 321، القاہرۃ، فی تفسیر سورۃ الحجرات، آیت: 9)

ملاحظہ فرمائیں! امام قرطبیؒ تو "خطأ" (غلطی) کی بھی قطعی نسبت بھی کسی مجتہد صحابی کی طرف "ناجائز" بتلا رہے ہیں، اور قاضی ثناء اللہ صاحب "باطل" کی قطعی نسبت ایک مجتہد صحابی حضرت معاویہ (رض) کی طرف کر رہے ہیں..

مفتی وقاص رفیع اور ان کے ہمنواوں کے لیے ان کے مقتدا اور قائد اہل سنت حضرت قاضی مظہر حسین صاحب (رح) کی ایک عبارت پیش کرکے آگے چلتا ہوں، لکھتے ہیں:

"... حضرت امیر معاویہ (رض) نے جو کچھ کیا اجتہاد پر مبنی ہے، اس کو خطأ تو کہہ سکتے ہیں لیکن باطل نہیں کہہ سکتے..."

(خارجی فتنہ صفحہ 295 – 296 جلد 1 طبع اول)

اب مجھے ڈر ہے کہ کہیں مفتی وقاص رفیع، قاضی مظہر حسین صاحب (رح) پر بھی قاضی ثناء اللہ پانی پتی (رح) کی گستاخی کا الزام نہ لگا دیں.

مفتی وقاص رفیع نے قاضی ثناء اللہ پانی پتی (رح) کا دفاع کرتے ہوئے صرف مولانا عبدالعزیز فرہاروی (رح) کی کتاب سے ایک عبارت نقل کی ہے کہ "انہوں نے اہل سنت کا اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ حضرت معاویہ (رض) نے حضرت علی (رض) کے خلاف جو خروج کیا تھا وہ ایک ناحق خروج تھا لیکن چونکہ تھا ان کے اجتہاد شرعی کے نتیجہ میں اس لیے ان کے حق میں وہ معاف ہے"..(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 488)

قارئین محترم! مفتی وقاص رفیع اپنی کتاب میں بار بار یہ جھوٹ بولتے ہیں کہ "حضرت معاویہ (رض) نے حضرت علی (رض) کے خلاف خروج کیا تھا" .... (خروج کا مطلب یہ ہے کہ حضرت معاویہ (رض) نے حضرت علی (رض) کے خلاف لشکر کشی کی تھی).. یہ سراسر جھوٹ اور غلط ہے، نہ ہی جنگ جمل میں عائشہ وطلحہ وزبیر (رضی اللہ عنہم) نے حضرت علی (رض) کے خلاف کوئی لشکری کشی کی تھی اور نہ ہی جنگ صفین میں حضرت معاویہ (رض) یا اہل شام نے حضرت علی (رض) کے خلاف لشکر کشی کی تھی.... بلکہ

دونوں جگہ لشکر کشی حضرت علی (رض) کی طرف سے ہوئی تھی.. لہٰذا دنیا کا کوئی آدمی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ حضرت معاویہ (رض) نے حضرت علی (رض) کے خلاف خروج یا لشکر کشی کی تھی... مفتی وقاص رفیع نہ جانے کسے دھوکہ دینا چاہتے ہیں.. تاریخ کے طالب علم کو وہ یہ دھوکہ نہیں دے سکتے.

دوسری بات کیا مولانا عبدالعزیز فرہاروی (رح) نے حضرت معاویہ (رض) کے لئے "باطل" کا لفظ بولا ہے؟؟ ہرگز نہیں... نیز یہ بات بھی غلط ہے کہ "اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت علی (رض) کے خلاف لڑنے والے سب غلط یا ناحق تھے".. بلکہ ابن حزم (رح) نے تو جمہور صحابہ اور جمہور اہل سنت کا مسلک یہ لکھا ہے کہ وہ ان جنگوں میں کسی بھی فریق کو "حق" اور "ناحق" کہنے کے بجائے توقف کرتے ہیں :

**وَذهب سعد بن أبي وَقاص وَعبد الله بن عمر وَجُمْهُور الصَّحَابَة إِلَى الْوُقُوف فِي عَليّ وَأهل الْجمل وَأهل صفّين وَبِه يَقُول جُمْهُور أهل السّنة وَأَبُو بكر بن كيسَان .**

ترجمہ : حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن عمر اور جمہور صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کا موقف ہے کہ ہم جنگ جمل اور جنگ صفین دونوں کے بارے میں توقف کرتے ہیں (یعنی ہم یہ فیصلہ نہیں دیتے کہ کون صحیح تھا اور کون غلط_ناقل) اور جمہور اہل سنت اور ابو بکر بن کیسان کا یہی مسلک ہے.

(الفصل فی الملل والنحل، جلد 4 صفحہ 119 – 120، مکتبۃ الخانجی، مصر)

لیجئے! ابن حزم (رح) جو کہ سنہ 384 ہجری میں پیدا ہوئے اور جن کی وفات سنہ 456 ہجری میں ہوئی وہ تو اس وقت تک "جمہور صحابہ کرام اور جمہور اہل سنت" کا مسلک اس بارے میں "توقف" بتارہے ہیں، نہ یہ کہ فلاں حق پر تھا اور فلاں باطل پر.

(اس بارے میں مزید حوالے وقت آنے پر پیش کئے جائیں گے)

لہٰذا قاضی ثناء اللہ پانی پتی (رح) کا حضرت معاویہ (رض) کے لیے "باطل" کا لفظ لکھنا حد سے تجاوز ہے...
جیسا کہ امام قرطبیؒ اور قاضی مظہر حسین صاحب کے حوالے سے بھی گزرا.

## مفتی وقاص رفیع کا "اہل حل و عقد" کے بارے میں من گھڑت نظریہ

اب آتے ہیں قاضی ثناء اللہ پانی پتی صاحب (رح) کی اس بات کی طرف کہ:
"حضرت معاویہ (رض) کی خلافت، خلفاء اربعہ (رض) کی خلافت کی طرح اہل حل و عقد کے اجتہاد اور مشورہ سے نہیں ہوئی تھی" (السیف المسلول، اردو ترجمہ، صفحہ 201، فاروقی کتب خانہ ملتان)

قاضی صاحب کی اس بات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ "پہلے چاروں خلفاء (رض) کو تو اہل حل و عقد نے مشورے سے خلیفہ بنایا تھا، لیکن حضرت معاویہ (رض) کی خلافت اہل حل و عقد کے مشورے اور مرضی سے نہیں ہوئی... تو یقیناً اس کا مطلب ہے کہ حضرت معاویہ (رض) نے زبردستی طاقت کے زور پر خلافت پر قبضہ کیا ہوگا...

مجھے یہاں امام احمد بن حنبل (رح) کا صحیح سند کے ساتھ منقول ایک قول یاد آرہا ہے، آپ کو ایک رقعہ آیا جس میں لکھا تھا کہ:
"مَا تَقُولُ رَحِمَكَ اللَّهُ فِيمَنْ قَالَ: لَا أَقُولُ إِنَّ مُعَاوِيَةَ كَاتَبُ الْوَحْيِ، وَلَا أَقُولُ إِنَّهُ خَالُ الْمُؤْمِنِينَ، فَإِنَّهُ أَخَذَهَا بِالسَّيْفِ غَصْبًا؟" آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہنا چاہیں گے جو کہتا ہے کہ: میں حضرت معاویہ کو کاتب وحی اور خال المؤمنین نہیں مانتا، اس لیے کہ انہوں نے (خلافت) تلوار کے زور پر غصب کی تھی..
تو امام احمد بن حنبل (رح) نے جواب میں ارشاد فرمایا:

"هَذَا قَوْلُ سَوْءٍ رَدِيءٌ، يُجَانَبُونَ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ، وَلَا يُجَالَسُونَ، وَنُبَيِّنُ أَمْرَهُمْ لِلنَّاسِ" یہ بری اور گھٹیا بات ہے، ایسے لوگوں سے الگ رہا جائے، ان کے ساتھ نشست و برخواست نہ کی جائے اور ہمیں لوگوں کے سامنے ایسے لوگوں کی حقیقت آشکار کرنی چاہئے.

(السنة لابي بكر الخلال، ج2 صفحہ 434، دار الرایۃ)

ملاحظہ فرمائیں! امام احمد بن حنبل (رح) ایسے لوگوں سے دور رہنے کا فرما رہے ہیں جو کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ (رض) نے بزور تلوار خلافت پر قبضہ کیا تھا... اب ظاہر ہے اگر بزور طاقت خلافت پر قبضہ نہیں کیا تھا تو پھر دوسری بات یہی ہے وہ اس وقت کے اصحاب حل و عقد کی مرضی اور مشورے سے خلیفہ بنے تھے.

مفتی وقاص رفیع لکھتے ہیں:

"خلیفہ یا اہل حل و عقد کا آزادانہ مشورے سے افضل ترین فرد کو خلافت سپرد کرنا (جبکہ وہ خود اس کا طالب نہ ہو) اور چیز ہے، اور کسی خلیفہ کا مسلمانوں کو خون ریزی سے بچانے کے لیے خلافت کے حصول پر مصر مخالف جماعت کو خلافت سپرد کر دینا دوسری چیز ہے"

آگے لکھتے ہیں:

"حضرات خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کا قیام پہلی صورت کے مطابق ہوا تھا کہ سب سے پہلے اہل حل و عقد یا خلیفہ نے اپنی آزادانہ رائے سے کسی ایک خلیفہ کو خلافت کے لیے نامزد کیا اور پھر اس کے بعد اس کے ہاتھ پر تمام مسلمانوں نے بیعت کی، جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا قیام دوسری صورت کے مطابق ہوا تھا"

پھر آگے لکھتے ہیں:

"ہاں! ارباب حل و عقد کے اجتہاد اور مشورے کے بغیر حضرت معاویہ (رض) کے خلیفہ بننے سے آپ کی خلافت کا باطل ہونا ہرگز لازم نہیں آتا، اس لیے کہ جب حضرت حسن (رض) نے خلافت کی بعد ڈور آپ کے

حوالے کردی اور تمام مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرلی تو اس وقت آپ بلاشک وریب مسلمانوں کے ایک خلیفہ برحق منتخب ہوگئے"

(مفتی و قاص رفیع کی کتاب : صفحہ 483)

قارئین محترم ! مفتی و قاص رفیع کی کتاب سے اوپر نقل کیے گئے تینوں پیرے دوبارہ پڑھیں... میرا سوال مفتی و قاص رفیع سے یہ ہے کہ وہ ثابت کریں کہ :

کیا حضرت علی (رض) کو ان سے پہلے خلیفہ حضرت عثمان (رض) نے خلافت سپرد کی تھی؟

وہ کون سے اہل حل و عقد تھے جنہوں نے آزادانہ مشورے سے حضرت علی (رض) کو خلیفہ منتخب کیا تھا؟ ان کے نام لکھے جائیں اور کیا اس وقت اہل حل و عقد صرف وہی تھے یا کوئی اور بھی تھے؟

کیا یہ بات درست ہے کہ اس وقت زندہ صحابہ کرام کی اکثریت نے آخر دم تک حضرت علی (رض) کی بیعت نہ کی تھی؟ اگر یہ بات درست نہیں تو ثابت کریں کہ اس وقت موجود تمام صحابہ کرام نے حضرت علی (رض) کی بیعت کرلی تھی.

مفتی صاحب یہ بتائیں کہ حضرت عثمان (رض) کی شہادت کے بعد مدینہ منورہ میں کونسی " مجلس شوری" موجود تھی جنہوں نے حضرت علی (رض) کو خلیفہ منتخب کیا؟

کیا یہ بات درست ہے کہ اس وقت قاتلین عثمان (رض) بھی مدینہ میں تھے جنہوں نے آگے بڑھ کر حضرت علی (رض) کی بیعت کی تھی؟ کیا مفتی و قاص رفیع ان قاتلوں اور باغیوں کو بھی "اہل حل و عقد" میں شمار کرتے ہیں؟؟.

مفتی و قاص رفیع نے حضرت عثمان (رض) کی شہادت کے بعد کے حالات کا نقشہ اپنے قلم سے کچھ یوں کھینچا ہے:

"حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی الم ناک شہادت کے بعد حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے چوتھے خلیفہ راشد مقرر ہوئے، لیکن افسوس کہ آپ کا انتخاب ایک انتہائی پر آشوب اور ہنگامی دور میں ہوا، اور سوئے اتفاق کہ انہی لوگوں کے ہاتھوں ہوا کہ جن کے دامن دمِ عثمان (رض) کے داغ سے داغ دار تھے، اس لئے صحابہ کی ایک بڑی جماعت نے آپ (رض) کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو دم عثمان (رض) کے قصاص کے حصول کی شرط کے ساتھ مشروط کردیا....الخ"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 44 — 45)

تو مفتی صاحب فرمائیں کہ ان کی مندرجہ بالا عبارت میں جن لوگوں کے ہاتھوں حضرت علی (رض) کا انتخاب ہوا، جسے مفتی وقاص رفیع "سوئے اتفاق" لکھ رہے ہیں، کیا وہ اہل حل وعقد تھے؟.

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت علی (رض) کو جن حالات میں اور جس طریقے سے خلافت سونپی گی وہ ان سے پہلے خلفاء ثلاثہ کی طرح ہر گز نہیں، نہ تو اس وقت کے تمام "اہل حل وعقد" ان کی خلافت پر متفق ہوئے، اور نہ ہی آپ (رض) کی خلافت اور بیعت پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہوا.. اور نہ ہی خلیفہ ثالث حضرت عثمان (رض) نے آپ کو خلافت کے لیے نامزد کیا تھا..

پھر مفتی وقاص رفیع کا یہ اضافہ کرنا کہ "افضل ترین فرد" کو خلافت سونپی جائے، یہ بھی اہل سنت کا کوئی اصول نہیں، خلافت وحکومت کے لیے افضل ترین کو ہی منتخب کرنا کوئی ضروری نہیں.. لہٰذا مفتی وقاص رفیع کا یہ لکھنا کہ:

"اگر آزاد شورائی فیصلہ ہوتا تو پھر حضرت معاویہ (رض) سے افضل حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہم) وغیرہ کبار صحابہ کرام موجود تھے تو ان میں سے کوئی خلیفہ نامزد ہوتا" (صفحہ 486)

درست نہیں، نیز کیا مفتی وقاص رفیع یہ بتلا سکتے ہیں کہ وہ حضرت عبداللہ بن زبیر (رض) کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ کیا انہوں نے جو یزید کی وفات کے بعد بعض علاقوں میں اپنی خلافت کا اعلان کیا تھا وہ "اہل حل و

عقد" کے مشورے سے تھا یا نہیں؟ اور کیا اس وقت عبداللہ بن زبیر (رض) تمام موجود صحابہ کرام میں سب سے افضل تھے؟؟

میں مفتی وقاص رفیع کو مشورہ دوں گا کہ وہ مولانا عبدالشکور لکھنوی (رح) کا "مجموعہ تفسیر آیات قرآن" (جو "تحفہ خلافت" کے عنوان سے شائع شدہ ہے) پڑھیں، مولانا لکھنوی نے لکھا ہے:
"خلیفہ کے لیے اپنے زمانے میں سب سے افضل ہونا بھی ضروری نہیں، بلکہ صرف یہ دیکھنا ہوگا کہ مقاصد خلافت اس سے انجام پائیں" (تحفہ خلافت، صفحہ 79، طبع تحریک خدام اہل سنت جہلم)

بلکہ مولانا لکھنوی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ:
"بلکہ اگر دو شخص ہوں، ایک افضل اور دوسرا مفضول، لیکن مفضول میں مقاصد خلافت انجام دینے کی قابلیت افضل سے زیادہ ہو، تو ایسی صورت میں مفضول کو خلیفہ بنانا اولی ہوگا" (تحفہ خلافت، صفحہ 81)

پھر مفتی وقاص رفیع نے حضرت حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) کی خلافت کے بارے میں لکھا ہے کہ "ان کی خلافت اصلی شرعی خلیفہ کی نیابت تھی" (صفحہ 483)، تو مفتی صاحب فرمائیں کہ حضرت حسن (رض) کی یہ خلافت، حضرت علی (رض) کی نامزدگی سے ہوئی تھی؟ یا "اہل حل وعقد" کے مشورے سے؟ اور اگر اہل حل عقد کے مشورے سے ہوئی تھی تو وہ اہل حل وعقد کون کون تھے؟ اور کیا خلافت میں "نیابت" بھی کوئی چیز ہوتی ہے؟ اور کیا کوئی بھی خود کو کسی بھی خلیفہ کا نائب بنا سکتا ہے؟؟
اور سب سے آخر میں یہ بتائیں کہ "اصلی خلیفہ شرعی کا نائب" اگر اپنی "نیابت" سے دستبردار ہو جائے اور اپنی "خلافت" کسی دوسرے کے حوالے کردے تو اس بارے میں آپ کا کیا فتویٰ ہے؟ دوسرے شخص کو وہی "خلافت ونیابت" منتقل ہوگی جو اس کے حوالے کی گئی یا دوسرے کے پاس جاتے ہی وہ "خلافت" "ملوکیت" تبدیل ہو جائے گی؟

جبکہ اگر دوسری طرف دیکھیں تو حضرت معاویہ (رض) نے حضرت علی (رض) کی زندگی میں کبھی بھی اپنی خلافت کا دعوی نہیں کیا (جیسا کہ خود مفتی وقاص رفیع صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں)، اور حضرت علی (رض) کی بیعت وخلافت پر تمام صحابہ کرام کا اتفاق بھی نہیں ہوا تھا، لیکن حضرت علی (رض) کی شہادت کے بعد جب حضرت حسن (رض) نے اپنی خلافت سے دست بر داری کے بعد حضرت معاویہ (رض) کی بیعت کرلی تو اس کے بعد تمام مسلمانوں کا حضرت معاویہ (رض) کا اتفاق ہو گیا جس میں یقینی طور پر اس وقت کے تمام اہل حل و عقد بھی تھے..

تو اس کے باوجود یہ کہنا کہ "حضرت معاویہ (رض) کی خلافت اہل حل و عقد کے مشورے سے نہیں ہوئی" درست نہیں... اور اگر کوئی اسی پر مصر ہے تو اسے ثابت کرنا ہوگا کہ حضرت علی (رض) کی خلافت پر تمام اہل حل و عقد کا اتفاق ہو گیا تھا.

لہٰذا اگر حضرت علی (رض) کی خلافت جن کی بیعت پر اس وقت کے اکثر صحابہ کا اتفاق نہیں ہوا تھا، (مفتی وقاص رفیع کی یہ غلط بیانی ہے کہ خلفاء اربعہ میں سے ہر ایک کی بیعت تمام مسلمانوں نے کرلی تھی، یہ بات صرف خلفاء ثلاثہ کے بارے میں صحیح ہو سکتی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نہیں) وہ اہل حل و عقد کی طرف سے دی گئی خلافت ہو سکتی ہے تو حضرت معاویہ (رض) کی خلافت کیوں نہیں ہو سکتی جن کی خلافت پر ایک وقت سب کا اتفاق ہو گیا تھا؟؟؟

واضح رہے کہ ان تمام باتوں کا مقصد نعوذ باللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں شک پیدا کرنا یا ان کی خلافت پر اعتراض نہیں... بلکہ مفتی وقاص رفیع جیسوں کی غلطی فہمی دور کرنا مقصد ہے، اسے اسی تناظر میں لیا جائے.

"اہل حل عقد" کی بات چلی ہے تو میں مفتی وقاص رفیع کے لیے حضرت مولانا محمد نانوتوی (رح) کی ایک بات نقل کرتا ہوں، امید ہے مفتی صاحب کو سمجھ آ جائے گی، آپ لکھتے ہیں:

"مثال کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تینوں خلفاء کی خلافت کے زمانے میں اہل حل و عقد کا مصداق ایک شخص سے زیادہ نہ تھا، میرا مطلب ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صلح اور جنگ، تمام مسلمانوں کی صلح وجنگ تھی اور اسی طرح آپ کے خلفاء کی صلح وجنگ، ان کی خلافت پر تمام کے متفق ہو جانے کے بعد، تمام رعایا کی صلح وجنگ تھی، اور اس کے بعد یہ اتحاد (چوتھے خلیفہ کے زمانہ میں) نا اتفاقی میں بدل گیا، اور جماعتیں جدا جدا پیدا ہو گئیں تو اہل حل و عقد بھی بہت ہو گئے، ہر جماعت کا سردار اہل حل و عقد کے مفہوم کا مصداق بن گیا، اس وقت اہل حل و عقد میں سے ایک شخص کی بیعت، مطلق خلافت منعقد ہونے کا سبب تو ہو گی (نہ کہ عام خلافت کے منعقد ہونے کا) جو لوگ اس کے پیرو ہوئے خلیفہ کا اتباع ان پر لازم ہو گا، لیکن دوسرے اہل حل و عقد اور ان کے پیرو لوگ جو نہ کسی جماعت میں ہیں اور نہ کسی پارٹی میں ہیں، وہ لوگ اس بیعت کے لازم اور واجب ہونے سے آزاد ہوں گے، ہاں اگر تمام اہل حل و عقد بیعت و ارادت کا ہاتھ مسلمانوں میں سے کسی ایک کے ہاتھ میں دے دیں تو تمام مسلمانوں کو خواہ کسی کے تابع ہوں یا نہ ہوں، اس شخص کی فرمانبرداری ضروری اور لازمی ہو گی"..

(اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں)

"بالجملہ بیعت کا مطلق انعقاد تو ایک دو آدمیوں کی بیعت سے بھی حاصل ہو جاتا ہے اور عام انعقاد تمام اہل حل و عقد کے متفق ہووے بغیر نہیں ہو سکتا، ہاں اگر اہل حل و عقد کی اہلیت ایک ہی شخص میں منحصر ہو جائے تو اس وقت خلافت کا عام ہونا ایک شخص کے ذریعہ سے بھی حاصل ہو سکتا ہے"

(شہادۃِ امام حسین و کردارِ یزید، مترجم، از صفحہ 50 تا 53، شائع کردہ تحریک خدام اہل سنت لاہور)

اب نانوتوی صاحب (رح) کے اس ضابطے کی روشنی میں مفتی وقاص اور ان کے ہمنوا خود ہی غور کر لیں کہ وہ اپنے "اہل حل و عقد" نظریے میں کہاں کھڑے ہیں...

الغرض! قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تو بالکل اسی طرح "اہل حل و عقد" کے آزادنہ مشورے اور تمام مسلمانوں کے اس پر متفق ہونے میں خلفاء ثلاثہ (رض) ہی طرح شمار کرنا اور

حضرت معاویہ (رض) کی خلافت کے بارے میں جس پر کہ ایک وقت تمام اہل حل و عقد بلکہ تمام مسلمانوں کا اتفاق ہو گیا تھا یہ لکھنا کہ "اس خلافت میں اہل حل و عقد کا مشورہ شامل نہیں تھا" درست نہیں.

ہاں اگر وہ یوں لکھتے کہ "حضرت معاویہ کی خلافت خلفاء ثلاثہ کی طرح اہل حل و عقد کے مشورے سے نہیں ہوئی تھی" تو بات کسی حد تک درست ہو سکتی تھی.

# اکابر کے نادان وکیل: (قسط: 15)

------------------

اہم نوٹ: اس قسط میں مفتی وقاص رفیع کی ہفوات کے جواب میں سانحہ کربلا و واقعہ حرہ کے بارے میں بطور الزامی جواب چند باتیں آپ کو نظر آئیں گی، انہیں اسی تناظر میں پڑھا جائے، اور جو نوٹ میں نے ساتھ لکھے ہیں ان پر توجہ دی جائے.

------------------------------

مفتی وقاص رفیع نے اپنی کتاب کے صفحہ 490 سے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (رح) کی چند عبارات پر بحث شروع کی ہے، لیکن چونکہ مفتی وقاص رفیع نے خود یہ لکھ دیا ہے کہ:

"حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں میں بعض قابل اعتراض اور موہم عبارات واقعی ایسی ضرور موجود ہیں کہ جن کے مطالعہ سے ایک منصف اور معتدل نظریات کا حامل شخص شکوک و شبہات کا شکار ہو جاتا ہے، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ عبارات حضرت شاہ صاحب کی اپنی ہیں؟ حالاں کہ اگر ان کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو وہ اپنی زندگی کے ہر موڑ پر سینہ تان کر صحابہ کرام کا دفاع کرتے نظر آتے ہیں، یا پھر یہ عبارات ان کی تصانیف میں الحاقی ہیں اور ان سے حضرت شاہ صاحب کا دامن بالکل پاک و صاف ہے، ذیل میں اسی حقیقت کا سراغ لگانے کے لیے اس کا تحقیقی جائزہ لیا جاتا ہے..."

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 494)

قارئین محترم! جب خود "اکابر کے نادان وکیل" مفتی وقاص رفیع اقراری ہیں کہ "حضرت شاہ عبدالعزیز (رح) کی کتابوں میں بعض قابل اعتراض اور موہم عبارات واقعی ضرور موجود ہیں" تو ہمیں اس پر زیادہ وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں..

مفتی و قاص رفیع نے اس بات پر سارا زور لگایا ہے کہ:

"ان کے بعد آنے والے متعدد علماء نے ان کی قابل اعتراض اور موہم عبارات کو الحاقی قرار دیا ہے" (الحاقی سے مراد ہے کہ شاہ صاحب کے بعد کسی اور نے ان کی کتابوں میں یہ عبارات ڈال دی ہیں_ ناقل)

(مفتی و قاص رفیع کی کتاب: صفحہ 505 – 506)

اور پھر مفتی و قاص رفیع نے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (رح) اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب (رح) کے دو حوالے پیش کیے ہیں جن سے یہ ثابت کیا ہے کہ انہوں نے شاہ عبدالعزیز صاحب (رح) کے "فتاوی عزیزیہ" کے بارے میں اپنے شکوک و شبہات کا اظہار کیا ہے کہ آیا یہ حضرت شاہ صاحب کے فتاویٰ ہیں بھی یا نہیں.

الغرض! مفتی و قاص رفیع نے خود تسلیم کیا ہے کہ اگر شاہ صاحب کی کتابوں میں موجود ان بعض "قابل اعتراضات" عبارات کو الحاقی تسلیم نہ کیا جائے تو یہ عبارات واقعی "قابل اعتراض" ہی ہیں... تو یہی بات تو قاضی طاہر ہاشمی صاحب نے بھی "حضرت معاویہ (رض) کے ناقدین" میں لکھی تھی کہ:

"حضرت معاویہ (رض) سے متعلق فتاوی عزیزیہ اور تحفہ اثنا عشریہ میں موجود بعض عبارات کو اگر الحاقی تسلیم نہ کیا جائے تو ان مقامات پر ان کا قلم یقیناً لغزش کا شکار ہو گیا ہے"

(ہاشمی صاحب کی یہ عبارت خود مفتی و قاص رفیع نے نقل کی ہے: صفحہ 491)

توجہ فرمائیں! ہاشمی صاحب نے بالکل وہی بات لکھی ہے جو مفتی و قاص رفیع نے تسلیم کی ہے کہ ایسی قابل اعتراض عبارات تو بہر حال شاہ عبدالعزیز صاحب (رح) کی کتابوں میں موجود ہیں، لیکن مفتی و قاص رفیع کے بقول وہ الحاقی ہیں... تو پھر مفتی و قاص رفیع اور ہاشمی صاحب کی بات میں کیا فرق ہوا؟؟ ہاشمی صاحب نے یہی تو لکھا تھا کہ "اگر یہ عبارات الحاقی نہ ہوں تو پھر یہ شاہ عبدالعزیز صاحب کی قلم کی لغزش ہے" (یہاں بھی

"لغزش" لکھا ہے، اور یقیناً مفتی وقاص رفیع کے نزدیک حضرت شاہ عبدالعزیز (رح) صحابہ سے بڑھ کر تو نہ ہوں گے، اور جب مفتی وقاص رفیع بار بار یہ لکھتے ہیں کہ صحابہ سے تو معصیت اور گناہ کبیرہ تک ہو سکتے ہیں، تو حضرت شاہ صاحب کی طرف اگر "لغزش" کی نسبت کی گئ ہے تو اس میں مفتی وقاص رفیع کو چیں بجبیں ہونے کی ضرورت نہ تھی کہ شاہ صاحب کی توہین کردی).

اس لیے ہم شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (رح) کی ان "قابل اعتراض" عبارات پر تفصیل سے بات نہیں کریں گے.. اور ہماری خواہش ہے کہ کاش یہ عبارات واقعی ان کی کتب میں "الحاقی" ہی ہوں..

لیکن چونکہ اس بحث میں مفتی وقاص رفیع نے ایک بار پھر اپنی "سبائیانہ" ذہنیت کا اظہار کیا ہے، اس پر چند باتیں عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں.

مفتی وقاص رفیع نے لکھا ہے:

"اس میں شک ہی کیا ہے جب حضرت علی المرتضی (رض) خلافت کے لیے نامزد ہوئے اور مسلمانوں نے آپ کی خلافت پر بیعت کرلی اور آپ باقاعدہ خلیفۃ المسلمین مقرر ہوگئے تو حضرت معاویہ (رض) اور ان کے ساتھیوں نے اپنی "خطائے اجتہادی" کے سبب آپ کے ہاتھ پر بیعت خلافت نہ کرکے فقہی اصطلاح کے اعتبار سے بغاوت کا ارتکاب کر رکھا تھا اور خلیفہ برحق کی اطاعت چھوڑ رکھی تھی اور باغی جیسا کردار ادا کر رہے تھے" (مفتی وقاص رفیع کی کتاب کا صفحہ: 492).

اب اس پر اعتراض ہوتا تھا کہ اگر حضرت معاویہ (رض) نے واقعی خلیفہ برحق کے خلاف بغاوت کا ارتکاب کر رکھا تھا تو جنگ صفین کے بعد حضرت علی (رض) نے خود باقاعدہ بعض علاقوں پر حضرت معاویہ (رض) کی ولایت کو قبول کرلیا تھا تو کیا ایک "امام برحق" نے ایک "باغی" کی حکومت کو بعض علاقوں پر گوارا کرلیا؟ تو اس کا جواب دینے کی کوشش کرتے ہوئے مفتی وقاص رفیع نے لکھا ہے کہ:

"اور حضرت علی (رض) نے جو ان کی سلطنت کی وسعت کو گوارا کرلیا تھا تو وہ اس مصلحت کی بناء پر تاکہ مسلمانوں میں باہم مزید خون ریزی نہ ہوسکے، لیکن اس کے باوجود حضرت معاویہ (رض) ان کی اطاعت پر آمادہ نہ ہوئے، تاآنکہ حضرت حسن (رض) نے خلافت کی باگ ڈور آپ کے ہاتھ میں تھمائی اور تمام مسلمانوں (بشمول اہل حل و عقد) نے آپ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کرلی اور آپ باقاعدہ طور پر خلیفۃ المسلمین منتخب ہو گئے، اس لئے آپ موعودہ خلیفہ راشد نہیں ہیں کیوں کہ خلافت راشدہ موعودہ بہ نص قرآن صرف چار حضرات خلفائے راشدین ہی میں منحصر ہے اور حضرت معاویہ (رض) اس کے مصداق نہیں"

(مفتی و قاص رفیع کی کتاب: صفحہ 492 – 493)

ان دو پیروں میں مفتی و قاص رفیع نے کئی دھوکے اور دجل دینے کی کوشش کی ہے.
پہلے انہوں نے لکھا کہ
"حضرت علی (رض) جب خلافت کے لیے نامزد ہوئے اور مسلمانوں نے آپ کی خلافت کی بیعت کرلی اور آپ باقاعدہ خلیفۃ المسلمین مقرر ہو گئے تو حضرت معاویہ (رض) اور آپ کے ساتھیوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت نہ کرکے فقہی اصطلاح کے اعتبار سے بغاوت کا ارتکاب کیا".
جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی (رض) کی بیعت کسی "مجلس شوری" یا تمام اہل حل و عقد کے مشورے سے نہیں ہوئی تھی، بلکہ اس وقت کی ہنگامی صورت حال یا "ایمرجنسی" کی وجہ سے اچانک مدینہ میں موجود چند حضرات نے آپ کی بیعت کی، اور ساتھ ہی اس وقت مدینہ پر قابض باغی اور قاتلین عثمان (رض) نے بھی آپ کی بیعت کی، بلکہ بعض روایات میں ہے کہ وہ باغی او قاتل لوگوں کو زبردستی حضرت علی (رض) کی بیعت پر مجبور کرتے تھے، خود مفتی و قاص رفیع نے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 44 – 45 پر یہ لکھا ہے کہ:
"لیکن افسوس کہ آپ کا انتخاب ایک انتہائی پرآشوب اور ہنگامی دور میں ہوا، اور سوئے اتفاق کہ انہی لوگوں کے ہاتھوں ہوا کہ جن کے دامن دمِ عثمان (رض) کے داغ سے داغ دار تھے، اس لئے صحابہ کی ایک بڑی

جماعت نے آپ (رض) کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو دم عثمان (رض) کے قصاص کے حصول کی شرط کے ساتھ مشروط کردیا....الخ"

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ حضرت علی (رض) کی شہادت تک بھی تمام مسلمان آپ کی خلافت وبیعت پر متفق نہ ہوسکے تھے، اور اگر صرف اس وقت موجود صحابہ کرام کو بھی لیا جائے تو ان کی اکثریت جو کہ ان جنگوں میں غیر جانبدار" رہی تھی وہ بھی آپ کی بیعت سے الگ ہی رہے، اور جنہوں نے آپ کے خلاف جنگ میں حصہ لیا وہ تو یقیناً آپ کی بیعت سے الگ ہی تھے.. یوں صحابہ کرام کی اکثریت جن میں سابقون اولون صحابہ بھی تھے حضرت علی (رض) کی بیعت سے الگ رہے... یوں صحابہ کرام میں یہی اختلاف تھا کہ جس طریقے سے حضرت علی (رض) کو خلیفہ بنایا گیا ہے اور جس طرح سے آپ کی بیعت ہنگامی حالات میں چند لوگوں نے کی ہے تو اس سے آیا آپ "آئینی طور پر بھی متفقہ" خلیفہ بن گئے یا نہیں؟؟ (حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات یا آپ کی افضیلت پر کسی کو کوئی اختلاف نہ تھا)، اور یہ "آئینی" اختلاف آپ کی شہادت تک باقی رہا..

حضرت علی (رض) کا موقف تھا کہ میں باقاعدہ خلیفہ منتخب ہوچکا ہوں، جبکہ دوسروں کا خیال تھا کہ تمام اہل حل وعقد نے آپ کا انتخاب نہیں کیا اس لیے ہم پر آپ کی بیعت لازم نہیں (اور انہوں نے بھی یہ نہیں کہا کہ ہم آپ کی بیعت کرنے کے لیے تیار ہی نہیں یا آپ خلافت کے حقدار ہی نہیں، بلکہ یہ کہا کہ چونکہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ ہمیں آپ کے لشکر میں آپ کے ارد گرد نظر آتے ہیں، تو آپ ان سے قصاص لیں یا انھیں ہمارے حوالے کردیں تو ہم آپ کی بیعت کے لیے تیار ہیں).

لہٰذا مفتی وقاص رفیع کا یہ کہنا کہ "آپ باقاعدہ خلیفۃ المسلمین مقرر ہوگئے" صرف حضرت علی (رض) کے نکتہ نظر کی حد تک درست ہے، جبکہ اس وقت صحابہ کرام کی اکثریت کے نکتہ نظر کے مطابق یا کم از کم حضرت معاویہ (رض) اور ان کے ہمنوا صحابہ کرام کی رائے میں آپ "باقاعدہ خلیفۃ المسلمین" نہیں بنے تھے.

(نوٹ: اس وقت صحابہ کرام کے ان دو نکتہائے نظر پر بحث کرنا مقصد نہیں کہ کس کی رائے درست تھی اور کس کی غلط.

اب آیئے مفتی وقاص رفیع کے "نظریہ بغاوت" کی طرف، میرا مفتی وقاص رفیع اینڈ کمپنی سے ایک سوال ہے کہ:

"حضرت معاویہ (رض) نے اپنی زندگی میں صحابہ کرام کے مشورے سے اپنے بیٹے یزید کی "ولی عہدی" کے لیے بیعت لی، اس وقت سوائے چار یا پانچ صحابہ کرام کے کسی نے بھی اس بات سے اختلاف نہیں کیا تھا، پھر آپ (رض) کی وفات کے جب یزید کی خلافت کی بیعت ہوئی تو ان چار یا پانچ میں سے ایک (حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما) تو اس دنیا میں نہیں رہے تھے، باقی چار میں سے بھی حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) نے تو سب کا اتفاق ہے کہ بیعت کرلی تھی، اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں بھی روایت ملتی ہیں کہ آپ نے بھی بیعت کرلی تھی (آپ سے اس کے بعد یزید کی امارت کے خلاف کوئی بات نہیں ملتی)، صرف دو حضرات حضرت حسین (رض) اور حضرت عبداللہ بن زبیر (رض) ہی ایسے بچے جنہوں نے یزید کی بیعت نہ کی تھی... اب مفتی وقاص رفیع فرمائیں کہ وہ بغاوت کا اصول یہاں لاگو کرنے کے لیے تیار ہیں؟؟

یزید کی امارت اس وقت موجود تمام اہل حل و عقد نے تسلیم کرلی، اور بقول حافظ ابن حجر (رح) "یزید پر لوگوں کا اجتماع" ہوگیا تھا.. اور بقول حافظ ابن کثیر (رح) حضرت معاویہ (رض) کی زندگی میں ہی "بايع له الناس في سائر الاقاليم الا ... الخ" سوائے پانچ حضرات کے تمام صوبوں کے لوگوں نے اس کی بیعت کرلی تھی... تو اب حضرت عبداللہ بن زبیر (رض) اور حضرت حسین (رض) کا اس بیعت سے الگ رہنا یہ کہیں "فقہی" بغاوت میں تو نہیں آجاتا؟؟ یاد رہے سانحہ کربلا سے پہلے یزید کی فسق کی بات ہمیں کہیں نظر نہیں آتی..اس لیے یہ جواب بے کار ہوگا کہ ان حضرات نے اس لیے بیعت نہ کی تھی کہ یزید فاسق و فاجر تھا، کیونکہ ان میں سے کسی نے بھی کہیں بھی (نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے اور نہ ہی جب یزید نے ان سے بیعت کرنے کا مدینہ اور مکہ کے گورنروں کے واسطے سے کہا) اپنی زبان سے یہ نہیں کہا کہ ہمارے بیعت نہ کرنے کا سبب یزید کی ذات یا اس کا فسق و فجور ہے۔

مفتی وقاص رفیع صاحب! یزید کی خلافت "اہل حل و عقد" کے مشورے سے ہوئی، آپ اس کا انکار نہیں کر سکتے، وہ خود خلافت کا طالب نہ تھا اور نہ اس نے حضرت معاویہ (رض) سے کہا تھا کہ مجھے اپنا جانشین بنائیں، بلکہ حضرت معاویہ (رض) اور دوسرے صحابہ نے بوجوہ یہ تجویز دی اور اس کو آگے بڑھایا... اس کی بیعت پر پہلے مرحلے میں صرف چار یا پانچ لوگوں نے اختلاف کیا اور بعد میں صرف دو رہ گئے... باقی تمام مسلمانوں نے اسے امیر و خلیفہ قبول کیا... اور ہاں یہاں اس کے خلاف "خروج" بھی پایا جاتا ہے... تو فرمائیں "فقہی بغاوت" کا آپ کا نظریہ و فلسفہ کیا کہتا ہے؟؟

نوٹ: قارئین محترم! اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ ہم حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کو ہرگز "باغی" نہیں کہتے نہ "فقہی" اور نہ کوئی اور... ہمارے خیال میں وہاں حضرت حسین (رض) کا اختلافی موقف یزید کی ذات کے حوالے سے تھا ہی نہیں بلکہ آپ نے اختلاف "طریق ولی عہدی" پر فرمایا تھا اور اس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ایک اصولی اجتہادی موقف اپنایا تھا اور اس پر قائم بھی رہے تھے... ہم ان کے موقف کو اپنی جگہ درست ہی سمجھتے ہیں... کہ ہر مجتہد کو اپنے ہی اجتہاد پر عمل کرنا ہوتا ہے... (تفصیل پھر کبھی) لہٰذا ہمارے مفتی وقاص رفیع کے "فقہی بغاوت کے فلسفے" کو غلط ثابت کرنے کے لیے یزید کی خلافت و امارت کے ذکر کرنے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ہم حضرت حسین (رض) کو باغی سمجھتے ہیں..

مفتی وقاص رفیع صاحب! مجھے یقین ہے کہ آپ یزید جیسے "متفقہ" امیر کی بیعت نہ کرنے والے ان دو حضرات کو یقینا "باغی" نہیں مانتے ہوں گے.. اگرچہ ظاہری طور پر بغاوت کی فقہی تعریف میں یہ بغاوت ہی نظر آتی ہے... تو یہاں آپ جو تاویل کریں گے وہ تاویل حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں کیوں نہیں کرتے؟؟ جبکہ حضرت علی (رض) کی خلافت پر تو تمام اسلامی صوبوں کا اتفاق بھی نہ ہوا تھا اور کم و بیش آدھے صحابہ کرام نے آپ کی بیعت ہی نہ کی تھی، اور حضرت معاویہ (رض) نے تو حضرت علی (رض) کے خلاف اپنی طرف سے خروج اور لشکر کشی بھی نہیں کی تھی.. جبکہ فقہی بغاوت کی تعریف میں تو "امام کے خلاف خروج" بھی ایک شرط ہے.

نوٹ: یہاں اصول کی بات کر رہا ہوں، شخصیات کا تقابل نہیں کر رہا.

ممکن ہے آپ کہیں کہ فقہ میں بغاوت کہتے ہیں "امام حق" کی خلاف خروج کو، اور یزید "امام حق" نہ تھا.. تو عرض ہے کہ اس "امام حق" سے مراد "حق و باطل" یا "عادل و فاسق" والا "حق" مراد نہیں بلکہ وہ امام یا امیر مراد ہے جو اہل حل و عقد اور مسلمانوں کی اکثریت کے اتفاق سے امیر یا امام بنا ہو... اس کے مقابلے میں امام غیر حق وہ ہوگا جس کی امامت وامارت پر اہل حل و عقد اور مسلمانوں کی اکثریت نے مہر تائید نہ لگائی ہو..

اور یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ بقول امام نووی (رح) اہل اسلام کا اس بات پر اجماع ہے کہ فاسق امیر کے خلاف بھی خروج جائز نہیں "وأما الخروج عليهم وقتالهم فحرام باجماع المسلمين وان كانوا فسقة ظالمين" (شرح مسلم للنووي، ج12 ص229 طبع مصر)، نیز امام طحاوی (رح) نے "العقیدۃ الطحاویۃ" میں لکھا ہے کہ: وَلَا نَرَى الْخُرُوجَ عَلَى أَئِمَّتِنَا وَوُلَاةِ أُمُورِنَا وإن جاروا .. ہم اپنے ائمہ اور حاکموں کے خلاف خروج کو درست نہیں سمجھے اگرچہ وہ ظالم ہوں.. (متن العقیدۃ الطحاویۃ، ص68 المکتب الاسلامی بیروت)

مفتی وقاص رفیع صاحب! امام نووی اور امام طحاوی کی اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوے، اب ذرا ان لوگوں کے بارے میں بھی جنہوں نے "واقعہ حرہ" میں بیعت توڑی تھی اپنی "فقہی بغاوت" کے نظریے کی روشنی میں فتویٰ دیں کہ ان کا "فسخ بیعت" اور "خروج" کیا تھا؟؟؟

آپ حضرت معاویہ (رض) کو "فقہی) باغی بنانے پر تو ادھار کھائے بیٹھے ہیں، تو فقہی بغاوت کی تعریف جہاں جہاں بھی صادق آئے گی پھر ان سب جگہ آپ کے "فتوے" دم کیوں توڑ دیتے ہیں؟؟؟

آگے مفتی وقاص رفیع نے "قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ" کا ذکر کیا ہے اور یہ دعوی کیا ہے کہ نص کی رو سے صرف چار خلفاء ہی قرآن کے موعودہ ہیں، اور حضرت معاویہ (رض) اس کے مصداق نہیں بن سکتے..
ہمارا سوال ہے، یہ بات کہ "قرآن کی موعودہ خلافت صرف چار میں منحصر ہے" کس نص سے ثابت ہے؟ اور پھر "عبارۃالنص" سے ثابت ہے یا "اشارۃالنص" یا دلالۃالنص" یا "اشارۃالنص" سے ثابت ہے؟؟ اس کی وضاحت کریں، اگر آپ کا اشارہ "آیت استخلاف" کی طرف ہے تو اس میں تو کہیں بھی یہ مذکور نہیں کہ "اس آیت میں جو وعدہ دیا گیا ہے یہ صرف چار کے لئے ہے".... اگر آپ کہتے ہیں کہ "منکم" میں "کم" کی ضمیر صرف ان لوگوں کی طرف راجع ہے جو آیت کے نزول کے وقت موجود تھے، تو کیا یہ اصول ہے کہ قرآن کریم میں جہاں بھی "ضمیر مخاطب" سے خطاب ہے وہ صرف ان لوگوں کے لیے جو قرآن کے نزول کے وقت موجود تھے؟؟؟
پھر ایسے مفسرین بھی ہیں جنہوں نے آیت استخلاف میں خطاب قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کے لیے مانا ہے...

پھر یہ بتائیں کہ کیا صحابہ کرام کو بھی یہ علم تھا کہ آیت استخلاف کی رو سے حضرت علی (رض) بھی قرآن کے موعود خلیفہ ہیں؟؟ اگر معلوم تھا تو پھر صحابہ کی آدھی سے زیادہ جماعت نے حضرت علی (رض) کی بیعت نہیں کی تھی انہوں نے "نص قرآنی" کی جانتے بوجھتے مخالفت کی تھی کیا؟؟ اور اگر انھیں یہ علم نہیں تھا کہ قرآن کی موعودہ خلافت میں حضرت علی (رض) شامل ہیں تو لازم آئے گا کہ اس نص سے صحابہ کرام وہ نتیجہ نہ نکال سکے جو بعد والوں نے نکالا... لہٰذا ماننا پڑے گا کہ یہ "خلافت راشدہ موعودہ" اور "چار میں منحصر ہونے" کی اصطلاح دور صحابہ کے بعد کی ہے... صحابہ کرام کے زمانے کی نہیں...
پھر مفتی وقاص رفیع صاحب ذرا آیت استخلاف کو پورا پڑھیں، اور اچھی طرح اس پر غور کرکے بتائیں کہ آیا اس آیت میں مذکورہ خلافت کے جو اوصاف اللہ نے بیان فرمائے ہیں مثلًا "**ولیبدلنّھم من بعد خوفھم أمنا**" اور اگر ایک دوسری آیت کو بھی دیکھا جائے جسے "آیت تمکین" کہا جاتا ہے تو اس میں

"تمکین فی الأرض" کا ذکر بھی ہے تو یہ چیزیں حضرت علی (رض) کی خلافت میں پائی گئیں یا نہیں؟؟؟

لہٰذا مفتی وقاص رفیع صاحب! یہ "خلافت موعودہ" اور "حق چار یار" کی اصطلاحات کو نہ چھیڑیں تو بہتر ہے ... ہمارے نزدیک تو ہر صحابی "راشد" ہے اور ہر وہ مسلمان جس میں "آیت استخلاف" والی صفات پائی جائیں وہ اس آیت کے وعدہ میں شامل ہے.. (اس پر مزید بات آگے آئے گی).

آپ نے حضرت علی (رض) کی طرف سے حضرت معاویہ (رض) کی بعض علاقوں میں سلطنت کو گوارا کرنے کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ اس لیے گوارا کی گئی تاکہ مسلمانوں میں خون ریزی نہ ہو سکے ... نیز آپ نے لکھا ہے کہ "اس کے باوجود حضرت معاویہ، حضرت علی کی اطاعت پر آمادہ نہ ہوے"..

تو عرض ہے کہ آپ مفتی ہیں، ذرا یہ فرمائیں کہ قرآن کریم کا "شرعی و فقہی باغیوں" کے بارے میں کیا حکم ہے؟ یہی ناں کہ "فقاتلوا التي تبغي حتى تفيء الى امر الله" کہ باغیوں کے ساتھ اس وقت تک قتال یعنی جنگ کرتے رہو جب تک وہ اللہ کے حکم کی طرف نہ لوٹ آئیں، آپ کے اکابرین یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت علی (رض) نے اپنی بیعت نہ کرنے والوں کے ساتھ جو جنگ کی تھی وہ اسی آیت کے حکم کے تحت کی تھی.. تو فرمائیں یہ آیت تو باغیوں کے ساتھ اس وقت تک جنگ اور قتال کا حکم دے رہی ہے جب تک وہ اللہ کے حکم کی طرف نہ لوٹ آئیں... اور آپ کے بقول حضرت علی (رض) نے نہ صرف یہ کہ جنگ روک دی وہ بھی حضرت عمار (رض) کی شہادت کے بعد جب آپ کے بقول اس بات میں کوئی شبہ بھی نہ رہا کہ باغی کون ہے، بلکہ حضرت معاویہ (رض) کی سلطنت بھی بعض علاقوں پر گوارا کر لی ... جبکہ وہ بدستور آپ کے بقول "فقہی باغی" تھے فرمائیں کہ حضرت علی (رض) نے قرآنی حکم کو یہاں پورا کیا یا نہیں؟؟؟؟ کیا قرانی حکم میں یہ تھا کہ "خون ریزی سے بچنے کے لیے باغیوں کی حکومت و سلطنت بعض علاقوں پر تسلیم کرنے میں بھی کوئی قباحت نہیں"؟؟؟؟

ہم تو یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی (رض) کی نظر میں حضرت معاویہ (رض) کا یہ اختلاف اس قسم کی بغاوت تھی ہی نہیں جسے ثابت کرنے پر آپ یا آپ کے پیچھے چھپے پردہ نشین ادھار کھائے بیٹھے ہیں... یہ وہ بغاوت ہے ہی

نہیں جسے آپ "فقہی بغاوت" کہتے ہیں... ورنہ حضرت علی (رض) ضرور قرآنی حکم کے مطابق اس وقت ان کے ساتھ قتال جاری رکھتے جب تک وہ آپ کی اطاعت میں نہ آ جاتے...
اور پھر حضرت حسن (رض) بھی ایسے باغیوں کے حق میں اپنی خلافت سے دست بردار نہ ہوتے...

آخر میں مفتی وقاص رفیع نے "مروان بن الحکم" کی صحابیت کی بحث چھیڑی ہے، جو اس ہمارا موضوع بحث نہیں.. لہٰذا ہم اس کو کسی اور وقت تک ادھار رکھتے ہیں.

# اکابر کے نادان وکیل : (قسط: 16)

------------------

مفتی وقاص رفیع نے اپنی کتاب "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابر" کے صفحہ 519 سے بانیِ دار العلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی (رح) کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں چند عبارات پر بات شروع کی ہے...

مفتی وقاص رفیع نے اپنی کتاب میں ہر ایک بزرگ کے ساتھ یہ لکھا ہے کہ "فلاں بزرگ معاندین وحاسدین کے نشانے پر"... یعنی جس بزرگ کے قلم سے کوئی عبارت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے ادبی و تنقیص پر مشتمل نکل گئی، اور اس پر کسی نے نقد کیا تو مفتی وقاص رفیع نے اسے اس بزرگ سے "عناد اور حسد" لکھا ہے... لیکن افسوس کہ جلیل القدر صحابی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک بار بھی یہ نہیں لکھا کہ "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ معاندین وناقدین کے نشانے پر"... جبکہ تمام غیر صحابی اکابر ملکر بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں کی گرد تک بھی نہیں پہنچ سکتے... بہر حال آیئے دیکھتے ہیں مولانا محمد قاسم نانوتوی (رح) کی تحریرات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کیا تسامحات ہوئے :

میرے سامنے اس وقت مولانا نانوتوی (رح) کی کتاب "ہدیۃ الشیعہ" مطبوعہ "نعمانی کتب خانہ، حق سٹریٹ، اردو بازار لاہور" ہے، اس میں مولانا نانوتوی (رح) آیت استخلاف پر بحث کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں :
"باقی رہے امیر معاویہ، ہر چند ان کو بظاہر تمکین میسر آئی لیکن حقیقت میں وہ تمکین دین نہ تھی، تمکین ملک وسلطنت تھی چنانچہ واقفان فن سیر پر پوشیدہ نہیں کہ خلفاء اربعہ کے اطوار و انداز اور امیر معاویہ کے اطوار و انداز میں زمین و آسمان کا فرق تھا، اُن کی گزران فقیرانہ و زاہدانہ تھی اور امیر معاویہ کا طور ملوک سا تھا اس لیے اہل سنت ان کو باوجودیکہ صحابی سمجھتے ہیں، خلفاء میں نہیں گنتے، ملوک میں شمار کرتے ہیں، لیکن ملوک

ملوک میں بھی فرق ہے، ایک نوشیروان تھا، ایک چنگیز خان، سو یہ ہر چند ملوک میں سے تھے لیکن اس کے یہ معنی ہیں کہ خلفاء راشدین کے مقابلے میں دنیا دار معلوم ہوتے تھے جیسے حضرت سلیمان اور انبیاء کے مقابلے میں مالدار معلوم ہوتے ہیں نہ یہ کہ ظلم و ستم کے روادار تھے، غرباء کے حق میں ستمگار تھے، ان کا حلم، اور رعایا پروری اور دلجوئی خلائق شہرہ آفاق ہے..." (ہدیۃ الشیعہ، صفحہ 67)

یاد رہے کہ اس سے کچھ سطریں پہلے اسی صفحے پر مولانا نانوتوی (رح) حضرت حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) کے بارے میں لکھ چکے ہیں کہ:

"ہر چند حضرت سبط اکبر امام ہمام، امام حسن رضی اللہ عنہ خلفاء راشدین میں معدود ہیں مگر ان کو جو خلافت پہنچی وہ اس وعدہ (یعنی آیت استخلاف میں کیا گیا وعدہ_ ناقل) کے سبب نہیں پہنچی" (صفحہ مذکورہ)

حضرت نانوتوی کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ:

وہ اگرچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو آیت استخلاف کا مصداق نہیں سمجھتے لیکن اس کے باوجود انہیں "خلفاء راشدین" میں شمار کرتے ہیں، اگرچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو تمکین حاصل نہ ہوئی (خود یہیں مولانا نانوتوی نے ہی لکھا ہے کہ: ان کی خلافت کو تمکین اور جماؤ لازم نہ ہوا").

لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ "اہل سنت انھیں (خلفاء راشدین تو در کنار) صرف "خلفاء" میں بھی نہیں گنتے، بلکہ ملوک میں شمار کرتے ہیں.. یعنی حضرت حسن (رض) باوجودیکہ آیت استخلاف کا مصداق نہیں ہو سکتے، اور ان کی شش ماہی خلافت پر اس وقت کے مسلمانوں کا اتفاق بھی نہ ہو سکا، انھیں بقول مولانا نانوتوی "تمکین" بھی حاصل نہ ہوئی لیکن پھر بھی وہ "خلفاء راشدین" میں شمار ہوتے ہیں، لیکن حضرت معاویہ (رض) جن کی خلافت پر آخر کار تمام مسلمانوں کا اتفاق ہو گیا اور انھیں تمکین بھی حاصل ہو گئی انھیں مولانا نانوتوی کے نزدیک "صرف خلیفہ" بھی نہیں کہا جا سکتا.

پھر حضرت معاویہ (رض) کو جو تمکین حاصل ہوئی، اس کے بارے میں مولانا نانوتوی نے لکھا ہے کہ : "وہ دین کی تمکین نہ تھی (دین کی تمکین کا مطلب ہے دین کا مضبوط ہونا اور نظام حکومت کا دین کے مطابق چلنا_ناقل) بلکہ جو تمکین انھیں حاصل ہوئی وہ دنیا یعنی حکومت وسلطنت کی تمکین تھی .
پھر مولانا نانوتوی (رح) نے حضرت معاویہ (رض) کی مثال ایک غیر مسلم بادشاہ "نوشیروان" سے دی ہے
..
پھر اس کی مزید تشریح یوں کی ہے کہ "ان کے ملوک میں شمار ہونے کا مطلب ہے کہ وہ خلفاء راشدین کے مقابلے میں دنیادار معلوم ہوتے تھے .
پھر ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ وہ ظلم وستم کے روادار نہ تھے ، غرباء کے حق میں ستمگار نہ تھے، ان کا حلم، اور رعایا پروری اور دلجوئی خلائق شہرہ آفاق ہے... (لیکن اس کے باوجود مولانا نانوتوی کے نزدیک ان کے دور میں تمکین دین نہ تھی) .

قارئین محترم! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ : سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر جو ان لوگوں کا جن کا زمانہ اس سے ملا ہے، پھر ان لوگوں کا جو اس سے ملے ہیں (او کما قال علیہ السلام) ، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کا زمانہ اس امت کے بہترین زمانوں میں سے ہے، اور حضرات خلفاء اربعہ و حضرت حسن وحضرت معاویہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) ان سب کے دور اسی بہترین زمانے کا حصہ ہیں، پھر نہ جانے مولانا نانوتوی کے قلم سے یہ کیسے نکل گیا کہ "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں دین کو تمکین حاصل نہ تھی"؟؟؟ جبکہ وہ زمانہ بھی صحابہ کا ہی شمار ہوتا ہے.
نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث بھی مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت میں قریش میں سے "بارہ" ایسے "خلیفوں" کی خبر دی ہے جن کے دور میں دین اسلام غالب اور مضبوط رہے گا، ظاہر ہے ان میں "آٹھ" خلیفے، خلفاء اربعہ کے علاوہ ہی ہیں ... اور جن شارحین نے

بھی یہ بارہ خلیفہ گنوائے ہیں انہوں نے ان میں حضرت معاویہ (رض) کو بھی شمار کیا ہے... یوں حدیث نبوی کی رو سے حضرت معاویہ (رض) ان بارہ خلفاء میں شمار ہوتے ہیں جن کے دور میں دین اسلام غالب اور مضبوط رہا.... اور یہی تمکین دین ہے..

لہٰذا مولانا نانوتوی (رح) کی یہ بات یقینا محل نظر ہے، پھر وہ ایک طرف آیت استخلاف کا مصداق صرف خلفاء اربعہ کو شمار کرتے ہیں، لیکن دوسری طرف پانچویں خلیفہ حضرت حسن (رض) کو بھی "خلفاء راشدین" میں شمار کرتے ہیں لیکن حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ انہیں "خلفاء راشدین" میں شمار تو دور کی بات، صرف "خلفاء" میں بھی شمار نہیں کیا جاتا....

## مفتی وقاص رفیع کی لایعنی اور دور از کار تاویل

مولانا نانوتوی کی اس بات کے تاویل مفتی وقاص رفیع نے یوں کی ہے کہ:

"حضرت نانوتوی (رح) کی اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ حضرات خلفاء راشدین کی تمکین کی بہ نسبت حضرت معاویہ کی تمکین، تمکین ملک و سلطنت تھی، نہ کہ بعد میں آنے والے ملوک و سلاطین کی بہ نسبت، اس لیے کہ حضرات خلفاء راشدین احتیاط و تقوی اور احساس ذمہ داری کے جس معیار بلند پر فائز رہے تھے، حضرت معاویہ کے دور میں وہ معیار باقی نہیں رہا تھا ................ (الی قولہ) ....... لہٰذا حضرات خلفاء راشدین اور حضرت معاویہ کے دور حکومت اور تمکین میں فرق تو بے شک تھا ہی لیکن یہ فرق تقوی وطہارت اور فسق وفجور کا نہ تھا بلکہ حسنات الابرار سیئات المقربین کے بموجب تقوی واحتیاط اور رخصت ومباحات کا فرق تھا"

(حضرت امیر معاویہ اور عبارات اکابر، صفحہ 523 — 524)

غور فرمائیں! مفتی وقاص رفیع کے فلسفے پر، مولانا نانوتوی (رح) کے الفاظ سے یہ سمجھ آتی ہے کہ یہ فرق "تمکین دین" اور "تمکین حکومت و سلطنت و تمکین دنیا" کا تھا، جس کا صاف مطلب ہے کہ حضرت معاویہ

رضی اللہ عنہ کے دور میں "دین کی تمکین نہ تھی" ... لیکن مفتی و قاص رفیع ہمیں تقوی واحتیاط اور عزیمت ور خصت کے فسلفے سمجھا رہے ہیں ... وہ صاف کیوں نہیں بتاتے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں دین کی تمکین تھی یا نہیں ؟؟؟ کیونکہ "رخصت و مباح" بھی دین کے اندر ہی ہوتا ہے ، خلاف دین نہیں ہوتا ..

پھر مفتی و قاص رفیع نے یہ نہیں بتایا کہ اگر حضرت حسن (رض) کے شش ماہی دور کو آیت استخلاف کا مصداق نہ ہوتے ہوئے بھی "خلافت راشدہ" کہا جا سکتا ہے تو حضرت معاویہ (رض) کی حکومت کو صرف "خلافت" کیوں نہیں کہا جا سکتا؟؟

اس کے بعد مفتی و قاص رفیع نے کچھ علماء کے حوالے یہ ثابت کرنے کے لیے پیش کیے ہیں کہ خلفاء اربعہ اور حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے عہد خلافت میں فرق تھا ... لیکن وہ ایک بھی حوالہ ایسا نہیں پیش کر سکے جس میں کسی نے یہ فرق بیان کیا ہو کہ "خلفاء اربعہ کے دور میں تو تمکین دین حاصل تھی، لیکن حضرت معاویہ کے دور میں تمکین دین حاصل نہ تھی بلکہ صرف دنیوی حکومت کی تمکین حاصل تھی" ...

نوٹ :

یوں تو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (رح) نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ :

" تمکین دین اور تمکین فی الارض ، حضرت علی (رض) کے زمانہ میں حاصل نہ ہو سکی " (دیکھیں: ازالۃ الخفاء مترجم اردو، ج 2 ص 572 قدیمی کتب خانہ کراچی)

تو کیا اگر شاہ صاحب دہلوی کی اس بات کی یہ تاویل کی جائے کہ : اس کا مطلب ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلفاء ثلاثہ کی بنسبت حضرت علی (رض) کی تمکین ، تمکین دین نہ تھی لیکن بعد والوں کی بنسبت وہ تمکین دین تھی" تو مفتی و قاص صاحب کو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا؟؟ یا مفتی و قاص صاحب یہاں یہ کہیں گے کہ وہ شاہ صاحب دہلوی کی اس بات سے متفق نہیں؟

مولانا عبدالشکور لکھنوی (رح) نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

"(آیت استخلاف میں مذکور) تینوں نعمتوں کا مجموعہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے زمانے میں نہیں پایا گیا، سنی شیعہ دونوں کا اس پر اتفاق ہے" (تحفہ خلافت، مجموعہ تفسیر آیات قرآنی، صفحہ 120، مطبوعہ تحریک خدام اہل سنت، جہلم).

نیز لکھا:

"یہ بات باتفاق فریقین ثابت ہے کہ حضرت علی (رض) کو ان تینوں نعمتوں کا مجموعہ نہیں ملا، لہٰذا ان کی خلافت اس آیت (یعنی آیت استخلاف_ناقل) کی موعودہ خلافت ہرگز نہیں ہو سکتی نہ وہ خصوصیت کے ساتھ اس آیت کے موعود لہ کہے جا سکتے ہیں، پس قطعی طور پر یہ بات ثابت ہو گئی کہ سوا اس کے کوئی صورت نہیں کہ وقت نزول کے تمام مومنین صالحین سے یہ وعدہ متعلق مانا جائے اور حضرت خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کو اس آیت کی موعودہ خلافت تسلیم کیا جائے"

(تحفہ خلافت، صفحہ 124، مطبوعہ تحریک خدام اہل سنت جہلم)

(نیز دیکھیں مناظرہ منٹگمری 1930 کی روداد، شائع شدہ ماہنامہ "مناقب، بھکر" بابت ماہ دسمبر 1991)

تو کیا اسے بنیاد بنا کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ آیت استخلاف میں مذکور تین نعمتوں کا مجموعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں نہیں پایا گیا اس لیے آپ اس آیت کے مصداق نہیں ہو سکتے؟؟ یا مفتی وقاص رفیع یہاں مولانا لکھنوی کے ساتھ بھی اختلاف کریں گے؟؟؟؟

واضح رہے کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو، خلافت راشدہ ہی مانتے ہیں، اور آیت استخلاف کے مصداق میں ہی شمار کرتے ہیں، یہ حوالے صرف مفتی وقاص رفیع کے علم میں اضافے کے لیے پیش کیے ہیں تاکہ وہ کسی دوسرے پر پتھر پھینکنے سے پہلے اپنے گھر کی بھی خبر لے لیا کریں.

## مفتی وقاص رفیع کا ایک دجل:

مفتی رفیع نے مولانا عبدالعزیز فرہاروی (رح) کی ایک عربی عبارت پیش کی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں کہ: وأما معاوية فهو ان لم يرتكب منكراً" جس کا سلیس ترجمہ ہے کہ: "جہاں تک حضرت معاویہ

کی بات ہے تو آپ نے اگرچہ کسی منکر بات (یا گناہ) کا ارتکاب نہیں کیا" .... لیکن مفتی وقاص رفیع نے یہاں اپنا "بغض معاویہ" ظاہر کیا ہے اور ترجمہ یوں کیا ہے "انہوں نے اگرچہ سر عام کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا" ... یہ لفظ "سر عام" مفتی وقاص رفیع نے اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے... جس سے وہ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ حضرت معاویہ (رض) نے منکر اور گناہ کا ارتکاب تو کیا لیکن "سر عام" نہیں کیا... جبکہ مولانا فرھاروی کی جو عربی عبارت خود مفتی وقاص نے نقل کی ہے اس میں صرف "لم یرتکب منکراً" ہے ... وہاں ایسا کوئی لفظ نہیں جس کا ترجمہ "سر عام" ہو..

مولانا نانوتوی (رح) کی ایک اور کتاب "اجوبہ اربعین" طبع مکتبہ ہاشمی میرٹھ انڈیا، میرے سامنے ہے، اس میں ایک جگہ مولانا لکھتے ہیں:

"اور یہ سچ ہے کہ سنی اصحاب اربعہ یعنی چار یار کو بترتیب معلوم جانشین حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ اجمعین سمجھتے ہیں اور خلیفہ راشد اعتقاد کرتے ہیں، پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید پلید اور عبدالملک وغیرہ کو سنیوں میں کوئی ایک بھی خلیفہ راشد نہیں سمجھتا" .... (آگے لکھتے ہیں) .... "اجی صاحب! اہل سنت ان لوگوں کو بادشاہ سمجھتے ہیں، خلیفہ راشد نہیں سمجھتے، اگر کسی نے ان کو خلیفہ لکھ دیا تو اس سے خلیفہ راشد مراد نہیں .... (آگے لکھتے ہیں) .... اجی صاحب! اہل سنت گو سب کو خلیفہ کہیں پر خلیفہ برحق اور خلیفہ راشد چار یار ہی کو سمجھتے ہیں اور یہ ایسی بات ہے جیسے اولاد کو ہر کوئی خلف کہتا ہے پر خلف رشید اس کو کہتے ہیں جو فرزند کامل ہو، ورنہ یا تو ناخلف ہے یا کوئی صفت بھلی بری اس کے ساتھ کچھ نہیں لگاتے، سو خلیفہ راشد تو چار یار ہی تھے اور یزید، ولید، عبدالملک وغیرہ مروانی عباسی اکثر ناخلف تھے، اور حضرت امیر معاویہ (رض) اس باب میں نہ خلیفہ راشد ہیں نہ ناخلف..... (آگے لکھتے ہیں) ...... بالجملہ اہل سنت خلیفہ سبھی کو کہہ دیا کرتے ہیں، اس لفظ میں کچھ بزرگی نہیں اس کے معنی فقط جانشین ہیں..... ہاں لفظ راشد بزرگی پر دلالت کرتا ہے اس صورت میں خلیفہ کی دو قسمیں ہوں گی ایک تو خلیفہ راشد، یہ تو چار یار اور پانچویں چھ مہینے کے لیے حضرت امام حسن (رض) ہو گئے تھے، دوسرا خلیفہ غیر راشد، اور خلیفہ غیر راشد کو بادشاہ اور

ملک بھی سنیوں کی اصطلاح میں کہتے ہیں، یزید اور عبدالملک وغیرہ سب اسی قسم کے ہیں ، ہاں عمر بن عبدالعزیز البتہ مروانیوں میں خلیفہ راشد ہوئے ہیں"

(ملخصاً: اجوبہ اربعین، صفحات 4 تا 6، حصہ دوم، مطبع ہاشمی، میرٹھ)

اس عبارت میں مولانا نانوتوی نے پہلے تو یہ کہا کہ سنی صرف چار اصحاب کو خلیفہ راشد سمجھتے ہیں، اور حضرت معاویہ (رض)، یزید اور عبدالملک وغیرہ کو سنیوں میں کوئی بھی خلیفہ راشد نہیں سمجھتا..

پھر مولانا نانوتوی نے خلیفہ کی دو قسمیں کیں، ایک خلیفہ راشد اور ایک خلیفہ غیر راشد، اور یہاں حضرت حسن (رض) اور حضرت عمر بن عبد العزیز (رح) کو بھی خلفاء راشدین میں شمار کردیا... اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ لفظ "راشد" بزرگی پر دلالت کرتا ہے ... اور ساتھ ہی حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں صراحت کے ساتھ لکھا کہ وہ خلیفہ راشد نہیں...

اب سوال ہوتا ہے کہ اگر خلیفہ راشد صرف چار یار ہی ہیں تو پھر حضرت حسن (رض) اور حضرت عمر بن عبدالعزیز (رح) کو مولانا نے کس طرح خلفاء راشدین میں شمار کردیا؟ کیا یہ دونوں آیت استخلاف کا مصداق ہیں؟ اور اگر یہ دونوں آیت استخلاف کا مصداق نہیں (جسے خلافت موعودہ کے لفظ سے بھی یاد کیا جاتا ہے) تو اگر اس کے باوجود ان دونوں کو خلیفہ راشد کہا جاسکتا ہے تو حضرت معاویہ (رض) کو کیوں نہیں کہا جاسکتا کہ مولانا انھیں صرف "خلیفہ" کہنے پر بھی تیار نہیں؟؟

پھر مولانا نانوتوی نے لکھا ہے کہ "خلیفہ برحق صرف چار ہیں". تو کیا حضرت معاویہ (رض) خلیفہ ناحق تھے؟؟ یہ لفظ بھی مناسب نہیں...

نوٹ: علامہ ابن خلدون نے حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"فهو من الخلفاء الراشدين" وہ خلفاء راشدین میں سے ہیں" (تاریخ ابن خلدون، ج 2 ص 650، دار الفکر بیروت)

مفتی وقاص رفیع کے مقتدا جناب قاضی مظہر حسین صاحب (رح) نے بھی لکھا ہے کہ:

"اور بنی امیہ میں تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمان ذوالنورین بھی ہیں اور حضرت امیر معاویہ (رض) بھی جو باتفاق اہل سنت حضرت حسن (رض) کی صلح کے بعد برحق خلیفہ ہیں، اور پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز بھی ہوئے ہیں جن کو قرآن کے موعودہ خلفاء راشدین کے بعد رشد و ہدایت کی بنا پر خلیفہ راشد کہا جاتا ہے " (خارجی فتنہ، جلد 1 صفحہ 38)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

" گو دوسرے صحابی خلفاء بھی راشدین ہیں لیکن وہ قرآن کے موعودہ خلفاء نہیں ہیں" (خارجی فتنہ ج 1 صفحہ 648)

(نوٹ: اگرچہ قاضی مظہر حسین صاحب (رح) کا اس بات پر اصرار کہ آیت استخلاف کی بناء پر صرف خلفاء اربعہ ہی کی خلافت قرآن کی موعودہ خلافت ہے درست نہیں، کیونکہ بہت سے بڑے بڑے مفسرین نے اس آیت میں خطاب "عام امت" کے لیے لیا ہے، لیکن یہاں ہمارا مقصد قاضی صاحب کی کتاب کے حوالے پیش کرنے سے صرف یہ بتانا ہے کہ قاضی مظہر حسین صاحب بھی حضرت حسن وحضرت معاویہ (رضی اللہ عنہما) اور حضرت عمر بن عبدالعزیز (رح) کو بھی (چاہے کسی بھی حیثیت و معنی میں ہی سہی) خلیفہ راشد تسلیم کرتے ہیں، نیز حضرت معاویہ (رض) کو حضرت حسن (رض) کی صلح کے بعد برحق خلیفہ مانتے ہیں)

لہٰذا مولانا نانوتوی کا یہ لکھنا کہ حضرت معاویہ (رض) کو سنیوں میں سے کوئی ایک بھی خلیفہ راشد نہیں سمجھتا، اور خلیفہ برحق صرف چار کو لکھنا محل نظر ہے... یہ مولانا کا تسامح ہے.

## مفتی وقاص رفیع کی تاویل

یوں تو مفتی وقاص رفیع، جگہ جگہ صحابہ کرام کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اگر کسی صحابی سے فلاں معصیت ہو گئی، یا کسی بات میں قرآن وسنت مہجور ہو گیا تو اس میں حیرانگی کی کیا بات ہے؟ صحابہ معصوم تو نہیں کہ ان

سے غلطی نہ ہوسکے ... لیکن غیر صحابہ اکابرین سے اگر کہیں تسامح ہوگیا ہے یا تحریر میں کوئی بے احتیاطی ہو گئی ہے تو مفتی وقاص رفیع یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں کہ ان سے بھی تسامح اور غلطی ہوسکتی ہے.. بلکہ وہ دور از کار تاویلات کرکے اس تسامح اور غلطی کو درست ثابت کرنے کے درپے ہوجاتے ہیں.. چنانچہ یہاں مولانا نانوتوی کی مندرجہ بالا عبارت کی تاویل کچھ یوں کرتے ہیں کہ:

"خلافت راشدہ موعودہ بہ نص قرآن صرف مہاجرین اولین چار خلفاء ہی میں منحصر ہے، کوئی دوسرا خلیفہ اس میں شامل نہیں ہوسکتا" (مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 527)

قارئین محترم! اول تو مولانا نانوتوی نے لفظ "خلافت راشدہ" اور "خلافت غیر راشدہ" کا لکھا ہے، "خلافت موعودہ بہ نص قرآن" و "غیر موعودہ" کا نہیں لکھا، اس لیے مفتی وقاص رفیع کا یہاں "موعودہ بہ نص قرآن" کا اضافہ توجیہ القائل بما لایرضی بہ قائلہ کا مصداق ہے.

نوٹ: اجوبہ اربعین کا جو ایڈیشن پاکستان مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ سے شائع ہوا اس میں اصل کتاب میں بین القوسین (موعود علی منہاج النبوۃ) کے الفاظ بعد میں زیادہ کیے گئے ہیں، جو کہ مولانا نانوتوی کی اصل عبارت میں نہیں..

نیز اگر مولانا نانوتوی کی مراد یہاں "خلافت راشدہ" سے "خلافت موعودہ علی منہاج النبوۃ" ہی تھی تو پھر آپ نے حضرت حسن (رض) اور عمر بن عبدالعزیز (رح) کو کس طرح خلفاء راشدین میں شمار کرلیا؟؟؟

مفتی وقاص رفیع نے یہاں یہ تاویل کرکے جان چھڑانے کی کوشش کی ہے کہ "تیس سالہ خلافت" والی حدیث کی رو سے بعض علماء نے حضرت حسن (رض) کی خلافت کو بھی خلافت راشدہ میں شمار کیا ہے، جبکہ بعض دوسروں نے آپ کو خلفاء راشدین میں شمار نہیں کیا بلکہ حکماً آپ کو خلیفہ راشد کہہ دیا ہے.. اور اس کے لیے جو مولانا عبدالشکور لکھنوی کا حوالہ دیا ہے وہ کچھ یوں ہے:

"بعض علماء کرام نے خلفاء راشدین میں حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے بعد امام حسن رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام کا اضافہ کیا ہے مگر میں نے باتباع جمہور حضرت علی (رض) پر خلافت راشدہ کو اس لیے ختم کردیا کہ حضرت امام حسن (رض) کی خلافت صرف چھ ماہ رہی، پھر

انہوں نے خود ہی خلافت کی باگ حضرت معاویہ (رض) کے ہاتھ میں دے دی اور خود بھی ان سے بیعت کرلی" (خلفاء راشدین بحوالہ مفتی وقاص رفیع کی کتاب، صفحہ 530)

قارئین محترم! یہ حوالہ مفتی وقاص رفیع نے حضرت حسن (رض) کی خلافت کو "حکما خلافت راشدہ" کہنے پر پیش کیا ہے، جبکہ اسی عبارت میں حضرت حسن (رض) کے ساتھ ہی حضرت معاویہ (رض) کا بھی نام ہے ... تو کیا مفتی وقاص کو نہیں چاہیے تھا کہ وہ یوں لکھتے کہ: "بعض حضرات نے حضرت حسن اور حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہما) دونوں کو حکما خلیفہ راشد کہہ دیا ہے"؟؟؟ یہاں مفتی وقاص رفیع نے ڈنڈی کیوں ماری؟؟ اس کی وجہ مفتی وقاص رفیع کا وہی اندر چھپا بغض معاویہ (رض) ہی ہے.

آگے مفتی وقاص رفیع نے قاضی مظہر حسین صاحب (رح) کی ایک عبارت بھی پیش کی ہے جس میں ہے کہ "آیت استخلاف (یعنی سورۃ النور کی آیت: وعد الله الذين آمنوا منكم وعملوا الصالحات ليستخفلنهم في الارض كما استخلف الذين من قبلهم ....الآية) کا مصداق صرف خلفاء اربعہ ہیں، ان کے بعد کوئی بھی اس آیت کا مصداق نہیں قرار دیا جاسکتا"

تو عرض ہے کہ حضرت قاضی مظہر صاحب (رح) کا یہ دعوی صرف بعض مفسرین کی رائے ہے، جبکہ بہت سے مفسرین نے اس آیت کریمہ میں خطاب صرف اس وقت موجود صحابہ کرام کو نہیں بلکہ پوری امت کو بتایا ہے، امام ابن عطیہ اندلسی، حافظ ابن کثیر، امام قرطبیؒ، علامہ آلوسی وغیرہم کی تفاسیر دیکھ لی جائیں... نیز مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے بھی بیان القرآن میں اس آیت کے ترجمے میں اور پھر تشریح میں یہی لکھا ہے کہ یہ خطاب امت کو ہے... لہٰذا آیت استخلاف میں کیے گئے وعدے کا مصداق قطعی طور پر صرف چار کو قرار دینا صرف ایک تفسیر ہے، جبکہ دوسری تفاسیر اس کے برعکس ہیں... البتہ دونوں تفاسیر کی رو سے خلفاء اربعہ اس آیت کے مصداق میں ضرور داخل ہیں...

الغرض! مولانا نانوتوی (رح) کی عبارت میں مذکور "خلافت راشدہ" کو "خلافت موعودہ علی منہاج النبوۃ" سے مقید کرنا صرف ایک دور از کار تاویل ہے.

# اکابر کے نادان وکیل : (قسط: 17)

------------------

میرے سامنے اس وقت مولانا نانوتوی (رح) کا ایک فارسی مکتوب اردو ترجمے کے ساتھ موجود ہے، جس کا عنوان لکھا ہوا ہے "در تحقیق واثبات شہادت امام حسین (رض) وکردارِ یزید"، اس کے مترجم کا نام لکھا ہے "پروفیسر مولانا انوار الحسن شیر کوٹی"، ناشر کا نام "تحریک خدام اہل سنت والجماعت، لاہور" لکھا ہے.. اس رسالے کا "دیباچہ" تحریک خدام اہل سنت کے بانی حضرت مولانا قاضی مظہر حسین (رح) کا لکھا ہوا ہے، نیز اس رسالے کے شروع میں حضرت قاضی مظہر حسین صاحب (رح) کے یہ الفاظ جلی حروف میں لکھے ہیں کہ :

" تحریک خدام اہل سنت کے ایک نوجوان عالم قاری شیر محمد صاحب علوی سلمہ (فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور) نے حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی قدس سرہ کا یہ محققانہ مکتوب کتابی صورت میں شائع کرکے ایک اہم دینی خدمت انجام دی ہے" (صفحہ 3) .

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نانوتوی کا یہ فارسی مکتوب مع ترجمہ حضرت قاضی صاحب (رح) کی نظر سے گزرا تھا، اور پھر اپنے دیباچہ میں حضرت قاضی صاحب نے حضرت نانوتوی کی اسی مکتوب میں لکھی ایک ایسی عبارت کی اپنی طرف سے تاویل کرنے کی کوشش بھی کی ہے جس سے یہ سمجھ آتا تھا کہ حضرت نانوتوی، حضرت حسین (رض) سے اجتہادی غلطی صادر ہونے کے امکان کے قائل ہیں... تو حضرت قاضی صاحب نے اس عبارت پر اپنا تبصرہ کیا ہے (جو اس وقت ہمارا موضوع نہیں) اس وقت صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ اس مکتوب کو بمع ترجمہ حضرت قاضی صاحب (رح) نے ضرور پڑھا ہوگا، اس کے بعد اس پر دیباچہ بھی لکھا، اور

اس مکتوب کو کتابی صورت میں شائع کرنے والے کی تعریف بھی فرمائی اور مولانا نانوتوی (رح) کی ایک عبارت جو قاضی صاحب کے نزدیک قابل اشکال تھی اس سے پیدا ہونے والے اشکال کو رفع کرنے کی بھی کوشش فرمائی... لیکن اس وقت ہماری زیر بحث عبارت پر نہ حضرت قاضی صاحب (رح) نے کوئی تبصرہ فرمایا اور نہ اس کی کوئی تاویل کی.

(یہ سب باتیں میں نے بطور خاص اس لیے ذکر کی ہیں کہ یہ آپ کے ذہن میں رہیں، جب مفتی وقاص رفیع اس عبارت کا دفاع کرتے ہوئے ساری غلطی مترجم جناب پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹی کے کھاتے میں ڈالیں گے تو وہاں میں پھر اس طرف واپس آؤں گا)

توسب سے پہلے مولانا نانوتوی کے اس مکتوب کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں، مولانا زیر عنوان "حضرت امیر معاویہ (رض) در بارہ خلافت" اس بات کا ذکر کرتے ہیں کہ "حضرت امیر معاویہ (رض) کا خلافت کے متعلق نظریہ یہ تھا کہ جس کسی کو مملکت کے انتظام کا سلیقہ دوسروں سے زیادہ ہو، گو اس سے افضل ہوں تو دوسروں سے اس کو خلیفہ بنانا افضل ہے، اس بات پر نظر رکھتے ہوئے انہوں نے یزید کو دوسروں سے افضل جانا اور اگر بالفرض افضل نہ بھی جانا تو اس سے زیادہ بات آگے نہیں بڑھتی کہ انہوں نے افضل کو چھوڑ دیا جیسا کہ گذشتہ مقدمات میں معلوم ہو گیا کہ افضل کو خلیفہ بنانا افضل ہے نہ کہ واجب، لیکن اتنی بات کے باعث ترک افضل کا گناہ ان پر نہیں تھوپا جا سکتا کے امیر معاویہ (رض) کے ساتھ گالم گلوچ سے ہم پیش آئیں"

...... اس کے بعد آگے مولانا کے فارسی الفاظ ہیں:

"وایں طرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ را از اجلۂ صحابہ نمی شماریم کہ بنسبت ترک افضل و اولی ہم دریں چنیں امور معذرۃ نمائیم"

ان کا اردو ترجمہ مولانا پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹی نے یوں کیا ہے:

"اور پھر ہم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جلیل القدر صحابہ میں شمار نہیں کرتے کہ افضل و اولی کو ترک کرنے کے باعث ان جیسے معاملات میں ہم ان کی طرف سے معذرت پیش کریں"

(مکتوب در تحقیق اثبات شہادت امام حسین (رض) و کردارِ یزید، صفحہ 77 — 78)

پھر اسی کے نیچے حاشیہ میں مولانا نانوتوی کے ان الفاظ میں تخفیف کرنے کی غرض سے یہی مولانا پروفیسر شیر کوٹی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"یعنی چونکہ حضرت امیر معاویہ (رض) حضرت ابو بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ تعالی عنہم کی طرح کے ایسے صحابہ میں نہ تھے کہ یزید کو اپنا جانشین بنانے پر ان کی طرف سے ہم معذرت پیش کریں. مترجم" (حاشیہ صفحہ 78)

قارئین محترم! مولانا نانوتوی (رح) کے اس مکتوب کی یہ مکمل فارسی عبارت کسی بھی فارسی دان سے پڑھا لیں، اس کا سیاق و سباق پڑھ کر وہ کہے گا کہ اس کا صحیح اور درست ترجمہ و مفہوم وہی ہے جو مولانا شیر کوٹی نے کیا ہے کہ "اگر بالفرض یہ بھی تسلیم کرلیں کہ حضرت معاویہ (رض) نے یزید کو اپنا جانشین بنا کر ایک غیر افضل اور غیر اولی کام کیا تو ہمیں ان کی طرف سے اس پر معذرت پیش کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہم انہیں جلیل القدر صحابہ میں سے نہیں سمجھتے"....

فارسی عبارت کا یہی ترجمہ درست بن رہا ہے... الا یہ کہ مولانا نانوتوی کے فارسی مکتوب میں یہ عبارت یوں نہ ہو یا کسی نے تبدیل کردی ہو تو الگ بات ہے.. لیکن جو فارسی عبارت یہاں منقول ہے اس کا مفہوم واضح ہے..

پھر جیسا کہ اوپر بیان ہوا، مترجم مولانا شیر کوٹی کے نزدیک بھی مولانا نانوتوی کے ان الفاظ سے سمجھ آنے والا مفہوم محل نظر تھا تو انہوں نے اس کی تاویل کرنے کے لئے حاشیے میں یہ لکھ دیا کہ اس کا مطلب ہے کہ حضرت معاویہ (رض) خلفاء اربعہ کی طرح کے صحابہ میں سے نہ تھے.... جبکہ مولانا نانوتوی نے مطلّقاً لکھا ہے کہ "ہم حضرت معاویہ (رض) کو جلیل القدر صحابہ میں شمار نہیں کرتے"..

مولانا نانوتوی کی اس بات سے ہم بصد ادب و احترام اختلاف کرتے ہیں، اور اسے ان کا تسامح گردانتے ہیں، انھیں یہ لفظ لکھنے کی ضرورت ہی نہ تھی، اور نہ یہاں ایک "غیر اولی" لیکن مباح کام کرنے پر معذرت پیش کرنے کی ہی سرے سے کوئی ضرورت ہی ہے جس کا احسان حضرت معاویہ (رض) پر جتایا جارہا ہے.

حضرت امیر معاویہ (رض) کے بارے میں شارح صحیح مسلم امام نووی (رح) لکھتے ہیں:
"وأما معاوية رضي الله عنه فهو من العدول الفضلاء والصحابة النجباء.." معاویہ (رض) عادل، فاضل اور جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں.
(شرح النووی علی صحیح مسلم، جلد 15 صفحہ 149 طبع مصر)

حضرت ملا علی قاری (رح) نے بھی اسی سے ملتے جلتے الفاظ لکھے ہیں کہ:
"واما معاوية فهو من العدول الفضلاء والصحابة الأخيار"
(مرقاۃ شرح مشکوۃ، جلد 11 صفحہ 151 دار الکتب العلمیۃ بیروت )
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (رح) نے بھی لکھا ہے کہ:
"اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ حضرت معاویہ (رض) صحابہ کرام میں سے ایک تھے اور صحابہ کے بھی جلیل القدر زمرہ میں سے تھے" (ازالۃ الخفاء مترجم اردو، جلد 1 صفحہ 571)
لیکن مفتی وقاص رفیع، بجائے اس کے کہ یہ تسلیم کرلیں کہ مولانا نانوتوی (رح) کے قلم سے یہاں تسامح ہو گیا... انہوں نے سارا بار مترجم مولانا پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹی پر ڈال دیا ہے اور لکھا ہے:
"فاضل مترجم مولانا انوار الحسن شیر کوٹی سے دوران ترجمہ یہاں تھوڑا بہت تسامح اور سہو ہو گیا، اور اسی غلط فہمی کے نتیجے میں انہوں نے نیچے حاشیہ میں بھی غلطی کھالی، جس کی وجہ سے بات کہیں سے کہیں نکل گئی، اور مخالفین و معاندین پروفیسر طاہر ہاشمی وغیرہ نے حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف

پروپگنڈے کا بازار گرم کرکے انھیں حضرت معاویہ (رض) کا ناقد وگستاخ ٹھہرادیا" (مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 535)

قارئین محترم! ملاحظہ فرمائیں، جو مفتی وقاص رفیع حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں غیر صحابہ کی طرف سے لکھے گئے سخت سے سخت ناقدانہ الفاظ کا دفاع کرتے ہوئے بار بار یہ لکھتے ہیں کہ "اگر حضرت معاویہ سے فلاں معصیت ہو گئی، یا ان سے قرآن وسنت مہجور ہو گیا تو اس میں غیر معمولی کیا بات ہے؟ صحابہ ہمارے نزدیک معصوم تو نہیں"، وہ مولانا نانوتوی (رح) کے بارے میں یہ سننے کے لیے بھی تیار نہیں کہ ان کی اس عبارت میں ان سے تسامح ہو گیا ہے... بلکہ مترجم پر جو کہ خود فاضل دیوبند ہیں یہ الزام لگا دیا کہ ان سے ترجمہ میں غلطی اور تسامح ہو گیا ہے...اور پھر اپنا غصہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب پر نکال دیا ہے کہ انہوں نے حضرت نانوتوی (رح) کو ناقدین حضرت معاویہ (رض) میں شمار کر دیا ہے... اور ان کو گستاخ ٹھہرادیا ہے (ہمارے علم کے مطابق قاضی طاہر ہاشمی صاحب نے مولانا نانوتوی کے بارے میں گستاخ کا لفظ نہیں لکھا، ہاں اگر مفتی وقاص رفیع کے نزدیک کسی پر تنقید یا نقد کا مطلب اس کی گستاخی ہے تو الگ بات ہے)...

اس کے بعد مفتی وقاص رفیع فاضل مدرسہ عربیہ رائے ونڈ، بزعمِ خود فارسی عبارت کا " صحیح اور درست" ترجمہ یوں کرتے ہیں:

"اور خلافت کے بارے میں حضرت امیر معاویہ (رض) کا مسلک یہ تھا کہ جس شخص کو انتظام مملکت کا سلیقہ بہ نسبت دوسروں کے زیادہ ہو (اگرچہ وہ دیگر امور میں اس سے افضل ہی کیوں نہ ہو) وہ دوسروں سے افضل ہے، اسی بات کے پیش نظر حضرت امیر معاویہ (رض) اس (یعنی یزید) کو دوسروں سے افضل جانتے تھے، اور اگر اس کو افضل نہ بھی جانتے تو اس سے زیادہ کچھ نہیں (کہا جا سکتا) کہ انہوں نے افضل کو ترک کیا ہے (واجب کو ترک نہیں کیا)، چنانچہ گزشتہ مقدمات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ افضل کو خلیفہ بنانا افضل ہے واجب نہیں ہے، لیکن اس (ترک افضل وترک اولی جیسے) قدرے (اور معمولی عمل کو (بہر حال ایسا) گناہ نہیں کہا جاسکتا کہ جس کے سبب ہم حضرت امیر معاویہ (رض) پر سب وشتم کرنے لگ جائیں اور اس حوالے

سے ہم حضرت امیر معاویہ (رض) کو جلیل القدر صحابہ میں شمار نہ کریں، بلکہ ترک اولی وافضل کی نسبت سے ہم اس جیسے (دیگر تمام) امور میں (ان کی طرف سے) معذرت پیش کرتے ہیں" (ترجمہ ختم)

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 535 — 536)

(ذہن میں رہے کہ اس ترجمہ میں بین القوسین جتنے بھی الفاظ ہیں یہ مفتی وقاص رفیع نے اپنی تشریحات ڈالی ہیں)

قارئین محترم! جس نے فارسی کی ابتدائی کتب بھی پڑھی ہوئی ہیں وہ مفتی وقاص رفیع کے اس ترجمے پر خوب ہنسے گا... مولانا نانوتوی نے فارسی کے اس پیراگراف میں دو بار "ایں طرف" کا لفظ لکھا ہے ایک بالکل شروع میں "ایں طرف مذہب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ در بارہ خلافت ....." اور دوسرا آخر میں "ایں طرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ را از اجلہ صحابہ نمی شماریم ...." مفتی وقاص رفیع نے پہلے "ایں طرف" کا تو ترجمہ تو کیا ہی نہیں اور دوسرے کا ترجمہ کیا ہے "اس حوالے سے" جو کہ سراسر دھوکہ ہے... ایں طرف" کا ترجمہ "اس حوالے سے" ہرگز نہیں... مفتی وقاص رفیع نے بات کا مطلب تبدیل کرنے کے لیے ترجمے میں اپنے الفاظ ڈال کر دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے... اس فارسی عبارت کا سیدھا اور سلیس ترجمہ یہی ہے کہ مولانا نانوتوی (رح) پہلے تو حضرت معاویہ (رض) کی طرف سے یہ جواب دے رہے ہیں کہ ان کے خیال میں یزید امور مملکت چلانے میں دوسروں سے افضل تھا، اور اگر بالفرض وہ اسے افضل نہیں بھی سمجھتے تھے تو پھر بھی انہوں نے اسے جانشین نامزد کر کے کسی واجب کو ترک نہیں کیا (کیونکہ سب سے افضل کو خلیفہ بنانا کوئی واجب نہیں، ہاں صرف بہتر ہے) تو امیر معاویہ (رض) نے زیادہ سے زیادہ ایک غیر اولی (لیکن جائز) کام ہی کیا.. جسے گناہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کی وجہ سے آپ پر سب و شتم روا رکھا جائے ............. اس کے بعد مولانا نانوتوی نے "ایں طرف" سے نئی بات شروع کی ہے کہ .... دوسری طرف یہ بات بھی ہے کہ ہم حضرت امیر معاویہ (رض) کوئی جلیل القدر صحابہ میں سے بھی شمار نہیں کرتے کہ ہم ان کے ایک غیر افضل اور غیر اولی کام کی اور اس جیسے دیگر امور کی معذرتیں پیش کرتے رہیں...

نیز جیسا کہ پہلے میں نے بیان کیا کہ مولانا نانوتوی (رح) کے اس فارسی خط مع مولانا شیر کوٹی (رح) کے اردو ترجمہ کا دیباچہ حضرت قاضی مظہر حسین صاحب (رح) نے لکھا ہے اگر یہ اردو ترجمہ غلط ہوتا تو وہ اس کا ذکر ضرور کرتے ... کیا مفتی وقاص رفیع، دیوبند کے دو فضلاء کرام (مولانا انوار الحسن شیر کوٹی اور قاضی مظہر حسین صاحب) سے زیادہ فارسی زبان کے فاضل ہیں؟؟؟ اور کیا وہ ان دو فضلاء دیوبند کے اردو ترجمہ کو غلط ثابت کر کے خود اپنے ان دو اکابر کی "گستاخی" کے مرتکب تو نہیں ہو گئے؟ کہ ان کے نزدیک اکابر کے کسی تسامح پر نقد کرنا اکابر کی گستاخی ہے؟ ذرا سوچیں ... صیاد خود اپنے ہی دام میں کیسے آگیا، اور دوسروں کو اکابر کا گستاخ کہنے والا کیسے خود کو ان اکابرین سے بڑا "فارسی دان" بتا رہا ہے.

نوٹ: قاضی طاہر ہاشمی صاحب نے مولانا عبدالرشید نعمانی کی علماء کی ایک مجلس میں کی گئی ایک بات پیش کی تھی جس میں مولانا عبدالرشید نعمانی نے بھی یہی کہا تھا کہ: "حضرت نانوتوی نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ (رض) کوئی اتنے بڑے صحابی نہیں کہ ان کے ہر قول و فعل کی ہم توجیہ کرتے پھریں".... اس کے جواب میں مفتی وقاص رفیع نے مولانا عبدالرشید نعمانی کی طرف اس بات کی نسبت کا تو انکار نہیں کیا، صرف یہی لکھا ہے کہ:

"اس کا جواب یہ ہے کہ حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اس بات کی نسبت کرنا خلاف تحقیق ہے، لگتا یوں ہے کہ مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تحقیق انوار النجوم ترجمہ قاسم العلوم سے نقل کی ہے، جو اس کے مترجم مولانا انوار الحسن شیر کوٹی رحمۃ اللہ علیہ سے دوران ترجمہ سہواً و نسیاناً غلط ترجمانی کے نتیجہ میں واقع ہوئی ہے"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 601)

یوں مفتی وقاص رفیع نے یہ ثابت کیا ہے کہ مولانا انوار الحسن شیر کوٹی، مولانا قاضی مظہر حسین کے ساتھ ساتھ مولانا عبدالرشید نعمانی کو بھی ترجمہ کی اس غلطی کا علم نہ ہوا... اور فاضل مدرسہ عربیہ رائے ونڈ نے یہ غلطی پکڑ لی.

# اکابر کے نادان وکیل: (قسط: 18)

------------------

مفتی وقاص رفیع نے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 537 سے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (رح)، صفحہ نمبر 549 سے علامہ سید انور شاہ کشمیری (رح) اور صفحہ نمبر 581 سے مفتی محمد کفایۃ اللہ دہلوی (رح) کی چند عبارات پر بات کی ہے، آیئے ان عبارات کا جائزہ لیتے ہیں.

اس وقت میرے سامنے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (رح) کی ایک کتاب "ہدایۃ الشیعہ" مطبوعہ دار الاشاعت کراچی ہے، اس کے صفحہ 30 پر مولانا لکھتے ہیں:
"اور معاویہ (رض) کا محاربہ حضرت امیر (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ_ناقل) کے ساتھ جو ہوا اہل سنت اس کو کب بھلا اور جائز کہتے ہیں، ذرا کوئی کتاب اہل سنت کی دیکھی ہوتی، اہل سنت ان کو اس فعل میں خاطی کہتے ہیں، مگر معاویہ (رض) اس خطائے کے سبب ایمان سے نہیں نکل گئے...."

اس کے بعد اگلے صفحے پر لکھا کہ:
"اور سوا اس کے صدہا آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ فسق وگناہ کبیرہ سے مسلمان کافر نہیں ہوتا، اور حضرت امیر (رض) کا قصہ مشہور ہے کہ معاویہ (رض) اور ان کے ساتھ والوں کو آپ نے لعن کرنے نہیں دیا اور منع لعن سے فرمایا، اگر کافر ہوتے تو کیا وجہ لعن سے منع کرنے کی ہوتی" (صفحہ 31)

پھر اسی صفحے پر نہج البلاغہ سے حضرت علی (رض) کا ایک قول پیش کرکے لکھتے ہیں:
"حضرت امیر (رض) ان کو خود مسلمان بھائی فرماتے ہیں، ہاں البتہ اس میں بسبب شبہ وتاویل کجی آگئی تھی اور یہ خود بیّن ہے کہ گناہ کرنے سے اسلام کامل نہیں رہتا، نہ یہ کہ بالکل اسلام سے خارج ہو جائے، سو اس

نص سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ حرب (حضرت) معاویہ (رض) سے خطأ ہوئی مگر بتاویل، منقول ہے کہ حضرت معاویہ (رض) آخر عمر میں اس امارت اور اپنے عمل سے نادم ہوتے تھے، سو ندامت سے جو کچھ گناہ ان سے ہوا بالیقین معاف ہوا..." (صفحہ 31)

قارئین محترم! سب سے پہلے یہ ذہن میں رکھیں کہ خود مفتی وقاص رفیع اینڈ کمپنی یہ کہتے ہیں کہ
"جمہور اہل سنت کے نزدیک ان مشاجرات میں حضرت معاویہ (رض) اور ان حضرات صحابہ سے جنہوں نے حضرت علی (رض) کی بیعت کی نہ کی تھی اجتہادی خطأ ہوئی"
اور اہل سنت کا یہ بھی کہنا ہے کہ اجتہادی خطأ بھی حق کے دائرے میں ہی ہوتی ہے، حق سے خارج نہیں ہوتی، اسی لئے مجتہد مصیب کو اپنے اجتہاد کے دو اجر ملتے ہیں تو مجتہد مخطی کو بھی "گناہ" نہیں ملتا بلکہ ایک اجر ہی ملتا ہے، یوں "اجتہادی خطأ" گناہ نہیں ہوتی.
اب اوپر منقول مولانا گنگوہی (رح) کی تحریر کا بغور جائزہ لیں.. کیا اس سے یہ سمجھ نہیں آتا کہ:
مولانا گنگوہی یہ دعوی فرما رہے ہیں کہ اہل سنت میں سے کوئی بھی حضرت علی (رض) اور حضرت معاویہ (رض) کے مشاجرے میں حضرت معاویہ (رض) کے موقف کو "جائز" نہیں کہتا، بلکہ تمام انہیں (صرف) مخطی کہتے ہیں، لیکن ان کی یہ خطأ ایسی نہیں کہ جس سے وہ ایمان سے ہی نکل جائیں....
پھر اگلے پیرے میں آیات قرآنیہ کا حوالہ دے کر یہ لکھتے ہیں کہ: "فسق و گناہ کبیرہ سے مسلمان کافر نہیں ہوتا"...
اس عبارت سے بظاہر تو یہی سمجھ آتا ہے کہ مولانا گنگوہی حضرت معاویہ (رض) کی جس "خطأ" کا ذکر کر رہے ہیں وہ ان کے نزدیک "گناہ کبیرہ یا فسق" تھی... جبھی تو یہ لکھا کہ: "فسق و گناہ کبیرہ سے مسلمان، کافر نہیں ہوتا"..
اور پھر آگے حضرت علی (رض) کا نہج البلاغہ کے حوالے سے ایک قول نقل کر کے لکھا کہ: "یہ خود بیّن ہے کہ گناہ کرنے سے اسلام کامل نہیں رہتا، نہ یہ کہ بالکل اسلام سے خارج ہو جائے".... اس سے بھی یہی سمجھ آ

رہا ہے کہ مولانا گنگوہی، حضرت معاویہ (رض) کی طرف جس خطائی کی نسبت کر رہے ہیں وہ "گناہ" تھی، جبھی تو یہ کہنے کی ضرورت پیش آئی کہ "گناہ کرنے سے اسلام کامل نہیں رہتا، لیکن وہ آدمی اسلام سے خارج نہیں ہوتا"....

پھر آگے مولانا گنگوہی نے مزید یہ لکھا کہ: "منقول ہے کہ حضرت معاویہ (رض) آخر عمر میں اس امارت اور اپنے عمل سے نادم ہوتے تھے، سو ندامت سے جو کچھ گناہ ان سے ہوا بالیقین معاف ہوا".... اس میں بھی یہ ذکر کیا کہ "جو کچھ گناہ ان سے ہوا"..

قارئین محترم! ہمیں حضرت مولانا گنگوہی (رح) کے علم و فضل کا اقرار ہے، ان کے مافی الضمیر میں صحابہ کرام کے بارے میں کیا جذبات تھے وہ ہم نہیں جانتے، لیکن ان کی اس تحریر سے بظاہر جو سمجھ آتا ہے وہ یہی ہے کہ وہ حضرت معاویہ (رض) کی خطائی کو "اجتہادی خطائ" نہیں لکھ رہے بلکہ "گناہ" لکھ رہے ہیں (بلکہ گناہ کبیرہ اور فسق کے الفاظ دیکھ کر تو یہ سمجھ آتی ہے یہ گناہ فسق تک پہنچا تھا)... کیونکہ "اجتہادی خطائ" پر تو ایک اجر ملتا ہے ... وہ تو صغیرہ گناہ بھی نہیں ہوتی چہ جائے کہ کبیرہ گناہ... لہٰذا ہمارے خیال میں مولانا گنگوہی کے عقیدے کے بارے میں تو ہم کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن یہاں الفاظ اور تعبیر کی حد تک ان سے ضرور تسامح ہوا ہے. اور بقول مفتی وقاص رفیع، جب صحابہ کرام سے گناہ اور معصیت ہو سکتی ہے، تو ان کے کئی سو سال بعد ہونے والے غیر صحابی ایک عالم و فاضل سے کیوں تسامح اور سہو نہیں ہو سکتا؟؟

نیز انہوں نے جو حضرت معاویہ (رض) کی آخری عمر میں ندامت کا ذکر کرکے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ انہوں نے توبہ کرلی ہوگی... تو پھر دوسری طرف ہمیں حضرت علی (رض) کے بھی ایسے اقوال ملتے ہیں جن میں آپ نے پشیمانی کا اظہار فرمایا، امام ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ:

"ایک وقت حضرت علی (رض) نے جو جنگ کی اس پر آپ ندامت فرماتے تھے"..) نیز لکھا کہ) "آپ نے صفین کی جنگ کے بعد اپنے بیٹے حضرت حسن (رض) سے فرمایا: "اے حسن! تمہارے باپ کو یہ اندازہ

نہیں تھا کہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا، کاش تمہارا باپ اس سے بیس سال پہلے وفات پا چکا ہوتا" ... نیز لکھا کہ "جب آپ جنگ صفین سے واپس ہوئے تو آپ فرماتے تھے کہ : "(اے لوگو!) معاویہ کی امارت کو برا نہ سمجھو، اگر تم نے اسے کھو دیا تو تم سر اپنے گردوں سے اڑتے ہوئے دیکھو گے".

(منہاج السنۃ، جلد 6 صفحہ 209) .

تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکالا جائے کہ حضرت علی (رض) سے نعوذ باللہ کوئی گناہ ہو گیا تھا؟؟ دراصل اگر ایسی ندامت حضرت معاویہ (رض) یا حضرت علی (رض) نے فرمائی تو وہ اس نقصان پر تھی جو اس جنگ میں دونوں طرف کے مسلمانوں کا ہوا..

لیکن آیئے دیکھیں کہ مفتی وقاص رفیع کا کیا کہنا ہے؟ غور سے پڑھیے لکھتے ہیں:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا صحیح مفہوم:

"حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیعوں کے سوالات کے جوابات کے سلسلہ میں در اصل اس مسئلے پر گفتگو فرما رہے ہیں کہ حضرت معاویہ (رض) پر لعن طعن کرنا جائز نہیں ہے، اس ذیل میں وہ یہ فرماتے ہیں کہ اہل سنت اگرچہ انہیں اور ان کے جملہ اصحاب کو حضرت علی (رض) اور ان کے اصحاب کے ساتھ جنگ لڑنے میں مجتہد مخطی مانتے ہیں لیکن اس خطائے اجتہادی کے سبب وہ ایمان سے نہیں نکل جاتے بلکہ ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے گناہ کبیرہ اور فسق کا ارتکاب کیا ہو اور فاسق لعنت کا مستحق نہیں ہوتا"

(حضرت امیر معاویہ (رض) اور عباراتِ اکابر، صفحہ 542)

قارئین محترم! مفتی وقاص رفیع کے اس جواب کو ایک بار پھر پڑھیں... پہلی پانچ سطروں میں یہ لکھا ہے کہ "گنگوہی صاحب نے لکھا ہے کہ اہل سنت حضرت معاویہ اور ان کے اصحاب کو مجتہد مخطی مانتے ہیں اور خطائے

اجتہادی کے سبب کوئی ایمان سے نہیں نکل جاتا (ذہن میں رہے کہ گنگوہی صاحب نے "مجتہد مخطی" کا لفظ نہیں لکھا، یہ مفتی وقاص کا دھوکہ ہے، اور نہ ہی انہوں نے خطائے اجتہادی کا ذکر کیا ہے).

لیکن پھر یہی مفتی وقاص رفیع خود آخری سطر میں یہ لکھتے ہیں کہ:

"بلکہ ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے گناہ کبیرہ اور فسق کا ارتکاب کیا ہو اور فاسق لعنت کا مستحق نہیں ہوتا"..

غور کریں! پہلے لکھا کہ گنگوہی صاحب تو یہ کہہ رہے ہیں کہ ان سے خطائے اجتہادی ہوئی تھی... اور پھر یہ لکھا کہ وہ لکھ رہے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے گناہ کبیرہ اور فسق کا ارتکاب کیا اور فاسق لعنت کا مستحق نہیں ہوگا... کیا اجتہادی خطأ "گناہ کبیرہ اور فسق" ہو سکتی ہے؟؟

شاید مفتی وقاص رفیع نے جہاں سے "افتاء" کیا ہے وہاں "خطائے اجتہادی" اور "گناہ کبیرہ اور فسق" ایک ہی چیز ہیں... کسی نے درست ہی کہا ہے کہ:

دروغ گو را حافظہ نہ باشد.. جھوٹے کا حافظہ نہیں ہوتا

پھر آگے لکھتے ہیں کہ:

"اس عبارت میں حضرت گنگوہی قدس سرہ اپنا مسلک یا اپنا موقف ہرگز بیان نہیں فرما رہے کہ معاذ اللہ! حضرت معاویہ (رض) اور ان کے جملہ اصحاب گناہ کبیرہ کے مرتکب اور فاسق تھے، بلکہ علی سبیل التسلیم یہ کہہ رہے ہیں کہ بفرض محال اگر انھیں مرتکب گناہ کبیرہ اور فاسق مان بھی لیا جائے جب بھی ان پر کسی قسم کا لعن طعن کرنا جائز نہیں لأن الفاسق ليس بأهل اللعن" (مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 542)

قارئین محترم!

آپ ایک بار پھر حضرت گنگوہی کی عبارت پڑھیں.. اور پھر بتائیں کہ کیا وہاں کوئی ایسا لفظ ہے جس سے یہ سمجھ آئے کہ یہ بات "بفرض محال" لکھی گئی ہے؟؟ اور اگر بقول مفتی وقاص رفیع، گنگوہی صاحب نے یہ اپنا موقف نہیں لکھا تو کس کا موقف لکھا ہے؟؟ انہوں نے تو جو تمام اہل سنت کی طرف یہ نسبت کی ہے کہ وہ "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو (صرف) مخطی" کہتے ہیں یہ بھی محل نظر ہے اور درست نہیں... کیونکہ

سب سے بڑے اہل سنت تو صحابہ کرام ہیں، اور ظاہر ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف سے اتفاق رکھنے والے جو صحابہ کرام تھے، نیز وہ تمام صحابہ جو حضرت علی (رض) کی بیعت سے الگ رہے تھے اور جن کی تعداد آدھے سے زیادہ تھی (بلکہ بقول محمد بن سیرین اس وقت موجود صحابہ کرام کی دو تہائی سے زیادہ تھی) وہ اپنے موقف کو درست ہی سمجھتے تھے ... پھر حافظ ابن تیمیہ نے تو صاف لکھا ہے کہ بہت سے علماء اہل سنت حضرت علی (رض) اور حضرت معاویہ (رض) دونوں کو اپنی اپنی جگہ مجتہد مصیب ہی سمجھتے ہیں (منہاج السنة ، جلد 4 صفحہ 447) ... تو گنگوہی صاحب کی یہ بات بھی ان کا تسامح ہی ہے. نیز انہوں نے صرف "مخطی" لکھا ہے، جب کہ جو اہل سنت حضرت معاویہ (رض) کی اجتہادی خطأ کے قائل ہیں وہ انھیں صرف "مخطی" نہیں بلکہ "مجتہد مخطی" کہتے ہیں. اور اجتہادی خطأ گناہ نہیں، اگر گناہ ہوتی تو اس پر ایک اجر نہ ملتا.

# اکابر کے نادان وکیل (قسط 19 چند اہم باتیں)

آئندہ اقساط سے پہلے چند نہایت اہم باتیں مستحضر کرنا ضروری ہے۔۔ پہلے وہ پڑھ لیں

-------

سب سے پہلے یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ "خلیفہ راشد" اور "خلافت موعودہ" کی آج ہمارے ہاں مشہور مفہوم کے ساتھ مخصوص اصطلاح صحابہ کرام کے درمیان رائج نہ تھی، یہ دور صحابہ کے بعد بنائی گئی۔۔۔ صحابہ کرام تو فرامین نبویہ کے مطابق اسی پر کاربند تھے کہ اگر تم پر کوئی حبشی غلام بھی امیر بنادیا جائے تو اس کی اطاعت کرنی ہے۔۔۔ اسی لئے اہل سنت کے اکابرین نے لکھا ہے کہ کسی فاسق مسلمان حاکم کے خلاف بھی خروج جائز نہیں۔ (امام نووی نے شرح مسلم میں اس پر اہل سنت کا اجماع لکھا ہے) یہ تو تھی اصولی بات۔۔

اب آیئے حضرت علی (رض) کی خلافت کی طرف۔ حضرت عثمان (رض) کی شہادت کے بعد جس قسم کے حالات ہوئے ان میں صحابہ تین گروہوں میں تقسیم ہوئے، ایک گروہ ان صحابہ کا جنہوں نے برضاء ورغبت حضرت علی (رض) کی بیعت کی اور ان کے ساتھ مل کر لڑائی میں بھی حصہ لیا۔۔۔ (صحابہ کا یہ گروہ قلیل تعداد میں تھا)

دوسرا گروہ وہ جنہوں نے حضرت علی (رض) کی سرے سے بیعت ہی نہ کی یا پہلے یہ سوچ کر بیعت کی کہ آپ قاتلین عثمان (رض) سے قصاص لیں گے، لیکن جب ان کی امید پوری نہ ہوئی تو حضرت علی (رض) کے ساتھ قصاصِ عثمان (رض) پر ان کی جنگ بھی ہوئی، جیسے حضرات طلحہ وزبیر وحضرت معاویہ وعمرو بن العاص وغیرہم (رضی اللہ عنہم اجمعین)۔

صحابہ کا تیسرا گروہ وہ تھا جس نے نہ حضرت علی (رض) کی بیعت کی اور نہ حضرت علی (رض) کی طرف سے یا ان کے خلاف لڑائی میں حصہ لیا، بلکہ غیر جانبدار ہو کر ایک طرف بیٹھ گئے۔۔ان کے پاس نبی کریم (ص) کی وہ احادیث بطور دلیل تھیں کہ "جب فتنہ برپا ہو تو الگ ہو کر بیٹھ جانا" - یہ گروہ اکثریت میں تھا جیسا کہ روایات سے ثابت ہوتا ہے (جیسے ابن سیرین کی روایت).

تو تصویر کچھ یوں بنتی ہے کہ صحابہ کرام کے تین میں سے دو گروہ حضرت علی (رض) کی بیعت نہیں کرتے۔ ان میں سے بڑی تعداد غیر جانبدار رہی اور کچھ نے باقاعدہ حضرت علی (رض) کے مقابلے میں جنگ میں بھی حصہ لیا۔۔اور ذہن میں رہے کہ جنگ جمل وجنگ صفین دونوں میں لشکر کشی حضرت علی (رض) کی طرف سے ہوئی، یہ جھوٹ ہے کہ فریق مخالف نے ان کے خلاف خروج کیا۔ امام ابن تیمیہ نے صاف لکھا ہے کہ : "ولم یکن معاویۃ ممن یختار الحرب ابتداءً" حضرت معاویہ (رض) نے جنگ میں ابتداء نہیں کی تھی (منھاج السنہ، جلد 4 صفحہ 447)۔۔

یہ ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے جس کا انکار کوئی نہیں کرسکتا۔۔ کوئی یہ دعوی نہیں کرسکتا کہ حضرت علی (رض) کی خلافت و بیعت پر اس وقت موجود تمام صحابہ کا اتفاق واجماع ہو گیا تھا۔۔ بلکہ آدھے صحابہ کا اتفاق بھی ثابت نہیں کیا جاسکتا۔۔ (یہ میں نہیں کہتا بلکہ اہل سنت کے اکابرین نے ہی لکھا ہے جیسے امام ابن تیمیہ وغیرہ).

حضرت مجدد الف ثانی (رح) نے لکھا ہے کہ : "اس معاملے میں تنہا نہیں ہیں بلکہ صحابہ کی کم وبیش نصف جماعت اس معاملہ میں حضرت معاویہ کے شریک ہیں" (مکتوبات مترجم اردو، مکتوب نمبر 251)

اس کی وجہ یہی تھی کہ بیعت نہ کرنے والے صحابہ (جن کی تعداد اکثریت میں تھی اور جو گروہ غیر جانبدار اور محاربین دونوں پر مشتمل تھا) ان کے نزدیک چونکہ انہوں نے حضرت علی (رض) کی بیعت نہیں کی اور وہ اپنے آپ کو بھی اہل حل وعقد سمجھتے تھے اس لئے ان کے خیال میں حضرت علی (رض) کی خلافت کا عام انعقاد نہیں ہوا تھا، اس لئے ان پر حضرت علی (رض) کی بیعت کرنا شرعا لازم نہیں تھا (وہ یہی سمجھتے تھے) .

نتیجہ یہ کہ ان کے نزدیک جب حضرت علی (رض) کی خلافت ہی منعقد نہیں ہوئی تو ان کا اسے "خلافت راشدہ" سمجھنا تو بعد کی بات ہے۔۔ لہٰذا یہ سوال کہ انہوں نے ایک خلیفہ راشد کی بیعت نہ کرکے غلطی کی یا نہیں؟ یہاں نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کے خیال میں حضرت علی (رض) کی خلافت کا انعقاد عام نہ ہوا تھا۔

لیکن جہاں تک حضرت علی (رض) کی ذات کا تعلق ہے، وہ سب ان کے ذاتی مناقب وفضائل کے قائل تھے، اور ان کے خلافت کی اہلیت کے بھی قائل تھے۔ وہ لوگ ان کے مد مقابل خلافت کا دعوی لے کر نہیں آئے تھے، حضرات ام المؤمنین عائشہ، طلحہ وزبیر، حضرت سعد واسامہ بن زید وعبد اللہ بن عمر وحضرت معاویہ وعمرو بن العاص (رضی اللہ عنہم) اور ان جیسے بہت سے صحابہ میں سے کسی کا یہ دعوی نہ تھا کہ "حضرت علی (رض) خلافت کے اہل نہیں بلکہ ہمیں خلیفہ بنایا جائے" بلکہ اختلاف کی جڑ حضرت عثمان (رض) کے قاتلین کا حضرت علی (رض) کے لشکر میں ہونا اور ان کا حضرت علی (رض) پر بھی حاوی ہونا تھا، اختلاف قصاص عثمان (رض) پر تھا، انہوں نے یہی کہا تھا کہ آپ کے ارد گرد جو یہ قاتلین عثمان بیٹھے ہیں ان سے قصاص لیں یا انہیں ہمارے حوالے کردیں تو ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں۔۔ تفاصیل کا یہ موقع نہیں۔۔

الغرض! ان بیعت سے دور رہنے والے صحابہ کرام کے نزدیک حضرت علی (رض) کی بیعت وخلافت پر چونکہ تمام اہل حل وعقد کا اتفاق نہیں ہوا تھا اس لئے ان کی خلافت تمام مسلمانوں پر قائم نہیں ہوئی تھی بلکہ صرف ان پر قائم ہوئی تھی جنہوں نے بیعت کرلی۔ اور صرف ان علاقوں میں منعقد ہوئی جن پر ان کا تسلط ہوا۔ ایسا نہیں ہوا کہ ان تمام صحابہ نے آپ کو خلیفہ تسلیم کرکے اور آپ کی برضاء ورغبت بیعت کرکے پھر آپ سے اختلاف یا لڑائی کی ہو

سو یہ جو کچھ لوگ دھوکے کے لیے یہ سوال کرتے ہیں کہ "آپ حضرت علی (رض) کو خلیفہ راشد کس دلیل سے مانتے ہیں؟ اور کیا وہ دلیل ان صحابہ کو معلوم نہیں تھی؟" (سوال کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہم لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جس دلیل سے خلیفہ راشد مناتے ہیں، وہی دلیل ان صحابہ کرام کے زمانے میں بھی موجود تھی جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی، تو اگر اس دلیل سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خلیفہ راشد ہونا ثابت ہوتا ہے تو پھر یہ کیوں نہ مانا جائے کہ ان بیعت نہ کرنے والے صحابہ نے ایک

خلیفہ راشد کی بیعت نہ کرکے واقعی غلطی کی تھی) تو اس کا جواب یہی ہے کہ حضرت علی کو بطور ان کی ذات اور بطور صحابی "راشد" تو قرآن نے کہا ہے۔۔ اور یہ سب صحابہ کو کہا ہے۔ اور جن علاقوں میں ان کی خلافت متمکن ہوئی اور جنہوں نے ان کی بیعت کی ان سب کے لئے وہ بطور صحابی "خلیفہ راشد" ہی تھے اور جن صحابہ نے ان کی بیعت ہی نہ کی ان کے نزدیک تو ان کی خلافت مکمل طور پر منعقد ہی نہیں ہوئی تھی۔۔ لہٰذا ان کے نزدیک ان کی خلافت کا اطلاق ان پر نہیں ہوتا تھا۔

یہ تو دور صحابہ کے بعد دوسرے علماء نے یہ تشریحات کیں کہ فلاں فلاں نص سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی (رض) کی خلافت مکمل طور پر منعقد ہو چکی تھی لہٰذا جنہوں نے بیعت نہ کی اور جو غیر جانبدار رہے ان پر بھی بیعت کرنا لازم تھا، لہٰذا وہ بیعت نہ کرکے باغی ہوئے ، لیکن ان بیعت نہ کرنے والے صحابہ کا یہ موقف نہ تھا۔ وہ جان بوجھ کر بھلا کیوں باغی بنتے؟؟

یہ "بغاوت" کا موضوع بھی بڑا دلچسپ ہے، اگر اصول کے مطابق چلا جائے تو پھر مسلمانوں کا ہر وہ حاکم جو مسلمان ہو چاہے فاسق ہو اور جس کی حکومت تمام علاقوں پر قائم ہو جائے اور مسلمانوں کی اکثریت اس کی بیعت کرلے تو اس کے خلاف خروج بغاوت ہی ہوتا ہے اور جائز نہیں ہوتا (امام نووی نے جمہور اہل سنت کا یہی مسلک بتایا ہے)۔ لیکن ہم یہ اصول حضرت علی (رض) کی بیعت نہ کرنے والوں پر تو لاگو کرتے ہیں جبکہ حضرت علی (رض) کی خلافت مکمل طور پر منعقد و متمکن ہی نہیں ہوئی تھی، کئی بڑے علاقوں پر آپ کا تسلط ہوا ہی نہیں ہوا تھا۔ جمہور صحابہ جن کی بیعت سے الگ رہے اور جن کی خلافت پر ان کے زمانے میں اتفاق نہ ہو سکا لیکن اس دور کے بعد ہم یہ اصول بھول جاتے ہیں۔ بلکہ ہم حضرت عبد اللہ بن زبیر اور حضرت حسین (رضی اللہ عنہم) کو اس اصول سے باغی نہیں کہتے اور نہ ان کے خروج کو ناجائز کہتے ہیں۔۔ اسی لئے ناں کہ یہاں ان کا موقف وہی لیں گے جو ان کا تھا۔ اور وہ اپنی جگہ درست تھا چاہے جمہور صحابہ کے خلاف تھا وہاں ہمیں فقہ کے اصول لاگو نہیں کرنے، ہم یہی کہتے ہیں چونکہ ان حضرات نے یزید کی بیعت ہی نہ کی تھی اس لئے ان کی تحریک بغاوت نہیں تھی (تفصیل پھر کبھی).

امید ہے کہ آپ کو سوال کا جواب مل گیا ہوگا۔

نیز یاد رکھیں جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔۔ نہ ہی جنگ جمل میں حضرت عائشہ وحضرات طلحہ وزبیر (رض) نے حضرت علی (رض) کے خلاف لشکر کشی کی اور نہ ہی جنگ صفین میں حضرت معاویہ (رض) نے لشکر کشی میں پہل کی۔ جنگ جمل میں تو حضرت عائشہ (رض) اور ان کا لشکر غالبا مکہ سے عراق کی طرف جارہا تھا جبکہ حضرت علی (رض) اس وقت مدینہ میں تھے، اگر یہ حضرت علی (رض) کے خلاف خروج ہوتا تو اس طرف ہوتا جہاں وہ موجود تھے۔ جب حضرت علی (رض) کو پتہ چلا تو آپ ان کے خلاف کاروائی کے لئے اس سمت نکلے۔

اسی طرح جنگ صفین میں حضرت علی (رض) نے عراق سے شام کی طرف لشکر کشی فرمائی تھی، حضرت معاویہ (رض) نے عراق کی طرف لشکر کشی نہیں کی تھی، حضرت معاویہ (رض) تو تب سامنے آئے جب علوی لشکر شام کے قریب پہنچ چکا تھا۔

یہ بات اس لئے لکھی کہ کسی کو باغی بنانے کے لئے ضروری ہے کہ یہ ثابت کیا جائے کہ اس نے حاکم یا امیر کے خلاف خروج بھی کیا ہو۔۔ اور جنگ جمل وجنگ صفین میں دونوں مواقع پر لشکر کشی حضرت علی (رض) کی طرف سے ہوئی نہ کہ دوسری طرف سے۔۔

ہم غیر صحابہ کے لئے تو ہر صحابی "راشد" ہی ہے اور ان میں سے جن جن کی خلافت منعقد ہو گئی اور متمکن ہو گئی (چاہے بعض علاقوں میں) تو ہم اس حد تک ان کی خلافت کو "خلافت راشدہ" ہی مانتے ہیں۔

ہم "غیر صحابہ" تو صحابہ کرام کو اپنی نظر سے دیکھتے ہیں اور ہمارے لئے تمام صحابہ کا احترام لازم ہے.

لیکن جو اختلاف صحابہ کے درمیان آپس میں ہوئے، وہاں ہمیں ان دونوں اطراف کے صحابہ کے موقف کو ان کی نظر سے دیکھنا ہے، وہاں ہم صحابہ سے بعد والوں کی یا اپنی تشریحات کو لاگو نہیں کریں گے۔

یہ چند باتیں پیش نظر رہیں تو مفتی وقاص رفیع کی اس سبائی مجلس کی آپ کو صحیح سمجھ آئے گی جو اس نے کتاب کے آخری صفحات میں پڑھی ہے۔۔

# اکابر کے نادان وکیل : (قسط: 20)

------------------

مفتی وقاص رفیع نے اپنی کتاب "حضرت امیر معاویہ (رض) اور عباراتِ اکابر" کے صفحہ نمبر 549 سے حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری (رح) کی چند عبارات پر بات شروع کی ہے، اس وقت میرے سامنے "صحیح بخاری" کا وہ نسخہ ہے جو دمشق یونیورسٹی کے کلیۃ الشریعہ کے استاذ حدیث جناب ڈاکٹر مصطفیٰ دیب البغا کی تحقیق اور بعض الفاظ کی مختصر شرح کے ساتھ "دار طوق النجاۃ" سے شائع شدہ ہے، اس کے ساتھ ہی میرے سامنے علامہ سید انور شاہ صاحب (رح) کی صحیح بخاری کی شرح "فیض الباری" کی جلد 4 کا صفحہ 494 و 495 طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت کھلا ہے۔

صحیح بخاری کا باب ہے "باب ذکر معاویۃ رضی اللہ عنہ" اس میں امام بخاری (رح) یہ دو روایات لائے ہیں:

**3764 - حَدَّثَنَا الحَسَنُ بْنُ بِشْرٍ، حَدَّثَنَا المُعَافَى، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ الأَسْوَدِ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، قَالَ: أَوْتَرَ مُعَاوِيَةُ بَعْدَ العِشَاءِ بِرَكْعَةٍ، وَعِنْدَهُ مَوْلًى لِابْنِ عَبَّاسٍ، فَأَتَى ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ: «دَعْهُ فَإِنَّهُ قَدْ صَحِبَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ»**

**3765 - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ، حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ، حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ، قِيلَ لِابْنِ عَبَّاسٍ: " هَلْ لَكَ فِي أَمِيرِ المُؤْمِنِينَ مُعَاوِيَةَ، فَإِنَّهُ مَا أَوْتَرَ إِلَّا بِوَاحِدَةٍ؟ قَالَ: «أَصَابَ، إِنَّهُ فَقِيهٌ»**

پہلی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ (رض) نے عشاء کے بعد ایک رکعت وتر پڑھے، اس وقت ان کے پاس حضرت ابن عباس (رض) کا ایک غلام موجود تھا، اس نے آکر حضرت ابن

عباس (رض) سے اس بات کا ذکر کیا تو حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: ان کے متعلق کچھ نہ کہو، بے شک انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل رہی ہے..
محقق ڈاکٹر مصطفیٰ دیب نے ان الفاظ کی تشریح یوں کی ہے کہ:
"(دعه) اترك القول فيه والإنكار عليه. (صحب رسول الله) أي فهو عالم بدين الله تعالى وعارف بالفقه"
اس بات کو رہنے دو اور ان کے اس عمل کو غلط نہ سمجھو، کیونکہ وہ صحابی ہیں، اس لیے وہ اللہ کے دین کا خوب علم رکھتے ہیں اور فقہ کی معرفت رکھتے ہیں.

دوسری روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس (رض) سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ امیر المؤمنین معاویہ (رض) کے اس عمل کے بارے میں کچھ کہنا چاہتے ہیں کہ انہوں نے ایک رکعت وتر پڑھے؟ تو حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: انہوں نے ٹھیک اور درست کام کیا، کیونکہ وہ فقیہ ہیں...
ڈاکٹر مصطفیٰ دیب اس کے نیچے لکھتے ہیں:
"(أصاب) وافق السنة. (فقيه) عالم في شرع الله عز وجل ويعرف الفقه في الدين"
"اصاب" کا مطلب ہے کہ انہوں نے سنت کے مطابق کام کیا، اور "فقیہ" کا مطلب ہے کہ وہ اللہ کی شریعت کے جاننے والے اور دین کی فقہ کا علم رکھتے ہیں.
قارئین محترم! ان دونوں روایات کو آپ خود صحیح بخاری میں پڑھ سکتے ہیں، حضرت ابن عباس (رض) نے حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں "دعه فانه قد صحب رسول الله صلى الله عليه وسلم" اور "اصاب، إنه فقيه" کے الفاظ سے حضرت معاویہ (رض) کے حق میں بیان دیا ہے نہ کہ ان کے خلاف... اور جس نے آکر آپ سے حضرت معاویہ (رض) کے اس عمل کی خبر دی اسے یہ سمجھا دیا کہ اس بات کو لے کر حضرت معاویہ (رض) پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں..
حافظ ابن حجر عسقلانی (رح) نے اس روایت کی شرح میں یوں لکھا ہے:

**"وَقَوْلُهُ دَعْهُ أَيِ اتْرُكِ الْقَوْلَ فِيهِ وَالْإِنْكَارَ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ قَدْ صَحِبَ أَيْ فَلَمْ يَفْعَلْ شَيْئًا إِلَّا بِمُسْتَنَدٍ وَفِي قَوْلِهِ فِي الرِّوَايَةِ الْأُخْرَى أَصَابَ إِنَّهُ فَقِيهٌ مَا يُؤَيِّدُ ذَلِكَ"**

حضرت ابن عباس (رض) نے جو "دعه" فرمایا، اس کا مطلب ہے کہ اس بات کو لے کر ان پر اعتراض نہ کرو کیونکہ وہ صحابی رسول ہیں.. یعنی انہوں نے جو بھی کیا ہے ضرور اس کی کوئی دلیل ان کے پاس ہوگی، دوسری روایت میں "اصاب انه فقيه" سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے... (فتح الباری، ج 7 ص 104 دار المعرفۃ بیروت)

قارئین محترم! علامہ سید انور شاہ صاحب کشمیری (رح) نے "فیض الباری" جلد 4 صفحہ 494 و 495 پر پہلے تو یہی دو روایات نقل کی ہیں (میرے سامنے فیض الباری کا جو نسخہ دار الکتب العلمیۃ بیروت کا ہے اس میں صحیح بخاری کی دوسری روایت میں موجود "اصاب" کے الفاظ نہیں ہیں، شاید طباعت کی غلطی سے رہ گئے ہوں کیونکہ آگے شرح میں اصاب کے الفاظ بھی موجود ہیں. واللہ اعلم)، اس کے بعد شاہ صاحب ان روایات کی شرح میں فرماتے ہیں:

**"قوله : اوتر معاوية بعد العشاء بركعة ....... الى قوله: دعه، فانه قد صحب رسول الله صلى الله عليه وسلم. وفي رواية : (اصاب ، انه فقيه) . قلتُ: وليس فيه تصويب له، بل اغماض ونحو تسامح عنه. وعند الطحاوي: فقام معاوية ، فركع ركعة واحدة ، فقال ابن عباس: من أين ترى أخذها الحمار؟، وراجع تمام البحث في "كشف الستر" فان الكلمة شديدة"**

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباس (رض) کے اس قول "اصاب انه فقيه" میں حضرت معاویہ (رض) کی تصویب وتائید نہیں بلکہ چشم پوشی اور تسامح ہے (یعنی حضرت ابن عباس نے صرف پردہ پوشی کے لیے یہ الفاظ کہہ دیے_ناقل)، اور (امام) طحاوی (رح) نے یوں روایت نقل کی ہے کہ: حضرت معاویہ (رض) کھڑے ہوے، تو انھوں نے ایک رکعت وتر نماز پڑھی، ابن عباس (رض) نے کہا: اس حمار (حمار، عربی میں گدھے کو کہتے ہیں_ناقل) نے یہ کہاں سے لے لی؟ بے شک یہ سخت کلمہ ہے. (حوالہ بالا)

قارئین محترم! میں گزارش کروں گا کہ آپ دوبارہ صحیح بخاری کی دونوں روایات کے الفاظ پر غور فرمائیں، ان میں آپ کو "دعه فانه صحب رسول الله صلى الله عليه وسلم" اور "اصاب انه فقيه" کے الفاظ ہی ملیں گے ... وہاں کوئی ایسا اشارہ نہیں کہ حضرت ابن عباس (رض) نے یہ الفاظ صرف مخاطب کے سامنے حضرت معاویہ (رض) کی چشم پوشی اور ان کی عزت رکھنے کے لیے کہے ہوں، یا کسی خوف یا ڈر کی وجہ سے ایسا کہا ہو... لیکن حضرت شاہ صاحب جو اپنی رائے پیش فرما رہے ہیں اس میں وہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس (رض) نے ایسا صرف چشم پوشی کرتے ہوئے اور تسامحاً فرمایا تھا، اور ساتھ ہی اپنی اس بات کی تائید میں طحاوی کی ایک روایت پیش کردی جس میں حضرت ابن عباس (رض) کی طرف یہ بات منسوب ہے کہ آپ نے حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں "حمار" (یعنی گدھے) کا لفظ بولا تھا.. حضرت شاہ صاحب نے یہاں خود یہ تسلیم کیا کہ یہ لفظ بہت سخت ہے لیکن آپ نے ایک تو یہاں صحیح بخاری کی روایات کی شرح کرتے ہوئے بلاوجہ اور بلاضرورت طحاوی کی یہ روایت پیش فرمائی اور پھر اس پر کوئی تبصرہ بھی نہیں کیا کہ یہ صحیح ہے یا نہیں؟ جس سے یہ سمجھ آتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے نزدیک ترجیح اسی بات کو ہے کہ حضرت ابن عباس (رض) نے ان الفاظ سے حضرت معاویہ (رض) کی تصویب وتائید نہیں فرمائی بلکہ صرف ان چشم پوشی کی ہے اور اپنی اس بات کی تائید میں شاہ صاحب نے طحاوی کی یہ "حمار" والی روایت ذکر کردی ...

قارئین محترم! حضرت شاہ صاحب کا، حضرت ابن عباس (رض) کی بات کے بارے میں یہ فرمانا کہ یہ حضرت معاویہ (رض) کی تصویب نہیں ... یہ شاہ صاحب کا تسامح ہے.. اور مزے کی بات، خود مفتی وقاص رفیع نے اسی بحث میں یہ تسلیم کیا ہے کہ:

"حضرت ابن عباس (رض) کا سابقہ قول "اصاب معاوية" بالکل درست ہے، اور اس کے متعارض جو روایت لائی گئی ہے اگر وہ واقعی متعارض ہے تو وہ یقینا صحیح نہیں" (حضرت امیر معاویہ (رض) اور عباراتِ اکابر، صفحہ 558)

پھر اسی صفحے پر آگے لکھتے ہیں:

"اب اس چیز پر مندرجہ ذیل قرائن ذکر کیے جاتے ہیں کہ حضرت ابن عباس (رض) نے حضرت معاویہ (رض) کے اس فعل "اوتر برکعة واحدة" کی تصویب کی ہے، یہ بالکل صحیح ہے اور دیگر کئی روایات اور واقعات سے اس کی تائید ہوتی ہے، یعنی حضرت ابن عباس (رض) نے حضرت معاویہ (رض) کی تغلیط و تردید ہر گز نہیں کی تھی کہ وہ آپ کو سخت اور درشت الفاظ کہتے" (آگے مفتی وقاص نے حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں حضرت ابن عباس (رض) کے مختلف توصیفی اقوال خود ذکر کیے ہیں) (دیکھیں: مفتی وقاص رفیع کی کتاب کا صفحہ 558 تا 561) .

قارئین محترم! یہ ہیں مفتی وقاص رفیع، جو اپنے آپ کو حضرت علامہ سید انور شاہ صاحب (رح) کا وکیل دفاع بتاتے ہیں، دیکھیں کیسے صریح الفاظ میں لکھ رہے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ (رض) کی تصویب ہی فرمائی تھی.... جبکہ حضرت شاہ صاحب نے تو صاف لکھا ہے کہ: ولیس فیه تصویب له.... کہ حضرت ابن عباس (رض) کے الفاظ میں حضرت معاویہ (رض) کی تصویب ہر گز نہیں ........ تو ہم اب کس کی بات کو درست سمجھیں؟ حضرت شاہ صاحب کی رائے کو؟ یا ان کے (خود ساختہ وکیل) مفتی وقاص رفیع کی بات کو؟؟ فیصلہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں ...اگر ہم شاہ صاحب کی بات کو درست سمجھتے ہیں تو ان کا (خود ساختہ وکیل) غلط ہوتا ہے، اور اگر وکیل صاحب کی بات کو لیتے ہیں تو یہ وکیل صاحب خود اپنے "اکابر" کے گستاخ و بے ادب" ثابت ہوتے ہیں...

اب آپ سوچ رہے ہوں گے کہ کیا مفتی وقاص رفیع نے حضرت شاہ صاحب (رح) کی اس بات کا کوئی جواب بھی دیا ہے یا نہیں؟ تو آیئے دیکھتے ہیں کیا جواب دیا ہے:

لکھتے ہیں: (جواب کا خلاصہ)

"حضرت شاہ صاحب کی کس عبارت سے مترشح ہوتا ہے کہ انہوں نے طحاوی کی توہین معاویہ (رض) پر مبنی روایت کو صحیح بخاری کے روایت کے مقابلہ میں راجح قرار دیا ہے؟ حضرت شاہ صاحب نے تو صرف ایک موضوع پر دو مختلف روایات نقل فرمائی ہیں، ایک بخاری کی اور دوسری طحاوی کی، اور طحاوی کی روایت کے بارے میں فرمایا کہ : فان الكلمة شديدة" ترجمہ : کہ اس روایت میں لفظ حمار والا کلمہ سخت ہے، گویا اس عبارت میں تو حضرت صاحب نے طحاوی کی روایت کو مرجوح اور سخت کلمہ والی روایت کہہ دیا ہے اور بخاری کی روایت پر کوئی تبصرہ ہی نہیں فرمایا، کیا ایک ہی موضوع سے متعلق مختلف روایات نقل کرنا اور بعض کو بعض کے مقابلے میں زیادہ صحیح اور راجح قرار دینا مبنی بر توہین ہوتا ہے"؟

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب : صفحہ 556)

قارئین محترم! مفتی وقاص رفیع نے اپنے اس جواب میں ایک نہیں کئی دھوکے دیے ہیں، آپ پہلے پڑھ چکے ہیں صحیح بخاری کی روایت میں حضرت ابن عباس (رض) نے حضرت معاویہ (رض) کی تصویب "اصاب انه فقيه" کے الفاظ سے فرمائی تھی، اس کے بارے میں حضرت شاہ صاحب (رح) نے صاف لکھا کہ "یہ تصویب نہیں ہے"... اس کے فوراً بعد شاہ صاحب نے طحاوی کی "حمار" والی روایت بظاہر اپنی اس رائے کے حق میں ہی لائی ہے تاکہ اس بات کو ترجیح دی جائے کہ یہ واقعی تصویب نہیں تھی.. آپ شاہ صاحب کی یہ پوری عبارت دوبارہ پڑھ لیں.. پھر شاہ صاحب نے اس روایت میں لفظ "حمار" کے بارے میں لکھا کہ یہ سخت کلمہ ہے.. یعنی "اصاب" سے بہت سخت ہے.. جس سے بظاہر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ میری بات درست ہے کہ "اصاب" سے حضرت ابن عباس (رض) کی مراد حضرت معاویہ (رض) کی تصویب نہ تھی، ورنہ دوسری روایت میں اتنا سخت کلمہ "حمار" نہ فرماتے...

مفتی وقاص رفیع صاحب نے خود طحاوی کی اس روایت کو "توہین معاویہ رضی اللہ عنہ پر مبنی روایت" تسلیم کیا ہے... تو کیا شاہ صاحب کا یہ تسامح نہیں کہ ایک تو انہوں نے بلاوجہ صحیح بخاری کی روایت میں لفظ "اصاب" کے بارے میں فرمایا کہ "یہ تصویب نہیں"، پھر بلا ضرورت طحاوی سے توہین حضرت معاویہ (رض) پر مبنی

(باقرار مفتی و قاص رفیع) روایت بھی پیش فرمادی اور صرف لفظ "حمار" کو سخت تو کہہ دیا لیکن اس روایت کے بارے میں کچھ نہ فرمایا... کیا یہ تمام اشارات اس طرف اشارہ نہیں کرتے کہ شاہ صاحب کے نزدیک راجح یہی ہے کہ حضرت ابن عباس (رض) نے حضرت معاویہ (رض) کی تصویب نہیں فرمائی تھی؟؟؟ اور انہوں نے طحاوی کی روایت اس لیے نہیں ذکر کی کہ وہ اس موضوع پر تمام روایات نقل کرنا چاہتے تھے، بلکہ انہوں نے اپنے اس "تسامح پر مبنی" موقف کی تائید میں یہ روایت نقل فرمائی، ورنہ طحاوی شریف میں یہیں اور روایات بھی ہیں جن میں لفظ "حمار" نہیں، وہ شاہ صاحب نے نقل کیوں نہ فرمائیں؟ .

اور مفتی و قاص رفیع خود آگے "طحاوی" کی اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ :
"طحاوی شریف کی جس روایت میں حضرت ابن عباس (رض) نے حضرت معاویہ (رض) کو لفظ "حمار" سے تعبیر کیا ہے اس روایت کا کوئی متابع نہیں، لہٰذا یہ روایت شاذ اور اہل فن کے نزدیک ناقابل قبول ہے" (پھر مفتی و قاص رفیع نے تین وجوہات اس روایت کے ناقابل قبول ہونے کی ذکر کی ہیں) (دیکھیں مفتی و قاص رفیع کی کتاب: صفحہ 561)
بلکہ اس سے پہلے یہ بھی لکھا ہے کہ : "معلوم ہوا کہ اصل روایت میں یہ لفظ (یعنی حمار_ناقل) منقول نہیں بلکہ بعد میں کسی راوی نے اپنی جانب سے روایت میں اضافہ کر دیا ہے" (حوالہ بالا)

اب میرا سوال ہے کہ اس بات کا انکشاف مفتی و قاص رفیع پر ہی ہوا کہ یہ "حمار" والی طحاوی کی روایت "شاذ" اور "اہل فن کے نزدیک ناقابل قبول" ہے؟؟ یا حضرت شاہ صاحب (رح) کو بھی اس کا علم تھا؟ مفتی و قاص رفیع اچھی طرح سوچ سمجھ کر اس کا جواب دیں.

یہاں مفتی و قاص رفیع نے ایک عنوان یہ بھی باندھا ہے:
"طحاوی شریف میں بعض قابل اعتراض عبارات کا علمی و تحقیقی جائزہ"

اس کے تحت لکھتے ہیں کہ :

"امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح معانی الآثار میں بعض ایسی روایات نقل کی ہیں کہ جن میں حضرت معاویہ (رض) اور حضرت ابن عباس (رض) کے بارے میں بعض شنیع قسم کے الفاظ مذکور ہیں، مناسب معمول ( صحیح لفظ "معلوم" ہے_ ناقل) ہوتا ہے کہ پہلے ان روایات کا علمی و تحقیقی جائزہ لیا جائے، اور پھر بفرض صحت روایات ہذا کی کوئی معقول اور مناسب توجیہ پیش کی جائے تاکہ الجھا ہوا معاملہ کسی طرح سلجھ جائے"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 556)

اس کے بعد مفتی وقاص رفیع نے امام طحاوی کی نقل کردہ روایات پر مفصل بحث کی ہے، جن میں سب سے اہم بات یہ ہمارے سامنے آئی کہ امام طحاوی (رح) نے حضرت ابن عباس (رض) کے حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں اس قول کو کہ "اصاب انه فقیه" (انہوں نے درست کیا، وہ فقہ ہیں) کو "تقیہ" پر محمول کیا ہے.. یعنی امام طحاوی یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس (رض) نے یہ الفاظ اس لیے بولے کہ وہ حضرت معاویہ (رض) کے دور خلافت میں تھے یعنی انہیں خوف تھا، اور وہ ان کی مخالفت نہیں کر سکتے تھے... ہماری رائے میں امام طحاوی (رح) کی یہ رائے نہ صرف حضرت معاویہ (رض) کے حق میں نامناسب ہے بلکہ حضرت ابن عباس (رض) کے حق میں بھی درست نہیں .... ہم اسے امام طحاوی (رح) کا تسامح نہ کہیں تو کیا کہیں؟.

مفتی وقاص رفیع نے آگے خوامخواہ کئی صفحات یہ بتانے کے لئے سیاہ کیے ہیں کہ حضرت سید انور شاہ صاحب (رح) نے جو حضرت ابن عباس (رض) کی بات "اصاب انه فقیه" کے بارے میں یہ فرمایا کہ "یہ حضرت ابن عباس نے چشم پوشی کے لیے اور تسامحاً" فرمایا تھا اس کا کیا مطلب ہے؟ نیز جو امام طحاوی (رح) نے اسے حضرت ابن عباس (رض) کا "تقیہ" لکھا ہے اس سے کیا مراد ہے...

چنانچہ حضرت شاہ صاحب کی بات کی توجیہ یوں کی ہے کہ :

"اس کا مطلب ہے کہ اگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ فرمادیتے کہ حضرت معاویہ (رض) نے غلط کیا ہے تواس سے حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں طعن و تشنیع اور ہدف و تنقید کا نیا باب کھل جاتا، اس لیے حضرت ابن عباس (رض) نے سائل کو خاموش کرنے کی نیت سے "اغماض و تسامح" سے کام لیا اور حضرت معاویہ (رض) کے اس فعل کی بظاہر تصویب فرمائی اور اعتراض کرنے والے کو بتا دیا کہ وہ ایک مجتہد اور فقیہ ہیں، انہوں نے اپنے اجتہاد سے یہ کام کیا ہے، گو کہ رکعات وتر کی تعداد کے بابت حضرت ابن عباس (رض) کا مذہب حضرت معاویہ (رض) سے یکسر مختلف ہے، اور حضرت معاویہ (رض) کا مذہب آپ کی نظر میں مرجوح ہے، لیکن اس سب کے باوجود حضرت ابن عباس (رض) نے اغماض وتسامح اور چشم پوشی سے کام لیتے ہوئے حضرت معاویہ (رض) کی ذات بابرکات کو طعن و تشنیع اور قدح وملامت کا محل بننے سے محفوظ رکھا"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 566و567)

قارئین محترم! مفتی وقاص رفیع نے شاید ایک ہی بات کو گھما پھرا کر بار بار لکھنے کا نام جواب رکھا ہوا ہے، وہ چونکہ چنانچہ کی بھول بھلیاں لکھ کر سمجھتے ہیں کہ انہوں نے جواب دے دیا... ان کی اس ساری عبارت کا دو لفظوں میں یہی تو مطلب ہے کہ: حضرت شاہ صاحب (رح) کی یہی رائے ہے کہ حضرت ابن عباس (رض) نے حضرت معاویہ (رض) کی تصویب نہیں فرمائی (جبکہ صحیح بخاری میں "اصاب" کے واضح لفظ ہیں) بلکہ انھیں "طعن و تشنیع" سے بچانے کے لیے "بظاہر" تصویب فرمائی... یہ "بظاہر" کا لفظ بھی مفتی وقاص رفیع کی چالاکیوں میں سے ایک چالاکی ہے...

لیکن یہاں میرے ذہن میں ایک نکتہ آیا ہے ...... مفتی وقاص رفیع نے لکھا ہے کہ "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی نظر میں اگرچہ حضرت معاویہ (رض) کا یہ اجتہاد مرجوح تھا اور اس بارے میں آپ کا مذہب حضرت معاویہ (رض) سے یکسر مختلف تھا، لیکن اس کے باوجود انہوں نے حضرت معاویہ (رض) کو طعن و تشنیع سے بچانے کی خاطر یہ الفاظ فرمائے کہ "اصاب" (انہوں نے درست کیا)... تو کیا مفتی وقاص رفیع

اینڈ کمپنی حضرت معاویہ (رض) اور حضرت علی (رض) کے مشاجرے میں بھی جسے وہ خود "اجتہادی" ہی تسلیم کرتے ہیں... حضرت ابن عباس (رض) کے نقش قدم پر چلتے ہوے حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ "اصاب انه فقيه"؟؟ بات سمجھنے کی ہے... لیکن ان کی سمجھ میں آئے گی جن کے دل میں بغض معاویہ (رض) نہیں... اگر حضرت ابن عباس (رض) یہ جانتے ہوئے کہ (بقول مفتی وقاص رفیع) حضرت معاویہ (رض) کا ایک وتر پڑھنے کا یہ عمل میرے نزدیک درست نہیں، میرے اجتہاد کے خلاف ہے.. ان کے بارے میں "اصاب انه فقيه" فرما سکتے ہوں... کیا اس سے یہ مسئلہ نہیں نکل سکتا کہ "دونوں مجتہدوں کے بارے میں "اصاب" یا "مصيب" کہا جا سکتا ہے"؟؟ جیسے ظاہر ہے یہاں اگر واقعی بقول مفتی وقاص، حضرت ابن عباس (رض) اور حضرت معاویہ (رض) کا اس مسئلہ میں اجتہاد ایک دوسرے سے یک سر مختلف تھا... اور یقینا مفتی وقاص رفیع کے نزدیک دونوں میں سے صرف ایک کا اجتہاد ہی درست ہوگا، دوسرے کا غلط ہوگا... اور مفتی وقاص رفیع کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس (رض) کا اجتہاد اس مسئلہ میں درست تھا.. تو اس کے باوجود حضرت ابن عباس (رض) کا حضرت معاویہ (رض) کو "اصاب" کہنا درست ہوگا یا غلط؟؟ چلیں فرض کرلیں طعن و تشنیع سے حضرت معاویہ (رض) کو بچانے کے لیے ہی سہی... تو کیا مفتی وقاص اینڈ کمپنی دوسرے "اجتہادی" مشاجرات میں حضرت معاویہ (رض) کو طعن و تشنیع سے بچانے کے لیے "اصاب" نہ سہی.. توقف و امساک ہی کا مسلک اختیار کر سکتے ہیں یا نہیں؟؟؟

آگے مفتی وقاص رفیع نے حضرت حسن بصری (رح) کی طرف منسوب ایک غیر مستند قول کے بارے میں پھر بحث شروع کی ہے، کیونکہ شاہ صاحب کشمیری (رح) نے اسی کتاب "فیض الباری" میں ایک جگہ حضرت مغیرہ بن شعبہ (رض) کا ذکر کرتے ہوئے حضرت حسن بصری (رح) کی طرف منسوب یہ قول ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ:

**"وكان المغيرة من دهاة العرب ، حتى قال الحسن البصري : أفسد الناس اثنان**

، المغیرۃ و عمرو بن العاص" (مغیرۃ "دہاتِ عرب" میں سے تھے، یہاں تک کہ حسن بصری نے کہا کہ : لوگوں میں سب زیادہ فساد مچانے والے دو ہیں، ایک مغیرہ بن شعبہ اور دوسرے عمرو بن العاص)

(فیض الباری، ج 4 ص 79 کتاب الشہادات، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

اور یہاں بھی شاہ صاحب نے اس پر کی تبصرہ نہیں فرمایا کہ آیا حسن بصری (رح) سے یہ قول ثابت بھی ہے یا نہیں؟؟؟

مفتی و قاص رفیع کو اس بات کا بھی غصہ ہے کہ اس بات کو لے کر بھی کیوں شاہ صاحب پر اعتراض کیا جاتا ہے، کہتے ہیں کہ انہوں نے تو صرف حسن بصری (رح) کا قول نقل کیا ہے؟ اور انہوں نے اس روایت پر کوئی تبصرہ کرنا مناسب نہ سمجھا..

(دیکھیں مفتی و قاص رفیع کی کتاب: صفحہ 570 ومابعد)

قارئین محترم! جب بھی کوئی مصنف کسی سیاق و سباق میں کوئی ایسی بات ذکر کرے کہ فلاں نے یہ بات کہی ہے اور اس پر کوئی تبصرہ کیے بغیر آگے چلے تو اس سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ اسے اس بات پر کوئی اعتراض نہیں، شاہ صاحب نے بھی حسن بصری(رح) کی طرف منسوب اس قول کو "حتی قال الحسن البصری ...." سے بیان کیا اور آگے چلے ... لہٰذا کم از کم ان کا اتنا تسامح تو ہے کہ انہوں نے اس غیر مستند قول کے بارے میں یہ بھی نہ لکھا کہ یہ سنداً صحیح نہیں، جبکہ اس قول میں دو جلیل القدر صحابہ کرام کی تنقیص ہے... خود مفتی و قاص رفیع نے حضرت حسن بصری (رح) کی طرف منسوب اس قول پر تفصیلی لکھا ہے اور اسکی سند کے ایک راوی "زحر بن حصن" کے "مجہول" ہونے کے حوالے پیش کرکے آخر میں نتیجہ نکالا ہے کہ:

"مذکورہ بالا تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ قدح صحابہ رضی اللہ عنہ پر مشتمل زیر بحث مذکورہ بالا روایت نہ تو پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے اور نہ ہی اس کی نسبت معروف اور ہر دل عزیز مشور تابعی حضرت امام حسن بصری (رح) کی طرف صحیح معلوم ہوتی ہے، بلکہ یہ روایت مجہول، نا قابل اعتبار اور درجہ احتجاج سے ساقط ہے، واللہ اعلم"

(مفتی و قاص رفیع کی کتاب: صفحہ 580)

لہٰذا جب یہ روایت خود مفتی وقاص رفیع کی تحقیق کے مطابق ناقابل اعتبار ٹھہری تو پھر کیا حضرت شاہ صاحب کشمیری (رح) کا یہ تسامح نہیں کہ آپ نے یہ قول ذکر کردیا جبکہ بقول مفتی وقاص رفیع بھی "اس روایت میں قدح صحابہ" ہے؟؟ اور پھر شاہ صاحب نے یہ بھی نہیں فرمایا کہ یہ روایت پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی؟؟ تو اگر کسی نے اسے شاہ صاحب کا تسامح اور سہو کہہ دیا تو اس پر مفتی وقاص رفیع "گستاخ اکابر" کی پھبتی کیوں کستے ہیں؟؟

مفتی وقاص رفیع کے مبلغ علم، جہالت اور "دجل" کا ایک نمونہ

---

قارئین محترم! مفتی وقاص رفیع نے یہاں ایک عنوان باندھا ہے: "تاکید المدح بما یشبہ الذم" اور اس کے نیچے دو پیراگراف یہ ثابت کرنے کے لیے لکھے ہیں کہ "یہ الفاظ تو شاہ صاحب نے حضرت مغیرہ بن شعبہ (رض) کی تعریف اور مدح کے طور پر نقل کیے ہیں اور یہ بھی تعریف و مدح کی ایک قسم ہے کہ بظاہر الفاظ سے ذم اور برائی نظر آتی ہے لیکن در حقیقت وہ تعریف و توصیف ہوتی ہے.. ...آپ مفتی وقاص رفیع کی یہ تحریر پڑھیں اور ان کی ذہنی حالت زار کا اندازہ لگائیں، لکھتے ہیں:

"دہاۃ اصل میں کہتے ہیں چالاک اور ہوشیار آدمی کو جسے کوئی دوسرا شخص دھوکہ نہ دے سکے اور وہ اپنی ذہانت و زیرکی کے سبب کسی کے نرغے میں نہ آتا ہو (مفتی وقاص کو یہ بھی علم نہیں کہ دھاۃ ... جمع ہے "داھیۃ" کی، جو کہ "دھاء" سے ہے، اور "دھاء" کہتے ہیں "عقل" کو یوں "داھیۃ" کہتے ہیں "عقل مند آدمی" کو، دیکھیں: لسان العرب: باب الدال المھملۃ، ج 14 ص 275 دار صادر بیروت_ ناقل) حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو یہ لفظ نقل کیا ہے تو اس سے حضرت شاہ صاحب کا ان کی تعریف و توصیف کرنا اور ان کا مقام صحابیت بیان فرمانا مقصود ہے کہ وہ کوئی عام اور سادہ قسم کے آدمی نہیں تھے کہ دوران جنگ کسی کے دھوکے اور نرغے میں آجاتے بلکہ وہ تو جنگ کے جملہ امور اور اس کی خفیہ چالوں کے سمجھنے میں بڑے ہوشیار اور چالاک اور زیرک قسم کے آدمی تھے، اس ضمن میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: بلکہ حضرت حسن بصری (رح) نے تو یہاں تک

کہہ دیا ہے کہ : لوگوں میں سب سے زیادہ فساد پھیلانے والے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہیں.....

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اس قول کے نقل کرنے سے یہ مقصد ہر گز نہیں ہے کہ وہ ان دونوں حضرات کو مفسد اور فتنہ پرداز سمجھتے ہیں، بلکہ مقصد صرف ان کی ہوشیاری بتانا تھا، اس لیے انہوں نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کردیا، اور چوں کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے مقام و مرتبہ کے پیش نظر اس بات پر یقین کرنا خاص مشکل ہے (کہ انہوں نے ایسا فرمایا ہو_ناقل) اس لیے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے (بجائے اس قول کی تردید کرنے یا یہ فرمانے کے کہ حضرت حسن بصری سے ایسی بات کا صدور مشکل ہے_ناقل) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں ان کی اس روایت پر تبصرہ کرنا کوئی ضروری خیال نہیں فرمایا" (مفتی و قاص رفیع کی کتاب: صفحہ 571)

قارئین محترم! آپ نے یہ دونوں پیراگراف پڑھے؟آپ کو کچھ سمجھ آئی؟ مفتی وقاص رفیع ہمیں یہ منطق سمجھا رہے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب تو حضرت مغیرہ بن شعبہ (رض) کی تعریف و توصیف فرما رہے ہیں، اور اسی تعریف و توصیف کو بیان فرماتے ہوے انہوں نے حضرت حسن بصری (رح) کا یہ قول لکھا ہے کہ : "لوگوں میں سب سے زیادہ فساد پھیلانے والے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہیں"... لاحول ولا قوۃ الا باللہ... اور پھر مفتی صاحب ساتھ یہ بھی سمجھانا چاہتے ہیں کہ "اس بات کا یقین کرنا کہ ایسی تعریف و توصیف حضرت حسن بصری جیسی بلند مرتبہ شخصیت سے صادر ہوئی ہو خاصا مشکل ہے" (اگر یہ تعریف و توصیف ہے تو پھر حضرت حسن بصری سے یہ الفاظ صادر ہونے کا یقین کیوں مشکل ہے؟_ناقل) اسی وجہ سے شاہ صاحب نے حضرت حسن بصری (رح) کے دفاع میں اس روایت پر کوئی تبصرہ کرنا ضروری خیال نہ کیا...

تو مفتی و قاص رفیع کی اس "مفتیانہ" منطق کا خلاصہ یہ نکلا کہ جن تنقیصی الفاظ کا حضرت حسن بصری (رح) کے بلند مرتبہ شخصیت سے صدور کا یقین کرنا ہی مشکل ہے، انہی الفاظ کو بیان کرکے حضرت شاہ صاحب (رح) نے حضرت مغیرہ بن شعبہ (رض) اور حضرت عمرو بن العاص (رض) کی تعریف و توصیف فرمائی ہے اور ان کا مقام صحابیت بیان فرمایا ہے.. بتائیں یہ حضرت شاہ صاحب کی وکالت ہے یا ان پر جرح ہے؟؟؟

پھر مفتی و قاص رفیع نے چونکہ اپنی کتاب میں شاہ صاحب (رح) کی عربی عبارت غلط نقل کی تھی کہ اصل لفظ ہیں "وكان المغيرة من دهاة العرب" (مغیرہ تو عرب کے عقل مند لوگوں میں سے ہیں)، لیکن مفتی و قاص نے "العرب" کی جگہ "الحرب" لکھ ڈالا، جس کا ترجمہ بنتا ہے "مغیرہ، جنگی امور کے بارے میں عقل و ہوشیاری والے تھے"، مفتی و قاص رفیع نے اسی غلطی کی بنیاد پر آگے یہ تشریح کی ہے کہ "شاہ صاحب نے جو یہ لفظ نقل کیا ہے اس سے حضرت شاہ صاحب کا ان کی تعریف و توصیف کرنا اور ان کا مقام صحابیت بیان فرمانا مقصود ہے کہ وہ کوئی عام اور سادہ قسم کے آدمی نہیں تھے کہ دوران جنگ کسی کے دھوکے اور نرغے میں آجاتے بلکہ وہ تو جنگ کے جملہ امور اور اس کی خفیہ چالوں کے سمجھنے میں بڑے ہوشیار اور چالاک اور زیرک قسم کے آدمی تھے"، جبکہ یہاں "جنگ" یا "حرب" کا کوئی ذکر اذکار سرے سے ہے ہی نہیں، مفتی و قاص رفیع نے "فیض الباری" دیکھی ہی نہیں اور پہلے "العرب" کو "الحرب" سے تبدیل کیا اور پھر "جنگی امور" کا ذکر لے بیٹھے ... ایسی عقل پر، ایسے علم پر، اور ایسی اکابر کی وکالت پر رونے کے سوا کیا ہی کیا جاسکتا ہے؟.

اہم نوٹ: قارئین محترم! یہاں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مفتی و قاص رفیع نے باقاعدہ تحقیق کے بعد حضرت حسن بصری (رح) کی طرف منسوب اس روایت کو مجہول راوی کی بیان کردہ اور ناقابل اعتماد لکھا ہے اور ثابت کیا ہے ... لیکن وہ کہتے ہیں نہ کہ "جھوٹے کا حافظہ نہیں ہوتا" .. یہی مفتی و قاص رفیع اپنی اسی کتاب میں پہلے "شیخ عبدالحق محدث دہلوی" کی عبارات کی بحث میں ان کا دفاع کرتے ہوئے یہ لکھ چکے ہیں: (شیخ عبدالحق دہلوی نے بھی حضرت حسن بصری (رح) کی طرف منسوب یہی قول اپنی کتاب میں نقل کیا تھا، جس پر اعتراض کیا گیا تھا)، وہاں مفتی و قاص نے لکھا تھا:

"اور اس بات میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ حضرت عمرو بن العاص نے حضرت علی کو ناکام بنانے کی جو تدبیر (تحکیم) اختیار کی تھی وہ واقعتاً امت میں چند در چند فتنوں اور رخنوں کے پیدا ہونے کا سبب بنی تھی"......

(پھر مفتی وقاص رفیع نے اپنے حق میں مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی کتاب سے ایک اقتباس نقل کرنے کے بعد لکھا تھا)

"ان الفاظ سے خود معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ تحکیم کی تجویز کو پیش کر رہے تھے ان کی نیتوں میں خلوص نہیں تھا (یعنی حضرت عمرو بن العاص اور دوسرے صحابہ کی نیتوں کو اب مفتی وقاص جیسا آج کا لونڈا ٹٹول رہا ہے_ناقل) اور وہ وقتی طور پر اس بہانہ سے اپنا کام نکالنا چاہتے تھے، اور حضرت علی (رض) بھی اچھی طرح سمجھتے تھے کہ یہ تحکیم کی پیش کش نیک نیتی پر مبنی نہیں بلکہ خدع وفریب پر مبنی ہے (دیکھیں اس لونڈے کی صحابہ کرام کی طرف خدع وفریب کی نسبت_ناقل)"

آگے لکھا تھا:

"نتیجہ اس کا بھی اسلام کے حق میں نہایت خطرناک نکلا جس کا سب سے زیادہ الم ناک پہلو یہ تھا کہ اب تک مسلمانوں میں حضرت علی (رض) اور حضرت معاویہ (رض) کے حامیوں کی دو جماعتیں تھیں (اس مفتی کو علم ہی نہیں کہ سب سے بڑی جماعت تو ان صحابہ کی تھی جو غیر جانبدار رہے تھے_ناقل)، اب خوارج کے نام سے ایک اور فرقہ پیدا ہو گیا جو دونوں کا شدید مخالف اور دشمن تھا، اب ذرا تصور کیجیے! حضرت علی (رض) کو ناکام کرنے کی ایک تدبیر (تحکیم) جو فاتح اجنادین عمرو بن العاص (رض) کے دماغ نے سوچی تھی کس طرح امت میں چند در چند فتنوں اور رخنوں کے پیدا ہونے کا سبب ہوئی"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب کے صفحات 456 تا 458)

مفتی وقاص کو چاہیے کہ وہ یہ شعر گنگنائیں:

اچھا تھا گھر کی آگ بجھانے میں مرتے ہم

افسوس! اپنی جان بچانے میں مر گئے

# اکابر کے نادان وکیل : (قسط 21)

-------------------

مفتی وقاص رفیع نے اپنی کتاب "حضرت امیر معاویہ (رض) اور عباراتِ اکابر" کے صفحہ نمبر 581 سے حضرت مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی (رح) کے ایک فتوے میں حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں لکھے گئے چند الفاظ پر بات شروع کی ہے، تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب (رح) کے پاس ایک استفتاء آیا جس میں چند دیگر امور کے علاوہ یہ سوال بھی کیا گیا کہ :

"حضرت معاویہ (رض) کی نسبت غصبِ خلافت کا الزام نیز یزید کو آپ کا ولی عہد سلطنت باوجود اس کے فسق و فجور کے بنانا جس کو بعض سنی بھی کہتے ہیں کس حد تک درست ہے" (کفایۃ المفتی، جلد 1 صفحہ 238، دار الاشاعت کراچی)

چنانچہ اس استفتاء کے مذکورہ سوال کے جواب میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب (رح) نے جو جواب تحریر فرمایا وہ یہ ہے:

"حضرت امیر معاویہ (رض) نے حضرت امام حسن (رض) سے صلح کر لی تھی اور اس کے بعد وہ جائز طور پر خلافت کے حامل تھے، انہوں نے یزید کے لیے بیعت لینے میں غلطی کی، کیونکہ یزید سے بہتر اور اولی وافضل افراد موجود تھے...."

(کفایت المفتی، جلد 1 صفحہ 238)

اس عبارت میں مفتی صاحب نے حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں صراحتاً لکھا ہے کہ "انہوں نے یزید کے لئے بیعت لینے میں غلطی کی"، (واضح رہے کہ لفظ صرف "غلطی" لکھا ہے، اجتہادی غلطی نہیں لکھا_ناقل).

قارئین محترم! مفتی صاحب کا یوں ایک جلیل القدر صحابی کی طرف "قطعی غلطی" کی نسبت کرنا محل نظر ہے، امام ابو عبداللہ محمد بن احمد القرطبیؒ (م 671ھ) لکھتے ہیں

**"لَا يَجُوزُ أَنْ يُنْسَبَ إِلَى أَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ خَطَأٌ مَقْطُوعٌ بِهِ، إِذْ كَانُوا كُلُّهُمُ اجْتَهَدُوا فِيمَا فَعَلُوهُ وَأَرَادُوا اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ، وَهُمْ كُلُّهُمْ لَنَا أَئِمَّةٌ"**

کسی صحابی کی طرف قطعی طور پر غلطی کی نسبت کرنا جائز نہیں کیونکہ ان سب نے جو کیا وہ اس میں مجتہد تھے اور ان کا ارادہ اللہ کی رضا تھی، وہ سب ہمارے امام ہیں.

(الجامع لأحکام القرآن للقرطبیؒ، ج 19، ص 382 و 383، مؤسسۃ الرسالۃ)

اور یہاں مفتی کفایت اللہ دہلوی (رح) جس چیز کو حضرت معاویۃ (رض) کی غلطی لکھ رہے ہیں اس بات پر اُس وقت موجود صحابہ کرام کی اکثریت نے ان کی رائے سے اتفاق کیا تھا، جتنے بھی تاریخی مصادر دیکھ لیں، آپ کو صرف چار (یا بعض جگہ پانچ) صحابہ کے بارے میں ہی یہ ملے گا کے انہوں نے ولی عہدی کی اس تجویز سے اختلاف کیا، کوئی چھٹا نام نہیں ملے گا، اور جب حضرت معاویہ (رض) کا انتقال ہو گیا اور یزید کی امارت کے لیے بیعت کا وقت آیا تو ان چار یا پانچ میں سے بھی ہمیں صرف دو (حضرت حسین و حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم) ہی ایسے ملتے ہیں جو اپنے اختلاف پر قائم رہے... یوں جب مفتی کفایت اللہ صاحب (رح) یہ لکھتے ہیں کہ: "حضرت معاویہ (رض) نے یزید کی بیعت لینے میں غلطی کی" تو وہ تمام صحابہ کرام و تابعین بھی اس غلطی میں شامل ہو جاتے ہیں جو ولی عہدی کی تجویز کے مشورے میں حضرت معاویہ (رض) کے ساتھ شریک تھے، اور جنہوں نے ولی عہدی کی بیعت سے اختلاف نہ کیا اور جنہوں نے بعد میں یزید کی امارت کی بیعت کی.... حضرت مفتی صاحب (رح) کے فتوے کی زد میں یہ سب آتے ہیں، اور اس فتوے کی رو سے ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ اس وقت موجود صحابہ کرام و تابعین کی اکثریت نے اس غلطی پر اتفاق کر لیا.

ہم سمجھتے ہیں کہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب (رح) کے یہ الفاظ جن میں انہوں نے حضرت معاویہ (رض) کی طرف قطعی غلطی کی نسبت کی ہے، اس وقت کے جمہور صحابہ و تابعین کے حق میں مفتی صاحب کا تسامح ہے...

پھر مفتی صاحب نے اس غلطی کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ "کیوں کہ یزید سے بہتر اور اولی و افضل افراد موجود تھے"، مفتی صاحب کی یہ بات بھی محل نظر ہے، کیونکہ اہل سنت کے نزدیک یہ ضروری نہیں کہ جو مرتبے میں سب سے افضل و اولی ہو اسے ہی امیر یا خلیفہ بنایا جائے، امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی (رح) لکھتے ہیں کہ:

"خلیفہ کے لیے اپنے زمانے میں سب سے افضل ہونا بھی ضروری نہیں، بلکہ صرف یہ دیکھنا ہوگا کہ مقاصد خلافت اس سے انجام پائیں" (مجموعہ تفسیر آیات قرآنی، "تحفہ خلافت" صفحہ 79، مطبوعہ تحریک خدام اہل سنت جہلم)

نیز لکھتے ہیں:

"خلیفہ کے لیے اپنے زمانے میں سب سے افضل ہونا بھی ضروری نہیں، بلکہ اگر دو شخص ہوں، ایک افضل دوسرا مفضول، لیکن مفضول میں مقاصد خلافت انجام دینے کی قابلیت افضل سے زیادہ ہو تو ایسی صورت میں مفضول کو خلیفہ بنانا اولی ہے"

(حوالہ بالا، صفحہ 80)

غور کریں! کبھی غیر افضل کو خلیفہ بنانا "اولی" بھی ہوتا ہے..

لہٰذا مفتی کفایت اللہ صاحب (رح) کی یہ وجہ بھی ان کی انفرادی رائے تو ہو سکتی ہے، اہل سنت کا یہ مسلک نہیں کہ خلیفہ صرف وہی بن سکتا ہے جو سب سے افضل و اولی ہو، اس لیے یزید کی ولی عہدی کو حضرت معاویہ (رض) کی "غلطی" بتانا درست نہیں، ہاں اگر مفتی صاحب نے اپنی رائے یہ دی ہوتی کہ "ان کی رائے میں یہ غیر اولی تھا" تو بات اور تھی، لیکن یہاں تو اسے صاف "غلطی" لکھا ہے. جو اس وقت کے جمہور صحابہ کرام کے موقف کے بھی خلاف ہے.

اب بجائے اس کے کہ مفتی وقاص رفیع، مفتی کفایت اللہ (رح) کے ان الفاظ کو "غیر محتاط" یا ان کا "تسامح" تسلیم کرتے، انہوں نے الٹا اس کی دور از کار تاویلیں شروع کر دیں، ملاحظہ ہوں:

سب سے پہلے مفتی وقاص رفیع نے یہ لکھا ہے کہ:

"تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس غلطی سے رائے، تدبیر، اور نتائج کی اجتہادی غلطی مراد ہے، جس پر بعض صحابہ و تابعین حضرات نے محض مسلمانوں کو باہمی افتراق و انتشار اور خانہ جنگی سے بچانے کے لیے ایک نیک مصلحت کے تحت یزید کی ولی عہدی کی بیعت کر لی تھی" (مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 584)

میں اسے یہاں مفتی وقاص رفیع کا "دجل" ہی کہوں گا، وہ کس درجہ دھوکہ دہی کا ثبوت دے رہے ہیں کہ "<u>بعض صحابہ</u> نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت کر لی تھی"، میرا مفتی وقاص رفیع اینڈ کمپنی کو کھلا چیلنج ہے کہ جب حضرت معاویہ (رض) نے اپنی زندگی میں یزید کی ولی عہدی کی تجویز صحابہ کے سامنے رکھی تو مجھے چار یا پانچ کے سوا کسی ایک صحابی کا نام بتائیں جس نے ولی عہدی کی اس تجویز سے اختلاف کیا ہو اور یہ بیعت نہ کی ہو؟؟ دیدہ باید... حافظ ابن کثیر (رح) لکھتے ہیں:

"فَبَايَعَ لَهُ النَّاسُ فِي سَائِرِ الْأَقَالِيمِ، إِلَّا عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ أَبِي بَكْرٍ وَعَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ وَالْحُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ وَعَبْدَ اللَّهِ بْنَ الزُّبَيْرِ وَابْنَ عَبَّاسٍ"

(حضرت معاویہ (رض) نے جب اپنے بیٹے یزید کے لیے بیعت لینے کی تحریک شروع کی) تو تمام صوبوں میں تمام لوگوں نے اس کی بیعت کر لی سوائے ان پانچ حضرات کے، حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت حسین بن علی حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین) (البدایۃ والنہایۃ، جلد 11 صفحہ 307 دار ہجر للطباعۃ)

جناب مفتی وقاص رفیع صاحب! آپ کو ایسے جھوٹ زیب نہیں دیتے، اور پھر کیا آپ کو ان 99% فیصد صحابہ و تابعین نے خود یہ بتایا ہے کہ انہوں نے اس ولی عہدی کی بیعت پر اتفاق صرف خانہ جنگی کی وجہ سے کیا تھا؟؟؟ خدا کا خوف کریں، غیر صحابہ اکابر کے تسامحات اور غلطیوں کا دفاع کرتے ہوئے جھوٹ تو نہ بولیں..

اور قارئین محترم! جھوٹے کا حافظہ نہیں ہوتا، یہاں آپ نے دیکھا کہ مفتی وقاص رفیع لکھتے ہیں کہ "بعض صحابہ نے یہ بیعت کرلی تھی"... اور پھر اسی صفحے پر اگلے پیراگراف میں لکھتے ہیں کہ:

"اس لیے بعض صحابہ نے یزید کی اس نامزدگی کی خوب کھل کر مخالفت کی"

(دیکھیں مفتی وقاص رفیع کی کتاب کا صفحہ 584)

اب اگر مفتی وقاص رفیع کی پہلی بات درست ہے کہ "یزید کی ولی عہدی کی بیعت بعض صحابہ وتابعین نے کی تھی" تو یہاں مفتی موصوف لکھ رہے ہیں کہ "بعض صحابہ نے اس نامزدگی کی مخالفت کی"....... یعنی اس کی بیعت بھی بعض نے کی، اور مخلفت بھی بعض نے.... کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی.

اور یہاں یہ بات بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ جن چار یا پانچ حضرات صحابہ نے شروع میں یزید کی ولی عہدی کی تجویز کی مخالفت کی تھی انہوں نے بھی یزید کی ذات کی وجہ سے نہ کی تھی، بلکہ تاریخ کی کتب کھنگال لیں، ان کا اختلاف اس طریق ولی عہدی پر تھا نہ کہ یزید کی ذات پر... اور پھر حضرت معاویہ (رض) کی وفات کے بعد جب عملی طور پر یزید کی امارت کی بیعت ہوئی تو ان پانچ میں سے ایک حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر (رض) تو وفات پاچکے تھے، باقی چار میں سے حضرت عبداللہ بن عمر (رض) نے یزید کی بیعت کرلی تھی، اور حضرت عبداللہ بن عباس (رض) کے بارے میں بھی آتا ہے کہ انہوں نے بھی بیعت کرلی تھی، باقی صرف دو حضرات بچتے ہیں تمام صحابہ میں سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما، ان کے علاوہ کوئی تیسرا صحابی مفتی وقاص رفیع نہیں بتا سکتے جس نے یزید کی بیعت کی مخالفت کی ہو...

حافظ ابن حجر عسقلانی (رح) ایک جگہ حضرت عبداللہ بن عمر (رض) کے یزید کی بیعت کرنے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

" وَبَايَعَ لِابْنِهِ يَزِيدَ بَعْدَ مَوْتِ مُعَاوِيَةَ لِاجْتِمَاعِ النَّاسِ عَلَيْهِ"

حضرت عبداللہ بن عمر (رض) نے حضرت معاویہ (رض) کی وفات کے بعد آپ کے بیٹے یزید کی بیعت کرلی کیونکہ اس پر لوگوں کا اتفاق ہو چکا تھا. (فتح الباری، جلد 13 صفحہ 195 المکتبۃ السلفیۃ)

لیجئے! حافظ ابن حجر تو یہ لکھ رہے ہیں کہ حضرت معاویہ (رض) کی وفات کے بعد یزید کی امارت پر لوگوں کا اجماع ہو چکا تھا... اب مفتی وقاص رفیع کی مانیں یا ان اکابر کی؟؟ ذرا سوچ کر جواب دیں.

پھر دوبارہ مفتی وقاص رفیع نے اسی دجل کا ثبوت دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:
" باقی رہی بات ان بعض صحابہ و تابعین کی جنہوں نے یزید کی بیعت کی تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان حضرات نے محض مسلمانوں کو باہمی افتراق و انتشار اور خانہ جنگی سے بچانے کے لیے ایک نیک مصلحت کے تحت بحالات موجودہ یزید کی بیعت کی تھی"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 584)
یہاں پھر مفتی وقاص رفیع نے لفظ "بعض صحابہ" لکھا ہے، جبکہ وہ یا ان کے پیچھے بیٹھے پردہ نشین یزید کی ولی عہدی کی بیعت سے اختلاف کرنے والوں میں پانچ کے علاوہ کوئی چھٹا نام نہیں بتا سکتے، اور یزید کی امارت کی بیعت نہ کرنے والوں میں دو کے علاوہ کوئی تیسرا اصحابی نہیں بتا سکتے... یہ ہمارا چیلنج ہے.. ہاں اگر مفتی وقاص رفیع کے نزدیک اس وقت صرف پانچ چھ صحابہ ہی زندہ تھے تو پھر یقینا "پانچ صحابہ" جمہور صحابہ ہی بنتے ہیں، اور پھر یزید کی امارت کی بیعت کے وقت اگر صرف تین صحابہ ہی زندہ تھے تو پھر یقینی طور پر "دو صحابی" جمہور ہی بنتے ہیں، لیکن اگر اس وقت صحابہ کی تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی، اور یقینی طور پر زیادہ تھی تو پھر مفتی وقاص رفیع کا یزید کی ولی عہدی کی بیعت کرنے والوں کو "بعض صحابہ" بتانا یقینا انتہائی درجے کا دجل و فریب ہے جو اس "سبائیت گزیدہ" گروہ کا خاصہ ہے.
پھر دھوکہ دہی دیکھیں کہ یہ راگ الاپا جاتا ہے کہ "ان صحابہ نے بیعت کی تھی انہوں نے صرف خانہ جنگی اور فتنہ سے بچنے کے لیے بیعت کی تھی"... میرا مفتی وقاص رفیع اینڈ کمپنی سے سوال ہے کہ یہ بات آپ کو ان بیعت کرنے والا صحابہ کرام نے خود بتائی ہے کہ ہم اس بیعت سے متفق تو نہیں لیکن ہم صرف خانہ جنگی سے بچنے کے لیے بیعت کر رہے ہیں، یا یہ مفتی وقاص رفیع اور ان کے پیران و مرشدین کی اپنی رائے ہے؟؟؟ اگر

ان صحابہ کرام نے یہ خود فرمایا ہے تو ان سب کی زبان سے یہ بات ثابت کریں.. یا اپنی بات ان کے منہ میں ڈالنے کی کوشش نہ کریں.

قارئین محترم! ہماری بحث یہاں یزید کی ذات سے ہر گز نہیں، اور نہ ہی یہاں ہم اس پر بات کر رہے ہیں کہ وہ اچھا تھا یا برا، ہم نے یہ چند گزارشات صرف مفتی وقاص رفیع کی علمی خیانت بتانے کے لیے کر دی ہیں.

آگے مفتی وقاص رفیع نے دو تین ایسے حوالے پیش کیے ہیں کہ فلاں نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ (رض) کے لیے افضل یہ تھا کہ وہ اس معاملے کو شوری کے سپرد کر دیتے.. لیکن اس بات کا مفتی کفایت اللہ صاحب (رح) کے فتوے میں لکھے الفاظ سے کیا تعلق؟؟؟ بفرض محال اگر ایک منٹ کے لیے یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت معاویہ (رض) نے ایک افضل و اولی کام کی جگہ غیر افضل لیکن ہر لحاظ سے جائز کام کیا تو کیا اسے "غلطی" کہا جائے گا؟؟ یا "غیر مستحسن و غیر اولی"؟؟ اور پھر ہماری رائے یہ ہے کہ اُس وقت کے حالات کے تناظر میں حضرت معاویہ (رض) نے ہر گز کوئی غیر اولی کام بھی نہیں کیا اور نہ یہ ان کی رائے کی غلطی تھی، اہل سنت کے نزدیک خلیفہ کا سب سے افضل ہونا ضروری ہی نہیں، اور اس میں حضرت معاویہ (رض) کو اس وقت کے جمہور صحابہ و تابعین کی تائید بھی حاصل ہوئی تھی.
آخر میں مفتی وقاص رفیع پھر اپنی تکلیف کا یوں اظہار کرتے ہیں کہ:
"پس ثابت ہوا کہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کا حضرت معاویہ (رض) کے اس اقدام کو غلط کہنا اپنی جگہ بالکل صحیح اور درست ہے، اس لیے کہ اہل سنت والجماعت صحابہ کرام کے بارے میں عصمت کا عقیدہ نہیں رکھتے، بلکہ ان کے گناہ و معصیت کے صدور کے قائل ہیں، البتہ انھیں مغفور ضرور مانتے ہیں.. لیکن یہاں پر تو گناہ اور معصیت کا نام بھی نہیں بلکہ غلطی کا ذکر ہے، تو اس میں شک ہی کیا ہے کہ یہ حضرت معاویہ (رض) کی ایک اجتہادی غلطی تھی کہ انہوں نے یزید جیسے شخص کو اپنا ولی عہد مقرر کیا، جس نے خلافت کو ملوکیت میں بدل دیا اور اس کے عہد میں ایسے بدترین نتائج برآمد ہوئے کہ جن کا تصور کرنا بھی مشکل ہے، بالخصوص

واقعہ کربلا، جنگ حرہ اور کعبہ پر سنگ باری یہ ایسے واقعات ہیں کہ انہوں نے پوری دنیائے اسلا کو لرزہ براندام کردیا"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 585 — 586)

تو قارئین محترم! یہ ہیں مفتی وقاص رفیع کے اصلی اندر کے جذبات ... میں اس پر کچھ زیادہ لکھنا نہیں چاہتا..
لیکن صرف مفتی وقاص رفیع کو آئینہ دکھانے کے لئے ان کی خدمت میں ایک استفتاء لکھتا ہوں ... :

جی بالکل اہل سنت، صحابہ کرام کے بارے میں عصمت کا عقیدہ نہیں رکھتے، اور صحابہ کرام میں وہ چند چار پانچ حضرات بھی شامل ہیں جنہوں نے ولی عہدی کی اس تجویز سے اختلاف کیا تھا، اور وہ دو بھی ہیں جنہوں نے یزید کی بیعت نہ کی بلکہ اس کے خلاف خروج کیا... تو مفتی صاحب! ذرا فتویٰ دیں اس شخص کے بارے میں جو کہے کہ: میرے نزدیک ولی عہدی کی اس تجویز سے اختلاف کرنے والوں سے اجتہادی غلطی ہوئی، اور اسی طرح حضرت حسین (رض) اور حضرت عبداللہ بن زبیر (رض) سے بھی اجتہادی غلطی ہوئی... نیز حرہ کے واقعہ میں بیعت توڑ کر حاکم وقت کے خلاف خروج کرنے والوں سے بھی اجتہادی غلطی ہوئی... ان اجتہادی غلطیوں کی وجہ سے ایسے واقعات ہوئے جنہوں نے پوری دنیائے اسلام کو لرزہ براندام کردیا، اور کئی قیمتی جانوں کا ضیاع ہوا، ہم اسے صرف ان چند حضرات کی اجتہادی غلطی ہی کہتے ہیں کوئی معصیت یا گناہ نہیں کہتے، اور اہل سنت کے نزدیک صحابہ کرام معصوم نہیں، ان سے تو گناہ بھی ہو سکتا ہے".

تو فرمائیں مفتی وقاص رفیع صاحب! جمہور صحابہ سے ان چند اختلاف کرنے والے صحابہ کرام کی طرف اس بارے میں "اجتہادی غلطی" منسوب کرنے والوں پر آپ "یزیدی" یا "ناصبی" کا فتویٰ تو نہیں ٹھوکیں گے؟؟ اگر آپ اپنے آپے سے باہر ہو جائیں گے اور یقینا ہو جائیں گے تو فرمائیں کہ یہ جو آپ بار بار یہ آوازہ کستے ہیں کہ "اہل سنت کے نزدیک کوئی صحابی معصوم نہیں، اس لیے اگر کسی نے حضرت معاویہ کی طرف غلطی یا گناہ کی نسبت کردی تو اس میں کیا غلط ہے" یہ قانون صرف حضرت معاویہ (رض) اور ان جمہور صحابہ کے لئے ہی ہے جنہوں نے یزید کی ولی عہدی سے اتفاق کیا، یا اس قانون کا اطلاق کوئی ان چار پانچ صحابہ پر بھی کر سکتا ہے جنہوں نے اختلاف کیا؟؟ یاد رکھیں! اصول سب کے لیے ہوتے ہیں.. بینوا توجروا.

مفتی وقاص رفیع نے ایک بات یہ بھی لکھی ہے کہ :

" اس میں شک ہی کیا ہے کہ یہ حضرت معاویہ (رض) کی ایک اجتہادی غلطی تھی کہ انہوں نے یزید جیسے شخص کو اپنا ولی عہد مقرر کیا، جس نے خلافت کو ملوکیت میں بدل دیا"

تو ہم عرض کرتے ہیں کہ ، اسی یزید کے بیٹے "معاویہ ثانی" نے اپنے آپ کو خلافت سے الگ کرلیا اور مسلمانوں کی خلافت ان کے سپرد کردی تھی... یوں اگر حضرت معاویہ (رض) یا یزید بن معاویہ نے آپ کے بقول "خلافت کو ملوکیت میں تبدیل کردیا تھا" تو انھیں حضرت معاویہ (رض) کے پوتے اور اسی یزید کے بیٹے نے اپنی ملوکیت کو واپس کردیا تھا.. اس کے بعد تمام مسلمانوں کا فرض تھا کہ وہ اسے واپس خلافت میں تبدیل کرلیتے .......... لہٰذا خلافت کو ملوکیت میں تبدیل کرنے کی قیامت تک کی ذمہ داری حضرت معاویہ (رض) یا یزید پر نہیں ڈال جاسکتی.. اور یہ بھی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ "یزید بن معاویہ" نے کسی کو بھی اپنا جانشین یا ولی عہد مقرر نہیں کیا تھا، تفصیل کا یہ مقام نہیں..اب یہ مفتی وقاص تحقیق کرکے بتائیں کہ اس کے بعد مسلمان "امارت" کو واپس "خلافت" میں تبدیل کیوں نہ کرسکے؟.

# اکابر کے نادان وکیل: (قسط: 22)

------------------

قارئین محترم! صحابہ کرام (رض) جس مقدس گروہ کا نام ہے وہ امت کے عام افراد امت کی طرح نہیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے درمیان ایک خاص واسطہ ہونے کی وجہ سے ایک خاص امتیازی مقام اور عام امت سے امتیاز رکھتے ہیں، یہ مقام وامتیاز ان کو قرآن وسنت کی نصوص وتصریحات سے عطا ہوا ہے اور اسی لئے امت کا اس پر اجماع ہے، اس کو تاریخ کی صحیح وسقیم روایات کے انبار میں گم نہیں کیا جاسکتا.
بقول حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (رح) "اگر کوئی روایت ذخیرہ احادیث میں بھی ان کے اس مقام و شان کو مجروح کرتی ہو تو وہ بھی قرآن وسنت کی نصوص صریحہ اور اجماع امت کے مقابلے میں مجروح و متروک ہوگی، تاریخی روایات کا تو کہنا ہی کیا ہے" (مقامِ صحابہ، ص 31).

اس میں کوئی شک نہیں کہ جماعت صحابہ کے تمام افراد مرتبہ و مقام اور فضیلت کے لحاظ سے برابر نہیں، سابقون اولون کا اپنا مقام ہے، بدری صحابہ کرام کی اپنی فضیلت ہے، عشرہ مبشرہ کا اپنا مرتبہ ہے، لیکن "مرتبہ صحابیت" میں تمام برابر ہیں، فرق مراتب اپنی جگہ لیکن قرآن وسنت میں صحابہ کرام کے جو عمومی فضائل و مناقب بیان ہوے ہیں ان میں ہر صحابی بلا امتیاز داخل ہے. "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" اور "وکلا وعد اللہ الحسنی" جیسے الہی تمغے پوری جماعت صحابہ کے لیے ہیں.
یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ قرآن وحدیث میں جہاں بھی صحابہ کرام کے کسی خاص گروہ یا طبقہ کی صحابہ کرام کی دوسری جماعت پر کسی فضیلت کا ذکر ہے تو اسے یوں نہیں بیان کیا گیا کہ "فلاں گروہ، فلاں گروہ سے کم تر ہے" بلکہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ "فلاں گروہ، دوسرے سے برتر ہے" مثلاً جہاں فتح مکہ سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں اور قتال کرنے والوں اور فتح مکہ کے بعد خرچ کرنے اور قتال کرنے والوں کا ذکر ہے تو، پہلے گروہ کے بارے میں "الئك اعظم درجة من الذين انفقوا من بعد وقاتلوا" کے الفاظ ہیں (کہ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور قتال کیا، وہ بعد میں خرچ کرنے اور قتال کرنے والوں سے درجہ

میں بڑے ہیں)، اسے یوں نہیں بیان کیا کہ "بعد میں انفاق کرنے اور قتال کرنے والے، پہلے کرنے والوں سے درجے میں کم ہیں"، اور ساتھ ہی آگے "وکلاً وعد اللہ الحسنی" بھی فرمایا ہے کہ (اللہ نے اچھائی کا وعدہ سب سے کر رکھا ہے)... جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کہیں صحابہ کرام کے درمیان انفرادی مقام و مرتبہ بیان کرنے کی ضرورت پیش آئے تو اسے یوں تعبیر کیا جائے گا کہ مثلاً "حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، صحابہ کرام میں سب سے افضل ہیں"، تعبیر یوں نہ کی جائے کہ "تمام صحابہ کرام، حضرت ابوبکر سے کم درجے کے ہیں".

خاص طور پر غیر صحابہ کے لیے تو اس بات کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ وہ صحابہ کرام کے مراتب بیان کرتے ہوئے احتیاط برتیں اور ایسی تعبیرات نہ اختیار کریں جن کے الفاظ سے کسی بھی صحابی کی تنقیص نکل سکتی ہو، کہ ہم غیر صحابہ کو تو تمام صحابہ کرام کا احترام اور ذکر بالخیر کا حکم ہے.

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ کبھی علم و فضل میں بڑی ہستی سے بھی لفظی تعبیرات کی حد تک ایسے کلمات نکل جاتے ہیں جن کا مقصد شاید کسی صحابی کی تنقیص تو نہیں ہوتا، لیکن وہ الفاظ اور تعبیر بظاہر ایسی ہوتی ہے کہ اس سے تنقیص کا گمان ہوتا ہے، تسامحات کسی سے بھی ہو سکتے ہیں، اگر اہل سنت کے نزدیک صحابہ کرام معصوم نہیں جن کو "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" کی سند مل چکی تو غیر صحابہ اکابر و بزرگان سے تسامح اور غلطی کیوں نہیں ہو سکتی جن کے لیے تو اللہ نے ایسی کوئی سند بھی نہیں دی؟.

مفتی وقاص رفیع نے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 587 سے امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی (رح) کی طرف منسوب چند عبارات پر بات شروع کی ہے، آیئے ان کا جائزہ لیتے ہیں.

مولانا قاضی مظہر حسین صاحب (رح) نے بروایت مولانا محمد منظور نعمانی (رح) حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی (رح) کا ایک قول بایں الفاظ نقل کیا ہے کہ آپ نے حضرت علی مرتضی (رض) اور حضرت معاویہ (رض) کے درجات کا فرق بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سابقین اولین کی بھی پہلی صف کے اکابر میں ہیں، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ صحابی ہونے کی حیثیت سے ہمارے سر کے تاج ہیں لیکن حضرت علی مرتضی (رض) سے ان کی کیا نسبت، ان کی مجلس میں اگر صف نعال میں بھی حضرت معاویہ (رض) کو جگہ مل جائے تو ان کے لئے سعادت اور باعث فخر ہے"

(امام اہل سنت کے مختصر حالات زندگی، بقلم قاضی مظہر حسین صاحب، تحفہ خلافت، صفحہ 15 و 16، مطبوعہ تحریک خدام اہل سنت جہلم)

ہمارے خیال میں کسی بھی دو صحابہ کے درمیان درجہ و مرتبہ کے بیان کے لیے ایسی تعبیر مناسب نہیں، کہ "فلاں صحابی کو تو اگر فلاں صحابی کی مجلس میں صف نعال میں بھی جگہ مل جائے تو ان کے لیے سعادت کی بات ہے"... ذہن میں رہے کہ "نعال" جمع ہے "نعل" کی، اور "نعل" جوتے کو کہا جاتا ہے، یوں "صف نعال" کا مطلب ہے "جوتوں کی صف"... بلکہ مجھے یقین ہے کہ اگر بالفرض میں یوں کہوں کہ "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو جلیل القدر صحابی ہیں، مولانا عبدالشکور لکھنوی، مولانا محمد منظور نعمانی اور قاضی مظہر حسین صاحبان کا علم و فضل اور بزرگی ہمارے سر آنکھوں پر، لیکن حضرت معاویہ (رض) سے انھیں کیا نسبت؟ ان کی مجلس میں اگر ان حضرات کو صف نعال میں بھی جگہ مل جائے تو ان کے لیے سعادت اور فخر کا باعث ہے" تو مفتی وقاص رفیع اینڈ کمپنی کو میری یہ تعبیر بھی اچھی نہیں لگے گی.. اور شاید وہ مجھ پر ان اکابر کی بے ادبی کا فتویٰ بھی لگا دیں.. اگرچہ یہاں ایک "صحابی" اور خیر القرون کے بہت بعد کے غیر صحابہ اکابر کا موازنہ کیا گیا ہے... اب آپ خود اندازہ فرمالیں کہ مولانا لکھنوی (رح) کی یہ تعبیر (کم از کم تعبیر اور الفاظ کی حد تک) نامناسب ہے یا نہیں؟؟ جبکہ وہ ایک ہی جماعت یعنی "صحابہ" کے دو افراد کا موازنہ کر رہے ہیں... جو

دونوں "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" اور "وکلا وعد اللہ الحسنی" کے خطاب رکھتے ہیں... کیا یہاں "حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مجلس (مجلس نبوی نہیں_ناقل) کی صف نعال میں جگہ ملنے کا ذکر.. اور وہ بھی "اگر" کے ساتھ مناسب تھا؟ وہ بھی ایک صحابی رسول (ص) کے بارے میں؟؟ اور پھر ایسے الفاظ کہ "حضرت علی (رض) سے ان کو کیا نسبت"؟ جبکہ وہ دونوں ایک ہی جماعت صحابہ سے تعلق رکھتے ہیں.

بے شک حضرت علی (رض) قدیم الاسلام ہیں، خلفاء ثلاثہ کے بعد تمام مسلمانوں سے افضل ہیں، لیکن حضرت معاویہ (رض) مفضول ہونے کے باوجود ان کی مجلس کی "صف نعال" میں نہیں آتے، حضرت علی (رض) کی منقبت اور فضیلت بیان کرنے کے لیے ایسی تعبیرات کی ضرورت ہی نہیں، اور نہ ہی حضرت معاویہ (رض) کا مقام گھٹا کر پیش کرنے اور انھیں حضرت علی (رض) کی مجلس کی "صف نعال" میں رکھنے سے حضرت علی (رض) کی فضیلت میں کوئی اضافہ ہوتا ہے.

کوئی منافق ہی حضرت علی (رض) کے فضل و شرف میں شک کر سکتا ہے، وہ یقینا علم و فضل اور تقوی کے پہاڑ ہیں، مگر حضرت معاویہ (رض) کے شرف صحابیت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر کتابت اور دیگر خدمات انجام دینے کے علاوہ بالخصوص حجۃ الوداع کے موقع پر طواف زیارت کی ادائیگی کے لیے منی سے مکہ آتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف بننے (ایک ہی سواری پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیچھے بیٹھنے) کی سعادت حاصل کرنے والے صحابی کو حضرت علی (رض) کی مجلس کی "صف نعال" میں جگہ دینا اور وہ بھی "اگر جگہ مل جائے" کی مشروط تعبیر کے ساتھ "نامناسب" اور "غلو" ہی ہے، یہ بات اگر واقعی مولانا لکھنوی (رح) نے یوں ہی فرمائی ہے جیسے روایت کی جاتی ہے تو ہم اس تعبیر کو مولانا کا "تسامح" ہی کہتے ہیں.

صحابہ کرام کو اس نقطۂ نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے کہ ہر ایک دوسرے کے ساتھ کیسا تھا، بلکہ انہیں اس زاویہ نظر سے دیکھنا چاہئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ کیسے تھے؟.

اور حیرت کی بات یہ ہے کہ مولانا لکھنوی (رح) کی اس تعبیر کو بعض حضرات نے جن میں مولانا لکھنوی کے نبیرہ پروفیسر عبد الحیی لکھنوی بھی شامل ہیں مولانا لکھنوی کا اعتدال، مسلک وسط اور سب سے بڑا امتیاز قرار دیا ہے..

نوٹ : مولانا لکھنوی کی طرف منسوب اس مقولہ کو پاکستان میں "حب اہل بیت" کی آڑ میں صحابہ کرام پر تنقید کے لیے مشہور بعض لوگوں نے خاص طور پر نقل کیا ہے، جنہوں نے پاکستان میں ایسا لٹریچر ڈھونڈھ کر خاص اہتمام سے شائع کروایا ہے جس میں حضرت معاویہ (رض) اور ان کے ساتھیوں کی تنقیص پائی جاتی ہے ... (تفصیل پھر کبھی).

مفتی وقاص رفیع نے مولانا لکھنوی (رح) کی اس تعبیر کا دفاع کرتے ہوئے سب سے پہلے جو عنوان باندھا ہے اس پر غور فرمائیں:

"امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کے زیر بحث قول کی مختلف توجیہات"

یعنی مفتی وقاص رفیع بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ مولانا لکھنوی کی یہ تعبیر" قابل توجیہ " ہے.... اس کے بعد "امام اہل سنت کے زیر بحث جملہ کی بہترین توجیہ "کے عنوان سے مفتی وقاص رفیع نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ : "صف نعال" کا ترجمہ "جوتوں کی صف" کرنا غلط ہے، بلکہ علماء لغت نے اس کا ترجمہ اس صف سے سے کیا ہے جو باہر کی جانب اہل مجلس کے جوتے اتارنے کی جگہ سے متصل ہو" اور اس پر مفتی وقاص رفیع نے غیاث اللغات کا حوالہ دیا ہے.

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 591) .

قارئین محترم! مفتی وقاص رفیع کان ایک طرف سے پکڑیں یا دوسری طرف سے، کوئی فرق نہیں پڑتا، جب آپ خود یہ نقل کر رہے ہیں کہ "صف نعال" وہ صف ہوتی ہے جو اصل مجلس سے باہر اس جگہ پر ہوتی ہے جہاں اہل مجلس جوتے اتارتے ہیں" تو اس تعبیر کے مفہوم میں کیا فرق پڑا؟؟ پھر بھی یہی مطلب ہوا ناں کہ

"حضرت علی (رض) کی مجلس میں اگر حضرت معاویہ رض) تشریف لائیں تو ان کو اگر مجلس سے باہر اہل مجلس کے جوتے اتارنے کے مقام پر بھی جگہ مل جائے تو یہ ان کے لیے سعادت اور شرف کی بات ہے".. یا کوئی اور مفہوم ذہن میں آتا ہے؟

نیز ہم یہاں یہ بات اپنے قارئین کے علم میں لانا چاہتے ہیں کہ ایک کتاب ہے "تذکرہ کاتب وحی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ" مصنف کا نام ہے "قاری قیام الدین الحسینی"، اس پر حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب (رح) نے تقریظ لکھی تھی، اس تقریظ میں حضرات نفیس شاہ صاحب نے بھی بحوالہ مولانا محمد منظور نعمانی صاحب بعنوان "امام اہل سنت کا غیر معمولی اعتدال" حضرت لکھنوی کا یہی (حضرت علی (رض) کی مجلس میں صف نعال میں جگہ ملنے والا) قول نقل کیا ہے، اور دعا فرمائی ہے کہ "اللہ تعالی سب مسلمانوں کو راہ حق و اعتدال نصیب فرمائے"

(دیکھیں: تذکرہ کاتب وحی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، صفحہ 19 — 20) .

چنانچہ قاری قیام الدین صاحب نے اسی "معتدل قول" کو اپنی کتاب کے آخر میں زیر عنوان "گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی" "صف نعال" کی وضاحت کے ساتھ ان الفاظ سے نقل کر دیا کہ:

"ان کی مجلس میں اگر صف نعال (جوتوں کی صف) میں حضرت معاویہ کو جگہ مل جائے تو ان کے لیے سعادت اور باعث فخر ہے" (تذکرہ کاتب وحی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، صفحہ 237)

ملاحظہ فرمائیں، قاری قیام الدین صاحب خود "صف نعال" کی وضاحت "جوتوں کی صف" سے کر رہے ہیں ...اور پھر یہاں "اگر فرق مراتب نہ کنی زندیقی" کا عنوان دیا ہے، یعنی جو ان کے نزدیک حضرت معاویہ (رض) کو حضرت علی (رض) کی مجلس میں "جوتوں کی صف" میں بیٹھنے کے قابل نہ مانے وہ زندیق ہے...

تو اب بتائیں ہم مفتی وقاص رفیع کی تاویلات قبول کریں یا اس کتاب کی تشریح قبول کریں جس پر "اکابرین" کی تقاریظ ہیں؟؟

پھر خود مفتی وقاص رفیع لکھتے ہیں:

"اور دوسرے یہ کہ امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول اپنے حقیقی معنوں پر محمول نہیں، بلکہ مجازی معنوں پر محمول ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی (رض) صف اول کے صحابہ میں سے ہیں اور حضرت معاویہ (رض) آخری صفوں کے صحابہ میں سے ہیں" (مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 591)

یعنی مفتی وقاص رفیع تسلیم کرتے ہیں کہ مولانا لکھنوی (رح) کے ان الفاظ اور اس تعبیر کو اگر اس کے حقیقی معنوں پر محمول کیا جائے تو یہ واقعی نامناسب ہے.. اسی لیے تو وہ اسے مجازی معنوں میں محمول کر رہے ہیں، ظاہر ہے مجازی معنی وہیں لیا جاتا ہے جہاں حقیقی معنی لینا ممکن نہ ہو..

پھر قارئین محترم توجہ فرمائیں کہ مولانا لکھنوی (رح) کی طرف منسوب اس قول میں صحابہ کرام کی صفوں کا تذکرہ نہیں ہو رہا یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے صحابہ کرام کی صفوں کا ذکر نہیں ہو رہا، بلکہ "حضرت علی (رض) کی مجلس" کی صفوں کا تذکرہ ہو رہا ہے، اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ حضرت علی (رض) کی مجلس کی صفوں میں اگر حضرت معاویہ (رض) کو اس صف میں بھی جگہ مل جائے جو مجلس کے باہر اہل مجلس کے جوتے اتارنے کی جگہ کے پاس ہے تو یہ ان کے لیے سعادت کی بات ہو گی.... اور حضرت علی (رض) کی مجلس میں صحابہ، غیر صحابہ، اور وہ لوگ بھی ہوتے تھے جو اوپر اوپر سے اپنے آپ کو آپ کا جانثار کہتے تھے لیکن اندر سے مسلمانوں کے دشمن تھے... اور ظاہر ہے یہ سب لوگ حضرت علی (رض) کے لشکری تھے، تو یقینی طور پر یہ لوگ آپ کی مجلس کی پہلی صفوں میں ہی بیٹھتے ہوں گے، تو حضرت لکھنوی (رح) جب حضرت معاویہ (رض) کو حضرت علی (رض) کی مجلس سے بھی باہر جوتے اتارنے کی جگہ کے پاس والی صف میں بٹھا رہے ہیں تو کیا یہ ذہن میں نہیں آتا کہ وہ غیر صحابی بھی جو اس مجلس میں ان سے آگے والی صفوں میں بیٹھتے تھے حضرت معاویہ (رض) سے افضل تھے؟؟؟ بات سوچنے کی ہے..

اس کے بعد مفتی وقاص رفیع نے (صفحہ نمبر 591 سے ہی) ایک نیا فریب دینے کی کوشش کی ہے، امام حاکم (رح) کی کتاب "علوم الحدیث" کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ انہوں نے صحابہ کرام (رض) کو بارہ طبقات میں تقسیم کیا ہے.. اور پھر نتیجہ یوں نکالا ہے کہ:

"مولانا عبدالشکور لکھنوی (رح) نے انہی فرق مراتب کو سامنے رکھتے ہوئے ایک بلیغ استعارے میں حضرت علی (رض) اور حضرت معاویہ (رض) کا باہمی مقام و مرتبہ بیان فرمایا ہے، اس سے مراد ہرگز نہیں کہ واقعی حضرت معاویہ (رض) اگر حضرت علی (رض) کی مجلس میں تشریف لائیں تو انہیں جوتوں کی جگہ ملے گی یا وہ حضرت علی (رض) کی مجلس میں جوتوں کی جگہ میں بیٹھنے کے قابل ہیں" ...... (آگے لکھتے ہیں) ... یہ تو آپ نے ملاحظہ فرما لیا (یعنی امام حاکم کے بیان کردہ صحابہ کے بارہ طبقات میں_ناقل) کہ فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کرنے والے صحابہ کو علماء نے طبقات صحابہ کے دسویں طبقہ میں شمار کیا ہے، اور حضرت معاویہ (رض) کے اسلام لانے سے متعلق یہ بات کتب تواریخ میں قطعی طور پر مذکور ہے کہ انہوں نے عمرة القضاء سنہ 7 ہجری کے موقع پر اسلام قبول کر لیا تھا... (آگے لکھا کہ) ... پس جب حضرت معاویہ (رض) کا شمار صحابہ کرام کے دسویں طبقہ میں ہوتا ہے تو اور حضرت علی (رض) کا شمار پہلے طبقہ میں ہوتا ہے تو ایسے میں حضرت معاویہ (رض) کو حضرت علی (رض) کے مرتبہ کے برابر یا اس کے قریب کیوں کر رکھا جا سکتا ہے؟".

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 594 و 595)

قارئین محترم! نہ جانے مفتی وقاص رفیع ہمیں "صحابہ کرام کے طبقات" کیوں سمجھا رہے ہیں؟ یا اگر امام حاکم (رح) نے یہ طبقات بیان کر کے آخر میں یوں لکھا ہوتا کہ "صحابہ کرام کے ان طبقات میں آخری طبقات والے صحابہ کرام کو اگر پہلے طبقہ والے صحابہ کرام کی مجلس کے باہر اہل مجلس کے جوتوں سے ملی صف میں بھی جگہ مل جائے تو ان کے لیے باعث سعادت و شرف ہے" تو مفتی صاحب کو یہ حوالہ چنداں مفید ہو سکتا تھا، اور جو مفتی وقاص یہ کہہ رہے ہیں کہ "تو ایسے میں حضرت معاویہ (رض) کو حضرت علی (رض) کے

مرتبہ کے برابر یا اس کے قریب کیوں کر رکھا جاسکتا ہے؟" تو وہ یہ بتائیں کہ یہ کس نے کہا ہے کہ حضرت علی (رض) اور حضرت معاویہ (رض) برابر ہیں؟؟؟ یہاں تو بات ہی حضرت علی (رض) کی مجلس کی صفوں کی ہو رہی ہے، ان صفوں میں مثلاً ہمیں حضرت عثمان (رض) کے خلاف خروج کرنے والے باغی بھی نظر آتے ہیں جنہوں نے ایک خلیفہ راشد کو شہید کیا... اور جن سے قصاص لینے کے معاملے پر جنگ جمل و صفین کے سانحے ہوئے... بلکہ ان میں سے کچھ حضرات تو مختلف اہم عہدوں پر بھی فائز ہو گئے تھے (یاد رہے اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہم متہم نہیں کر رہے، اس وقت حالات ہی ایسے تھے کہ یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارد گرد حاوی تھے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ چاہتے ہوئے بھی ان کے خلاف اقدام نہ کر پا رہے تھے، اس بات کو اسی تناظر میں لیا جائے)... تو حضرت علی (رض) کی مجلس میں ظاہر ہے ان کے اپنے لشکری اور اپنے حکام اگلی صفوں میں ہی بیٹھے ہوں گے ... اور اس مجلس کی "صف نعال" میں اگر حضرت معاویہ (رض) کو بٹھایا جا رہا ہے تو ہم اس تعبیر کو نامناسب، اور تسامح کہیں تو ہم پر اکابر کے گستاخ کا فتویٰ کیوں لگتا ہے؟؟ مفتی وقاص رفیع ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں.... کہ وہ کیوں حضرت لکھنوی (رح) کی طرف منسوب اس قول کی ایسی توجیہات کر رہے ہیں کہ "ان کی مراد مجازی معنی ہے".. یا "ان کا مقصد طبقات صحابہ کا بیان تھا".... جبکہ وہ خود بھی سمجھتے ہیں کہ اپنے ظاہری الفاظ میں یہ تعبیر واقعی نامناسب ہے.

پھر مفتی وقاص رفیع نے امام حاکم کے حوالے سے صحابہ کے 12 طبقات لکھے ہیں، اور خود لکھا ہے کہ حضرت معاویہ (رض) ان میں سے "دسویں" طبقے میں آتے ہیں، یوں دسواں طبقہ تو "صف نعال" پھر بھی نہیں بنتا.... کیونکہ صف نعال تو بہ اقرار مفتی وقاص رفیع "وہ آخری صف ہوتی ہے جو مجلس سے باہر جوتوں کے ساتھ ہوتی ہے" اور یہاں دسویں طبقے کے بعد دو طبقے صحابہ کے اور بھی ہیں... اگر مفتی وقاص کی منطق کو ہی لے لیا جائے تو "صف نعال" یا باہر والی آخری صف "بارہواں طبقہ" یا اس کے بعد والوں کی بنے گی.....

# مفتی وقاص رفیع کی ایک علمی خیانت اور ایک جہالت

---------------

مفتی وقاص رفیع کا دعوی ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب، قاضی محمد طاہر ہاشمی صاحب کی کتاب "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین" کے جواب میں لکھی ہے، چنانچہ مولانا عبدالشکور لکھنوی (رح) کی عبارات کی بحث میں ہی قاضی طاہر ہاشمی صاحب نے نبیرہ حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی، پروفیسر عبدالحیی لکھنوی کی کتاب "امام اہل سنت علامہ عبد الشکور فاروقی لکھنوی، حیات وخدمات" سے چند عبارات نقل کی تھیں، جن میں حضرت معاویہ (رض) کی طرف سے یزید کو اپنا ولی عہد بنانے کا ذکر تھا، اسی ضمن میں پروفیسر عبدالحیی لکھنوی نے پہلے تو یہ لکھا کہ " :

"اب رہا یہ سوال کہ ایسے فاسق وفاجر شخص (یعنی یزید_ناقل) کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کا امیر کیسے بنادیا؟ تو اس کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ معذور تھے، اور انھیں صحیح صورت حال کا علم نہ ہو سکا، اس لیے ان کا یہ فیصلہ کسی بدنیتی پر مبنی نہیں تھا بلکہ ایک قسم کی خطائے اجتہادی پر مبنی تھا" پھر آگے پروفیسر عبدالحیی فاروقی صاحب نے علامہ ابن حجر مکی کے حوالے سے یہ نقل کیا ہے کہ :

"لیکن اس کے باوجود بعض (صحابہ) سے ایسی باتیں صادر ہوئی ہیں جو ان کے مرتبہ کے لائق نہ تھیں، جیسے حضرت معاویہ (رض) نے یزید کو خلیفہ بنادیا، بیٹے کی شدید محبت نے اس کے کمالات ان کی نظر میں جما دیے تھے، اور اس کے عیوب ان کی نذر سے پوشیدہ کردیے تھے، حالانکہ اس کے عیوب آفتاب سے بھی زیادہ روشن تھے، پس یہ بات حضرت معاویہ (رض) کے حوالے سے لغزش تھی (جس پر) اللہ ان کو بخش دے گا....."

اس کے بعد پروفیسر عبدالحیی لکھنوی صاحب لکھتے ہیں (نہ کہ قاضی طاہر ہاشمی صاحب) کہ :

"مذکورہ تفصیل سے یہ عیاں ہوگیا کہ یزید میں فسق تھا اور حضرت معاویہ (رض) سے انھیں امیر بنانے میں خطأ اجتہادی ہوئی تھی، تطہیر الجنان کا اردو ترجمہ کرکے حضرت لکھنوی (یعنی مولانا عبدالشکور لکھنوی_ناقل)

نے دو بار اسے شائع کیا تھا مگر اس مقام پر انہوں نے کوئی اختلافی نوٹ نہیں لگایا جس سے معلوم ہوا کہ وہ بھی اس رائے سے متفق تھے ورنہ ضرور اس کے خلاف اپنی رائے تحریر کرتے"

(امام اہل سنت علامہ عبدالشکور فاروقی لکھنوی، حیات وخدمات، ص 627 — 628)

قارئین محترم! آپ نے پڑھا کہ حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی (رح) کے نبیرہ، پروفیسر عبدالحیی صاحب نے اس تحریر سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مولانا عبدالشکور لکھنوی (رح) اس رائے سے متفق تھے کہ یزید کے عیوب سورج سے بھی زیادہ روشن تھے اور پھر پروفیسر عبدالحیی صاحب نے ان "آفتاب سے بھی زیادہ روشن عیوب" کی تشریح یوں خود کردی کہ "مذکورہ تفصیل سے عیاں ہوگیا کہ یزید میں فسق تھا اور حضرت معاویہ (رض) سے اسے امیر بنانے میں خطأً اجتہادی ہو گئی"، مفہوم یہ نکلا کہ یزید کا فسق سورج سے بھی زیادہ روشن تھا لیکن اس کے باوجود حضرت معاویہ (رض) نے اسے خلیفہ نامزد کردیا. (قارئین محترم! آپ پروفیسر عبدالحیی فاروقی صاحب کی عبارت ایک بار پھر پڑھ لیں، پہلے انہوں نے جو ابن حجر مکی کے حوالے سے بات نقل کی ہے اور پھر "مذکورہ تفصیل سے عیاں ہوگیا" سے اس کی جو مزید تشریح کی، اگر وہ مفہوم نہیں بنتا جو میں سمجھا ہوں تو میری اصلاح کردی جائے میں آپ کا ممنون ہوں گا)..

اور پھر پروفیسر صاحب نے یہ نتیجہ نکالا کہ "چونکہ ابن حجر مکی (رح) کی کتاب " تطہیر الجنان" کا مولانا عبدالشکور لکھنوی (رح) نے دو بار اردو ترجمہ کرکے شائع کیا اور اس جگہ کوئی اختلافی نوٹ نہیں لکھا لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ اس بات سے متفق تھے....

نوٹ: یہ پروفیسر عبدالحیی صاحب کا اپنا استنباط ہے، لہٰذا ہم اس بناء پر مولانا عبدالشکور لکھنوی (رح) کے بارے میں یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ کیا واقعی ان کی بھی یہی رائے تھی کہ یزید کے عیوب (جس کی تشریح پروفیسر عبدالحیی فاروقی صاحب نے فسق سے کی ہے) سورج سے بھی زیادہ روشن ہونے کے باوجود حضرت معاویہ (رض) نے اسے اپنا ولی عہد بنایا تھا...

لیکن یہاں مفتی وقاص رفیع کی ایک علمی خیانت کی طرف اشارہ مقصود ہے...

علامہ ابن حجر مکی (رح) کی عبارت میں موجود "عیوب" کی وضاحت "فسق" کے ساتھ پروفیسر عبدالحیی فاروقی نبیرہ حضرت عبدالشکور لکھنوی (رح) نے کی ہے، لیکن مفتی و قاص رفیع نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ:

"یہاں پروفیسر قاضی طاہر ہاشمی صاحب نے انتہائی دجل و تلبیس سے کام لیا ہے اور قارئین با تمکین کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ یزید کے فاسقانہ و فاجرانہ اعمال اور یزید کے عیوب و نقائص کو شئے واحد کے طور پر ذکر کیا ہے"

(مفتی و قاص رفیع کی کتاب: صفحہ 597).

قارئین محترم! جب میں نے قاضی طاہر ہاشمی صاحب کی کتاب کے اس مقام کو دیکھا تو انہوں نے وہاں پروفیسر عبدالحیی فاروقی صاحب کی عبارت باحوالہ نقل کی ہے اور اسی عبارت میں ان پروفیسر عبدالحیی صاحب نے ابن حجر مکی کی عبارت میں مذکور "عیوب" کی وضاحت "مذکورہ تفصیل سے یہ عیاں ہو گیا کہ یزید میں فسق تھا" کے ساتھ کی ہے... نہ یہ کہ قاضی طاہر ہاشمی صاحب نے یہ تشریح کی ہے.. تو اب مفتی و قاص رفیع کا "انتہائی دجل و تلبیس سے کام لینے اور قارئین با تمکین کی آنکھوں میں دھول جھونکنے" کا فتویٰ قاضی طاہر ہاشمی صاحب پر نہیں لگتا بلکہ سیدھا "عیوب" کی تشریح "فسق" سے کرنے والے پروفیسر عبدالحیی فاروقی نبیرہ حضرت امام اہل سنت کی طرف متوجہ ہوتا ہے... کہ انہوں نے ہی ان دونوں چیزوں کو "شئے واحد" کے طور پر ذکر کیا ہے...

میرے خیال میں اکابرین کو اگر مفتی و قاص رفیع جیسے ایک دو اور نادان وکیل مل جائیں تو پھر اکابر کو کسی اور دشمن کی ضرورت ہی نہیں...

اور آخر میں مفتی و قاص رفیع کی ایک جہالت بھی ملاحظہ فرمالیں..

اپنی کتاب کے صفحہ 597 پر لکھتے ہیں کہ:

"یزید کے فاسقانہ و فاجرانہ اعمال سے حضرت معاویہ (رض) کے بے خبر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یزید خلیفہ بننے سے پہلے چھپ چھپ کر بعض خلاف شرع امور کا ارتکاب کرتا تھا جس سے حضرت معاویہ (رض) سمیت دیگر صحابہ و تابعین سمیت سب بے خبر تھے" .... (لیکن مفتی وقاص رفیع کو آج چودہ سو سال بعد نہ جانے یہ کیسے علم ہو گیا کہ یزید چھپ چھپ کر یہ کام کرتا تھا؟_ناقل).

اور اگلے صفحے پر مفتی وقاص رفیع لکھتے ہیں:

"چنانچہ ولی عہد بنتے وقت یزید کے فسق و فجور کے واقعات مستور تھے اور وہ کسی کو بھی معلوم نہیں تھے (جو اَب مفتی وقاص پر منکشف ہوئے ہیں_ناقل) ان کا ظہور تو خلافت کے دوسرے اور تیسرے سال میں ہوا، جب اس نے خوب کھل کر خلاف شرع کام کرنے شروع کر دیے، اور بالآخر انہی خلاف شرع کاموں کے باعث مدینہ میں اس کے خلاف خروج ہوا"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 698)

قارئین محترم! غور فرمائیں، مفتی وقاص رفیع کا کہنا ہے کہ یزید کے ولی عہد بنتے وقت اس کا فسق و فجور مستور (یعنی چھپا ہوا) تھا، اس کے فسق و فجور کو کسی کو بھی علم نہ تھا...

تو مفتی وقاص رفیع کی اس بات سے یہ بات تو ثابت ہو گئی کہ یزید کی ولی عہدی کی بیعت کے وقت جن چار پانچ صحابہ کرام نے اس تجویز سے اختلاف کیا تھا اس وقت یزید کا فسق و فجور زیر بحث نہ تھا کیونکہ کسی کو اس بارے میں علم ہی نہ تھا، کیونکہ اگر ان حضرات میں سے کسی ایک نے بھی یہ کہا ہوتا کہ "ہم اس کی ولی عہدی اس لئے قبول نہیں کرتے کہ وہ فاسق و فاجر ہے" تو اس کا فسق و فجور تو "مستور" نہ رہتا بلکہ "ظاہر" ہو جاتا.....اس بات کو ذہن میں رکھیں..آگے اس بات کی ضرورت پیش آئے گی

پھر مفتی وقاص رفیع نے لکھا ہے کہ "اس کے فسق و فجور کا ظہور تو خلافت کے دوسرے اور تیسرے سال میں ہوا".. غور فرمائیں! حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی وفات رجب سنہ 60 ہجری میں ہوئی، یوں اگر یزید

رجب 60 ہجری میں خلیفہ بنا تو اس کا پہلا سال رجب 61 ہجری میں پورا ہوگا، تو مفتی و قاص رفیع کے بقول اگر اس کے فسق و فجور کا ظہور خلافت کے دوسرے اور تیسرے سال میں ہوا تو اس کا مطلب ہے کہ رجب 61 ہجری کے بعد اس کا فسق و فجور ظاہر ہوا....

اب میرا سوال ہے کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محرم سنہ 61 ہجری تک (جب ابھی یزید کو خلیفہ بنے چار ماہ کے قریب ہی ہوے تھے) بقول مفتی و قاص رفیع یزید کا فسق و فجور مستور ہی تھا اور اس کا ظہور نہیں ہوا تھا ..... تو کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا کربلائی خروج یزید کے فسق و فجور کی وجہ سے نہ تھا... کیونکہ وہ تو ابھی مستور ہی تھا... کیا مفتی و قاص رفیع اس بات سے متفق ہیں؟؟؟ (اس سوال پر ہم مولانا محمد امین اکاڑوی کی عبارات کے ضمن میں آگے تفصیلی بات کریں گے ان شاء اللہ).

یہ بھی نوٹ کرلیں کہ مفتی و قاص رفیع کے اکابرین میں "حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب (رح) اور حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی صاحب (رح) دونوں نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ یزید کے خلاف نکلنے کی وجہ یزید کا فسق تھا (جو بقول مفتی و قاص رفیع اس وقت تک مستور تھا).
قاضی مظہر حسین صاحب (رح) کی خارجی فتنہ جلد دوم کا صفحہ نمبر 17 (طبع اول) دیکھ لیں.. انہوں نے صاف لکھا ہے کہ:
"حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے جو یزید کی بیعت نہ کی اور یزیدی گروہ سے دفاعی جنگ کی نوبت آئی تو یہ سب کچھ یزید کو فاسق سمجھنے کی وجہ سے ہوا"
نیز مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی (رح) کی "تجلیات صفدر، جلد 1 ص 492 طبع اول" دیکھ لیں، لکھا ہے "سیدنا امام حسین (رض) کے اس خروج کی بنیاد یزید کا فسق و فجور تھا"...........
اب مفتی و قاص رفیع کہتے ہیں کہ یزید کا فسق و فجور اس کی خلافت کے دوسرے اور تیسرے سال تک مستور رہا اس کے بعد ظاہر ہوا.. جبکہ مفتی صاحب کے اکابرین فرماتے ہیں کہ اس کا فسق و فجور تو اس کے خلیفہ بنتے تھی

ظاہر ہو چکا تھا اور حضرت حسین (رض) کے اس کی بیعت نہ کرنے نیز اس کے خلاف کربلائی خروج کرنے کا سبب یزید کا فسق و فجور ہی تھا..

بات کس کی درست ہے؟؟ اکابر کی یا مفتی وقاص رفیع کی؟؟

نوٹ: ہماری بحث یہاں یزید کے فسق سے ہرگز نہیں... بلکہ مفتی وقاص رفیع کے مبلغ علم کے بارے میں اپنے قارئین کو بتانا مقصود ہے.

# اکابر کے نادان وکیل: (قسط: 23)

------------------

اس قسط کی ابتدا امام احمد بن حنبل (رح) کے ایک قول سے کرتے ہیں، آپ سے سوال ہوا:
"یا ابا عبداللہ ما تقول فیما کان من علي ومعاویه رحمهما الله؟ فقال ابو عبدالله: "ما أقول فیها الا الحسنی رحمهم الله اجمعین" (اے ابو عبداللہ (امام احمد کی کنیت ہے) آپ ان امور کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو حضرت علی اور حضرت معاویہ کے مابین وقوع پذیر ہوئے؟ تو امام احمد نے فرمایا: میں سوائے اچھائی کے کچھ نہیں کہتا، اللہ کی ان سب پر رحمت ہو۔ (اسناده صحیح: السنة لأبي بكر الخلال، صفحہ 460)

نوٹ: امام احمد بن حنبل نے اپنی عدالت نہیں لگائی، یہ فیصلہ کرنے نہیں بیٹھے کہ فلاں صحیح تھا اور فلاں غلط؟ فلاں کا اقدام تھا تو "بغاوت" لیکن چونکہ وہ صحابی ہیں اس لیے ہم اسے "اجتہادی خطا" کہتے ہیں، فلاں سے اجتہادی غلطی ہوئی اور فلاں سے نہ ہوئی، فلاں نے نص کی مخالفت کی اور فلاں نے نہیں کی.. بلکہ سکوت و توقف فرمایا اور دونوں پر رحمت بھیجی.... العاقل یکفیه الاشارة.

اب آیئے آگے چلتے ہیں.
مفتی و قاص رفیع نے اپنی کتاب کے صفحہ 599 سے شیخ الحدیث مولانا عبدالرشید نعمانی (رح) کا ذکر شروع کیا ہے، قاضی محمد طاہر ہاشمی صاحب نے ایک واقعہ ذکر کیا تھا کہ: ایک مرتبہ علماء کی ایک مجلس میں مولانا عبدالرشید نعمانی سے عرض کیا گیا کہ "حضرت معاویہ (رض) کو باغی، طاغی، جائر، اور مخطی وغیرہ کہنے کے

بجائے اگر ان کے اس اقدام کو کوئی ایسی مناسب تاویل و توجیہ کرلی جائے جس سے ان کو یہ سب کچھ کہنا نہ پڑے تو کیا زیادہ مناسب نہ ہوگا؟" تو مولانا نعمانی (رح) نے برجستہ جواب دیا : "ہاں! کتاب الحدود میں صحابہ (رض) کے مذکورہ واقعات کی جو توجیہ تم کرسکتے ہو وہ یہاں بھی کرلو.. نیز فرمایا: "حضرت نانوتوی نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ (رض) کوئی اتنے بڑے صحابی نہیں ہیں کہ ان کے ہر قول و فعل ہم توجیہ کرتے پھریں".... (مفتی وقاص رفیع نے یہ واقعہ اپنی کتاب کے صفحہ 599-600 پر نقل کیا ہے اور اس کی تردید نہیں کی).

قارئین محترم! مولانا عبدالرشید نعمانی (رح) کا اشارہ اس طرف تھا کہ چند صحابہ کرام سے گناہ (زنا، قذف وغیرہ) سرزد ہوے تھے جس کی وجہ سے ان پر حد نافذ کی گئی تھی، جس کا ذکر کتب حدیث و فقہ میں "کتاب الحدود" کے اندر ہمیں ملتا ہے، تو جو تاویل ان صحابہ کرام سے صادر ہونے والے ان گناہوں کی ہو سکتی ہے وہی یہاں بھی کرلو... (یعنی جیسے وہاں کوئی تاویل نہیں ہو سکتی ایسے ہی یہاں کسی تاویل کی گنجائش نہیں_ناقل) ... نیز مولانا نعمانی (رح) نے حضرت نانوتوی (رح) کے اسی قول کا حوالہ بھی دے دیا جس پر ہم پہلے بات کرآئے ہیں، اور مفتی وقاص رفیع کی وہاں کی گئی دور از کار تاویل اور غلط ترجمے کا تار پول کھول آئے ہیں..

قارئین محترم! مولانا عبدالرشید نعمانی (رح) کا مشاجرات صحابہ کے ایک "اجتہادی" اختلاف کو بعض صحابہ کرام سے صادر ہونے والے گناہوں پر قیاس کرنا بالکل درست نہیں، ورنہ یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت عثمان (رض) کی شہادت کے بعد صحابہ کرام کی اکثریت (بلکہ 99% اکثریت، کیونکہ معروف تابعی حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ سے صحیح روایت ہے کہ اس وقت دس ہزار کے قریب صحابہ میں سے ان صحابہ کی تعداد چالیس بھی نہیں جو کسی بھی جانب سے شریک ہوے) سے ایسا گناہ سرزد ہوا جس کی کوئی توجیہ و تاویل ممکن ہی نہیں.. بات صرف حضرت معاویہ (رض) کی نہیں، بلکہ صحابہ کرام کی اس ساری جماعت کی ہے جو حضرت علی (رض) کی بیعت سے الگ رہی... مولانا نعمانی (رح) کی یہ بات حد سے تجاوز اور شاید ان کے اپنے

اندرونی جذبات کے شدت کی وجہ سے ان کے منہ سے نکل گئی .. جن جذبات کا اظہار انہوں نے حضرت نانوتوی (رح) کے حوالے سے خود کر بھی دیا..

ہم پوچھتے ہیں کہ کیا اگر کسی صحابی سے مثلاً زنا ہو گیا تو یہ اس کی "اجتہادی خطا" تھی؟ اور کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ صحابہ کرام کی اکثریت سے ایسا کوئی "اجتماعی گناہ" ہوا ہو جس کا ذکر "کتاب الحدود" میں آیا ہو جس کی طرف نعمانی صاحب اشارہ فرما رہے ہیں؟؟ اس لیے یہ تعبیر انتہائی نامناسب ہے، اگر کوئی رافضی یا سبائی یہ بات کہتا تو اس میں کوئی انہونی بات نہ تھی کہ وہ تو تمام صحابہ کرام کو ایسا ہی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ان کی اکثریت ایسی ویسی تھی، صرف معدودے چند لوگ ہی مخلص تھے، لیکن ایک سنی عالم کے طور پر شہرت رکھنے والے کے منہ سے ایسی بات نکلنا سمجھ سے بالاتر، غلط اور غلو ہی ہے.

لیکن قربانی جائیں، مفتی وقاص رفیع پر، وہ کہتے ہیں:

" مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی توضیح "

" خلیفہ برحق یعنی حضرت علی المرتضیٰ (رض) کے خلاف جو ناحق خروج کر کے حضرت معاویہ (رض) سے خطا صادر ہوئی ہے اس کی وجہ سے فی نفسہ یقیناً بغاوت کے مرتکب ہوے ہیں اور اسی وجہ سے جمہور علماء سلف و خلف نے فقہی اصطلاح کے اعتبار سے انھیں " باغی " کہا ہے، لیکن چوں کہ وہ ایک صحابی مجہتد تھے اور ان کا یہ عمل ان کی اجتہادی رائے سے وجود میں آیا تھا اگرچہ ان کا یہ اجتہاد غلط ہی تھا، اس لیے ان کے مجتہد ہونے کی بناء پر ان کے اس عمل کو فقہی اعتبار سے بغاوت کہا جائے گا نہ کہ عرف عام کے اعتبار سے، نیز چوں کہ ان کا یہ اجتہاد غلطی پر مبنی تھا اس لیے اس اجتہاد میں انھیں مجتہد مخطی مان کر فقہی اعتبار سے باغی ضرور کہیں گے، اس کے علاوہ اور کوئی تاویل ایسی ممکن ہی نہیں کہ جس کی وجہ سے انہیں باغی و خاطی وغیرہ کہنے کے بجائے ان کے اس اقدام کو کسی طرح درست کہا جاسکے... چنانچہ حضرت معاویہ (رض) کے اس اقدام کو اگر فی نفسہ حقیقت کے آئینہ میں دیکھا جائے تو بلا شبہ ان کا یہ عمل خروج کے زمرے میں آتا ہے، اور وہ اس اقدام کی وجہ سے فقہی اصطلاح کے اعتبار سے باغی کہلائیں گے "

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 600)

قارئین محترم! مفتی وقاص رفیع کی اس تقریباً نصف صفحے کی عبارت میں آپ دیکھیں کہ کتنی بار لفظ "باغی" اور "فقہی باغی" آیا ہے، اور کتنی بار لفظ "خروج" اور "ناحق خروج" آیا ہے وار کتنی بار لفظ "بغاوت" اور "خاطی" آیا ہے... اس کے بعد آیئے مفتی وقاص رفیع کے اس فلسفے کا جائزہ لیتے ہیں..

مفتی وقاص رفیع نے اپنی کتاب میں بار بار حضرت معاویہ (رض) پر "ناحق خروج" کرنے کا الزام لگایا ہے... کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ "خروج" کیا ہوتا ہے؟ اگر تو خروج یہ ہوتا ہے کہ کسی وجہ سے کسی ایسے حاکم کی بیعت سے الگ رہنا جس کی بیعت پر جمہور مسلمانوں کا اتفاق نہ ہوا ہو تو پھر یہ "ناحق خروج" صرف حضرت معاویہ (رض) کا ہی جرم نہیں بلکہ جن کے ساتھ حضرت علی (رض) کا جنگ جمل میں آمنا سامنا ہوا انہوں نے بھی "ناحق خروج" ہی کیا ہوگا، اور صحابہ کرام کا وہ گروہ جو اس وقت اکثریت میں تھا یعنی جو غیر جانبدار رہے، نہ انہوں نے حضرت علی (رض) کی بیعت کی اور نہ ہی کسی بھی طرف سے جنگ میں حصہ لیا، وہ بھی مفتی وقاص رفیع کی "فقہ" کی رو سے "ناحق خروج" کا مرتکب ہوگا... یوں اس وقت کے جمہور صحابہ کرام پر "ناحق خروج" کا "وقاصی فتویٰ" لگتا ہے..
نیز مفتی وقاص رفیع کے اس فتوے سے وہ لوگ بھی مستفید ہو سکتے ہیں جو حضرت حسین (رض)، حضرت عبداللہ بن زبیر (رض) اور واقعہ حرہ میں یزید کی بیعت توڑنے والوں کو "باغی" کہتے ہیں.. کیونکہ فقہی اصول صرف "صحابی خلیفہ" کے بارے میں ہی نہیں بلکہ ہر امیر کے بارے میں ہیں.. ذہن میں رہے کہ یزید کی ولی عہدی اور پھر اس کی امارت کی بیعت اس وقت موجود صحابہ اکثریت نے کرلی تھی (اس کی وجہ مفتی وقاص رفیع اینڈ کمپنی جو بھی بتائیں لیکن یہ حقیقت ہے)... جبکہ حضرت علی (رض) کی بیعت سے اس وقت کی صحابہ کرام کی اکثریت الگ رہی تھی.. یوں حضرت علی (رض) کی بیعت سے الگ رہنے والے تو بعد میں "فقہی باغی" بنیں گے، یزید کی بیعت سے الگ رہنے والے اور اسکے خلاف خروج کرنے پہلے بنیں گے.. تو

میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ مفتی وقاص رفیع ان لوگوں کو کیا جواب دیں گے؟؟ جو مفتی وقاص رفیع کے اسی فلسفے کو بنیاد بنا کر یزید کی بیعت سے الگ رہنے والوں اور اس کے خلاف خروج کرنے والوں کو "باغی" کہنے لگیں؟؟ جبکہ خود مفتی وقاص رفیع ہمیں بتا آئے ہیں کہ اس وقت تک یزید کا فسق مستور تھا، کسی کو نہیں پتہ تھا کہ وہ فاسق ہے.

نیز یہ بھی یاد رہے کہ مفتی وقاص رفیع کو اچھی طرح علم ہے کہ علماء اہل سنت نے "فاسق حاکم" کے خلاف خروج کو بھی ناجائز لکھا ہے اور اس پر اہل سنت کا اجماع بھی بتایا ہے... مثلاً امام نووی (رح) لکھتے ہیں:

" وَأَمَّا الْخُرُوجُ عَلَيْهِمْ وَقِتَالُهُمْ فَحَرَامٌ بِإِجْمَاعِ الْمُسْلِمِينَ وَإِنْ كَانُوا فَسَقَةً ظَالِمِينَ وَقَدْ تَظَاهَرَتِ الْأَحَادِيثُ بِمَعْنَى مَا ذَكَرْتُهُ وَأَجْمَعَ أَهْلُ السُّنَّةِ أَنَّهُ لَا يَنْعَزِلُ السُّلْطَانُ بِالْفِسْقِ"

(حاکموں کے) خلاف خروج کرنا اور ان سے جنگ کرنا حرام ہے اور اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے، اگرچہ وہ (حاکم) فاسق اور ظالم ہی کیوں نہ ہوں، اس بات کی تائید میں بہت سی احادیث بھی وارد ہیں، اور اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ بادشاہ اگر فسق کا ارتکاب کرے تو وہ معزول نہیں ہو جاتا...

(نووی شرح مسلم، جلد 12 صفہ 229، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(اس پر مزید حوالے بھی موجود ہیں.. یہ صرف نمونے کے طور پر دیا گیا ہے)

تو فرمائیں مفتی وقاص رفیع صاحب! آپ حضرت حسین (رض)، حضرت عبداللہ بن زبیر (رض) اور اہل حرہ کے خروج کی کیا توجیہ و تاویل کریں گے؟؟ ان پر یہ اصول لاگو کریں گے کہ "کسی بھی حاکم کے خلاف خروج جائز نہیں اگرچہ وہ فاسق ہی کیوں نہ ہو" یا نہیں؟ جبکہ وہ حاکم بھی ایسا ہو جس کی حکومت کو اس وقت کے صحابہ اور مسلمانوں کی اکثریت نے قبول کر لیا ہو؟؟

اور اگر "ناحق خروج" سے مراد یہ ہے کہ "کسی حاکم یا خلیفہ کے خلاف جنگ کی غرض سے نکلنا" تو معاف کیجیے گا آپ جو بار بار "ناحق خروج" کا نعرہ لگاتے ہیں وہ غلط ہے، نہ ہی جنگ جمل میں حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ وحضرات طلحہ وزبیر (رضی اللہ عنہم) نے حضرت علی (رض) کے خلاف کوئی پیش قدمی یا لشکر کشی کی تھی اور نہ ہی جنگ صفین میں حضرت معاویہ (رض) اور ان کے ساتھیوں نے حضرت علی (رض) کی طرف کسی قسم کی کوئی لشکر کشی کی تھی... بلکہ دونوں جگہ لشکر کشی حضرت علی (رض) کے لشکر کی طرف سے ہوئی تھی... لہٰذا آپ پہلے حضرت معاویہ (رض) کے اقدام کو "خروج" تو ثابت کریں پھر ہمیں "فقہی بغاوت" اور "عرفی بغاوت" کے فلسفے سمجھائیں.

پھر آپ نے جو یہ لکھا ہے کہ "جمہور علماء سلف وخلف نے فقہی اصطلاح کے اعتبار سے حضرت معاویہ (رض) کو باغی کہا ہے"، تو میرا سوال ہے کہ آپ کے نزدیک اس وقت موجود صحابہ کرام وتابعین بھی "علماء سلف و خلف" میں شامل ہیں یا نہیں؟ وہ لوگ جن کے سامنے یہ سب واقعات ہوے، سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ان کا کیا موقف تھا؟

آیئے کچھ حوالے آپ کے سامنے رکھتا ہوں.

علامہ ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ (متوفی 456ھ-) لکھتے ہیں:

الْكَلَام فِي حَرْب عَليّ من حاربه من الصَّحَابَة رَضِي الله عَنْهُم

(قَالَ أَبُو مُحَمَّد) اخْتلف النَّاس فِي تِلْكَ الْحَرْب على ثَلَاث فرق فَقَالَ جَمِيع الشِّيعَة وَبَعض المرجئة وَجُمْهُور الْمُعْتَزلَة وَبَعض أهل السّنة أَن عليا كَانَ الْمُصِيب فِي حربه وكل من خَالفه على خطأ وَقَالَ وَاصل بن عَطاء وَعَمْرو بن عبيد وَأَبُو الْهُذيْل وَطَوَائِف من الْمُعْتَزلَة أَن عليا مصيبا فِي قِتَاله مَعَ مُعَاوِيَة وَأهل النَّهر ووقفوا فِي قِتَاله مَعَ أهل الْجمل وَقَالُوا إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ مخطئة وَلَا نَعْرِف أَيهمَا هِيَ وَقَالَت الْخَوَارِج عَليّ الْمُصِيب فِي قِتَاله أهل الْجمل وَأهل صفّين وَهُوَ مخطيء فِي قِتَاله أهل النَّهر وَذهب سعد بن أبي وَقاص وَعبد الله بن عمر وَجُمْهُور الصَّحَابَة إِلَى الْوُقُوف فِي عَليّ وَأهل الْجمل وَأهل صفّين وَبِه يَقُول

جُمْهُور أهل السّنة وَأَبُو بكر بن كيسَان وَذهب جمَاعَة من الصَّحَابَة وَخيَار التَّابِعين وَطَوَائِف مِمَّن بعدهمْ إِلَى تصويب محاربي عَلِيّ من أَصْحَاب الْجمل وَأَصْحَاب صفّين وهم الْحَاضِرُونَ لقتاله فِي الْيَوْمَيْنِ الْمَذْكُورين وَقد أَشَارَ إِلَى هَذَا أَيْضا أَبُو بكر بن كيسَان

ترجمہ: حضرت علی (رض) کی دوسرے صحابہ کے ساتھ جو جنگیں ہوئیں اس بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے اور ان کے تین (بڑے) گروہ ہیں.

تمام شیعہ، بعض مرجئہ، جمہور معتزلہ اور بعض اہل سنت کہتے ہیں کہ حضرت علی (رض) ان جنگوں میں درست تھے اور وہ تمام لوگ جو آپ کے مد مقابل تھے وہ غلطی پر تھے، (پھر اس گروہ میں سے) واصل بن عطاء، عمرو بن عبید، ابو الہذیل اور معتزلہ کے بہت سے گروہ کہتے ہیں کہ جہاں تک حضرت علی (رض) کی حضرت معاویہ (رض) اور اہل نہر کے ساتھ جنگ کا تعلق ہے تو ان میں حضرت علی (رض) درست تھے (اور دوسرے غلط تھے) لیکن آپ کی جو جنگ اہل جمل (حضرت عائشہ وطلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم کے ساتھ) ہوئی اس میں ایک گروہ صحیح اور دوسرا غلط تھا لیکن کون صحیح اور کون غلط تھا؟ یہ ہم نہیں جانتے، لہٰذا ہم اس بارے توقف کرتے ہیں، اور خوارج کہتے ہیں کہ جنگ جمل و صفین میں حضرت علی (رض) ہی حق پر اور درست تھے، لیکن اہل نہر کے ساتھ جنگ میں وہ غلط تھے.

حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن عمر اور جمہور صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کا موقف ہے کہ ہم جنگ جمل اور جنگ صفین دونوں کے بارے میں توقف کرتے ہیں (یعنی ہم یہ فیصلہ نہیں دیتے کہ کون صحیح تھا اور کون غلط_ناقل) اور جمہور اہل سنت اور ابو بکر بن کیسان کا یہی مسلک ہے.

جبکہ صحابہ اور خیار تابعین کی ایک جماعت اور ان کے بعد بہت سے لوگوں کا یہ مسلک ہے کہ جمل اور صفین دونوں جنگوں میں حضرت علی (رض) کے مد مقابل لڑنے والے "مصیب" یعنی صحیح موقف پر تھے، اور یہ لوگ (یعنی جو صحابہ اور تابعین یہ موقف رکھتے ہیں_ناقل) ان دونوں جنگوں میں شریک تھے، اس بات کی طرف بھی ابوبکر بن کیسان نے اشارہ کیا ہے. (الفصل فی الملل والنحل، جلد 4 صفحہ 119 – 120، مکتبۃ الخانجی، مصر)

مفتی وقاص رفیع صاحب! غور سے یہ الفاظ پڑھیں.. ابن حزم نے "جمہور صحابہ اور جمہور اہل سنت" کا مسلک یہ بتایا ہے کہ "ہم اس بارے میں توقف کرتے ہیں" یعنی کہ ہم مفتی وقاص رفیع اور مولانا عبدالرشید نعمانی (رح) کی طرح لوگوں کو "کتاب الحدود" کی مثالیں دے کر ایک فریق کو ضرور باغی نہیں کہتے بلکہ توقف کرتے ہیں. ...

پھر عرض ہے کہ اسلاف، صرف گنتی کے وہی چند رازی وغزالی نہیں جنہوں نے حضرت معاویہؓ وغیرہ کو قاتلِ عمارؓ اور باغی قرار دیا ہے بلکہ وہ ہزاروں صحابہؓ وتابعینؒ بھی اسلاف ہی ہیں اور سب بعد والوں سے بڑھ کر اسلاف ہیں، اور بعد والی ساری امت کے اسلاف ہیں، جنہوں نے حضرت عمارؓ کی شہادت کا واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بھی حضرت معاویہؓ وغیرہ کو قاتلِ عمارؓ اور باغی قرار نہیں دیا، چنانچہ:۔

الف:... سب سے پہلے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو ہی لیجئے! یہ بُغاۃ وخوارج کے احکام میں قُدوہ مانے جاتے ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ان کی براہِ راست مڈھ بھیڑ ہوئی، حضرت عمار رضی اللہ عنہ انہی کی طرف سے لڑتے ہوئے صفین میں شہید ہوئے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے حضرت معاویہؓ وغیرہ کو "فقہی باغی" نہیں ٹھہرایا، ورنہ وہ تحکیم قبول نہ کرتے، نیز رفعِ مصاحف یا ارسالِ مصحف کے جواب میں "نعم! انا اولیٰ بذالک، بیننا وبینکم کتاب اللہ" (البدایہ والنہایہ، ص273/ج7) نہ فرماتے بلکہ یہ فرماتے کہ حضرت عمارؓ کو قتل کرکے تم ازرُوئے حدیث نبوی باغی قرار پاچکے ہو (اور بقول مفتی وقاص رفیع "فقہی وشرعی باغی" ثابت ہوچکے ہو) اور باغیوں کے حق میں یہی مُصحف "فقاتلوا التي تبغي حتیٰ تفيءَ الی امر اللہ" کا فیصلہ دے چکا ہے، للٰذا مزید اب کسی فیصلے کی ضرورت نہیں، بس یا تو بیعت کرکے میری اطاعت قبول کرو یا پھر اسی مصحف کے فیصلے کے مطابق آخر تک تم سے یوں ہی قتال جاری رکھا جائے گا۔ لیکن حضرت علیؓ یوں نہیں فرماتے بلکہ جنگ بندی قبول کرلیتے اور آخرکار مہادنہ (صلح) پر راضی

ہو جاتے ہیں، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ، حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کو اس "فقہی باغی" نہ سمجھتے تھے۔

نیز اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ صاحبِؒ ہدایہ نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ باغیوں اور ڈاکوؤں میں سے جو مارا جائے اس پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے گی اور دلیل یہ دی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باغیوں کی نماز جنازہ نہ پڑھی تھی... ومن قُتل من البُغاةِ او قُطّاعِ الطریقِ لم یُصلَّ علیہ لِانَّ علیاً لم یُصَلِّ علی البُغاةِ... (ہدایہ، ص184/ج1، باب الشہید) اور ادھر تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت علیؓ نے اصحابِ صفین کے قیدیوں میں سے فوت ہونے والوں پر نماز جنازہ پڑھی تھی اور مدِ مقابل مشاجراتی لشکریوں نے ایک دوسرے کے مقتولین کی تجہیز و تکفین میں حصہ لیا تھا، چنانچہ:۔

1:... عقبہ بن علقمہ کہتے ہیں کہ میں جنگِ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ حاضر تھا، ان کی خدمت میں حضرت معاویہؓ کے ساتھیوں میں سے پندرہ قیدی لائے گئے، ان میں سے جو فوت ہوا اس کو غسل و کفن دے کر اس پر حضرت علیؓ نے نماز جنازہ پڑھی (تلخیص ابن عساکر، ص74/ج1، بحوالہ رحماء بینہم، ص 168/ج5)۔

2:... حضرت مفتی محمد شفیع صاحب (رح) لکھتے ہیں کہ: "متعدد موّرخین نے نقل کیا ہے کہ جنگِ صفین وغیرہ کے موقع پر دن کے وقت فریقین میں جنگ ہوتی اور رات کے وقت ایک لشکر کے لوگ دوسرے لشکر میں جا کر ان کے مقتولین کی تجہیز و تکفین میں حصہ لیا کرتے" (البدایۃ والنہایۃ، بحوالہ مقامِ صحابہ، ص133)

.

اس سے یہ بات بخوبی ثابت ہو جاتی ہے کہ حضرت علیؓ کے نزدیک اصحابِ صفین، فقہی و شرعی باغی نہ تھے ورنہ وہ ان کی تجہیز و تکفین نہ کرتے، ان پر نماز جنازہ نہ پڑھتے، لشکر مرتضویؓ کے لوگ لشکرِ معاویہؓ کے مقتولین کی تجہیز و تکفین میں حصہ نہ لیتے، کیونکہ صاحبِ ہدایہ کے بقول حضرت علیؓ نے باغیوں پر نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی۔

3 : ... حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح ان کے مخلص لشکری بھی حضرت معاویہؓ اور ان کے لشکریوں کو "فقہی باغی" نہ سمجھتے تھے، کیونکہ یہ سب بھی قرآن مجید کو حَکَم بنانے اور جنگ بند کرنے پر راضی ہو گئے تھے، ان میں سے کسی ایک سے بھی حضرت معاویہؓ کے خلاف حدیثِ قتلِ عمارؓ سے استدلال کرکے ان کو باغی قرار دینا اور پھر اس بنا پر ان سے جنگ جاری رکھنے کا مشورہ دینا بسندِ معتبر منقول نہیں، بلکہ صحیح بخاری (ص602،451/ج1 وص1087/ج2) اور صحیح مسلم (ص106/ج2) کی روایت کے مطابق تو حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے صفین میں جنگ بندی کے بعد پر ایک سلسلۂ گفتگو میں اپنے ہی ساتھیوں سے یہاں تک فرمادیا تھا کہ "اتہموا رأیکم علی دینکم" وفی روایۃ "اتہموا انفسکم" یعنی اپنی ہی رائے کو الزام لگاؤ، حالانکہ حضرت سہلؓ، بدری صحابی اور حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے مواخاتی بھائی ہیں، صفین میں انہی کی طرف سے بنفسِ نفیس موجود تھے، حدیثِ قتلِ عمارؓ اور واقعۂ قتلِ عمارؓ سے بخوبی واقف تھے، اگر یہ حضرات، حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کو ہی باغی اور قاتلِ عمارؓ سمجھتے ہوتے تو نہ تو وہ قرآن کو حَکَم بنانے اور جنگ بند کرنے پر راضی ہوتے اور نہ حضرت سہلؓ ان کو "اتہموا رأیکم" کا مشورہ ہی دیتے۔

4: ... تمام غیر جانبدار صحابہؓ وتابعینؒ بھی حضرت معاویہؓ وغیرہ کو "الفئۃ الباغیۃ" کا قطعی مصداق اور "فقہی باغی" نہ سمجھتے تھے، ورنہ وہ اس واقعہ کے بعد غیر جانبدار نہ رہتے بلکہ قرآن کے حکم "فقاتلوا التی تبغی..." پر عمل کرنے کے لئے کمربستہ ہو جاتے، حالانکہ وہ جیسے قتلِ عمارؓ سے پہلے غیر جانبدار تھے ایسے ہی اس کے بعد بھی بدستور غیر جانبدار ہی رہے۔

5 : ... اہلِ خِربتَا، جو دس ہزار ایسے نفوس پر مشتمل تھے جو بقول حافظ ابن کثیر (رح) "سادۃ الناس ووجوہہم" تھے (البدایۃ، ص252/ج7) جن میں حضرت مسلمۃ بن مُخَلَّد اور حضرت معاویہ بن حُدیج (رضی اللہ عنہما) جیسے صحابہ بھی تھے، یہ لوگ، حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان معاملہ صاف ہونے تک گو حضرت علیؓ کے لئے بیعت کرنے میں متوقف تھے، اسی لئے صفین میں عملاً شریک نہ ہوئے تھے، مگر ابتداءً معتقد انہی کے تھے اور انہی کے گورنرِ مصر حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کے مطیع وفرمانبردار تھے،

انہوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ بہت قریب سے دیکھا تھا لیکن اس کے باوجود جب مصر کے دوسرے علوی گورنر یعنی محمد بن ابی بکرؓ کی غلط پالیسی نے ان کو برہم کر دیا تو وہ دس ہزار کے دس ہزار "وجوه الناس" حضرت معاویہؓ سے مل گئے، ان میں سے دس بیس بھی حضرت علی المرتضیٰؓ کے ساتھ نہ رہے، جس کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں آتا کہ یہ دس ہزار "سادة الناس" بھی حضرت معاویہؓ اور ان کے لشکر کو "فقھی باغی" اور "الفئۃ الباغیۃ" کا مصداق نہ سمجھتے تھے ورنہ وہ قرآن کے حکم "فقاتِلُوا التي تَبغِي حتّٰى تفيءَ الى امر الله" سے یوں اجتماعی بغاوت نہ کرتے اور یوں یکدم حضرت علیؓ سے کَٹ کر حضرت معاویہؓ سے نہ مل جاتے۔

6 : ... یہ تو اسلاف تھے اُس دور کے جس دور کا یہ واقعہ تھا، بعد کے اسلاف کی بھی ایک جماعت، حضرت معاویہؓ وغیرہ صحابہؓ کے بجائے خوارج کے نام سے سبائیوں کو ہی "تقتلك الفئة الباغية" والی حدیث کا مصداق سمجھتی رہی ہے، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ اور حافظ عینیؒ نے علامہ مہلبؒ (م 435ھ) اور حافظ ابن بطالؒ (م449ھ) کے حوالہ سے حدیث کا یہ مصداق نقل کرکے (اصل عبارت حافظ ابن حجرؒ کی نقل کے مطابق یہ ہے: "وقال ابن بطال تبعاً للمهلب: انما يصح هذا في الخوارج الذين بَعثَ اليهم عليٌ عمّاراً يدعوهم الى الجماعة ولايصح فی احد من الصحابة") ساتھ ہی یہ تصریح بھی کی ہے کہ :۔

"وتابعه علىٰ هذا الكلام جماعة من الشُراح" یعنی علامہ مہلبؒ کی پیروی میں حافظ ابن بطالؒ نے حدیث کا جو یہ مصداق بیان کیا ہے اس میں وہ تنہا نہیں ہیں بلکہ شراح حدیث کی پوری ایک جماعت بھی اس میں ان کی ہمنوا ہے۔

(فتح الباری، ص542/ج1۔ عمدۃ القاری، ص209/الجزء الرابع، باب التعاون فی بناء المسجد)

شراح حدیث کی اس جماعتِ متقدمین کا بیان کردہ حدیث کا یہ مصداق، صحیح ہے یا غلط؟ اس وقت اس سے بحث نہیں بلکہ اس وقت تو صرف یہ بتانا ہے کہ اسلاف میں حضرت معاویہؓ وغیرہ کو حضرت عمارؓ کا

قاتل اور "الفئۃ الباغیۃ" کا مصداق ٹھہرانے اور "فقھی باغی" کہنے والے ہی نہیں بلکہ وہ بھی ہیں جو ان کو باغی اور قاتلِ عمارؓ نہیں ٹھہراتے۔

پھر بات گزشتہ ادوار کے اسلاف تک ہی محدود نہیں بلکہ ہمارے دور کے اکابر وعلماء کی بھی ایک جماعت، حضرت معاویہؓ کے بجائے سبائیوں کو ہی حضرت عمارؓ کا قاتل اور "الفئۃ الباغیۃ" کا مصداق قرار دیتی رہی ہے۔

7 : ... چنانچہ ملاحظہ ہو کہ ہمارے دور کے محدثِ بے بدل، فقیہِ بے مثل، علامہ ٔزمان، محققِ دوران حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی (رح)، اسی حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"بات یہ ہے کہ جس طرح حضرت علیؓ کی فوج میں بلوائی قاتلانِ عثمانؓ حیلہ ٔوتدبیر سے شامل ہوگئے تھے، ممکن ہے اسی طرح کچھ بلوائی فوج معاویہؓ میں بھی شامل ہوگئے ہوں، اور انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بدنام کرنے کے لئے حضرت عمارؓ کو قتل کردیا ہو، جس کی ایک دلیل تو یہی ہے کہ قتلِ عمارؓ کے بعد بھی بات جہاں کی تہاں ہی رہی اور کوئی فیصلہ نہ ہوا، یہاں تک کہ تحکیم پر فریقین راضی ہوگئے، حضرت علیؓ نے بھی اس وقت یہ نہیں کہا کہ قتلِ عمارؓ سے میرا حق پر ہونا واضح ہوچکا ہے، اب کسی تحکیم کی ضرورت نہیں رہی، دوسرے وفاء الوفاء میں اس حدیث کو بزار وغیرہ کے حوالہ سے یوں بیان کیا گیا ہے "یا عمار، لا یقتلک اصحابي ، تقتلک الفئۃ الباغیۃ" (اے عمار! تم کو میرے صحابی قتل نہ کریں گے بلکہ باغی گروہ قتل کرے گا) اس حدیث میں جماعت باغیہ کو صحابہ کے مقابلہ میں لایا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ جماعت باغیہ، صحابہ کے علاوہ کوئی (اور) جماعت تھی، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا صحابی ہونا قطعی ہے، پس ان کو قاتلِ عمارؓ کہنا ایسا ہی غلط ہے جیسا کہ حضرت علیؓ کو قاتلِ عثمانؓ کہنا غلط ہے، اور باغی گروہ اس وقت بالاتفاق وہ بلوائی تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل تھے، پس وہی گروہ، قاتلِ عمارؓ تھا جو خفیہ طریقہ سے فوج معاویہؓ میں شامل ہوگیا تھا، واللہ اعلم۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قتلِ عمارؓ کی خبر سن کر صاف فرمادیا تھا کہ :

"میری فوج میں سے کسی نے بھی حضرت عمارؓ کو قتل نہیں کیا، میری فوج میری تابعدار ہے اور میں نے اسے سخت تاکید کر رکھی تھی کہ حضرت عمارؓ پر کوئی ضرب نہ آنے پائے، نہ اُن پر کوئی ہتھیار اٹھائے، ہاں فوج علیؓ ان کی تابعدار نہیں ہے یہ انہی کا فعل معلوم ہوتا ہے وہی قاتلِ عمارؓ ہیں، بہرحال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باغی نہ تھے وہ طالبِ قصاصِ دم (خون) عثمانؓ تھے... الخ"۔

(براءۃِ عثمان، از ص65 تا 67)

## تنبیہ

واضح رہے کہ حضرت مولانا عثمانی (رح) نے اس حدیث پر اپنی مایۂ ناز کتاب "اعلاء السنن" (ص50/ج15) میں بھی گفتگو فرمائی ہے جو بظاہر اُن کی مذکورہ تحقیق کے خلاف معلوم ہوتی ہے، لیکن مذکورہ بالا ان کی تحقیق چونکہ "اعلاء السنن" کی تصنیف سے تقریباً تیس سال بعد کی اور اس موضوع پر شاید ان کی آخری تحریر ہے (کیونکہ "اعلاء السنن" کی تالیف سے فراغت کی تاریخ 26 ربیع الثانی 1357ھ ہے، جبکہ "براءۃِ عثمان" کی تاریخ تصنیف 2 محرم 1387ھ ہے) اس کے تقریباً سات برس بعد آپ کی وفات ہے (کیونکہ "براءۃِ عثمان" کی تاریخِ تصنیف 2 محرم 1387ھ ہے جبکہ ان کی تاریخِ وفات ذوقعدہ 1394ھ ہے)، لہٰذا "اعلاء السنن" کی تحریر کے مقابلہ میں ان کی "براءۃِ عثمان" والی مذکورہ تحقیق ہی راجح، مقبول، معتبر اور اُس سابقہ تحریر کے لئے ناسخ ہے۔

8 : ... ہمارے دور کے ایک اور محقق حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری (رح) اسی سلسلے میں رقمطراز ہیں:۔

"تو حقیقت یہ ہے کہ سیدنا عمار کی قاتل، سبائی باغی پارٹی ہے، ملعون سبائی پارٹی، الفئۃ الباغیۃ!! بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ صرف حضرتِ عمارؓ کے نہیں، حضرت طلحہ وزبیر اور جمیع شہداء جمل وصفین کے قاتل یہی خارجی ملعون ہیں، حتیٰ کہ سیدنا حضرت علیؓ کے قاتل بھی، یہی سبائی مردود ہیں... یہی باغی ٹولی ہے، فئۃ فاغیۃ!"۔

آگے ابن حجرؒ اور حضرت علیؓ سے اس کا ثبوت پیش کر کے لکھتے ہیں:۔

"در حقیقت ابن سبا کی خارجی ٹولی کسی کی بھی حامی نہ تھی، یہ ملعون لوگ نہ حضرت عثمانؓ کی ذات کے دشمن تھے نہ حضرت علیؓ کی ذات کے دوست، دراصل یہ اسلام کے دشمن تھے اور اسلام سے یہودیت کا انتقام لینے کے لئے مسلمانوں میں خلاف وشقاق کا یہ سارا منصوبہ بنایا، پہلے امامِ مظلومؓ کو گھر میں شہید کیا، پھر جنگِ جمل میں حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور دس ہزار مسلمانوں کا خون پیا، پھر صفین میں حضرت عمار اور ہزاروں مسلمانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے اور گھر میں حضرت علی کو شہید کر کے ان کے لہو سے اپنی پیاس بجھائی (رضی اللہ عنہ وارضاہ) ، تو یہ سارے کرتوت اسی سازشی ٹولی، اسی سبائی پارٹی، فئہ باغیہ کے ہیں، لعنہم اللہ"۔

آگے ابن تیمیہؒ سے اس کی تائید نقل کر کے "لمحہ فکریہ" کے زیرِ عنوان تحریر فرماتے ہیں کہ:

"اہلِ علم وفہم اور اربابِ فکر ونظر کو اس حقیقت پر توجہ مبذول کرنا چاہئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمارؓ کے قاتلوں کو باغی ٹولی فرمایا ہے، تقتلک الفئۃ الباغیۃ، اور حضرت معاویہؓ اور ان کی جماعت کو فرمایا ہے، فئتین عظیمتین، تو فئہ باغیہ اور چیز ہے اور فئہ عظیمہ اور چیز، فئہ باغیہ باغی ٹولی، ملعون سبائی پارٹی ہے اور فئہ عظیمہ، حضرت معاویہؓ اور ان کی عظیم جماعت"۔

(عادلانہ دفاع، از ص213تا 216/ج2۔ نیز دیکھئے علامہ خالد محمود صاحب کے "خطباتِ خالد"، ص569،670/ج1 وص572/ج1)

9 : ... اسی طرح مناظرِ اہل سنت حضرت مولانا علامہ عبدالستار صاحب تونسوی (رح) نے بھی بڑی صراحت کے ساتھ الفئۃ الباغیہ کا مصداق، حضرت عثمانؓ کے قاتل سبائی مفسدوں کو ہی قرار دیا ہے، چنانچہ زیرِ عنوان "قاتل، سبائی ملعون تھے نہ کہ حضرت معاویہؓ" ، انہوں نے لکھا ہے:

"بعض حضرات کو حضرت عمارؓ بن یاسر کی شہادت سے یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ حضرت معاویہؓ کو ضرور باغی سمجھنا چاہئے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمارؓ کو فرمایا تھا **تقتلک الفئۃ الباغیۃ**، تجھے باغی گروہ قتل کرے گا، مگر یہ حضرات دوسری حدیث پر غور نہیں فرماتے جس میں حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا: يا عمار لا يقتلك اصحابي تقتلك الفئة الباغية: اے عمار! تجھے میرے صحابہ میں سے کوئی قتل نہ کرے گا بلکہ تجھے باغی جماعت قتل کرے گی، جس سے مراد حضرت سیدنا عثمانؓ خلیفہ راشد کے خلاف بغاوت کرنے والی جماعت ہے۔ چنانچہ حضرت معاویہؓ نے یہی تاویل کی تھی کہ میرے ساتھی میرے فرمانبردار ہیں، میں نے ان کو حضرت عمارؓ کے قتل سے منع کیا ہوا تھا لیکن حضرت علیؓ کے ساتھ ایسے لوگ ہیں جو ان کے نافرمان ہیں، حضرت عمارؓ کو انہوں نے قتل کیا ہے، اور واقعی وہی باغی لوگ تھے جو سیدنا عثمانؓ کے قاتل اور حضرت طلحہؓ وزبیرؓ کے قاتل اور فئہ باغیہ کے صحیح اور اصلی مصداق تھے، وہی حضرت عمارؓ کے قاتل تھے، انہی کے حق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ وہ فئہ باغیہ ہوگا جو فتنہ وفساد کا موجب اور جہنمی قسم کے لوگ ہوں گے، حضرت معاویہؓ کی طرف یہ تاویل منسوب کرنا غلط ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا کہ حضرت علیؓ ان کو میدانِ جنگ میں لائے ہیں لہٰذا وہی ان کے قاتل ہیں، یہ محض سبائی افتراء ہے جو کہ سبائیوں نے از خود بنا کر حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کی طرف منسوب کیا ہے، حضرت عمارؓ کے قاتل نہ حضرت علیؓ ہیں نہ حضرت معاویہؓ ہیں، کیونکہ یہ حضرات یقینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اور کوئی صحابی، حضرت عمارؓ کا قاتل نہیں ہوسکتا، اسلام میں اولاً وبالذات باغی جماعت وہی ہے جو حضرت عثمان ذی النورینؓ جیسے رحیم وکریم خلیفہ راشد کی خلافتِ راشدہ کے خلاف بغاوت کی مجرم ہو کر فئہ باغیہ کا حقیقی مصداق بنی۔ جس قدر احادیث اور روایات، فئہ باغیہ کے متعلق ہیں وہ سب انہی مفسدین کے حق میں ہیں، دوسرے حضرات کے حق میں ان روایات کو بیان کرنا محض غلط فہمی اور اجتہادی غلطی ہے"۔ (مدلل جواب، از ص76 تا 78)

نوٹ: جبکہ مفتی وقاص رفیع کی ضد یہ ہے کہ قاتلین عثمان (رض) تو باغی تھے ہی نہیں ... (جیسا کہ علامہ تفتازانی کی عبارات کی بحث میں گزرا)

ان حقائق وواقعات سے یہ بات بخوبی ثابت ہو گئی کہ اسلاف میں صرف، حضرت معاویہؓ اور ان کی جماعت کو حضرت عمارؓ کا قاتل اور "الفئۃ الباغیۃ" کا مصداق اور "فقہی باغی" قرار دینے والے ہی نہیں بلکہ وہ بھی ہیں جو ان کو یہ کچھ قرار دنہیں دیتے۔

بنابریں جن اسلافِ متأخرین نے حضرت معاویہؓ اور ان کی جماعت کو ہی قاتلِ عمارؓ اور فقہی باغی ٹھہرایا ہے، اگر ان کے اس فیصلے کو قابلِ تاویل نہ مانا جائے بلکہ قابلِ حجت ہی فرض کرلیا جائے تو تب بھی ان کے اس فیصلے کو نہ اپنانا، اسلاف پر بدگمانی اور گمراہی کا راستہ ہر گز نہیں ہوسکتا، کیونکہ یہ تو تب ہوسکتا تھا جبکہ اس سلسلے میں اسلاف کا صرف یہی ایک موقف ہوتا، حالانکہ ابھی معلوم ہوچکا کہ اس سلسلے میں اسلاف کا صرف یہ ایک موقف نہیں بلکہ حضرت معاویہؓ اور ان کی جماعت کو قاتل وباغی نہ ٹھہرانے والا ایک دوسرا موقف بھی ہے، جب اس سلسلے میں اسلاف کے دو موقف ہوئے تو ان میں سے جس موقف کو بھی اختیار کیا جائے وہ، اسلاف کا ہی موقف کہلائے گا، ان میں سے کسی کو بھی اس کے مدِ مقابل دوسرے موقف کے حوالہ سے اسلاف کی تغلیط وتردید، ان پر بے اعتمادی وبدگمانی اور گمراہی کا راستہ ہر گز ہر گز نہیں کہا جاسکتا بلکہ ایسا کہنا اور سوچنا بجائے خود مغالطہ دہی، خود فریبی بلکہ گمراہی کا راستہ ہے، لہٰذا اس شبہ کی حیثیت ایک بہت بڑے مغالطہ انگیز اغلوطے سے زیادہ کچھ نہیں۔

نیز مفتی وقاص رفیع صاحب خود اپنی کتاب کے شروع میں (صفحہ 59) پر ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ:

"دونوں فریقین کے درمیان حرب وضرب کے سلسلے کو ختم کرنے کے لیے مراسلت ومکاتبت ہوئی جس کے نتیجے میں سنہ 40 ہجری کے وسط میں بین الفریقین (یعنی حضرت معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں کے درمیان_ناقل) صلح ہو گئی، اور یہ صلح درج ذیل تفصیلات پر مشتمل تھی:

1: عراق کا ملک اور اس کے ملحقات حضرت علی المرتضی (رض) کے حکم کے تابع ہوں گے.

2: ملک شام اور اس کے ملحقات حضرت معاویہ (رض) کے تحت ہوں گے.

3: کوئی ایک فریق دوسرے فریق کے علاقہ پر فوج کشی اور غارت گری نہیں کرے گا.

4: ہر فریق ایک دوسرے کے خلاف قتال سے گریز کریں گے، اور کسی ایک فریق کے علاقہ میں دوسرا فریق اپنی فوج نہں بھیجے گا.

تو مفتی وقاص رفیع صاحب! یہ جس معاہدہ کا آپ نے ذکر کیا ہے، یہ جنگ صفین کے بعد کا ہے، اس سے پہلے حضرت عمار بن یاسر (رض) کی شہادت ہو چکی تھی، اور آپ حضرات کے فلسفہ کے مطابق اگر پہلے کسی کے ذہن میں کوئی شک بھی تھا کہ کون ٹھیک ہے اور کون غلط، تو اب وہ بھی دور ہو چکا تھا کہ معلوم ہو چکا تھا کہ "الفئۃ الباغیۃ" کون ہے... یہ یقینی طور پر معلوم ہو چکا تھا کہ حضرت معاویہ (رض) "فقہی باغی" ہیں... تو فرمائیں.. ایک "فقہی وشرعی باغی" کے ساتھ حضرت علی (رض) نے یہ یہ اوپر مذکور معاہدہ کیا، کیا یہ باغیوں کے بارے میں قرآنی حکم کے مطابق تھا یا نہیں؟ کیا آپ یہ کہنا چاہیں گے کہ حضرت علی (رض) نے ایک "فقہی وشرعی باغی" کے ساتھ یہ معاہدہ کیا اور اس کے ساتھ علاقے تقسیم کر لیے؟؟

آپ کو یہ گتھی سلجھانی ہوگی...

پھر خود مفتی وقاص رفیع، حضرت علی (رض) کی شہادت کے بعد حضرت حسن (رض) اور حضرت معاویہ ) (رض) کی صلح کے بارے میں لکھ آئے ہیں کہ:

"حضرت حسن (رض) نے حضرت معاویہ (رض) کو ایک خط لکھا جس میں ان کے سامنے صلح کی تجویز رکھی، اور چند شرطیں رکھیں کہ اگر وہ اس کو قبول کرلیں تو وہ امارت سے حضرت معاویہ (رض) کے حق میں دست بردار ہو جائیں گے، اور مسلمان خون ریزی سے بچ جائیں گے، حضرت معاویہ (رض) نے آپ کی تمام شرطیں کھلے دل سے قبول فرمائیں، اور ان کا پوری طرح ایفاء کیا، اور حضرت حسن (رض) نے حضرت معاویہ (رض) سے صلح کرکے امر خلافت آپ کے سپرد کر دیا اور خود خلافت جیسے عظیم مگر انتہائی نازک عہدے سے علیحدہ ہو گئے"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 62)

مفتی وقاص رفیع صاحب فرمائیں کہ:

کیا حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ایک فقہی طور پر "باغی" کو صلح کے لیے خط لکھا تھا؟ اور پھر چند شرطوں کے قبول کرنے کے عوض اپنی امارت سے دست برداری کا لکھا تھا؟ کیا "فقہی باغی" کے ساتھ ایسے ہی معاملہ کرنے کا حکم ہے؟؟

اس قسط کے آخر میں ایک حوالہ اور بھی پڑھتے جائیں..

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

**فَلَا رَيْبَ أَنَّهُ اقْتَتَلَ الْعَسْكَرَانِ: عَسْكَرُ عَلِيٍّ وَمُعَاوِيَةَ بِصِفِّينَ، وَلَمْ يَكُنْ مُعَاوِيَةُ مِمَّنْ يَخْتَارُ الْحَرْبَ ابْتِدَاءً، بَلْ كَانَ مِنْ أَشَدِّ النَّاسِ حِرْصًا عَلَى أَنْ لَا يَكُونَ قِتَالٌ، وَكَانَ غَيْرُهُ أَحْرَصَ عَلَى الْقِتَالِ مِنْهُ. وَقِتَالُ صِفِّينَ لِلنَّاسِ فِيهِ أَقْوَالٌ: فَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ: كِلَاهُمَا كَانَ مُجْتَهِدًا مُصِيبًا، كَمَا يَقُولُ ذَلِكَ كَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ الْكَلَامِ وَالْفِقْهِ وَالْحَدِيثِ، مِمَّنْ يَقُولُ: كُلُّ مُجْتَهِدٍ مُصِيبٌ، وَيَقُولُ: كَانَا مُجْتَهِدَيْنِ. وَهَذَا قَوْلُ كَثِيرٍ مِنَ الْأَشْعَرِيَّةِ وَالْكَرَّامِيَّةِ وَالْفُقَهَاءِ وَغَيْرِهِمْ، وَهُوَ قَوْلُ طَائِفَةٍ مِنْ أَصْحَابِ أَبِي حَنِيفَةَ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَغَيْرِهِمْ، وَتَقُولُ الْكَرَّامِيَّةُ: كِلَاهُمَا إِمَامٌ مُصِيبٌ، وَيَجُوزُ نَصْبُ إِمَامَيْنِ لِلْحَاجَةِ.**

**وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ: بَلِ الْمُصِيبُ أَحَدُهُمَا لَا بِعَيْنِهِ، وَهَذَا قَوْلُ طَائِفَةٍ مِنْهُمْ.**

**وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ: عَلِيٌّ هُوَ الْمُصِيبُ وَحْدَهُ، وَمُعَاوِيَةُ مُجْتَهِدٌ مُخْطِئٌ، كَمَا يَقُولُ ذَلِكَ طَوَائِفُ مِنْ أَهْلِ الْكَلَامِ وَالْفُقَهَاءِ أَهْلِ الْمَذَاهِبِ الْأَرْبَعَةِ.**

"بلاشک صفین میں حضرت علی (رض) اور حضرت معاویہ (رض) کے لشکروں کا ٹکراؤ ہوا، لیکن جنگ اختیار کرنے والے (یعنی ابتداء کرنے والے) حضرت معاویہ (رض) نہ تھے، بلکہ آپ تمام لوگوں میں سے اس بات کے خواہاں تھے کہ جنگ نہ ہو، جبکہ ان کے علاوہ دوسرے لوگ یہ چاہتے تھے کہ جنگ ہو جائے.

اور صفین کی جنگ کے بارے میں لوگوں کے تین قول ہیں.

پہلا قول: ان میں سے کچھ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ وہ دونوں (یعنی حضرت علی و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما) مجتہد مصیب تھے (یعنی اپنے اپنے اجتہاد میں ٹھیک تھے)، یہ قول متکلمین و فقہاء و محدثین میں سے بہت سے

لوگوں کا ہے جن کا یہ کہنا ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہی ہوتا ہے، اور کہتے ہیں کہ (چونکہ) وہ دونوں ہی مجتہد تھے (اس لیے دونوں مصیب تھے)، یہی قول ہے اشعریہ، کرامیہ اور فقہاء میں سے بہت سوں کا اور ان کے علاوہ دوسروں کا، نیز یہی قول ہے امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد کے اصحاب میں سے ایک جماعت کا.

دوسرا قول: کچھ یہ کہتے ہیں کہ ان دونوں میں سے صرف ایک ہی "مجتہد مصیب" تھے، لیکن کون تھے؟ اس کی تعیین نہیں کر سکتے، یہ بھی ان میں ہی ایک جماعت کا قول ہے.

تیسرا قول: ان میں وہ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی (رض) ہی مصیب تھے اور حضرت معاویہ (رض) مجتہد مخطی تھے، جیسے کہ متکلمین اور چاروں مذاہب کے فقہاء کی کئی جماعتوں کا قول ہے.

(منہاج السنۃ، صفحہ 447، جلد 4، طبع السعودیۃ)

تو ملاحظہ فرمائیں، امام ابن تیمیہ نے اس بارے تین اقوال ذکر فرمائے ہیں، اور تینوں ہی اہل سنت کے اقوال بتائے ہیں، لہٰذا یہ رٹ لگانا کہ اہل سنت کا صرف اس پر اجماع ہے کہ ان دونوں مجتہد صحابیوں میں سے صرف ایک مصیب تھے اور دوسرے غلط، اور مصیب یقینی طور پر حضرت علی (رض) تھے اور حضرت معاویہ (رض) یقینی طور پر غلط تھے اور فقہی باغی تھے ... یہ دعوی غلط ہے .. بلکہ یہ تین اقوال میں سے صرف ایک قول ہے.

# اکابر کے نادان وکیل: (قسط: 24)

مفتی وقاص رفیع نے لکھا ہے:

"اور اگر بالکل ہی حضرت معاویہ (رض) کو غلطی سے پاک مان لیا جائے تو پھر اس صورت میں حضرت علی (رض) کی خلافت کا ناحق ہونا لازم آئے گا، بایں حیثیت کہ حضرت علی (رض) اور حضرت معاویہ (رض) دونوں گروہوں میں سے ایک گروہ کے موقف کا درست اور دوسرے گروہ کے موقف کا غلط ہونا لازم آئے گا، تو اب اگر حضرت معاویہ (رض) اور ان کے ساتھیوں کو (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت نافذ ہونے کے قائل نہیں تھے) غلطی سے مبرا تسلیم کرکے مجتہد مصیب مان لیا جائے تو اس صورت میں خلیفہ بر حق یعنی حضرت علی (رض) کی خلافت کا عدم نفاذ لازم آئے گا، اور یہ بات اجماع امت اور مسلک اہل سنت کے خلاف ہے" (مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 600)

قارئین محترم! غور فرمائیں، جس بات کا قطعی فیصلہ اس وقت موجود صحابہ کرام کی اکثریت (جن میں سابقون اولون بھی تھے) نہ کر سکی اور انہوں نے توقف اختیار کیا، اس کا فیصلہ آج مفتی وقاص رفیع اپنی عدالت میں کرنا چاہتے ہیں، نیز مفتی وقاص کی یہ منطق ہی غلط ہے کہ "دو مجتہدین میں سے ایک کو صحیح اور دوسرے کو غلط کہنا اور ثابت کرنا ضروری و لازمی ہے"، یہ ممکن ہے کہ اپنی اپنی جگہ دونوں مجتہد مصیب ہی ہوں، مثلاً امام شافعی کا اجتہاد ان کے پیروکاروں کے نزدیک درست ہے، اور امام ابو حنیفہ کا اجتہاد، احناف کے نزدیک درست ہے، یوں دونوں اجتہاد اپنی اپنی جگہ درست ہوئے، اب یہاں یہ ادھار کھائے بیٹھنا کہ نہیں ہمیں تو ضرور ایک کو "مجتہد مصیب" اور دوسرے کو "مجتہد مخطی" ثابت ہی کرنا ہے، یہ اصول اجتہاد کے خلاف ہے .. اس کی ایک مثال وہ قصہ ہے جو کتب احادیث میں منقول ہے کہ چند صحابہ کرام کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی قریبی ایک بستی کی طرف کسی کام سے بھیجا، اور ہدایت فرمائی کہ "تم نے عصر کی نماز اس بستی میں جا کر پڑھنی ہے"، وہ لوگ ابھی اس بستی میں نہیں پہنچے تھے کہ سورج غروب کے قریب ہو گیا اور

عصر کا وقت نکلنے لگا، ان صحابہ کرام میں اختلاف ہوا، بعض نے کہا کہ عصر کا وقت نکلا چاہتا ہے ہمیں عصر کی نماز یہیں راستے میں پڑھ لینی چاہئے، نبی کرام صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا تھا کہ "عصر اس بستی میں جا کر پڑھنا" اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ جلدی جاؤ تاکہ عصر تک وہاں پہنچ جاؤ، جبکہ دوسرے فریق کا موقف یہ تھا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "عصر بستی میں جا کر پڑھنی ہے تو چاہے وقت نکل جائے ہم وہیں جا کر پڑھیں گے"، دونوں نے اپنا اپنا اجتہاد کیا، چنانچہ کچھ نے عصر کی نماز راستے میں ہی عصر کے وقت میں ادا کرلی، اور دوسروں نے بعد میں بستی میں جا کر قضا پڑھی... مدینہ واپسی پر دربار نبوی میں یہ قضیہ پیش ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی فریق کو بھی غلط نہیں فرمایا...

اب اگر وہاں مفتی وقاص رفیع کی عدالت ہوتی تو وہ وہاں بھی کہتے کہ "یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ دونوں کے اجتہاد کو صحیح کہا جائے، ایک کو غلط کہنا لازمی ہے"..

تو عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مفتی وقاص رفیع "اجماع امت" کا لفظ بولتے ہیں، کیا ان کے نزدیک صحابہ کرام کی وہ اکثریت امت میں شامل نہیں جو حضرت علی (رض) کی بیعت سے الگ رہی؟ اور جنہوں نے "توقف" والا مسلک اپنایا اور کسی فریق کو بھی صحیح یا غلط نہیں کہا؟؟ مفتی وقاص رفیع صاحب کو سب سے پہلے یہ ثابت کرنا ہے اس وقت موجود صحابہ کرام کی اکثریت اور جمہور صحابہ کا کیا موقف تھا؟ اس کے بعد ہم آگے چلیں گے..

آپ نے حضرت علی (رض) کی خلافت کے نفاذ اور عدم نفاذ کی بات کی، یہ فرمائیں کہ اس وقت جمہور صحابہ کرام جنہوں نے حضرت علی (رض) کی خلافت کی بیعت نہ کی تھی (جس میں غیر جانبدار اور جنگ جمل و صفین میں حصہ لینے والے سب شامل ہیں) وہ حضرت علی (رض) کی خلافت کے "عمومی نفاذ وانعقاد" کے قائل تھے یا نہیں؟ اگر تھے تو پھر انہوں نے بیعت کیوں نہ کی؟ اور اگر نہیں تھے تو پھر اس وقت کے جمہور صحابہ کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ کیا آپ ان سب کو "فقہی باغی" کہتے ہیں؟ کیا ان کے سامنے وہ "نصوص" نہ تھیں جن کی بنیاد پر آپ حضرت علی (رض) کی خلافت کا "عمومی نفاذ" ثابت کرنا چاہتے ہیں؟؟

اس وقت اختلاف یہی تو تھا کہ "حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد دور فتنہ کے جن حالات میں حضرت علی (رض) کی چند حضرات نے بیعت کی ہے، اس کا اس وقت تک "عمومی انعقاد" نہیں ہو سکتا جب تک دوسرے تمام "اہل حل و عقد" بھی بیعت نہ کرلیں، لہٰذا ان صحابہ کی رائے میں اس وقت تک حضرت علی (رض) کا حکم صرف ان پر ہی نافذ العمل تھا جنہوں نے ان کی بیعت کی تھی... اس قضیہ کو ہمیں اس وقت کے صحابہ کرام کی نظر سے دیکھنا ہے، نہ کہ بعد والوں کی نظر سے.. ہاں یہ بات اپنی جگہ حقیقت ہے کہ حضرت علی (رض) کی ذات اور خلفاء ثلاثہ کے بعد آپ کی افضیلت سے کسی کو نہ انکار تھا اور نہ کسی نے انکار کیا تھا..

(خلافت کے "مطلق انعقاد" اور "عموم انعقاد" کی بحث حضرت نانوتوی نے کی ہے، اگر مفتی وقاص رفیع کو شوق ہو تو وہ پڑھ لیں)

مفتی وقاص رفیع صاحب نے اپنی کتاب میں ایک جگہ لکھا ہے کہ:

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مدینہ کے مہاجرین و انصار کی اکثریت نے جب سیدنا علی المرتضی (رض) کی بیعت کرلی تو...." (صفحہ 54)

یہاں میرا سوال یہ ہے کہ یہ بتائیں کہ جب حضرت عثمان (رض) کی شہادت کا سانحہ ہوا، اور جب باغیوں نے مدینہ میں آپ کا محاصرہ کیا تھا، اس وقت مدینہ میں کتنے مہاجرین و انصار موجود تھے؟ اور ان میں سے کس کس نے حضرت علی (رض) کی بیعت کی تھی (جسے مفتی وقاص اکثریت سے تعبیر کر رہے ہیں) اور کس کس نے نہیں کی تھی (جسے اقلیت کہا جارہا ہے)..

آیئے میں آپ کو ایک حوالہ پیش کرتا ہوں، جس سے شاید آپ کو میری بات اچھی طرح سمجھ آجائے گی..

حافظ ابن تیمیہ نے ایک جگہ اس حدیث شریف کے بارے میں بات کرتے ہوئے جس کا مفہوم ہے کہ "جو مر گیا اس حال میں کہ اس کا کوئی امام نہ تھا تو وہ جاہلیت کی موت جیسی موت مرا" امام احمد بن حنبل (رح) سے نقل کرتے ہیں کہ آپ سے پوچھا گیا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

"فَقَالَ: تَدْرِي مَا الْإِمَامُ؟ الْإِمَامُ الَّذِي يُجْمِعُ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ، كُلُّهُمْ يَقُولُ: هَذَا إِمَامٌ؛ فَهَذَا مَعْنَاهُ"

آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو "امام" سے کیا مراد ہے؟ امام سے مراد وہ ہے جس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہو، جس کے بارے میں سب کہیں کہ یہ امام ہے، یہ اس کا مطلب ہے.

(منہاج السنۃ، ج1 ص529)

پھر آگے خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تذکرہ کرتے ہوئے بہت اہم بات لکھی ہے:

"وَلَوْ قُدِّرَ أَنَّ عُمَرَ وَطَائِفَةً مَعَهُ بَايَعُوهُ، وَامْتَنَعَ سَائِرُ الصَّحَابَةِ عَنِ الْبَيْعَةِ، لَمْ يَصِرْ إِمَامًا بِذَلِكَ، وَإِنَّمَا صَارَ إِمَامًا بِمُبَايَعَةِ جُمْهُورِ الصَّحَابَةِ، الَّذِينَ هُمْ أَهْلُ الْقُدْرَةِ وَالشَّوْكَةِ. وَلِهَذَا لَمْ يَضُرَّ تَخَلُّفُ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ؛ لِأَنَّ ذَلِكَ لَا يَقْدَحُ فِي مَقْصُودِ الْوِلَايَةِ، فَإِنَّ الْمَقْصُودَ حُصُولُ الْقُدْرَةِ وَالسُّلْطَانِ اللَّذَيْنِ بِهِمَا تَحْصُلُ مَصَالِحُ الْإِمَامَةِ، وَذَلِكَ قَدْ حَصَلَ بِمُوَافَقَةِ الْجُمْهُورِ عَلَى ذَلِكَ".

اگر (بالفرض) ایسا ہوتا کہ حضرت عمر (رض) اور ان کے ساتھ جو لوگ تھے (یعنی سقیفہ بنی ساعدہ میں_ناقل) صرف انہوں نے آپ کی بیعت کی ہوتی، اور باقی سارے صحابہ بیعت سے رکے رہتے تو آپ (یعنی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ_ناقل) اس طرح امام نہ بنتے، وہ امام بنے ہی جمہور صحابہ کی بیعت سے تھے، جو قدرت و شوکت والے تھے (اب یہاں سوال ہوتا تھا کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے تو پھر بھی کچھ عرصے تک آپ کی بیعت نہ کی تھی، تو اس کا جواب دیتے ہیں کہ) ایک ان کا (کچھ مدت تک) پیچھے رہنا کوئی مضر نہیں، کیونکہ مقصد خلافت میں اسے سے کوئی خلل نہیں آیا، کیونکہ خلافت کا مقصد قدرت اور غلبہ کا حصول ہے، اور ان دونوں چیزوں کے ساتھ امامت کے مصالح حاصل ہوتے ہیں، اور یہ چیز جمہور کی موافقت سے حاصل ہو گئی تھی. (حوالہ بالا)

قارئین محترم! اس سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ اگرچہ شروع میں امام (خلیفہ یا حاکم) کا انتخاب چند لوگ بھی کر سکتے ہیں، لیکن اس کے بعد جمہور اہل حل و عقد کی تائید ضروری ہے، امام ابن تیمیہ (رح) نے صاف لکھا ہے کہ "اگر بالفرض سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت عمر (رض) اور دوسرے چند حضرات کی بیعت کے بعد باقی لوگ حضرت ابو بکر (رض) کی بیعت نہ کرتے تو آپ بھی امام نہ بنتے"... لہٰذا امامت کے "عمومی انعقاد"

اور "عمومی نفاذ" کے لیے اس وقت کے تمام اہل حل و عقد اور اہل شان و شوکت یا ان کی اکثریت کا اس اولین بیعت کی تائید کرنا بھی ضروری ہے..

اب آپ حضرت عثمان (رض) کے محاصرے اور آپ کی شہادت کے وقت کے حالات ذہن میں لائیں، مدینہ منورہ میں چند صحابہ کرام ہی تھے، بہت سے توحج کے لیے گئے ہوے تھے اور کئی دوسرے علاقوں میں تھے، ورنہ باغیوں کی جرءت ہی مدینہ پر حملہ کرنے کی نہ ہوتی... حضرت عثمان (رض) کی شہادت کے بعد، جبکہ مدینہ انھیں باغیوں اور قاتلوں کے نرغے میں تھا حضرت علی (رض) کی بیعت وہ چند صحابہ کرتے ہیں، جنھیں مفتی وقاص رفیع "مدینہ کے مہاجرین وانصار کی اکثریت" سے تعبیر کر رہے ہیں (ساتھ ہی وہ باغی اور قاتل بھی بیعت کرتے ہیں)، وہ زمانہ کوئی سیٹلائٹ کا زمانہ تو تھا نہیں کے ویڈیو لنک یا ٹیلفون کے ذریعے رابطے کرکے دوسرے علاقوں میں موجود اصحاب حل و عقد کی تائید حاصل کی جاتی...

حضرت علی (رض) کی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں جن بعض حضرات نے میری بیعت کرلی ہے، اس سے میری خلافت کا عمومی نفاذ ہو گیا ہے، اسی کے پیش نظر آپ نے بہت سے علاقوں کے گورنروں کو معزول کرنے کے احکامات بھی دے دیے.

جبکہ دوسرے صحابہ کرام کا یہ موقف تھا کہ حضرت علی (رض) کی خلافت کا "عمومی نفاذ وانعقاد" اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک باقی تمام اہل حل و عقد بھی آپ کی بیعت نہ کریں، لہٰذا جنہوں نے آپ کی ابھی بیعت نہیں کی، ان پر آپ کے احکام لاگو نہیں ہوتے...

پھر بد قسمتی یہ کہ حضرت عثمان (رض) کے قاتل اور وہ بلوائی بھی حضرت علی (رض) کی بیعت کرتے ہیں ،اور آپ کے ارد گرد نظر آتے ہیں، اس بھی کچھ اور غلط فہمیاں پیدا ہوئیں.. جس کے نتیجے میں سب سے پہلے جنگ جمل اور اس کے بعد انہی قاتلوں سے قصاص کے مسئلے پر ہی جنگ صفین ہوئی. (بلکہ بقول مفتی وقاص رفیع، سوئے اتفاق سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا انتخاب انہی کے ہاتھوں ہوا کہ جن کے دامن دمِ عثمان رضی اللہ عنہ سے داغ دار تھے، اس لئے صحابہ کی ایک بڑی جماعت نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت

کرنے کو دمِ عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے حصول کی شرط کے ساتھ مشروط کردہ، دیکھیں مفتی وقاص کی کتاب: صفحہ 45) .

اب ان حالات کے تناظر میں ہمیں دیکھنا ہے کہ ان صحابہ کرام کا کیا موقف تھا جو حضرت علی (رض) کی بیعت سے الگ رہے، ان کا موقف یہی تھا کہ "چونکہ ابھی حضرت علی (رض) کی خلافت کا عموم انعقاد اور عمومی نفاذ نہیں ہوا اس لیے ہم پر آپ کا حکم ماننا لازم نہیں" ............. اور یہ صحابہ آخر وقت تک اپنے موقف پر ہی رہے اور انہوں نے حضرت علی (رض) کی بیعت نہ کی... (الا ماشاء اللہ اگر ایک دو نے بعد میں کر لی ہو تو وہ مستثنی ہیں) .

یہ تھا جانبین کا موقف... اور دونوں طرف صحابہ کرام ہیں، بلکہ "توقف" کرنے والے اکثریت میں ہیں... مفتی وقاص رفیع آج ان سب کو ضرور "باغی" اور "غلطی پر" ثابت کرنے پر مصر ہیں... اور "اجماع امت" کا نام تو لیتے ہیں لیکن صحابہ کرام کی اس وقت کی اکثریت کا موقف نہیں بتاتے کہ کیا تھا؟ کیا صحابہ کرام اہل سنت سے خارج ہیں؟ .

ہم یہ ہر گز نہیں کہہ رہے کہ حضرت معاویہ (رض) یا وہ تمام صحابہ (رض) جو حضرت علی (رض) کی بیعت سے الگ رہے، یا انہوں نے توقف کیا، وہ معصوم ہیں، اور ان سے غلطی کا امکان نہیں، جیسا کہ مفتی وقاص رفیع نے فرض کر لیا ہے، بلکہ ہمارا موقف یہ ہے کہ جب اہل سنت نے صحابہ کرام کے اس اختلاف کو "اجتہاد" پر مبنی تسلیم کیا ہے، تو دو مجتہدین میں سے کسی ایک کو قطعی طور پر "غلط" اور دوسرے کو قطعی طور پر "درست" کہنا یہ اصول اجتہاد کے خلاف ہے، یا تو صحابہ کرام کے ان "اجتہادی مشاجراتی مواقف" کو "اجتہادی" نہ تسلیم کیا جائے، بلکہ اسے صریح طور پر "حق" و "باطل" کا اختلاف قرار دیا جائے، یا اگر اسے اجتہادی اختلاف کہنا ہے تو پھر اصول اجتہاد کی رو سے کسی بھی مجتہد کی یقینی "خطا" یا "صواب" کا فیصلہ کرنے سے گریز کیا جائے، اور اس بارے میں توقف و امساک کیا جائے... حضرت علی (رض) کا موقف اپنی جگہ درست تھا، اور دوسرے صحابہ کرام بھی اپنی اپنی جگہ اپنے دلائل کی روشنی میں اپنے آپ کو غلط نہ سمجھتے تھے... مفتی وقاص رفیع اینڈ کمپنی کیوں ان کے فیصلے چکانے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں؟؟ ہاں اگر وہ حضرت علی (رض)

کو معصوم عن الخطأ والنسیان سمجھتے ہیں، یا ان کی خلافت کو "منصوص من اللہ" خیال کرتے ہیں تو الگ بات ہے... ہم تو کسی کی بھی طرف غلطی کی نسبت نہیں کرتے... اور ان کا فیصلہ اللہ پر چھوڑتے ہیں...

ہمیں اعتراض ہے تو اس بات پر کہ ایک طرف بار بار یہ کہا جاتا ہے کہ:

"اہل سنت کا عقیدہ یہی ہے کہ حضرت علی (رض) مجتہد مصیب تھے اور حضرت معاویہ (رض) مجتہد مخطی" (مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 601)

اور دوسری طرف ساتھ ہی یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ "حضرت معاویہ فقہی اصطلاح کے اعتبار سے باغی کہلائے گئے" (صفحہ 601)

یہ کیسی "فقہی بغاوت" ہے جو "اجتہادی خطا" ہے؟ فقہ کی کس کتاب میں یہ لکھا ہے کہ "فقہی بغاوت کی ایک قسم اجتہادی خطا ہے"???

آگے مفتی وقاص رفیع نے لکھا ہے کہ:

"اگر ہمت ہے تو مولانا نعمانی کو کوسنے کے بجائے ان کی دلیل کا جواب دیں"

تو ہم عرض کرتے ہیں کہ اگر مفتی وقاص میں ہمت ہے تو وہ "فقہی بغاوت" کو "اجتہادی خطا" ثابت کریں ...، اگر ان میں ہمت ہے تو وہ یہ ثابت کریں کہ "فقہی باغی" کو ایک اجر ملتا ہے (مجتہد مخطی والا)، اگر ان میں ہمت ہے تو وہ یہ ثابت کریں کہ "اجتہادی اختلافات میں کسی بھی مجتہد کو اس دنیا میں قطعی طور پر مخطی یا مصیب کہا جا سکتا ہے"... اگر ان میں ہمت ہے تو وہ ثابت کریں کہ حضرت معاویہ (رض) نے حضرت علی (رض) کے خلاف خروج کیا تھا".. اگر ان میں ہمت ہے تو یہ ثابت کریں کہ "فقہی بغاوت" کی تعریف صرف حضرت معاویہ (رض) پر ہی صادق آتی ہے، اور کسی پر نہیں آتی..

باقی نعمانی صاحب کا "اجتہادی مشاجراتی اختلاف" کے سلسلے میں "کتاب الحدود" کا حوالہ دینا ہی درست نہیں تو اس کا جواب کیا دیا جائے???

اور پھر مفتی وقاص رفیع نے خود ہی مولانا عبدالرشید نعمانی (رح) کی دلیل کا جواب بھی تو دیا ہے.. نعمانی صاحب نے اپنے حق میں حضرت نانوتوی (رح) کی بات پیش کی تھی کہ:

"حضرت نانوتوی نے لکھاہے کہ حضرت معاویہ (رض) کوئی اتنے بڑے صحابی نہیں کہ ان کے ہر قول و فعل کی ہم توجیہ کرتے پھریں"...

مفتی وقاص رفیع اس کا جواب دیتے ہیں کہ:

"حضرت نانوتوی کی طرف اس بات کی نسبت کرنا خلاف تحقیق ہے، لگتا یوں ہے کہ مولانا نعمانی صاحب نے یہ تحقیق انور النجوم ترجمہ قاسم العلوم سے نقل کی ہے جو اس کے مترجم مولانا انوار الحسن شیر کوٹی سے دوران ترجمہ سہواً و نسیاناً غلط ترجمانی کے نتیجے میں واقع ہوئی ہے" (صفحہ 601)

تو مفتی وقاص رفیع خود تسلیم کرتے ہیں کہ مولانا نعمانی (رح) نے جو یہ بات حضرت نانوتوی کی طرف منسوب کی یہ خلاف تحقیق ہے... اور یہ غلطی مولانا شیر کوٹی (فاضل دار العلوم دیوبند_ناقل) کو لگی تھی، اسی کو مولانا نعمانی نے نقل کر دیا...

اب ہم اور کیا کہیں؟؟ اگر مولانا نانوتوی کی بات مولانا نعمانی "خلاف تحقیق" نقل کر سکتے ہیں تو اور کسی بات میں غلطی کیوں نہیں کھا سکتے؟؟

(مولانا نانوتوی کی اس عبارت پر ہم مفصل کلام پہلے کر آئے ہیں، اور مفتی وقاص رفیع کی اس باطل تاویل کا تار پول کھول آئے ہیں)

# اکابر کے نادان وکیل : (قسط: 25)

------------------

قارئین محترم! مفتی وقاص رفیع کی کتاب "حضرت امیر معاویہ (رض) اور عباراتِ اکابر" کا میں نے بڑے انہماک اور توجہ سے مطالعہ کیا ہے، میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مفتی موصوف نے اپنی کتاب میں کئی دوسری کتب سے مواد لے کر من وعن نقل کر دیا ہے اور اس کام میں انہیں یہ بھی یاد نہ رہا کہ وہ اپنی کتاب میں پہلے کیا کیا لکھ آئے ہیں اور بعد میں کیا لکھ رہے ہیں، آیئے پہلے مفتی وقاص رفیع کی اسی کتاب سے چند اقتباس پڑھتے ہیں اس کے بعد ہم اصل موضوع پر بات کریں گے.

مفتی وقاص رفیع نے حضرت عثمان (رض) کی شہادت کے بعد کے حالات کا نقشہ اپنے قلم سے کچھ یوں کھینچا ہے:

"حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی الم ناک شہادت کے بعد حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے چوتھے خلیفہ راشد مقرر ہوئے، لیکن افسوس کہ آپ کا انتخاب ایک انتہائی پر آشوب اور ہنگامی دور میں ہوا، اور سوئے اتفاق کہ انہی لوگوں کے ہاتھوں ہوا کہ جن کے دامن دم عثمان (رض) کے داغ سے داغ دار تھے، اس لئے صحابہ کی ایک بڑی جماعت نے آپ (رض) کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو دم عثمان (رض) کے قصاص کے حصول کی شرط کے ساتھ مشروط کر دیا....الخ"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 44 — 45)

غور فرمائیں! مفتی وقاص رفیع "بقلم خود" لکھ رہے ہیں کہ:

1: حضرت علی (رض) کا انتخاب ایک پر آشوب اور ہنگامی دور میں ہوا.

2: آپ کا انتخاب انہی لوگوں کے ہاتھوں ہوا جن کے دامن دمِ عثمان (رض) کے خون سے داغ دار تھے.

3: اور یہی وجہ بنی کہ صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو قصاص عثمان (رض) کے ساتھ مشروط کر دیا.

تو یوں مفتی وقاص ہمیں بتلا رہے ہیں کہ حضرت علی (رض) کا انتخاب قاتلین عثمان (رض) کے ہاتھوں سے ہوا.... (میں اس پر کوئی تبصرہ نہیں کرتا)

اب یہ پڑھیں:

"حضرت عثمان (رض) کی شہادت کے بعد مدینہ کے مہاجرین وانصار کی اکثریت نے جب سیدنا علی المرتضی (رض) سے بیعت کرلی تو ان کی دیکھا دیکھی میں باغی بھی حضرت علی (رض) کی بیعت پر آمادہ ہو گئے، حضرت علی (رض) چوں کہ ان لوگوں سے دل برداشتہ اور ناخوش تھے اس لیے انہوں نے بر سر عام ان کی بیعت لینے سے انکار کر دیا، لیکن جب صورت حال اور زیادہ پیچیدہ ہو گئی اور مسلمانوں میں عام خانہ جنگی کا اندیشہ پیدا ہو گیا تو حالات کی نزاکت کے پیش نظر حضرت علی (رض) نے ان لوگوں کی بیعت قبول کرلی" (مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 54)

توجہ فرمائیں! پہلے لکھا کہ:

"آپ کا انتخاب انہی لوگوں کے ہاتھوں ہوا جن کے دامن دمِ عثمان (رض) کے خون سے داغ دار تھے اور یہی وجہ بنی کہ صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو قصاص عثمان (رض) کے ساتھ مشروط کر دیا"

اب لکھتے ہیں کہ:

"حضرت عثمان (رض) کی شہادت کے بعد مدینہ کے مہاجرین وانصار کی اکثریت نے جب سیدنا علی المرتضی (رض) سے بیعت کرلی تو ان کی دیکھا دیکھی میں باغی بھی حضرت علی (رض) کی بیعت پر آمادہ ہو گئے".

مفتی وقاص رفیع خود بھی تذبذب میں ہیں کہ حضرت علی (رض) کا انتخاب قاتلین عثمان (رض) کے ہاتھوں ہوا یا مہاجرین وانصار کے ہاتھوں؟؟؟

مفتی وقاص رفیع نے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 47 پر حضرت علی (رض) کی اپنے بیٹے حضرت حسن (رض) کو رحلت کے وقت کی گئی وصیت یوں نقل کی ہے:

"بیٹا! حضرت معاویہ (رض) کی امارت قبول کرنے سے ہر گز نفرت نہ کرنا، ورنہ باہم کشت و خون ریزی دیکھوگے".

پھر اگلے صفحے پر لکھا کہ "حضرت علی (رض) کی شہادت کے بعد شیعانِ علی (رض) نے حضرت حسن (رض) کو حضرت معاویہ (رض) سے لڑنے پر آمادہ کرنا چاہااور زور دیا تو آپ کو اپنے والد محترم کی یہ نصیحت یاد آ گئی، اس لئے آپ نے فرمایا:

" میرے والد ماجد مجھ سے فرما چکے ہیں کہ حضرت معاویہ (رض) ایک دن خلیفہ ہو کر رہیں گے، خود ہم کتنی ہی بڑی فوج لے کر ان کے مقابلے میں نکلیں، لیکن غالب وہی رہیں گے، کیوں کہ منشائے خداوندی کو ٹالا نہیں جا سکتا"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 48)

ملاحظہ فرمائیں! مفتی وقاص رفیع جن حضرت معاویہ (رض) کو اپنی کتاب میں جگہ جگہ "فقہی باغی" لکھتے ہیں، انہی کے بارے میں حضرت علی (رض) اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہیں کہ ان کی امارت سے نفرت نہ کرنا، بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ ان کا خلیفہ بننا منشائے خداوندی ہے، اور یہ ہو کر رہے گا، تم چاہے جتنی بڑی فوج لے کر ان کے مقابلے میں نکلو پھر بھی غالب وہی رہیں گے، یہ نہیں فرماتے کہ بیٹا وہ "فقہی و شرعی باغی" ہیں، ان کے ساتھ ہر گزاس وقت تک صلح نہ کرنا جب تک وہ اپنی بغاوت سے توبہ نہ کرلیں اور اللہ کے امر کی طرف نہ لوٹ آئیں... (میں اس پر بھی تبصرہ نہیں کرتا)

اب لگے پڑھیئے ! اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 49 پر مفتی وقاص رفیع، حضرت معاویہ (رض) اور حضرت حسن (رض) کے مابین صلح کے بارے میں بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

"اسے حسن اتفاق ہی کہیے کہ ابھی حضرت حسن (رض) نے حضرت معاویہ (رض) سے صلح کرنے کا دل میں سوچا ہی تھا کہ حضرت معاویہ (رض) بھی اپنے دل میں آرزوئے صلح لئے بے چین و بے قرار ہو رہے تھے، آپ (یعنی حضرت معاویہ_ناقل) سے رہا نہ گیا، اس لئے آپ نے حضرت حسن مجتبی (رض) سے پہلے ہی تحریک صلح ان کے سامنے پیش کر دی اور اس کے بعد ایک سادہ کاغذ پر اپنی مہر ثبت فرما کر حضرت حسن (رض) کی خدمت میں یہ کہلا بھیجا کہ آپ جتنی شرطیں چاہیں اس پر لکھ دیں مجھے منظور ہیں" ... (مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 49)

غور فرمائیں ! اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسن (رض) نے ابھی صلح کرنے کا صرف سوچا ہی تھا کہ حضرت معاویہ (رض) کی طرف سے تحریک صلح آ گئی ..

اب یہ پڑھیں :

"حضرت حسن (رض) نے حضرت معاویہ (رض) کو ایک خط لکھا، جس میں ان کے سامنے صلح کی تجویز رکھی اور چند شرائط رکھیں کہ اگر وہ اس کو قبول کر لیں تو وہ امارت سے حضرت معاویہ (رض) کے حق میں دست بردار ہو جائیں گے"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 64)

یہاں سے معلوم ہوا کہ، صلح کی تجویز پہلے حضرت حسن (رض) کی طرف ایک خط کی صورت میں گئی تھی ...

اب درست کونسی بات ہے؟ یہ مفتی وقاص ہی بہتر جانتے ہیں یا وہ جہاں سے مفتی وقاص نے یہ متضاد باتیں نقل کی ہیں..

یہ صرف چند مثالیں ہیں مفتی وقاص رفیع کی کتاب سے، ایسے اور بھی بہت سے تضادات ہیں، لہٰذا میں سو فیصد یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ مفتی وقاص رفیع نے نہ کبھی مشاجرات صحابہ کے موضوع کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے، اور نہ ان کی اس موضوع سے کماحقہ واقفیت ہی ہے، انہوں نے ادھر ادھر سے، اقتباسات اکٹھے کیے، اور انھیں ترتیب دے کر کتاب تیار کر ڈالی، شاید انہیں "احساس برتری" ہو گیا ہے کہ وہ مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے فاضل ہو کر ہر فن مولی بن چکے ہیں اسی علمی گھمنڈ میں انھیں یہ علم ہی نہ ہو سکا کہ وہ پہلے کیا لکھ آئے ہیں اور بعد میں کیا لکھ رہے ہیں.
ہمارا مفتی وقاص رفیع کو مشورہ ہے کہ وہ خود اپنی اس کتاب کا از سر نو جائزہ لیں، انھیں خود اپنی ہی کتاب کسی سے "سبقاً" پڑھنے کی ضرورت ہے..

اب آیئے واپس آتے ہیں اصل موضوع کی طرف.. مفتی وقاص رفیع اور ان کے ہمنوا جو اکثر "فقہی بغاوت" کا نعرہ لگاتے ہیں اس کے لیے ان کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ "چونکہ حضرت عمار بن یاسر (رض) جنگ صفین میں حضرت علی (رض) کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے تھے، اور حضرت عمار (رض) کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمادیا تھا کہ انہیں ایک باغی ٹولی قتل کرے گی، لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت معاویہ (رض) اور ان کا لشکر باغی تھے"... (ملخصاً)

اب یہاں سوال ہوتا تھا کہ جنگ صفین میں تو وہ دشمنان اسلام بھی موجود تھے جو پہلے حضرت عثمان (رض) کے خلاف بغاوت کر چکے تھے اور جن کے ہاتھ ان کے خون سے داغدار تھے، جن کے ہاتھوں (بقول مفتی

وقاص رفیع) حضرت علی (رض) کا انتخاب بھی ہوا، اور جن کے بارے میں خود مفتی وقاص نے جنگ صفین کے موقع پر مساعی صلح کے زیر عنوان لکھا ہے کہ :

"ہر چند کہ اس موقع پر بعض اکابر نے دونوں فریقوں کے درمیان رفع نزاع اور صلح کی مساعی کیں، لیکن ان مخلصین حضرات کے علاوہ عوامی قسم کے بہت سے شریر عناصر بھی یہاں موجود تھے جو اپنی جبلتی شر پسندی اور فطرتی فساد انگیزی کے سبب فریقین کو ایک دوسرے سے قریب کرنے کے بجائے الٹا ان میں بد ظنی پھیلانے، انھیں ایک دوسرے سے دور کرنے اور معاملہ سلجھانے کے بجائے مزید الجھا دینے اور صلح کے بجائے قتال قائم رکھنے پر مصر ہوئے" (صفحہ 58).

تو یہ کیوں ممکن نہیں کہ دوران جنگ جب ہزاروں لوگ ایک دوسرے سے بر سرپیکار تھے، انھی فسادیوں نے حضرت عمار (رض) کو شہید کر دیا ہو .. اور چونکہ حدیث میں "باغی ٹولی" کا ہی ذکر ہے، تو یہ تو پہلے سے "مستند اور پکے ٹھکے" باغی تھے.

تو اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ :

"اس بات پر تمام علمائے اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ حضرت عمار (رض)، حضرت معاویہ (رض) کے ایک افسر حضرت ابوالغادیہ (رض) کے ہاتھوں شہید ہوئے" (مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 62)

لہٰذا ثابت ہوا کہ "باغی ٹولی یا گروہ" حضرت معاویہ (رض) اور ان کے ساتھیوں کا ہی تھا...

تو آیئے اس دلیل کا جائزہ لیتے ہیں.

میں زیادہ تفصیلی بات نہیں کرونگا کہ اس پر بہت سے علماء محققین نے بہت کچھ لکھا ہے، بلکہ مختصر طور پر چند نکات آپ کے سامنے رکھوں گا..

وہ حدیث جس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت عمار (رض) کو ایک باغی ٹولی قتل کرے گی، اس کے مکمل الفاظ صحیح بخاری میں یوں ہیں:

وَيْحَ عَمَّارٍ، تَقْتُلُهُ الفِئَةُ البَاغِيَةُ، يَدْعُوهُمْ إِلَى الجَنَّةِ، وَيَدْعُونَهُ إِلَى النَّارِ

(افسوس! عمار کو باغی ٹولی قتل کرے گی، یہ انہیں جنت کی طرف بلائے گا اور وہ اسے آگ (جہنم) کی طرف بلائیں گے)

اور صحیح بخاری ہی کی ایک دوسری روایت میں یوں ہیں:

وَيْحَ عَمَّارٍ تَقْتُلُهُ الفِئَةُ البَاغِيَةُ، عَمَّارٌ يَدْعُوهُمْ إِلَى اللَّهِ، وَيَدْعُونَهُ إِلَى النَّارِ

(افسوس! عمار کو باغی ٹولی قتل کرے گی، یہ انہیں اللہ کی طرف بلائے گا اور وہ اسے آگ یعنی جہنم کی طرف بلائیں گے)

عام طور پر اس حدیث کے صرف یہ الفاظ ہی نقل کیے جاتے ہیں کہ "عمار کو ایک باغی ٹولی قتل کرے گی".. اور اگلے الفاظ نقل نہیں کیے جاتے کہ اس ٹولی کی ایک علامت بھی اس حدیث میں بیان ہوئی ہے.. اور وہ یہ ہے کہ "وہ ٹولی جہنم کی طرف بلانے والی ہو گی"...

اب آیئے صحیح بخاری کی ایک اور حدیث پڑھتے ہیں:

3608 - حَدَّثَنَا الحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ، حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لاَ تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَقْتَتِلَ فِئَتَانِ دَعْوَاهُمَا وَاحِدَةٌ» وفی روایة "دَعْوَتُهُمَا وَاحِدَةٌ"

(قیامت اس وقت تک قائم نہ ہو گی جب تک ایسے دو گروہوں کی آپس میں جنگ نہ ہو جائے جن دونوں کا دعوی ایک ہی ہو گا وفی روایۃ "دعوتهما واحدة" کہ ان دعوت ایک ہی ہو گی)

ان دونوں جماعتوں سے مراد شارحین نے حضرت علی (رض) اور حضرت معاویہ (رض) کی جماعتیں لی ہیں، چنانچہ اس کی شرح میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

وَوَصَفَهُمَا فِي الرِّوَايَةِ الْأُخْرَى بِالْعِظَمِ أَيْ بِالْكَثْرَةِ وَالْمُرَادُ بِهِمَا مَنْ كَانَ مَعَ عَلِيٍّ وَمُعَاوِيَةَ لَمَّا تَحَارَبَا بِصِفِّينَ

ان دونوں گروہوں کو دوسری روایت میں عظیم یعنی بڑی جماعتوں کے ساتھ بھی بیان کیا گیا ہے، اور ان دونوں جماعتوں سے مراد حضرت علی (رض) اور حضرت معاویہ (رض) کی جماعتیں ہیں جب ان کے درمیان صفین میں جنگ ہوئی.

(فتح الباری، جلد 6 صفحہ 616، نیز دیکھیں ارشاد الساری للقسطلانی جلد 10 صفحہ 89)

اگر اس سے مراد واقعی یہی دو جماعتیں ہیں تو یہ حدیث صاف بتا رہی ہے کہ ان دونوں گروہوں کی دعوت ایک ہی ہوگی، نہ یہ کہ ایک کی دعوت جہنم کی طرف اور دوسری کی جنت کی طرف.

اور ہمیں تو حضرت معاویہ (رض) اور ان کے ساتھیوں کی ایک ہی "دعوت" کا علم ہے اور وہ بھی شہید مظلوم خلیفہ راشد حضرت عثمان (رض) کے قصاص کی دعوت، اگر یہ "جہنم کی طرف دعوت" تھی تو واضح بتایا جائے

.

پھر خود حضرت علی (رض) سے بھی منقول ہے کہ آپ نے جنگ صفین میں دونوں طرف کے مقتولین کے بارے میں فرمایا:

"قَتْلَانَا وَقَتْلَاهُمْ فِي الْجَنَّةِ" ترجمہ: ہمارے اور حضرت معاویہ (رض) دونوں کے مقتولین جنتی ہیں.

(مصنف ابن ابی شیبۃ، جلد 7 صفحہ 552 مکتب الرشید الریاض)

یہ حوالہ مفتی وقاص رفیع نے بھی اپنی کتاب کے صفحہ 47 پر نقل کیا ہے، تو اگر دونوں طرف کے مقتولین کو حضرت علی (رض) جنتی فرما رہے ہیں تو پھر حضرت معاویہ (رض) کے ساتھیوں کی دعوت جہنم کی طرف کیسے ہوئی؟؟ کیا دوسروں کو جہنم کی دعوت دینے والا خود جنتی ہوگا؟

کچھ حضرات نے یہ تاویل کی ہے کہ "حضرت معاویہ (رض) کی دعوت خلیفہ بر حق کی بغاوت کی تھی اس لیے اسے جہنم کی طرف دعوت سے تعبیر کیا گیا ہے" تو یہ مفہوم لغو ہے.. کیونکہ حضرت معاویہ (رض) نے ہر گز حضرت عمار (رض) کو یہ دعوت نہ دی تھی کہ تم لوگ حضرت علی (رض) کی خلافت کے خلاف اٹھ کھڑے ہو اور ان کی بیعت توڑ دو، ان کے خلاف خروج کرو.. بلکہ وہ خود بھی حضرت علی (رض) کی خلافت کو قبول کرنے کے لیے تیار تھے.. اختلاف جو تھا وہ خود مفتی و قاص رفیع نے اپنی کتاب میں (شرح نہج البلاغۃ کے حوالے سے) ایک جگہ یوں بیان کیا ہے:

"ہمارے معاملہ کی ابتداء یوں ہوئی کہ ہمارا اہل شام (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) سے ایک مقابلہ ہوا، اور ظاہر ہے کہ ہمارا اور ان کا اللہ ایک ہے، ہمارا اور ان کا نبی ایک، ہمارا اور ان کا اسلام ایک (یہاں مفتی و قاص رفیع نے جو عربی عبارت حاشیہ میں لکھی ہے اس لحاظ سے ترجمہ درست نہیں کیا، عبارت ہے: ودعوتنا في الاسلام واحدة.. کہ ہم دونوں کی اسلام میں دعوت ایک ہے_ناقل)، اللہ و رسول کی تصدیق میں نہ ہم اپنے کو ان سے زیادہ کہتے ہیں اور نہ وہ اپنے آپ کو ہم سے زیادہ سمجھتے ہیں، بلکہ معاملہ دونوں کا ایک ہی ہے، صرف دم عثمان (رض) کے بارے میں ہم میں اور ان میں اختلاف ہوا ہے، اور ہم اس (دم عثمان) سے بری ہیں"

(مفتی و قاص رفیع کی کتاب: صفحہ 47)

تو مفتی و قاص رفیع کے نقل کردہ حضرت علی (رض) کے اس فرمان میں بھی یہ بیان ہے کہ ہماری اور ان کی اسلام میں دعوت بھی ایک ہی ہے.. اختلاف صرف حضرت عثمان (رض) کے دم اور قصاص میں ہے.. تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت معاویہ (رض) اور ان کے ساتھیوں کی دعوت "جہنم" کی طرف ہو؟؟

لہٰذا خود اسی حدیث میں بیان کردہ ایک علامت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ "باغی ٹولی" حضرت معاویہ (رض) اور ان کے ساتھیوں کی نہیں ہو سکتی..

نوٹ: کچھ حضرات نے اس حدیث کے مختلف طرق سے مختلف الفاظ نقل کرکے مزید علامات بھی گنوائی ہیں اور ثابت کیا ہے کہ یہ علامات حضرت معاویہ (رض) اور ان کے ساتھیوں میں نہیں پائی جاتیں، اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، نیز کچھ حضرات نے اس حدیث پر سنداً و درایتاً بھی بحث کی ہے...

اب اگر اس حدیث کی رو سے حضرت معاویہ (رض) اور ان کے ساتھیوں کو "فقہی و شرعی باغی" ثابت کرنا ہے تو پھر یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ ان کی دعوت جہنم کی طرف تھی.. اور یہ بتانا ہوگا کہ قصاص عثمان (رض) کا مطالبہ "جہنم کی طرف" دعوت کیسے تھا؟.. پھر دوسری حدیث اور حضرت علی (رض) کے فرمان میں جو ان دونوں جماعتوں کی دعوت کو ایک ہی فرمایا گیا ہے اس کا کیا مطلب ہوگا؟؟
لہٰذا ہم سمجھتے ہیں کہ حضرت معاویہ (رض) کو قاتلِ عمارؓ اور فقہی و شرعی باغی نہ قرار دیا جائے ورنہ دوسری حدیثِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تغلیط و تکذیب لازم آئے گی جو احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بے اعتمادی بلکہ بدگمانی ایک راستہ ہے۔

اب رہی یہ بات جو مفتی وقاص رفیع نے لکھی ہے کہ: "تمام علمائے اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ حضرت عمار (رض)، حضرت معاویہ (رض) کے ایک افسر حضرت ابوالغادیہ (رض) کے ہاتھوں شہید ہوئے"
.

تو اس سلسلے میں جو سب سے پہلے نمبر پر روایت پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے:
أَخْبَرَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَفْصٍ وَكُلْثُومُ بْنُ جَبْرٍ عَنْ أَبِي غَادِيَةَ قَالَ: سَمِعْتُ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ يَقَعُ فِي عُثْمَانَ يَشْتِمُهُ

بِالْمَدِينَةِ قَالَ: فَتَوَعَّدْتُهُ بِالْقَتْلِ قُلْتُ: لَئِنْ أَمْكَنَنِي اللَّهُ مِنْكَ لأَفْعَلَنَّ. فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ صِفِّينَ جَعَلَ عَمَّارٌ يَحْمِلُ عَلَى النَّاسِ. فَقِيلَ هَذَا عَمَّارٌ. فَرَأَيْتُ فُرْجَةً بَيْنَ الرِّئَتَيْنِ وَبَيْنَ السَّاقَيْنِ. قَالَ فَحَمَلْتُ عَلَيْهِ فَطَعَنْتُهُ فِي رُكْبَتِهِ. قَالَ: فَوَقَعَ فَقَتَلْتُهُ. فَقِيلَ قَتَلْتَ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ. وَأُخْبِرَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ فَقَالَ: [سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وسلم - يقول إِنَّ قَاتِلَهُ وَسَالِبَهُ فِي النَّارِ] . فَقِيلَ لِعَمْرِو بْنِ الْعَاصِ: هُوَ ذَا أَنْتَ تُقَاتِلُهُ. فَقَالَ: إِنَّمَا قَالَ قَاتِلَهُ وَسَالِبَهُ.

**(الطبقات الکبری لابن سعد)**

اس کا خلاصہ یہ کہ ابو غادیہ کہتے ہیں: میں نے (حضرت) عمار بن یاسر کو دیکھا کہ وہ حضرت عثمان (رض) کو مدینہ میں گالیاں دے رہے تھے، تو میں نے ان سے کہا کہ اگر اللہ نے مجھے تم پر قابو دیا تو میں تمہیں قتل کروں گا... تو جب صفین کا دن آیا تو میں نے عمار بن یاسر کو قتل کر دیا... الخ.

قارئین محترم! اس روایت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ " صحیح الاسناد" ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت عمار (رض) کو قتل کرنے والے ابو الغادیہ ہی ہیں..

تو عرض ہے کہ اس روایت کے متن میں سخت قسم کی نکارت پائی جاتی ہے، کیونکہ اس میں یہ بھی ہے کہ "حضرت عمار (رض) مدینہ منورہ میں خلیفہ راشد حضرت عثمان بن عفان (رض) کو گالیاں دیا کرتے تھے..

نوٹ: اس روایت میں "یشتم عثمان" کا لفظ ہے، مفتی محمد شفیع صاحب (رح) عربی کے لفظ "سَبّ" اور "شَتم" کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لفظ "سبّ" کا ترجمہ اردو میں عموماً گالی دینا کیا جاتا ہے جو اس لفظ کا صحیح ترجمہ نہیں کیونکہ گالی کا لفظ اردو میں فحش کلام کے لئے آتا ہے حالانکہ لفظ "سبّ" عربی زبان میں اس سے زیادہ عام ہے، ہر اس کلام کو "سبّ" کہا جاتا ہے جس سے کسی کی تنقیص ہوتی ہو، گالی کے لیے ٹھیٹ لفظ عربی میں "شتم" آتا ہے"

(مقام صحابہ، صفحہ 44، ادارۃ المعارف کراچی)

تو کیا اب اس روایت کو صحیح سمجھ کر ہم یہ بھی مان لیں کہ حضرت عمار (رض) واقعی مدینہ منورہ میں حضرت عثمان (رض) کو گالیاں دیا کرتے تھے؟؟ ہر گز نہیں، ہمارے نزدیک یہ روایت حضرت عمار (رض) جیسے ایک جلیل القدر صحابی پر بھی ایک بڑا الزام لگا رہی ہے لہٰذا یہ متناً منکر ہے.. اسی لیے یہی روایت جب امام احمد بن حنبل نے اسی سند کے ساتھ اپنی مسند میں نقل فرمائی تو یوں فرمائی:

17776 - حَدَّثَنَا عَفَّانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَفْصٍ، وَكُلْثُومُ بْنُ جَبْرٍ، عَنْ أَبِي غَادِيَةَ، قَالَ: قُتِلَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ فَأُخْبِرَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: " إِنَّ قَاتِلَهُ، وَسَالِبَهُ فِي النَّارِ "، فَقِيلَ لِعَمْرٍو: فَإِنَّكَ هُوَ ذَا تُقَاتِلُهُ، قَالَ: إِنَّمَا قَالَ: قَاتِلَهُ، وَسَالِبَهُ ..
(مسند احمد، مؤسسة الرسالة)

(ابو غادیہ کہتے ہیں کہ: جب حضرت عمار (رض) کو قتل کیا گیا تو حضرت عمرو بن العاص (رض) کو اس کی خبر دی گئی... الخ)

ملاحظہ فرمائیں! پوری سند وہی ہے، لیکن اس میں نہ حضرت عمار (رض) کے مدینہ میں حضرت عثمان (رض) کو "شتم" یعنی گالی دینے کا ذکر ہے اور نہ ہی ابو غادیہ کی اس بات کا ذکر ہے کہ میں نے انھیں قتل کیا ہے.. جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد کے نزدیک اس روایت میں یہ اضافہ منکر تھا اسی لئے انہوں نے اسے ذکر نہ کیا..

لہٰذا اگر اس روایت کی بنیاد پر کسی نے یقینی طور پر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ "حضرت عمار (رض) کی شہادت ابو الغادیہ کے ہاتھوں ہوئی" تو اسے یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ حضرت عمار (رض) واقعی حضرت عثمان (رض) کو مدینہ میں گالیاں دیا کرتے تھے.. ہم تو یہ بات کبھی بھی تسلیم نہیں کر سکتے..

یہاں مجھے امام نووی (رح) کی ایک بات یاد آ رہی ہے، آپ نے لکھا ہے:

"وَلَسْنَا نَقْطَعُ بِالْعِصْمَةِ إِلَّا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِمَنْ شَهِدَ لَهُ بِهَا لَكِنَّا مَأْمُورُونَ بِحُسْنِ الظَّنِّ بِالصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ وَنَفْيِ كُلِّ رَذِيلَةٍ عَنْهُمْ وَإِذَا انْسَدَّتْ طُرُقُ تَأْوِيلِهَا نَسَبْنَا الْكَذِبَ إِلَى رُوَاتِهَا"

(ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور جن کے معصوم ہونے کی آپ نے گواہی دی ہے، ان کے علاوہ کسی اور کی عصمت کے ہرگز قائل نہیں، لیکن ہم اس بات کے مامور ہیں کہ تمام صحابہ کرام کے ساتھ حسن ظن رکھا جائے، اور ان سے ہر بری بات کی نفی کی جائے (جو ان کے شایان شان نہ ہو_ناقل) اور اگر (کسی روایت میں موجود_ناقل) ایسی کسی بات کی کسی معقول تاویل کے تمام راستے مسدود ہو جائیں تو (پھر بھی ہم صحابی کو بچائیں گے_ناقل) اور اس روایت کے راویوں کی طرف جھوٹ کی نسبت کریں گے.

(نووی شرح مسلم، جلد 12 صفحہ 72) باب حکم الفیء، طبع دار احیاء التراث العربی بیروت).

اس کے علاوہ یہ بھی ذہن میں رہے کہ اس روایت میں جو "ابو غادیہ" کا لفظ آیا ہے، کسی نے اسے "ابو الغادیہ الجھنی" بتایا ہے اور کسی نے "ابو الغادیہ المزنی" لکھا ہے، امام حاکم نے اپنی مستدرک میں ایک طویل روایت نقل کی ہے، (روایت نمبر: 5657، جلد 3 صفحہ 434 طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت) اس روایت میں مفتی وقاص رفیع کے "مغازی و تاریخ میں بلا شبہ امام" محمد بن عمر الواقدی کے حوالے سے ایک روایت یہ ذکر کی ہے کہ (كَانَ الَّذِي قَتَلَ عَمَّارًا أَبُو غَادِيَةَ الْمُزَنِيُّ) حضرت عمار کو ابو الغادیہ المزنی نے قتل کیا، پھر آگے ایک اور سند سے یہ تین نام ذکر کیے ہیں کہ (وَكَانَ أَقْبَلَ إِلَيْهِ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ: عُقْبَةُ بْنُ عَامِرٍ الْجُهَنِيُّ، وَعُمَرُ بْنُ الْحَارِثِ الْخَوْلَانِيُّ، وَشَرِيكُ بْنُ سَلَمَةَ) ان تینوں نے حضرت عمار (رض) کو قتل کیا (عقبہ بن عامر جہنی، عمر بن حارث خولانی اور شریک بن سلمہ).

قصہ مختصر یہ کہ اس بات کا کوئی قطعی ثبوت نہیں کہ حضرت عمار (رض) کی شہادت ضرور حضرت معاویہ (رض) یا ان کے ساتھیوں کے ہاتھوں سے ہوئی.. اگر کسی شارح نے یہ لکھا ہے تو یہ اس کا اپنا استنباط ہے.. حدیث شریف میں صرف یہ ہے کہ وہ شہادت ایسی باغی ٹولی کے ہاتھوں ہو گی جو جہنم کی طرف دعوت دینے والی ہو گی، نیز حدیث کے الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ٹولی پہلے سے باغی ہو گی، یہ نہیں کہ حضرت عمار (رض) کو قتل کرنے کے وہ باغی بنے گی..

پھر خود حضرت معاویہ (رض) اور ان کے ساتھیوں نے حضرت عمار (رض) کے قتل کے الزام سے انکار کیا تھا جیسے حضرت علی (رض) نے حضرت عثمان (رض) کے قتل سے اپنے آپ کو بری فرمایا تھا..

لہٰذا حضرت معاویہ (رض) کسی بھی طرح "شرعی وفقہی باغی" نہیں بنتے...

# اکابر کے نادان وکیل: (قسط: 26)

------------------

قارئین محترم! مفتی وقاص رفیع اینڈ کمپنی، جن کا محبوب مشغلہ صحابہ کرام کے درمیان ہونے والے مشاجرات کے بارے میں عدالتیں لگا کر غلط اور صحیح کے فیصلے چکانا ہے، ان کا طریق کار یہ ہے کہ پہلے حضرت معاویہ (رض) اور ان تمام حضرات کو جو کسی بھی وجہ سے حضرت علی (رض) کی بیعت سے الگ رہے، باغی، خاطی، امام حق کے خلاف ناحق خروج کرنے والے، قرآن وسنت کو مہجور کرنے والے، خطائے منکر کا ارتکاب کرنے والے.. وغیرہ وغیرہ زبردستی ثابت کیا جائے، اور یہ سب کچھ انھیں ثابت کرنے کے بعد کہہ دیا جائے کہ حقیقت میں تو یہ حضرات یہی کچھ تھے لیکن چونکہ وہ صحابی ہیں اس لیے اس سب کو ہم ان کی "اجتہادی خطا" کہیں گے.

جبکہ جن اسلاف نے "اجتہادی خطا" کی بات کی ہے انہوں نے یہ آخری حد مقرر کی ہے، کہ مشاجرات صحابہ میں اول تو سکوت و توقف اختیار کیا جائے کیونکہ احوط واسلم واولی یہی ہے، لیکن اگر کبھی کسی مجبوری کے تحت اس بارے کچھ کہنا ہی پڑے تو بھی آخری حد "اجتہادی خطا" ہے، اس سے آگے کچھ نہیں کہنا... انہوں نے یہ موقف نہیں اپنایا کہ حقیقت میں تو وہ تمام صحابہ جنہوں نے حضرت علی (رض) کا ساتھ نہیں دیا، باغی، خاطی، جائر، امام حق کے خلاف خروج کرنے والے، نصوص کی مخالفت کرنے والے ہی تھے... لیکن ہم ان کے مقام صحابیت کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کے ان تمام افعال کو "اجتہادی خطا" کہتے ہیں...

آپ نے غور فرمایا ہوگا کہ ان دونوں نظریوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے، اسلاف نے مشاجرات کے بارے میں آخری حد "اجتہادی خطا" بتائی ہے، اور ہمارے آج کے مفتی وقاص جیسے محققین ان صحابہ کو پہلے زبردستی

باغی وطاغی وخاطی بناتے ہیں..اور پھر ان پر احسان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "اگر یہی اعمال کسی عام شخص سے صادر ہوتے تو اس پر گناہ کبیرہ اور فسق کا اطلاق کیا جاتا، مگر یہاں چونکہ شرف صحابیت بھی ہے اس لیے ہم اس کا لحاظ کرتے ہوئے ان کے اس کام کو خطائے اجتہادی قرار دیتے ہیں" (ملحضاً: مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 631)

بلکہ مفتی وقاص رفیع نے تو اپنی کتاب کے آخر میں یہ سرخی جمائی ہے کہ:

"نص سے ثابت ہونے والی خطائے اجتہادی کو، خطائے اجتہادی نہ کہیں تو اور کیا کہیں" (صفحہ 631) ...

یہاں میرا سوال ہے کہ جس بات کا غلط ہونا "نص" سے ثابت ہو جائے کیا وہ "اجتہادی خطا" کہلاتی ہے؟؟ اور اگر اجتہادی خطا اسی کا نام ہے کہ "نص سے اس کا غلط ہونا ثابت ہو جائے تو پھر صرف "خطا" کیا ہے؟؟ کیا نص کی مخالفت "اجتہادی خطا" ہوا کرتی ہے؟؟

پھر جس نص کی بناء پر مفتی وقاص حضرت معاویہ (رض) کو مخطی و باغی ثابت کرنے کا دعوا کر رہے ہیں کیا یہ نصوص صحابہ کرام کی اس اکثریت کے علم میں نہ تھیں جو حضرت علی (رض) کی بیعت سے الگ رہے؟؟ اگر انھیں ان نصوص کی سمجھ نہ آئی اور بعد والوں کو آئی تو صاف بتایا جائے، اور اگر ان کے سامنے بھی یہ تمام نصوص تھیں لیکن اس کے باوجود وہ حضرت علی (رض) کی بیعت سے الگ رہے یا غیر جانبدار رہے تو بھی صاف بتایا جائے کہ جان بوجھ کر نص کی مخالفت کا کیا حکم ہے؟؟؟ مفتی وقاص رفیع اس کا صاف جواب دیں..

اجتہادی خطا تو "حق کے دائرے میں" ہی ہوتی ہے، اسی لیے اس پر مجتہد کو ایک اجر ملتا ہے، کیا کسی نص کی مخالفت پر بھی ایک اجر ملتا ہے؟؟

مفتی وقاص رفیع ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

"پس حضرت معاویہ (رض) اور ان کے ساتھیوں کے اس غلط اقدام کی بناء پر سوائے اس کے اور کچھ ممکن نہیں کہ انہیں لشکر علوی کے مقابلہ میں باغی اور خاطی قرار دیا جائے، اور یہی موقف تمام اہل سنت کا ہے جسے مولانا عبدالرشید نعمانی نے نقل کیا ہے"

(صفحہ 601)

بالکل جھوٹ ... اہل سنت کا موقف مشاجرات صحابہ میں سب سے پہلے سکوت و توقف ہے، دوسرے مرحلے میں "اجتہادی خطا" سے آگے کچھ نہیں، یہ آخری حد ہے، بلکہ اگر کسی نے حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں "خطائے منکر" کا لفظ بھی بولا ہے تو علماء اہل سنت نے اس پر نقد کیا ہے، اور مفتی وقاص رفیع نے بار بار باغی وخاطی لکھا ہے اور کبھی لکھا ہے کہ "انھیں باغی ضرور کہیں گے"، یہ کون سے تمام اہل سنت کا مذہب ہے کہ انھیں باغی ضرور کہیں گے ؟؟؟

پھر ایک ہے اہل سنت کا مذہب و عقیدہ اور ایک ہے اکابرین اہل سنت کی ذاتی آراء اور تحقیقات، دونوں کی حیثیت بالکل الگ الگ ہے، اول کی بنیاد اصول و قواعد پر ہے جبکہ شخصی آراء کی بنیاد اپنے اپنے جذبات ہیں، مطلب یہ کہ مسلک اہل سنت الگ چیز ہے اور سنی اکابر واصاغر کی اپنی ذاتی اور شخصی آراء ایک جدا چیز ہے، نام مسلک کا لیا جاتا ہے اور منوائی ہم سے ان کی ذاتی رائے جاتی ہے خواہ ٹھیک ہو یا غلط، اگر ان حضرات کی کسی غلط رائے کو رد کرنا خروج عن اہل السنۃ ہے تو صحابہ کرام پر اس طرح رائے زنی کرنا کہ ان کو ایک ہی سانس میں باغی، طاغی، ظالم، جائر وغیرہ کہہ ڈالا جائے یہ بھی سبائیت ہے، اگر بات کرنی ہے تو آئیں پہلے بغاوت کی جامع مانع تعریف کریں، امام کے خلاف خروج کیا ہوتا ہے وہ بتائیں، ہمیں یہ بتائیں کہ کسی حاکم کے خلاف خروج کن کن حالات میں جائز ہے اور کن کن حالات میں ناجائز ہے، اس کے بعد ان اصول کی بنیاد پر بات کریں.. اور پھر جہاں جہاں آپ کے اصول کی رو سے بغاوت کی تعریف فٹ بیٹھتی ہو وہاں اسے نافذ کریں... لیکن ہمیں باور یہ کروایا جاتا ہے کہ پہلی صدی ہجری میں اگر کوئی باغی ہوا ہے تو وہ صرف اور صرف حضرت معاویہ (رض) ہی ہوئے ہیں، اور اگر کسی اور پر بھی فقہی وشرعی بغاوت کی تعریف لاگو ہونے لگے تو اس وقت تعریف بدل دی جاتی ہے یا ہمیں صحابہ کرام کا مقام و مرتبہ یاد کروا کر کہا جاتا ہے کہ توبہ کرو، کانوں کو ہاتھ لگاؤ...... صحابہ کو باغی کہتے ہو؟ لکھنے والوں نے یہ لکھ دیا کہ "اسلام میں سب سے پہلی بغاوت حضرت معاویہ نے کی تھی" اور مفتی وقاص رفیع اس بات کی وکالت کرنے کے لیے میدان میں آگئے.. اور یہ ثابت

کرنے لگے کہ حضرت عثمان (رض) کو شہید کرنے والے تو باغی تھے ہی نہیں... کتنے دکھ کی بات ہے کہ قاتلین عثمان (رض) کے بارے میں یہ ثابت کیا جارہا ہے کہ انہوں نے بغاوت کی ہی نہ تھی... اور حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں اس پر زور لگایا جارہا ہے کہ انہیں باغی کہنا لازمی ہے...

الغرض! بات اصولوں پر ہوگی، اگر کسی کو "مجتہد" تسلیم کرنا ہے تو پھر اصول اجتہاد کا لحاظ کرنا ہوگا، اگر کسی کو باغی بنانا ہے تو بھی اصول بغاوت مقرر کرنے ہوں گے اور پھر آگے چلنا ہوگا...

# اکابر کے نادان وکیل : ( قسط: 27 )

------------------

مفتی وقاص رفیع (فاضل مدرسہ عربیہ رائے ونڈ) نے اپنی کتاب "حضرت امیر معاویہ (رض) اور عباراتِ اکابر" کے صفحہ 606 سے مولانا محمد امین صفدر اکاڑوی (رح) کی چند عبارات پر بات شروع کی ہے، مفتی وقاص رفیع نے اوکاڑوی صاحب کے بارے میں لکھا ہے کہ "وہ اپنے زمانے کے بہترین مناظر، نامور محقق اور کثیر التصانیف عالم تھے، آپ کے طرز استدلال، قوت گرفت، حاضر جوابی کے سامنے کوئی بڑے سے بڑا عالم بھی نہیں ٹھہر سکتا تھا" (حضرت امیر معاویہ اور عباراتِ اکابر، صفحہ 608) نیز مفتی وقاص رفیع نے انہیں "مناظر اسلام" کا خطاب بھی دیا ہے..

قارئین محترم! ایک بہترین محقق کے خاصیات میں سے ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ وہ جب کسی روایت سے اپنے حق میں استدلال کرے تو اچھی طرح تحقیق کرلے کہ اس روایت کی حیثیت کیا ہے؟ سچی بھی ہے یا جھوٹے راویوں کی بیان کردہ ہے؟ اور اگر وہ اپنے کسی دعوے کی دلیل میں کوئی روایت (بنا اس کی حیثیت کی طرف اشارہ کیے) بیان کرتا ہے تو یہی سمجھا جائے گا کہ وہ اس روایت کو صحیح سمجھتے ہوئے ہی اس سے استدلال کر رہا ہے... ایک "محقق" کے لیے یہ کافی نہیں کہ وہ حدیث یا تاریخ کی کسی کتاب میں موجود کسی موضوع یا غیر مستند اور ناقابل اعتبار روایت سے استدلال کرے، اور جب اس پر اعتراض کیا جائے تو اسے یہ کہہ کر بری الذمہ قرار دیا جائے کہ "محقق صاحب" نے تو فلاں کتاب سے یہ روایت نقل کی ہے، اگر اعتراض کرنا ہے تو اس اصل کتاب والے پر کیا جائے، اور اگر یہ روایت جھوٹی ہے تو بھی جس کی کتاب میں ہے اس پر اعتراض کیا جائے، ایسی باطل تاویلیں فرق باطلہ اکثر کرتے ہیں.

مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی صاحب، حضرت معاویہ (رض) کے بیٹے یزید کا تعارف کرواتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:

"طبرانی میں ہے کہ یزید نوجوانی میں ہی شراب پیتا تھا اور نوجوانوں والی حرکتیں کرتا تھا، جب حضرت معاویہ (رض) کو علم ہوا تو حضرت معاویہ نے نرمی سے نصیحت فرمائی کہ: بیٹا! ایسے کام نہ کرو کہ جس سے مروت ختم ہو جائے، دشمن خوش ہوں، دوست برا سمجھیں، اور فرمایا کہ: کم از کم دن بھر ایسی باتوں سے صبر کیا کرو، اور جب رات آتی ہے تو رقیب کی آنکھ بند ہو جاتی ہے، کتنے فاسق ہیں کہ دن عبادت میں گزارتے ہیں اور رات لذت و عیش میں گزارتے ہیں..."

(تجلیاتِ صفدر، جلد 1 صفحہ 520 طبع اول جمعیت اشاعت العلوم الحنفیہ فیصل آباد)

پھر مولانا اوکاڑوی نے اس کے بعد اپنی طرف سے یہ الفاظ بھی لکھے ہیں:

"باپ کی اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے یزید اپنے فسق کو چھپانے لگا" (حوالہ بالا) اور اوکاڑوی صاحب چونکہ یزید کو شرابی، زانی ثابت کر رہے ہیں اس لیے یہ روایت انہوں نے اپنی دلیل میں پیش کی ہے اور اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا کہ اس روایت کی حیثیت کیا ہے؟ لٰہذا یقینی طور پر وہ اس روایت کو صحیح سمجھ کر ہی پیش کر رہے ہیں.

قارئین محترم! آپ اس روایت کے الفاظ پر غور فرمائیں، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے:

1: یزید نوجوانی میں بھی شرابی تھا اور حضرت معاویہ (رض) کے علم میں یہ بات آگئی تھی کہ وہ شراب پیتا ہے.

2: حضرت معاویہ (رض) نے اسے (سختی سے نہیں) بلکہ نرمی سے سمجھایا کہ ایسے کام نہ کرو جس سے دشمن خوش ہوں اور دوست اسے برا سمجھیں.

3: پھر فرمایا کہ (چلو اگر تم یہ کام چھوڑ نہیں سکتے تو) پھر دن بھر صبر کرلیا کرو، اور جب رات آئے تو یہ کام کرلیا کرو کیونکہ رات کو کوئی دیکھتا نہیں.

4: اوکاڑوی صاحب کے بقول باپ کی اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے یزید اپنے فسق کو چھپانے لگا.

قارئین محترم! مفتی وقاص رفیع اینڈ کمپنی ہمیں یہ سبق پڑھاتے ہیں کہ یزید کا فسق و فجور حضرت معاویہ (رض) کی زندگی میں "مستور" تھا، اور کسی کو اس کے بارے میں علم نہ تھا، اس لیے حضرت معاویہ (رض) اور ان تمام صحابہ کرام پر کوئی اعتراض نہیں آتا جنہوں نے یزید کی ولی عہدی کی تجویز دی، اس تجویز کو قبول کیا اور اس کی بیعت کی، اور یہاں اوکاڑوی صاحب کی پیش کردہ اس روایت سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ یزید تو نوجوانی سے شرابی تھا اور یہ بات حضرت معاویہ (رض) کے علم میں تھی، اور انہوں نے بجائے اسے سختی سے روکنے کے نرمی کے ساتھ یہ نصیحت کی تھی کہ ایسے کام دن میں نہیں بلکہ رات کو کیے جاتے ہیں جب کوئی دیکھنے والا نہیں ہوتا..

خدا کے لیے! سوچیں کیا یہ حضرت معاویہ (رض) جیسے جلیل القدر صحابی کی ذات پر بہتان ہے یا نہیں؟؟ اوکاڑوی صاحب کو یزید کی ایسی تیسی کرتے ہوئے یہ بھی بھول گیا کہ ان کی "تحقیق" کی زد میں کون کون آ رہا ہے؟؟

اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ "مناظر اسلام صاحب" کی اس دلیل سے چونکہ جماعت صحابہ، خاص طور پر حضرت معاویہ (رض) کی ذات پر بہت بڑا الزام آ رہا ہے اس لئے اسے اوکاڑوی صاحب کا تسامح اور غلطی مان لیا جاتا.. لیکن قربان جائیں مفتی وقاص رفیع پر، ملاحظہ فرمائیں کیا فرماتے ہیں:

"یہ روایت اصل میں معجم طبرانی کی ہے، اور مولانا اوکاڑوی (رح) نے وہیں سے نقل کی ہے، لیکن ہاشمی صاحب (یعنی قاضی طاہر ہاشمی صاحب_ناقل) نے غالباً طبرانی کا نام لینا اس وجہ سے گوارہ نہیں کیا تاکہ کہیں اس روایت کی صحت کا کسی درجہ میں کوئی ثبوت ہی نہ مل جائے".

(حضرت معاویہ اور عباراتِ اکابر، صفحہ 610)

قارئین محترم! ہمارا دعوی ہے کہ مفتی وقاص رفیع نے بھی یہ روایت امام طبرانی کی کسی بھی کتاب میں نہیں دیکھی..اور اوکاڑوی صاحب نے صرف "طبرانی" لکھا ہے "معجم طبرانی" نہیں لکھا، یہ "معجم" کا لفظ مفتی وقاص رفیع نے اضافہ کیا ہے، نیز اوکاڑوی صاحب نے یہ بھی نہیں لکھا کہ یہ روایت "طبرانی" کی کس کتاب میں ہے، فرض کریں اگر قاضی طاہر ہاشمی صاحب یہ بھی ذکر کر دیتے کہ اوکاڑوی صاحب نے یہ روایت طبرانی کے حوالے سے پیش کی ہے تو بھی مفتی وقاص رفیع طبرانی کی کسی کتاب سے یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ نہیں دکھا سکتے.. ہم نے طبرانی کی تمام کتب چھان ماری ہیں ہمیں یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ کہیں نہیں ملی، مفتی وقاص رفیع نے بھی یقیناً "شاملہ" کو چھانا ہوگا، اور ان کے انداز سے لگ رہا ہے کہ وہ اس روایت کی حقیقت کو جانتے ہیں..اسی لیے تو ایسے الفاظ لکھ رہے ہیں کہ "اس روایت کی صحت کا کسی درجہ میں ثبوت" ... کیا مفتی وقاص رفیع، امام طبرانی کی کسی کتاب سے یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ دکھا کر ہماری مدد کر سکتے ہیں؟ ہم ممنون ہوں گے.

ممکن ہے اب مفتی وقاص رفیع کہیں کہ یہ بات "البدایۃ والنہایۃ" میں لکھی ہے کہ یہ روایت طبرانی نے نقل کی ہے (اور اوکاڑوی صاحب نے یہیں آگے ایک بات میں "البدایہ" کا حوالہ دیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی طبرانی سے براہ راست نقل نہیں کی بلکہ البدایہ میں ہی طبرانی کا نام دیکھا ہوگا. واللہ اعلم)... تو عرض ہے کہ ثابت ہوا کہ نہ اوکاڑوی صاحب نے اور نہ ہی مفتی وقاص رفیع نے یہ زحمت کی کہ دیکھ تو لیں کہ یہ روایت طبرانی میں ہے بھی یا نہیں؟ ممکن ہے حافظ ابن کثیر (رح) سے بھی سہو ہو گیا ہو؟..

اگر اسی کا نام "تحقیق" ہے اور "اپنے زمانے کے نامور محقق" کا یہ حال ہے تو ہم طالب علموں کی تحقیق کیسی ہو گی؟؟

چلیں مفتی وقاص رفیع صاحب! اب ہماری تحقیق بھی پڑھ لیں، اور ہمیں یقین ہے کہ آپ بھی یہ بات جانتے ہیں اور آپ نے جان بوجھ کر یہاں "فریب" سے کام لیا ہے، البدایۃ والنہایۃ میں حافظ ابن کثیر نے جہاں یہ روایت نقل کی ہے اس کی سند یوں لکھی ہے:

"وَقَالَ الطَّبَرَانِيُّ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زَكَرِيَّا الْغَلَابِيُّ، ثَنَا ابْنُ عَائِشَةَ، عَنْ أَبِيهِ......"

(طبرانی کہا کہ: ہم سے محمد بن زکریا الغلابی نے بیان کیا، اس نے کہا کہ ہم سے ابن عائشۃ نے بیان کیا، اس نے اپنے باپ سے.... آگے یہ روایت مذکور ہے) (البدایۃ والنہایۃ، جلد 11 صفحہ 641، دار ہجر)

قارئین محترم! یہ بات اہل علم جانتے ہیں کہ محدثین ومؤرخین اپنی نقل کردہ روایات کی سند اسی لیے بیان کردیتے ہیں تاکہ تحقیق کرنے والے اچھی طرح چھان پھٹک کرکے جو بات صحیح ہو اسے لے لیں اور جو صحیح ثابت نہ ہو اسے نہ لیں.. اب یہاں اگرچہ ہمارے ناقص علم کے مطابق حافظ ابن کثیر (رح) سے "طبرانی" کا نام لکھنے میں سہو ہوا ہے (کم از کم مجھے طبرانی کی کسی دستیاب کتاب میں یہ روایت اس سند کے ساتھ نہیں ملی، اور مجھے اپنی تحقیق پر اصرار بھی نہیں) لیکن حافظ ابن کثیر (رح) کی عبارت سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ اس روایت میں "محمد بن زکریا الغلابی" راوی ہے، اور اس راوی کے بارے میں:

1: امام دارقطنی (رح) فرماتے ہیں کہ "یضع الحدیث" یہ حدیثیں گھڑتا ہے.

(سؤالات الحاکم للدار قطنی، صفحہ 148، مکتبۃ المعارف، الریاض)

2: امام ذہبی (رح) لکھتے ہیں "محمد بن زكريا الغلابي كذاب" محمد بن زکریا الغلابی بڑا جھوٹا ہے.

(میزان الاعتدال، جلد 3 صفحہ 166 دار الفکر بیروت)

3: امام ابن جوزی (رح) نے ایک جگہ اسی راوی کی ایک روایت ذکر کرکے لکھا ہے "ھذا حدیث موضوع وضعه محمد بن زکریا" یہ من گھڑت حدیث ہے جسے محمد بن زکریا نے گھڑا ہے.

(الموضوعات لابن الجوزی، جلد 1 صفحہ 418، المکتبۃ السلفیۃ، المدینۃ).

قارئین محترم! اس روایت میں یہ تو ایک کذاب اور حدیثیں گھڑنے والا راوی ہے، نیز اگر اس کی مکمل سند دست یاب ہو تو ممکن ہے اس میں اور بھی ایسے ہی راوی ہوں، لہٰذا یہ روایت باطل اور من گھڑت ہے.

اور ہمیں یقین ہے کہ مفتی وقاص رفیع بھی یہ بات جانتے ہیں.. اسی لیے وہ آگے لکھتے ہیں:

" بہر حال اس روایت کی بھی اسنادی حیثیت جو بھی ہو بہر حال اس سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ یہ روایت کسی نہ کسی درجہ میں ثابت ضرور ہے، موضوع اور من گھڑت نہیں ہے، اور یزید سے مذکورہ بالا فاسقانہ اعمال کا ارتکاب ضرور ہوا ہے کہ بلا شبہ وہ نوجوانی میں ہی شراب پینے لگ گیا تھا اور نوجوانوں والی حرکتیں اس نے کرنی شروع کردی تھیں، جب حضرت معاویہ (رض) کو اس کی ان حرکتوں کا علم ہوا تو انہوں نے اس کو نرمی سے سمجھایا کہ ایسی حرکتیں کرنی چھوڑ دو، لیکن اگر یہ حرکتیں کرنی ہی ہیں تو پھر کم از کم رات کو کرلیا کرو.. "

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 610) .

ملاحظہ فرمائیں! دجل وفریب کی انتہاء، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ مفتی وقاص رفیع اس روایت کی سند پر اپنی تحقیق پیش کرتے اور پھر ثابت کرتے کہ یہ روایت کسی نہ درجہ میں ثابت ضرور ہے.... لیکن برا ہو "اکابر پرستی" کا کہ جس روایت کی سند میں "کذاب" اور "وضاع" راوی ہوں، اور جس روایت سے حضرت معاویہ (رض) پر اتنا گھناؤنا الزام آتا ہو، مفتی وقاص رفیع یہ کہنے کے لیے تیار نہیں کہ ہاں یہ روایت جھوٹی ہے اور (بقول مفتی وقاص) "اپنے زمانہ کے بہترین محقق" اوکاڑوی صاحب نے اگر یہ بات جانتے بوجھتے نقل کی ہے تو یہ انہوں نے یزید کی آڑ میں حضرت معاویہ (رض) پر حملہ کیا ہے، اور اگر "محقق" صاحب نے بلا تحقیق ہی "طبرانی" کے حوالے سے یہ نقل کردیا ہے تو یہاں ان سے تسامح اور غلطی ہو گئی ہے .. لیکن صد افسوس کہ مفتی وقاص رفیع نے خود یہ "سبائی مجلس" پڑھ دی کہ "اس روایت کی اسنادی حیثیت جو بھی ہو لیکن واقعہ ایسا ہی ہے" .... جیسے مفتی وقاص رفیع خود وہاں موجود تھے اور یزید کو جوانی میں شراب پیتے اور حضرت معاویہ

(رض) کو اس کا علم ہونے اور پھر اسے رات کو شراب پینے کی نصیحت کرنے کا واقعہ مفتی وقاص کے سامنے ہی ہوا ہے..

قارئین محترم! اندازہ کریں، جس شخص کے نزدیک جلیل القدر صحابی حضرت معاویہ (رض) کی یہ حیثیت ہے کہ وہ لکھتا ہے کہ روایت چاہے جھوٹی ہو لیکن واقعہ ایسا ہی ہے کہ حضرت معاویہ (رض) نے یزید کی شراب نوشی کا علم ہونے پر اسے دن کو نہ پینے بلکہ رات کو پینے کا مشورہ دیا، اور پھر اس شرابی کو اپنا ولی عہد بھی بنایا، اور اس وقت موجود صحابہ کرام کی 99% اکثریت نے اس سے اختلاف نہیں کیا وہ اپنے آپ کو "اہل سنت کا وکیل" باور کرواتا ہے.. اور جو دلیل کے ساتھ ثابت کرے کہ یہ روایت جھوٹی ہے اور کسی سبائی نے گھڑی ہے، اور اوکاڑوی صاحب نے یہ روایت اپنے حق میں پیش کرکے جانے ان جانے میں رافضیت و سبائیت کی مدد کی ہے تو اسے "ناصبی" کہا جائے...

پھر مفتی وقاص رفیع کی مزید حماقت ملاحظہ فرمائیں، اس جھوٹی او باطل روایت کو درست فرض کرتے ہوئے عنوان لکھا ہے "حضرت معاویہ کے موقف کی وضاحت" اور اس کے نیچے لکھا ہے:

"اس سے حضرت معاویہ (رض) کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ واقعی دن کو ان فاسقانہ اعمال سے پہلو تہی کیا کرو اور جب رات کو رقیب کی آنکھ بند ہو جائے تو پھر اس قسم کی غلط حرکتیں کرلیا کرو، بلکہ حضرت معاویہ (رض) از راہ تہدید وتنبیہ یزید کو ان فاسقانہ اعمال سے مکمل طور پر بچنے کی ترغیب دے رہے ہیں کہ اول تو ان فاسقانہ اعمال کا ارتکاب کسی بھی وقت کسی بھی صورت نہیں کرنا چاہیے لیکن اگر کرنا ہی ہو تو کم از کم رات کو آدمی کرے، جب رقیب کی آنکھ بند ہو جاتی ہے اور دن کو نہ کرے کہ اس سے آدمی کی مروت ختم ہو جاتی ہے، دوست پریشان ہوتے ہیں اور دشمن خوش ہوتے ہیں"

(حضرت امیر معاویہ اور عباراتِ اکابر، صفحہ 610 – 611)

قارئین محترم! آپ نے دیکھا کہ وہی بات جو اوکاڑوی صاحب نے ایک جھوٹی اور باطل روایت کی بناء پر لکھی تھی، مفتی وقاص رفیع نے بھی "چونکہ چنانچہ" کے ساتھ وہی بات لکھی ہے....

مفتی و قاص رفیع نے اپنی کتاب کے ٹائٹل پیج کی پیشانی پر سورۃ الحجرات کی آیت کریمہ لکھی ہے کہ "اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو".. لیکن افسوس کہ "محمد بن زکریا الغلابی" جیسے کذاب اور وضاع راوی کی بات کو تو مفتی و قاص رفیع "کسی نہ کسی درجہ میں ثابت" تسلیم کر رہے ہیں اور پھر حضرت معاویہ (رض) کی طرف منسوب اس جھوٹی بات کی وضاحتیں ان کی طرف سے پیش کر رہے ہیں، اور پھر وضاحت میں بھی گھما پھرا کر وہی بات کر رہے ہیں.

جبکہ یہی مفتی و قاص رفیع اپنی اسی کتاب میں صراحت کے ساتھ لکھ آئے ہیں کہ :

""یزید خلیفہ بننے سے پہلے چھپ چھپ کر بعض خلاف شرع امور کا ارتکاب کرتا تھا (جیسے مفتی و قاص اس کے عینی گواہ ہیں_ ناقل) جس سے حضرت معاویہ (رض) سمیت دیگر صحابہ و تابعین سمیت سب بے خبر تھے"

(حضرت امیر معاویہ اور عباراتِ اکابر، صفحہ 597)

پھر اگلے صفحے پر لکھا کہ :

"چنانچہ ولی عہد بنتے وقت یزید کے فسق و فجور کے واقعات مستور تھے اور وہ کسی کو بھی معلوم نہیں تھے" (صفحہ 598)

اور یہاں اوکاڑوی صاحب نے طبرانی یا ابن کثیر کا نہیں بلکہ اپنا تبصرہ یوں کیا ہے کہ :

" باپ کی اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے یزید اپنے فسق کو چھپانے لگا"

اب مفتی و قاص رفیع کی کون سی بات درست ہے؟ ولی عہد بننے سے پہلے یزید کی شراب نوشی اور دیگر فاسقانہ اعمال سے حضرت معاویہ (رض) اور دیگر صحابہ بے خبر تھے یا با خبر تھے؟؟ اگر بے خبر تھے تو پھر اوکاڑوی صاحب تو فرماتے ہیں کہ " باپ کی اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے یزید اپنے فسق کو چھپانے لگا"؟؟ یعنی انہیں اچھی طرح یزید کی شراب نوشی اور فاسقانہ اعمال کا علم تھا..... کسی نے درست ہی کہا کہ :

اذا فاتك الحياء فافعل ما شئتَ ... بے حیا باش وہر چہ خواہی کن..

اور پھر مفتی و قاص رفیع کی یہ بات بھی پڑھیں کہ :

"چنانچہ یزید کا نوجوانی میں شراب پینے اور نوجوانوں والی حرکتیں کرنے کا واقعہ حضرت معاویہ (رض) کے دور کا ہے کہ جس میں حضرت معاویہ (رض) نے اسے نرمی سے نصیحت فرمائی اور از راہ تہدید و تنبیہ فرمایا کہ اگر یہ کام کرنے ہی ہیں تو کم از کم رات کو کرلیا کرو البتہ دن کو نہ کیا کرو" (حضرت امیر معاویہ و عباراتِ اکابر، صفحہ 612) ... شرم تم کو مگر نہیں آتی

پھر یہ نوجوانوں والی حرکات کیا ہوتی ہیں؟ مفتی وقاص بھی خود نوجوان ہیں، انھیں چاہیے تھا کہ اس کی بھی تفصیل بتاتے، نیز حضرت معاویہ (رض) اس وقت خلیفہ وقت تھے، ان کے پاس سارا اختیار تھا، وہ یزید سے ڈرتے نہ تھے کہ اسے یوں تہدید کرتے کہ چلو اگر ضروری یہ کام کرنے ہی ہیں تو رات کو کیا کرو دن میں احتیاط کیا کرو، بلکہ تہدید یوں ہوتی کہ اگر مجھے آئندہ پتہ چلا تو تم پر شرب خمر کی حد جاری کروں گا، بلکہ جب انھیں پتہ چلا تو اس وقت بھی اسے سزا دیتے .... لیکن برا ہو "سبائی" جراثیم کا کہ انھیں یزید کی ایسی تیسی کرنے سے غرض ہے چاہے اس سے کسی صحابی پر بھی حرف آتا ہو ... اور اگر کوئی صحابہ کرام کا دفاع کرنے آئے تو اسے "یزیدی" اور "ناصبی" کے فتووں کا سامنا ہوتا ہے.

آگے مفتی وقاص رفیع نے اوکاڑوی صاحب کے دفاع میں ایک جواب یہ دیا ہے کہ:

"مولانا اوکاڑوی کا حضرت معاویہ (رض) کے متعلق یہ عقیدہ ہر گز نہیں تھا کہ انہوں نے واقعی یزید کو اس قسم کی نصیحت کی فرمائی ہے کہ دن کو اس قسم کے فاسقانہ اعمال مت کیا کرو، بلکہ رات کو جب رقیب کی آنکھ بند ہو جائے تب کرلیا کرو، بلکہ جس طرح مولانا عبدالغفور سیال کوٹی صاحب نے یزید کی مدح سرائی اور اس کی تعریف و توصیف میں ہر قسم کی روایات جمع کرکے اس کی مدح و تحسین فرمائی ہے تو اسی طرح مولانا اکاڑوی نے بھی جواب بالمثل کے طور پر یزید کے جملہ فاسقانہ و فاجرانہ افعال شنیعہ و عمال قبیحہ سے متعلق ہر قسم کی روایت جمع کرکے اس کے فسق و فجور اور اس کے کردار سے پردہ چاک کیا ہے"

(حضرت امیر معاویہ اور عباراتِ اکابر، صفحہ 611)

قارئین محترم! اگر تو مفتی وقاص رفیع کو امین اوکاڑوی صاحب نے عالم برزخ سے یہ بات بتائی ہے تو انھیں چاہئے تھا کہ وہ اس کا حوالہ دیتے، ورنہ اوکاڑوی صاحب کی "تجلیات صفدر" آج بھی شائع ہو رہی ہے، اس میں اوکاڑوی صاحب کا یہ "کھلا خط بنام ابو ریحان عبدالغفور" آج بھی موجود ہے، اس میں یہ بات اسی طرح موجود ہے (یہ خط تجلیات صفدر طبع اول فیصل آباد کے صفحہ 514 تا 530 پر اور مکتبہ امدادیہ ملتان سے طبع شدہ تجلیات صفدر کی جلد 1 کے صفحہ 563 تا 578 پر پڑھا جا سکتا ہے) پھر نہ جانے مفتی وقاص رفیع ہمیں کیوں فریب دے رہے ہیں؟ کیا وہاں اوکاڑوی صاحب نے یہ لکھا تھا کہ "میرے نزدیک اگرچہ یہ روایت باطل یا غیر مستند ہے اور میرا یہ عقیدہ نہیں، میں تو صرف مولانا ابو ریحان کے جواب میں یزید کی ایسی تیسی کرنے کے لیے جھوٹ سچ ہر قسم کی روایات لکھ رہا ہوں"؟؟؟

پھر کیا عجیب منطق ہے اوکاڑوی صاحب کے اس وکیل کی، کہتے ہیں کہ: مولانا ابو ریحان سیالکوٹی نے چونکہ یزید کی مدح و توصیف میں ہر قسم کی روایات جمع کی تھیں اس لیے اوکاڑوی صاحب نے جواب بالمثل کے طور پر وہی کام کیا اور ہر قسم کی روایت پیش کر دیں"...

قارئین محترم! کیا "اپنے زمانہ کے نامور محقق" ایسے ہی ہوتے ہیں کہ وہ اپنے مدمقابل کی پیش کردہ کسی غیر مستند بات یا باطل روایات کو تحقیق سے باطل اور غیر مستند ثابت کرنے کے بجائے خود بھی جھوٹی اور باطل روایات پیش کرنا شروع کر دیں؟؟

نوٹ: ہمارا مقصد یہاں یزید کے فسق یا شراب نوشی پر بحث کرنا نہیں، ، ورنہ ہم آج کے سبائیت گزیدہ سنی نما محققین کی تحقیق کا مکمل پوسٹ مارٹم کرتے۔ یہاں صرف قارئین محترم کے علم میں اضافے کے لئے اتنی وضاحت کریں گے کہ اوکاڑوی صاحب کے اس خط کا قصہ کچھ یوں ہے کہ ان کا ایک مضمون بہ عنوان "سیدنا حسین رضی اللہ عنہ" ماہنامہ "الخیر ملتان" میں محرم 1416 ہجری میں چھپا تھا، اس مضمون کی چند باتوں پر جامعہ بنوری ٹاؤن کے فاضل اور مولانا محمد یوسف بنوری (رح) کے ایک تلمیذ مولانا محمد امین اورکزئی رحمۃ اللہ علیہ (جو بعد میں ایک واقعہ میں شہید ہو گئے) نے "الخیر" کے مدیر مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب کو ایک خط لکھا تھا، وہ خط جالندھری صاحب نے اوکاڑوی صاحب کو دے دیا، اس کے جواب میں اوکاڑوی

صاحب نے " کھلا خط بنام مولانا محمد امین اورکزئی" لکھ دیا (یہ بھی تجلیات صفدر میں اسی جگہ موجود ہے)، مولانا محمد امین اورکزئی شہید (رح) اور مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی (رح) دونوں جامعہ بنوری ٹاؤن کے ساتھی اور حضرت بنوری (رح) کے پرانے شاگردوں میں سے تھے .. تو اس کے بعد مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی (رح) نے اوکاڑوی صاحب کو ایک خط بھیجا، جو مورخہ 15 اکتوبر 1995ء کو انھیں بذریعہ ڈاک ارسال کیا گیا، اور اس کے دو ماہ بعد ماہ نامہ "نقیب ختم نبوت" بابت ماہ دسمبر 1995 تا مارچ 1996ء قسط وار شائع ہوا تھا، اوکاڑوی صاحب نے اس خط کا جواب مولانا ابوریحان سیالکوٹی (رح) کو نہیں بھیجا تھا جیسا کہ مولانا ابوریحان (رح) نے انھیں بذریعہ ڈاک ارسال کیا تھا، بلکہ اکتوبر 1996 میں "تجلیات صفدر" کے پہلے ایڈیشن کی جلد اول میں شائع کروادیا ...

مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی (رح) نے ہر گز ہر گز اپنے خط میں یزید کی مدح و توصیف نہیں کی تھی اور نہ ہی اس خط کا یہ موضوع ہی تھا بلکہ اس خط میں اوکاڑوی صاحب کا اس بارے میں "غلوّ" زیر بحث تھا، ایسا غلوّ جس سے حضرت معاویہ (رض) اور اس یزید کی ولی عہدی کی تائید کرنے والے صحابہ کرام پر زد پڑتی تھی ...

میرا دعوا ہے کہ مفتی وقاص رفیع نے مولانا ابوریحان سیالکوٹی (رح) کا وہ خط پڑھا ہی نہیں، بس یونہی یہ پھلجڑی چھوڑ دی ہے کہ "چونکہ سیالکوٹی صاحب نے اپنے خط میں یزید کی مدح و توصیف میں ہر قسم کی روایات پیش کی تھیں، اس لیے اوکاڑوی صاحب نے بھی جواب میں ہر قسم کی روایات پیش کردیں".... بلکہ اوکاڑوی صاحب تو مولانا ابوریحان (رح) کے خط میں اٹھائے گئے علمی سوالات کا تسلی بخش جواب بھی نہ دے سکے، جسے مزید تحقیق کا شوق ہو اس کے لیے مولانا ابوریحان (رح) کا خط پڑھنا نہایت ضروری ہے.

قارئین محترم! خوش قسمتی سے ابھی حال ہی میں مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 2010ء) کا تقریباً 700 صفحات پر مشتمل ایک مجموعہ مضامین بنام "دفاع سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ" شائع ہوا ہے، اس میں اوکاڑوی صاحب کے نام ان کا لکھا ان کا وہ خط مکمل موجود ہے، اور ساتھ ہی اس کے جواب میں اوکاڑوی صاحب کا لکھا وہ کھلا خط بھی پورا نقل کیا گیا ہے اور حاشیے میں مرتب کی طرف سے اوکاڑوی کھلے خط کا مکمل پوسٹ مارٹم بھی کردیا گیا ہے .... نیز اس اوکاڑوی خط کے جواب الجواب میں مولانا ابوریحان رحمۃ

اللہ علیہ نے جو خط اوکاڑوی صاحب کو مورخہ 27 ربیع الثانی 1418 ہجری کو بذریعہ ڈاک بھیجا تھا وہ بھی اب شائع کردیا گیا ہے، میرا مفتی وقاص رفیع اور اپنے تمام قارئین کو مشورہ ہے کہ وہ ان تمام خطوط کا مطالعہ کرلیں... ان شاء اللہ طبیعت صاف ہو جائے گی..

# اکابر کے نادان وکیل : (قسط: 28)

------------------

مولانا محمد امین اوکاڑوی (رح) مزید لکھتے ہیں:

"حضرت مغیرہ بن شعبہ (المتوفی 50 ہجری) کو حضرت معاویہ (رض) نے بوجہ کبر سنی امارت کوفہ سے معزول کر دیا اور ارادہ کیا کہ سعید بن العاص کو "اس" کی جگہ گورنر بنایا جائے، تو مغیرہ (رض) اس پر نادم ہوئے اور انہوں نے آکر یزید کو کہا کہ تم اپنے باپ سے مطالبہ کرو کہ وہ تمہیں ولی عہد بنا دے، تو یزید نے باپ سے عرض کر دیا، معاویہ (رض) نے پوچھا کہ تمہیں یہ مشورہ کس نے دیا ہے؟ یزید نے کہا: مغیرہ بن شعبہ (رض) نے، معاویہ (رض) کو مغیرہ (رض) کا یہ مشورہ بہت پسند آیا اور "اس" کو امارت کوفہ پر برقرار رکھا اور "اسے" حکم دیا کہ یزید کی ولی عہدی کے لیے کوشش کرو، حضرت مغیرہ (رض) نے یہ کوشش شروع کر دی".

(پھر اوکاڑوی صاحب یہ بیان کرتے ہیں کہ آخر کار پانچ کے سوا باقی تمام صحابہ نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت کر لی تھی) اور آگے لکھتے ہیں:

"ان پانچ حضرات کو حضرت معاویہ (رض) دھمکاتے ڈراتے رہے"

(تجلیات صفدر، جلد 1 صفحات 521 – 522 طبع اول)

قارئین محترم!

اوکاڑوی صاحب کی اس تحریر کو ایک بار پھر پڑھیں، اس میں انہوں نے کہیں حوالہ نہیں دیا کہ یہ بات انہوں نے کس کتاب سے نقل کی ہے، نیز اس پیراگراف میں اوکاڑوی صاحب نے تین بار حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں "اس" کا لفظ لکھا ہے، (ایک "اس کی جگہ"، دوسرا "اس کو امارت کوفہ پر" اور

تیسرا "اسے حکم دیا" میں، میں نے نیچے لائن لگا دی ہے)، غور فرمائیں! یہ ان صحابی کے بارے میں انداز تکلم ہے جو غزوہ خندق کے سال مسلمان ہوئے اور بیعت رضوان میں شریک ہوئے.

بہر حال! اوکاڑوی صاحب کی اس تحریر سے یہ باتیں سمجھ آتی ہیں:

1: حضرت معاویہ (رض) نے حضرت مغیرہ (رض) کو کبر سنی کی وجہ سے کوفہ کی امارت سے معزول کر دیا تھا.

2: حضرت مغیرہ (رض) نے یزید سے کہا کہ تم اپنے والد (یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) سے مطالبہ کرو کہ وہ تمہیں اپنا ولی عہد مقرر کر دیں.

3: یزید نے جب یہ بات اپنے والد سے کہی، تو انہوں نے پوچھا کہ تمہیں یہ مشورہ کس نے دیا ہے؟ یزید نے حضرت مغیرہ (رض) کا نام لیا، تو حضرت معاویہ (رض) نے خوش ہو کر انہیں دوبارہ کوفہ کا امیر مقرر کر دیا.

4: نیز حضرت معاویہ (رض) نے حضرت مغیرہ (رض) کے ذمہ یہ کام لگایا کہ وہ یزید کو ولی عہد مقرر کرنے کی کوششیں کریں، جو انہوں نے شروع کر دیں.

5: آخر کار پانچ کے سوا باقی تمام صحابہ نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت کر لی.

6: جن پانچ نے بیعت نہ کی انہیں حضرت معاویہ (رض) دھمکاتے ڈراتے رہے.

قارئین محترم! جو اردو عبارت اوکاڑوی صاحب نے لکھی ہے، کیا کسی بھی باشعور انسان کو اس سے یہ مفہوم سمجھ نہیں آتا کہ حضرت مغیرہ (رض) کو چونکہ حضرت معاویہ (رض) نے امارت سے معزول کر دیا تھا اس لیے انہوں نے یہ چال چلی کہ یزید سے یہ کہا کہ وہ اپنے والد کے پاس جا کر ولی عہدی کا مطالبہ کرے، پھر حضرت معاویہ (رض) کو یہ مشورہ پسند آتا ہے اور اس کے انعام میں وہ حضرت مغیرہ (رض) کو واپس امیر بنا دیتے ہیں، اور ان کے ذمہ یزید کی ولی عہدی کے لیے راہ ہموار کرنے کا کام لگاتے ہیں جو بقول اوکاڑوی صاحب ، حضرت مغیرہ (رض) نے شروع بھی کر دیا؟ پھر کیا اس میں صاف یہ نہیں لکھا کہ "جن پانچ صحابہ نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت کسی وجہ سے نہیں کی تھی انھیں حضرت معاویہ (رض) دھمکاتے ڈراتے رہے؟ یقیناً

یہی مفہوم ہے اس عبارت کا، اس عبارت میں دو صحابہ کے بارے میں شکوک پیدا کیے گئے ہیں کہ ایک نے تو اپنی امارت بچانے کے لیے یزید کو یہ مشورہ دیا، اور دوسرے نے اس مشورے پر خوشی کا اظہار کیا اور اس کے بدلے امارت واپس کر دی (ایک قسم کی رشوت کا تصور ذہن میں آتا ہے) نیز پھر اپنے بیٹے کی ولی عہدی کی بیعت نہ کرنے والوں کو ڈراتے دھمکاتے رہے.

قارئین محترم! مفتی وقاص رفیع نے یہاں قاضی طاہر ہاشمی صاحب کے بارے میں کہ جنہوں نے اوکاڑوی صاحب کی یہ توہین آمیز عبارت نقل کی تھی، یوں ہرزہ سرائی کی ہے:

"یہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا خبث باطن اور ان کی اکابر دشمنی ہے کہ وہ ہر سیدھی چیز کو الٹی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اکابر کی جو تحقیق یزیدیت ازم اور ناصبیت ازم کے خلاف پڑ رہی ہو وہ اس کو ہر طرح سے رد کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں"

(حضرت امیر معاویہ اور عباراتِ اکابر، صفحہ 614)

میں عرض کرتا ہوں کہ جہاں تک "خبث باطن" کی بات ہے تو حضرت معاویہ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ (رضی اللہ عنہما) کے بارے میں "خبث باطن" تو مذکورہ عبارت سے واضح ہے... ہاں اگر مفتی وقاص رفیع "سبائی آنکھ" سے دیکھیں گے تو انھیں شاید یہ "منقبت صحابہ" ہی نظر آئے... لہٰذا "باطن" کے اصلاح کی ضرورت مفتی وقاص رفیع کو ہے نہ کہ ان کو جنہوں نے اوکاڑوی صاحب کی اس توہین آمیز عبارت پر اعتراض کیا..

اور جہاں تک بات ہے "اکابر کی یزیدیت ازم اور ناصبیت ازم" کے خلاف پڑ رہی بات کی تو معاف کیجیے گا! اگر "ردِ یزیدیت و ناصبیت" اس کا نام ہے کہ صحابہ کرام کو خود غرض اور سازشی ثابت کیا جائے تو مفتی وقاص رفیع کی یہ بات درست ہے، ممکن ہے ان کے نزدیک "ردِ یزیدیت" اسی کا نام ہو، لیکن ہمارے نزدیک "رد یزیدیت و ناصبیت" کا نام لے کر صحابہ کرام کے بارے میں بکواس کرنا "خدمت سبائیت" ہے اور کچھ نہیں

... میں نے اوکاڑوی صاحب کی یہ بات بار بار پڑھی ہے، مجھے تو اس میں کسی قسم کا "ردیزیدیت و ناصبت" کہیں نظر نہیں آیا، بلکہ نظر آیا ہے تو حضرت مغیرہ (رض) کو خود غرض ثابت کرنا اور حضرت معاویہ (رض) کا اپنے بیٹے کو ولی عہد مقرر کرنے کے لیے کوشش کرنے کے بدلے ایک معزول امیر کو دوبارہ امارت پر بحال کرنا اور پھر اس کی بیعت نہ کرنے والوں کا دھمکانا ڈرانا ہی سمجھ آیا ہے... اس میں معلوم نہیں کیسے "رد یزیدیت و ناصبت" ہے؟؟؟ شاید اوکاڑوی صاحب اور ان کے وکیل مفتی وقاص رفیع کے نزدیک حضرت معاویہ اور حضرت مغیرہ (رضی اللہ عنہما) "یزیدی اور ناصبی" تھے، جن پر اوکاڑوی نکتہ چینی کو "ردیزیدیت و رد ناصبیت" کا نام دیا جارہا ہے۔

اب آئیں دیکھتے ہیں، مفتی وقاص رفیع کس طرح اوکاڑوی صاحب کی اس عبارت کا دفاع کررہے ہیں، لکھتے ہیں:

"دراصل مولانا اوکاڑوی (رح) نے یہ واقعہ البدایۃ والنہایۃ سے نقل کیا ہے (جس پر قرینہ مولانا موصوف کے ترجمہ کے الفاظ ہیں) اور ابن خلدون اور کامل ابن اثیر میں بھی اس واقعہ کے بعض حصوں کا ذکر ہے، لیکن نہ تو البدایۃ والنہایۃ میں کسی ایسی بات کا ذکر ہے کہ جس کی بناء پر حضرت مغیرہ بن شعبہ (رض) کی اس تجویز کو ذاتی مفاد پر مبنی قرار دیا جائے اور نہ ہی مولانا اوکاڑوی (رح) نے ترجمہ میں کسی ایسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے، بلکہ البدایۃ والنہایۃ میں تو اور بھی زیادہ واضح اور صاف طور پر لکھا ہوا ہے کہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ (رض) نے حضرت معاویہ (رض) کے پاس خود آکر امارت کوفہ سے استعفاء دیا تھا"

(حضرت امیر معاویہ اور عباراتِ اکابر، صفحہ 614)

قارئین محترم! اوکاڑوی صاحب نے ہرگز نہیں لکھا کہ "میں نے یہ افسانہ البدایۃ والنہایۃ سے نقل کیا ہے"، یہ مفتی وقاص رفیع کا اپنا گمان ہے، پھر ملاحظہ فرمائیں! مفتی وقاص رفیع خود لکھتے ہیں کہ: "البدایۃ والنہایۃ میں تو اور بھی زیادہ واضح اور صاف طور پر لکھا ہوا ہے کہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ (رض) نے حضرت معاویہ

(رض) کے پاس خود آکر امارت کوفہ سے استعفاء دیا تھا"، تو اگر البدایۃ والنہایۃ میں صاف طور پر یہ لکھا تھا کہ حضرت مغیرہ (رض) نے خود "استعفاء" دیا تھا، تو اوکاڑوی صاحب نے تو یہ لکھا تھا کہ : " حضرت مغیرہ بن شعبہ کو حضرت معاویہ (رض) نے بوجہ کبر سنی امارت کوفہ سے معزول کر دیا"، کیا "معزول کرنا" اور "خود استعفاء دینا" ایک ہی چیز ہوتی ہے؟؟ اگر اوکاڑوی صاحب نے یہ کہانی "البدایۃ والنہایۃ" سے نقل کی ہوتی تو وہ "معزول کرنا" نہ لکھتے .... مفتی وقاص رفیع نے سب کو اپنے جیسا علمی بونا ہی سمجھ رکھا ہے جو وہ فریب پر فریب دیتے ہیں.

اور مزے کی بات، مفتی وقاص رفیع نے آگے خود "البدایۃ والنہایۃ" کی عبارت لکھی ہے اور اس کا ترجمہ کرنے کے بعد لکھا ہے:

"اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ (رض) نے حضرت مغیرہ بن شعبہ (رض) کو امارت کوفہ سے از خود معزول نہیں کیا بلکہ حضرت مغیرہ بن شعبہ (رض) نے خود اپنے ضعف اور کبر سنی کی وجہ سے استعفاء پیش کر دیا تھا، تاریخ کے اولین مآخذ میں تو واقعہ صرف اتنا ہی ہے" (مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 615)

قارئین محترم! مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ مفتی وقاص رفیع، اوکاڑوی صاحب کا دفاع کر رہے ہیں یا انھیں جھٹلا رہے ہیں؟؟ اوکاڑوی صاحب نے جو افسانہ لکھا ہے اس میں تو صاف لکھا ہے کہ "حضرت معاویہ (رض) نے حضرت مغیرہ (رض) کو معزول کیا تھا"......... اور مفتی وقاص رفیع یہ ثابت کر رہے ہیں کہ انہوں نے خود استعفاء دیا تھا.

اس کے بعد مفتی وقاص رفیع نے اوکاڑوی عبارت پر آنے والے اصل اعتراض کا جواب دینے کے بجائے ادھر ادھر کی دور از کار تاویلات کی ہیں اور بجائے اوکاڑوی صاحب کی اردو عبارت پر بات کرنے کے وہ ابن کثیر اور ابن اثیر کی عبارات کو لے کر بیٹھے ہیں، اور پھر ان کی عبارات کے دو مفہوم بیان کرتے ہیں جن کی کوئی

ضرورت ہی نہیں کیونکہ یہ واقعہ ہی سرے سے غیر مستند اور ناقابل اعتبار ہے.. اس کا خلاصہ میں عرض کر دیتا ہوں..

مفتی وقاص رفیع نے "البدایہ والنہایہ" سے جو عربی عبارت لکھی ہے اس کے ابتدائی الفاظ ہیں: "فروی ابن جریر عن طریق الشعبی ........" کہ یہ بات "ابن جریر طبری" نے "شعبی" کے واسطے سے ذکر کی ہے..... یعنی حافظ ابن کثیر (رح) نے یہ بتا دیا کہ یہ بات میں نے "ابن جریر طبری" سے نقل کی ہے، اور جب ہم تاریخ طبری دیکھتے ہیں کہ تو ہمیں سنہ 56 ہجری کے واقعات میں اس قسم کی ایک روایت ملتی ہے جس میں اس واقعہ کا ذکر ہے، لیکن اس روایت کے الفاظ اس سے کافی مختلف ہیں جو اوکاڑوی صاحب نے لکھے ہیں.... اور وہاں بھی "حضرت معاویہ (رض) کے حضرت مغیرہ (رض) کو معزول کرنے" کا ذکر نہیں بلکہ ان کے "استعفاء" کا ہی ذکر ہے... وہ روایت ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے:

"حَدَّثَنِي الْحَارِثُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو إِسْمَاعِيلَ الهمداني وعلي بن مُجَاهِدٍ، قَالا: قَالَ الشَّعْبِيّ: قدم الْمُغِيرَة عَلَى مُعَاوِيَة واستعفاه وشكا إِلَيْهِ الضعف، فأعفاه....."

(ابن جریر طبری کہتے ہیں) مجھ سے حارث نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں ہم سے علی بن محمد نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں ہم سے ابو اسماعیل الہمدانی اور علی بن مجاہد دونوں نے بیان کیا، ان دونوں نے کہا کہ ہم سے شعبی نے کہا کہ: حضرت مغیرہ، حضرت معاویہ کے پاس آئے اور کمزوری کی بناء پر اپنا استعفاء پیش کیا جو انہوں نے قبول کر لیا ...الخ...

(تاریخ طبری، جلد 5 صفحہ 301 دار التراث بیروت)

ایک تو ملاحظہ فرمائیں، یہاں بھی "استقعاء" پیش کرنے کا ذکر ہے نہ کہ "معزولی" کا، لہٰذا اوکاڑوی صاحب نے یہ "معزولی" والی بات کہاں سے لی؟ اس کا کوئی پتہ نہیں.

اب آیئے اس روایت کے راویوں پر ایک نظر ڈالتے ہیں، شعبی سے روایت کرنے والے دو راوی ہیں، ایک ہے "علی بن مجاھد" اور دوسرا ہے "ابو اسماعیل الھمدانی"، علی بن مجاہد سے مراد اگر تو "علی بن مجاہد بن مسلم بن رفیع الکابلی" ہے تو اس کے بارے میں امام یحییٰ بن معین نے فرمایا ہے کہ: کان یضع الحدیث... وہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا، نیز فرمایا کہ: اس نے مغازی کی ایک کتاب لکھی تھی اور ہر بات کی سند خود گھڑا کرتا تھا... امام ابو حاتم رازی نے یحییٰ بن ضریس کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ: "علی بن مجاھد کذّاب" کہ علی بن مجاہد بڑا جھوٹا ہے... امام ذہبی نے بھی اسے "احد الضعفاء" ضعیف راویوں میں سے ایک.. لکھا ہے... تفصیل کے لیے دیکھیں: (تہذیب التہذیب، جلد 7 صفحہ 377/ میزان الاعتدال، جلد 3 صفحہ 152 و جلد 4 صفحہ 525 نیز دیکھیں " صحیح و ضعیف تاریخ الطبری، جلد 9 صفحہ 126 دار ابن کثیر بیروت).

اور اگر "علی بن مجاہد" سے مراد یہ "کابلی" نہیں تو پھر یہ مجھول ہے... اسی طرح دوسرا راوی "ابو اسماعیل الہمدانی" بھی مجھول ہی ہے اس کا کوئی ذکر اذکار ہمیں نہیں ملا.

تو دوستو! یہ ہے اس اوکاڑوی افسانے کی حقیقت... جو اوکاڑوی صاحب نے بغیر کسی حوالے اور بغیر کسی کتاب کا حوالہ دیے لکھا ہے.. اور یقیناً ان کے نزدیک یہ افسانہ سچا اور صحیح تھا تو انہوں نے اتنے اعتماد سے لکھ دیا اور کسی کتاب کا حوالہ دینے کی بھی ضرورت نہ محسوس کی.

مفتی وقاص رفیع اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے

---

قارئین محترم! آپ نے دیکھا کے مولانا محمد امین اوکاڑوی صاحب (رح) نے صاف طور پر یہ لکھا تھا کہ:

"حضرت مغیرہ بن شعبہ کو حضرت معاویہ (رض) نے بوجہ کبر سنی امارت کوفہ سے معزول کر دیا اور ارادہ کیا کہ سعید بن العاص کو "اس" کی جگہ گورنر بنایا جائے"

اور مفتی وقاص رفیع نے اس جھوٹی روایت پر بات کرتے ہوئے اس کا "دوسرا مفہوم" یہ بیان کیا ہے کہ "حضرت مغیرہ (رض) نے خود استعفی پیش کیا تھا"... اور پھر قربان جائیں مفتی وقاص رفیع پر کہ وہ لکھتے ہیں:

"خود ہمارا اور مولانا اوکاڑوی سمیت تمام علمائے اہل سنت کا ضمیر یہ کہتا ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ (رض) کی جلالت شان اور ان کے مقام صحابیت کے پیش نظر دوسرا مفہوم اختیار کیا جائے" (حضرت معاویہ اور عباراتِ اکابر، صفحہ 617)

یعنی اوکاڑوی صاحب نے "عالم برزخ" سے مفتی وقاص رفیع کو یہ پیغام بھیجا ہے کہ "بیٹا! میں نے تو جو لکھا تھا ناں کہ: حضرت معاویہ (رض) نے حضرت مغیرہ (رض) کو معزول کیا تھا.. تو اس بارے میں میرا ضمیر یہ کہتا تھا کہ انہوں نے معزول نہیں کیا تھا بلکہ انہوں نے خود استعفاء دیا تھا.......... اللہ اللہ کیا زبردست وکالت ہے اکابر کی.

# اکابر کے نادان وکیل: (قسط: 29)

------------------

اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 618 سے مفتی وقاص رفیع نے حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب (رح) کی بات شروع کی ہے، سب سے پہلے تو حضرت قاضی صاحب (رح) کے ہاتھوں ہونے والے ایک قتل کی بات کا ذکر ہے، لیکن چونکہ اس کا تعلق قاضی صاحب کی ذات کے ساتھ ہے اس لئے میں اس پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا۔

دوسرے نمبر پر مفتی وقاص رفیع نے "حق چار یار" کے نعرے پر بات شروع کی ہے، اور دعوا کیا ہے کہ یہ کوئی نئی چیز نہیں بلکہ قرن اول سے اہل سنت کا یہی اعتقاد چلا آرہا ہے... چنانچہ مفتی وقاص رفیع لکھتے ہیں:

"حق چار یار سے مراد خلافت راشدہ موعودہ کا اثبات ہے.. اس میں شک نہیں کہ حضرت حسن مجتبی (رض) اور حضرت معاویہ (رض) سمیت خلفاء وغیر خلفاء صحابہ ہی برحق ہیں، کوئی مومن بالقرآن ان کے برحق ہونے کی نفی نہیں کر سکتا، لیکن حق چار یار کا جو نعرہ حضرات خلفائے اربعہ (رض) کے حق میں خصوصیت کے ساتھ لگایا جاتا ہے تو یہ ہرگز نئی چیز نہیں، بلکہ قرن اول سے اہل سنت کا یہی اعتقاد چلا آرہا ہے"

(حضرت امیر معاویہ اور عباراتِ اکابر، صفحہ 619 – 620).

اس کے بعد مفتی وقاص رفیع نے امام طحاوی (م 321 ہجری)، امام ابوالحسن اشعری (م 324 ہجری)، امام جوینی (م 478 ہجری)، امام غزالی (م 505 ہجری)، امام عبدالغنی المقدسی (م 600 ہجری)، علامہ ابن قدامہ حنبلی (م 620 ہجری)، امام جلال الدین سیوطی (م 911 ہجری) کی چند عبارات پیش کی ہیں، لیکن ان میں سے کوئی بھی "قرن اول" سے تعلق نہیں رکھتا، جبکہ مفتی وقاص رفیع نے دعوی یہ کیا ہے کہ:

"حق چار یار کا جو نعرہ حضرات خلفائے اربعہ (رض) کے حق میں خصوصیت کے ساتھ لگایا جاتا ہے تو یہ ہر گز نئی چیز نہیں، بلکہ قرن اول سے اہل سنت کا یہی اعتقاد چلا آرہا ہے"، پھر جتنی بھی عبارات مفتی وقاص رفیع نے پیش کی ہیں ان میں یہ تو بیان ہے کہ "حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین خلفاء راشدین ہیں"، لیکن کسی نے بھی یہ نہیں لکھا کہ "خلافت راشدہ" کا نعرہ لگا کر اس کے جواب میں "حق چار یار" کہنا ہے ... ہمارا اعتراض اس مخصوص نعرے پر ہے نہ کہ اس پر کہ خلفاء اربعہ "خلفاء راشدین" ہیں یا نہیں.. ہمیں ثبوت اس نعرے کا درکار ہے، کیا یہ نعرے بھی ان حضرات نے لگائے تھے جن کے حوالے مفتی وقاص رفیع نے دیے ہیں؟؟، یاد رہے کہ اس نعرے کا پہلا حصہ "خلافت راشدہ" عربی الفاظ پر مشتمل ہے، جبکہ دوسرے حصے میں "چار یار" فارسی کے لفظ ہیں.

مفتی وقاص رفیع پوچھتے ہیں کہ: "کیا محولہ بالا اکابر اور ان جیسے دیگر تمام حضرات علمائے حق اہل سنت ناقدین معاویہ (رض) میں شامل ہیں؟"

تو عرض ہے کہ: اگر تو کسی نے یہ نعرہ اس غرض سے لگایا ہو کہ مقصد حضرت معاویہ (رض) کی خلافت کو غیر راشدہ ثابت کرنا ہو تو وہ یقینا ناقدین میں شامل ہیں، اور قاضی مظہر صاحب کی بات خود مفتی وقاص رفیع نے یوں نقل کی ہے کہ:

"چار یار سے وہی چار خلفاء راشدین مراد ہیں جن کو قرآنی وعدہ کے تحت اللہ تعالی نے خلافت راشدہ عطا فرمائی ہے، اس خلافت راشدہ کے اعلان کے جواب میں چار یار پکارا جاتا ہے، اور قرآن کی خلافت راشدہ کا مصداق صرف یہی چار خلفاء ہیں"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 622)

مزید لکھتے ہیں:

"حضرت حسن (رض) گو خلیفہ برحق ہیں، اور ان کی صلح کے بعد حضرت امیر معاویہ (رض) بھی خلیفہ برحق ہیں، اور ان کو رشد و ہدایت کی وجہ سے تو خلیفہ راشد کہہ سکتے ہیں، لیکن قرآن کی مراد کے تحت ان کو خلیفہ راشد نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ خلافت راشدہ مہاجرین اولین کے ساتھ مختص ہے" (حوالہ بالا).

ہمیں قاضی مظہر صاحب (رح) کی اس تحقیق سے اختلاف ہے... کیونکہ:

1: قرآن کریم میں ہر گز ایسی کوئی آیت نہیں جس میں ہو کہ "صرف چار کے لیے خلافت راشدہ کا وعدہ ہے".

2: اگر قاضی صاحب کا اشارہ "آیت استخلاف" کی طرف ہے تو اس میں بھی چار کی تحدید پر اصرار درست نہیں، بہت سے مفسرین نے آیت استخلاف کا خطاب عام امت کے لیے لیا ہے، (جن میں امام قرطبیؒ، حافظ ابن کثیر، حکیم الامت حضرت تھانوی، اور دیگر شامل ہیں)، یعنی امت کے جن افراد میں بھی آیت استخلاف میں بیان کردہ شرط "ایمان اور عمل صالح" پائی جائے، اور انھیں استخلاف فی الارض، تمکین دین اور امن بعد الخوف (تینوں کا مجموعہ) عطا ہو تو وہ اس آیت کے وعدے میں داخل ہیں، ہاں یہ وعدہ سب سے پہلے خلفاء اربعہ (رض) کی صورت میں ظہور میں آیا، وہ سب سے پہلے اس میں داخل ہیں (اگرچہ بعض اکابر نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں آیت استخلاف میں مذکورہ تین چیزوں کا مجموعہ نہیں پایا گیا، مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ نے تفسیر آیت استخلاف میں اس بات کا دو تین بار ذکر کیا ہے جس کا حوالہ ہم پہلے نقل کر چکے ہیں) لیکن ہم حضرت علی (رض) کو بھی اس وعدے میں شامل ہی سمجھتے ہیں.

3: لہٰذا قاضی صاحب کا یہ لکھنا کہ "آیت استخلاف کے وعدے کا مصداق صرف چار ہی ہیں" یہ ان کا موقف ہے، جبکہ ان سے پہلے کے بہت سے مفسرین نے اس وعدے کو چار کے ساتھ خاص نہیں کیا، ہم حضرت قاضی صاحب کے موقف سے اختلاف کا حق رکھتے ہیں.

4: دراصل قاضی صاحب آیت تمکین کو آیت استخلاف کے ساتھ ملا کر اپنا استدلال مکمل کرتے ہیں، جبکہ یہ دونوں آیات الگ الگ ہیں، آیت تمکین میں وعدہ نہیں، بلکہ وہاں مہاجرین کی صفات بیان ہو رہی ہیں اور یہ بیان ہو رہا ہے کہ یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم انھیں زمین میں تمکین (حکومت) دیں تو یہ فلاں فلاں کام کریں گے، جبکہ آیت استخلاف میں وعدہ کا ذکر ہے، لہٰذا آیت تمکین کے ساتھ آیت استخلاف کو خاص کرنا یہ قاضی صاحب کا اپنا اجتہاد و استنباط ہے.

5: "خلافت راشدہ" کے جواب میں "حق چار" کہنا، اس سے یہی سمجھ آتی ہے کہ "صرف چار یار کی خلافت ہی راشدہ ہے، ان کے علاوہ کسی کی بھی خلافت راشدہ نہیں"، اگر اس نعرے سے یہ مفہوم نہ سمجھ آرہا ہوتا تو پھر یہ تاویل کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی کہ "اس سے مراد قرآن کی موعودہ خلافت" ہے؟؟ جبکہ یہ بھی محل نظر تاویل ہے، یہ صرف اس تفسیر کے مطابق صحیح ہے جس میں اس آیت کا خطاب آیت استخلاف کے نزول کے وقت موجود مومنین و صالحین کو بتایا گیا ہے، لیکن جن مفسرین نے یہ خطاب عام امت کے لیے لیا ہے اس کی رو سے یہ بات بھی درست نہیں کہ قرآن کے موعودہ خلفاء صرف چار ہیں.

6: یہ خلافت راشدہ حق چار کا نعرہ یا اصطلاح قرن اول میں ہمیں کہیں نظر نہیں آتی، اگر یہ نعرہ دور صحابہ میں ہوتا تو پھر کیا وجہ تھی کہ حضرت علی (رض) کی خلافت پر اس وقت کے صحابہ کا اتفاق نہ ہو سکا اور آدھے سے زیادہ صحابہ حضرت علی (رض) کی بیعت سے الگ رہے؟؟

7: قاضی صاحب کا یہ لکھنا کہ "قرآن کی مراد کے تحت حضرت حسن (رض) اور حضرت معاویہ (رض) کو خلیفہ راشد نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ خلافت راشدہ مہاجرین اولین کے ساتھ مختص ہے"، یہ بات قرآن کی کسی آیت میں نہیں، بلکہ "خلافت راشدہ" کا لفظ ہی قرآن میں نہیں، البتہ تمام صحابہ کرام کو "الراشدون" ضرور کہا گیا ہے.

مفتی وقاص رفیع مزید لکھتے ہیں:

"گویا حق چار یار کا نعرہ خلافت راشدہ منصوصہ کے حق میں قید احترازی کے طور پر لگایا جاتا ہے، بعد کے خلفاء کے برحق ہونے سے قید احترازی کے طور پر ہرگز نہیں لگایا جاتا" (صفحہ 623)

مجھے نہیں معلوم کہ مفتی وقاص رفیع نے "خلافت راشدہ منصوصہ" کا لفظ کس معنی میں استعمال کیا ہے؟ کیونکہ اہل سنت اور شیعہ کا اختلاف ہی اس بات میں ہے کہ ان کے نزدیک "امام" کا منصوص ہونا ضروری ہے، اور وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد حضرت علی (رض) کی خلافت و امامت پر نص فرمادی تھی، جبکہ اہل سنت کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی پر بھی صریح نص نہیں فرمائی تھی،

اور نہ ہی خلیفہ کا منصوص من اللہ ہونا ضروری ہے، بلکہ مسلمان جسے اپنا خلیفہ بنالیں وہی خلیفہ اور امام بن جاتا ہے...

پھر اگر حضرت قاضی صاحب (رح) اور ان کے وکیل مفتی و قاص رفیع یہ تسلیم کرتے ہیں کہ "رشد و ہدایت کی وجہ سے حضرت حسن (رض) اور حضرت معاویہ (رض) کو بھی خلیفہ راشد کہہ سکتے ہیں" نیز ان کو بھی "خلیفہ بر حق" مانتے ہیں، تو پھر یہ کیوں کہتے ہیں کہ "خلافت راشدہ چار میں بند ہے"؟؟ اور اگر اس سے مراد ان کی "قرآن کی موعودہ خلافت" ہے تو پھر نعرہ یوں لگایا کریں "خلافت موعودہ و منصوصہ حق چار یار".

اس وقت میرے سامنے حضرت قاضی مظہر حسین صاحب (رض) کی ایک اور تحریر موجود ہے، اس میں قاضی صاحب اپنی اس رائے کے حق میں استدلال کر رہے ہیں کہ خلافت راشدہ موعودہ صرف چار میں ہی منحصر ہے، اسی ضمن میں لکھتے ہیں:

"اور چونکہ وعدہ خداوندی حکومت و خلافت کا مومنین و صالحین ہی کے لیے تھا اس لئے ثابت ہوا کہ ارادہ خداوندی میں یہی تھا کہ ان اصحاب اربعہ کو ہی منصب خلافت عطا کیا جائے گا، اس لیے ان چار یار کی خلافت راشدہ موعودہ کا کوئی مومن بالقرآن انکار نہیں کر سکتا. بر عکس اس کے اگر "منکم" اور "الذین اخرجوا من دیارھم" کو نظر انداز کر دیا جائے اور اس وعدہ خلافت کو عام رکھا جائے تو سب سے پہلے ان خلفاء کا مومنین صالحین ہونا ثابت کرنا پڑے گا، پھر اس کے بعد ان کو خلفاء راشدین تسلیم کیا جائے گا اور <u>خلفاء اربعہ کے بعد تو کسی خلیفہ کے بارے میں یہ ثابت کرنا مشکل ہو جائے گا کہ وہ مومنین صالحین میں سے تھے</u>"

(موعودہ خلافت راشدہ اور حضرت معاویہ کے نادان حامی، غالی گروہ، صفحہ 39 شائع کردہ تحریک خدام اہل سنت پاکستان)

قارئین محترم!

حضرت قاضی صاحب (رح) کی اس تحریر کو دوبارہ پڑھیں، وہ فرماتے ہیں کہ اگر آیت استخلاف میں کیے گئے وعدہ کو عام رکھا جائے تو پھر خلفاء اربعہ کے بعد ہر خلیفہ کے بارے میں پہلے یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ وہ مومن اور صالح ہے، اس کے بعد جا کر اسے خلیفہ راشد کہنے کی باری آئے گی، نیز قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ: خلفاء

اربعہ کے بعد تو کسی خلیفہ (بشمول حضرت معاویہ و حضرت حسن رضی اللہ عنہما) کے بارے میں یہ ثابت کرنا مشکل ہو جائے گا کہ وہ مومنین صالحین میں سے تھے... (اگر اس اردو عبارت کا یہ مفہوم میں غلط سمجھا ہوں تو میری اصلاح کر دی جائے، قاضی صاحب نے یہ عبارت صاف اردو میں لکھی ہے جو آپ کے سامنے ہے).

مجھے نہیں معلوم کہ حضرت قاضی صاحب کے اس استدلال کا مقصد کیا ہے؟ جب آیت استخلاف میں وعدہ خلافت ہے ہی مومنین صالحین سے تو کوئی غیر مومن یا غیر صالح اس آیات کا مصداق بن کیسے سکتا ہے؟ یعنی اگر کسی کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ وہ مومن نہیں، یا صالح نہیں تو وہ تو خود بخود اس آیت میں کیے گئے وعدے سے نکل جائے گا.. اسی طرح اگر کوئی مومن صالح ہو، لیکن اس کی حکومت میں باقی دو چیزیں "تمکین دین" اور "امن" نہ ہو تو بھی وہ اس آیت میں نہیں آئے گا.. پھر آخر قاضی صاحب کو یہ بات لکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟؟ میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ قاضی صاحب کو کم از کم حضرت معاویہ (رض) اور حضرت حسن (رض) کو مومن صالح ثابت کرنا آخر کیوں مشکل لگ رہا ہے؟؟

دراصل قاضی صاحب "آیت تمکین" اور "آیت استخلاف" دونوں کو ملا کر اپنا نتیجہ نکال رہے ہیں، اور آیت استخلاف کی تفسیر آیت تمکین سے کر رہے ہیں جو کہ محل نظر ہے، یہ دونوں الگ الگ سورتوں کی الگ الگ آیات ہیں، ایک دوسرے کی تفسیر نہیں.

مفتی وقاص رفیع، قاضی مظہر حسین صاحب (رح) کی اس عبارت کا دفاع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مومنین صالحین میں سے نہیں تھے، کیونکہ اگر وہ مومن صالح ہوتے تو پھر انھیں ضرور خلیفہ راشد تسلیم کر لیا جاتا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ مومنین صالحین میں سے تھے اور خلیفہ برحق تھے، اور ان کو رشد و ہدایت کی وجہ سے تو خلیفہ راشد کہہ سکتے ہیں لیکن قرآن کی مراد کے تحت ان کو خلیفہ راشد ہرگز نہیں کہہ سکتے اس لیے کہ یہ خلافت راشدہ صرف مہاجرین اولین کے ساتھ مختص ہے اور حضرت معاویہ (رض) مہاجرین اولین میں سے نہیں ہیں.. اور دوسرے یہ کہ حضرت قاضی صاحب (رح) کی اس عبارت میں تو حضرت معاویہ

(رض) کی ذات کی طرف اشارہ تک نہیں، اس لیے کہ وہ تو قیامت تک آنے والے علی الاطلاق تمام مسلمان حکم رانوں کی بات کر رہے ہیں...."

(حضرت امیر معاویہ اور عباراتِ اکابر، صفحہ 624)

قارئین محترم! میری گزارش ہے کہ آپ ایک بار پھر وہ الفاظ پڑھیں جو حضرت قاضی مظہر حسین صاحب (رح) نے لکھے ہیں:

"اور خلفاء اربعہ کے بعد تو کسی خلیفہ کے بارے میں یہ ثابت کرنا مشکل ہو جائے گا کہ وہ مومنین صالحین میں سے تھے"

قاضی صاحب نے "خلفاء اربعہ کے بعد" ہر خلیفہ کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ ان کو مومنین صالحین میں سے ثابت کرنا مشکل ہو جائے گا، کیا اس میں حضرت معاویہ (رض) اور حضرت حسن (رض) ہیں یا نہیں؟ یقیناً شامل ہیں، کہ قاضی صاحب نے "خلفاء اربعہ" کے علاوہ تمام کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا ہے.. پھر نہ جانے مفتی و قاص اتنی ڈھٹائی کے ساتھ کیسے لکھتے ہیں کہ: "مطلب یہ ہے کہ وہ مومنین صالحین میں سے تھے اور خلیفہ برحق تھے" اور "اس عبارت میں حضرت معاویہ کی ذات کی طرف اشارہ تک نہیں"؟؟ قاضی صاحب خلفاء اربعہ کے بعد تمام خلفاء کے بارے میں یہ لکھ رہے ہیں کہ "ان کو مومنین صالحین میں سے ثابت کرنا مشکل ہو جائے گا" اور حضرت معاویہ (رض) تو خلفاء اربعہ میں سے نہیں، پھر یہ ان کی طرف اشارہ کیوں نہیں؟، اور پھر مفتی و قاص اس کا مطلب یہ بیان کر رہے ہیں کہ: "مطلب یہ ہے کہ وہ مومنین صالحین میں سے تھے".... یہ سراسر مفتی و قاص رفیع کا دھوکہ اور فریب ہے اس کے سوا کچھ نہیں.

یاد رہے! ہم یہ نہیں کہتے کہ حضرت قاضی صاحب (رح) کا واقعی یہ عقیدہ تھا کہ حضرت معاویہ (رض) اور حضرت حسن (رض) مومن صالح نہیں یا ان کو مومن صالح ثابت کرنا مشکل ہے، بلکہ ہمارا کہنا یہ ہے کہ قاضی صاحب کی یہ تعبیر کم از کم الفاظ کی حد تک درست نہیں، انھیں ایسی تعبیر اختیار کرنی نہیں چاہیے تھے، جبکہ انھیں بھی علم تھا کہ بہت سے قدیم و جدید مفسرین نے آیت استخلاف کا خطاب ساری امت کے لئے عام مانا ہے، قاضی صاحب کی "خارجی فتنہ" میں لکھی گئی ایسی ہی غیر محتاط عبارات و تعبیرات سے دشمنان صحابہ

نے بھی خوب استدلال کیے ہیں، جن کا جواب دینے کے لیے قاضی صاحب کو "دفاع حضرت معاویہ" نامی کتاب بھی لکھنی پڑی تھی.

نوٹ: فرض کریں اگر کوئی خارجی، حضرت قاضی صاحب کے اسی طریق استدلال کو آگے بڑھاتے ہوئے یہ کہے کہ: "آیت استخلاف کا مصداق حضرت علی رضی اللہ عنہ نہیں ہو سکتے، کیونکہ آپ کے دور خلافت میں آیت استخلاف میں مذکور تین چیزوں کا مجموعہ نہیں پایا گیا" (جیسا کہ یہ بات مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ نے بھی لکھی ہے) تو حضرت قاضی صاحب کے لئے یہ ثابت کرنا مشکل ہو جائے گا کہ وہ اس آیت کا مصداق ہیں... تو کیا ہم اس خارجی کے اس استدلال کے پیش نظر اس آیت کا مصداق صرف خلفاء ثلاثہ میں ہی منحصر کر دیں گے؟؟ ہرگز نہیں.

الغرض! آیت استخلاف سے خلفاء اربعہ کا خلیفہ برحق ہونا ثابت کرنا اور بات ہے، اور یہی تمام مفسرین نے کیا ہے، لیکن اس آیت کو صرف چار کے ساتھ خاص کرنا اور اس پر اصرار کرنا یہ درست نہیں، کیونکہ اس میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں.. آپ کسی ایک قول کو ترجیح تو دے سکتے ہیں لیکن قطعیت کے ساتھ ایک قول کو درست اور باقیوں کو غلط نہیں قرار دے سکتے.

آگے پڑھیئے! مفتی وقاص رفیع کیا لکھتے ہیں:

"ہاں! حضرت قاضی صاحب (رح) کا حضرت معاویہ (رض) کو اصطلاحی خلیفہ راشد قرار دینے والوں کو حامیان یزید کہنا ایک حقیقت ہے، یہ نیا عقیدہ وہی لوگ الاپ رہے ہیں جو دراصل یزیدی ہیں، اور اس طرح یزید پلید کی حکومت کو خلافت راشدہ کا تسلسل ثابت کرنا چاہتے ہیں"

(حضرت امیر معاویہ اور عباراتِ اکابر، صفحہ 628)

قارئین محترم! مفتی وقاص رفیع اور ان کا ہمنوا سبائیت کے جراثیم سے متاثرہ گروہ جب لاجواب ہو جاتا ہے تو "یزیدی یزیدی" کا وظیفہ پڑھنا شروع کر دیتا ہے، ورنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد کہنے سے یزید کو خلیفہ راشد کہنا کیسے لازم آتا ہے؟ یوں تو پھر خود قاضی صاحب نے حضرت معاویہ (رض) اور حضرت حسن (رض) کو خلفائے راشدین میں شمار کیا ہے (اگرچہ یہ قید لگائی ہے کہ وہ قرآن کے موعودہ نہیں) دیکھیں

خارجی فتنہ، جلد اول، صفحہ 38 اور صفحہ 648 طبع اول، تو اب میرا سوال ہے کہ قاضی صاحب کے اسی "لغوی معنوں میں" اگر حضرت معاویہ (رض) کو "خلیفہ راشد" تسلیم کیا جائے تو کیا اس سے بھی یزید کا انہی لغوی معنوں میں خلیفہ راشد ہونا لازم آئے گا یا نہیں؟ اگر آئے گا کیا مفتی وقاص رفیع کی منطق یہاں بھی چلے گی؟ کیا اس سے یزید کی خلافت کا "لغوی خلافت راشدہ" کا تسلسل ہونا ثابت ہوگا؟ اور اگر نہیں ہوگا تو پھر مفتی وقاص رفیع کا یہاں "یزیدیت" کا راگ الاپنا چہ معنی دارد؟.

اور یہ بھی عرض کروں کہ سلف میں ایسے بھی ہیں جنہوں نے حضرت معاویہ (رض) کو بھی خلفاء راشدین میں سے شمار کیا ہے، مثال کے طور پر علامہ ابن خلدون نے حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں لکھا ہے کہ: "فھو من الخلفاء الراشدین" کہ وہ خلفاء راشدین میں سے ہیں (تاریخ ابن خلدون، جلد 2 صفحہ 650 دار الفکر بیروت)، تو کیا مفتی وقاص رفیع کے نزدیک ابن خلدون بھی (مفتی وقاص اینڈ کمپنی کے اصطلاحی) یزیدی ہیں؟؟.

پھر یہ "اصطلاحی خلافت راشدہ" کیا چیز ہوتی ہے؟ یہ "خلافت راشدہ" کا لفظ نہ ہی آیت تمکین میں ہے اور نہ ہی آیت استخلاف میں، پھر خلافت راشدہ کو "اصطلاحی و لغوی" میں تقسیم کرنا کس بنیاد پر ہے؟؟ اگر خلافت کی قسمیں کرنی ہی تھیں تو "خلافت موعودہ وغیر موعودہ" یا "خلافت علی منہاج النبوۃ" وغیرہ پر ہی اکتفا کیا جاتا.

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کسی شخص کے مستحق خلافت ہونے کی دس شرطیں گنوائی ہیں، اور پھر لکھا ہے کہ:

"الحاصل جب یہ شرطیں کسی شخص میں پائی جائیں تو وہ مستحق خلافت سمجھا جائے گا، اور اگر اس کو (اہل حل و عقد) خلیفہ بنائیں اور اس کے ہاتھ پر بیعت کریں تو وہ خلیفہ راشد ہوگا" (ازالۃ الخفاء مترجم، جلد 1 صفحات 18 تا 23، نیز جلد 2 صفحہ 330).

نوٹ: حضرت شاہ صاحب نے ان شرطوں میں یہ تو ذکر کیا ہے کہ: وہ مسلمان ہو، کافر نہ ہو، عاقل ہو، مجنون نہ ہو، بالغ ہو، نابالغ نہ ہو، مرد ہو، عورت نہ ہو، آزاد ہو، غلام نہ ہو، متکلم، سمیع و بصیر ہو، گونگا بہرہ اور اندھا نہ ہو، بہادر ہو، بزدل نہ ہو، عادل اور صاحب مروت ہو، یعنی کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرنے والا ہو، صغیرہ پر اصرار کرنے والا نہ ہو، مجتہد ہو (حضرت شاہ صاحب کے نزدیک صحابہ کے زمانے میں مجتہد ہونے کے لئے صرف علم قرآن اور حفظ حدیث کافی تھا)، اور پدری نسب سے قریشی ہو... لیکن یہ شرط کہیں نہیں کہ "وہ مہاجرین اولین یا سابقون اولون میں سے ہو".

لہٰذا کسی کے خلیفہ راشد ہونے نہ ہونے کا پہلے بھی یہی معیار اور قاعدہ تھا اور اب بھی یہی ہے، اور آئندہ بھی یہی رہے گا، اس کے علاوہ اور کوئی خاص قاعدہ قانون کسی کے خلیفہ راشد ہونے کے لیے سنی مسلک میں نہ پہلے کبھی ضروری قرار دیا گیا ہے اور نہ ہی آئندہ اسے ضروری قرار دیا جا سکتا ہے.

اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ (رح) نے خلیفہ راشد کے فرائض بھی بیان کیے ہیں، (تفصیل کے لیے ازالۃ الخفاء مترجم، جلد 1 صفحہ 28 تا 30 نیز جلد 2 صفحہ 330 دیکھ جا سکتے ہیں) اور جو مسلمان حکمران خلیفہ راشد کے یہ فرائض بخوبی ادا کرے وہ "خلیفہ راشد" ہے.

# اکابر کے نادان وکیل : (قسط: 30)

------------------

اس کے بعد مفتی وقاص رفیع نے ایک عنوان یوں قائم کیا ہے:

" قاضی صاحب (رح) پر حضرت علی (رض) کو منصب نبوت پر فائز کرنے کا اعتراض"...

قارئین محترم! اس کا پس منظر یہ ہے کہ جناب قاضی مظہر حسین صاحب (رح) کی کتاب "خارجی فتنہ طبع اول" میں ایک عبارت یوں لکھی ہے:

"آیت استخلاف کے تحت صحیح انتخاب سے بہ حکم و رضائے خداوندی منصب نبوت پر فائز ہونے والے خلیفہ راشد حضرت علی المرتضی (رض) نے اپنی بیعت کا مطالبہ کیا تو حضرت معاویہ (رض) نے قاتلین حضرت عثمان (رض) کو ان کے سپرد کرنے اور قصاص کی شرط پیش کردی"

(خارجی فتنہ، حصہ اول، صفحہ 481 طبع اول).

اس عبارت میں حضرت علی (رض) کے "منصب نبوت" پر فائز ہونے کے الفاظ لکھے ہیں، اس کی طرف قاضی طاہر ہاشمی صاحب نے یوں اشارہ کیا تھا کہ:

"حضرت معاویہ (رض) کی مخالفت کرتے کرتے قاضی صاحب نے حضرت علی (رض) کو منصب نبوت پر بھی فائز کردیا فیاإسفاه"..

اور اس کے ساتھ ہی قاضی طاہر ہاشمی صاحب نے یہ بھی لکھ دیا تھا کہ:

"ظاہر ہے یہ کتابت کی غلطی ہے" (سیدنا معاویہ کے ناقدین، صفحہ 305)

قارئین محترم!

ہم بھی یہی سمجھتے ہیں کہ حضرت قاضی مظہر حسین صاحب (رح) یقیناً "منصب خلافت" لکھنا چاہتے ہوں گے، اور کتابت کی غلطی سے یہ "منصب نبوت" لکھا گیا، اور خود قاضی طاہر ہاشمی صاحب نے بھی یہ لکھ دیا تھا،

لیکن اکابر کے نادان وکیل مفتی وقاص رفیع یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ یہ کتابت کی غلطی ہے، بلکہ وہ یہ ثابت کرنے کے درپے ہیں کہ یہ عبارت اسی طرح "منصب نبوت پر فائز ہونے والے" ہی درست ہے، وہ لکھتے ہیں:

"حضرت علی (رض) کے منصب نبوت پر فائز ہونے کا مطلب.. دیگر خلفاء ثلاثہ (رض) کی طرح حضرت علی (رض) کے منصب نبوت پر فائز ہونے کا وہ مطلب نہیں جو پروفیسر آں موصوف نے مراد لے رکھا ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دیگر حضرات خلفائے ثلاثہ سمیت حضرت علی (رض) کی خلافت مطلق حکومت نہیں بلکہ خلافت علی منہاج النبوۃ ہے اور امت مسلمہ شروع ہی سے ان چاروں خلفاء کو جانشین رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی خلافت کو تتمہ "مصطفوی" سمجھتی آئی ہے...."

(حضرت امیر معاویہ اور عباراتِ اکابر، صفحہ 629)

اس کے بعد مفتی وقاص رفیع نے ایک مثال پیش کی ہے کہ:

"اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہ آج کل مدارس سے نئے فارغ التحصیل ہونے والے فضلاء کرام کو یہ کہا جاتا ہے کہ اب آپ منصب نبوت کے امین و وارث ہیں یا جیسے تبلیغی جماعت والے کہتے ہیں کہ دعوت و تبلیغ نبیوں والا کام ہے جو اللہ تعالی نے اس امت کے ہر فرد کے ذمہ لگایا ہے تو اب اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ یہ حضرات منصب نبوت پر فائز ہو گئے ہیں"

(صفحہ 629 – 630)

قارئین محترم! میں مفتی وقاص رفیع سے پوچھتا ہوں کہ اگر قاضی مظہر حسین صاحب (رح) کے الفاظ میں ایسا کچھ نہیں تھا تو پھر آپ کو یہ وضاحت کرنے کی ضرورت کیوں پیش آ رہی ہے کہ "اس کا مطلب یہ ہے کہ، چونکہ چنانچہ "؟؟؟ چاروں خلفاء میں سے کسی کے بارے میں یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ "منصب نبوت پر فائز ہو گئے تھے"... انھیں جانشین یا خلیفہ ہی کہا جاتا ہے، اسی لیے "علی منہاج النبوۃ" کا لفظ بولا جاتا ہے صرف "نبوۃ" نہیں بولا جاتا، نیز مفتی وقاص رفیع نے جو مثال دی ہے اس میں نئے فارغ ہونے والے فضلاء کو یہ

نہیں کہا جاتا کہ "آپ اب منصب نبوت پر فائز ہو چکے ہیں" (اگر مفتی و قاص رفیع کو کسی نے یہ کہا ہو تو اس کا ہمیں علم نہیں)، بلکہ علوم نبوت کے امین و وارث کہا جاتا ہے، اسی طرح تبلیغی جماعت والے بھی یہ نہیں کہتے کہ "دعوت و تبلیغ کرنے سے کوئی منصب نبوت پر فائز ہو جاتا ہے" بلکہ یوں ہی کہا جاتا ہے کہ یہ نبیوں والا کام ہے...

آگے مفتی و قاص رفیع لکھتے ہیں:

"حاصل یہ کہ حضرت قاضی صاحب (رح) نے حضرت علی (رض) کے لیے جو منصب نبوت پر فائز ہونے کے الفاظ بولے ہیں تو اس سے دیگر حضرات خلفائے ثلاثہ (رض) سمیت حضرت علی (رض) کی خلافت کا علی منہاج النبوۃ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کا تتمہ مصطفویہ ہونا مراد لیا ہے، آپ کا (نعوذ باللہ) نبی ہونا مراد نہیں لیا، ہاں زیادہ سے زیادہ اس بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت قاضی صاحب (رح) اس جگہ کوئی زیادہ واضح تعبیر اختیار فرماتے تو بہتر تھا مگر کون سا مصنف ایسا ہے کہ جس کا ہر ہر حرف کامل و اکمل ہو؟" (مفتی و قاص رفیع کی کتاب، صفحہ 630)

قارئین محترم! آپ خود فیصلہ فرمائیں، قاضی طاہر ہاشمی صاحب نے تو خود یہ لکھ دیا تھا کہ (ظاہر ہے یہ کتابت کی غلطی ہے)، اگر مفتی و قاص رفیع بھی یہی تسلیم کر لیتے تو انھیں اتنی لمبی چوڑی چیستان لکھنے کی ضرورت ہی نہ تھی، لیکن انہوں نے اکابر کی ہر صحیح و غلط بات کے دفاع کا ٹھیکہ لے رکھا ہے اس لیے وہ اس پر ڈٹ گئے کہ ہاں یہ لفظ قاضی مظہر صاحب نے لکھے ہیں اور درست لکھے ہیں... لیکن چونکہ ان کا ضمیر بھی گواہی دے رہا تھا کہ یہ تعبیر نامناسب ہے تو آخر انہیں بھی یہ لکھنا پڑا کہ: "حضرت قاضی صاحب اگر اس کی جگہ کو زیادہ واضح تعبیر اختیار فرماتے تو بہتر تھا"..... یہ ہیں اکابر کے نادان وکیل.

اسکے بعد مفتی و قاص رفیع نے اپنی کتاب کے آخری ورق پر اپنے دل میں چھپی "سبائیت" کا اظہار کیا ہے، واقعہ یوں ہے کہ قاضی مظہر حسین صاحب (رح) نے ایک فرضی اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھا تھا کہ "حضرت علی (رض) کے اجتہادی صواب اور حضرت معاویہ (رض) کی اجتہادی خطا کا یقینی ہونا نص سے ثابت ہے، اور دلیل کے طور پر قاضی صاحب نے سورۃ الحج کی آیت تمکین اور سورۃ النور کی آیت استخلاف کا حوالہ دیا تھا...

اور پھر شاہ عبدالقادر محدث دہلوی (رح) کی تفسیر کا حوالہ دے کر لکھا تھا کہ "حضرت دہلوی نے واضح فرمادیا کہ جو کوئی ان چاروں خلفاء کی خلافت کا منکر ہو وہ بے حکم یعنی نافرمان ہے".. (ملخصاً: ماہنامہ حق چار یار، مارچ اپریل 1993ء قسط نمبر 13 ومشاجرات صحابہ اور راہ اعتدال جلد دوم صفحہ 253 تا 264 طبع 2013ء)

نوٹ: اگر واقعی شاہ عبدالقادر نے یہی لکھا ہے کہ "جو کوئی ان چاروں کی خلافت کا منکر ہو وہ بے حکم اور نافرمان ہے" تو یہ ان تمام صحابہ کرم پر زبردست حملہ ہے جنہوں نے حضرت علی (رض) کی بیعت نہیں کی تھی اور جو اس بات کے قائل تھے کہ حضرت علی (رض) کی خلافت پر چونکہ تمام اہل حل وعقد کا اتفاق نہیں ہوا اس لیے آپ کی خلافت کا عام انعقاد نہیں ہوا... شاہ عبدالقادر صاحب کے اس فتوے کی رو سے وہ تمام صحابہ "بے حکم اور نافرمان" ثابت ہوتے ہیں... اور قاضی صاحب نے بھی یہ حوالہ نقل کرکے یہی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے. فیاإسفاہ.

اس پر قاضی طاہر ہاشمی صاحب نے لکھا تھا کہ:

"اس طرح قاضی صاحب نے حضرت معاویہ (رض) کی خطأ "نص" سے ثابت کردی، معلوم نہیں کہ جو خطأ "نص" سے ثابت ہو تو اسے "خطائے اجتہادی" کیوں کر قرار دیا جاتا ہے"؟

تو یہاں مفتی وقاص رفیع اپنے تقیہ کی چادر اتار کر "مکمل سبائی" کا روپ دھار کر لکھتے ہیں:

"تو حضرت معاویہ کی (یہاں مفتی وقاص رفیع نے ساتھ رضی اللہ عنہ بھی نہیں لکھا_ناقل) نص قرآنی سے ثابت ہونے والی خطائے اجتہادی کو خطائے اجتہادی نہ کہیں تو پھر اور کیا کہیں؟، حضرت معاویہ (رض) کی جو خطأ خلیفہ برحق یعنی حضرت علی (رض) کے خلاف ناحق خروج کی صورت میں واقع ہوئی تھی تو درحقیقت وہ حدیث عمار تقتلك الفئة الباغية کی رو سے بالاجماع بشری خطأ تھی، لیکن حضرت معاویہ (رض) کے شرف صحبت اور علم وفضل کی بناء پر اسے خطائے اجتہادی کہا جاتا ہے، اگر یہی خطأ کسی عام شخص سے صادر

ہوتی تو اس پر گناہ کبیرہ اور فسق کا اطلاق کیا جاتا، مگر یہاں حضرت معاویہ (رض) کا شرف صحابیت اور آپ کا علم و فضل یہ لازم کرتا ہے کہ اگر فسق و معصیت کے اطلاق سے مفر کی کوئی شکل ہو تو اسے اختیار کیا جائے اور وہ واحد شکل یہی ہے کہ حضرت معاویہ (رض) کی اس خطاٗ کو خطائے اجتہادی قرار دیا جائے.."

(حضرت امیر معاویہ اور عباراتِ اکابر، صفحہ 613)

پھر آگے غور سے پڑھیں کیا لکھتے ہیں:

"یہ تو علماء اہل سنت والجماعت کی انتہائی احتیاط ہے کے انہوں نے حضرت معاویہ (رض) کی انتہائی تعظیم و تکریم سے کام لیا ہے اور کوشش کی ہے کہ ان کے اس عمل کی وجہ سے کسی بھی طرح ان پر فسق و معصیت کا اطلاق نہ ہونے دیا جائے مگر ناصبیت کہاں اس پر راضی ہوتی ہے؟ بلکہ وہ تو مصر ہے اس بات پر کہ حضرت معاویہ (رض) کو بہر حال مصیب ہی مانا جائے چاہے کسی نص شرعی اور حدیث متواتر کا حلیہ ہی کیوں نہ بگاڑنا پڑے" (صفحہ 631 – 632)

قارئین محترم! یہ ہے اس سبائی ذاکر مفتی وقاص رفیع کی کتاب کا خلاصہ، میرا سوال یہ کہ جن علماء اہل سنت کا یہ مفتی ذکر کر رہا ہے کیا وہ علماء اہل سنت ان صحابہ کرام سے زیادہ نصوص کو سمجھنے والے تھے جن صحابہ کرام نے حضرت علی (رض) کی بیعت نہ کی تھی؟ یاد رہے ان میں صرف حضرت معاویہ (رض) ہی اکیلے نہیں، بلکہ اس وقت موجود صحابہ کرام کی اکثریت نے حضرت علی (رض) کی بیعت نہ کی تھی، تو جو نصوص قاضی مظہر صاحب کو نظر آئیں اور جن کی دوہائی مفتی وقاص رفیع دے رہا ہے وہ ان صحابہ سے مخفی کیسے رہ گئیں؟.

پھر میرا مفتی وقاص رفیع سے سوال ہے کہ پہلے یہ تو ثابت کرو کہ حضرت علی (رض) کی خلافت جس طرح منعقد ہوئی اس پر اس وقت صحابہ کرام کا اتفاق ہوا تھا؟ یا چلو یہ ثابت کرو کہ صحابہ کرام کی اکثریت نے اس طریقے سے خلافت منعقد ہونے پر اتفاق کیا تھا؟؟ جو مفتی وقاص رفیع نے "بالاجماع" کا لفظ بولا ہے، یہ اجماع کہاں سے شروع ہوتا ہے؟؟ سب سے پہلے ہمیں یہ دکھایا جائے کہ اس وقت موجود صحابہ کرام کا اس پر اجماع تھا کہ حضرت علی (رض) کی بیعت سے الگ رہنے والے نصوص کی مخالفت کی وجہ سے یقینی غلطی پر ہیں... ہمارا چیلنج ہے...

اور تو اور، خود قاضی مظہر حسین صاحب (رح) نے تسلیم کیا ہے کہ:

"دور صحابہ میں تو حضرت علی المرتضی کو ان آیتوں (یعنی آیت تمکین و آیت استخلاف_ناقل) کا مصداق قرار دینے میں اشکال تھا، کیونکہ حضرت علی (رض) کی حیات کے آخری لمحے تک اس وقت کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا تھا کہ آپ ہی مصداق ہیں..." (خارجی فتنہ، جلد اول، صفحہ 372 طبع اول)

پھر مفتی وقاص رفیع یہ بتائے کہ حدیث "تقتلك الفئة الباغية" میں کس لفظ کا ترجمہ ہے کہ "حضرت عمار (رض) کو حضرت معاویہ (رض) نے قتل کیا تھا"؟ آپ کئی سو سال بعد ہونے والے شارحین کی تشریحات کو بنیاد بنا کر ایسی بات کر رہے ہیں جبکہ حدیث میں ایسی کوئی بات نہیں... اور "فئۃ باغیۃ" جو جہنم کی طرف بلانے والی تھی اس کے بارے میں ہم پہلے عرض کر آئے ہیں... نیز یہ فرمائیں کہ چلو فرض کر لیا کہ حضرت عمار (رض) کے قتل سے پہلے شاید وہ صحابہ کرام جو حضرت علی (رض) کی بیعت سے الگ تھے شک و شبہ میں ہوں، لیکن حضرت عمار (رض) کی شہادت کے بعد جب بقول مفتی وقاص رفیع یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ حضرت معاویہ (رض) یقینا غلط ہیں تو ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ وہ تمام صحابہ اب حضرت علی (رض) کی بیعت کر لیتے، اب ان کے پاس کیا جواز تھا؟؟ لیکن ایسا نہیں ہوا... (کسی اکا دکا واقعے کی بات نہیں کر رہا)، تو فرمائیں! جو بات آپ کو سمجھ آئی وہ ان صحابہ کو کیوں نہ سمجھ آئی؟

پھر یہ بتائیں کہ آپ کے بقول حضرت عمار (رض) کی شہادت کے بعد "نص سے ثابت ہو گیا کہ حضرت معاویہ (رض) باغی ہیں اور غلطی پر ہیں" تو جب تک معاملہ شک میں تھا تو حضرت علی (رض) ان سے جنگ کرتے ہیں، اور جب معاملہ کھل گیا تو حضرت علی (رض) تحکیم قبول فرماتے ہیں اور جنگ بندی پر رضامند ہوتے ہیں، یہ کیوں نہ فرمایا کہ "باغیوں کے ساتھ اس وقت تک قتال کا حکم ہے جب تک وہ اللہ کے امر کی طرف نہ لوٹ آئیں"؟؟ کیا حضرت علی (رض) نے اللہ کے حکم کی مخالفت کی؟

نیز یہ فرمائیں کہ آپ نے خود اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ:

"جنگ صفین کے بعد اور اپنی شہادت سے پہلے سنہ 40 ہجری کے وسط میں حضرت علی (رض) نے ایک اتفاق کے تحت حضرت معاویہ (رض) کی امارت بعض علاقوں پر تسلیم کرلی تھی" (دیکھیں مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 59) .

تو فرمائیں، کہ حضرت علی (رض) کو بھی ان نصوص کی سمجھ آئی تھی کہ نہیں؟ یا انہوں نے جان بوجھ کر (نص سے ثابت شدہ ایک باغی) کے تحت اسلامی ریاست کے کئی علاقے دے دیے؟؟

اس کے بعد حضرت علی (رض) کے فرزند اور آپ کے جانشین حضرت حسن (رض) نے (باقرار مفتی وقاص رفیع، دیکھیں ان کی کتاب: صفحہ 64) حضرت معاویہ (رض) کو صلح کے لئے خط لکھا تھا، اور بالآخر اپنی خلافت سے دست بردار ہو کر حضرت معاویہ رض) کے ہاتھ پر بیعت فرما لی تھی، مفتی وقاص رفیع بتائیں کہ "نصوص قرآنیہ وحدیثیہ" کی مخالفت کرنے والے کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جاتا ہے؟؟ یا حضرت حسن (رض) کو ان نصوص کی تشریح و تفسیر کا درست علم ہی نہ تھا، یہ تو قاضی مظہر حسین صاحب (رح) اور مفتی وقاص رفیع کو سمجھ آئیں؟.

پھر مفتی وقاص رفیع نے یہاں پھر یہ جھوٹ بولا ہے کہ "حضرت معاویہ (رض) نے حضرت علی (رض) کے خلاف خروج ناحق کیا تھا"، یا تو مفتی وقاص رفیع کو کسی نے "خروج" کا معنی ومطلب ہی نہیں بتایا، یا وہ جان بوجھ کر تجاہل عارفانہ کے طور پر بار بار یہ لفظ دہراتے ہیں، میرا چیلنج ہے کہ مفتی وقاص رفیع اینڈ سبائی پارٹی ثابت کردے کہ "حضرت معاویہ (رض) نے حضرت علی(رض) کے خلاف خروج کیا ہو"، لشکر کشی تو حضرت علی (رض) نے فرمائی تھی، اور نہ ہی حضرت معاویہ (رض) نے جنگ میں ابتداء کی تھی، مفتی وقاص رفیع اپنے ممدوح قاضی مظہر حسین صاحب (رح) کا ہی ایک حوالہ پڑھ لیں، انہوں نے لکھا ہے:

"حضرت معاویہ (رض) کے لشکر والوں نے جنگ میں ابتداء نہیں کی یہاں تک کہ انہوں نے (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر نے_ناقل) ابتداء کی، اور اسی وجہ سے اشتر نخعی نے کہا تھا کہ وہ فریق مخالف جنگ میں ہمارے خلاف اس لیے کامیاب ہورہے ہیں کہ ہم نے ان سے جنگ کرنے میں ابتداء کی تھی"....

(آگے اسی صفحے پر علامہ ابن تیمیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ) : "حضرت معاویہ (رض) نے متوقع خطرات کے تحت دفاعی جنگ لڑی ہے".

(خارجی فتنہ، جلد اول، صفحہ 365 طبع اول)

مفتی وقاص رفیع صاحب! آپ جیسے علمی بونے سمجھتے ہیں کے چار لفظ پڑھ کر ایسی بکواس کرتے پھریں گے اور ہمیں یہ بتائیں گے کہ یہ علماء اہل سنت کا احسان ہے کہ حضرت معاویہ (رض) کی اس صریح نصوص کی مخالفت کو صرف ان کے شرف صحابیت کا لحاظ کرتے ہوئے خطائے اجتہادی کہتے ہیں ورنہ یہ تو گناہ کبیرہ اور فسق ہی تھا .... آپ کھل کر سامنے تو آئیں.. ہم آپ کو بتائیں گے کہ انھیں علماء اہل سنت میں ایسے "ائمہ اہل سنت" بھی ہیں جنہوں نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ "آیت استخلاف سے صرف تین خلفاء کی خلافت ثابت ہوتی ہے" اور "اس آیت میں مذکورہ تین شرطوں کا مجموعہ حضرت علی (رض) کے دور میں نہیں پایا گیا"... تو آپ کے لیے پھر حضرت حضرت علی (رض) کی خلافت ہی آیت استخلاف سے ثابت کرنا مشکل ہو جائے گا .. اسلئے ہمیں "علماء اہل سنت" کی دھونس نہ دیں... صحابہ کرام سب سے بڑے اکابر ہیں، مسلک اہل سنت، اصول کا نام ہے، کسی عالم کی ذاتی رائے کا نام نہیں، اگر آپ میں ہمت ہے تو اس دور میں موجود صحابہ کرام کے جو موقف تھے ان پر بات کریں... اگر اس وقت آدھے سے زیادہ یا بقول بعض اکثر صحابہ کرام غیر جانبدار رہے اور حضرت حضرت عمار (رض) کی شہادت کے بعد بھی بدستور غیر جانبدار رہے اور انہوں نے حضرت علی (رض) کی بیعت نہ کی تو ثابت ہوا کہ ان نصوص سے جو آپ اور آپ کی "سبائی پارٹی" ثابت کرنے پر زور دے رہی ہے وہ مفہوم ان صحابہ کے ذہن میں نہیں آیا تھا... یا اگر آیا تھا تو نعوذ باللہ وہ سب صریح نصوص کی مخالفت کرتے رہے.. کیا کہتے ہیں؟

کیا آپ کا یہی خیال ہے کہ بقول ابن حزم و ابن تیمیہ (رحمہا اللہ) جمہور صحابہ کرام و تابعین اخیار کی جس جماعت کا موقف ان مشاجرات میں "توقف" یا حضرت معاویہ (رض) کو مصیب سمجھنے کا تھا انہوں نے نعوذ باللہ "کسی نص شرعی اور حدیث متواتر کا حلیہ بگاڑ دیا تھا"؟؟؟

یاد رہے! یہ سوال اپنی جگہ قائم ہے جس کا جواب مفتی وقاص رفیع نے نہیں دیا کہ "جب ایک خطأ نص سے ثابت ہو جائے تو اسے "اجتہادی خطا" کیسے کہتے ہیں؟ اور "نص کی صریح مخالفت" خطائے اجتہادی ہے تو پھر صرف "خطأ" کیا ہوتی ہے؟؟

اگر یہی سوال اس "سبائیت گزیدہ پارٹی" سے کوئی منکر صحابہ کرے تو یہ اس کا کیا جواب دیں گے؟ وہ کہے گا کہ میں تو حضرت معاویہ (رض) کے شرف صحابیت کا قائل ہی نہیں، لہٰذا مجھے اصل حکم بتائیں تو جناب مفتی وقاص رفیع وہاں کیا فتویٰ دیں گے؟؟ بینوا توجروا.

رہی یہ بات کہ دو مجتہدوں میں سے ایک کا مصیب اور دوسرے کا مخطی ہونا لازمی ہے، تو یہ آپ کا دھوکہ ہے، یہ ممکن ہے کہ اپنی اپنی جگہ الگ الگ حیثیت سے دونوں مجتہد مصیب ہی ہوں.. تفصیل پہلے عرض کر چکا ہوں، اجتہادی اختلاف میں قطعیت کے ساتھ مصیب اور مخطی کا فیصلہ کم از کم اس دنیا میں نہیں ہو سکتا، اور جیسا کہ امام قرطبیؒ (رح) کے حوالہ سے پہلے میں بیان کر آیا ہوں کہ "کسی بھی صحابی کی طرف قطعی خطأ کی نسبت کرنا جائز نہیں"، نیز ابن حزم (رح) کے حوالے سے یہ بھی نقل کر آیا ہوں کہ "صحابہ کرام اور تابعین اخیار کی ایک جماعت" کا موقف یہ تھا کہ جنگ جمل و صفین میں حضرت علی (رض) کے مد مقابل حضرات مصیب تھے، تو فرمائیں ان صحابہ و خیار تابعین پر مفتی وقاص رفیع "ناصبی" کا فتویٰ لگائیں گے؟؟

محترم قارئین! سبِّ صحابہؓ اہل سنت کے نزدیک بھی حرام اور اس کا مرتکب اہل السنۃ سے خارج ہی ہوگا (خیر الفتاویٰ، ج1 ص374) اور سبّ، قاضی مظہر حسین صاحب (رح) صاحب کے نزدیک ہی "ہر اس بات کو کہتے ہیں جس سے مخالف برافروختہ ہو اس میں وہ اپنی توہین سمجھے" (حق چار یار، ص6 بابت ماہ محرم سنہ1413ھ/جولائی 1992ء)، تو آپ ہی فرمایئے کہ اگر حضرت معاویہ (رض) اور وہ تمام صحابہ کرام (رض) جنہوں نے حضرت علی (رض) کی بیعت نہ کی آج زندہ ہوتے اور ان کو یہ کہا جاتا کہ آپ مشاجراتی اختلاف میں بطورِ اصل حکم تو گناہ، فسق، شرعی و فقہی بغاوت، اللہ ورسول کے حکم کی مخالفت، اور نصوصِ قرآنیہ وحدیثیہ کی خلاف ورزی کرنے کے ہی مرتکب ہوئے ہیں، کہا تو آپ کو باغی، خاطی، جائر اور آپ کے موقف کو ازروئے نصِ قرآنی درحقیقت بالکل ناجائز ہی جائے گا، ہاں چونکہ آپ صحابہؓ ہیں اس لئے اس کی اس

شرعی و فقہی بغاوت اور گناہ کو ہم "اجتہادی خطأ" کہیں گے، تو کیا اس سے ان کو انقباض نہ ہوتا؟ اگر ہوتا تو کیا مفتی وقاص رفیع کی یہ ساری باتیں سبِّ صحابہؓ کے ضمن میں نہیں آتیں؟ .

مفتی وقاص رفیع نے اپنی کتاب میں نہایت زیادتی کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں "فقہی باغی" کے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں، جبکہ یہی قاضی مظہر حسین صاحب (رح) تو لکھتے ہیں کہ:

"یہاں یہ ملحوظ رہے کہ حضرت معاویہؓ وغیرہ کے لئے جہاں لفظ باغی کا اطلاق کرتے ہیں اس سے مراد صورتاً بغاوت ہوتی ہے نہ کہ حقیقتاً"۔

(خارجی فتنہ، ص297/ج1)

نوٹ: یہ الگ بات ہے کہ انہی قاضی صاحب (رح) نے ایک جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ سے جو قتال کیا تھا وہ انہوں نے قرآن کے حکم "فقاتلوا التي تبغي" کی تعمیل میں کیا تھا، چنانچہ لکھتے ہیں کہ جب حضرت معاویہؓ نے خلیفہ راشد موعود حضرت علیؓ کی اطاعت نہ کی بلکہ:

"بجائے اطاعت کے الٹا آپ کے معزول ہونے اور دوبارہ انتخاب ہونے کا مطالبہ کیا تو حضرت علیؓ نے قرآن کے حکم فقاتلو التي تبغي پر عمل کیا یعنی امامِ وقت کے خلاف جو بغاوت کرنے والے ہیں ان سے رجوع الی الحق تک قتال کرو"۔

(خارجی فتنہ، ص560/ج1)

اب معلوم نہیں یہ قرآنی حکم "حقیقی بغاوت" کا ہے یا "صوری بغاوت" کا؟)

یہ عقدہ اب مفتی وقاص رفیع ہی کھولیں کہ کیا "فقہی بغاوت" حقیقی بغاوت ہوتی ہے یا صرف "صورتاً" ہوتی ہے؟؟ اور قرآن میں "فقاتلوا التي تبغی...." والا حکم "حقیقی باغیوں" کے بارے میں ہے یا "صورتاً باغیوں" کے لیے بھی ہے؟.

چلتے چلتے انہی قاضی مظہر حسین صاحب (رح) کی یہ بات بھی پڑھتے جائیں:

"جہاں تک حضرت علی المرتضی رفع تنازع کے لیے رواداری کر سکتے تھے آپ نے فرمائی چنانچہ حکمین کا تقرر تسلیم کرلیا، اس لئے کہ آپ فریق ثانی یعنی حضرت معاویہ (رض) کو حقیقتاً باغی قرار نہیں دیتے تھے (بوجہ ان کے اجتہادی اختلاف کے)....الخ"

(خارجی فتنہ، جلد اول، صفحہ 454 طبع اول)

مفتی وقاص رفیع فرمائیں کہ کیا قاضی صاحب کی یہ بات درست ہے کہ "حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حقیقی باغی قرار نہیں دیتے تھے"؟؟

# اکابر کے نادان وکیل: (قسط: 31)

------------------

قارئین محترم! مفتی وقاص رفیع نے، قاضی طاہر ہاشمی صاحب کی طرف سے قاضی مظہر حسین صاحب (رح) پر اٹھائے گئے تمام اعتراضات کا جواب نہیں دیا، مثال کے طور پر ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ قاضی مظہر حسین صاحب (رح) نے سورہ توبہ کی آیت نمبر 100 "وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ".

(اور جو مہاجرین اور انصار (ایمان لانے میں سب امت سے) سابق اور مقدم ہیں اور (بقیہ امت میں) جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ (ایمان لانے میں) ان کے پیرو ہیں، اللہ ان سب سے راضی ہوا (کہ ان کا ایمان مقبول فرمایا جس پر جزا ملے گی) اور وہ سب اس (اللہ) سے راضی ہوئے (کہ طاعت اختیار کی جس کی جزا سے یہ رضا اور زائد ہو گی) اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) یہ بڑی کامیابی ہے۔

(تفسیری ترجمہ از حضرت تھانوی رحمہ اللہ).

اس آیت سے حضرت معاویہؓ کے خلاف استدلال کرتے ہوئے پہلے تو انہوں نے یہ بتایا ہے کہ اس آیت میں "اللہ تعالی نے تین طبقوں پر اپنے راضی ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔ 1: مہاجرین اولین 2: الانصار، ان دو طبقوں کا مقام معیاری ہے 3: تیسرا طبقہ وہ ہے جو مہاجرین وانصار کی پیروی خوش اسلوبی سے کرے (والذین اتبعوہم باحسان)، اس تیسرے طبقے سے رضاء الٰہی مشروط ہے مہاجرین اولین اور انصار کی اچھے طریقے سے پیروی کرنے کے ساتھ" اور پھر حضرت معاویہؓ کے اسی تیسرے طبقے سے ہونے کی تصریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "حضرت معاویہؓ نہ تو مہاجرین میں ہیں اور نہ انصار میں، آپ تیسرے طبقہ سے وابستہ ہیں، ان

کے لئے حضرت علی المرتضیٰؓ کی پیروی لازم تھی بوجہ ان کے مہاجرین اولین میں ہونے اور بوجہ خلیفہ ہونے کے، بہر حال از روئے نصِ قرآنی حضرت علیؓ کی پیروی حضرت معاویہؓ پر لازم ہے".

جس کا مطلب یہ ہوا کہ قاضی صاحب کے نزدیک حضرت معاویہؓ سے رضاء الٰہی مشروط تھی مہاجرین وانصار، بالخصوص حضرت علیؓ کے اچھے طریقے سے پیروی کرنے کے ساتھ۔ اب رہی یہ بات کہ انہوں نے رضاء الٰہی کی یہ شرط پوری کی یا نہیں، تو قاضی صاحب کا فرمانا ہے کہ انہوں نے نہ صرف یہ شرط پوری ہی نہیں کی بلکہ اُلٹا حضرت علیؓ کی قولی و عملی مخالفت کی، چنانچہ سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے تصریح کی ہے کہ:

"لیکن بجائے پیروی کے انہوں نے مخالفت کی اور صرف زبانی مخالفت نہیں کی بلکہ بجائے اطاعت کے قتال کیا" (خواہ دفاعی ہی ہو)۔ (خارجی فتنہ، ص476/ج1)

پھر آگے چل کر قاضی صاحب نے خود ہی اپنے اس استدلال کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے تصریح کردی ہے کہ حضرت علی (رض) تو وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے بیعتِ رضوان کے سلسلہ میں بھی اپنے راضی ہونے کا اعلان کیا ہوا تھا، نیز مسابقت اور مہاجرین اولین میں سے ہونے کی وجہ سے بھی وہ "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" کے مصداق تھے، لیکن ان کے مقابلہ میں "حضرت معاویہؓ تو والذین اتبعوہم باحسان کے طبقہ میں تھے جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے راضی ہونے کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ مہاجرین وانصار کی حسن اسلوب سے پیروی کریں" (خارجی فتنہ، ص548/ج1)

قاضی مظہر حسین صاحب (رح) کی ان دونوں عبارات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ "چونکہ حضرت معاویہ (رض) سورہ توبہ کی آیت مذکورہ میں بیان کردہ تیسرے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جن کے ساتھ اللہ کے راضی ہونا مشروط تھا سابقون اولون مہاجرین وانصار کی پیروی کے ساتھ، یوں ان پر حضرت علی (رض) کی پیروی لازم تھی، اور یہ پیروی انہوں نے نہیں کی بلکہ الٹا ان کے ساتھ لڑائی کی.. لہٰذا ان کے ساتھ اللہ کے راضی ہونے

کے لیے جو شرط تھی وہ پوری نہیں ہوئی، اور جب وہ پوری نہیں ہوئی تو اللہ کی رضاء ان کے لیے حاصل نہ ہوئی
....

قارئین محترم! اگر قاضی صاحب کی ان دونوں عبارتوں سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا تو میری اصلاح فرمادیں، میں یہ نہیں کہتا کہ حضرت قاضی صاحب (رح) حضرت معاویہ کو (رضی اللہ عنہ) نہیں کہتے تھے، میرا یہ کہنا ہے کہ ان کی اس عبارت سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ درست نہیں، اور ان کا طریق استدلال حضرت معاویہ (رض) کو "رضی اللہ عنہم ورضواعنہ" سے نکال رہا ہے...

جناب قاضی طاہر ہاشمی صاحب نے یہ اعتراض اپنی کتاب "سیدنا معاویہ (رض) کے ناقدین" کے صفحہ 303 تا 305 ذکر کیا ہے، اس کا شاید مفتی وقاص رفیع کے پاس کوئی تسلی بخش جواب نہ تھا اس لیے انہوں نے اسے ذکر نہ کرنا ہی مناسب سمجھا.

یاد رہے کہ سورۃ التوبہ کی اس آیت کا مفہوم یہ نہیں کہ اس آیت میں مذکور تیسرے طبقے کے لیے رضاء الٰہی کی شرط، سابقون اولون مہاجرون وانصار کے ہر ہر فرد کی پیروی کے ساتھ مشروط ہے، بلکہ اگر لوگ سابقون اولون مہاجرین وانصار میں سے کسی ایک کی بھی پیروی کرلیں تو یہ ان کے لیے کافی ہے، نیز یہاں پیروی سے مراد کیا ہے؟ ایمان لانے میں پیروی؟ یا ہر ہر عمل میں بھی پیروی؟ تو اس بارے میں مختلف تفاسیر ملتی ہیں، لہٰذا قاضی مظہر حسین صاحب (رح) کا اس آیت سے حضرت معاویہ (رض) کے لیے خاص حضرت علی (رض) کی پیروی لازم ہونا ثابت کرنا محل نظر ہے، کیونکہ اس آیت میں سابقون اولون مہاجرین وانصار کے کسی خاص فرد کی اتباع باحسان کا ذکر نہیں بلکہ بطور طبقہ ان کی اتباع باحسان مراد ہے، اور حضرت علی (رض) کی بیعت نہ کرنے والوں میں بھی طبقہ سابقون اولون کے صحابہ کرام بھی تھے اس لیے اگر کہا جائے کہ حضرت معاویہ (رض) نے ان کی اتباع کی تھی تو پھر اس کا کیا جواب ہے؟؟ اس کی مزید تفصیل آپ کو حضرت مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی (رح) کی حال ہی میں آنے والی کتاب "دفاع سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ" میں ملے گی (از صفحہ 312 تا صفحہ 430) جس میں انہوں نے قاضی مظہر حسین صاحب (رح) کے حضرت

معاویہ (رض) کے خلاف چار قرآنی آیات سے استدلال پر سیر حاصل تبصرہ فرمایا ہے یعنی "آیت اولی الامر، آیت اتباع باحسان، آیت تمکین اور آیت استخلاف".

اسی طرح حضرت قاضی مظہر حسین صاحب نے حکمین (حضرت ابو موسی اشعری اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما) کے خلاف شاہ ولی اللہ دہلوی (رح) کی کتاب ازالۃ الخفاء کے حوالے سے ایک غیر مستند حدیث سے استدلال کیا ہے، پہلے عنوان باندھا ہے "حکمین خطاء کریں گے" پھر اس روایت کے یہ عربی الفاظ نقل کیے ہے:

"اخرج البيهقي عن علي رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان بني اسرائيل اختلفوا فلم يزل اختلافهم فيما بينهم حتى بعثوا حكمين فضلّا واضلّا وان هذه الامة مختلفة فلا يزال اختلافهم بينهم حتى يبعثوا حكمين ضلّا وضلّ من اتبعهما ... الخ (پھر قاضی حسین صاحب نے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا اردو ترجمہ یوں کیا ہے) "پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ تحکیم کی خبر دی، خصائص میں ہے کہ بیہقی نے حضرت علی (رض) سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں اختلاف پیدا ہوا جو بڑھتا رہا حتی کہ انہوں نے حکمین (دو ثالث) مقرر کیے تو انہوں نے غلط فیصلہ کیا اور دوسروں کو بھی غلطی میں ڈالا (روایت کے اصل الفاظ میں "فضلّا واضلّا کے الفاظ ہیں جن کا لفظی ترجمہ ہے وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا، قاضی صاحب نے اس کا ترجمہ غلطی کرنے سے کیا ہے_ناقل) اور اس امت میں بھی اختلاف بڑھے گا حتی کہ وہ حکمین کو مقرر کریں گے جو غلطی کریں گے اور جو ان کی پیروی کریں گے وہ بھی غلط راہ پر چلیں گے (یہاں بھی "ضلّا وضل من اتبعهما" کے لفظ ہیں، جن کا ترجمہ قاضی صاحب نے غلطی کرنے سے کیا ہے_ناقل) ان ثالثوں کے گمراہ ہونے (یہاں صحیح ترجمہ کیا ہے_ناقل) مراد ہے کہ انہوں نے اپنے اجتہاد میں خطا کی ہے اور ان کی پیروی کرنے والے گمراہ ہوں گے (یہاں بھی درست ترجمہ کیا ہے_ناقل) سے مراد یہ ہے کہ یہ خطا بہت سے مفاسد کا موجب بن گئی.... الخ"

(خارجی فتنہ، جلد اول، صفحہ 456 – 457 طبع اول)

نوٹ: حضرت شاہ ولی اللہ (رح) نے بھی حضرت علی (رض) کی طرف منسوب یہ روایت امام سیوطی کی کتاب "الخصائص الکبری" (دیکھیں: جلد 2 صفحہ 488 طبع دار الکتب الحدیثۃ، قاہرہ) سے بلا سند نقل کی ہے، اور امام سیوطی نے بھی صرف یہ لکھا ہے کہ "اخرج البيهقي" کہ یہ روایت امام بیہقی نے نقل کی ہے ... سند سیوطی نے بھی ذکر نہیں کی.

قارئین محترم! اس روایت میں صریح طور پر دو جلیل القدر صحابہ کرام (حضرت ابو موسی اشعری اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما) کے بارے "ضلا وضل من اتبعهما" کے الفاظ ہیں، جن کا مطلب ہے کہ "وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور جو ان کی پیروی کریں گے وہ بھی گمراہ ہوں گے"، اسی لیے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس روایت کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"وَهُوَ حَدِيثٌ مُنْكَرٌ جِدًّا وَآفَتُهُ مِنْ زَكَرِيَّا بْنِ يَحْيَى هَذَا، وَهُوَ الْكِنْدِيُّ الْحِمْيَرِيُّ الْأَعْمَى قَالَ يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ: لَيْسَ بِشَيْءٍ. وَالْحَكَمَانِ كَانَا مِنْ خِيَارِ الصَّحَابَةِ، وَهُمَا عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ السَّهْمِيُّ مِنْ جِهَةِ أَهْلِ الشَّامِ، وَالثَّانِي أَبُو مُوسَى عَبْدُ اللَّهِ بْنُ قَيْسٍ الْأَشْعَرِيُّ، مِنْ جِهَةِ أَهْلِ الْعِرَاقِ، وَإِنَّمَا نُصِبَا لِيُصْلِحَا بَيْنَ النَّاسِ وَيَتَّفِقَا عَلَى أَمْرٍ فِيهِ رِفْقٌ بِالْمُسْلِمِينَ، وَحَقْنٌ لِدِمَائِهِمْ، وَكَذَلِكَ وَقَعَ، وَلَمْ يَضِلَّ بِسَبَبِهِمَا إِلَّا فِرْقَةُ الْخَوَارِجِ..."

یہ حدیث شدید قسم کی منکر ہے، اور اس کی آفت (راوی) زکریا بن یحیٰ کندی حِمیَری نابینا کی وجہ سے ہے، یحیٰ بن معین نے اس کے بارے میں کہا کہ وہ کچھ بھی نہیں، جبکہ حکمین خیار صحابہ میں سے تھے، اور وہ اہل شام کی طرف سے حضرت عمرو بن العاص اور دوسرے اہل عراق کی طرف سے حضرت ابو موسی اشعری تھے، ان دونوں کا تقرر اس لیے کیا گیا تھا کہ وہ لوگوں کے درمیان صلح کروائیں اور کسی ایسی بات پر متفق ہو جائیں جس میں مسلمانوں کے لیے نرمی ہو، اور ان کی خون ریزی سے بچا جائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، ان دونوں کی وجہ سے سوائے خوارج کے کوئی گمراہ نہیں ہوا...

(البدایۃ والنہایۃ، جلد 9 صفحہ 197 دار ہجر).

پھر انہی حافظ ابن کثیر (رح) نے ایک اور جگہ بیہقی کی پوری سند کے ساتھ پہلے تو یہ روایت ذکر کی ہے:

"فَأَمَّا الْحَدِيثُ الَّذِي قَالَ الْبَيْهَقِيُّ فِي " الدَّلَائِلِ ": أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ عَبْدَانَ، أَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُبَيْدٍ الصَّفَّارُ، ثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ الْفَضْلِ، ثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ جَرِيرٍ، عَنْ زَكَرِيَّا بْنِ يَحْيَى، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدَ وَحَبِيبِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ سُوَيْدِ بْنِ غَفَلَةَ قَالَ: إِنِّي لَأَمْشِي مَعَ عَلِيٍّ بِشَطِّ الْفُرَاتِ فَقَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ، صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ اخْتَلَفُوا فَلَا يَزَالُ اخْتِلَافُهُمْ بَيْنَهُمْ حَتَّى يَبْعَثُوا حَكَمَيْنِ فَضَلَّا وَأَضَلَّا، وَإِنَّ هَذِهِ الْأُمَّةَ سَتَخْتَلِفُ فَلَا يَزَالُ اخْتِلَافُهُمْ بَيْنَهُمْ حَتَّى يَبْعَثُوا حَكَمَيْنِ، فَيَضِلَّانِ وَيُضِلَّانِ مَنِ اتَّبَعَهُمَا».

اور پھر اس کے بعد لکھا ہے:

"فَإِنَّهُ حَدِيثٌ مُنْكَرٌ وَرَفْعُهُ مَوْضُوعٌ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ - إِذْ لَوْ كَانَ هَذَا مَعْلُومًا عِنْدَ عَلِيٍّ لَمْ يُوَافِقْ عَلَى تَحْكِيمِ الْحَكَمَيْنِ حَتَّى لَا يَكُونَ سَبَبًا لِإِضْلَالِ النَّاسِ، كَمَا فِي هَذَا الْحَدِيثِ. وَآفَةُ هَذَا الْحَدِيثِ هُوَ زَكَرِيَّا بْنُ يَحْيَى، وَهُوَ الْكِنْدِيُّ الْحِمْيَرِيُّ الْأَعْمَى. قَالَ ابْنُ مَعِينٍ: لَيْسَ بِشَيْءٍ".

پس یہ حدیث منکر ہے، اور اس کا رفع (یعنی اگر اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بتایا جائے) تو یہ موضوع ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ بات حضرت علی (رض) کو پہلے سے معلوم ہوتی (جیسا کہ یہ روایت ان کی طرف منسوب ہے_ناقل) تو آپ حکمین کی تحکیم پر کبھی راضی نہ ہوتے تاکہ یہ تحکیم لوگوں کی گمراہی کا سبب نہ بنے جیسا کہ اس حدیث میں بیان ہے، اس حدیث کی آفت زکریا بن یحیٰی کندی حِمیَری نابینا ہے، اس کے بارے میں امام یحیٰی بن معین نے کہا ہے کہ "لیس بشيء" وہ کچھ بھی نہیں.

(البدایۃ والنہایۃ، جلد 10 صفحہ 576).

نوٹ: اس زکریا بن یحیٰی کے بارے میں امام یحیٰی بن معین کا یہ قول کہ وہ "کچھ بھی نہیں" ابوحاتم رازی نے "الجرح والتعدیل" میں ذکر کیا ہے (الجرح والتعدیل، جلد 3 صفحہ 600، طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت).

نیز خود قاضی مظہر حسین صاحب (رح) نے اپنی کتاب "بشارۃ الدارین بالصبر علی شہادۃ الحسین" میں سید سلیمان ندوی کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آیات و معجزات پر لکھی گئی جن کتابوں کو "غیر معتبر" بتایا ہے ان میں بیہقی کی کتاب بھی ذکر کی ہے۔ (بشارۃ الدارین، صفحہ 59 طبع تحریک خدام اہل سنت چکوال، طبع اول، محرم 1395 ہجری)

قارئین محترم! جب حضرت قاضی مظہر حسین صاحب (رح) پر جب یہ اعتراض ہوا کہ جناب! آپ نے دو جلیل القدر صحابہ کرام کے بارے میں "گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے" کے الفاظ ایک غیر مستند اور نا قابل احتجاج روایت کی بناء پر نقل کردیے تو بجائے اپنی غلطی تسلیم کرنے کے انہوں نے یہ عذر کیا کہ "میں نے تو یہ ساری عبارت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی پیش کی تھی، حالانکہ یہ حدیث شریف کے الفاظ تھے اور اس حدیث سے استدلال کرنے والے حضرت شاہ ولی اللہ محدث ہیں، اگر اعتراض ہے تو در اصل حدیث پر ہے اور اس کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی پر اس کے بعد میری باری آتی ہے، حضرت شاہ ولی اللہ نے ضلا و اضلا کی مراد بھی واضح کردی ہے کہ ان ثالثوں سے اجتہادی غلطی سرزد ہوگی تو اب اعتراض کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟" (ملخصاً: کشف خارجیت، صفحہ 445 – 446)

یہاں تو قاضی صاحب یہ لکھ کر جان چھڑا رہے ہیں کہ میں نے تو حضرت شاہ ولی اللہ (رح) کی عبارت پیش کی تھی، لیکن اپنی کتاب "خارجی فتنہ" میں ایک دوسری جگہ وہ یوں لکھتے ہیں:

"حکمین کے فیصلہ کے غلط ہونے کی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیش گوئی فرمائی ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفاء میں جس کا ذکر فرمایا ہے وہ حق تعالی کے وعدہ قرآن کی روشنی میں بالکل صحیح ہے"

(خارجی فتنہ، جلد اول، صفحہ 583 طبع اول)

ملاحظہ فرمائیں! یہاں قاضی صاحب اپنی ذمہ داری پر اس روایت کو قرآن کریم کی رو سے صحیح ثابت کر رہے ہیں، اور بالواسطہ یہ بتا رہے ہیں کہ حکمین (رضی اللہ عنہما) نے صریح طور پر قرآن کی مخالفت کی، نیز حضرت علی (رضی اللہ عنہ) پر بھی اس سے الزام آئے گا (جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے اسی وجہ سے اس روایت کو غلط

بتایا ہے کہ) اگر آپ کو علم تھا کہ یہ حق تعالی کے وعدہ قرآن کی روشنی میں جان بوجھ کر گمراہی کا راستہ اپنایا جارہا ہے تو آپ تحکیم پر راضی کیوں ہوتے؟؟

ہم سمجھتے ہیں کہ قاضی صاحب کا اس روایت کو بلا تحقیق یوں نقل کر دینا اور پھر اسے صحیح بتانا درست نہیں، قاضی صاحب کا یہ طرز استدلال نہ صرف حضرات حکمین (رض) بلکہ حضرت علی (رض) پر بھی طعن کا دروازہ کھولنا ہے.

اور پھر ان کی یہ توجیہ کرنا کہ "ضلا و اضلا" سے مراد "اجتہادی غلطی" ہے "عذر گناہ، بد تر از گناہ" کے مترادف ہے... جب روایت ہی صحیح نہیں، اور بقول حافظ ابن کثیر اگر اسے مرفوع کہا جائے تو یہ "موضوع" ہے تو پھر اس کی مرادیں بیان کرنا چہ معنی دارد؟.

# اکابر کے نادان وکیل: (قسط: 32)....آخری قسط (02/اگست 2018)

------------------

قارئین محترم! مفتی وقاص رفیع (فاضل مدرسہ عربیہ رائے ونڈ تبلیغی مرکز) کی کتاب "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابر" پر میرے بطور قاری مختصر تبصرہ کی یہ آخری قسط ہے (پہلی قسط مورخہ 14 مئی 2018 کو سوشل میڈیا پر پوسٹ کی گئی تھی اور آج مورخہ 2 اگست 2018 ہے، درمیان میں رمضان المبارک کا پورا مہینہ اس پر کچھ نہیں لکھا گیا تھا)، یہ مفتی وقاص رفیع کی کتاب کا باقاعدہ جواب نہیں، یہ کتاب اس قابل ہی نہیں کہ اس کا باقاعدہ جواب لکھا جائے، تضادات در تضادات، دور از کار اور مضحکہ خیز تاویلات، اور آداب اختلاف سے عاری تحریر کا آخر جواب کیا دیا جائے؟ اور اس پر وقت کیوں برباد کیا جائے؟ نیز چونکہ مفتی وقاص رفیع کا یہ کہنا ہے کہ انہوں نے یہ کتاب قاضی محمد طاہر ہاشمی صاحب کی کتاب "سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین" کے جواب میں لکھی ہے، اس لیے اس کا جواب الجواب لکھنا یا نہ لکھنا یہ قاضی طاہر ہاشمی کا صوابدیدی اختیار ہے، چونکہ میں تاریخ کا طالب علم ہوں اس لیے اس کتاب کے مطالعہ کے دوران جو نوٹ لکھے انھیں تبصرہ کی صورت میں پیش کر دیا، امید کرتا ہوں کہ مفتی وقاص رفیع صاحب تک اگر میری یہ گزارشات پہنچ جائیں تو وہ ان پر ٹھنڈے دل سے غور کریں گے، اور خاص طور پر انہوں نے اپنی اس کتاب میں جو انداز تخاطب اپنایا ہے اس پر نظر ثانی فرمائیں گے کہ یہ طرز تخاطب کم از کم اہل رائے ونڈ کے طرز سے جوڑ نہیں کھاتا.

میں نے اپنے اس تبصرے میں چند حضرات "راوی صحیح بخاری محدث عبدالرزاق الصنعانی" "امام ابو عبد اللہ محمد بن عبداللہ الحاکم" اور "ابن جریر طبری" پر جان بوجھ کر کوئی تبصرہ نہیں کیا، مفتی وقاص رفیع نے خوامخواہ

عبدالرزاق صنعانی اور حاکم نیشاپوری کی توثیق ثابت کرنے پر ورق سیاہ کیے ہیں، جبکہ قاضی طاہر ہاشمی صاحب نے ان حضرات کی بطور راوی وثاقت پر کوئی اعتراض نہ کیا تھا، انہوں نے توصاف لکھا تھا کہ:

"یہ ملحوظ رہے کہ کسی راوی کے صادق یا کاذب ہونے کا اس کے مذھب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا کیونکہ ائمہ رجال نے جہاں بہت سے سنی راویوں کو جھوٹا قرار دیا ہے وہاں انہوں نے متعدد شیعہ رواۃ کو سچا بھی کہا ہے" (سیدنا معاویہ کے ناقدین، صفحہ 63)

لہٰذا یہاں بات یہ نہیں تھی کہ عبدالرزاق صنعانی ثقہ ہیں یا نہیں؟ یا امام حاکم روایت حدیث میں ثقہ ہیں یا نہیں، بلکہ بات یہ تھی کہ ان حضرات کے حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں کیا خیالات تھے..

اور یہ بات اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ ان دونوں حضرات کو علماء اسماء الرجال نے "شیعہ" یا "تشیع کی طرف مائل" بتایا ہے، مثلاً عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی کے بارے میں:

امام عجلی نے لکھا ہے کہ: کان یتشیع" کہ وہ شیعہ تھے (الثقات للعجلی، ج1 صفحہ 302)

امام ابن حبان نے بھی لکھا کہ: ان میں تشیع تھا (الثقات لابن حبان، ج8 صفحہ 412)

ابن عدی نے لکھا کہ: ان کی طرف تشیع کی نسبت کی گئی ہے (الکامل فی الضعفاء، ج8 صفحہ 538)

امام ذہبی نے ایک جگہ لکھا کہ: وفیه تشیع معروف ..اور معروف ہے کہ ان کے اندر تشیع تھا، اور دوسری جگہ لکھا کہ: "قُلتُ کان یتشیع" میں کہتا ہوں کہ ان میں تشیع تھا

(الرواۃ الثقات المتکلم فیهم، ج1 صفحہ 125 اور المغنی في الضعفاء، ج2 صفحہ 393)

اس کے علاوہ ان پر "اختلاط وتدلیس" کی جرح بھی موجود ہے.

اسی طرح امام حاکم نیشاپوری (صاحب مستدرک) کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ ان میں بھی تشیع تھا، مثلاً:

ابن الجوزی نے لکھا کہ : "كان متشيعاً ظاهر التشيع" وہ ایسے شیعہ تھے جن کا تشیع ظاہر تھا (المنتظم، ج16 صفحہ 134)

ابن تیمیہ نے لکھا کہ : ان کی طرف تشیع کی نسبت کی گئی ہے (منہاج السنۃ، ج7 صفحہ 373)

ابن کثیر نے لکھا کہ :كان فيه تشيع .. ان میں تشیع تھا (البدایۃ والنہایۃ، ج9 صفحہ 243)

ابن الجزری نے لکھا کہ : وہ شیعہ تھے لیکن حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے بھی محبت رکھتے تھے (غایۃ النہایۃ، ج2 صفحہ 185)

ابن الوزیر نے لکھا کہ : تمام علماء نے ان کی توثیق کی ہے اس کے باوجود کہ وہ جانتے تھے کہ وہ شیعہ ہیں (الروض الباسم، ج1 صفحہ 237)

امام ذہبی نے پہلے ان کے بارے میں ابو اسماعیل عبد اللہ الانصاری کی وہ بات نقل کی جس میں انہوں نے امام حاکم کے بارے میں کہا کہ : "وہ رافضی خبیث تھے"، پھر امام ذھبی نے اس پر اپنا تبصرہ یوں فرمایا کہ : قلت: الله يحب الانصاف، ما الرجل برافضي، بل شيعي فقط ... میں کہتا ہوں کہ اللہ انصاف کو پسند فرماتا ہے، یہ آدمی (یعنی امام حاکم_ناقل) رافضی نہیں تھے بلکہ صرف شیعہ تھے. (میزان الاعتدال، ج3 صفحہ 603)

میں ابھی اس پر بحث نہیں کرتا کہ ان دونوں حضرات کی طرف "تشیع" کی نسبت صحیح ہے یا غلط، ابھی صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ کئی ائمہ نے ان دونوں کی طرف تشیع کی نسبت کی ہے جن میں سے کچھ حوالے میں نے اوپر بیان کیے ہیں.

ہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ علماء جرح وتعدیل کے نزدیک "تشیع" اور "رفض" میں فرق ہے، وہ "تشیع" اسے کہتے ہیں کہ کوئی حضرت علی (رض) کی حضرت عثمان (رض) پر افضیلت کا قائل ہو اور یہ کہے کہ حضرت علی (رض) کے ساتھ جن کی بھی جنگ ہوئی وہ سب غلط تھے (تہذیب التہذیب، جلد 1 صفحہ 53 مؤسسة

الرسالۃ) اور امام ذھبی کے بقول "غالی شیعہ" اسے کہا جاتا ہے جو حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت معاویہ وغیرہم (رضی اللہ عنہم) کے بارے میں کلام کرے اور ان کی تنقیص کرے (میزان الاعتدال، جلد 1 صفحہ 50، دار الرسالۃ).
جبکہ علماء اسماء الرجال کے نزدیک جسے "رافضی" کہا جاتا ہے اس سے مراد آج کل کا معروف شیعہ ہوتا ہے...

اسی طرح ابن جریر طبری کی شخصیت بھی مختلف فیہ ہے، اگرچہ ان کی طرف منسوب تفسیر اور ان کی تاریخ طبری، قدیم ترین ہیں، لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ انہوں نے ہر رطب و یابس جمع کر دیا ہے، لیکن انہوں نے اپنی تاریخ طبری میں جو حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں "لعنہ اللہ" (اللہ ان پر لعنت کرے) کے الفاظ نقل کے ہیں جو کسی طرح بھی قابل قبول نہیں، (دیکھیں تاریخ طبری: جلد 11 صفحہ 529 دار التراث بیروت)
اس کے پانچ صفحے بعد طبری نے ایک اور روایت ذکر کی ہے جس میں حضرت معاویہ (رض) اور ان کے بیٹے یزید کا ذکر ہے اور اس میں ان دونوں کے بارے میں "لعنھما اللہ" کے الفاظ نقل کیے ہیں (جلد 11 صفحہ 535)
اگر یہ عبارات واقعی ابن جریر طبری کی ہی ہیں اور الحاقی نہیں تو پھر یہ عذر ہرگز قابل قبول نہیں کہ طبری نے تو روایت نقل کی ہے، خود تو نہیں کہا، کیونکہ ایسی روایت نقل کرنا بھی اپنی جگہ ناقابل قبول ہے.

الغرض! عرض یہ کر رہا تھا کہ میں نے ان مذکورہ بالا تین اشخاص کو چھوڑ کر باقی تقریباً ان تمام حضرات کی عبارات پر تبصرہ کیا ہے اور مفتی وقاص کی طرف سے ان حضرات کی عبارات کی جو تاویلات کی گئی ہیں ان کا جائزہ لیا ہے.
آخر میں چند باتیں بطور خاص عرض کرنا چاہتا ہوں...

- صحابہ کرام (رض) کے درمیان رونما ہونے والے مشاجرات اجتہادی تھے۔

- مجتہد کی خطأ وصواب کا قطعی فیصلہ قیامت تک نہیں ہو سکتا، اس کی خطأ وصواب ظنی ہے۔
- اسی ظنی خطأ وصواب کو بھی اگر کسی وقت بامرِ مجبوری بیان کرنا پڑے تو اندازِ بیان ایسا ہونا چاہیے کہ جانبِ خطأ کی توہین و تنقیص نہ ہوتی ہو، اس کی کسر شان کا کوئی پہلو نہ نکلتا ہو۔
- اجتہادیات میں ہر مجتہد کے لئے اپنے ہی اجتہاد پر عمل کرنا لازم وضروری ہوا کرتا ہے۔
- کسی مخطی مجتہد کا مخطی ہونا بوقت ضرورت بتایا تو جاسکتا ہے لیکن اس کو ضرور بالضرور قطعی ہی بنانے پر ادھار کھائے بیٹھنا قطعاً جائز نہیں ہے۔
- صحابہ کرام (رض) کے اجتہادی خصوصاً مشاجراتی اختلافات پر بوقتِ ضرورت بھی گفتگو کرتے وقت صرف ان فقہی اجتہادی ضابطوں کو ہی پیش نظر رکھ لینا بھی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان سے متعلق صریح و صحیح نبوی ارشادات وہدایات کو بھی پیش نظر رکھنا از بس ضروری ہے.

امام احمد بن حنبل (رح) سے سوال کیا گیا کہ : **یا ابا عبدالله ما تقول فیما کان من علي ومعاویۃ رحمہما الله؟ فقال ابو عبدالله: ما أقول فیہا الا الحسنیٰ رحمہم الله أجمعین۔** اے ابو عبداللہ (امام احمد بن حنبل کی کنیت ہے) جو کچھ حضرت علیؓ ومعاویہؓ کے درمیان ہوا آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: میں اس بارے میں سوائے اچھی بات کے کچھ نہیں کہتا، اللہ کی ان دونوں پر رحمت ہو"۔

(**السنۃ لابی بکر الخلال، الجزء الثانی،** ص460، روایت نمبر713، طبع دار الرایۃ، الریاض)

اس روایت کے نیچے کتاب کے محقق ڈاکٹر عطیہ زہرانی لکھتے ہیں : **"اسنادہ صحیح"، وھذا ھو مذھب السلف واحسان القول فیہم والسکوت عما شجر بینہم۔** اس روایت کی سند صحیح ہے، سلف کا یہی مذہب ہے کہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں اچھی بات کی جائے اور جو کچھ ان کے درمیان ہوا اس بارے سکوت اختیار کیا جائے۔

امام ابو عبداللہ محمد بن احمد القُرطبیؒ (رح) لکھتے ہیں :

"لا یجوز ان یُنسب الی أحد من الصحابۃ خطأ مقطوع بہ، اذ کانوا کلہم اجتہدوا فیما فعلوہ، وارادو اللہ عزوجل، وہم کلہم لنا ائمۃ ، وقد تعبّدنا بالکف عما شجر بینہم، وألا نذکرہم الا بأحسن الذکر...الخ"۔ کسی صحابی کی طرف قطعی طور پر غلطی کی نسبت کرنا جائز نہیں کیونکہ ان سب نے جو کیا وہ اس میں مجتہد تھے اور ان کا ارادہ اللہ کی رضا تھی، وہ سب ہمارے امام ہیں، اور ہمیں چاہیے کہ جو کچھ ان کے درمیان ہوا، اس (کو بیان کرنے) سے رک جائیں اور ان سب کا ذکر اچھے طریقے سے کریں۔

پھر اگلے صفحے پر حضرت حسن بصری (رح) کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ آپ سے صحابہؓ کے درمیان ہونے والی لڑائیوں کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا :

"قتالٌ شہدہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم وغِبنا، وعلِموا وجہِلنا، واجتمعوا فاتبعنا، واختلفوا فوقفنا"۔ اس لڑائی میں صحابہ کرامؓ موجود تھے اور ہم نہیں تھے، اُن کا جن باتوں میں اختلاف ہوا وہ اُن کا خوب علم رکھتے تھے جبکہ ہم ان باتوں سے جاہل ہیں، جن باتوں پر ان کا اتفاق ہوا ہم ان کی پیروی کرتے ہیں، اور جن باتوں میں ان کا اختلاف ہوا ہم وہاں توقف کرتے ہیں" ۔ (الجامع لأحکام القرآن، ج19، ص382 و383، مؤسسۃ الرسالۃ)۔

امام حافظ ابوالقاسم اسماعیل بن محمد الاصبہانیؒ (م535ھ) لکھتے ہیں :

"ومن السنۃ السکوت عما شجر بین اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونشر فضائلہم والاقتداء بہم...الخ" سنت (کا مقتضیٰ) یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے مابین جو اختلافات ہوئے ان کے بارے میں خاموشی اختیار کی جائے، ان کے فضائل بیان کئے جائیں اور ان کی اقتداء کی جائے۔

(الحجۃ فی بیان المحجۃ وشرح عقیدۃ اہل السنۃ، ج1/ص236، دارالرایہ، سعودیہ)

اسی کتاب میں دوسری جگہ یوں رقمطراز ہیں:

"وما جریٰ بین علي ومعاویۃ فقال السلف: من السنۃ السُّکوتُ عمّا شَجر بین اصحاب النبي صلی اللہ علیہ وسلم" حضرت علی اور حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہما) کے مابین

جو اختلافات ہوئے، اس سلسلے میں سلف کا موقف یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کے مابین اختلافات میں خاموشی اختیار کرنا سنت (کا مقتضیٰ) ہے۔

(الحجۃ فی بیان المحجۃ وشرح عقیدۃ اہل السنۃ، ج2/ص526)

امام ابوالحسن علی بن اسماعیل الاشعریؒ (م324ھ) اہل سنت کے عقائد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"ونتولّیٰ سائر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونکفّ عمّا شَجر بینہم" ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ سے محبت کرتے ہیں اور ان کے مابین جو اختلافات ہوئے ان (کے بیان کرنے) سے رُک جاتے ہیں (کفِ لسان کرتے ہیں)۔

(الابانۃ عن اصول الدیانۃ، ص11، دار ابن زیدون، بیروت)

امام موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامۃ المقدسی الحنبلیؒ (م620ھ) لکھتے ہیں :

"ومن السنۃ تولي اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومحبتہم ، وذکر محاسنہم، والترحم علیہم، والاستغفار لہم، والکف عن ذکر مساوئہم وماشجر بینہم... الخ" سنت (کا مقتضیٰ) ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے دوستی اور محبت رکھی جائے اور ان کی خوبیوں کا ذکر کیا جائے، ان کے لئے رحمت کی دعا کی جائے اور ان کے لئے مغفرت مانگی جائے، اور ان کے عیوب اور جو کچھ اختلافات ان کے مابین ہوئے ان کو بیان کرنے سے اپنے آپ کو روکا جائے۔ (لُمعۃ الاعتقاد، ص40، المکتب الاسلامی بیروت)۔

یہ بطورِ نمونہ چند حوالے ذکر کئے گئے ہیں جن سے معلوم ہوا کہ مشاجراتِ صحابہؓ میں اہل سنت کا "حقیقی مسلکِ اعتدال" توقف وامساک اور سکوت ہے، نہ یہ کہ اپنی اپنی عدالتیں لگا کر اور صحابہ کرامؓ کو کٹہرے میں کھڑا کرکے فیصلے صادر کرتے رہیں کہ ان کے اجتہادی اختلافات ومشاجرات میں فلاں قطعی طور پر مخطی تھا اور فلاں مصیب، اور جو اُس زمانے میں موجود صحابہ کرامؓ کی اکثریت اور سلف صالحین کی اتباع میں توقف وامساک کو "احوط واسلم واقویٰ" بتائے، اُس پر "خارجی وناصبی ویزیدی" جیسی پھبتی اڑائی جائے۔

حتیٰ کہ مفتی وقاص رفیع کے مقتدا حضرت قاضی مظہر حسین صاحبؒ نے بھی اصولی طور پر اس بات سے اتفاق کیا تھا (اگرچہ ان کی بعض عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس اصول پر کاربند نہیں رہے تھے)، چنانچہ لکھتے ہیں :

"احتیاط اسی میں ہے کہ مشاجراتِ صحابہ کا ذکر ہی نہ کیا جائے لیکن اگر کسی ضرورت کے تحت کرنا پڑے تو طرزِ بیان ایسا ہو جس سے کسی صحابی کی تنقیص وتوہین لازم نہ آئے"۔ (خارجی فتنہ طبع اول، ص303،304/ج1)

ایک اور جگہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب(رح) کے حوالہ سے امام قرطبیؒ(رح) کی عبارت پر تبصرہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

"حضرت مفتی صاحب (رح) کے مندرجہ تبصرہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلم اور بہتر تو یہی ہے کہ مشاجراتِ صحابہ کے بارے میں سکوت کیا جائے...الخ"۔ (خارجی فتنہ طبع اول، ص315/ج1)

نوٹ: مفتی وقاص رفیع نے اپنی کتاب میں کئی مقامات پر عربی عبارات کا غلط اردو ترجمہ بھی کیا ہے، ہم نے اس پر تبصرہ نہیں کیا ورنہ تبصرہ مزید طویل ہو جاتا.

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

# "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابرؒ"
# مقدمہ کتاب پر گزارشاتِ معاویہ

## عبدالمنان معاویہ

**(قسط: 1 تا 5.....  5 تا 10 جولائی 2018**

Abdul Manan Maviya

5 July2018 at 10:54

قسط اول

"حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عبارات اکابرؒ" مقدمہ کتاب پر گزارشاتِ معاویہ

عبدالمنان معاویہ

"حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عبارات اکابرؒ" جناب مفتی محمد وقاص رفیع صاحب، فاضل مدرسہ عربیہ تبلیغی مرکز رائے ونڈ لاہور، کی تصنیف ہے، کتاب ہذا آج صبح ہمیں دستیاب ہوئی، صرف مقدمہ کا مطالعہ کیا اور مکرر مطالعہ کیا، جس شوق سے کتاب کا آغاز کیا تھا مقدمہ کتاب پڑھ کر ہمارے شوق کو گھن لگ گیا کہ جناب کیا فرمارہے ہیں، ہم تو سمجھے تھے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات اقدس کا دفاع ہوگا اور جو ہمارے اکابرین سے سہو ہوا، اس کی مناسب توجیح وتاویل ہوگی، لیکن مقدمہ کتاب سے معلوم ہوا کہ محقق دوراں جناب پروفیسر قاضی طاہر علی ہاشمی صاحب حفظہ اللہ کی کتاب ناقدین معاویہ کا جواب ہے۔ ہم نے سوچا کہ چلو یہ بھی اچھا ہے کہ قاضی صاحب بھی آخر انسان ہی ہیں اُن کے سمجھنے میں، ان کے مطالعہ یا تحقیق میں کمی واقع ہو سکتی ہے۔ لیکن سچ پوچھئے کہ مقدمہ کتاب نے ہی ہماری نیک تمناؤں پر پانی پھیر دیا ہے۔

ہمیں افسوس اس بات پر بھی ہوا کہ مفتی محمد وقاص رفیع صاحب نے اپنے نام کے ساتھ "مدرسہ عربیہ رائے ونڈ" کی نسبت بھی ظاہر کی ہے، اس سے اہل علم حضرات مفتی صاحب کی کتاب کے مطالعہ کے بعد رائے ونڈ والوں کے بارے میں بھی شکوک وشبہات میں پڑ سکتے ہیں کیونکہ درخت اپنے پھل سے ہی پہچانا جاتا ہے ، ہمیں تو خیر پہلے ہی معلوم تھا کہ مدرسہ عربیہ کے فاضلین کس نفسیاتی مرض میں مبتلاء ہوتے ہیں، ہمارے ایک کزن نے بھی مدرسہ عربیہ سے سندِ فراغت حاصل کی ہے، کسی دوست نے انہیں دعائیہ کلمات کہہ دے کہ "اللہ تجھے ہدایت دے" بس اتنی سی بات پر وہ آپے سے باہر ہوگئے، گویا کہ انہیں کافر کہہ دیا گیا ہو، الامان والحفیظ۔ تو راقم کو ان حضرات کی نفسیاتی کیفیت کا بخوبی علم ہے کہ یہ حضرات اپنے سواء دوسروں کو عالم نہیں

سمجھتے اور یہ نفسیات یہود کی تھی کہ وہ بھی خود کو ”فضلنا علیٰ العالمین“ تصور کرتے تھے۔

مفتی محمد وقاص رفیع صاحب کی کتاب سے ابھی صرف مقدمہ ہی پڑھا ہے،اس میں مفتی صاحب تحریر فرماہیں :۔” چنانچہ موجودہ زمانہ میں اسی طرح کے ایک نئے ٹولے نے جنم لے رکھا ہے جو مشہور صحابی ،کاتب وحی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مصنوعی محبت وعقیدت کی آڑ میں ہماری مسلمان نسل کو اپنے اکابر واسلاف سے بُری طرح متنفر اور بدظن کرنے پر تلا ہوا ہے“۔

مفتی صاحب کی معروضات پر ہماری گزارشات ملاحظہ فرمالیں :۔” جس طرح حجۃالاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ ، فقیہ النفس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ، حکیم الامت حضرت تھانویؒ ،امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ ہمارے اکابر ہیں اور ان بزرگوں کے مقابل پروفیسر قاضی طاہر علی ہاشمی صاحب کی کوئی علمی حیثیت یا تحقیقی قابلیت تسلیم نہیں کی جاسکتی ،تو میرے بھائی اسی طرح حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بالمقابل حضرات علمائے دیوبند رحمہم اللہ کی کسی بھی قسم کی کوئی حیثیت قابل تسلیم نہیں ،جس طرح آپ پروفیسر قاضی طاہر ہاشمی صاحب کی جرح علیٰ الاکابر کو تسلیم نہیں کرتے تو اگر اسی طرح ہم بھی اکابر کی جرح حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر قبول نہیں کرتے ،ذرا انصاف آپ صرف اکابر علمائے دیوبندؒ پر جرح تسلیم نہ کرکے اہل سنت کے فرد اور قاضی طاہر علی ہاشمی صاحب صحابہ کرامؓ پر جرح تسلیم نہ کرکے ”ناصبی“ کیوں۔۔؟ یہ ضابطہ آپ کا خود ساختہ ہے۔

میرے بھائی ! حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تو اکابر علمائے دیوبند رحمہم اللہ کے بھی اکابر ہیں ،اگر ہمارے اکابر سے حضرات صحابہ کرامؓ کے بارے میں سبقتِ لسانی یا قلمی سرزد ہو گئی تو ہم اس کی مناسب توجیح یا تاویل کی جائے گی، یا اسے پیش کرکے واضح کیا جائے گا کہ ہم حضرت ..... کی عبارت درج ذیل سے متفق نہیں ہیں، کیونکہ اس عبارت سے صحابہ کرامؓ یا اہل بیت عظامؓ کی شانِ رفیعہ میں توہین وتنقیص کا پہلو نکلتا ہے،ان سے اس باب میں سہو واقع ہوا ہے۔

جہاں تک مفتی محمد وقاص رفیع صاحب کا فرمان ہے کہ :۔” مسلمان نسل کو اپنے اکابر واسلاف سے.بری طرح سے متنفر وبدظن کرنے پر تلا ہوا ہے“۔تو اس کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ مفتی صاحب اور ان کے

کارپرداز حضرات نسلِ نو کو حضرات صحابہ کرامؓ سے متنفر وبد ظن کرنے پر تلے ہوئے ہیں، مفتی صاحب کا اکابر علمائے دیوبندؒ کے دفاع کی ضرورت تو پیش آئی، لیکن حضرات صحابہ کرامؓ کے دفاع بارے انہوں نے کبھی سوچا تلک نہیں۔۔ یا مفتی صاحب، جناب عبدالمطلب کی طرح فرمائیں گے کہ اونٹ میرے ہیں مجھے واپس کردو اور کعبہ اللہ کا گھر ہے تم جانو اور اللہ۔ مفتی صاحب بھی اسی طرح گویا ہونگے کہ اکابر علمائے دیوبند تو میرے تھے اور صحابہ کرامؓ نبی علیہ السلام کے ہیں تو نبی جانے اور ناقدین صحابہ جانیں۔

مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ :۔"سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مصنوعی محبت وعقیدت کی آڑ میں۔۔۔الخ"۔جناب مفتی صاحب سے پوچھنا یہ تھا کہ آپ دلوں کے بھید کب سے جاننے لگ گئے، اگر بریلوی کہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب حاصل ہے تو آپ انہیں مشرک کہیں اور آپ خود لوگوں کے دلوں کی کیفیت کا اظہار کریں تو مومن۔۔۔؟ یہ دو طرح کے رویے کیوں ہیں آپ کے جناب من !

Abdul Manan Maviya

5 July at 13:57

قسط دوم

مقدمہ کتاب پر گزارشاتِ معاویہ

عبدالمنان معاویہ

جناب مفتی محمد وقاص رفیع صاحب لکھتے ہیں کہ :۔" انہیں حضرات میں حویلیاں سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب پروفیسر طاہر ہاشمی بھی ہیں، جنہوں نے اپنے مذموم افکار و نظریات اور مکروہ عزائم و خیالات کی بناپر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی محبت و عقیدت کا مصنوعی لبادہ اوڑھ کر اکابر علماء اہل سنت واساطین اُمت کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق عبارات توڑ مروڑ کر اور ان کا سیاق و سباق حذف کر کے خواہ مخواہ انہیں "ناقدین معاویہؓ" کی فہرست میں شامل کر کے عوام الناس کو ان سے متنفر و بدظن کرنے کا بیڑہ اُٹھا رکھا ہے "۔(حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابر : ۳۴)

مفتی صاحب کی عبارات میں چند باتیں قابل غور ولائق توجہ ہیں۔(۱) پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے کچھ مذموم افکار و نظریات اور مکروہ عزائم و خیالات ہیں۔

جواب :۔پروفیسر صاحب اگر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا دفاع کرے تو اُن کے افکار و نظریات مذموم اور عزائم و خیالات مکروہ قرار دے دیئے گئے اور جو حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو چھوڑ کر اپنے اکابر علماء کا دفاع کرے تو اُس کے افکار و نظریات محمود اور عزائم و خیالات مستحب کیسے قرار دیئے جاسکتے ہیں..؟یہ بات میری سمجھ سے بالا ہے،اگر کسی کو سمجھ آرہی ہے تو ضرور وضاحت فرمادے،کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا دفاع مذموم و مکروہ ہو اور چودہ صدیوں بعد پیدا ہونے

والے علماء کا دفاع محمود و مستحب کیسے...؟

دوسری بات یہ ہے کہ اگر قاضی صاحب نے عبارات علماء توڑ مروڑ کر پیش کی ہیں تو آپ کو چاہیے کہ وہ عبارات مکمل پیش کر دیں اور اسے آپ کا تعمیری کام قرار دیا جائے گا اور اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے تو پھر صرف لفاظی وسب وشتم کو تخریبی کاروائی قرار دیا جائے گا نہ کہ تحقیق۔

شہید ملتِ اسلامیہ، مورخ اسلام حضرت مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہید رحمۃاللہ علیہ نے اہل تشیع سے متعلق ایک دستاویز بنام "تاریخی دستاویز" تیار کی، جس میں اہل تشیع کی کم و بیش تین سو کتب کے حوالہ جات درج فرمائے، جن میں" توحید، رسالت و نبوت، عقیدہ ختم نبوت، حضرات خلفائے راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ کی توہین، حضرات اہل بیت رسولؐ کی توہین اور متفرق امور"۔ شامل ہیں، تاریخی دستاویز کم و بیش700 صفحات پر مشتمل ہے، اس کے جواب میں اہل تشیع نے 1200 صفحات پر مشتمل کتاب "تحقیقی دستاویز" لکھ ڈالی، جس میں لکھا کہ جو باتیں ہماری کتب میں ہیں یہی یا اس کے قریب تر آپ کی کتب میں بھی موجود ہیں ،فیصلہ آپ کریں، کہ ہمارے بزرگوں سے سہو ہوا، یا ان کی کتابوں میں اہل تشیع نے ایسا مواد ڈالا اور محنت ایسی کی کہ اس مواد کو ہم اپنا قرار دے رہے ہیں، اس لیے قاضی طاہر علی ہاشمی صاحب نے محنت فرمائی اور ایسا مواد جمع کر کے کہہ دیا کہ یا تو ہمارے بزرگوں سے غلطی ہوئی کہ انہوں نے بلا سوچے سمجھے دوسرے بزرگوں پر بھروسہ کرتے ہوئے حوالہ جات نقل کر دیئے، لیکن اس سے حضرات صحابہ کرامؓ کے خلاف مخالفین کو کیسا زبردست مواد مل رہا ہے، اس عنوان پر غور نہیں کیا، بس یہ قاضی صاحب کی غلطی ہے کہ انہوں نے اس مواد کو یکجاء کر دیا، جو مختلف کتابوں میں تھا۔ مفتی محمد وقاص رفیع صاحب قاضی صاحب کی نیت پر شک کر کے غیب دانی کا دعویٰ کر رہے ہیں جو کہ سراسر غلط ہے اور اپنی حدود سے تجاوز ہے۔

Abdul Manan Maviya

6 July at 00:09

قسط سوم:

مقدمہ کتاب پر گزارشاتِ معاویہ

عبدالمنان معاویہ

جناب مفتی محمد وقاص رفیع صاحب لکھتے ہیں کہ گزشتہ چودہ صدیوں میں کوئی ایک بھی صحابہ کا ایسا دیوانہ پیدا نہیں ہوا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نقد کرنے والے ان ناقدین کی زبانوں کو لگام دیتا، ان کا احتساب کرتا اور ان کے خلاف تقریراً یا تحریراً یا احتجاجاً کوئی کاروائی عمل میں لاتا، اور ''ناقدین معاویہ'' نامی کتاب لکھ کر جو سعادت آج پروفیسر طاہر علی ہاشمی صاحب نے اپنی قسمت میں سمیٹی ہے وہ حاصل کرتا؟ آخر یہ امام احمد بن حنبل، امام ابو جعفر طحاوی، امام ابوالحسن اشعری، امام ابو منصور ماتریدی، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ، امام الحرمین الجوینی، حجۃالاسلام امام غزالی، امام فخر الدین رازی، امام نووی، علامہ شمس الدین ذہبی، علامہ بدر الدین عینی، حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ تاج الدین سبکی، علامہ ابن ہمام حنفی، علامہ ابن حجر ہیتمی، علامہ عبدالعزیز فرہاروی، مولانا سرفراز خان صفدر، علامہ علی شیر حیدری، اور مولانا محمد نافع وغیرہ حضرات کہاں تھے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نقد کرنے والے ان ناقدین کی زبانوں کو لگام نہ دے سکے، ان کا احتساب نہ کرسکے، اور آنے والی نسل کو ان کی صحابہ دشمنی سے آگاہ نہ کرسکے؟ جس کا سارا بوجھ آج پروفیسر طاہر علی ہاشمی صاحب کو اپنے ساٹھ سالہ بوڑھے کندھوں پر اٹھانا پڑ رہا ہے''۔ (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عبارات اکابر: ۳۴)

جواب: (1) مفتی محمد وقاص رفیع صاحب کو مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے فاضل ہیں، لہٰذا وہ پہلے یہ بتائیں کہ

جس انداز میں کام حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے شروع فرمایا، اسلام کی چودہ صدیوں میں کوئی بھی عالم اس انداز میں کام کیوں نہ کرسکا..؟اور آخر کار مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کو یہ غم کھاگیا کہ امت مسلمہ کی اصلاح اس طرح کی جائے..؟کیا اسلام کی چودہ صدیوں میں کوئی بھی ایسا عالم دین، فقیہ ملت، محدث وقت، مفسر قرآں، ولی اللہ نہیں پیدا ہوا جس کے دل میں امت مسلمہ کا غم اس طرح سرایت کرگیا ہو جس طرح مولانا محمد الیاس کے دل میں کرگیا تھا، اور وہ امت مسلمہ کی اصلاح کی غرض سے اس طرح کی کوئی جماعت تشکیل نہ دے پایا... تو کیوں؟

اگر آپ یوں کہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جس سے چاہتے ہیں دین کا کام لیتے ہیں تو ہماری طرف سے بھی یہی سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا پروفیسر قاضی طاہر علی ہاشمی صاحب سے دفاع صحابہؓ کا کام لینے تھا اور وہ باری تعالیٰ لے بھی رہا ہے، اور یہ تو نصیبے کی بات ہے کہ قاضی صاحب دام ظلہم تو دفاع امہات المومنینؓ ، دفاع بنات رسولؐ، دفاع اصحاب رسولؐ کا فریضہ سرانجام دیں، یہ وہ مقدس گروہ ہے جو سب کے سب قرآنی شخصیات ہیں، لیکن آپ کے نصیبے میں کیا آیا، علماء امت جو کہ تاریخی شخصیات ہیں، اوتر شاید ان حضرات کی زندگیوں پر لکھی جانے والی کتب مبالغہ آمیزی سے پاک بھی نہ ہوں۔

(2) جناب مفتی وقاص صاحب آپ چند علمائے کرام کا نام درج فرماکر لکھتے ہیں کہ:۔" حضرات کہاں تھے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نقد کرنے والے ان ناقدین کی زبانوں کو لگام نہ دے سکے، ان کا احتساب نہ کرسکے، اور آنے والی نسل کو ان کی صحابہ دشمنی سے آگاہ نہ کرسکے؟ جس کا سارا بوجھ آج پروفیسر طاہر علی ہاشمی صاحب کو اپنے ساٹھ سالہ بوڑھے کندھوں پر اٹھانا پڑرہا ہے"۔ میں کہتا ہوں کہ مبلغ تبلیغی جماعت جناب مولوی طارق جمیل سے جو خطرناک غلطیاں ہوئیں ہیں، اس وقت موجود اکابر علمائے دیوبند میں سے سوائے حضرت مفتی محمد عیسیٰ خان رحمۃ اللہ علیہ، ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہ اور شیخ التفسیر حضرت مولانا مفتی زرولی خان صاحب حفظہ اللہ کے اور کوئی عالم دین کیوں نہ بولا..؟اور سب کے سب بزرگ ہیں، عمر رسیدہ ہیں ، اور طارق جمیل کی مخالفت کا سارا بوجھ انہوں نے اپنے کندھوں پر کیوں اٹھایا، احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے، تو میرے بھائی کوئی بولے یا نہ بولے وکیل صحابہؓ حضرت قاضی صاحب بولے، بجائے اس کے کہ ہم

قاضی صاحب کو خراج تحسین پیش کرتے کہ ہم نوجوان ہو کر بھی وہ کام نہ کر سکیں جو اس ساٹھ سالہ بزرگ کر دیا، الٹے اُن کے خلاف اوراق سیاہ کرنے بیٹھ گئے، یاللعجب

(3) مفتی و قاص رفیع صاحب! پوچھنا تو ان سے چاہیے تھا جو نہیں بولے کہ آپ کیوں نہیں بولے، آپ اُن سے پوچھ رہے ہو، جس نے جانتے بوجھتے ہوئے کہ جب میں حق کا اظہار کروں گا تو اپنے پرائے سب میرے مخالف ہو جائیں گے، اس مردِ نر نے جرات کا مظاہرہ کیا، اور دفاع صحابہؓ کا فریضہ سرانجام دیا، میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرد واحد تھے جنہوں نے مفکر اسلام حضرت مولانا محمد اسحٰق صدیقی سندیلوی رحمۃ اللہ علیہ، شہید ملت اسلامیہ حضرت مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہیدؒ، خطیب اسلام مولانا عبد المجید ندیمؒ، اور کئی دیگر علمائے دیوبند کے خلاف زبان قلم کو حرکت دی، تو کسی نے نہیں پوچھا کہ جناب من! اور تو کوئی نہیں بولا آپ عمر کی اس حصہ میں جب آپ کو مسجد و مصلیٰ سنبھالنا چاہیے تھا، آپ اپنے ہی لوگوں کی مخالفت پر کمر بستہ ہیں..؟ بلکہ سب بزرگوں نے قاضی مظہر حسین صاحب کی خاموش تائید کی، تو پتہ چلا کہ کسی کے نہ بولنے یا نہ کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دوسرے بھی وہ کام نہ کریں۔

-----

Abdul Manan Maviya

7 July at 18:12

قسط چہارم:
کتاب ”حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عبارات اکابرؒ“
کے مقدمہ پر گزارشاتِ معاویہ
عبدالمنان معاویہ
جناب مفتی محمد وقاص رفیع صاحب لکھتے ہیں کہ :۔ گو کہ بعض چیدہ چیدہ حضرات (مثلاً امام عبدالرزاق، امام حاکم، امام ابوبکر جصاص اور علامہ تفتازانی وغیرہ) پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بعض علماء نے نقد ضرور کیا ہے، لیکن ایک تو انہوں نے مذکورہ حضرات پر اجتماعی نہیں بلکہ فرداً فرداً ایک ایک شخص پر نقد کیا ہے، دوسرے یہ کہ انہیں نقد کرنے والے علماء ہی کے ہم عصر بعض دوسرے علماء نے ان کے اس نقد کو قطعی طور پر تسلیم نہیں کیا، اور مذرہ بالا حضرات کے دفاع میں نقد کرنے والے علماء کو اپنے دلائل قویہ اور حجج بینہ کی بناء پر خاموش کرکے ان پر سے نقدِ معاویہ کا الزام صاف کرکے اس کی دو ٹوک الفاظ میں نفی کی ہے“۔ (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عبارات اکابر: 34)
فارسی کی مثل مشہور ہے کہ ”دروغ گو را حافظہ نباشد“ کہ جھوٹے شخص کا حافظہ نہیں ہوتا، وہ ایک لمحہ قبل کچھ کہتا ہے تو دوسرے ہی لمحہ اپنی ہی بات کی نفی کر دیتا ہے، مفتی محمد وقاص رفیع صاحب پر یہ مثل سو فیصدی صادق آتی ہے کہ انہوں نے درج بالا صفحہ کے پہلے پیرا میں قاضی طاہر علی ہاشمی صاحب پر طعن و تشنیع کے تیر برساتے ہوئے فرمایا کہ لکھا ہے کہ :۔” انہیں حضرات میں حویلیاں سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب پروفیسر طاہر ہاشمی بھی ہیں، جنہوں نے اپنے مذموم افکار و نظریات اور مکروہ عزائم و خیالات کی بنا پر حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ کی محبت و عقیدت کا مصنوعی لبادہ اوڑھ کر اکابر علماء اہل سنت واساطین اُمت کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق عبارات توڑ مروڑ کر اور ان کا سیاق وسباق حذف کر کے خواہ مخواہ انہیں ''ناقدین معاویہؓ '' کی فہرست میں شامل کر کے عوام الناس کو ان سے متنفر و بدظن کرنے کا بیڑہ اُٹھار کھا ہے ''۔(حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابر: 34 )اب فیصلہ فرمائیے کہ ایک طرف فرمارہے ہیں کہ علمائے اہل سنت واساطین امت کو قاضی طاہر علی ہاشمی صاحب نے خواہ مخواہ ناقدین معاویہ میں شامل کیا ہے اور صفحہ 34 ہی کے آخری پیرا میں فرماتے ہیں کہ :۔'' گو کہ بعض چیدہ چیدہ حضرات (مثلاً امام عبدالرزاق ،امام حاکم ،امام ابوبکر جصاص اور علامہ تفتازانی وغیرہ) پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بعض علماء نے نقد ضرور کیا ہے''۔اب فیصلہ قارئین محترم کی صوابدید پر ہے کہ قارئین فیصلہ فرمائیں کہ جناب مفتی صاحب اپنے لکھے کو ہی بھول بیٹھے ،اور جن علماء نے امام عبدالرزاق ،امام حاکم ،امام ابوبکر جصاص ،اور علامہ تفتازانی وغیر ہما کے جوابات تحریر فرمائیں تو وہ علماء کرام تو لائق ادب واحترام ہیں جب کہ قاضی طاہر علی ہاشمی صاحب مفتی صاحب کی زد میں ہیں اور لائق جرم وسز ،فرقہ ناجیہ سے خارج ، مفتی صاحب کے سب وشتم کے لائق...آخر کیوں؟

اگر پروفیسر قاضی طاہر علی ہاشمی صاحب کا ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین'' نامی کتاب لکھنا جرم ہے تو پھر وہ علماء بھی جنہوں نے امام عبدالرزاق ،امام حاکم ،امام ابوبکر جصاص حنفی اور علامہ تفتازانی پر نقد کیا ہے وہ بھی لائق جرم وفرقہ ناجیہ سے خارج اور اگر ان حضرات پر نقد کرنے والے علماء فرقہ ناجیہ سے خارج نہیں تو صرف قاضی صاحب پر ہی مار ومار کیوں.؟

مفتی محمد وقاص رفیع صاحب لکھتے ہیں کہ :۔''ایک تو انہوں نے مذکورہ حضرات پر اجتماعی نہیں بلکہ فرداًفرداً ایک ایک شخص پر نقد کیا ہے''۔(ص: 34 )اس عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قاضی طاہر علی ہاشمی صاحب کا گناہ یہ ہے کہ انہوں نے سب ناقدین معاویہ کا تذکرہ یکجاء کر دیا،اگر وہ بھی سب کا فرداًفرداًتذکرہ کرتے تو شاید مفتی وقاص رفیع صاحب کو اتنی تکلیف نہ ہوتی ،اور وہ یہ کتاب لکھنے کی مشقت سے بھی بچ جاتے۔

مفتی محمد وقاص رفیع صاحب لکھتے ہیں کہ :۔''دوسرے یہ کہ انہیں نقد کرنے والے علماء ہی کے ہم عصر بعض

دوسرے علماء نے ان کے اس نقد کو قطعی طور پر تسلیم نہیں کیا، اور مذرہ بالا حضرات کے دفاع میں نقد کرنے والے علماء کو اپنے دلائل قویہ اور حجج بینہ کی بناء پر خاموش کرکے ان پر سے نقدِ معاویہ کا الزام صاف کرکے اس کی دو ٹوک الفاظ میں نفی کی ہے"۔(ص: 34)

یعنی امام عبد الرزاق، امام حاکم، امام ابو بکر جصاص اور علامہ تفتازانی پر نقد کرنے والے علماء کے نقد کو دلائل و براہین سے غلط ثابت کیا ہے اور یہ بات واضح کی ہے کہ ان حضرات پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی گستاخی کے الزام محض بے جاء ہیں، تو مفتی محمد و قاص رفیع صاحب کو بھی چاہیے تھا کہ وہ بھی ان علماء کے طرز کو اپناتے اور قاضی صاحب کی جانب سے جن علماء کی کتابوں کے حوالہ جات سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اُن علماء سے دانستہ یا غیر دانستہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں توہین و تنقیص ہوئی ہے، تو مفتی و قاص صاحب دلائل کے زور پر ثابت کرتے کہ قاضی صاحب جن عبارات پر معترض ہیں اُن کا اصل مقصد یہ ہے اور عبارت کی مناسب توجیہ و تشریح پیش کرکے قاضی صاحب و قاضی صاحب کی کتاب پڑھنے والوں کی غلط فہمی کو دور کرتے، لیکن افسوس کہ مفتی و قاص صاحب ایسا نہ کرسکے، بلکہ اُن کی کتاب کا مقدمہ پڑھ کر افسوس ہوا کہ مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے فاضل کی زبان میں شائستگی نہیں ہے، مفتی صاحب خود تسلیم کرتے ہیں کہ قاضی صاحب ساٹھ سال کی عمر کے ہیں، تو یقیناً آپ سے عمر میں بڑھے ہیں اُن کا نام ادب و احترام سے لینا چاہیے تھا، لیکن افسوس صد افسوس کہ مفتی صاحب نے ایسا نہ کیا۔

10-07-2017

قسط پنجم :

کتاب

" حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عبارات اکابرؒ"

کے

مقدمہ پر گزارشاتِ معاویہ

عبدالمنان معاویہ

جناب مفتی محمد وقاص رفیع صاحب لکھتے ہیں کہ :۔" پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت دیگر کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گستاخی اور بے ادبی کی ہے، چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے ادبی اور گستاخی ملاحظہ ہو :

..... امام جصاص حنفی رازی کی مذکورہ تبرائی عبارت سے حسب ذیل امور ثابت ہوتے ہیں

قرآن (لاینال عھدی الظالمین) کی رو سے معاویہ رضی اللہ عنہ امامت خلافت اور امارت کا مستحق نہیں۔... ۳

معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جائز حکمران یا خلیفہ نہیں تھا بلکہ ... ۴

( متغلب تھا۔(حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عبارات اکابر:35/36

جناب مفتی محمد وقاص رفیع کی درج بالا عبارات سے تاثر یہ ملتا ہے کہ شاید پروفیسر قاضی طاہر علی ہاشمی صاحب کی عبارات ہیں اور پروفیسر طاہر علی ہاشمی صاحب قرآن کریم کی آیت مبارکہ سے نتیجہ یہ نکال رہے ہیں کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس آیت مبارکہ کی رو سے خلافت وامامت وامارت کے مستحق نہیں ہیں، اور دوسری عبارت سے تو مزید یہ واضح ہو رہا ہے کہ پروفیسر قاضی طاہر علی ہاشمی صاحب سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد بھی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جائز خلیفہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

عزیزان من ! ایسا نہیں ہے بلکہ وقاص رفیع صاحب نے اِن مقامات پر بجائے اصل بات نقل کرنے کے اُلٹا

قاضی صاحب کو موردِ الزام ٹھہرایا ہے، میں آپ کے سامنے ایک مثال سے بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ میں کہوں کہ آج صبح کے روزنامہ خبریں لاہور ایڈیشن میں '' مولانا فضل الرحمٰن اور علمائے دیوبند کے خلاف ''حیدر'' نامی شخص نے کالم میں لکھا ہے کہ مولانا اور علمائے دیوبند پاکستان کے مخالف ہیں''۔اس کے بعد آپ روزنامہ خبریں کو چھوڑ دیں، کالم نگار کا ذکر نہ کریں اور میرے سر الزام تھوپ دیں کہ میں نے کہا ہے کہ علمائے دیوبند اور مولانا فضل الرحمٰن پاکستان کے مخالف ہیں، بعینہٖ وقاص رفیع صاحب نے یہی کچھ کیا ہے ،آیئے حقیقت حال آپ کے سامنے بیان کیے دیتے ہیں،پروفیسر قاضی طاہر علی ہاشمی صاحب لکھتے ہیں کہ :۔

موصوف (یعنی امام ابوبکر جصاص حنفی ) پھر اس کے صحابہ وتابعین کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔(ہم عربی عبارت نقل کرنے کے بجائے صرف ترجمہ نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔ع،م،معاویہ) اور تمام صحابہ وتابعین ان ظالموں کے ہاتھوں سے اپنے وظائف وصول کرتے تھے، لیکن اس بناء پر نہیں کہ وہ ان کو دوست یا ان سے محبت رکھتے ہوئے یا ان کی خلافت وامامت اور امارت کو درست سمجھتے ہوئے، بلکہ وہ اس خیال سے وظائف قبول کرتے تھے کہ یہ ان کے اپنے حقوق تھے، جو ظالم اور فاجر لوگوں کے قبضے میں تھے، اور یہ طرز عمل ان کے ساتھ دوستی اور محبت کی بناء پر نہیں ہو سکتا بلکہ وہ حضرات عبدالملک بن مروان کی بیعت توڑے ہوئے تھے، ان پر لعنت کرتے تھے اور ان پر تبراء کرتے تھے، اور ان سے پہلے صحابہ وتابعین کا معاویہ کے ساتھ بھی یہی سلوک اور رویہ تھا، جب علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد خلافت پر جبراً قابض ہو گیا تھا اور حضرات حسنین اور جو صحابہ اس کے دور میں موجود تھے وظائف تو قبول کرتے تھے مگر اس کے ساتھ دوستی اور محبت کے بغیر، بلکہ اس سے اسی طرح تبرا کرتے تھے جس طرح علی علیہ السلام کرتے تھے، یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنی جنت اور رضوان میں لے گئے، لہٰذا اس دور کے صحابہ وتابعین کا (عبدالملک، حجاج اور معاویہ جیسے اظلم ،افجر اور اکفر لوگوں کے ہاتھوں سے ) عہدہ قضاء اور وظائف قبول کرنا اس بات دلیل نہیں کہ وہ حضرات ان سے محبت اور دوستی رکھتے تھے یا ان کی امامت وخلافت کے صحیح ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے'' (احکام القرآن، جلد اول، ص ۷۱)

امام جصاص حنفی رازی کی مذکورہ تبرائی عبارت سے حسب ذیل امور ثابت ہوئے :۱۔ معاویہ، عبدالملک بن

مروان اور حجاج بن یوسف کی مثل ہے۔ ۲۔ عبد الملک اور حجاج سے بڑھ کر پورے عرب اور آل مروان میں کوئی کافر، ظالم اور فاجر نہیں (اظلم وافجر واکفر) ۳۔ قرآن (لا ینال عھدی الظالمین) کی رو سے معاویہ، امامت ، خلافت اور امارت کا مستحق نہیں۔ ۴۔ معاویہؓ، حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد بھی جائز حکمران یا خلیفہ نہیں تھا بلکہ متغلب تھا۔ ۵۔ حضرت علیؓ، حضرات حسنینؓ اور دیگر صحابہؓ و تابعینؒ، معاویہؓ سے دوستی و محبت نہیں رکھتے تھے بلکہ اس پر لعنت اور تبراء کے علاوہ اس سے نفرت بھی کرتے تھے۔ ۶۔ جو صحابہؓ و تابعینؒ معاویہؓ سے وظائف اور مناصب قبول کرتے تھے وہ دراصل ان کے اپنے حقوق تھے جو اس ظالم اور فاجر کے قبضے میں تھے۔ قارئین کرام! امام ابو بکر جصاص کی اس جرات سے بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس تبرے کی زد سے کون کون سے حضرات محفوظ رہے؟ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: 94/95)

جناب مفتی محمد و قاص رفیع صاحب، قاضی پروفیسر طاہر علی ہاشمی صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ :۔ "پروفیسر آں موصوف نے اپنی کتاب میں اکابر اہل سنت کے عبارات کو توڑ مروڑ کر، ان میں قطع و برید کرکے اور ان کا سیاق و سباق حذف کرکے جس دجل وفریب اور تلبیس ابلیس کا مظاہرہ کیا ہے اسے دیکھ کر عزازیل بھی شرما جاتا ہے"۔ (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عبارات اکابر: 35)

میں یہ کہتا ہوں کہ چند سطور قبل آپ پڑھ چکے ہیں کہ مفتی وقاص رفیع صاحب نے امام جصاص کی عبارات قاضی صاحب کے کھاتے میں ڈال کر اُن کے اپنے الفاظ میں "عبارات کو توڑ مروڑ کر، ان میں قطع و برید کرکے اور ان کا سیاق و سباق حذف کرکے جس دجل وفریب اور تلبیس ابلیس کا مظاہرہ کیا ہے اسے دیکھ کر عزازیل بھی شرما جاتا ہے"۔ اور یہ مفتی وقاص رفیع صاحب کی بیان کردہ جملہ صفات مفتی وقاص رفیع صاحب میں بدرجہ اتم پائی جاتیں ہیں، جس کا ایک نمونہ آپ نے ابھی ملاحظہ کیا، مزید اگلی قسط میں ان شاء اللہ ۔ (جاری ہے)

( یا أیہا الذین آمنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا (القرآن) )

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو (الحجرات ۴۹/۶)

حضرت

# امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

اور

# عباراتِ اکابرؒ


تصنیف:

مفتی محمد وقاص رفیع

فاضل مدرسہ عربیہ تبلیغی مرکز رائے ونڈ لاہور



من منشورات:

ادارۃ التحقیق والأدب

﴿ یا ایھا الذین آمنوا ان جائکم فاسق بنبأ فتبینوا ( القرآن ) ﴾
ترجمہ: اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو۔ (الحجرات: ۴۹/ ۶)

# حضرت معاویہ رض

اور

# عباراتِ اکابر رح


تصنیف:
مفتی محمد وقاص رفیع
فاضل مدرسہ عربیہ تبلیغی مرکز رائے ونڈ لاہور



من منشورات:
ادارۃ التحقیق الاسلامی
ایبٹ آباد روڈ، اسلام پور، واہ کینٹ، ضلع راولپنڈی

| | |
|---|---|
| کتاب کا نام: | حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور عبارات اکابر |
| تصنیف: | مفتی محمد وقاص رفیع |
| کمپوزنگ: | عکرمہ عکراش |
| اشاعت: | 2018ء |
| ناشر: | ادارۃ التحقیق والادب ایبٹ آباد روڈ اسلام پور (واہ کینٹ)<br>+92300-5808678 |
| قیمت: | -/1000 روپے |

ملنے کے پتے

ادارۃ التحقیق والادب اسلام پور واہ کینٹ
مکتبہ شہید اسلام لال مسجد اسلام آباد

مکتبہ سراجیہ سرگودھا
مکتبہ صفدریہ چوہڑ چوک، راولپنڈی

مکتبہ سید احمد شہید، لاہور
دار النعیم اردو بازار، لاہور

المحمود پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور
مکتبہ جمال قاسمی، سہراب گوٹھ کراچی

مرکز اہلسنت، سرگودھا 0300-3166018

اسٹاکسٹ

دار الکتاب، یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور

0300-8099774, 0300-4768740

## انتساب:

کچھ عرصہ سے ارباب قلم کا دستور ہے کہ وہ اپنی دینی وعلمی خدمات کو کسی عظیم ترین شخصیت یا کسی مشہور ترین مرکزیت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ بناء بریں میں بھی اپنی اس دینی وعلمی خدمت کو اپنے مادر علمی، منبع علوم وفنون، مرکز دعوت وتبلیغ "مدرسہ عربیہ تبلیغی مرکز رائے ونڈ" کی طرف منسوب کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں، جس کی خوش گوار فضاؤں اور مشک بار ہواؤں کے دامن تربیت میں پل کر میں اس علمی کاوش کے لائق ہوا۔

# فہرست مضامین

## راویٔ بخاری محدث عبدالرزاق صنعانی رحمۃ اللہ علیہ

## مفسر قرآن امام ابوبکر الجصاص الرازی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ

## امام ابو عبد اللہ محمد حاکم نیشاپوری

## ﴿.....صاحب ہدایہ علامہ برہان الدین المرغینانی رحمۃ اللہ علیہ.....﴾

﴿.....علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ.....﴾

## جامع المعقول والمنقول میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ

## ﴿..... حضرت ملا عبدالرحمان جامی رحمۃ اللہ علیہ .....﴾

## ﴿.....محدث جلیل حضرت ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ.....﴾



## ﴿.....شیخ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ.....﴾

## ﴿.....علامہ احمد بن شیخ ابوسعید ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ.....﴾

## بیہقی وقت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ



## حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

## ﴿...... حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ......﴾

## ...... قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ......

## ﴿...... خاتمۃ المحدثین علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ......﴾

## حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ



## امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ

## شیخ الحدیث مولانا عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

## مناظر اسلام مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

## حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ.....

# مقدمہ

الحمد لله الذي هدانا بنبيه التوبة ورسوله الرحمة وفضلنا بجماعة الصحابة وأمير المؤمنين معاوية ثم سلكنا مسلک أهل السنة والجماعة من الأئمة الأخيار وأصحاب البراعة وعصمنا من الذين هم عموا صباحا ومساءً أسلافا وأخلافا ويقرون بأنهم يتبعون الصحابة وان كانوا هم أسوء حالاً والصلوة والسلام الأتمان الأكمال علي نبيه وحبيبه محمد المصطفي وعلي آله المجتبي من الصحابة والتابعين والأئمة الهدي ، أما بعد

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں میری بات

قربِ قیامت کا زمانہ رواں دواں ہے۔ پندھرویں صدی ہجری اپنے جوبن پر ہے۔ چراغِ نبوت اور شمعِ رسالت کو چودہ صدیاں بیت چکیں ہیں۔ زمانۂ خیر القرون کے انوار و برکات سمٹتے جا رہے ہیں۔ بدعات و رسومات کا دور دورہ ہے۔ ایسے میں دن بدن فتنوں اور نت نئے فرقوں کا ظہور ایک بدیہی امر ہے۔ کفر و شرک اور ظلمت و جہالت اس وقت اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار ہیں۔ کبھی تو قرآن و حدیث پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر کے سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان و یقین کے ساتھ کھیلا جاتا ہے تو کبھی سیرت و تاریخ کو ہدفِ تنقید بنا کر ان کے ایمانی کیفیت کو ڈانواں ڈول کیا جاتا۔ کبھی نت نئی ایجادات کے ذریعے اُن کے افکار و خیالات کو منتشر کیا جاتا ہے تو کبھی اساطین اُمت، اکابرین اسلام اور بزرگانِ دین کی زندگیوں کو غلط رنگ دے کر اُن کے روحانی آباؤ اجداد سے اُن کا رشتۂ ایمانی کاٹا جاتا ہے۔

چنانچہ موجودہ زمانہ میں اسی طرح کے ایک نئے ٹولے نے جنم لے رکھا ہے جو مشہور صحابی، کاتبِ وحی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مصنوعی محبت و عقیدت کی آڑ میں ہماری مسلمان نسل کو اپنے اکابر و اسلاف سے بہت بری طرح سے متنفر اور بدظن کرنے پر تلا ہوا ہے۔

انہیں حضرات میں سے حویلیاں سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب پروفیسر طاہر ہاشمی بھی ہیں جنہوں نے اپنے مذموم افکار و نظریات اور اپنے مکروہ عزائم و خیالات کی بناء پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی محبت و عقیدت کا مصنوعی لبادہ اوڑھ کر اکابر علمائے اہل سنت و اساطین اُمت کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق عبارات کو توڑ مروڑ کر اور ان کا سیاق و سباق حذف کر کے خواہ مخواہ انہیں "ناقدین معاویہ رضی اللہ عنہ" کی فہرست میں شامل کر کے عوام الناس کو ان سے متنفر و بدظن کرنے کا بیڑہ اُٹھا رکھا ہے۔

اگر واقعی یہ حضرات ایسے ہی تھے جیسا کہ دعویٰ ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ گزشتہ چودہ صدیوں میں کوئی ایک بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایسا دیوانہ پیدا نہیں ہوا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نقد کرنے والے ان ناقدین کی زبانوں کو لگام دیتا، اُن کا احتساب کرتا اور ان کے خلاف تقریراً یا تحریراً یا احتجاجاً کوئی کارروائی عمل میں لاتا اور "ناقدین معاویہ رضی اللہ عنہ" نامی کتاب لکھ کر جو سعادت آج پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے اپنی قسمت میں سمیٹی ہے وہ حاصل کرتا؟ آخر یہ امام احمد بن حنبلؒ، امام ابو جعفر الطحاویؒ، امام ابوالحسن الاشعریؒ، امام ابو منصور الماتریدیؒ، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ، امام الحرمین الجوینیؒ، حجۃ الاسلام امام غزالیؒ، امام فخر الدین رازیؒ، امام نوویؒ شافعیؒ، علامہ شمس الدین ذہبیؒ، علامہ بدر الدین عینیؒ، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، علامہ تاج الدین سبکیؒ، علامہ ابن ہمام حنفیؒ، علامہ ابن حجر ہیتمیؒ، علامہ عبد العزیز فرہارویؒ، مولانا سرفراز خان صفدرؒ، علامہ علی شیر حیدریؒ، اور مولانا محمد نافع صاحبؒ وغیرہ حضرات کہاں تھے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نقد کرنے والے ان ناقدین کی زبانوں کو لگام نہ دے سکے، اُن کا احتساب نہ کر سکے اور آنے والی نسل کو ان کی "صحابہ دشمنی" سے آگاہ نہ کر سکے؟ جس کا سارا بوجھ آج پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو اپنے ساٹھ سالہ بوڑھے کندھوں پر اُٹھانا پڑ رہا ہے۔

گو کہ بعض چیدہ چیدہ حضرات (مثلاً امام عبد الرزاقؒ، امام حاکمؒ، امام ابو بکر الجصاصؒ، اور علامہ تفتازانیؒ وغیرہ) پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بعض علماء نے نقد ضرور کیا ہے، لیکن ایک تو انہوں نے مذکورہ حضرات پر اجمالی نہیں بلکہ فرداً فرداً ایک ایک شخص پر نقد کیا ہے اور دوسرے یہ کہ انہیں نقد کرنے والے علماء ہی کے ہم عصر بعض دوسرے علماء نے اُن کے اس نقد کو قطعی طور پر تسلیم نہیں کیا اور مذکورہ بالا حضرات کے دفاع میں نقد کرنے والے علماء کو اپنے دلائل قویہ و حجج بینہ کی بناء پر خاموش کر کے اُن پر سے نقد معاویہ رضی اللہ عنہ کا الزام صاف کر کے اس کی دوٹوک الفاظ میں نفی کی ہے۔ (تفصیل آگے کتاب میں آرہی ہے۔)

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب اپنی کتاب "سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین" کا سبب تالیف بیان کرتے ہوئے

لکھتے ہیں:

"زیر نظر کتاب میں بعض ایسے حضرات کے اسمائے گرامی بھی آئے ہیں جن کی زندگی "مدح صحابہ" و "رد قدح صحابہ" میں بسر ہوئی اور اُن کی عبارات اس کتاب میں شامل کرنے سے دل و دماغ پر سخت بوجھ محسوس ہوتا رہا۔ اگر حضرت معاویہ ؓ کے بارے میں ان کے قابل اعتراض ریمارکس عدالت میں پیش نہ ہوتے (جو آج بھی ایبٹ آباد کی ایک عدالت میں مقدمہ کی مثل کا باقاعدہ حصہ ہیں) اور دشمنان معاویہ ؓ اپنے موقف کی تائید میں ان سے استدلال نہ کرتے تو اس بوجھ کے اٹھانے سے معذوری کا اظہار کر دیا جاتا۔" [1]

لیکن اگر ان قابل اعتراض ریمارکس کا کوئی تسلی بخش جواب پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے پاس نہیں تھا تو پھر سوال یہ ہے کہ قرآن مجید کے حکم ﴿فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون﴾ کے بموجب اگر ان کا جواب دیگر حضرات علمائے کرام سے لے لیا جاتا اور خواہ مخواہ اپنے تھکے ماندے ساٹھ سالہ بوڑھے کندھوں پر اس بوجھ کے اٹھانے سے معذرت کر لی جاتی تو کیا یہ زیادہ مناسب نہیں تھا؟:

آپ ہی اپنی اداؤں پر غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

بہر حال پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب اگر اس بوجھ کو خوب امانت داری و دیانت داری کے ساتھ اٹھاتے اور اعلیٰ حضرت صاحب کی طرح اکابر کی عبارات کو توڑے مروڑے، اُن میں قطع و برید کئے اور اُن کا سیاق و سباق حذف کئے بغیر ایسا کرتے تو اسے بھی کسی نہ کسی درجے میں ایک کام اور ایک فریضے کا اہتمام کہا جا سکتا تھا، لیکن پروفیسر آں موصوف نے اپنی کتاب میں اکابر علمائے اہل سنت کے عبارات کو توڑ مروڑ کر، اُن میں قطع برید کر کے اور اُن کا سیاق و سباق حذف کر کے جس دجل و فریب، اور تلبیس ابلیس کا مظاہرہ کیا ہے اُسے دیکھ کر عزازیل بھی شرما جاتا ہے۔

اور صرف یہی نہیں بلکہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت معاویہ ؓ سمیت دیگر بھی کئی صحابہ کرام ؓ کی گستاخی اور بے ادبی کی ہے۔

چنانچہ حضرت معاویہ ؓ کی بے ادبی اور گستاخی ملاحظہ ہو:

---

[1] (ناقدین سیدنا معاویہ ؓ ص ۷، طبع اول ۲۰۱۳ء)

''امام جصاص حنفی رازی کی مذکورہ تبرائی عبارت سے حسب ذیل اُمور ثابت ہوتے ہیں:۔

۳۔قرآن ﴿ لاینال عهدي الظالمين ﴾ کی رُو سے معاویہ رضی اللہ عنہ امامت خلافت اور امارت کا مستحق نہیں۔

۴۔معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جائز حکمران یا خلیفہ نہیں تھا بلکہ متغلب تھا۔[۱]

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں

''علی سوار ہوئے اور معاویہ بھاگ گیا۔''[۲]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''اور معاویہ فاسد تاویل کرتا تھا۔''[۳]

اسی طرح ایک جگہ لکھتے ہیں:

''اللہ کی قسم! بلی والا (ابوہریرہ) اگر میرے قابو میں آجاتا تو میں اُس کی گردن مار دیتا۔''[۴]

اور صرف یہی نہیں بلکہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے ایک جگہ تو مشہور صحابی، فاتح قادسیہ و ایران حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو دُشمنانِ معاویہ رضی اللہ عنہ کی صف میں لا کھڑا کر دیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''دُشمنانِ معاویہ رضی اللہ عنہ'' کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی کہ اُنہیں زیادہ سے زیادہ بدنام کیا جائے اور اُن کے ساتھ کسی فضیلت کو جمع نہ ہونے دیا جائے، وہ اُنہیں اسلام دُشمن ثابت نہ کر سکے، اُنہیں کسی معرکے میں آنحضرت ﷺ کا مدِ مقابل نہ دکھا سکے تو یہ مشہور کر دیا گیا کہ وہ مجبور ہو کر ''فتح مکہ'' کے موقع پر اپنے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ اسلام لائے۔''[۵]

---

[۱] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین:ص ۹۵)
[۲] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین:ص ۱۱۴)
[۳] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین:ص ۱۱۹)
[۴] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین:ص ۱۳۶)
[۵] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین:ص ۲۸)

حالاں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اُن لوگوں میں سے ہیں جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فتح مکہ سے پہلے اسلام لانے کے قائل نہیں ہیں بلکہ فتح مکہ کے بعد اُن کے اسلام لانے کے قائل ہیں۔

چنانچہ علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"فسعد ممن لم يعلم به."[1]

ترجمہ: پس حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اُن لوگوں میں سے ہیں جنہیں (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے کا) علم نہیں ہے۔

اور صرف یہ بھی نہیں بلکہ ایک اور موقع پر تو پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کفر کا فتویٰ بھی لگایا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"جنگ جمل میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے توڑ دی تھی، لیکن اس کے باوجود کوئی مسلمان ان حضرات کی طرف بغاوت کی نسبت نہیں کرتا۔"[2]

حالاں کہ خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اہل جمل وصفین حضرات کی طرف بغاوت کی نسبت کی ہے۔ تسلی کے لئے مندرجہ ذیل حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

(مصنف ابن أبي شيبة: ۵۳۵/۷، ألناشر: مكتبة الرشد، ألرياض) و (ألفتاوي الكبرى لابن تيمية: ۵۳۹/۳، ألناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان) و (حقوق آل البيت لابن تيمية: ۳۱/۱، ألناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان) و (مجموع الفتاوي لابن تيمية: ۵۱۶/۲۸، ألناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان) و (منهاج السنة النبوية لابن تيمية: ۴۹۷/۴، ۴۰۶/۷، ألناشر: جامعة الامام محمد بن سعود الاسلامية) و (ألمنتقى من منهاج الاعتدال في نقض كلام أهل الرفض والاعتزال للذهبي: ۲۷۴/۱) و (ألسنن الكبرى للبيهقي: ۳۱۵/۸، ألناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان) و (مناقب الشافعي للبيهقي: ۴۵۰/۱، ألناشر: مكتبة دار التراث، ألقاهرة)

---

[1] (تطهير الجنان للهيتمي، ص ۷، ۸، ألناشر: مكتبة الحقيقة، شارع دار الشفقة، فاتح ۵۷، استنبول، تركي)

[2] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۱۲۶)

و( التنبيه علي مشكلات الهداية لابن أبي العز : ٢٩٩/٤ ، الناشر : مكتبة الرشد ، ناشرون ، المملكة العربية ، السعودية ) و ( حياة الصحابة للكاندهلوي : ١٩٩/٣ ، الناشر : مؤسسة الرسالة ، للطباعة والنشر والتوزيع ، بيروت ، لبنان ) ان تمام حوالہ جات کی تفصیل عربی اور اردو عبارات کے ساتھ آگے کتاب میں آرہی ہے۔

ان تمام حوالہ جات میں واضح اور دوٹوک الفاظ میں حضرت علی ﷛ نے اصحاب جمل وصفین کی طرف بغاوت کی نسبت کی ہے، جس کی بناء پر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت علی ﷛ جیسے خلیفہ راشد صحابی پر کفر کا فتویٰ لگا دیا ہے۔

بہرحال ہم نے اپنی طاقت بشریہ کے مطابق پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی ان تمام شنیعہ ورذیلہ تلبیسات و دجالیات اور فریب کاریوں کی مکمل طور پر قلعی کھولی اور انہیں طشت ازبام کیا ہے اور اکابر علمائے اہل سنت والجماعت کی طرف منسوب ایک ایک واقعہ اور ایک ایک جزئی کی اصل حقیقت کا قدیم وجدید ماخذ کی طرف مراجعت کر کے بڑی محنت وجاں فشانی کے ساتھ اصل حقیقت کا سراغ لگایا ہے اور اُن کی طرف غلط طور پر منسوب ''نقد معاویہ ﷛'' جیسے بدنما داغ کا انصاف کے کٹہرے میں رہتے ہوئے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ دفاع کیا ہے۔

ہماری یہ کتاب ''حضرت معاویہ ﷛ اور عبارات اکابر'' پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی کتاب ''سیدنا معاویہ ﷛ کے ناقدین'' کا جواب برائے جواب ہی نہیں بلکہ ایک مستقل تصنیف بھی ہے جو اکابر علمائے اہل سنت کی بعض موہوم ومشتبہ عبارات کے دفاع میں اگرچہ بہت پہلے لکھنی چاہیے تھی لیکن اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو کہ آدھا کام تو اُنہوں نے ہمارے لئے آسان کر دیا ہے اور باقی آدھا یا اس سے بھی زیادہ کام اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اُس کی مہربانی سے ہم نے خود مکمل کیا ہے۔

ہمیں اُمید تو نہیں ہے کہ ناصبیت گزیدہ ہاشمی ٹولہ ہماری اس کتاب کو انصاف کے کٹہرے میں رہتے ہوئے ہدایت کی نیت سے پڑھنے کی کوشش کرے گا، ہاں ہم اتنا ضرور ہے کہ ہاشمی صاحب کی مذکورہ بالا کتاب پڑھ کر ہمارے جن بھائیوں کا دماغ تشویش کا شکار ہوا ہے اُن کی تسلی وتشفی کا سامان اس سے ان شاء اللہ! ضرور ہو جائے گا۔

ہم نے اپنی کتاب میں اہل سنت والجماعت کے صرف اُنہیں اکابر علماء کی عبارات کا دفاع کیا ہے جو علمی دُنیا میں اپنا ایک منفرد اور ممتاز مقام رکھتے ہیں اور اب وہ اس جہانِ فانی سے رخصت بھی ہو چکے ہیں۔ ان کے علاوہ جو

دوسرے علماء ہیں اُن پر کام کرنے کی کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ اس لئے کہ جملہ عبارات اکابر کا احاطہ ہمارا مقصد نہیں ہے بلکہ جمہور علمائے اہل سنت والجماعت کا اجماعی مؤقف بیان کرنا مقصود ہے، اس لئے سردست صرف اکیس کبار علماء ہی کی عبارات کے دفاع پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

باقی رہے وہ کبار علماء جو ابھی بقید حیات ہیں جیسے مبلغ اسلام حضرت مولانا ڈاکٹر طارق جمیل صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد سعید خان صاحب تو اولاً تو عرض یہ ہے کہ بندہ نے ازخود ان دونوں حضرات سے رابطہ کرنے کی کوشش کی ہے، مولانا طارق جمیل صاحب سے تو تا حال کوئی رابطہ قائم نہیں ہو سکا، البتہ مفتی محمد سعید خان صاحب سے بندہ کی ایک دو نشستیں ہوئی ہیں اور حضرت مفتی صاحب نے اپنی عبارات کے جوابات دینے کا وعدہ بھی فرمایا ہے لیکن دوبارہ تا حال حضرت مفتی صاحب بندہ کا کوئی رابطہ قائم نہیں ہو سکا۔ اب ان شاء اللہ ! ان دونوں حضرات سے دوبارہ رابطہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں تاکہ ان کی مبہم اور متنازعہ عبارات وتعبیرات کا تسلی بخش حل سامنے آسکے اور ان کی مراد واضح ہو سکے۔ نیز اس کے ساتھ ساتھ بندہ کی یہ کوشش بھی رہے گی کہ اگر یہ دونوں حضرات اپنی اپنی عبارات وتعبیرات کا جواب ازخود ہی تحریر فرمادیں تو بہت ہی زیادہ مناسب اور کارآمد رہے گا کہ:

''تصنیف را مصنف نیکو کند بیان''

باقی رہے شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا صاحب تو اس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ بندہ نے اُن کی طرف پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے تمام اعتراضات فوٹوسٹیٹ کرا کے بھجوائے تھے جس کے جواب میں حضرت نے بندہ کو فون کر کے آگاہ فرمایا کہ میری سوائے ایک غلطی کے جو سہواً مجھ سے لاعلمی کی بنیاد پر صادر ہوگئی تھی اور بعد میں اُس پر میں نے معذرت نامہ بھی لکھ دیا تھا باقی تمام اعتراضات بے بنیاد اور خلاف حقیقت ہیں۔ اس لئے مولانا اللہ وسایا صاحب پر بھی فی الحال کام کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں محسوس کی گئی۔ ہاں اگر ہاشمی صاحب حضرت کے متعلق مطلوبہ مواد ہمیں فراہم کر کے دیں تو ہم حضرت سے رابطہ کر کے اس کے بارے میں تحقیق کر کے دے سکتے ہیں۔

فقط والسلام!

ہیچ مداں محمد وقاص رفیع

اسلام پور (واہ کینٹ)

۲۳ جمادی الثانی ۱۴۳۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# جرنیل اسلام سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

## نام ونسب:

آپ رضی اللہ عنہ کا نام نامی اسم گرامی معاویہ رضی اللہ عنہ، کنیت ابوعبدالرحمٰن، والد کا نام ابوسفیان رضی اللہ عنہ، دادا کا نام حرب اور والدہ کا نام ہندؓ ہے۔ حافظ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے والد کی طرف سے آپؓ کا سلسلہ نسب یوں تحریر فرمایا ہے:

''معاویہ (رضی اللہ عنہ) بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہ) بن حرب بن اُمیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی......الخ۔ [1]

## ولادت باسعادت:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ولادت بعثت نبوی ﷺ سے پانچ سال قبل ۶۰۸ء میں ہوئی، ماں باپ نے اُس وقت کے عرب کے دستور کے مطابق مختلف علوم وفنون سے آپ رضی اللہ عنہ کو آراستہ کیا اور آپ رضی اللہ عنہ کو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دلوانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

## حلقہ بگوشِ اسلام:

مشہور قول کے مطابق ویسے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے بعد ۷ھ میں عمرۃ القضاء سے پہلے ہی ایمان لے آئے تھے، لیکن کچھ والدہؓ کے ڈر اور کچھ دیگر معقول اعذار کی بناء پر آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا قبولِ اسلام مخفی رکھا، پھر عین فتح مکہ کے موقع پر اپنے والد بزرگوار حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ہم راہ واشگاف الفاظ میں آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام

---

[1] (جمهرة أنساب العرب لابن حزم: ۱/۱۱۱، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت) و (نسب قريش لمصعب الزبيري: ۱/۱۲۶، الناشر: دار المعارف، القاهرة)

لانے کا اعلان کیا۔ [1]

## حسن صورت اور حسن سیرت:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو قدرت الٰہیہ نے جہاں ظاہری حسن صورت کے لحاظ سے گلابی رنگ، کتابی چہرہ، سرو قد جاذب نظر، اور پرکشش بانکپن جیسی خوب صورت شکل و وجاہت سے نواز رکھا تھا، تو وہیں حسن سیرت کے لحاظ سے بھی آپ کو اپنی خشیت وللہیت، اطاعت پیغمبری ﷺ، حلم و بردباری، عفو ودرگزر، عمدگی اخلاق، بلندی کردار، فقر و استغناء عاجزی وانکساری، ظرافت طبع اور سادگی جیسی عمدہ صفات اور اعلیٰ صلاحیتوں سے بھی وافر حصہ عطا فرما رکھا تھا۔

## خدمت نبوی ﷺ اور کتابت وحی:

چوں کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ''کتابت وحی'' ایک نازک ترین مگر عظیم ترین کام تھا اور اس کے لئے جس احساس ذمہ داری، امانت داری و دیانت داری اور جس علم وفہم کی ضرورت تھی وہ تمام باتیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں بہ بوجہ اتم موجود تھیں اس لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حلقہ بگوش اسلام ہو جانے کے بعد حضور اقدس ﷺ کی نظر دور شناس نے آپ رضی اللہ عنہ کی علمی پختگی اور عملی شیفتگی کو فوراً بھانپ لیا اور آپ رضی اللہ عنہ کو ''وحی'' جیسے نازک مگر عظیم کام پر مامور فرما دیا، جسے نہایت عمدگی اور بہتر انداز میں آپ رضی اللہ عنہ انجام دیتے رہے تا آں کہ آپ رضی اللہ عنہ کا شمار کاتبین وحی کے کبار اور جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہونے لگا۔ چنانچہ علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق کتابت وحی کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں سب سے زیادہ رہنے کا شرف پہلے نمبر پر اگر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے تو دوسرے نمبر پر بلا شرکت غیرے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے۔ [2]

علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ نے اپنے باہر اور دور دراز سے آنے والے مہمانوں کی خاطر مدارات اور ان کے

---

[1] "حکي ابن سعد انه كان يقول : لقد أسلمت قبل عمرة القضية ولكني كنت أخاف أن أخرج الى المدينة ، لأن أمي كانت تقول : ان خرجت قطعنا عنك القوت ." ( الاصابة في تمييز الصحابة : ۴۱۲/۳ ، الناشر - دار الكتب العلمية ، بيروت )

[2] "وكان زيد بن الثابت من ألزم الناس لذلك ، ثم تلاه معاوية بعد الفتح ، فكانا ملازمين الكتابة بين يديه صلى الله عليه وسلم في الوحي وغيره ذلك ، لا عمل لهما غير ذلك ." ( جوامع السيرة لابن حزم : ۲۷/۱ ، الناشر دار الكتب العلمية ، بيروت )

قیام وطعام کا انتظام واہتمام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کے سپرد فرما رکھا تھا۔ ۱؎ اور مکہ مکرمہ سے آجانے کے بعد تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مستقل طور پر اپنے آپ کو حضور اقدس ﷺ کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا۔ ۲؎

## مختلف غزوات میں شرکت:

مکہ مکرمہ سے آجانے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ مستقل طور پر آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہنے لگ گئے تھے اور تمام غزوات بالخصوص غزوۂ حنین، غزوۂ طائف، غزوۂ یمامہ اور چھوٹی بڑی کئی کشتی اور جنگی مہموں میں شرکت فرمائی۔

## حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی نظر میں:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مسلسل حاضری، کتابت وحی، امانت داری و دیانت داری اور دیگر صفات محمودہ سے متاثر ہو کر حضور نبی پاک ﷺ نے متعدد بار کئی مواقع پر آپ رضی اللہ عنہ کے حق میں دعائیں فرمائی۔

چنانچہ ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

"اَللّٰھم اجعله هادیا مهدیا واهد به." ۳؎

ترجمہ: اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو (لوگوں کے لئے) "ہادی" (سیدھا راستہ دکھانے والا) اور "مہدی" (ہدایت یافتہ) بنا دیجئے اور اس کے ذریعہ دوسرے لوگوں کو بھی ہدایت عطا فرما دیجئے۔

---

۱؎ (تاریخ اسلام ۲/ ۷ بحوالہ سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ، ص ۴۰، ناشر اشاعت المعارف، فیصل آباد)

۲؎ (سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ، ص ۴۰، ناشر اشاعت المعارف، فیصل آباد)

۳؎ (جامع الترمذي: ٥/ ٦٨٧، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي) و (أسد الغابة في معرفة الصحابة لابن أثير الجزري: ٣/ ٤٧٤، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان) و (كنز العمال للمتقي الهندي: ١٣/ ٣٢٧، الناشر: مؤسسة الرسالة) و (التاريخ الكبير للبخاري: ٧/ ٣٢٧، الناشر: دائرة المعارف العثمانية، حيدر اباد، الدكن) و (تاريخ الاسلام و وفيات المشاهير والأعلام للذهبي: ٤/ ٣١٠، الناشر: دار الكتب العلمية) و (مشكاة المصابيح للخطيب التبريزي: ٣/ ١٧٥٨، الناشر: المكتب الاسلامي، بيروت) و (البداية والنهاية لابن كثير: ٨/ ١٢٩، الناشر: دار احياء التراث العربي) و (سير أعلام النبلاء للذهبي: ٧/ ١٤٣، الناشر: دار الحديث، القاهرة) و (حلية الأولياء وطبقات الأصفياء للأصبهاني: ٨/ ٣٥٨، الناشر: السعادة، بجوار محافظة مصر) و (المعجم الأوسط للامام الطبراني: ١/ ٢٠٥، الناشر: دار الحرمين، القاهرة)

ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا:

"اللهم علم معاوية الكتاب والحساب وقه العذاب."[1]

ترجمہ: اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو حساب اور کتاب کا علم سکھلا دیجئے! اور اسے (جہنم کے) عذاب سے بچا دیجئے!۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

"اللهم علمه الكتاب والحساب وقه العذاب."[2]

ترجمہ: اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو کتاب اور حساب کا علم سکھا دیجئے! اور اسے (جہنم کے) عذاب سے بچا دیجئے!۔

ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

"اللهم املأه علماً."[3]

ترجمہ: اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کا سینہ (علم و حکمت سے) بھر دیجئے!۔

---

[1] (صحيح ابن حبان: ۱۹۲/۱۶، الناشر: موسسة الرسالة، بيروت) و (مسند أحمد: ۳۸۳/۲۸، الناشر: موسسة الرسالة) و (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد للهيثمي: ۳۵۶/۹، الناشر: مكتبة القدسي، القاهرة) و (كنز العمال في سنن الأقوال و الأفعال للمتقي الهندي: ۵۸۸/۱۳، الناشر: موسسة الرسالة، بيروت) و (تاريخ الاسلام و وفيات المشاهير والأعلام للذهبي: ۳۰۹/٤، الناشر: دار الكتاب العربي، بيروت) و (الاستيعاب في معرفة الأصحاب لابن عبد البر: ۱٤۲۰/۳، الناشر: دار الجيل، بيروت) و (سير أعلام النبلاء للذهبي: ۳۲۲/۱۸، الناشر: دار الحديث، القاهرة) و (التاريخ الكبير للبخاري: ۳۲۷/۷، الناشر: دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد، الدكن، الهند) و (البداية والنهاية لابن كثير: ۳۵٦۱۲۹/۸، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان) و (موارد الظمآن الي زوائد ابن حبان للهيثمي: ۵٦٦/۱، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[2] (مجمع الزوائد و منبع الفوائد للهيثمي: ۳۵٦/۹، الناشر: مكتبة القدسي، القاهرة) و (الاصابة في تمييز الصحابة لابن حجر: ۱٦٤/۲، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان) و (سير أعلام النبلاء للذهبي: ۱٤۳/۷، الناشر: دار الحديث، القاهرة) و (تاريخ الاسلام و وفيات المشاهير والأعلام للذهبي: ۳۰۹/٤، الناشر: دار الكتاب العربي، بيروت)

[3] (تاريخ الاسلام و وفيات المشاهير والأعلام للذهبي: ۳۱۰/٤، الناشر: دار الكتاب العربي، بيروت)

## حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عہد صدیقی رضی اللہ عنہ میں:

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے اوّل ایام ہی میں آپ رضی اللہ عنہ روایت حدیث کی طرف متوجہ ہو گئے اور کئی ایک احادیث حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور اپنی ہمشیرہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیں، جن کی تعداد علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق ایک سو تیئس (۱۲۳) ہے۔ [۱]

جہاد شام کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو امیر لشکر بنا کر جب کہ آپ رضی اللہ عنہ کو اس لشکر کا علم بردار بنا کر روانہ فرمایا۔ [۲]

## حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عہد فاروقی رضی اللہ عنہ میں:

عہد فاروقی رضی اللہ عنہ میں جو علاقے رُومیوں کے قبضے میں چلے گئے تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اُن کے ہاتھ سے چھین کر وہاں اسلامی شوکت وحشمت کا پھریرا لہرا دیا، نیز اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر "قلعہ عرقہ" کو فتح کیا، جس سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بہت زیادہ متاثر ہوئے اور آپ رضی اللہ عنہ کو اُردن کا گورنر مقرر فرما دیا۔ [۳]

## عہد عثمانی رضی اللہ عنہ میں پہلے بحری بیڑے کا قیام:

عہد عثمانی رضی اللہ عنہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پہلا اسلامی بحری بیڑا ایجاد کیا، جو ۲۸ھ میں "بحیرۂ روم" میں اُترا، چنانچہ کچھ ہی دنوں بعد یورپ وافریقہ کی وسیع وعریض زمین پر اسلامی جھنڈا لہراتا ہوا نظر آنے لگا۔ [۴]

## حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عہد مرتضوی رضی اللہ عنہ میں:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی الم ناک شہادت کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے چوتھے خلیفہ راشد

---

[۱] (أعلام الإسلام: ص ۲۲٦)

[۲] (محاضرات لتاریخ الامم الاسلامیة، ٤/۲۷۱) " قال البلاذري: فدفعه (اي اللواء) ابو بكر الى يزيد بن ابي سفيان، فسار به ومعاوية اخوه يحمله بين يديه ." (فتوح البلدان للبلاذري: ۱/۱۱۲، الناشر: دار ومكتبة الهلال، بيروت)

[۳] (تاریخ ملت، ۳/۸، بحوالہ سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، ص ۳۴، ناشر: اشاعت المعارف، فیصل آباد)

[۴] (سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، ۳۵، ۳٦، ناشر: اشاعت المعارف، فیصل آباد)

مقرر ہوئے، لیکن افسوس کہ آپ ؓ کا انتخاب ایک انتہائی پرآشوب اور ہنگامی دور میں ہوا، اور سوئے اتفاق کہ انہی لوگوں کے ہاتھوں ہوا کہ جن کا دامن دم عثمان ؓ کے داغ سے داغ دار تھا، اس لئے صحابہ ؓ کی ایک بڑی جماعت نے آپ ؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو دم عثمان ؓ کے قصاص کے حصول کی شرط کے ساتھ مشروط کر دیا، اور قصاص دم عثمان ؓ کے حصول کے لئے آمادۂ بغاوت ہو گئے، یہاں تک کہ جنگ جمل کی صورت میں دونوں جماعتوں میں زبردست ٹکراؤ ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے طرفین کی اکثریت خاک وخون میں لت پت ہو گئی۔ اس جنگ میں ایک طرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں اور دوسری طرف حضرت علی المرتضیٰ ؓ تھے، گو کہ اس جنگ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو شکست ہوئی اور حضرت علی المرتضیٰ ؓ کا لشکر فاتح رہا، لیکن اس کے باوجود ان کے قصاص دم عثمان ؓ کے مطالبہ کی اہمیت بدستور باقی رہی، جسے بعد میں حضرت معاویہ ؓ نے لے کر اٹھے، یہاں تک کہ جنگ صفین کی صورت میں ایک اور لڑائی ہوئی، اس لڑائی میں ایک طرف حضرت علی المرتضیٰ ؓ تھے اور دوسری طرف حضرت معاویہ ؓ تھے، اس لڑائی میں بھی متعدد اکابر صحابہ ؓ و تابعینؒ کی شہادت ہوئی، جن میں حضرت عمار بن یاسر ؓ، حضرت خزیمہ بن ثابت ؓ وغیرہما حضرت علی المرتضیٰ ؓ کی جماعت میں سے تھے اور اہل شام کے ہاتھوں شہید ہوئے، اور حضرت عبید اللہ بن عمر بن خطاب ؓ، حضرت ذوالکلاع ؓ اور حضرت حوشب ؓ وغیرہم حضرت معاویہ ؓ کی جماعت میں سے تھے اور اہل عراق کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

حضرت معاویہ ؓ کے دور ابتلاء وخلافت یعنی خلافت علویہ ؓ کے قیام سے لے کر آپ ؓ کی وفات تک کے درمیانی ادوار میں جنگ جمل، جنگ صفین، تحکیم حکمین، مصالحت امام حسن ؓ، استلحاق زیاد، اور یزید کے لئے ولی عہدی کی بیعت لینے تک کی صورت میں پیش آنے والے مختلف حالات وواقعات کی مکمل تفصیلی روداد اور تحقیقی مباحث آگے "سیدنا معاویہ ؓ کا دور ابتلاء وخلافت علمائے اہل سنت والجماعت کی نظر میں" کے عنوان کے تحت آ رہی ہیں۔[1]

## حضرت علی ؓ حضرت معاویہ ؓ کی نظر میں:

"جنگ صفین" کے بعد کسی نے حضرت معاویہ ؓ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ: "جاؤ علی ؓ سے پوچھو! کیوں کہ وہ زیادہ جاننے والے ہیں۔" اس نے عرض کیا کہ: "اس بارے میں مجھے آپ کا جواب

---

[1] ملاحظہ فرمائیں کتاب ہذا کا صفحہ نمبر ۵۳۔ رفیع

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جواب سے زیادہ پسند ہے۔" حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: "تو نے بہت بری بات کہی، کیا تو ایسے شخص کو ناپسند کرتا ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے علم سے بھر دیا ہے؟۔" اور اُس کے بارے میں فرمایا ہے کہ: "(اے علی رضی اللہ عنہ) تو میرے لئے ایسے ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے حضرت ہارون علیہ السلام، مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی سے اُس کا حل تلاش کرتے۔" [۱]

ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعریف کر رہے تھے کہ ایک شخص بولا: "آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعریف کر رہے ہیں، اگر اہل شام سن لیں تو..... تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: "مجھے اس کی پرواہ نہیں۔"

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی تو آپ رضی اللہ عنہ بے ساختہ رونے لگے اور بار بار "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھتے رہے، اُس وقت آپ رضی اللہ عنہ اندرونِ خانہ تشریف فرما تھے، آپ رضی اللہ عنہ کی بیوی نے یہ کیفیت دیکھ کر عرض کیا کہ: "آپ رضی اللہ عنہ اُن سے لڑتے بھی رہے اور اُن کے لئے رو بھی رہے ہیں۔" تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: "تیرا بھلا ہو! تو نہیں جانتی کہ آج لوگ کس قدر علم و فضل اور فقہ سے محروم ہو گئے ہیں۔" [۲]

## حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نظر میں:

ایک مرتبہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا کہ کچھ لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کافر یا فاسق کہہ رہے ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: "وہ میرے بھائی ہیں" "کافر" یا "فاسق" نہیں ہیں۔" [۳] اور مزید وضاحت کے لئے ایک

---

[۱] "عن ابي حازم قال: جاء رجل الي معاوية فسأله عن مسألة، فقال: سل عنها عليّ بن ابي طالب، فهو اعلم قال: يا أمير المؤمنين! جوابك فيها أحب اليّ من جواب عليّ قال: بئس ماقلت، لقد كرهت رجلاً كان رسول الله صلي الله عليه وسلم يغزره بالعلم غزراً، ولقد قال له: "انت مني بمنزلة هارون من موسي الا انه لا نبيّ بعدي." وكان عمر اذا أشكل عليه شئٌ أخذه منه "اخرجه احمد في المناقب: (الرياض النضرة في مناقب العشرة للطبري: ۳/۱۰۶۲، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت)

[۲] "عن جرير بن عبد الحميد عن مغيرة قال: لما جاء قتل علي الي معاوية جعل يبكي ويسترجع، فقالت له امرأته: تبكي عليه وقد كنت تقاتله، فقال لها: ويحك! انك لاتدرين مافقد الناس من الفضل والفقه والعلم. (تاريخ دمشق لابن عساكر: ۵۹/۱۴۲، الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع) و (البداية والنهاية لابن كثير: ۸/۱۳۹، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت)

[۳] (سیدنا معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہ: ۱۹، ناشر: اشاعت المعارف، فیصل آباد)

فرمان جاری کیا، جس میں تحریر تھا کہ:

''ہمارے معاملہ کی ابتداء یوں ہوئی کہ ہمارا اہل شام (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) سے مقابلہ ہوا اور ظاہر ہے کہ ہمارا اور اُن کا اللہ ایک، ہمارا اور اُن کا نبی ایک، ہمارا اور اُن کا اسلام ایک، اللہ ورسول کی تصدیق میں نہ ہم اپنے کو اُن سے زیادہ کہتے ہیں اور نہ وہ اپنے کو ہم سے زیادہ سمجھتے ہیں، بلکہ معاملہ دونوں کا ایک ہی ہے، صرف دم عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہم میں اور اُن میں اختلاف ہوا ہے اور ہم اس (دم عثمان رضی اللہ عنہ) سے بری ہیں۔''[1]

ایک موقع پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

''قتلانا وقتلاهم في الجنة.''[2]

ترجمہ: ہمارے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقتولین جنتی ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی رحلت کا وقت جب قریب آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلایا اور اُن کو وصیت فرمائی کہ: ''بیٹا! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت قبول کرنے سے ہرگز نفرت نہ کرنا ورنہ باہم کشت وخون ریزی دیکھو گے۔''[3]

اس قسم کی روایات کتب تاریخ میں بے شمار ہیں جنہیں دیکھنے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ سبائیوں کی فتنہ سامانیوں کے سبب ان بزرگوں میں اتفاقیہ طور پر جو رنجشیں، کشاکشیں، کشیدگیاں، اور باہم ایک دوسرے کے ساتھ جو اختلاف بعد پیدا ہو گیا تھا وہ جلد ہی دُور ہو گیا تھا اور ان میں رشتے ناطے اور محبت واخوت کا سلسلہ (دوبارہ) شروع ہو گیا تھا۔[4]

---

[1] ''ومن كتاب له عليه السلام كتبه الى أهل الأمصار يقص فيه ماجرى بينه و بين أهل صفين و كان بدء أمرنا أنا التقينا بالقوم من أهل الشام، والظاهر أن ربنا واحد، و نبينا واحد، ودعوتنا في الاسلام واحدة، ولا نستزيدهم في الايمان بالله، والتصديق برسوله، ولايستزيدوننا، والأمر واحد الا مااختلفنا فيه من دم عثمان ونحن منه براء.'' (شرح نهج البلاغه لابن أبي الحديد: ۱۱/۱۷۵)

[2] (مصنف ابن أبي شيبة: ۷/۵۵۲، الناشر: مكتبة الرشد، الرياض)

[3] (سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ، ص ۱۶، ناشر: اشاعت المعارف، فیصل آباد)

[4] (سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ، ص ۱۳، ناشر: اشاعت المعارف، فیصل آباد)

## حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مصالحت:

"معاہدۂ صلح" کے کچھ ہی عرصہ بعد ۲۱ رمضان المبارک ۴۰ھ کو جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا اور آپؓ کی جگہ آپؓ کے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ جانشین خلافت ہو گئے، تو شیعانِ علی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑنے پر آمادہ کیا اور زُور دیا، تو اُس وقت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے والد گرامی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا وصیت یاد آ گئی کہ:

> "بیٹا! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت قبول کرنے سے ہرگز نفرت نہ کرنا اور نہ باہم کشت وخون ریزی دیکھو گے۔" [۱]

اس لئے آپ نے اُن سے فرمایا کہ:

> "میرے والد ماجد مجھ سے فرما چکے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک دن خلیفہ ہو کر رہیں گے، خواہ ہم کتنی ہی بڑی فوج لے کر اُن کے مقابلے میں نکلیں، لیکن غالب وہی رہیں گے، کیوں کہ منشائے خداوندی کو ٹالا نہیں جا سکتا۔" [۲]

حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی یہ بات سبائیوں کو پسند نہ آئی، اور وہ آپ کے دشمن ہو گئے، اور کھلم کھلا آپ رضی اللہ عنہ کو "کافر" اور "مذلّ المؤمنین" (یعنی مؤمنوں کو ذلیل کرنے والے) کہنے لگے۔ [۳] یہاں تک کہ مدائن میں آپ رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا، خیمہ لوٹا اور آپ رضی اللہ عنہ کو نیزوں سے مارا۔ [۴] یہ ناقابل برداشت اذیتیں اُٹھانے کے بعد حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا کہ اب اپنے والد گرامی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لینا ہی بہتر ہے۔

چنانچہ آپ نے مشورہ کے لئے اپنے چھوٹے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور بڑے بہنوئی حضرت عبداللہ بن

---

[۱] (سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ، ص ۹۲، ناشر: اشاعت العارف، فیصل آباد)

[۲] (ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء: ۲/۲۸۳)

[۳] "السلام عليك يا مذل المؤمنين" (شرح نهج البلاغة لابن الحديد، ۲۰/۱۰ و ۶۷)

[۴] "حتى نازعوه بساطا كان جالسا عليه وطعنه بعضهم حين ركب طعنة اشوته و أشوته فكرههم الحسن كراهة شديدة وركب فدخل القصر الأبيض من المدائن فنزله وهو جريح." (البداية والنهاية لابن كثير، ۸/۱۶، دار احياء التراث العربي، بيروت)

جعفر رضی اللہ عنہ کو طلب کیا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قدرے اختلاف تھا، لیکن حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے صلح کرنے کی پرزور موافقت کی۔

اسے حسن اتفاق ہی کہیے کہ ابھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنے کا دل میں سوچا ہی تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اپنے دل میں آرزوئے صلح لئے بے چین و بے قرار ہو رہے تھے، آپ رضی اللہ عنہ سے رہا نہ گیا، اس لئے آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ سے پہلے ہی "تحریک صلح" اُن کے سامنے پیش کردی، اور اُس کے بعد ایک سادہ کاغذ پر اپنی مہر ثبت فرما کر حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ کہلا بھیجا کہ "آپ جتنی شرطیں چاہیں اس پر لکھ دیں مجھے منظور ہیں۔" چنانچہ حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی شرطیں لکھ دیں جنہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بلا کسی ترمیم کے منظور فرمالیا۔ [1]

اور اس طرح حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنی دلی رضا و رغبت کے ساتھ منصب خلافت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو سونپ دیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ تسلیم فرما کر خلافت جیسے عظیم منصب سے اپنے آپ کو علیحدہ کر دیا۔

بعض اصحاب کی خواہش ہوئی کہ حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ اس کا اعلان فرما دیتے تو بہتر تھا، چنانچہ حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور لوگوں کے سامنے یہ خطبہ دیا:

> "مسلمانو! میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرلی ہے اور ان کو اپنا امیر اور خلیفہ تسلیم کرلیا ہے، اگر امارت و خلافت ان کا حق تھا تو ان کو پہنچ گیا اور اگر یہ میرا حق تھا تو میں نے اُن کو بخش دیا۔"

اس تقریر کے بعد حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ اپنے معاہدے کے مطابق ۵ لاکھ درہم نقد اور ایک لاکھ درہم سالانہ وظیفہ لے کر مدینۃ الرسول ﷺ تشریف لے آئے، اور اس طرح رسول اللہ ﷺ کی یہ پیشین گوئی کہ

---

[1] "ولما رأى الحسن من أصحابه الفشل أرسل الى عبد الله بن عامر بشرائط اشترطها على معاوية على أن يسلم له الخلافة. وكانت الشرائط: ان لا يأخذ احداً من اهل العراق باحنة، وان يؤمن الأسود والأحمر، ويحتمل ما يكون من هفواتهم، ويجعل له خراج الأهواز مسلماً في كل عام، ويحمل الى أخيه الحسين بن علي في كل عام ألفي ألف، ويفضل بني هاشم في العطاء والصلات على بني عبد شمس." (أخبار الطوال للدينوري: ۲۱۸/۱، طبع: دار احياء الكتب العربي، القاهرة)

" ان ابني هذا سيد . لعل الله ان يصلح به بين فئتين عظيمتين من المسلمين ." [۱]

ترجمہ: بے شک میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔

اب جا کر پوری ہوئی۔

## فتوحاتِ معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک نظر:

۹ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے "قیساریہ" کو فتح کیا۔ ۲۷ھ میں بحری بیڑہ لے کر "قبرص" کی جانب بڑھے اور تاریخ اسلام کی پہلی بحری جنگ لڑی۔ [۲] ۲۸ھ میں قبرص کا عظیم الشان جزیرہ مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوا۔ [۳] ۳۲ھ میں آپ رضی اللہ عنہ نے "قسطنطنیہ" کے قریبی علاقوں میں جہاد جاری رکھا۔ [۴] ۳۳ھ میں "افرنطیہ، ملطیہ اور رُوم" کے کچھ قلعے فتح کیے۔ [۵] ۳۵ھ میں آپ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں "غزوۂ ذی خشب" پیش آیا۔ [۶] ۴۳ھ میں "غزوۂ سجستان" پیش آیا اور "سندھ" کا کچھ حصہ مسلمانوں کے زیرِ نگین آیا۔ [۷] ۴۳ھ میں "سوڈان" کا ملک فتح ہوا اور "سجستان" کا مزید علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ [۸] ۴۴ھ میں "افغانستان" کا مشہور شہر "کابل" فتح ہوا اور مسلمان "ہندوستان"

---

[۱] (صحیح البخاری: ۱۸۶/۳، الناشر: دار طوق النجاة)

[۲] " فيها (أي في سنة سبع وعشرين) ركب معاوية بالجيش في البحر وغزا قبرص. " (العبر في خبر من غبر للذهبي: ۲۱/۱، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[۳] " وقيل فيها غزوة قبرص. " (العبر في خبر من غبر للذهبي: ۲۲/۱، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[۴] " فيها سار معاوية وتوغل في الروم فالتقى العدو بالقرب من القسطنطينية. " (العبر في خبر من غبر للذهبي: ۲٤/۱، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[۵] " فيها غزا معاوية افرنطية وملطية وحصن المراة من أرض الروم. " (العبر في خبر من غبر للذهبي: ۲۵/۱، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[۶] " فيها غزوة ذي خشب وعلى الناس معاوية. " (العبر في خبر من غبر للذهبي: ۲٦/۱، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[۷] " فيها غزا عبد الرحمان بن سمرة سجستان، فافتتح زرنج وغيرها وسار راشد بن عمرو فشن الغارات و وغل في بلاد السند. " (العبر في خبر من غبر للذهبي: ۳٦/۱، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

میں "قندابیل" کے مقام تک پہنچ گئے۔ ۱ ؎ ۴۵ھ میں "افریقہ" پر لشکر کشی کی گئی اور ایک بڑا حصہ مسلمانوں کے زیر نگین آیا۔ ۲ ؎ ۴۶ھ میں "افریقہ" کے مزید علاقوں میں غزوات جاری رہے۔ ۳ ؎ ۵۰/۵۱ھ میں "غزوۂ قسطنطنیہ" پیش آیا جہاں پہلی بار مسلمانوں نے حملہ کیا تھا۔ ۴ ؎ ۵۳ھ میں مسلمان "نہر جیحون" کو عبور کرتے ہوئے "بخارا" تک پہنچے تھے اور بعض دوسرے علاقے بھی فتح کئے۔ ۵ ؎ اور ۵۶ھ میں "غزوۂ سمرقند" پیش آیا۔ ۶ ؎

## وفات حسرت آیات:

۶۰ھ میں جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی عمر عزیز کی اٹھہترویں بہار سے گزر رہے تھے تو اچانک ایک دن آپ رضی اللہ عنہ کی طبیعت کچھ ناساز سی ہوگئی اور پھر آئے دن خراب سے خراب تر ہوتی چلی گئی، تا آں کہ دمشق کے مقام پر مؤرخہ ۲۲ رجب المرجب ۶۰ھ میں اسی مرض کی حالت میں آپ رضی اللہ عنہ نے "داعی اجل" کو لبیک کہا اور اس طرح علم و حلم، زہد و تقویٰ اور تدبر و سیاست کا یہ آفتاب جہان تاب اور ماہتاب عالم تاب دنیا کے اُفق میں ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔

" انا للہ وانا الیہ راجعون۔"

---

* ؎ " فيها فتحت الرخج من أرض سجستان والفتح عقبة بن نافع كوراً من بلاد السودان ." ( العبر في خبر من غبر للذهبي: ۱/۳۷ ، الناشر: دار الكتب العلمية ، بيروت )

۱ ؎ " فيها افتتح عبد الرحمان بن سمرة مدينة كابل . وفيها غزا المهلب بن أبي صفرة في أرض الهند و وصل الي قندابيل فالتقى العدو فهزمهم ." ( العبر في خبر من غبر للذهبي : ۱/۳۷ ، الناشر: دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان )

۲ ؎ " فيها معاوية بن خديج افريقية ." ( العبر في خبر من غبر للذهبي : ۱/۳۸ ، الناشر: دار الكتب العلمية ، بيروت )

۳ ؎ " وغزا رويفع بن ثابت الأنصاري أمير أطرابلس الغرب أفريقية ." ( العبر في خبر من غبر للذهبي : ۱/۳۹ ، الناشر: دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان )

۴ ؎ " فيها غزا يزيد بن معاوية القسطنطينية وقيل في سنة احدى ." ( العبر في خبر من غبر للذهبي : ۱/۴۰ ، الناشر: دار الكتب العلمية ، بيروت )

۵ ؎ " فيها غزا عبيد الله بن زياد فقطع نهر جيحون الي بخارا و افتتح بعض البلاد ." ( العبر في خبر من غبر للذهبي ۱/۴۲ ، الناشر: دار الكتب العلمية ، بيروت )

۶ ؎ " وفيها استعمل معاوية سعيد بن عثمان بن عفان علي خراسان فغزا سمرقند ." ( العبر في خبر من غبر للذهبي ۱/۴۴ ، الناشر: دار الكتب العلمية ، بيروت )

آپ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور "باب الصغیر" دمشق میں آپ رضی اللہ عنہ کو محو استراحت کر دیا گیا۔ ۱

---

۱ "صلی علیه ضحاک بن قیس، ودفن بمقابر باب الصغیر." (البداية والنهاية لابن كثير (بتغير يسير): ۸/۱۵۲، ۱۵۳، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

# سیدنا معاویہ ؓ کا دورِ ابتلاء و خلافت علمائے اہل سنت والجماعت کی نظر میں

تمہید:

اصل کتاب اور نفس مضمون کے شروع کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر انتہائی مختصر اور جامع مانع انداز میں سیدنا امیر معاویہ ؓ کے دورِ ابتلاء (یعنی خلیفہ بننے سے پہلے کے دور) اور "دورِ خلافت" (یعنی خلیفہ بننے کے بعد کے دور) میں رُونما ہونے والے حالات و واقعات کے متعلق اکابر علمائے اہل سنت والجماعت کا مسلک پیش کر دیا جائے تاکہ اپنا مسلک معلوم ہونے کے بعد اصل مضمون کے سمجھنے میں آسانی واقع ہو سکے اور افراط و تفریط اور زیغ و ضلال سے حفاظت کا سامان ہو سکے۔ فاقول وباللہ التوفیق:

## خلافت عثمانی کا زوال:

خلیفہ سوم سیدنا عثمان غنی ؓ کے آخری دور میں جو اختلافات کھڑے کئے گئے تھے، اُن کا بنیادی مقصد اسلامی شیرازہ کو بکھیرنا اور اُس کی مرکزی قوت کو پارہ پارہ کرنا تھا۔ اُس وقت کے فسادی الفطرت شریر لوگوں (جو بعد میں جاکر "سبائی" اور "خوارج" کے نام سے مشہور ہوئے) نے بظاہر یہ بہانا سامنے رکھ رکھا تھا کہ حضرت عثمان ؓ کے کارندوں اور اُن کے حکام نے اسلامی احکامات کو ترک کر رکھا ہے، اور اسلامی تعلیمات کے خلاف جبر و استبداد کا نظام اپنا رکھا ہے، سو اب جب کہ خلیفہ وقت اِن مسائل کے حل کرنے میں ناکام اور بے بس ہیں تو اُنہیں "منصب خلافت" خود ہی چھوڑ دینا چاہیے، لیکن حضرت عثمان ؓ اُن کے دام میں نہ آئے، اور اُن کا مطالبہ نہ مانا، وہ لوگ مختلف علاقہ جات سے آکر مدینہ منورہ میں ایک جگہ مجتمع ہوئے اور اُنہوں نے حضرت عثمان ؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا، جب حضرت عثمان ؓ کو اس صورت حال کا علم ہوا تو اُنہوں نے والی شام حضرت معاویہ ؓ اور والی بصرہ حضرت عبداللہ

بن عامر ؓ اور والی کوفہ کو مدینہ منورہ کے ان ابتر حالات سے خبردار کیا اور مفسدین کی مدافعت اور مدینہ منورہ سے اُن کے اخراج کے لئے فوجی دستے طلب کیے۔

اس پر حضرت معاویہ ؓ نے شام سے حضرت حبیب بن مسلمہ فہری ؓ کی قیادت میں ایک لشکر روانہ کیا، یزید بن اسد قشیری ؓ نے بھی ایک دستہ ارسال کیا اور اہل کوفہ و بصرہ نے بھی حفاظتی دستے مدینہ منورہ کی طرف بھیجے، لیکن جب مدینہ منورہ میں مفسدین کو امدادی لشکروں کے آنے کی خبر ملی تو اُنہوں نے محاصرہ تنگ کر دیا اور امدادی لشکروں کے مدینہ منورہ پہنچنے سے قبل ہی اُنہوں نے حضرت عثمان غنی ؓ کو شہید کر دیا۔

## حضرت علی المرتضیٰ ؓ کی بیعت خلافت:

حضرت عثمان غنی ؓ کی شہادت کے بعد مدینہ کے مہاجرین وانصار کی اکثریت نے جب سیدنا علی المرتضیٰ ؓ سے بیعت کر لی تو اُن کی دیکھا دیکھی میں باغی بھی حضرت علی المرتضیٰ ؓ کی بیعت پر آمادہ ہو گئے۔ حضرت علی ؓ چوں کہ اُن لوگوں سے دل برداشتہ اور ناخوش تھے، اس لئے اُنہوں نے برسر عام اُن کی بیعت لینے سے انکار کر دیا، لیکن جب صورت حال اور زیادہ پیچیدہ ہو گئی، اور مسلمانوں میں عام خانہ جنگی کا اندیشہ پیدا ہو گیا، تو حالات کی نزاکت کے پیش نظر حضرت علی المرتضیٰ ؓ نے اُن لوگوں کی بیعت قبول کر لی۔

## شہادت عثمانی ؓ کے صحابہ کرام ؓ پر اثرات:

مکہ، بصرہ اور شام کے صحابہ کرام ؓ کو جب اس صورت حال کا علم ہوا کہ جن لوگوں نے حضرت عثمان غنی ؓ کو ظلماً شہید کیا، وہ حضرت علی المرتضیٰ ؓ کی بیعت میں شامل ہیں، تو وہ بہت زیادہ پریشان خاطر ہوئے اور قصاص دم عثمان ؓ کے مسئلے کو تاخیر میں ڈالنے کی وجہ سے بہت زیادہ مضطرب ہوئے، حتیٰ کہ نزاکت حالات کے پیش نظر اُنہوں نے حضرت علی المرتضیٰ ؓ کے ہاتھ بیعت کرنے کے سلسلہ میں تاخیر کی اور اس موقع پر بیعت میں شامل نہیں ہوئے۔

اصل میں ان حضرات کے سامنے بھی یہی رائے تھی کہ قصاص دم عثمان ؓ کی کوئی بہتر صورت پیدا کر کے پہلے اس مسئلے کو حل کیا جائے اور بعد میں بیعت لی جائے، اس لئے کہ قصاص دم عثمان ؓ کے اس مسئلے کو تاخیر میں ڈالنا موجب فساد بھی ہے اور کئی خرابیوں کا باعث بھی۔

اہل مدینہ نے جب حضرت علی المرتضیٰ ؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو اُس کے بعد جلد ہی حضرت طلحہ ؓ اور

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ عمرہ کے ارادہ سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور بعض اُمہات المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہن وغیرہن پہلے ہی حج کے موقع پر وہاں تشریف لے گئی ہوئی تھیں۔ پھر ان حضرات کے وہاں "شہادتِ عثمانی رضی اللہ عنہ" کے قصاص کے مسئلہ میں مذاکرات ہوئے اور دیگر اکابرین کے ساتھ بھی اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی، آخر کار ان حضرات نے بصرہ کی طرف سفر اختیار کیا اور وہاں جنگ جمل کا واقعہ پیش آیا۔

## اہل شام کی طرف شہادت عثمانی رضی اللہ عنہ کی اطلاع:

شہادت عثمانی رضی اللہ عنہ کے اس اندوہناک واقعہ کے اثرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ پر بجلی بن کر گرے، چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، دیگر شامی صحابہ رضی اللہ عنہم اور اکابر تابعینؒ نے بھی قصاص دم عثمان رضی اللہ عنہ کے مطالبے کا اظہار کرنا شروع کر دیا، ان حضرات کی بھی یہی رائے ہوئی کہ حضرت قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے پہلے قصاص دم عثمان رضی اللہ عنہ لیا جائے پھر اُس کے بعد بیعت خلافت لی جائے، اس صورت کے بغیر ہمارا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت تسلیم کر لینا مشکل ہے۔

## عمالِ عثمانی رضی اللہ عنہ کی معزولی:

عنانِ خلافت سنبھالنے کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ عمالِ عثمانی رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے اُن کی جگہ نئے عمال کا تقرر کیا جائے، کیوں کہ عثمانی عمال "تحریک قصاص" سے متاثر تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مطمئن نہ تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ ابھی حالات انتہائی نازک ہیں، اس لئے عمالِ عثمانی رضی اللہ عنہ کو ابھی اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے، بعد میں حالات کے مطابق جو تبدیلی چاہے عمل میں لائی جائے [1]۔ لیکن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس رائے کو قبول نہیں فرمایا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے متعین کردہ عمال کو اپنے اپنے مناصب سے معزول کر دیا اور اُن کی جگہ اپنے عمال مقرر کر دیئے۔

چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے مصر، شام، بصرہ اور کوفہ وغیرہ علاقہ جات سے عمالِ عثمانی رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے اُن کی طرف اپنے کئی عمال روانہ کیے، لیکن وہاں کے لوگوں سے ان کے سخت معارضے پیش آئے اور مخالفتیں بھی سامنے آئیں، اور قصاص دم عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ بھی ہر جگہ سنا گیا، بلکہ یہ بات روز بروز شدت اختیار

---

[1] "لو ان ابن عباس رضي الله عنهما اشار على علي باستمرار نوابه في البلاد الى ان يتمكن الأمر وان يقر معاوية خصوصا على الشام" (البداية والنهاية لابن كثير: ۲۵۵/۷، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

کرلی گئی، اور حالات سدھرنے کے بجائے اُلٹا مزید بگڑتے گئے۔

جب حالات کسی بھی طرح نہ سدھرے تو جمادی الاخریٰ ۳۶ھ میں قصاص دم عثمان رضی اللہ عنہ کے مسئلے پر دو فریقوں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان "جنگ جمل" کا مشہور واقعہ پیش آیا، جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ غالب اور کامیاب ہوئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا لشکر مغلوب ہوا اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس جنگ میں شہید ہوئے۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ جنگ جمل کے حالات و واقعات جب ملک شام پہنچے تو اس موقع پر اہل شام نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو قصاص دم عثمان رضی اللہ عنہ کے مطالبے کے لئے آمادہ کیا اور اس مطالبے پر اُن کو اپنا امیر بنا کر اُن کے ہاتھ پر بیعت کی، یہ بیعت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لئے نہیں تھی، بلکہ صرف قصاص دم عثمان رضی اللہ عنہ کی طلب کے لئے تھی۔[1] حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُنہیں سمجھانے کے لئے سفیر بھیجے مگر وہ بیعت پر آمادہ نہ ہوئے، آخر خلافت اسلامیہ کو دو ٹکڑے ہونے سے بچانے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لشکر تیار کیا۔

اُدھر قصاص دم عثمان رضی اللہ عنہ کی طلب لئے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا لشکر محرم ۳۷ھ میں بلاد شام کے مشرقی جانب "صفین" نامی ایک مقام پر آوارد ہوا اور اِدھر حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شام کی مشرقی سرحد کے قریب آپہنچے اور دونوں فریق اپنی اپنی جماعتوں کے ساتھ مجتمع ہوگئے۔

## اہل شام کا مؤقف:

فریق اوّل (اہل شام) کا مؤقف یہ تھا کہ ہمارا مطالبہ صرف قصاص دم عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے خلافت کے بارے میں ہمارا کوئی نزاع نہیں، چوں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ظلماً قتل کیے گئے ہیں اور ان کے قاتلین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں موجود ہیں، لہٰذا اُن سے قصاص لیا جائے، نیز جب تک قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں ہیں اور اُن کو شرعی سزا نہیں دی جاتی، اُس وقت تک ہم بیعت نہیں کرسکتے، یا بصورت دیگر قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو ہمارے

---

[1] "عن ابن شهاب الزهري قال: لما بلغ معاوية رضي الله عنه وأهل الشام قتل طلحة والزبير رضي الله عنهما وهزيمة أهل البصرة وظهور علي رضي الله عنه عليهم دعا أهل الشام معاوية رضي الله عنه للقتال معه على الشورى والطلب بدم عثمان رضي الله عنه فبايع معاوية رضي الله عنه أهل الشام على ذلك أميرا غير خليفة"
(تاريخ دمشق لابن عساكر: ٥٩/١٢٦، الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع)

حوالے کر دیا جائے تا کہ ہم خود اُن سے دمِ عثمان کا قصاص لے سکیں۔ ل

## اہلِ عراق کا مؤقف:

جب کہ فریقِ ثانی (اہلِ عراق) کا مؤقف یہ تھا کہ پہلے خلیفۂ وقت کے ہاتھ پر بیعت کی جائے، اور اُس کے بعد قصاصِ دمِ عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ پیش کیا جائے، پھر اس کے بعد اس کا شرعی فیصلہ کیا جائے گا، نیز جب مہاجرین و انصار نے خلیفۂ وقت یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت قبول کر لی ہے، تو اہلِ شام کو بھی چاہیے کہ وہ بھی خلیفۂ وقت کی بیعت کریں، اگر وہ یہ صورت اختیار نہیں کریں گے تو وہ لوگ ہمارے نزدیک "باغی" کہلائیں گے اور ہمارا اُن سے قتال کرنا ضروری ہوگا۔ ۲

---

ل " وحجة معاوية ومن معه ما وقع معه من قتل عثمان مظلوماً و وجود قتلته باعيانهم في العسكر العراقي ." (فتح الباری شرح صحیح البخاری لابن حجر العسقلانی : ۲۸۸/۱۳ ألناشر : دار المعرفة ، بیروت)

" فلما بويع له طلب أهل الشام في شرط البيعة التمكن من قتلة عثمان وأخذ القود منهم ، فقال لهم عليٌّ : أدخلوا في البيعة واطلبوا الحق تصلوا اليه ." فقالوا : لا تستحق بيعة وقتلة عثمان معك تراهم صباحاً ومساءً ." (ألجامع لأحكام القرآن المعروف بتفسير القرطبي : ۳۱۸/۱۶ ، ألناشر : دار الكتب المصرية ، ألقاهرة)

۲ " وبعثه وكتب معه كتاباً الي معاوية يعلمه باجتماع المهاجرين والأنصار علي بيعته ويخبره بما كان في وقعة الجمل ويدعوه الي الدخول فيما دخل فيه الناس ." (ألبداية والنهاية : ۲۸۲/۷ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي)

" وكان عليٌّ يقول : أدخل في البيعة واحضر مجلس الحكم واطلب الحق تبلغه ." (شرح الترمذي لابن العربي ألمالكي : ۲۲۹/۱۳)

" فقال لهم علي رضي الله عنه : أدخلوا في البيعة واطلبوا الحق تصلوا اليه ." (ألجامع لأحكام القرآن المعروف بتفسير القرطبي : ۳۱۸/۱۶ ، ألناشر : دار الكتب المصرية ، ألقاهرة)

" وكان رأي عليٍّ رضي الله عنه أنهم يدخلون في الطاعة ثم يقوم وليُّ دم عثمان رضي الله عنه فيدعي به عنده ثم يعمل معه ما يوجبه حكم الشريعة المطهرة ." (الاصابة في معرفة الصحابة : ۴۶۶/۴ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت)

" اذ حجة عليٍّ ومن معه ما شرع لهم من قتال أهل البغي حتي يرجعوا الي الحق ." (فتح الباری شرح صحيح البخاری : ۲۸۸/۱۳ ، ألناشر : دار المعرفة ، بيروت) و (كتاب التمهيد لابي شكور السالمي : ص ۱۶۶ ، ۱۶۷ ألناشر : حزب الأحناف ، لاهور)

## رنگ میں بھنگ یعنی فریقین کے درمیان مساعیِ صلح میں فسادیوں کا کردار:

ہر چند کہ اس موقع پر بعض اکابر نے دونوں فریقوں کے درمیان رفعِ نزاع اور صلح کی مساعی کیں، لیکن ان مخلصین حضرات کے علاوہ عوامی قسم کے بہت سے شریر عناصر بھی یہاں موجود تھے جو اپنی جبلتی شر پسندی اور فطرتی فساد انگیزی کے سبب فریقین کو ایک دوسرے سے قریب کرنے کے بجائے اُلٹا اُن میں بدظنی پھیلانے، انہیں ایک دوسرے سے دُور کرنے اور معاملہ سلجھانے کے بجائے مزید الجھا دینے اور صلح کے بجائے قتال قائم رکھنے پر مصر ہوئے، اس لئے ان مخلصین کی طویل جد و جہد کے بعد بھی کوئی مابہ الاتفاق ایسی چیز سامنے نہ آسکی کہ جس پر نزاع ختم ہوسکتا، اور فریقین اپنے اپنے موقف سے دست بردار ہونے پر آمادہ نہ ہوئے اور حالات میں روز بروز شدت بڑھتی چلی گئی۔

چنانچہ لڑائی شروع ہوئی اور گھمسان کا رن پڑا اور فریقین کے ہزاروں آدمی قتل ہوگئے، حضرت علی ؓ کی جماعت میں سے حضرت عمار بن یاسر ؓ اور حضرت خزیمہ بن ثابت ؓ وغیرہ ما کبار صحابہ کرام ؓ شہید ہوئے، جب کہ حضرت معاویہ ؓ کی جماعت میں سے حضرت عبید اللہ بن عمر بن خطاب ؓ، حضرت ذو الکلاع ؓ اور حضرت حوشب ؓ، وغیرہ اہم حضرات شہید ہوئے، باقی مقتولین کی صحیح تعداد سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو معلوم نہیں۔[1]

## تحکیم الحکمین:

اس موقع پر اہل شام کی طرف سے قتال ختم کرنے کے لئے یہ تدبیر اختیار کی گئی کہ اللہ کی کتاب کا فیصلہ فریقین کو تسلیم کرلینا چاہیے' چنانچہ حضرت علی ؓ نے باہمی مصالحت کی اس دعوت کو قبول فرمایا، اور کتاب اللہ کے حکم کے مطابق دونوں فریق اس پر عمل کرنے کے لئے آمادہ ہوگئے، اور لڑائی بند کردی گئی، اور طے یہ ہوا کہ ہر ایک فریق کی طرف سے ایک ایک حکم (ثالث) اس مسئلہ کے فیصلہ کے لئے مقرر کیا جائے۔

چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ ؓ کی جانب سے حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ، حکم منتخب ہوئے اور حضرت معاویہ

---

[1] "وكان ممن قتل مع معاوية ذو كلاع وحوشب و عبيد الله بن عمر بن الخطاب وعمرو بن الحضرمي وحابس بن سعد الطائي وعروة بن داؤد الدمشقي في جماعة كثيرة . وقتل من أصحاب عليٍّ عمار بن ياسر وهاشم بن عتبة بن أبي وقاص وعبد الله بن بديل بن ورقاء الخزاعي وعبد الله بن كعب المرادي وعبد الرحمان بن كلدة جمحي في جماعة كثيرة ."

(تاريخ خليفة بن خياط: ١٩٤/١، الناشر: دار القلم، مؤسسة الرسالة، دمشق، بيروت)

رضی اللہ عنہ کی جانب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ثالث تسلیم کئے گئے اور طے یہ ہوا کہ کتاب اللہ کی روشنی میں یہ دونوں حضرات جو فیصلہ کریں گے وہ منظور کرلیا جائے گا، لیکن آخرکار یہ دونوں فیصل حضرات کسی ایک چیز پر متفق نہ ہو سکے اس بناء پر لوگوں میں افتراق و انتشار مزید بڑھ گیا۔

واقعہ تحکیم کے بعد اہل شام نے شام کی حکومت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کردی، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ماہ ذی قعدہ ۳۷ھ میں اپنے لئے اہل شام سے امارت کی بیعت لے لی۔ (یہ بیعت "بیعت امارت" تھی "بیعت خلافت" نہیں تھی۔) [1]

تحکیم میں ناکامی کے واقعہ سے لے کر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح ۴۰ھ تک کے درمیانی دور میں فریقین کے عمال اور فوجی قائدین کے درمیان جو تصادم اور تعارض کے مختلف واقعات پیش آئے اُن کی حیثیت مقامی اور وقتی جھڑپوں سے زیادہ نہیں، خود حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین اس دور میں کوئی بڑا معرکہ برپا نہیں ہوا۔

چنانچہ ۳۸ھ اور ۳۹ھ کے درمیان دونوں گروہوں کے مابین مختلف علاقہ جات میں معارضات کے متعدد واقعات پیش آئے جن کے اسباب وعلل جو کچھ بھی ہوں ان کی تفصیلات ذکر کرنا مطلوب نہیں، تاہم اتنا ذکر کر دینا لازمی ہے کہ ان حالات میں ایک قسم کی اضطرابی کیفیت تھی اور ملک میں باہمی انتشار کا دور دورہ تھا۔

اندریں حالات دونوں فریقین کے درمیان حرب وضرب کے سلسلے کو ختم کرنے کے لئے مراسلت ومکاتبت ہوئی جس کے نتیجہ میں ۴۰ھ کے وسط میں بین الفریقین صلح ہوگئی اور یہ صلح درج ذیل تفصیلات پر مشتمل تھی:

۱- عراق کا ملک اور اُس کے ملحقات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حکم کے تحت ہوں گے۔

۲- ملک شام اور اُس کے ملحقات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے تحت ہوں گے۔

۳- کوئی ایک فریق دوسرے فریق کے علاقہ پر فوج کشی اور غارت گری نہیں کرے گا۔

۴- ہر دو فریق ایک دوسرے کے خلاف قتال سے گریز کریں گے، اور کسی ایک فریق کے علاقہ میں دوسرا فریق اپنی فوج نہیں بھیجے گا۔ [2]

---

[1] "وبايع أهل الشام لمعاوية بالخلافة في ذي القعدة سنة سبع وثلاثين" (تاريخ خليفة بن خياط: ۱۹۲/۱، الناشر: دار القلم، مؤسسة الرسالة، دمشق، بيروت)

[2] "وفي هذه السنة فيما ذكر جرت بين عليّ وبين معاوية المهادنة بعد مكاتبات جرت بينهما يطول بذكرها=

## جنگ جمل وصفین کے فریقین کی صحیح حیثیت:

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے جو جنگیں لڑیں وہ کسی سیاسی اختلاف کی بناء پر اقتدار کے حصول کی خاطر نہیں تھیں بلکہ تحفظ دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر تھیں اور دونوں فریقوں کا موقف اس بارے میں دیانت دارانہ اور مبنی پر اجتہاد تھا۔ چنانچہ ہر ایک فریق دوسرے کو رائے اور اجتہاد میں غلطی پر ضرور سمجھتا تھا لیکن کسی کو فاسق قرار نہیں دیتا تھا، یہی وجہ ہے کہ شاید دُنیا کی تاریخ میں یہ ایک دو ہی جنگیں ایسی ہوں کہ جن میں دن کے وقت فریقین میں جنگ ہوتی اور رات کے وقت ایک لشکر کے لوگ دوسرے لشکر میں جا کر ان کے مقتولین کی تجہیز و تکفین میں حصہ لیا کرتے تھے۔ [۱]

چنانچہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ: ''کیا اہل بغاوت (جمل وصفین والے) مشرک ہیں؟'' تو آپؓ نے فرمایا کہ: ''یہ لوگ تو شرک سے بھاگ کر اسلام کی طرف آئے ہیں، یہ کیسے مشرک ہو سکتے ہیں؟''۔ پوچھا گیا کہ: ''پھر یہ لوگ منافق ہیں؟''۔ تو آپؓ نے فرمایا کہ: ''منافق لوگ تو اللہ تعالیٰ کو بہت کم یاد کرتے ہیں'' (اور یہ لوگ تو بہت کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں) پھر پوچھا گیا کہ: ''آخر ان کا کیا حکم ہے اور یہ کس درجہ کے لوگ ہیں؟''۔ تو آپؓ نے فرمایا کہ: ''یہ ہمارے بھائی ہیں انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔'' [۲]

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرمودات کی روشنی میں یہ چیز اس طرح واضح ہوئی کہ

---

= الكتاب علي وضع الحرب بينهما ويكون لعليّ العراق ، ولمعاوية الشام فلا يدخل أحدهما عليٰ صاحبه في عمله بجيش ولا غارة ولا غزوة ." (تاريخ طبري: ٥/ ١٤٠ ، الناشر : دار التراث ، بيروت )

" وامسک كل واحد منهما عن قتال الآخر و بعث الجيوش الي بلاده واستقر الأمر علي ذلک ."

( كتاب التمهيد لأبي الشكور السالمي : ١٦٩ ، الناشر : حزب الأحناف ، لاهور )

[۱] "وكانوا اذا تحاجزوا دخل هٰؤلاء في عسكر هٰؤلاء ، وهٰؤلاء في عسكر هٰؤلاء ، فيستخرجون قتلاهم فيدفنونهم "

(البداية والنهاية : ٧/ ٣٠٨ ، الناشر : دار احياء التراث العربي )

[۲] " سئل عليٌّ بن أبي طالب ( رضي الله عنه ) وهو القدوة عن قتال أهل البغي من أهل الجمل وصفين أمشركون هم ؟ قال : لا ، من الشرک فروا . فقيل : أمنافقون ؟ . قال : لا ، لأن المنافقين لا يذكرون الله الا قليلاً ، قيل له : فما حالهم ؟ . قال : اخواننا بغوا علينا ." ( الجامع لأحكام القرآن المعروف بتفسير القرطبي : ١٦/ ٣٢٣ ، ٣٢٤ ، الناشر : دار الكتب المصرية ، القاهرة )

"اخواننا بغوا علینا ." [1]

ترجمہ: ہمارے بھائیوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی۔

میں "اخوت" سے "اخوت دینی" مراد ہے اور "بغاوت" سے بغاوت فقہی اصطلاحی مراد ہے، یعنی شرعی خلیفہ کی اطاعت نہ کرنا اور کسی علاقے پر قابض ہو جانا وغیرہ اور عرفی بغاوت یعنی سرکشی، مار دھاڑ، ظلم وستم پر مبنی خروج مراد نہیں۔

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم لکھتے ہیں:

"حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت چوں کہ نہایت نہایت مضبوط سے منعقد ہو چکی تھی اس لئے حضرت عائشہؓ یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ان کے خلاف قتال کرنا بلاشبہ غلط تھا اور دنیوی احکام کے اعتبار سے "بغاوت" کے ذیل میں آتا تھا جو نفس الامر کے لحاظ سے گناہ کبیرہ یعنی فسق ہے، اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ان سے جنگ لڑنا جائز اور برحق تھا، لیکن چوں کہ حضرت عائشہؓ ہوں یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں سے یہ عمل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عداوت یا بغض کی وجہ سے نہیں، بلکہ شبہ اور تاویل کی بناء پر صادر ہوا تھا اور بہر حال وہ بھی اپنے پاس دلائل رکھتے تھے جو غلط فہمی پر مبنی سہی لیکن دیانت دارانہ تھے اس لئے اُخروی احکام کے اعتبار سے ان کا یہ عمل "اجتہادی غلطی" کے ذیل میں آتا ہے، اسی لئے ان پر طعن کرنا جائز نہیں۔" [2]

## جنگ صفین میں فریقین میں سے حق پر کون تھا؟

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس مسئلے کو وضاحت کے ساتھ پیش کر دیا جائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ علمائے اہل سنت والجماعت کے نزدیک جنگ صفین میں فریقین میں سے حق پر کون تھا؟ تو اس بارے میں علمائے اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ اس جنگ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے خطائے اجتہادی سادر ہوئی تھی، لیکن اس کی وجہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کرنا یا آپ کو فاسق وفاجر کہنا جائز نہیں، بلکہ آپ کو اس جنگ میں مخلص اور نیک سمجھنا اور آپ کے مقام صحابیت کا پورا پورا احترام بجالانا شرعاً جائز ہی نہیں بلکہ

---

[1] (الجامع لاحکام القرآن المعروف بتفسیر القرطبي: ١٦/٣٢٣، ٣٢٤، الناشر: دار الکتب المصریة، القاهرة)

[2] (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق، ص ٢٦٢، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

واجب ہے، البتہ آپؓ کے حق میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ شبہ اور تاویل میں لغزش کی بناء پر آپؓ سے اس بارے میں خطائے اجتہادی صادر ہوئی تھی جو نوع کے لحاظ سے خروج تھا، جب کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس بارے میں مجتہد مصیب ہونے کے سبب حق پر اور نوع کے لحاظ سے شرعی خلیفہ تھے۔

اس میں شک نہیں کہ اجتہادی اُمور میں قطعی اور یقینی طور پر کسی بھی ایک فریق کو مجتہد مخطی یا مجتہد مصیب نہیں کہا جا سکتا کہ اصل حقیقت حال کی اطلاع تو شارع کے علاوہ کسی کو بھی نہیں ہو سکتی، تاہم اگر شارع کی طرف سے کسی ایک فریق کے بارے میں خطائے اجتہادی یا خطائے غیر اجتہادی کا تعین کر دیا جائے تو اُس صورت میں قطعی اور یقینی طور پر اُس فریق کو مجتہد مخطی یا مجتہد مصیب کہا جا سکتا ہے، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ اسی نوعیت کا ہے۔

چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے' نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"تقتلک الفئة الباغیة ." [1]

ترجمہ: تجھے ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔

اور اس بات پر تمام علمائے اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک افسر حضرت ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ پس ثابت ہوا کہ جنگ صفین میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مصیب اور حق پر تھے اور ان کے مدمقابل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مخطی تھے اور خلیفہ برحق کے خلاف بغاوت کر رہے تھے۔

چنانچہ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم لکھتے ہیں:

> "یہاں یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ جن لوگوں (علماء) نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے "باغی" یا "امام جائر" کا لفظ استعمال کیا ہے، اُن کی مراد بھی خود اُن کی تصریح کے مطابق صرف یہی ہے کہ وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی صلح سے قبل نفس الامر کے اعتبار سے برسر حق نہ تھے، ورنہ چوں کہ اُن کی یہ "بغاوت" تاویل کے ساتھ تھی اس لئے وہ مجتہد مخطی تھے۔ ملاحظہ فرمائیے!: (فتح القدیر: ۵/۴۶۱) و (ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء: ۱/۷) و (تطهیر الجنان بهامش الصواعق: ۴۰۔" [2]

---

[1] (صحیح المسلم: ۴/۲۲۳۶، الناشر: دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان)

[2] (حاشیہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق، ص ۱۵۱، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

## باہمی مصالحت اور معاہدۂ جنگ بندی:

۴۰ھ جب "اہل عراق" اور "اہل شام" کے درمیان جنگ بندی کا معاہدہ ہو گیا اور دونوں فریقوں کے درمیان صلح ہو گئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان قیام امن کے یہ حالات دشمنان اسلام کو کسی بھی طرح گوارا نہ ہوئے، اُنہوں نے جب یہ دیکھا کہ مسلمان آپس میں لڑنے کے بجائے ایک دوسرے کے قریب ہو رہے ہیں اور مسلمانوں کے حالات اب کشیدگی سے امن کی طرف سفر کرنے لگ گئے ہیں تو اُنہوں نے اسی سال رمضان ۴۰ھ میں ایک خاص منصوبہ کے تحت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملے کروائے اور اسلام سے اپنے بغض وعداوت کا پورا ثبوت دیا۔

## شہادت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ:

چنانچہ تین خارجی اکٹھے ہوئے: (۱) ابن ملجم (۲) برک بن عبداللہ تمیمی (۳) عمرو بن بکر تمیمی۔ ابن ملجم نے کہا: "علی رضی اللہ عنہ کو ختم کرنے کی ذمہ داری میں لیتا ہوں۔" برک نے کہا: "معاویہ رضی اللہ عنہ کا صفایا کرنا میرے ذمہ ہے۔" عمر بن بکر نے کہا: "عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو میں دیکھ لوں گا۔"

چنانچہ ابن ملجم کوفہ پہنچ گیا اور شب جمعہ مؤرخہ ۱۷ رمضان المبارک کو اُس دروازے کے چھجے کے نیچے آکر بیٹھ گیا جس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز کے لئے نکلا کرتے تھے، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز کے لئے اس دروازے سے نکلے تو ابن ملجم نے آپ ؓ کے سر کے اگلے حصے پر وار کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آواز دی کہ اس کو پکڑو! ابن ملجم پکڑا گیا، اس کے بعد آپ ؓ نے فرمایا: "اگر میں مر جاؤں تو اس کو قتل کر دینا اور اگر زندہ رہ گیا تو مجھے معلوم ہے کہ اس کے ساتھ کیا کرنا ہے۔" [1] لیکن حضرت علی اس بیماری سے جانبر نہ ہو سکے اور ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ھ کو صبح صادق کے وقت جمعہ کے روز تریسٹھ برس کی عمر میں سفر آخرت اختیار کر گئے۔

---

[1] "فاما ابن ملجم فسار الیٰ الکوفة فدخلها و جلس لیلة الجمعة لسبع عشرة لیلة خلت مقابل السدة التي يخرج منها عليٌ، فلما خرج عليٌ ضربه ابن ملجم بالسيف عليٰ قرنه، فسال دمه علي لحيته رضي الله عنه ونادىٰ: عليكم به، وامسك ابن ملجم، ثم قال عليٌ: ان مت فاقتلوه وان عشت فانا أعلم كيف اصنع به" (البداية والنهاية لابن كثير ۳۲۹/۷ (بحذف واختصار) الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان) و (الكامل في التاريخ لابن أثير ۳/۳۹۴ (الناشر: دار الكتاب العربي، بيروت، لبنان) و (تاريخ ابن خلدون: ۶۴۶/۲، الناشر: دار الفكر، بيروت)

## حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اہل عراق نے جلد ہی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بیعت خلافت کر لی، کچھ قلیل عرصہ تک تو حالات حسب معمول پر سکون رہے، لیکن چند ماہ بعد بعض امراء اور اہل جیش نے آپ کو اہل شام کے ساتھ قتال پر آمادہ کرنا چاہا تھا، لیکن حضرت حسن رضی اللہ عنہ قتال بین المسلمین کو پسند نہیں فرماتے تھے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا جس میں اُن کے سامنے صلح کی تجویز رکھی اور چند شرطیں رکھیں کہ اگر وہ اس کو قبول کر لیں تو وہ امارت سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دست بردار ہو جائیں گے اور مسلمان خون ریزی سے بچ جائیں گے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی تمام شرطیں کھلے دل سے قبول فرمائیں اور اُن کا پوری طرح ایفاء کیا، اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر کے امر خلافت آپ کے سپرد کر دیا اور خود خلافت جیسے عظیم مگر انتہائی نازک عہدے سے علیحدہ ہو گئے، اس بناء پر اس سال "عام الجماعت" کہا جاتا ہے۔ [۱]

## عام الجماعت:

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین اس صلح کی اہل اسلام کے نزدیک بڑی اہمیت ہے، کیوں کہ اس کے ذریعے جہاں ایک بہت بڑے انتشار بین المسلمین کا خاتمہ ہوا تو وہیں اتفاق بین المسلمین کا دور دورہ بھی شروع ہو گیا اور تمام اہل اسلام ایک بار پھر ایک کلمہ پر مجتمع ہو گئے۔ [۲] اور انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنا متفقہ امیر اور خلیفہ تسلیم کر کے اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور فرقت کے بعد دوبارہ ایک مرکز پر متفق ہو گئے۔ [۳]

## مصالحت حسن رضی اللہ عنہ کی صحت وحقانیت:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے درمیان یہ مصالحت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی:

"ان ابني هذا سيد ولعل الله أن يصلح به بين فئتين

---

۱ "وصالح الحسن بن عليٌ معاوية بن أبي سفيان وسلم له الأمر وبايعه الناس جميعاً فسمي عام الجماعة " (تاريخ دمشق لابن عساكر: ۱۱۹/۵۹، الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع)

۲ " فلما تواجه الجيشان و تقابل الفريقان سعى الناس بينهما في الصلح فانتهى الحال الى أن خلع الحسن نفسه من الخلافة وسلم الملك الى معاوية بن أبي سفيان "(البداية والنهاية: ۲۳/۸، الناشر: دار احياء التراث العربي)

۳ (صحيح البخاري: ۱۸۶/۳، الناشر: دار طوق النجاة)

عظیمتین من المسلمین۔" ۳

ترجمہ: بے شک میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔

کا مصداق ٹھہری، جس میں بنو ہاشم کے حضرات اور بہت سے کبار صحابہ ؓ بھی شامل تھے جن کے مدت العمر حضرت معاویہ ؓ کے ساتھ تعلقات اور روابط دُرست رہے ان کے عمل وتعاون سے گویا اس صلح کی صحت پر مہر تصدیق ثبت ہوگئی اور پھر جن حضرات نے حضرت معاویہ ؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کرلی، تو اس کے بعد حضرت معاویہ ؓ خلیفہ برحق قرار پائے اور مسلمانوں کے امیر المؤمنین ٹھہرے اور امام صادق کے لقب کے مستحق ہوئے۔

## خلافت یا ملوکیت؟ ایک شبہ اور اُس کا ازالہ:

حضرت معاویہ ؓ کا عہد حکومت بلاشبہ خلافت راشدہ ہی کا آئینہ دار اور اس کے مشابہ تھا، لیکن اُس معیار کا نہ تھا جس معیار کا عہد حکومت حضرات خلفائے راشدین ؓ کا تھا، نیز ایک حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"الخلافة بعدي ثلاثون سنة ثم تكون ملكا۔" [1]

ترجمہ: میرے بعد خلافت تیس (۳۰) سال رہے گی پھر بادشاہت ہوگی۔

اور یہ تیس سال مصالحت حسن ؓ پر پورے ہوگئے۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ مصالحت حسن ؓ کے بعد خلافت 'خلافت' نہیں رہی بلکہ اُس نے ملوکیت کی صورت اختیار کرلی اور اس طرح خلافت سے ملوکیت کا دور شروع ہوگیا، لیکن اس سے حضرت معاویہ ؓ کے مقام ومرتبہ پر کچھ اثر نہیں پڑتا اس لئے کہ قرآن مجید کی رُو سے ملک عطا کیا جانا اور ملوک بنایا جانا کوئی مذموم چیز نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان اور نعمت ہے، جیسے خود اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اپنے نیک بندوں کے حق میں بطور نعمت کے ذکر کرتے ہیں کہ

"یقوم اذكروا نعمة الله عليكم اذ جعل فيكم أنبياء وجعلكم ملوكاً وآتكم مالم يؤت أحداً من العلمين۔" [2]

---

[1] (صحيح ابن حبان، ج ١٥/ ٣٦٢، الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت)

[2] (المائدة ٥: ٢٠)

ترجمہ: اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی نعمت جو تم پر ہے اس کو یاد کرو جب کہ تم میں انبیاء کو بنایا اور تم کو بادشاہ اور ملوک بنایا اور تم کو وہ چیزیں عنایت کیں جو اس دور کے لوگوں میں سے کسی کو عطا نہیں کیں۔ (ترجمہ ختم)

چنانچہ کبار علماء نے خلافت و ملوکیت دونوں کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات میں جمع کرنے کی ایک نہایت ہی مناسب اور برمحل تطبیق کی ہے جس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیک وقت خلیفہ برحق اور بادشاہ عادل ہونا مترشح ہوتا ہے، وہ یہ کہ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت کو حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد حکومت کی نظر سے دیکھا جائے تو آپ کا عہد حکومت "ملوکیت" نظر آتا ہے اور اگر آپ کے بعد کے خلفاء کے عہد حکومت کی نظر سے دیکھا جائے تو آپ کا عہد حکومت خلافت عادلہ نظر آتا ہے۔

چنانچہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفیٰ) لکھتے ہیں:

"فلم يكن من ملوك المسلمين ملك خير من معاوية ولا كان الناس في زمان ملك من الملوك خيراً منهم في زمن معاوية اذا نسب أيامه الى أيام من بعده واما اذا نسبت الى ايام ابي بكر وعمر ظهر التفاضل."[1]

ترجمہ: مسلمان بادشاہوں میں سے کوئی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر نہیں ہوا اور اگر ان کے زمانے کا مقابلہ بعد کے زمانوں سے کیا جائے تو عوام کسی بادشاہ کے زمانے میں اتنے بہتر نہیں رہے، جتنے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں۔ ہاں اگر ان کے زمانے کا مقابلہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے کیا جائے تو فضیلت کا فرق ظاہر ہو جائے گا۔ (ترجمہ ختم)

## استلحاق زیاد کا مسئلہ:

۴۴ھ میں "استلحاق زیاد" کا واقعہ پیش آیا جس کا مختصر پس منظر یوں اس طرح سے ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد ماجد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے زمانہ جاہلیت کے رسم و رواج کے مطابق ایک عورت سے نکاح کیا جس سے

---

[1] (منهاج السنة النبوية في نقض كلام الشيعة القدرية لابن تيمية ۶/ ۲۳۲ بالناشر: جامعة الامام محمد بن سعود الاسلامية)

زیاد کا تولد ہوا جس کا انتساب حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی طرف کیا گیا اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اس کے انتساب کا اقرار کیا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب زیاد کے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نسبی انتساب کا علم ہوا تو انہوں نے اس پر شواہد اکٹھے کئے، جب تمام گواہوں نے زیاد کے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نسبی انتساب کی گواہی دے دی، تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کو اپنے ساتھ استلحاق کرلیا، لیکن "استلحاق زیاد" کے اس واقعہ کو اُس دور کے بعض دیگر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم درست نہیں سمجھتے تھے، اس لئے کہ شرعی قاعدہ ہے کہ:

"الولد للفراش وللعاهر الحجر"[1]

ترجمہ: اولاد صاحب فراش کی ہوتی ہے اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔

جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے اجتہاد کی رُو سے یہ استلحاق درست سمجھتے تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی دلیل اس بارے میں یہ تھی کہ مذکورہ بالا شرعی قاعدہ اپنی جگہ بالکل صحیح اور درست ہے، لیکن اس کا عمل اُس وقت درست ہے جب کہ صاحب فراش کی طرف سے اولاد کے حق میں دعویٰ پایا جائے، حالاں کہ زیاد جس کے بستر پر پیدا ہوا ہے (یعنی عبید مولیٰ ثقیف) اُس کی طرف سے زیاد کے بارے میں کوئی دعویٰ نہیں پایا جاتا ہے اس لئے زیاد کا اپنے ساتھ استلحاق کرنا جائز ہے، لیکن بعد میں جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا، جس میں زیاد کے واقعہ کے برعکس صاحب فراش کا دعویٰ بھی موجود تھا تو آپؓ نے اس کا فیصلہ اس طرح فرمایا کہ: "حضور اقدس ﷺ کا فرمان ہے کہ: "بچہ صاحب فراش کا ہوتا ہے اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔" تو فریق مخالف نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ پھر زیاد کے حق میں آپ نے یہ فیصلہ کیوں صادر نہیں فرمایا؟ تب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے اجتہاد کا خطا ہونا معلوم ہوا اور آپؓ نے فرمایا کہ: "نبی اکرم ﷺ کا فیصلہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے فیصلے سے بہتر ہے۔" اس طرح آپؓ نے اپنے اجتہاد سے جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کے مسلک کی طرف رجوع کرلیا۔[2]

استخلافِ یزید:

یزید کی ولی عہدی کے مسئلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا باہمی اختلاف تھا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یزید کو محض اپنا بیٹا

---

[1] (صحیح البخاري: ۳/۵۴، الناشر: دار طوق النجاة)

[2] (إعلاء السنن للعلامة ظفر أحمد العثماني: ۱۵/۴۹۸ ــــ ۵۰۰، الناشر: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراتشي)

[3] (مسند أبي يعلى الموصلي: ۱۲/۳۸۳، الناشر: دار المأمون للتراث، دمشق)

ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اسے خلافت کا اہل سمجھنے کی وجہ سے ولی عہد بنانا چاہتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت دیانت داری کے ساتھ ان کی ہم نوا تھی، اور وہ پانچ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے اس کی مخالفت کی تھی وہ کسی ذاتی خصومت یا حرصِ اقتدار کی بناء پر مخالفت نہیں کر رہے تھے، بلکہ وہ دیانت داری سے یہ سمجھتے تھے کہ یزید خلافت کا اہل نہیں ہے، تاہم جمہور اُمت کا کہنا یہ ہے کہ اس معاملے میں رائے اُنہی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحیح تھی جو یزید کو ولی عہد بنانے کے مخالف تھے۔

اس کی مختلف وجوہ ذکر کرتے ہوئے شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم ارقام فرماتے ہیں:

> ''۱- حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تو بے شک اپنے بیٹے کو نیک نیتی کے ساتھ خلافت کا اہل سمجھ کر ولی عہد بنایا تھا، لیکن اُن کا عمل ایک ایسی نظیر بن گیا جس سے بعد کے لوگوں نے نہایت ناجائز فائدہ اُٹھایا، اُنہوں نے اس کی آڑ لے کر خلافت کے مطلوبہ نظامِ شوریٰ کو درہم برہم کر ڈالا، اور مسلمانوں کی خلافت بھی شاہی خانوادے میں تبدیل ہو کر رہ گئی۔
>
> ۲- بلاشبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں یزید کا فسق و فجور کسی قابلِ اعتماد روایت سے ثابت نہیں، اس لئے اس کو خلافت کا اہل تو سمجھا جا سکتا تھا، لیکن اُمت میں ایسے حضرات کی کمی نہیں تھی جو نہ صرف دیانت و تقویٰ بلکہ ملکی انتظام اور سیاسی بصیرت کے اعتبار سے بھی یزید کے مقابلے میں بدرجہا بلند مقام رکھتے تھے، اگر خلافت کی ذمہ داری ان کو سونپی جاتی تو بلاشبہ وہ اس سے کہیں بہتر طریقے پر اہل ثابت ہوتے۔
>
> یہ درست ہے کہ افضل کی موجودگی میں غیر افضل کو خلیفہ بنانا شرعاً جائز ہے۔[۱] (بشرطیکہ اس میں شرائطِ خلافت موجود ہوں) لیکن افضل یہی ہے کہ خلیفہ ایسے شخص کو بنایا جائے جو تمام اُمت میں اس منصب کا سب سے زیادہ لائق ہو۔
>
> ۳- نیک نیتی کے ساتھ بیٹے کو ولی عہد بنانا بھی شرعاً جائز تو ہے، لیکن ایک طرف موضعِ تہمت ہونے کی وجہ سے اس سے بچنا ہی بہتر ہے، اور شدید ضرورت کے بغیر ایسا کرنا

---

[۱] الأحکام (ل) لغایۃ للماوردی ص ۶ المکتبۃ المحمودیہ مصر، الاحکام السلطانیۃ لابی یعلی الفراء ص ۷ طبع مصطفی البابی، العواصم من القواصم ص ۲۱۱ المکتبۃ السلفیۃ، المسایرۃ لابن الھمام- ص ۱۳۶، ۱۳۷ مکتبہ دار العلوم دیوبند بحوالہ حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق (ص ۱۳۴، ۱۳۵)

اپنے آپ کو ایک سخت آزمائش میں ڈالنا ہے، اسی لئے تمام خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے اس سے پرہیز کیا، خاص طور سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تو لوگوں کے کہنے کے باوجود اپنے قابل اور لائق فرزندوں کو ولی عہد بنانے سے صاف انکار کر دیا تھا۔[1]

یزید اور اُس کی ولی عہدی کے سلسلے میں ہم نے اوپر جو کچھ کہا ہے، جمہور اُمت کے معتدل اور محقق علماء کا یہی مسلک ہے۔"[2]

[1] تاریخ الطبری: ۲۹۲/۳ و ۱۱۲/٤، ۱۱۳، المطبعة الاستقامة، القاهرة، بحوالہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق: ص ۱۴۳، ۱۴۵، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

[2] (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق: ۱۳۳ ۔ ۱۳۵، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

## ……نقاب کشائی یا تلخ نوائی……

اشاعت اسلام، تبلیغ دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کے سلسلہ میں حضرات انبیائے عظام، صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ، ائمہ مجتہدینؒ اور آج تک ہمارے اکابرین و اسلاف نے جو ان تھک محنتیں، پیہم کوششیں، مسلسل جدوجہد اور مختلف ملکوں اور علاقوں کی خاک چھانی ہے اسے کسی طرح بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ و التسلیمات اللہ تعالیٰ کا پاک دین لے کر اس دنیا میں تشریف لائے، اس کی نشر و اشاعت کی اور اسے دُنیا کے چپے چپے تک پہنچا کر اس کا حق ادا کر دیا۔ اسی طرح ان کے بعد ان کے دیگر متبعین و حواریین نے بھی اس کی خوب نشر و اشاعت کی اور اسے چہار دانگ عالم میں پھیلا کر یہ امانت دوسروں کے ہاتھوں میں پہنچا کر راہیٔ آخرت ہو گئے۔

آج ہم تک جو اتنی شان و شوکت اور قوت کے ساتھ یہ دین پہنچا ہے یہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا و سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات اطہر کو عطا فرمایا، آپؐ نے اس کی خوب نشر و اشاعت کی، اس کو پھیلانے میں دن دگنی رات چگنی محنت کی، اور اپنا تن، من، دھن سبھی کچھ اس پر لگا دیا، اور اپنے دنیا سے جانے سے پہلے اپنی تئیس سالہ محنت کے نتیجہ میں وجود میں آنے والی حضرات صحابہ کرامؓ کی مقدس جماعت کے ہاتھوں میں اللہ تعالیٰ کی یہ امانت سپرد کر کے اس دُنیا سے تشریف لے گئے۔

اسی طرح حضرات صحابہ کرامؓ نے آگے یہ امانت تابعین عظامؒ کے ہاتھوں میں پہنچائی، انہوں نے تبع تابعینؒ کے ہاتھوں میں، انہوں نے ائمہ مجتہدینؒ کے ہاتھوں میں اور پھر انہوں نے بعد میں آنے والے ہمارے اکابرین و اسلاف کے ہاتھوں میں یہ امانت پہنچائی اور اپنے آپ کو اس ذمہ داری سے مکمل طور پر سبک دوش کر کے اس دنیا سے پردہ فرما گئے۔ فجزاهم الله أحسن الجزاء.

لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ آج کل کے اس گئے گزرے دور میں بعض عاقبت نااندیش لوگ اہل

سنت والجماعت کا لبادہ اوڑھ کر انہی حضرات ائمہ مجتہدینؒ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور اساطین امتؒ کے خلاف بعض ایسے خیالات ونظریات کے حامل ہو گئے ہیں جو کسی بھی طرح ان مقدس اور پاک ہستیوں کو زیب نہیں دیتے۔

اسلام کی چودہ سو سالہ درخشاں تاریخ میں حضرات صحابہ کرام ؓ کی مقدس جماعت کے بارے میں عموماً اور حضرت علی ؓ اور حضرت معاویہ ؓ کے بارے میں خصوصاً مختلف قسم کے نظریات رکھنے والے افراد تقریباً ہر دور میں ہی پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ کسی نے اگر اس بارے میں افراط سے کام لیا ہے تو کسی نے تفریط سے۔ کسی نے حضرت علی ؓ اور اُن کی اولاد کی محبت کا دم بھرتے ہوئے حضرت معاویہ ؓ کی مذمت اور اُن کی توہین وتنقیص بیان کی ہے تو کسی نے آپؓ کی محبت وعقیدت سے سرشار ہو کر آپؓ کی تعریف وتوصیف میں زمین وآسمان کے ایسے قلابے باندھے ہیں کہ جن سے آپؓ کا حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح معصوم ہونا مترشح ہوتا ہے۔ حالاں کہ اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضرات صحابہ کرام ؓ مغفور ضرور ہیں لیکن معصوم نہیں ہیں۔ اُن سے اجتہادی اور غیر اجتہادی ہر قسم کی غلطیوں کا صدور ممکن ہی نہیں بلکہ اُن کا وقوع بھی ہوا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کی تمام اجتہادی وغیر اجتہادی (بشری) اخطاؤں سے عفو ودرگزر کا معاملہ فرمایا ہے۔

تاہم مذکورہ بالا ان تمام مختلف نظریات کے حامل افراد کے بیچوں بیچ اکثریت اُن افراد کی تھی کہ جنہوں نے میانہ روی سے کام لیتے ہوئے صحابہ کرام ؓ سے غلو عقیدت اور اُن کے بارے میں افراط وتفریط کا شکار ہونے سے اپنے آپ کو ہمیشہ ایک طرف رکھے رکھا، اور اُن کے بارے میں اپنا دامن داغ دار ہونے سے ہمیشہ بچائے رکھا۔ بالخصوص مشاجرات صحابہ ؓ جیسے آگ وخون کے سمندر سے وہ بڑی سلامت فکر کے ساتھ پار ہو گئے ہیں۔ ایسے افراد کی جماعت کو اصطلاح شرع میں ''اہل سنت والجماعت'' کہا جاتا ہے۔ علمائے اہل سنت والجماعت نے حضرات صحابہ کرام ؓ کے بارے میں افراط وتفریط سے کام لینے کے بجائے قرآن وحدیث کی روشن تعلیمات کے زیر سایہ رہ کر ان کی مکمل زندگی کا مطالعہ کیا جسے کما حقہ سمجھنے میں وہ لوگ سو فی صد کامیاب ہوئے۔

لیکن آج بڑے افسوس کے ساتھ ہمیں یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ جن اکابرین دین واساطین امت کی مسلسل کاوشوں، ان تھک محنتوں اور پیہم جد وجہد کے طفیل یہ دین متین آج ہم تک پہنچا ہے ''الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے'' کا مصداق آج کل کے بعض عاقبت نااندیش لوگ انہیں کی ذات بابرکات کو ہدف تنقید بناتے پھر رہے ہیں، انہیں کی ذات کو ملامت کر رہے ہیں اور اُن کی طرف طرح طرح کی باتیں منسوب کر رہے ہیں۔ کیا ان بزرگوں کی دین متین

اور اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر کی جانے والی ان لازوال و بے مثال قربانیوں کا یہی نتیجہ ہے یا کیا انہیں اُن کی ان خدمات جلیلہ کا یہی صلہ ملنا چاہیے؟؟؟۔

بھلا! (۱) راوی بخاری محدث عبدالرزاق (۲) امام ابن جریر طبریؒ (۳) امام ابوبکر الجصاصؒ (۴) امام حاکم نیشاپوریؒ (۵) علامہ برہان الدین مرغینانیؒ (۶) علامہ سعد الدین تفتازانیؒ (۷) جامع المعقول والمنقول میر سید شریف جرجانیؒ (۸) مشہور عاشق رسول ملا عبدالرحمٰن جامیؒ (۹) محدث جلیل حضرت ملا علی قاری حنفیؒ (۱۰) شیخ شاہ عبد الحق محدث دہلوی (۱۱) شیخ احمد ملا جیونؒ (۱۲) بیہقی وقت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (۱۳) شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۴) قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (۱۵) قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (۱۶) محدث عصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ (۱۷) ابوحنیفہ ثانی مفتی محمد کفایت اللہ دہلویؒ (۱۸) امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ (۱۹) شیخ الحدیث مولانا عبدالرشید نعمانی (۲۰) مناظر اسلام مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ (۲۱) قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ، جیسے چوٹی کے اساطین اُمت اور علمائے اہل سنت کے اُمت پر تمام تر احسانات کو یکسر بھلا کر ان کی دینی و ملی خدمات کو فراموش کر کے، اُن کے خلاف پروپیگنڈے کا بازار گرم کرنا، اُن کے خلاف الزام تراشیاں کرنا، اُن کی عبارات کو موڑ توڑ اور کھینچ تان کر اُن سے اپنی مرضی کا مطلب نکالنا، اُن کی عظیم نسبت اہل سنت والجماعت کا رشتہ صحابہ کرام ؓ و تابعین عظامؒ سے کاٹنا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اُن کو (خاکم بدہن) حضرت معاویہ ؓ کا ناقد و گستاخ ٹھہرانا' کیا یہ سب کچھ اُن کی روحوں کے ساتھ مذاق نہیں ہے؟ کیا یہ اُن کی دینی و ملی خدمات کو فراموش کرنا نہیں ہے؟ کیا یہ اُنہیں ہدف تنقید بنانا اور اُنہیں طرح طرح کے طعنوں سے مطعون کرنا نہیں ہے؟ نیز کیا یہ آج کل کی نوجوان نسل کے دلوں میں اُن کے خلاف نفرتوں کے بیج بو کر، اُنہیں اپنے روحانی آباؤ اجداد سے بدظن اور متنفر کرنا اور اُن کو اپنے اسلاف کے خلاف دشنام طرازیاں کرنے کا موقع فراہم کرنے کے مترادف نہیں ہے؟؟؟۔

لیکن یہ سب کچھ ہوتا رہا ہے اور اب بھی ہو رہا ہے اور اگر اس کا بروقت کا محاسبہ نہ کیا گیا تو اس کی زہریلی وبا مسلمانوں میں اپنے جراثیم اس طرح پھیلا دے گی کہ جن کو نکالتے نکالتے شاید صدیاں بیت جائیں۔

چنانچہ اس قسم کی ناپاک اور مذموم کوششیں گزشتہ کئی سالوں سے ہمارے اکابر و اسلاف حضرات علمائے اہل سنت والجماعت کے خلاف تاہنوز برابر جاری ہیں۔

آپ بھی ذرا ملاحظہ فرمائیے:

## حضرت معاویہ ؓ اور علمائے اہل سنت:

چنانچہ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ کے مختلف ادوار میں اغیار کی جانب سے حضرت معاویہ ؓ کا خصوصیت کے ساتھ طعن وتنقید کا ہدف بننے کا اجمالی جائزہ لینے کے بعد علمائے اہل سنت والجماعت پر انکا ڈھاتے ہوئے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

> ''......علاوہ ازیں تصوف، تفضیلیت اور تشیع نوازی کے روپ میں حضرت معاویہ ؓ پر اپنوں کی نوازشات بھی اہل تشیع سے کچھ کم نہیں ہیں۔
>
> وہ تو ہیں کھلے دشمن اُن کا خیر سے کیا ذکر؟
>
> دوستی مگر حضرت آپ کی قیامت ہے۔'' [1]

## حضرت معاویہ ؓ کے حق میں سوئے ظن رکھنے والے تین گروہ ہیں:

امام اہل سنت حضرت مولانا عبد الشکور فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مقام پر بے جا گرفت کرتے ہوئے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

> ''امام اہل سنت حضرت مولانا عبد الشکور لکھنوی 'ناقدین معاویہ ؓ' کی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''حضرت معاویہ ؓ کے حق میں سوئے ظن رکھنے والے تین گروہ ہیں، اوّل روافض' خیر! اُن کا سوئے ظن چنداں جائے تعجب نہیں' کیوں کہ وہ ایسے مقدس حضرات سے سوئے ظن رکھتے ہیں جن کا مثل تمام اُمت مرحومہ میں ایک بھی نہیں۔
>
> دوسرا گروہ اُن جاہل صوفیوں کا ہے جو حضرت علی ؓ کی محبت کا تکملہ حضرت معاویہ ؓ کی بدگوئی کو سمجھتے ہیں، یہ لوگ اپنے کو ''سُنّی'' کہتے ہیں مگر درحقیقت نہ صرف اس امر میں بلکہ بہت سے آمور اُصول وفروع میں اہل سنت کے مخالف ہیں اور فرقہ ہائے شیعہ میں داخل ہیں۔
>
> تیسرا گروہ اس زمانہ کے بعض اہل ظاہر کا ہے، بعض روایات میں حضرت معاویہ ؓ کے مطاعن ان کی نظر سے گزرے اور بوجہ ظاہریت کے ان کی تاویل تک اُن کے ذہن کی

---

[1] (سیدنا معاویہ کے ناقدین ص ۹)

رسائی نہ ہوئی، ان سب میں زیادہ مضرت رساں دوسرا گروہ ہے پھر تیسرا"۔

امام اہل سنت نے یہاں "ناقدین سیدنا امیر معاویہ ؓ" میں روافض کے علاوہ جاہل صوفیوں اور بعض اہل ظاہر کا ذکر کر کے دوسرے اور تیسرے گروہ کو بالترتیب سب سے زیادہ مضرت رساں قرار دیا ہے، لیکن موصوف نے "صرف نظر" سے کام لیا ہے ورنہ اہل ظاہر اور جاہل صوفیوں کے علاوہ بعض مفسرین، محدثین، متکلمین، مبلغین، فقہاء، جید علماء اور مقررین بھی دوسرے اور تیسرے گروہ سے پیچھے نہیں رہے، جس کا زیر نظر کتاب کے مطالعہ سے "کچھ کچھ" اندازہ ہو جائے گا، اس ضمن میں اگرچہ اور بھی بڑے بڑے نام تاریخ میں پائے جاتے ہیں، لیکن ؎

افسوس! بے شمار "سخن ہائے گفتنی"
خوف فساد خلق سے ناگفتہ رہ گئے [1]

## حضرت معاویہ ؓ کے ابتلائی دور کے بارے میں علمائے اہل سنت کا معتدل مسلک:

حضرت معاویہ ؓ کے دور ابتلاء و خلافت کے بارے میں جو موقف اور نظریہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے اختیار کر رکھا ہے وہ اتنا کڑا اور سخت ہے کہ اس کی زد میں چار و ناچار ہر طبقہ کے علماء، مفسرین، محدثین، متکلمین، مبلغین اور فقہاء وغیرہم سب ہی آجاتے ہیں، جس کا بہترین شاہکار خود آں موصوف کی زیر نظر یہ کتاب ہے، جب کہ علمائے اہل سنت والجماعت نے متفقہ طور پر حضرت معاویہ ؓ کے دور ابتلاء و خلافت کے بارے میں جو موقف اور نظریہ اختیار کر رکھا ہے وہ اس قدر معتدل، نپا تلا اور قرآن و سنت کی نصوص کے تمام پہلوؤں اور تاریخی حقائق سے مطابقت رکھتا ہے کہ جس کے پیش نظر علمائے اہل سنت کے تمام طبقات تو کجا کوئی ایک طبقہ بھی حضرت معاویہ ؓ کے حق میں سوء ظن رکھنے والے گروہوں میں پوری طرح سے نہیں اتر سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ ؓ کے حق میں سوء ظن رکھنے والے لوگوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا جو اپنی جگہ بالکل صحیح اور درست ہے لیکن پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے نزدیک مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تقسیم اتنی جامع نہیں جتنی کہ خود اُن کی اپنی تقسیم جامع ہے۔

---

[1] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین، ص ۱۴۱)

پروفیسر ہاشمی صاحب نے لکھا ہے کہ ہمارے مذکورہ بالا دعوی کا" زیر نظر کتاب "سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین" کے مطالعہ سے" کچھ کچھ" اندازہ ہو جائے گا اور اس ضمن میں اور بھی بڑے بڑے نام تاریخ میں پائے جاتے ہیں مگر فساد خوف خلق سے ہم ناگفتہ رہ گئے۔"

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان شاء اللہ ! ہمارے بھی اس جوابی دعوی پر ہماری بھی اس زیر نظر کتاب "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور عبارات اکابر" کے مطالعہ سے" کچھ کچھ" کیا بلکہ" بہت کچھ اندازہ" ہو جائے گا کہ اصل حقیقت کیا تھی اور پروپیگنڈا کیا تھا؟۔

فسوف ترى اذا انكشف الغبار

افرس تحت رجلك أم حمار

باقی رہی پروفیسر ہاشمی صاحب کی یہ بات کہ اس ضمن میں اور بھی بڑے بڑے نام تاریخ میں پائے جانے اور فساد خلق کے خوف سے ناگفتہ رہ جانے کی تو اس بارے میں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی یہ دورنگی ہماری سمجھ میں بالکل نہیں آرہی کہ ایک طرف تو وہ "سخن ہائے گفتنی" میں کچھ اس طرح سے گویا ہوئے کہ پوری چار سو چونسٹھ (۴۶۴) صفحات کی ایک ضخیم کتاب لکھ ماری، جس میں بڑے بڑے تاریخی نام ذکر کرنے کے باوجود وہ "فساد خوف خلق" سے پوری طرح مطمئن رہے، اور دوسری طرف اس ضمن میں تاریخ میں اور بھی بڑے بڑے پائے جانے والے ناموں کو فساد خوف خلق کے سبب سے ذکر نہ کر کے کچھ اس طرح سے" ناگفتہ" ہوئے کہ بالکل ہی چپ سادھ گئے، گویا آپ کو سانپ سونگھ گیا ہے؟۔

"دورنگی" چھوڑ" یک رنگ" ہو جا!

یا سراسر موم ہو جا یا سراسر سنگ ہو جا

کیا آج کل کے اس پرفتن دور میں چار سو چونسٹھ (۴۶۴) صفحات پر مشتمل "سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین" جیسی ایک بے معنی و بے ہودہ ضخیم کتاب لکھ مارنا خوف خلق کے فساد سے ناگفتہ رہ جانا کہلاتا ہے؟۔

آپ ہی اپنی" اداؤں" پہ غور کریں!

ہم اگر عرض کریں گے تو بے ادبی ہوگی

**علمائے اہل سنت پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید کرنے کا الزام:**

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سُنّی ناقدین کے تنقیدی کلمات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ''سب'' سے علاوہ ''طعن'' کی جملہ قسمیں بھی پائی جاتی ہیں:

''طَعَنَ فِيهِ وَعَلَيْهِ'': طنز کرنا، تنقید کرنا، اعتراض کرنا، آوازے کسنا۔

''طَعَنَ فِيْ عِرْضِهِ'': عزت پر حملہ کرنا۔

''طَعَنَ فِيْ قَوْلِهِ'': بات کو غلط ثابت کرنا، رد و قدح کرنا۔

حالاں کہ اہل سنت والجماعت کے تمام طبقات کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت ثابت ہے اور جملہ صحابہ کرام کے بارے میں ''کف لسان'' کا حکم دیا گیا ہے......'' [1]

## الزام تنقید کا دفعیہ:

حاشا وکلا کہ اس قسم کے تنقیدی کلمات علمائے اہل سنت والجماعت میں سے کسی نے جلیل القدر صحابی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہے ہوں، یہ سب پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا علمائے اہل سنت والجماعت پر جھوٹ و افتراء ہے اور قارئین کی نظروں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے، علمائے اہل سنت والجماعت کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس قسم کے تنقیدی کلمات کہنے سے کوئی تعلق نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے نہ تو یہاں اور نہ ہی اپنی اس پیش نظر پوری کتاب میں کسی ایک بھی جگہ کسی کتاب کا حوالہ دیا ہے اور نہ ہی کسی اہل سنت والجماعت کے مستند عالم دین کا نام لے کر کہا ہے کہ انہوں نے اس قسم کے الفاظ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید کی ہو۔ ہاشمی صاحب کا یہ دعویٰ چوں کہ بلا حوالہ و بلا دلیل ہے اس لئے مردود اور ناقابل التفات ہے۔

## دیگراں را نصیحت خود را فضیحت:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خطاؤں کے بارے میں کوئی غیر صحابی ہرگز جج اور

---

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۱۲)

منصف نہیں بن سکتا۔ ساری اُمت "کفِ لسان اور امساک" کی پابند ہے۔"[1]

## پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب سے ایک سوال:

مگر ہم پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب سے ہم صرف اتنا پوچھتے ہیں کہ آپ اس قاعدے کو مطلق مانتے ہیں، یا مقید؟ اگر مطلق مانتے ہیں تو پھر آپ سے ہمارا سوال یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطاؤں کے بارے میں پھر آپ کیوں جج اور منصف بنے بیٹھے ہیں؟ کیا یہ حکم صرف دوسروں کے لئے ہے اور آنجناب اس سے مستثنیٰ ہیں؟ بڑی عجیب منطق ہے کہ:

"دیگراں را نصیحت اور خود را فضیحت؟"۔

## توقف وامساک اور کفِ لسان کا حکم علی الاطلاق نہیں!

پھر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی یہ تحقیق بھی بالکل غلط ہے جو انہوں نے علی الاطلاق ذکر کی ہے کہ "صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خطاؤں کے بارے میں ساری اُمت "کفِ لسان" اور "امساک" کی پابند ہے۔" حالاں کہ بعض اوقات ضرورت شرعیہ وشدیدہ کے پیش نظر ایسے مواقع ضرور نکل آتے ہیں کہ جہاں "کفِ لسان" اور "امساک" کی پابندی اُمت واجب نہیں رہتی، بلکہ اُس وقت مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس مسئلے کو واضح کرنا اُمت پر واجب ہو جاتا ہے اور "توقف" و "امساک" اور "کفِ لسان" اُس وقت بجائے خود ایک جرم بن کر رہ جاتا ہے۔

مناسب یہ تھا کہ خود پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب "مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم" کے مسئلہ کے حوالے سے ضرورت شرعیہ وشدیدہ کی مابہ الاتفاق کوئی ایسی جامع تعریف کرتے کہ جس سے یہ معلوم ہو جاتا کہ کہاں "کفِ لسان" اور "امساک" واجب ہے اور کہاں واجب نہیں ہے، اس لئے کہ ہر ہر موقع پر "کفِ لسان" اور "امساک" واجب نہیں بلکہ بعض مواقع پر یہ ناجائز بھی ہو جاتا ہے۔

لیکن اگر انہوں نے یہ کام نہیں کیا تو پھر ہم ہی ایسے مواقع کی نشان دہی کرائے دیتے ہیں کہ کہاں "کفِ لسان" اور "امساک" واجب ہے اور کہاں واجب نہیں رہتا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ "کفِ لسان" اور "امساک" کا یہ حکم علی الاطلاق نہیں ہے بلکہ اس کے بعض مخصوص مواقع ہیں کہ جہاں کبھی تو یہ واجب ہو جاتا ہے، اور کبھی واجب نہیں رہتا بلکہ ناجائز ہو جاتا ہے۔

---

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۷۷)

## توقف وامساک اور کفِ لسان کا شرعی حکم:

"مشاجرات صحابہؓ" کے مسئلے میں علمائے اہل سنت والجماعت کا اجماعی مسلک یہ ہے کہ:

۱-اول تو صحابہ کرام ﷺ کے درمیان پیش آنے والے مشاجرات میں بلاضرورت شرعیہ وشدیدہ کے غور وخوض کرنا مناسب نہیں کہ ایمان اور عقیدے کی سلامتی اسی میں ہے اور یہی شیوۂ اسلاف ہے۔ نیز اس بارے میں جو روایات وحکایات منقول چلی آ رہی ہیں بلاوجہ اُن میں بھی غور وخوض اور بحث وتمحیص کرنا جائز نہیں۔

چنانچہ امام شمس الدین محمد بن یوسف الصالحی الدمشقی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۴۲ھ) لکھتے ہیں:

"سئل أبو حنيفة عن علي ومعاوية وقتلى صفين، فقال: اخاف ان اقدم على الله تعالىٰ بشيءٍ يسألني عنه، واذا أقامني يوم القيامة بين يديه لا يسألني عن شيءٍ من امورهم، يسألني عما كلفني، فالاشتغال بذلک أولیٰ."[1]

ترجمہ: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما اور مقتولینِ صفین کے بارے میں سوال کیا گیا، تو آپؒ نے فرمایا کہ: "میں اس سے ڈرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ایسی بات پیش کروں جس کا وہ مجھ سے سوال کریں، اور جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھے اپنے سامنے کھڑا کریں گے تو ان (حضرت علی ﷺ اور حضرت معاویہ ﷺ اور مقتولینِ صفین) کے بارے میں مجھ سے سوال نہیں فرمائیں گے، بلکہ مجھ سے وہ سوال فرمائیں گے جس کا میں مکلف ہوں، سو میرا اسی کی تیاری مصروف ومگن رہنا (میرے لئے) زیادہ بہتر ہے۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۳۰ھ) لکھتے ہیں:

"ذكروا اختلاف أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم عند عمر بن عبد العزيز، فقال: امر اخرج الله ايديكم منه ماتعملون السنتكم فيه."[2]

ترجمہ: کچھ لوگوں نے حضرت عمر بن عزیز رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے نبی اکرم ﷺ

---

[1] (عقود الجمان في مناقب الامام الأعظم أبي حنيفة النعمان: ص ۳۰۵)

[2] (الطبقات الكبرىٰ لابن سعد المعروف بطبقات ابن سعد: ۲۹۷/۵، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

کے صحابہ ﷺ کے اختلاف کا ذکر کیا تو آپؒ نے فرمایا کہ یہ وہ معاملہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھوں کو محفوظ رکھا ہے، تو پھر تم اپنی زبانوں کو اس میں کیوں ملوث کرتے ہو؟۔

نیز آپؒ لکھتے ہیں:

"تلک دماء کف اللہ یدی عنھا، وانا اکرہ اغمس لسانی فیھا." [۲]

ترجمہ: یہ وہ خون ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھوں کو محفوظ رکھا ہے، میں پسند نہیں کرتا کہ اپنی زبان کو اس سے آلودہ کروں۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں:

"تلک دماء طھر اللہ عنھا ایدینا فلنطھر عنھا السنتنا." [۳]

ترجمہ: (جنگ جمل وصفین میں بہنے والے) یہ وہ خون ہیں کہ جن سے اللہ تعالیٰ ہمارے ہاتھوں کو (ملوث ہونے سے) پاک رکھا ہے لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی زبانوں کو بھی اس سے پاک رکھیں۔

اسی طرح امام ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۵ھ) فرماتے ہیں:

"تلک دماء طھر اللہ ایدینا منھا افنلطخ السنتنا؟." [۳]

ترجمہ: (جنگ جمل وصفین میں بہنے والے) یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو (ملوث ہونے سے) پاک رکھا ہے تو کیا اب ہم ان سے اپنی زبانوں کو آلودہ کریں؟۔

اسی طرح امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۴۱ھ) کے بارے میں منقول ہے:

"وانما نھی عن الخوض فی النظم (ای فی نظم العقیدۃ عن الخوض فی مشاجرات الصحابۃ) لأن الامام احمد کان ینکر علی من خاض ویسلم احادیث الفضائل وقد تبرأ ممن ضللھم او کفرھم وقال: السکوت عما جری بینھم." [۴]

---

[۱] (الطبقات الکبری لابن سعد المعروف بطبقات ابن سعد: ۵/۲۹۷، الناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)

[۲] (شرح المواقف للجرجانی: ۸/۳۷۴)

[۳] (الناھیۃ عن طعن امیر المؤمنین معاویۃ للفرھاروی: ص ٦)

[۴] (شرح عقائد سفارینی ۲/۳۸٦)

ترجمہ: اور " الدرة المضية " کی نظم میں جو "مشاجرات صحابہ ﷺ" کے معاملے میں غور و خوض سے منع کیا گیا ہے، وہ اس لئے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اُس شخص پر نکیر فرمایا کرتے تھے جو اس بحث میں اُلجھتا ہو، اور فضائل صحابہ ﷺ میں جو احادیث آئی ہیں انہیں تسلیم فرما کر اُن لوگوں سے برأت کا اظہار فرمایا کرتے تھے جو صحابہ کرام ﷺ کو گم راہ یا کافر کہتے ہیں اور کہتے تھے کہ (صحیح طریقہ) مشاجرات صحابہ ﷺ میں سکوت اختیار کرنا ہے۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح ایک دوسری جگہ آپؒ سے یہ بھی منقول ہے:

" وقال احمد : لا أتكلم في هذا ، السكوت عنه أسلم " [1]

ترجمہ: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اس بارے میں کوئی بات نہیں کرتا۔ اس بارے خاموش رہنا سب سے بڑی سلامتی ہے۔

ایک طرح علامہ محمد بن صالح بن محمد العثیمین رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۴۲۱ھ) اشعار کے انداز میں لکھتے ہیں:

واحذر من الخوض الذي قد يزري

بفضلهم مما جرىٰ لو تدري [2]

ترجمہ: اور بچو اصحابہ کرام ﷺ میں پیش آنے والے جھگڑوں میں دخل دینے سے جس میں (اُن میں سے کسی) کی تحقیر ہوتی ہو، (یہ حکم اُن کی اُس) فضیلت کے باعث ہے جو طے ہو چکی ہے اگر تم جان لو!۔

اسی طرح امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۳۴ھ) بھی فرماتے ہیں:

" اعلم أن الدخول بين الصحابة الكرام رضي الله عنهم والحكم فيما جرىٰ بينهم من المشاجرات سوء أدب ، وأمارة شقاوة و الأسلم ان يفوض الي الله ماوقع بينهم . " [3]

ترجمہ: تو جان لے کہ حضرات صحابہ ﷺ اور اُن کے درمیان واقع ہونے والے مشاجرات کے بارے میں غور و خوض کرنا بے ادبی اور بدبختی کی علامت ہے۔ سب سے زیادہ

---

[1] (فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن رجب الحنبلي ۳/۲۱۱ ، الناشر : مكتبة الغرباء الأثرية ، المدينة المنورة)

[2] (شرح العقيدة السفارينية : ۱/۱٤ و ۱/٦۳۲ ، الناشر : دار الوطن للنشر ، الرياض ، السعودية)

[3] (المقدمة السنية في الانتصار للفرقة السنية : ص ۸٦ ، الناشر : مكتبة الحقيقة ، شارع دار الشفقة ، استنبول ، تركي)

(ایمان اور عقائد کی) سلامتی اس میں ہے کہ ان کے درمیان واقع ہونے والے مشاجرات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیا جائے۔ (ترجمہ ختم)

۲۔لیکن اگر کسی ضرورت شرعیہ وشدیدہ کی بناء پر "مشاجرات صحابہ ﷺ" جیسی پر خطر و پرخار وادی میں قدم رکھنا ہی پڑجائے تو پھر "توقف" و "امساک" اور "کف لسان" کیا جائے کہ یہ معاملہ عقیدے اور شریعت کا ہے جو جتنا عظیم ہے اتنا ہی نازک بھی ہے اس لئے بڑی احتیاط اور قدم پھونک پھونک کر رکھنے کی ضرورت ہے۔

چنانچہ مشہور حدیث ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے "مشاجرات صحابہ ﷺ" کے بارے میں اُمت کو واضح علم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ:

اذا ذکر اصحابی فامسکوا ."[1]

ترجمہ: جب میرے صحابہ ﷺ کا ذکر کیا جائے تو خاموش رہو۔

چنانچہ اس سلسلہ میں میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور علمائے اہل سنت کا تو نہیں لیکن ان کی ایک جماعت کا یہ مسلک بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے "مشاجرات صحابہ ﷺ" جیسے واقعات کے بارے مکمل توقف اور سکوت سے کام لیا ہے اور دونوں فریقوں میں سے کسی ایک فریق کی طرف بھی علی التعیین والیقین نہ خطاء کو منسوب کیا ہے اور نہ ہی صواب کو۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

" والمعترفون بوقوعها منهم من سكت عن الكلام فيها بتخطية أو تصويب وهم طائفة من أهل السنة ."[2]

ترجمہ: اور جن لوگوں نے (صحابہ کرام ﷺ کے درمیان واقع ہونے والی لڑائیوں کے وقوع کا انکار نہیں بلکہ) اُن کا اعتراف کیا ہے تو اُن میں سے بعض نے تو ان واقعات میں مکمل سکوت اختیار کیا ہے کہ نہ تو کسی ایک خاص فریق کا تخطیہ کیا ہے اور نہ ہی کسی ایک خاص فریق کی تصویب کی ہے، حالاں کہ یہ حضرات بھی اہل سنت ہی کی ایک جماعت ہیں۔

---

[1] (المعجم الكبير للطبراني: ۹۶/۲ و ۱۹۸/۱۰، الناشر: مكتبة ابن تيمية، القاهرة)

[2] (شرح المواقف للجرجاني: ۳۷٤/۸، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

اور امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۷۱ھ) لکھتے ہیں:

"وهم كلهم لنا أئمة وقد تعبدنا بالكف عما شجر بينهم. ولا نذكرهم الا باحسن الذكر، لحرمة الصحبة." [1]

ترجمہ: یہ سب حضرات (صحابہ کرام ؓ) ہمارے پیشوا ہیں اور ہمیں حکم ہے کہ اُن کے شرفِ صحبت کے باعث اُن کے باہمی اختلافات سے "کفِ لسان" کریں اور ہمیشہ اُن کا ذکر بہترین طریقے سے کریں۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ خالد بن عبداللہ بن محمد المصلح رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ويمسكون عما شجر بين الصحابة." [2]

ترجمہ: اور (اہلِ سنت) مشاجراتِ صحابہ کے مسئلے میں سکوت کرتے ہیں۔

اسی طرح علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں:

"ومما يوجب ايضاً الامساک عما شجر اي وقع بينهم من الاختلاف والاضطراب صفحا من أخبار المؤرخين سيما جهلة الرافضة وضلال الشيعة والمبتدعين القادحين في أحد منهم فقد قال صلى الله عليه وسلم: اذا ذكر أصحابي فأمسكوا." [3]

ترجمہ: اور اُن چیزوں میں سے جو کہ واجب ہیں ایک یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام ؓ کے درمیان جو اختلاف اور اضطراب واقع ہوئے ہیں ان میں "امساک" اور "توقف" اختیار کرے، اور مؤرخین بالخصوص جاہل قسم کے روافض اور گمراہ قسم کے شیعہ اور طعنہ زنی کرنے والے بدعتی قسم کے لوگوں کی خبروں سے اعراض کرے جو ان حضرات میں سے کسی کے بارے میں وارد ہوئی ہوں۔ (ترجمہ ختم)

---

[1] (الجامع لأحكام القرآن المعروف بتفسير القرطبي: ۳۲۱/۱۶، الناشر: دار الكتب المصرية، القاهرة)

[2] (شرح عقيدة الواسطية من كلام شيخ الاسلام ابن تيمية: ۱۹۳/۱، الناشر: دار ابن الجوزي، الدمام، السعودية)

[3] (الصواعق المحرقة في الرد على أهل البدع و الزندقة للهيتمي - ص ۲۱۶، الناشر: مكتبة الحقيقة، شارع دار الشفقة استنبول، تركي)

اور مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ( ) لکھتے ہیں:

''اور ''مشاجرات صحابہ ﷺ'' میں ''کف لسان'' اور ''سکوت'' کو اسلم قرار دے کر اس کی تاکید کی گئی کہ بلاوجہ ان روایات وحکایات میں خوض کرنا جائز نہیں جو باہمی جنگ کے دوران ایک دوسرے کے متعلق نقل کی گئی ہیں۔'' [1]

حضرت مفتی صاحبؒ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''اُمت کے اسلاف واخلاف، صحابہؓ وتابعینؒ اور بعد کے علمائے اُمتؒ کا جو اجماع اُوپر نقل کیا گیا ہے کہ ''مشاجرات صحابہ ﷺ'' اور باہم ایک دوسرے کے خلاف پیش آنے والے واقعات میں سکوت اور ''کف لسان'' ہی شیوۂ اسلاف ہے، اس معاملے میں جو روایات وحکایات منقول چلی آرہی ہیں اُن کا تذکرہ بھی مناسب نہیں۔ یہ کوئی ''اندھی عقیدت مندی'' یا ''تحقیق سے راہِ فرار'' نہیں، بلکہ صحیح تحقیق کا عادلانہ اور محتاط فیصلہ ہے۔'' [2]

۲- اور اگر کسی ضرورت شرعیہ وشدیدہ کی وجہ سے ''مشاجرات صحابہ ﷺ'' کے مسئلے میں توقف واساک اور کف لسان کی مہر سکوت توڑنی پڑ جائے (جیسا کہ آگے آرہا ہے کہ بعض اوقات بعض اہم شرعی اور انتہائی ناگزیر مجبوریوں کی بناء پر ''اساک'' اور ''کف لسان'' کا حکم واجب نہیں رہتا بلکہ ناجائز ہو جاتا ہے) تو پھر ان مقدس ہستیوں کی شان میں کوئی ایسی بات کہنے سے گریز کیا جائے جس سے اُن میں سے کسی کی تنقیص اور تحقیر لازم آتی ہو۔

چنانچہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ) لکھتے ہیں:

''اور اس پر بھی (سلف وخلف، متقدمین ومتاخرین علمائے اُمت کا) اجماع واتفاق ہے کہ) ان (صحابہ کرام ﷺ) کے درمیان پیش آنے والے مشاجرات میں خوض نہ کیا جائے، یا سکوت اختیار کریں، یا پھر اُن کی شان میں کوئی ایسی بات کہنے سے پرہیز کریں جس سے اُن میں سے کسی کی تنقیص ہوتی ہو۔'' [3]

بہت سے محققین علماء نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام ﷺ کی باہمی لڑائیوں اور اختلافات کا بلاضرورت شرعیہ ذکر

---

[1] (مقام صحابہ ﷺ، ص ۱۷، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

[2] (مقام صحابہ ﷺ، ص ۱۰۵، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

[3] (مقام صحابہ ﷺ، ص ۹۳، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

کرنا بھی حرام ہے کہ اس سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں بدگمانی پیدا ہو جانے کا خدشہ معلوم ہوتا ہے جس کی تائید اس مشہور حدیث سے ہوتی ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"میرے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی مجھ تک کسی کی شکایت نہ پہنچائے، کیوں کہ میں چاہتا ہوں کہ میں تمہاری طرف نکلوں تو سب کی طرف سے میرا سینہ صاف ہو۔"[1]

لیکن علمائے اہلِ سنت نے جب یہ دیکھا کہ مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ان واقعات میں اہلِ روافض، نواصب اور اہلِ بدعت نے بہت سے فرضی اور جھوٹے قصے اپنی طرف سے گھڑ لئے ہیں اور وہ ان کے ذریعے عام اور سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان و اعمالِ صالحہ کے ساتھ ایک گھناؤنا کھیل کھیلنا شروع کر رہے ہیں تو اس وقت علمائے اہلِ سنت نے اپنے اوپر واجب اور ضروری سمجھا کہ وہ مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ان ثابت شدہ واقعات کی کوئی مناسب تاویل اور کوئی معقول توجیہ کریں تاکہ اس سے عام اور سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان و اعمالِ صالحہ کے بچاؤ کا کچھ سامان ہو سکے اور وہ لوگ زیغ و ضلال اور کج روی و بد اعتقادی کی طرف بھٹکنے سے محفوظ رہ سکیں، کیوں کہ ایسے پرخطر حالات و واقعات میں "مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم" کے مسئلے میں "توقف" و "امساک" اور "کفِ لسان" کا حکم واجب نہیں رہتا بلکہ ناجائز ہو جاتا ہے۔

چنانچہ محدثِ جلیل حضرت ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:

"وهذا مما لا ينافي أن يذكر أحد مجملاً أو معيناً بأن المحاربين مع عليٍّ ما كانوا من المخالفين، أو بأن معاوية وحزبه كانوا باغين، على ما دل عليه حديث عمار: ﴿تقتلك الفئة الباغية﴾، لأن المقصود منه بيان الحكم المميز بين الحق والباطل، والفاصل بين المجتهد المصيب، والمجتهد المخطي مع توقير الصحابة وتعظيمهم جميعاً في القلب لرضا الرب."[2]

ترجمہ: اور یہ اُن چیزوں میں سے ہے جو اس بات کے منافی نہیں ہیں کہ کوئی آدمی مجمل یا معین طور پر اس بات کا ذکر کرے کہ حضرت علی کے ساتھ لڑنے والے اُن کے مخالفین

---

[1] "عن عبد الله بن مسعود قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يبلغني أحد من أصحابي عن أحد شيئاً فإني أحب أن أخرج إليكم وأنا سليم الصدر." (سنن أبي داؤد: ٤/٢٦٥، الناشر: المكتبة العصرية، صيدا، بيروت)

[2] (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح لملا علي القاري: ٨/٣٣٩٧، الناشر: دار الفكر، بيروت، لبنان)

میں سے نہیں تھے، یا یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھی باغی تھے اُس بناء پر کہ جس پر حدیث عمار رضی اللہ عنہ کہ: "تجھے ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔" دلالت کرتی ہے، کیوں اس سے محض اللہ تعالیٰ کی رضاء کی خاطر دل سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعظیم و توقیر کا خیال رکھنے کے ساتھ ساتھ حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے والا اور مجتہد مصیب و مجتہد خطئی کے درمیان فصل کرنے والا حکم بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔ (ترجمہ ختم)

اور علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں:

"تنبيه: صرح أئمتنا وغيرهم في الأصول بأنه يجب الامساك عما شجر بين الصحابة رضي الله عنهم، فلا يشكل ذلك على ماقدمته كما هو واضح من تفرق الخلف والسلف، وذكرهم جميع ما وقع بينهم وبيان ماصح بينهم مما لم يصح والكلام على معاني ماوقع لهم في فتنهم وحروبهم مما ظواهره مشكلة، واستنباطهم أحكام البغاة وغيرهم مما وقع بينهم، وقد مر عن الشافعي رضي الله عنه أنه قال: أخذت أحكام البغاة والخوارج من مقاتلة علي لأهل الجمل والصفين وللخوارج، وكذا غير الشافعي رضي الله عنهم. وقد ذكر أئمتنا من الأصوليين وغيرهم شبه المبتدعة التي أخذوها تارة عن كذبهم على عليٍّ وأصحابه وتارة عن بقية الصحابة ثم ردوها عن آخرها، حتى لم يبق لهم شبهة يستندون اليها ول احجة يعتمدون عليها. وبين أئمتنا المحدثون أن كثيرا مما نقل عنهم، اما كذب واما في سنده علة او علل كما أشرت الى كثير من ذلك في هذا الكتاب بقولي رجاله ثقات أو رجال الصحيح أو فيهم ضعيف او مجهول أو ارسال أو وقف او نحو ذلك مما رأيته وسترى بقيته. انما المراد أنه لا يجوز لأحد أن يذكر شيئاً مما وقع بينهم يستدل به على بعض نقص من وقع له ذلك والطعن في ولايته الصحيحة، أو ليغري العوام على سبهم وثلبهم

ونحو ذلک من المفاسد ، ولم يقع ذلک الا للمبتدعة وبعض جهلة النقلة الذين ينقلون كل ماراوه ويتركونه عليٰ ظاهره ، غير طاعنين في سنده ولا مشيرين لتأويله وهذا شديد التحريم لما فيه من الفساد العظيم وهو اغراء العامة ومن في حكمهم عليٰ تنقيص أصحاب رسول الله صلي الله عليه وسلم الذين لم يقم الدين الا بنقلهم الينا كتاب الله وما سمعوه وشاهدوه من نبيه من سنته الغراء الواضحة البيضاء ، وما بينوه لنا من الأحكام التي لا يحيط بها سواهم ، لتميزهم بالبرهان والعيان فرضي الله عنهم وأرضاهم وجزاهم عن الاسلام والمسلمين خير جزاء . وبالجملة اما ذكره لبيان الحق فيه عليٰ مقتضي الواقع بحسب ماقضت به الأدلة واجرائه عليٰ قواعد أهل السنة فهو من آكد الواجبات وأجل الطلبات لأنه يعلم به نزاهتهم وبرائتهم كيف وكلهم عليٰ هدي من ربهم ."[1]

ترجمہ: جنیہا مشاجرات صحابہ ﷺ کا ذکر بلاضرورت ناجائز ہے ہمارے ائمہ اُصول نے تصریح کی ہے کہ صحابہ کرام ﷺ میں باہم جولڑائیاں ہوئی ہیں ان کا ذکر نہ کرنا چاہیے، اور ہم پر کوئی شخص یہ اعتراض نہ کرے کہ تم نے کیوں ان واقعات کو بیان کیا ہے، اس لئے کہ ہمارا مقصود یہ ہے کہ یہ واقعات کر کے اُن سے صحیح نتائج اخذ کریں، انہیں لڑائیوں سے ہمارے ائمہ نے باغیوں کے احکام حاصل کئے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ میں نے باغیوں اور خروج کرنے والوں کے احکام حضرت علی کی لڑائیوں سے جو اہل جمل وصفین اور خوارج سے ہوئیں حاصل کئے ہیں۔ اسی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ اور علماء نے بھی لکھا ہے۔

ہمارے ائمہ اُصول نے "بدعتی" لوگوں کے اعتراضات بھی نقل کئے ہیں، جن میں

---

[1] (تطهير الجنان واللسان عن الخطور والتفوه بثلب معاوية بن أبي سفيان : ص-٣١ ، الناشر : مكتبة الحقيقة شارع دار الشفقة فاتح ٥٧ استنبول تركي )

انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم پر افترا و پردازیاں کی ہیں، اُن اعتراضات کو نقل کر کے اُن پر ایسا رد کیا ہے کہ کسی اعتراض میں کچھ جان باقی نہ رہی۔ ہمارے ائمہ محدثین نے بیان کیا ہے کہ اکثر و بیشتر باتیں جو ان لڑائیوں کے متعلق منقول ہیں یا تو سرے سے ہیں ہی جھوٹی، یا پھر اُن کی سند میں کوئی خرابی ہے، جیسا کہ میں نے اپنی کتاب میں اکثر حدیثوں کے بارے میں بیان کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی باہمی لڑائیاں اس طرح بیان نہیں کرنی چاہئیں کہ جس سے کسی پر الزام عائد ہو یا عوام کو اُن کے متعلق کسی بدگوئی کا موقع ملے۔ بعض جاہل لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ جو کچھ دیکھ (سن) لیتے ہیں آ گے (بلا تحقیق آگے) نقل کر دیتے ہیں، نہ سند پر غور کرتے ہیں اور نہ ہی حدیث کا صحیح مطلب بیان کرتے ہیں، اس سے فساد پھیلتا ہے اور عوام کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہنے کا موقع ملتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان یہ ہے کہ انہوں نے قرآن کو ہم تک پہنچایا اور اسی وجہ سے دین اسلام قائم ہے اور جو روشن سنت اُنہوں نے اپنے نبی سے سنی یا دیکھی وہ ہم تک پہنچا دی اور وہ احکام کہ جن کا علم ان کے سوا کسی دوسرے کو نہ ہو سکتا تھا ہم کو سکھلا گئے، پس اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو اور اسلام اور اہل اسلام کی طرف سے انہیں اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

مختصر یہ کہ جو میں نے ذکر کیا ہے واقع کے مطابق محض اظہار حق کے لئے ذکر کیا ہے اور اہل سنت کے قواعد کے مطابق ذکر کیا ہے، ایسا ذکر کرنا اہم واجبات اور اشد ضروریات میں سے ہے، کیوں کہ اس سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی پاکیزگی اور صفائی ظاہر ہوتی ہے اور کیوں نہ ہو کہ تمام صحابہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت پر تھے۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح علم عقائد کے مشہور عالم علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں:

" ذكر كثير من المحققين أن ذكره حرام مخافة أن يؤدي الي سوء الظن ببعض الصحابة ويعضده الحديث المرفوع ﴿ لا يبلغني احد من اصحابي عن احد شيئاً فاني احب أن اخرج اليكم وأنا سليم الصدر ﴾ رواه ابو داؤد من حديث ابن مسعود - - وانما اضطر أهل السنة الي ذكر تلك

القصص ، لأن المبتدعة اخترعوا فيها مفتريات وأكاذيب ، حتىٰ ذهب بعض المتكلمين اليٰ أن روايات التشاجر كلها كذب ونعم القول هو الا أن بعضها ثابت بالتواتر وأجمع أهل السنة والجماعة عليٰ تاويل ماثبت منها تخليصاً للعامة عن الوساوس والهواجس وأما ما لم يقبل التاويل فهو مردود فان فضل الصحابة وحسن سيرتهم واتباعهم الحق ثابت بالنصوص القاطعة واجماع أهل الحق فكيف يعارضه رواية الأحاد سيما من الروافض المتعصبة الكذابين ۔"[1]

ترجمہ: بہت سے محققین نے ذکر کیا ہے کہ "مشاجرات صحابہ ﷺ" کا تذکرہ حرام ہے، اس لئے کہ اس سے بعض صحابہ ﷺ سے بدگمانی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، اس کی تائید اس مرفوع حدیث سے ہوتی ہے (جس میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا) کہ: "میرے صحابہ ﷺ میں سے کوئی بھی مجھ تک کسی کی شکایت نہ پہنچائے، کیوں کہ میں چاہتا ہوں کہ میں تمہاری طرف نکلوں اور میرا سینہ (سب کی طرف سے) صاف ہو۔ (رواہ ابو داؤد من حدیث بن مسعود) اہل سنت کو ان واقعات کا تذکرہ مجبوری کی بناء پر اس لئے کرنا پڑا کہ اہل بدعت نے ان میں سے بہت فرضی اور جھوٹے افسانے گھڑ لئے تھے، حتیٰ کہ بعض متکلمین نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ "مشاجرات صحابہ ﷺ" سے متعلق تمام قسم کی روایات جھوٹ کا پلندہ ہیں، متکلمین کا یہ قول ہے تو بہت اچھا، لیکن (چوں کہ) بعض روایات تواتر سے سے ثابت ہیں (اس لئے اُن کا انکار ممکن نہیں) اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ ان میں سے جو واقعات ثابت ہیں ان کی مناسب تاویل کی جائے تاکہ عوام کو وساوس اور شبہات سے بچایا جاسکے اور جو واقعات تاویل کے لائق نہ ہوں تو وہ مردود ہیں، اس لئے کہ صحابہ کرام ﷺ کی فضیلت، اُن کی حسن سیرت اور اُن کا حق کی اتباع کرنا نصوص قطعیہ اور اجماع اہل حق سے ثابت ہے، پس روایات آحاد بالخصوص متعصب اور جھوٹے رافضیوں کی روایات ان قطعی روایات کے معارض

---

[1] (الناهية عن طعن أمير المومنين معاوية : ص ٥ ، الناشر : مكتبة الحقيقة ، شارع دار الشفقة فاتح ٥٧ استنبول تركي)

کیسے ہو سکتی ہیں ؟'' (ترجمہ ختم)

اس تمام تر تفصیل سے معلوم ہوا کہ ''مشاجرات صحابہ ؓ'' میں ''توقف'' و ''امساک'' اور ''کفِ لسان'' کے وجوب کا حکم مطلق نہیں، بلکہ یہ بعض مخصوص غیر ضرورت شرعیہ وشدیدہ مواقع کے ساتھ مقید ہے، البتہ بعض مخصوص مواقع میں ضرورتِ شرعیہ وشدیدہ کی بناء پر اس مسئلے میں ''توقف'' و ''امساک'' اور ''کفِ لسان'' کا حکم واجب کا نہیں رہتا بلکہ ناجائز کا ہو جاتا ہے، اور ایسے مواقع میں ''توقف'' و ''امساک'' اور ''کفِ لسان'' نہ کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

نیز ''مشاجرات صحابہ ؓ'' کے مسئلے میں ضرورت شرعیہ وشدیدہ کی بناء پر صحابہ کرام ؓ کے مقام ومرتبہ کی پاس داری اور اُس کا لحاظ رکھتے ہوئے اُن میں سے کسی ایک کی ''تصویب'' اور دوسرے کے ''تخطیہ'' پر موجود اسلاف کی عبارات نقل کرنا، اسی طرح اس مسئلے میں منقول شدہ روایات کا کسی کتاب میں ایک جگہ جمع کرنا بشرطیکہ اس سے کسی کا مقصد طعن وتنقید نہ ہو ''نقد'' نہیں کہلاتا، جیسا کہ اہل سنت والجماعت کے کئی اکابر مفسرین ومحدثین، اور مؤرخین وغیرہ حضرات نے ''مشاجرات صحابہ ؓ'' سے متعلق مختلف قسم کی روایات کو اپنی اپنی کتابوں میں جمع کیا ہے۔

## ''مجتہد مخطی'' ''حقیقت نفس الامر کے اعتبار سے بھی ''مخطی'' ہوتا ہے یا نہیں؟

اس بارے میں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ اجتہادی اختلافات پر تو حقیقت نفس الامری میں بھی گناہ یا خطاء کا اطلاق نہیں ہو سکتا، کیونکہ ''مجتہد مخطی'' بہر صورت ماجور ہوتا ہے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> ''...... یہ بھی ملحوظ رہے کہ ''کفِ لسان'' کا حکم بھی اُن خطاؤں کے بارے میں دیا گیا ہے جو فی الواقع خطائیں سمجھی جاتی ہیں، جیسے حضرت ماعز ؓ امراۃ غامدیہ رضی اللہ عنہا حضرت حسان ؓ حضرت مسطح ؓ سیدہ حمنہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حاطب ؓ وغیرہم کے واقعات ہیں۔ جب کہ مشاجرات اور اجتہادی اختلافات پر تو حقیقت نفس الامری میں بھی گناہ یا خطاء کا اطلاق نہیں ہو سکتا، کیونکہ ''مجتہد مخطی'' بہر صورت ماجور ہوتا ہے.....''[۱]

## جی ہاں! ''مجتہد مخطی'' ''حقیقت نفس الامر کے اعتبار سے بھی ''مخطی'' ہوتا ہے!

سبحان اللہ! پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے تو یہاں پر ''خطائے اجتہادی'' کو حقیقت نفس الامر کے اعتبار سے

---

(۱) (صحابہ ؓ کے ناقدین، ص ۱۷۱)

سے "خطاء" ماننے سے انکار کر دیا ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ چوں کہ "مجتہد مخطی" "عند اللہ ماجور" ہوتا ہے، اس لئے حقیقت نفس الامر کے اعتبار سے لفظ "خطاء" کا اطلاق "مجتہد مخطی" پر ہو ہی نہیں سکتا، حالاں کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی یہ بات کسی طرح بھی درست نہیں، بلکہ حقیقت نفس الامر کے اعتبار سے لفظ "خطاء" کا اطلاق "مجتہد مخطی" پر ہو سکتا ہے، اس لئے کہ جب دو مجتہد اجتہاد کرتے ہوئے باہم دو متضاد موقف اختیار کرتے ہیں تو لازماً ان میں سے ایک مجتہد "مصیب" اور دوسرا "مخطی" ہوتا ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ دونوں مجتہد اپنے اپنے متضاد اجتہاد میں "مصیب" ہی ہوں، یا دونوں "مخطی" ہی ہوں، بلکہ لازماً ان میں سے ایک "مصیب" اور دوسرا "مخطی" ہوتا ہے۔

## ایک مثال:

اس کی ایک عام اور سادہ سی مثال جو اکثر کتب فقہ میں مذکور ہے یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص اندھیری رات میں چند لوگوں کی امامت کرا رہا ہے اور اس نے تحری کر کے اپنے لئے قبلہ کی ایک جہت مثلاً مشرق متعین کی ہے، اور اس کے پیچھے والوں نے تحری کر کے کسی دوسری جہت کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لی، اور وہ یہ نہیں جانتے کہ امام نے منہ کس طرف کیا ہوا ہے؟ تو اس صورت میں ان سب کی نماز ادا ہو جائے گی۔

چنانچہ علامہ برہان الدین المرغینانی صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ) لکھتے ہیں:

"ومن ام قوماً في ليلة مظلمة ، فتحري القبلة وصلي الي المشرق وتحري من خلفه فصلي كل واحد منهم الي جهة و كلهم خلفه و لا يعلمون ما صنع الامام أجزاهم ."[1]

ترجمہ: اور جس شخص نے اندھیری رات میں کسی قوم کی امامت کی، اور قبلہ کی تحری کی اور مشرق کی طرف نماز پڑھ لی، اور اس کے پیچھے والوں نے (قبلہ کی) تحری کی اور ان میں سے ہر ایک نے ایک (علیحدہ) جہت کی طرف (منہ کر کے) نماز پڑھی، حالاں کہ یہ سب اس امام کے پیچھے ہیں اور وہ یہ نہیں جانتے کہ امام نے کس طرف منہ کیا ہوا ہے؟ تو ان سب کی نماز ادا ہو جائے گی۔ (ترجمہ ختم)

ایسی صورت میں نماز کا اجر سب کو ملے گا اور کوئی ایک بھی گناہ گار نہ ہوگا لیکن اس کے باوجود کوئی یہ نہیں کہہ

---

[1] الهداية شرح بداية المبتدي المرغيناني ١/٤٧ ، الناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان

سکتا کہ سب کی جہت قبلہ درست تھی۔

پس اسی طرح جب کسی مسئلہ میں دو مجتہد اجتہاد کرتے ہوئے متضاد موقف اختیار کرتے ہیں تو لازماً ان میں سے ایک مجتہد "مصیب" اور دوسرا "مخطی" ہوتا ہے، یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ دونوں مجتہد اپنے اپنے اجتہاد میں "مصیب" ہی ہوں، یا دونوں "مخطی" ہی ہوں۔

صاحب شریعت کا کسی "مجتہد مخطی" سے عفو و درگزر کا معاملہ فرما کر اُسے اجر واحد کا مستحق ٹھہرانا مآل کار، ثواب آخرت کے اعتبار سے ہے، حقیقت نفس الامر کے اعتبار سے اس کے "مجتہد مصیب" ہونے کے اعتبار سے نہیں ہے۔

یا بالفاظ دیگر صاحب شریعت نے "مجتہد مخطی" کے لئے اجر واحد کا اعلان اس لئے کیا ہے کہ اس نے ایک نیک مقصد اور ایک نیک کام میں حتی المقدور اپنی طاقت بشریہ کو کھپایا اور اس میں جدوجہد اور محنت سے کام لیا ہے اگرچہ وہ ایک صحیح اور درست سمت کی طرف رہنمائی حاصل نہ کر سکا۔ اس لئے نہیں کہ اس کا یہ اجتہاد حقیقت نفس الامر کے اعتبار سے بھی صحیح اور درست ہے۔

پس ثابت ہوا کہ "مجتہد مخطی" کا اپنی "خطائے اجتہادی" کے باوجود اجر واحد کا مستحق ہونا اور چیز ہے اور اس "اجر واحد" کے مستحق ہونے کے باوجود اس کا حقیقت نفس الامر کے اعتبار سے "مخطی" ہونا اور چیز ہے۔

لہٰذا "مجتہد مخطی" کے لئے اجر واحد کے استحقاق کے اعلان کو علت بنا کر حقیقت نفس الامر کے اعتبار سے اس کو "مجتہد مصیب" قرار دینا بعید از قیاس استدلال اور فقہ اسلامی کی مبادیات سے جہالت اور لاعلمی کا نتیجہ ہے۔

## کیا "خطائے اجتہادی" عنداللہ قابل گرفت ہے؟

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

> ....."یہ الگ بات ہے کہ حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب کے ایک عقیدت مند اور اُن کے جلیل القدر خلیفہ ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم کے دار الافتاء و التحقیق کے معین مفتی شعیب احمد صاحب حضرت معاویہ کی "خطائے اجتہادی" کو دُنیا میں بھی "قابل گرفت" سمجھتے ہیں، چنانچہ وہ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اصل بات یہ ہے کہ یہاں" اللهم اجعله هادياً ......" دُعاءِ ہدایت کی ہے اور ہدایت ضلالت وگمراہی کے منافی ہے، اجتہادی خطاء کو شامل نہیں، چنانچہ صفین کا واقعہ بتصریح اہل سنت اُن کی اجتہادی خطاء پر مبنی تھا۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر نے اُن کو شہید کیا تھا، ان کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ: " تقتلك الفئة الباغية " (تمہیں باغی جماعت قتل کرے گی) چوں کہ ان کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج نے قتل کیا تھا اس لئے وہ باغی جماعت تھی اور شریعت کی اصطلاح میں "باغی" وہ ہوتا ہے جو امام برحق کے خلاف خروج کرے، اگرچہ خروج کا فیصلہ اجتہاد ہی سے کیا ہو، چوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی تھے اور فقیہ تھے یعنی بڑے آدمی تھے اس لئے ان کی'' گرفت'' دُنیا ہی میں ہوئی کہ ان کو "باغی" کہا گیا اور یہ اس وجہ سے کہ تم لوگ تو علم وعقل والے اور مرتبے والے تھے، فیصلہ کرنے میں مزید غور وفکر کیوں نہیں کیا؟۔'' [1]

اس عبارت میں ''معین'' مفتی صاحب کی طرف سے ۲۰۱۲ء میں "حدیث عمار" کی بناء پر حضرت معاویہ کے خلاف جو توہین آمیز موقف پیش کیا گیا وہ قدرے مزید شدت کے ساتھ صدر مفتی ڈاکٹر عبد الواحد صاحب ۲۰۰۸ء میں پیش کر چکے ہیں، چنانچہ وہ اپنے ایک مضمون ''مولانا طارق جمیل صاحب کی بے اعتدالیاں اور اُن کا جواب'' میں فرماتے ہیں کہ: ''...... اجتہادی غلطی کی اگر اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی جانب سے نشان دہی کردی جائے تو صرف اُسی وقت وہ یقینی طور پر" خطاء" ہوگی، جیسا کہ حضرت معاویہ کے بارے میں رسول اللہ نے حضرت عمار بن یاسر کو بتایا کہ: " تقتلك الفئة الباغية " (یعنی تمہیں باغی جماعت قتل کرے گی۔)

شریعت کی نظر میں "باغی" اُس کو کہتے ہیں جو امام حق کے خلاف ناحق خروج کرے، اگرچہ اس کی بنیاد اجتہاد پر ہو، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد کی بنیاد پر حضرت

---

[1] (یزید کی شخصیت علامہ ابن جوزیؒ کی نظر میں: ص ۱۳۰، مطبوعہ شاہ نفیس اکادمی لاہور)

علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا اور حدیث نے بتایا کہ وہ امام حق کے خلاف ناحق تھا لہذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کا "خطاء" ہونا ہمیں معلوم ہو گیا۔

خلفائے اربعہ کے کسی اجتہاد کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایسی کی (کوئی، از: راقم الحروف) تصریح تو کیا اشارہ بھی نہیں ملتا کہ ان کا اجتہاد اللہ اور اُس کے رسول کی نظر میں پسندیدہ نہیں تھا۔" [۱]

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی فرماتے ہیں کہ:

"اس جنگ کے دوران میں ایک واقعہ پیش آ گیا جس نے نص صریح سے یہ بات کھول دی کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون؟ وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جو حضرت علی کی فوج میں شامل تھے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے، حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے متعلق نبی ﷺ کا یہ ارشاد صحابہ رضی اللہ عنہم میں معروف و مشہور تھا اور بہت سے صحابیوں نے اس کو حضور ﷺ کی زبان سے سُنا تھا کہ: "تقتلک الفئة الباغية" (تم کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا)۔" [۲]

صدر مفتی جناب ڈاکٹر عبدالواحد صاحب کا حدیث عمار رضی اللہ عنہ کی رُو سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یقینی طور پر "خطاء کار" ثابت کرنا جہاں "مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم" کے بارے میں شرعی حکم سے تجاوز ہے وہیں نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس پر ایک عظیم "بہتان" بھی ہے، موصوف کی اس ناروا "جسارت" پر سخت تعجب ہے۔

حدیث عمار رضی اللہ عنہ کے حوالے سے صدر مفتی جناب ڈاکٹر عبدالواحد صاحب اور معین مفتی شعیب احمد صاحب کے غلط استدلال اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر "فرد جرم" کے جواب کا یہ موقع نہیں ہے۔ تفصیل کے خواہش مند راقم الحروف کی کتاب "سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی جائزہ" کی طرف مراجعت فرمائیں۔

---

۱ (ماہنامہ "حق چار یار" ص ۳۸، جون ۲۰۰۸ء)

۲ (خلافت و ملوکیت ص ۱۳۶، ناشر ادارہ ترجمان القرآن لاہور)

اگر ان مفتیان کرام کی "توضیح" کے مطابق "حدیث عمار کی رو سے حضرت معاویہ ؓ کو یقینی طور پر باغی، خطا کار اور دنیا میں ہی قابل گرفت قرار دے دیا جائے تو.....

حدیث عمار ؓ کے چار صحابی راویوں سمیت کثیر صحابہ ؓ قتل عمار ؓ کے بعد بھی کیوں غیر جانب دار رہے؟ نیز دو صحابی راویوں سمیت دیگر ہزاروں صحابہ ؓ و تابعین ؒ نے حضرت معاویہ ؓ کی حمایت کیوں جاری رکھی؟ بلکہ خود حضرت علی ؓ نے اس "نص صریح" کے باوجود جنگ بندی اور تحکیم کیوں قبول فرمائی؟۔

غلو عقیدت، مسلکی مصلحت اور شخصیت پرستی کے خول سے نکل کر کتاب و سنت کی روشنی میں قرآنی شخصیات یعنی صحابہ کرام بالخصوص حضرت معاویہ کے بارے میں فیصلہ کیا جائے کہ کیا کسی بھی غیر صحابی بزرگ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ان کی توہین، تنقیص اور تخلیہ کرتا پھرے؟۔"[1]

## حضرت معاویہ ؓ کے "مجتہد مخطی" اور "غیر مجتہد مخطی" کی بحث:

اس بارے میں بنیادی بات تو یہ عرض ہے کہ حضرت معاویہ ؓ کے حضرت علی ؓ کے خلاف ناحق خروج کو بعض علماء نے حدیث عمار: "تقتلک الفئة الباغية" کی رو سے ان کی "خطائے اجتہادی" ماننے سے ہی صاف انکار کر دیا ہے۔ اس لئے کہ جب حضرت عمار ؓ کی شہادت حضرت معاویہ ؓ کی جماعت کے ہاتھوں ہو گئی اور حدیث عمار ؓ کا مصداق حضرت معاویہ ؓ اور ان کی جماعت کا نام خوب اچھی طرح واضح ہو کر سامنے آ گیا تو اس کے بعد بھی حضرت معاویہ ؓ کا حضرت علی ؓ کے ساتھ برابر قتال جاری رکھنا اور مسلسل لڑتے رہنا حق سے اعراض اور باطل پر اصرار کرنے کے مترادف ہے۔

چنانچہ علامہ شوکانی "نیل الاوطار" میں لکھتے ہیں:

" ..... و يبعد ذلك طل البعد ولا سيما في حق من عرف منهم الحديث الصحيح أنها تقتل عماراً الفئة الباغية " فان اصراره بعد ذلك على مقاتلة من كان معه عمار معاندة للحق وتماد في الباطل كما لا يخفى

---

[1] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین ص ۱۷ ..... ۱۹)

لایخفی علی منصف ."[۱]

ترجمہ: اور یہ بات (کہ دین کے بجائے دنیا حاصل کرنے کی خاطر ایک دوسرے سے لڑنا) خصوصاً ان لوگوں (لشکر معاویہ رضی اللہ عنہ) سے بہت زیادہ بعید ہے جو اس صحیح حدیث سے خوب اچھی طرح واقف تھے کہ: "حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی" کیوں کہ اس کے بعد بھی اس جماعت کا اُن لوگوں کے ساتھ باہم قتل وقتال پر مصر رہنا کہ جس میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ ہیں، حق سے اعراض اور باطل پر ڈٹے رہنے کے مترادف تھا، جیسا کہ ہر ایک منصف مزاج شخص کو معلوم ہے۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:

" وقال الكرماني : علي ومعاوية رضي الله عنهما كلاهما كانا مجتهدين. غاية مافي الباب أن معاوية كان مخطئاً في اجتهاده ونحوه انتهى. قلت: كيف يقال كان معاوية مخطئاً في اجتهاده ، فما كان الدليل في اجتهاده وقد بلغه الحديث الذي قال : ويح ابن سمية تقتله الفئة الباغية وابن سمية هو عمار بن ياسر وقد قتله فئة معاوية ." [۲]

ترجمہ: علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ (اس معاملہ میں) دونوں مجتہد تھے۔ زیادہ سے زیادہ اس بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ "مجتہد مخطی" تھے (اور حضرت علی رضی اللہ عنہ "مجتہد مصیب" تھے۔) میں کہتا ہوں کہ (اس معاملہ میں) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مجتہد مخطی کیسے کہا جا تا ہے؟ اور اُن کے اجتہاد کے بارے میں کیا دلیل ہے؟ حالاں کہ انہیں یہ حدیث معلوم ہے کہ "ابن سمیہ پر افسوس ہے کہ اُسے ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔" اور ابن سمیہ سے مراد حضرت عمار رضی اللہ عنہ ہیں جنہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت نے قتل کیا تھا۔ (ترجمہ ختم)

---

[۱] (الأوطار للشوكاني: ۱۲۲/۷ ، الناشر: ادارة الطباعة المنيرية)

[۲] (عمدة القاري شرح صحيح البخاري للعيني: ۱۹۲/۲٤ ، الناشر: دار احياء التراث العربي ، بيروت)

اگرچہ جمہور اہل سنت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو "مجتہد مخطی" کہتے ہیں، مگر "خطاء" کی نوعیت کو "بغاوت" سے تعبیر کرنے پر وہ بھی متفق ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ یہ حضرات اور ان جیسے بعض دوسرے علماء حدیث عمار رضی اللہ عنہ کے مصداق کے واضح ہو جانے کے بعد بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت کے ساتھ برابر قتال کرتے رہنے کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی غیر اجتہادی (بشری) خطا قرار دیتے ہیں اور بشری خطا کے صادر ہونے کے نتیجے میں جس طرح اللہ تعالی نے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دُنیا ہی میں سزا دے کر انہیں گناہوں اور کدورتوں سے پاک صاف کر دیا تھا اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی اس بشری اور غیر اجتہادی خطا کے صادر ہونے کے باعث "باغی" کہہ کر انہیں بھی اس گناہ سے دُنیا ہی میں پاک اور صاف کر دیا ہے۔

لہٰذا اب اس تناظر میں اگر دیکھا جائے تو مفتی شعیب احمد صاحب کی یہ تحقیق کہ:

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی گرفت دُنیا ہی میں ہوئی کہ اُن کو "باغی" کہا گیا"

اپنی جگہ بالکل صحیح اور درست معلوم ہوتی ہے۔

ظاہر ہے کہ باغی کا اطلاق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کسی اور نے نہیں کیا بلکہ خود شارع علیہ السلام نے کیا ہے، اس لئے ناقل پر کیا الزام عائد ہو سکتا ہے، جب کہ وہ عناداً نہیں بلکہ ایک شرعی مسئلہ کی وضاحت کے لئے ایسا کر رہا ہے۔

## حدیث عمار رضی اللہ عنہ کی رُو سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے اجتہاد میں مخطی تھے!

اور جہاں تک صدر مفتی ڈاکٹر عبد الواحد صاحب اور مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کے حدیث عمار رضی اللہ عنہ کی رو سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو "باغی" ثابت کرنے کے مذکورہ بالا استدلال کا تعلق ہے تو اس میں یہ دونوں حضرات تنہا نہیں ہیں، بلکہ یہ تو جمہور علمائے اہل سنت کا ایک اجماعی موقف ہے کہ حدیث عمار رضی اللہ عنہ "تقتلک الفئة الباغیة" کی رُو سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت کا حق پر ہونا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت کا خطاء پر ہونا ایک ایسی رُوشن حقیقت ہے کہ جس سے کوئی بھی منصف مزاج شخص انکار نہیں کر سکتا۔

۱۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

"وفي قوله صلي الله عليه وسلم: تقتل عماراً الفئة الباغية دلالة

واضحة علىٰ أن عليا ومن معه كانوا علىٰ الحق وأن من قاتلهم كانوا مخطئين في تاويلهم . والله اعلم .“[۱]

ترجمہ: حضورِ اقدس ﷺ کے اس قول: ”عمار رضی اللہ عنہ کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی“ میں اس بات پر واضح دلالت موجود ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھی حق پر تھے اور ان کے قتال کرنے والے اپنی تاویل میں غلطی پر تھے۔ واللہ اعلم۔ (ترجمہ ختم)

۲- اسی طرح امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں:

” فتقرر عند علماء المسلمين ، وثبت بدليل الدين أن عليا رضي الله عنه كان اماماً ، وأن كل من خرج عليه باغ ، وأن قتاله واجب ، حتي يفيٓ الي الحق ، وينقاد الي الصلح .“[۲]

ترجمہ: پس مسلمانوں کے علماء کے نزدیک دین کی دلیل سے ثابت ہوگیا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ امام (خلیفہ راشد) تھے، اور جس نے بھی اُن کے خلاف خروج کیا ہے وہ باغی ہے، اور اُس سے قتال واجب ہے، یہاں تک کہ وہ حق کی طرف لوٹ آئے، اور صلح کرنے پر رضامند ہو جائے۔ (ترجمہ ختم)

۳- اسی طرح علامہ ابن حزم الظاہری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۵۶ھ) لکھتے ہیں:

” فقد صح عن النبي صلي الله عليه وسلم أنه أنذر بخارجة تخرج من طائفتين من أمة يقتلها أولي الطائفتين بالحق ، فكان قاتل تلك الطائفة علي رضي الله عنه فهو صاحب الحق بلا شك . وكذلك انذر عليه السلام بان عماراً تقتله الفئة الباغية فصح أن علياً هو صاحب الحق . وكان عليٌ السابق الي الامامة فصح بعد ان صاحبها وان من نازعه فيها فمخطئٌ فمعاوية مخطئٌ ماجور مرة ، لأنه مجتهد ولا حجة في خطأ المخطئ .“[۳]

---

[۱] (فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن حجر العسقلاني : ۶/۶۱۹ ، الناشر : دار المعرفة ، بيروت ، هجرية)

[۲] (الجامع لأحكام القرآن المعروف بتفسير القرطبي : )

[۳] (الفصل في الملل والأهواء والنحل لابن حزم الظاهري : ۴/۷۳ ، الناشر : مكتبة الخانجي ، القاهرة)

ترجمہ: چنانچہ نبی اکرم ﷺ سے ایک صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ آپ نے اپنی اُمت کی دو جماعتوں میں سے خروج کرنے والی جماعت کو اس بات سے آگاہ کیا کہ حق سے زیادہ قریب دوسری جماعت ان سے قتال کرے گی۔ پس اس برحق جماعت کے قتال کرنے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور بلا شک وریب صاحب حق ہیں۔ اسی طرح آپ نے اس بات سے بھی آگاہ فرمایا کہ عمار رضی اللہ عنہ کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی، پس ثابت ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی صاحب حق ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے خلیفہ بنے تھے تو اس کے بعد ثابت ہوا کہ آپ خلافت کے اہل تھے، اور جنہوں نے آپ سے اس بارے میں جھگڑا کیا تو وہ خطئی ہیں پس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی خطئی ہیں (اور) اجر واحد کے مستحق ہیں۔ (ترجمہ ختم)

۴- اسی طرح علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۳۱ھ) میں لکھتے ہیں:

" (ويح عمار) بالجر على الاضافة و هو ابن ياسر (تقتله الفئة الباغية) قال القاضي في شرح المصابيح: يريد به معاوية وقومه ...... الخ و هذا صريح في بغي طائفة معاوية الذين قتلوا عماراً في وقعة صفين وأن الحق مع علي." [۱]

ترجمہ: (افسوس! عمار رضی اللہ عنہ کو) لفظ عمار اضافت کی بناء پر مجرور ہے۔ اور یہ یاسر کے بیٹے ہیں۔ (ایک باغی جماعت قتل کرے گی) قاضی نے مصابیح کی شرح میں کہا ہے کہ یہ حدیث حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت کے باغی ہونے کے بارے میں صریح ہے، جنہوں نے واقعہ صفین میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا اور اس بارے میں بھی صریح ہے کہ اس واقعہ میں حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔ (ترجمہ ختم)

۵- اسی طرح علامہ محمد بن علی الاثیوبی الولوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"وفي ..... قوله صلى الله عليه وسلم: تقتل عماراً الفئة الباغية دلالة واضحة على أن علياً رضي الله عنه ومن معه كانوا على الحق وأن من قاتلهم

---

[۱] فيض القدير شرح جامع الصغير للمناوي: ٦/٣٦٥، الناشر: المكتبة التجارية الكبرى، مصر)

كانوا مخطئين في تأويلهم . والله تعالىٰ أعلم ."[۱]

ترجمہ: اور آنحضرت ﷺ کے اس قول: "عمار رضی اللہ عنہ کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔" اس بات پر واضح دلالت موجود ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھی حق پر تھے اور ان سے لڑنے والے اپنی تاویل میں خطاء پر تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (ترجمہ ختم)

۶۔ اسی طرح علم عقائد کے مشہور محقق علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں:

"ان أهل السنة اجمعوا علىٰ أن من خرج علىٰ عليٍّ كرم الله وجهه خارج علىٰ الامام الحق ، الا أن هذا البغي الاجتهادي معفو عنه ."[۲]

ترجمہ: اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اجماع ہے کہ جن لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا ہے تو اُنہوں نے ایک امام برحق کے خلاف ناحق خروج کیا ہے (اور اسے بغاوت کہا جاتا ہے) مگر چوں کہ یہ بغاوت اجتہاد شرعی کے نتیجہ میں تھی اس لئے ان حضرات کے حق میں یہ معاف ہے۔ (ترجمہ ختم)

۷۔ اسی طرح شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم لکھتے ہیں:

"..... حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت چوں کہ نہایت مضبوط دلائل سے منعقد ہو چکی تھی، اس لئے حضرت عائشہؓ یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ان کے خلاف قتال کرنا بلاشبہ غلط تھا، اور دنیوی احکام کے اعتبار سے بغاوت کے ذیل میں آتا تھا، جو نفس الامر کے لحاظ سے گناہ و کبیرہ یعنی فسق ہے، اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اُن سے جنگ لڑنا جائز و برحق تھا۔ لیکن چوں کہ حضرت عائشہؓ ہوں یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، دونوں سے یہ عمل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عداوت یا بغض کی وجہ سے نہیں، بلکہ شبہ اور تاویل کی بناء پر صادر ہوا تھا، اور بہر حال وہ بھی اپنے پاس دلائل رکھتے تھے، جو غلط فہمی پر مبنی سہی، لیکن دیانت دارانہ تھے، اس لئے اُخروی احکام کے اعتبار سے ان کا یہ عمل اجتہادی غلطی کے ذیل میں آتا ہے۔

---

[۱] (عمدة القاري في شرح البخاري ۲۳/۱۲۷، الناشر: دار السراج الدولية للنشر، و دار آل بروم للنشر والتوزيع)

[۲] (النبراس شرح شرح العقائد للفرهاروي، ص ۳۸، تحت الجواب التاسع، الناشر: المكتبة الحقيقة، استنبول، تركي)

> اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ذبیحہ پر جان بوجھ کر بسم اللہ چھوڑ کر اسے مار دینا اور پھر اسے کھانا دلائل قطعیہ کی بناء پر گناہ کبیرہ ہے، لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اجتہاد سے اسے جائز سمجھا ہے، اس لئے اگر کوئی شافعی المسلک انسان اسے کھالے تو اس کا یہ عمل دلائل شرعیہ کی رُو سے گناہِ کبیرہ اور فسق ہے، لیکن چوں کہ وہ نہایت دیانت دارانہ اجتہاد کی بنیاد پر صادر ہوا، اس لئے اس شخص کو فاسق نہیں کہا جائے گا۔ اسی طرح کسی امام برحق کے خلاف بغاوت کرنا گناہِ کبیرہ اور فسق ہے، لیکن..... اگر کوئی شخص جو اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہو، اپنے دیانت دارانہ اجتہاد کی رُو سے اسے جائز سمجھتا ہو تو اس کی بناء پر وہ فاسق نہیں ہوتا، بلکہ اس کی غلطی کو خطائے اجتہادی کہا جاتا ہے۔[1]

پس معلوم ہوا کہ ان دونوں حضرات صدر مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب کا استدلال اپنی جگہ بالکل صحیح اور درست ہے، اور علمائے اہل سنت والجماعت کی ترجمانی میں ان کے معتدل اور مبنی برحقیقت نظریے کے عین موافق ہے۔

## کیا کسی ''مجتہد مخطی'' کا یقینی طور پر ''تخطیہ'' کیا جاسکتا ہے؟:

باقی رہی بات کسی مجتہد کا یقینی طور پر ''تخطیہ'' کرنے کی تو بقول صدر مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب کے کہ:

> ''اجتہادی غلطی کی اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جانب سے نشان دہی کر دی جائے تو صرف اسی وقت وہ یقینی طور پر خطاء ہوگی۔''

جیسا کہ حدیث عمار رضی اللہ عنہ میں ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس سے یہ بات ہرگز لازم نہیں آتی کہ اس سے اُس مجتہد مخطی کی کسی طرح توہین یا تنقیص ثابت ہوتی ہے۔ اگر علمائے اسلام کسی مجتہد کا یقینی طور پر کسی دلیل شرعی کی بناء پر ''تخطیہ'' کریں تو یہ اس کی توہین یا تنقیص کو مستلزم نہیں، اس لئے کہ بسا اوقات بعض شرعی ضروریات کی بناء پر صحیح مسئلے کا سراغ لگانا لازم ہوتا ہے اور کسی دلیل شرعی یا قرینہ کے پائے جانے کی صورت میں اصل مسئلہ واضح ہو جاتا ہے، اور اس کے بعد یقینی طور پر اگر کسی ''مجتہد مخطی'' کا ''تخطیہ'' کرنا پڑ جاتا ہے تو اس سے اُس مجتہد کی توہین یا تنقیص ہرگز ثابت نہیں ہوتی، اس لئے کہ علمائے اہل سنت نے وہ کیا جو ان پر واجب تھا، جب کہ مجتہد مخطی اپنی اس خطائے اجتہادی

[1] (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق، ص ۲۶۲، ۲۶۳، ناشر: مکتبہ معارف القرآن کراچی)

کے باوجود عنداللہ مغفور و ماجور اور مستحق ثواب ہوتا ہے۔

## پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا اعتراض:

حدیث عمار رضی اللہ عنہ ﴿تقتلک الفئۃ الباغیۃ﴾ کی رُو سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے یقینی طور تخطیہ کرنے پر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے یہاں یہ اعتراض کیا ہے کہ:

> ''حدیث عمار کے چار صحابی رضی اللہ عنہم راویوں سمیت کثیر صحابہ قتل عمار کے بعد بھی کیوں غیر جانب دار رہے؟ نیز دو صحابی رضی اللہ عنہم راویوں سمیت دیگر ہزاروں صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعینؒ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حمایت کیوں جاری رکھی؟ بلکہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس ''نص صریح'' کے باوجود جنگ بندی اور تحکیم کیوں قبول فرمائی؟۔''
>
> (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۸)

## پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے اعتراض کا جواب:

تو اس کا جواب یہ ہے کہ جنگ صفین میں حدیث عمار رضی اللہ عنہ کے راویوں میں سے صرف چند ایک افراد شامل تھے۔ اکثر راوی مثلاً حضرت ابو سعید خدری، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما وغیرہما موجود نہ تھے۔ کوئی ''مکہ'' میں تھا، کوئی ''مدینہ'' میں تھا اور کوئی ''کوفہ'' میں تھا۔ نیز جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ قتل ہوئے تو وہ جنگ کا آخری دن تھا، اور اس کے چند گھنٹوں بعد جنگ بندی ہوگئی تھی۔ لہٰذا ایسے میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر دوسرے شہروں تک جاتا اور پھر وہاں سے حدیث عمار رضی اللہ عنہ کے راویوں کا میدان جنگ میں آکر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینا ناممکن تھا۔ البتہ حدیث عمار رضی اللہ عنہ کے جو غیر جانب دار راوی موقع پر موجود تھے، قتل عمار رضی اللہ عنہ کے بعد وہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہوگئے۔

## قتل عمار رضی اللہ عنہ کے بعد لشکر علوی رضی اللہ عنہ میں شامل ہونے والے حضرات:

### (۱) حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ:

چنانچہ جنگ صفین میں غیر جانب دار رہنے والے حدیث عمار رضی اللہ عنہ کے مشہور راوی حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ مشہور اور صحیح حدیث میں ہے کہ جنگ صفین میں قتل عمار رضی اللہ عنہ سے پہلے وہ غیر جانب دار تھے، لیکن جوں ہی حضرت عمار رضی اللہ عنہ قتل ہوئے یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں آکر شامل ہوگئے اور شہید ہونے تک برابر لڑتے رہے۔

چنانچہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "مستدرک" میں یہ صحیح حدیث نقل کی ہے کہ:

"شهد خزيمة بن ثابت الصفين وهو لا يسل سيفاً ,قال أنا لا أحل أبداً بقتل عمار فأنظر من يقتله فاني سمعت رسول الله صلي الله عليه وسلم يقول :﴿تقتلك الفئة الباغية﴾ قال : فلما قتل عمار قال خزيمة : قد حانت له الضلالة ، ثم أقرب ."[1]

ترجمہ: حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ جنگ صفین میں موجود تھے، لیکن اُنہوں نے تلوار نہیں اُٹھائی، اور فرمایا کہ: "قتل عمار رضی اللہ عنہ سے میں کبھی نہیں ہٹ سکتا، لہٰذا میں دیکھتا ہوں کہ انہیں کون قتل کرے گا؟ کیوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو (حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو) یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: "تجھے ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔" راوی کہتے ہیں کہ جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ قتل ہو گئے تو حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: "اب اُن کے لئے بھٹکنے کا وقت آن پہنچا ہے، پھر وہ قریب ہوئے (اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہو گئے اور لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح "مصنف ابن ابی شیبہ" میں ہے:

"عن محمد بن عمارة بن خزيمة بن ثابت قال : ما زال جدي كافا سلاحه يوم صفين ويوم الجمل حتي قتل عمار فلما قتل سل سيفه وقال: سمعت رسول الله صلي الله عليه وسلم يقول : تقتل عماراً الفئة الباغية فقاتل حتي قتل ."[2]

ترجمہ: محمد بن عمارہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ میرے دادا خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ جنگ جمل وصفین میں برابر اپنے ہتھیار (تلوار) کو روکے رہے یہاں تک کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ قتل ہو گئے۔

---

[1] (المستدرك على الصحيحين للحاكم : ٤٣٤/٤ ، الناشر ، دار الكتب العلمية ، بيروت )

[2] (المصنف لابن أبي شيبة : ٥٥٢/٧ ، الناشر : مكتبة الرشد ، الرياض )

چنانچہ جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ قتل ہوئے تو انہوں نے اپنی تلوار سونت لی اور فرمایا کہ:
میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عمار رضی اللہ عنہ کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔" پس وہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے اہل شام سے) لڑتے رہے یہاں کہ قتل ہو گئے۔(ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:

"و كان (أي خزيمة بن ثابت) مع عليٍّ رضي الله عنه بصفين فلما قتل عمار سل سيفه فقاتل حتي قتل ."[1]

ترجمہ: جنگ صفین میں حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے پس جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ قتل ہوئے تو انہوں نے تلوار سونت لی اور لڑتے رہے یہاں تک کہ قتل ہو گئے۔(ترجمہ ختم)

اور علامہ ابوحفص ابن ملقن مصری شافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۰۴ھ) لکھتے ہیں:

"وخزيمة بن ثابت ..... شهد صفين ممسكا عن القتال ، فلما قتل عمار قال : سمعت النبي صلي الله عليه وسلم يقول لعمار : تقتلك الفئة الباغية فجرد سيفه وقاتل حتي قتل ."[2]

ترجمہ: حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ جنگ صفین میں موجود تھے، لیکن لڑائی سے رُکے رہے۔ پس جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ قتل ہوئے تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا وہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے فرما رہے تھے کہ:

"تمہیں ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔"

پس انہوں نے اپنی تلوار ننگی کی (یعنی نیام سے باہر نکالی) اور لڑنا شروع کر دیا یہاں تک کہ قتل ہو گئے۔(ترجمہ ختم)

---

[1] (عمدة القاري شرح صحيح البخاري للعيني : ١٠٤/١٤ ، الناشر: دار احياء التراث العربي ، بيروت)
[2] (التوضيح لشرح الجامع الصحيح لابن ملقن : ٤٣٦/٢٢ ، الناشر ، دار النوادر ، دمشق ، سوريا)

﴿۲﴾ حضرت زبیر بن عبد الخولانی رضی اللہ عنہ:

اسی طرح جنگ صفین میں حضرت معاویہ کی طرف سے شریک ہونے والے ایک اور صحابی حضرت زبیر بن عبد الخولانی رضی اللہ عنہ بھی قتل عمار رضی اللہ عنہ کے بعد لشکر علوی رضی اللہ عنہ میں شامل ہو گئے تھے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

"زبید بن عبد الخولاني : له ادراک ، وشهد فتح مصر ، ثم شهد صفين مع معاوية ، وكانت معه الراية ، فلما قتل عمار تحول الي عسكر علي ذكره ابن يونس ومن تبعه "[۱]

ترجمہ: زبید بن عبد الخولانی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کو پایا، اور فتح مصر میں موجود تھے، پھر جنگ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی موجود رہے، جھنڈا آپ کے پاس تھا، پس جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ قتل ہو گئے تو آپ لشکر علوی رضی اللہ عنہ کی طرف پھر گئے۔ ابن یونس اور اُن کے متبعین نے اس کا ذکر کیا ہے۔

﴿۳﴾ حضرت ہُنی رحمۃ اللہ علیہ:

اسی طرح بعض شامی تابعی حضرات بھی قتل عمار رضی اللہ عنہ کے بعد شامی لشکر کو چھوڑ کر لشکر علوی رضی اللہ عنہ میں شامل ہو گئے تھے۔

چنانچہ اسی طرح کے ایک شامی بزرگ حضرت ہُنیؒ (جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام) کا ذکر کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

"وشهد ( اي هُنَيٌّ مولي عمر بن الخطاب رضي الله عنه ) صفين مع معاوية ، ثم تحول الي عليٌّ لما قتل عمار "[۲]

ترجمہ: ہُنی جنگ صفین میں (پہلے تو) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، لیکن جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ قتل ہوئے تو یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔

---

۱ (الاصابة في تمييز الصحابة لابن حجر العسقلاني : ۵۲۰/۲ ، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان )

۲ (فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن حجر العسقلاني : ۱۷۶/۶ ، الناشر : دار المعرفة ، بيروت ، لبنان )

اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح تھی کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو اہل شام نے قتل کیا ہے، اور قاتل کوئی گم نام نہیں بلکہ مشہور صحابی حضرت ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ تھے جو لشکر شام کے افسر تھے، اور اس پر اسماء الرجال کے ماہرین کا اتفاق ہے۔

چنانچہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں:

" أبو الغادية يسار بن سبع ، قاتل عمار ، له صحبة ." [۱]

ترجمہ: ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ کا نام یسار بن سبع ہے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ ان کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ یہ صحابی ہیں۔

اسی طرح امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۸۵ھ) لکھتے ہیں:

" أما غادية فهو أبو الغادية يسار بن سبع له صحبة ..... وهو قاتل عمار بن ياسر بصفين ." [۲]

ترجمہ: بہرحال غادیہ تو وہ ابو الغادیہ یسار بن سبع رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، اور یہی جنگ صفین میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قاتل ہیں۔ (ترجمہ ختم)

اور علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

" فأما أبو الغادية فطعنه ." [۳]

ترجمہ: بہرحال ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ تو انہوں نے (حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو) نیزہ مارا (اور شہید کیا)۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ ابن اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۳۰ھ) لکھتے ہیں:

" يسار بن سبع أبو الغادية الجهني ..... وهو قاتل عمار بن ياسر ." [۴]

ترجمہ: یسار بن سبع ابو الغادیہ الجہنی رضی اللہ عنہ ہیں..... اور یہی حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قاتل ہیں۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

---

[۱] (الكنى والأسماء للمسلم: ۲/۶۶۹، الناشر: عمادة البحث العلمي بالجامعة الإسلامية، المدينة المنورة، السعودية)

[۲] (المؤتلف والمختلف للدار قطني: ۴/۱۷۹۲، ۱۷۹۳، الناشر: دار الغرب الإسلامي، بيروت)

[۳] (الاستيعاب في معرفة الأصحاب لابن عبد البر: ۳/۱۱۳۹، الناشر: دار الجيل، بيروت)

[۴] (أسد الغابة في معرفة الصحابة لابن أثير الجزري: ۵/۴۸۰، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

**أبو الغادية الجهني : يسار بن سبع ، له صحبة ، وهو قاتل عمار ."** [1]

ترجمہ: ابو الغادیہ الجہنی ﷛ کا نام یسار بن سبع ہے، یہ صحابی ہیں اور یہی حضرت عمار ﷛ کے قاتل ہیں۔

اور یہ بات تو پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی بالکل ہی غلط ہے کہ حضرت معاویہ ﷛ کے ساتھ "جنگِ صفین" میں ہزاروں صحابہ ﷛ تھے، ہزاروں نہیں بلکہ گنتی کے چند صحابہ ﷛ تھے، جن کی تعداد علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے دس (۱۰) تک بتلائی ہے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

**"وشهد صفين مع معاوية من الصحابة عمرو بن العاص السهمي وابنه عبد الله ، وفضالة بن عبيد الأنصاري ومسلمة بن مخلد ، والنعمان بن بشير ومعاوية بن حديج الكندي و أبو غادية الجهني قاتل عمار و حبيب بن مسلمة الفهري و أبو الأعور السلمي و بسر بن أرطأة العامري ."** [2]

ترجمہ: جنگِ صفین میں حضرت معاویہ ﷛ کے ساتھ شریک ہونے والے صحابہ ﷛ کے نام یہ ہیں: (۱) عمرو بن العاص سہمی ﷛ (۲) اور اُن کے بیٹے عبد اللہ بن عمرو ﷛ (۳) فضالہ بن عبید انصاری ﷛، (۴) مسلمہ بن مخلد ﷛ (۵) نعمان بن بشیر ﷛ (۶) معاویہ بن حدیج کندی ﷛، (۷) ابو غادیہ جہنی ﷛ قاتل عمار ﷛، (۸) حبیب بن مسلمہ فہری ﷛ (۹) ابو الاعور سلمی ﷛، (۱۰) بسر بن ارطاۃ عامری ﷛۔ (ترجمہ ختم)

نیز خود حضرت معاویہ ﷛ کو اس بات کا اقرار تھا کہ "جنگِ صفین" میں میرے ساتھ چند صحابہ ﷛ تھے۔

چنانچہ یہ روایت ملاحظہ فرمائیے!

**" عن عبادة بن نسي ، قال : خطبنا معاوية رضي الله عنه علىٰ منبر الصُّنْبُرة ...... وقال : ...... لقد شهد معي صفين عدة من أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم ."** [3]

---

[1] ( ألمغني في سرد الكنى للذهبي : ۲/۳، ألناشر : ألمجلس العلمي بالجامعة الإسلامية ، ألمدينة المنورة ، ألسعودية )

[2] ( سير أعلام النبلاء للذهبي : ۲/۵۲۷ ، ألناشر : دار الحديث ، ألقاهرة )

[3] ( ألآحاد والمثاني لابن أبي عاصم : ۱/۳۷۵ ، ألناشر : دار الراية ، ألرياض ، المملكة العربية ، ألسعودية )

ترجمہ: عبادہ بن نسی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ ﷛ نے صبرہ کے منبر پر ہمیں خطبہ دیا...... اور فرمایا ...... میرے ساتھ "جنگ صفین" میں چند اصحاب محمد ﷺ موجود تھے۔ (ترجمہ ختم)

## ایک شبہ اور اُس کا ازالہ:

ممکن ہے کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب ہم پر یہ اعتراض کریں کہ لفظ "عدۃ" کا معنی تو لغت میں "جماعت" کا بھی آتا ہے، تو پھر تم نے اس کا معنی "چند" ہی کے لفظ سے کیوں کیا ہے؟ تو اُس کا جواب یہ ہے کہ ایک قرینہ پائے جانے کی وجہ سے یہاں پر ہم نے لفظ "عدۃ" کا ترجمہ "چند" کے لفظ سے کیا ہے اور وہ قرینہ یہ ہے کہ حدیث، تواریخ، اور اسماء الرجال وغیرہ کی کتابیں یہ بتاتی ہیں کہ جنگ صفین میں حضرت معاویہ ﷛ کے ساتھ شریک ہونے والے صحابہ کرام ﷛ کی تعداد دس، بیس سے زیادہ نہیں تھی، جیسا کہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ابھی اوپر گزرا، اس لئے ہم نے لفظ "عدۃ" کا ترجمہ "چند" کے لفظ سے کیا ہے۔

چنانچہ آپ کتب حدیث، کتب تواریخ اور کتب اسماء الرجال کو چھانیں تو بمشکل دس سے بیس صحابہ ﷛ کے نام ملیں گے، جن میں سے اکثر و بیشتر غیر معروف ہیں، حتیٰ کہ اُن کی صحابیت بھی مختلف فیہ ہے۔ نیز مغیرہ بن شعبہ ﷛، مروان بن حکم ﷛، عبداللہ بن ابی سرح ﷛ جیسے بڑے شامی حضرات بھی ان جنگوں کے دوران حضرت معاویہ ﷛ سے الگ رہے۔

اب رہا یہ سوال کہ "قتل عمار ﷛" کے سبب جب معاملہ واضح ہو گیا کہ حق حضرت علی ﷛ کے ساتھ ہے اور حضرت معاویہ ﷛ خطاء پر ہیں اور بغاوت کر رہے ہیں تو پھر عمومی شامی لشکر نے کیوں رجوع نہ کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شامی فوج نظم و ضبط کی پابند تھی اور اپنے امیر حضرت معاویہ ﷛ کے ابرو کے اشارے پر چلتی تھی، بالخصوص اُس وقت جب کہ خود امیر لشکر حضرت معاویہ ﷛ نے اپنے حق میں ایک یہ بعید از قیاس تاویل کر لی تھی کہ دراصل حضرت عمار ﷛ کو قتل کرنے والے حضرت علی ﷛ اور اُن کے ساتھی ہیں جنہوں نے حضرت عمار ﷛ کو ہماری تلواروں کے سامنے لا ڈالا۔

چنانچہ مسند احمد کی ایک روایت ہے کہ:

"لما قتل عمار بن ياسر دخل عمرو بن حزم على عمرو بن العاص

فقال : قتل عمار . وقد قال رسول الله صلي الله عليه وسلم : ﴿ تقتله الفئة الباغية ﴾ فقال عمرو بن العاص فزعاً : يرجع حتي دخل علي معاوية فقال له معاوية ماشانک ؟ قال : قتل عمار فقال له معاوية :قد قتل عمار فماذا ؟ قال عمرو :سمعت رسول الله صلي الله عليه وسلم يقول : تقتله الفئة الباغية . " فقال له معاوية :دحضت في بولک أو نحن قتلناه ؟ انما قتله عليٌ واصحابه جاؤوا به حتي ألقوه بين رماحنا أو قال : بين سيوفنا ." [1]

ترجمہ: جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ قتل ہو گئے تو عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "انہیں ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔" عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ چونک کر رو گئے اور "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھتے ہوئے (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جانے کے لئے اُٹھ) کھڑے ہوئے، یہاں تک کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ کہا کہ عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا عمار کو قتل کر دیا گیا تو پھر کیا ہوا؟ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "عمار رضی اللہ عنہ کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔" تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا تو اپنے پیشاب میں پھسلایا جائے! کیا ہم نے اُسے قتل کیا ہے؟ اُسے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھیوں نے قتل کیا ہے جو اس کو لے کر آئے یہاں تک کہ اُسے ہمارے نیزوں یا فرمایا ہماری تلواروں کے درمیان ڈال دیا۔" (ترجمہ ختم)

اسی طرح فیض القدیر شرح جامع الصغیر کی بھی ایک روایت میں آتا ہے کہ:

" دخل عمرو بن حزم علي معاوية ، فقال : قتل عمار . قال : قتل عمار فماذا ؟ قال : سمعت رسول الله صلي الله عليه وسلم يقول : تقتله الفئة الباغية " قال : دحضت في بولک ! او نحن قتلناه ؟ انما قتله عليٌ

[1] (مسند الامام أحمد بن حنبل : ۲۹/۳۱۶ ، الناشر : مؤسسة الرسالة )

واصحابه الذين القوه بين رماحنا او قال : بين سيوفنا "۱

ترجمہ: عمر بن حزم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا۔" حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:" عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا تو پھر ہوا؟" عمرو بن حزم نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:" عمار رضی اللہ عنہ کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔" حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا تو اپنے پیشاب میں پھسلایا جائے! کیا ہم نے اسے قتل کیا ہے؟ اُسے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھیوں نے قتل کیا ہے جنہوں نے اُس کو ہمارے نیزوں یا فرمایا ہماری تلواروں کے درمیان ڈالا۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ مطہر بن طاہر المقدسی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۵۵ھ) لکھتے ہیں:

" فلما قتل عمار انبه الناس ، وكادوا يختلفون على معاوية ، فقال معاوية : انما قتله علي حيث عرضه للقتل ."۲

ترجمہ: پس جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ قتل کیے گئے تو لوگ متنبہ ہو گئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اختلاف کرنے کے قریب ہو گئے، تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انہیں تو حضرت علی نے قتل کیا ہے بایں حیثیت کہ انہیں قتل کے لئے پیش کیا ہے۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:

" دخل عمرو ( بن حزم ) على معاويه فقال :قتلنا هذا الرجل ، وقد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فيه ما قال فقال: أسكت افو الله ما تزال تدحض في بولك ! انحن قتلناه ؟ انما قتله عليٌّ وأصحابه جاؤا به حتى ألقوه بيننا ."۳

ترجمہ: عمرو بن حزم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا ہم نے اس شخص

---

۱؎ فيض القدير شرح الجامع الصغير للمناوي : ۲۱/۷ ، الناشر : المكتبة التجارية الكبرى / مصر ) و ( تاريخ الاسلام للذهبي ۵۷۹/۳ ، الناشر : دار الكتب العربي ، بيروت )

۲؎ البدء والتاريخ للمقدسي : ۲۱۹/۵ ، الناشر : مكتبة الثقافة الدينية ، بور سعيد )

۳؎ خلاصة الوفا باخبار دار المصطفى للسمهودي : ۱۴/۲ ، طبع على نفقة السيد حبيب محمود احمد الصالحي )

(عمار ﷺ) کو قتل کر دیا ہے، حالاں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے، تو حضرت معاویہ ؓ نے فرمایا کہ خاموش ہو جاؤ! اللہ کی قسم! ہم ہمیشہ تجھے تیرے پیشاب میں پھسلاتے رہیں گے! کیا ہم نے اُن کو قتل کیا ہے؟ انہیں تو حضرت علی ؓ اور اُن کے ساتھیوں نے قتل کیا جو انہیں لے کر آئے یہاں تک کہ ہمارے سامنے ڈال دیا۔ (ترجمہ ختم)

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حدیث عمار ؓ کی صورت میں اگر چہ ان حضرات کے پاس نص صریح موجود تھی، لیکن شامی قیادت کا ذہن اسے اپنے خلاف ماننے پر آمادہ نہیں تھا، باقی شامی حضرات قیادت کے اشارے پر چلنے والے تھے، اس لئے دو صحابی راویوں سمیت بعض شامی حضرات نے حضرت معاویہ ؓ کی حمایت برابر جاری رکھی۔ جب کہ دوسری طرف صحابہ و تابعین کی ایک بڑی جماعت نے حدیث عمار ؓ کی واضح دلالت کو دیکھتے ہوئے حضرت علی ؓ کی حمایت و جانب داری بھی جاری رکھی، تا آں کہ حضرت علی ؓ کو تحکیم قبول کرنا پڑی اور آپ ؓ نے جنگ بندی کا فیصلہ کر دیا۔

## ''دلیل قوی'' کی بنیاد پر کسی سے ''اختلاف رائے'' رکھنے کی بحث:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

> ''اس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی ملحوظ رہے کہ کسی بھی علمی و دینی علمی و دینی شخصیت کی رائے کے ساتھ اختلاف کرنے کی بناء پر اختلاف کرنے والا اُس کے مسلک و مشرب سے خارج نہیں ہوتا، کتب اسلامیہ اس کی مثالوں سے بھری ہوئی ہیں..... اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ جب ''اکابر'' کے نزدیک دلیل کی بناء پر اپنے امام کے قول کو بھی ترک کیا جا سکتا ہے، حتیٰ کہ اُن کے نزدیک ''دلیل قوی'' کے مقابلے میں ''خلفائے راشدین ؓ'' اور ''صحابہ ؓ'' کا قول بھی حجت نہیں ہے، تو پھر ''ناقدین سیدنا معاویہ ؓ'' کے ساتھ ''دلیل قوی'' کی بناء پر آخر اختلاف کیوں نہیں کیا جا سکتا؟'' انتھیٰ ملخصاً۔[1]

## اجماع کا مخالف مسلک اہل سنت والجماعت سے خارج ہے!:

اس میں شک نہیں کہ کسی بھی علمی شخصیت کے ساتھ ''دلیل قوی'' کی بناء پر

---

[1] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین، ص ۱۹ - ۲۱)

''اختلاف رائے'' رکھنے سے کوئی شخص اُس کے مسلک ومشرب سے خارج نہیں ہوتا، مگر اجماع کا مخالف یقیناً اُس کے مسلک ومشرب سے خارج ہو جاتا ہے، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مخطی اور باغی ہونے پر پوری اُمت کا اجماع ہے۔ نیز اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ ''اختلاف رائے'' کا مدار دلائل پر ہوتا ہے کہ صحت وسقم کا جن دلائل ہی ہوتے ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ آخر ''اختلاف رائے'' ہو بھی تو کسی ''دلیل قوی'' کی بنیاد پر نا۔ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے اساطین اُمت اور اکابرین علمائے اہل سنت والجماعت کی رائے کے ساتھ جو اختلافات کیے ہیں وہ ایسے کمزور اور بھونڈے قسم کے دلائل کے ساتھ کیے ہیں کہ اُن کو دلائل کا نام دیتے ہوئے بھی ہمیں ہچکچاہٹ اور شرم محسوس ہوتی ہے، چہ جائے کہ انہیں قوی دلائل کا نام دیا جائے، اس لئے کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے دلائل میں کہیں ''عبارات اکابر'' کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے تو کہیں دجل وفریب کا مظاہرہ کیا ہے، کہیں رطب ویابس کو جمع کیا ہے تو کہیں رنگ برنگے الفاظ کے گورکھ دھندوں میں اپنے مدعاہ کو اُلجھایا ہے۔ لہٰذا اس تناظر میں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے علمائے اہل سنت کے ساتھ جو برائے نام دلائل کے بل بوتے پر اختلاف رائے کیا ہے اُس کی بنیاد پر وہ علمائے اہل سنت والجماعت کے مسلک ومشرب سے بالکل خارج اور باہر ہیں۔

## اعتذار از جانب مصنف کتاب:

علمائے اہل سنت والجماعت کے بعض ایسے سرکردہ علمائے کرام کہ جن کی زندگی ''مدح صحابہ ورد قدح صحابہ رضی اللہ عنہم'' جیسے عظیم الشان کام میں صرف ہوئی، اُن کے نام بھی پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے ایک غیر معقول عذر کی بناء پر ''ناقدین معاویہ رضی اللہ عنہ'' کی فہرست میں شامل کر دیے ہیں۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''زیر نظر کتاب میں بعض ایسے حضرات کے اسمائے گرامی بھی آئے ہیں جن کی زندگی ''مدح صحابہ ورد قدح صحابہ رضی اللہ عنہم'' میں بسر ہوئی اور اُن کی عبارات اس کتاب میں شامل کرنے سے دل ودماغ پر سخت بوجھ محسوس ہوتا رہا، اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اُن

کے قابل اعتراض" ریمارکس" عدالت میں پیش نہ ہوتے (جو آج بھی ایبٹ آباد کی ایک عدالت میں مقدمہ کی شکل کا باقاعدہ حصہ ہیں) اور دشمنان معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے موقف کی تائید میں اُن سے استدلال نہ کرتے تو اس "بوجھ" کے اُٹھانے سے "معذوری" کا اظہار کر دیا جاتا۔"[1]

## عذر گناہ بدتر از گناہ:

ایسے اکابرین کے اسمائے گرامی کا" ناقدین معاویہ" کی فہرست میں شامل کرنا اتنا آسان تو نہیں کہ فوراً ہضم ہو جائے آخر کار دل و دماغ پر اس کا بوجھ رہنا یقینی بات ہے۔ لیکن چلیں اگر کوئی" دشمن معاویہ رضی اللہ عنہ" ان بظاہر قابل اعتراض" ریمارکس" سے اپنے موقف کی تائید میں استدلال کرتا بھی ہے تب بھی اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ اپنے غیظ و غضب کی آگ اور اپنے قہر و غصہ کا تمام تر ملبہ ان اکابرین پر گر دیا جائے کہ جنہوں نے اپنی ساری زندگی بقول خود آں موصوف کے" مدح صحابہ و رد قدح صحابہ رضی اللہ عنہم" جیسے رفیع العظمت اور عظیم المرتبت کام میں بسر کی، بلکہ ایسے وقت میں ان اکابرین کی عبارات و اقوال کی مناسب اور معتدل توجیہات و تاویلات کر کے ان کی ذات اور اُن کے مقام و مرتبہ کا پاس اور لحاظ رکھا جاتا اور اُن کی عبارات و اقوال کا کوئی نیک اور اچھا محمل تلاش کر کے اُن کی صحیح ترجمانی کی جاتی۔ نیز اگر یہ کام خود نہیں کیا جا سکتا تھا تو کسی اہل علم کی طرف مراجعت کر لی جاتی اور خواہ مخواہ اس بوجھ کے اُٹھانے اور اس کو اپنے تھکے ماندے ساٹھ سالہ بوڑھے کندھوں پر ڈالنے سے" معذوری" کا اظہار کر دیا جاتا تو کیا یہ زیادہ مناسب نہیں تھا؟۔ واقعی کسی نے صحیح کہا ہے۔

"عذر گناہ بدتر از گناہ۔"

## حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کے متعلق بحث:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کب مسلمان ہوئے اور آپؓ نے کب اسلام قبول فرمایا؟ اس کے متعلق اصحاب سیرو تواریخ نے اپنی اپنی معلومات کی حد تک دو قسم کی مختلف روایات نقل فرمائی ہیں، ان میں سے اکثر و بیشتر مورخین حضرات کا موقف یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ" فتح مکہ" سے ایک سال قبل" عمرۃ القضاء" کے موقع پر اسلام لے آئے تھے، لیکن اپنی والدہ کے خوف سے اپنے اسلام کو مخفی رکھے رکھا۔

---

[1] (ناقدین معاویہ رضی اللہ عنہ، (قدیم ایڈیشن) ص ۷۱)

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) خود حضرت معاویہ ﷺ کا اپنا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لقد أسلمت قبل عمرة القضية." [۱]

ترجمہ: تحقیق میں نے "عمرۃ القضاء" سے پہلے اسلام قبول کیا ہے۔

اور علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں:

"اسلام معاوية رضي الله عنه علىٰ ما حكاه الواقدي بعد الحديبية وقال غيره: بل يوم الحديبية، وكتم اسلامه عن أبيه وأمه، حتى أظهره يوم الفتح." [۲]

ترجمہ: واقدیؒ کی روایت کے مطابق حضرت معاویہ ﷺ کا اسلام قبول کرنا "حدیبیہ" کے بعد کا ہے اور ان کے علاوہ دیگر حضرات کا خیال ہے کہ وہ "حدیبیہ" کے دن اسلام لائے اور اپنے اسلام کو "فتح مکہ" تک اپنے والدین سے پوشیدہ رکھا۔ (ترجمہ ختم)

اور امام اہل سنت مولانا عبد الشکور فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں کہ:

"معاویہ بن ابی سفیان قرشی اُموی، صلح حدیبیہ کے سال اسلام لائے اور اُن کے والد فتح مکہ میں مسلمان ہوئے۔" [۳]

اور ڈاکٹر احمد عبد الرحمٰن عیسیٰ، اُستاذ جامعہ امام محمد بن سعود لکھتے ہیں کہ:

"يقول: انه أسلم عام عمرة القضية سنة سبع هجرية وانه لقي رسول الله صلي الله عليه وسلم بمكة مسلماً ولكن كتم اسلامه عن أمه وأبيه وليس هذا ببعيد." [۴]

---

[۱] (الاصابة في تمييز الصحابة لابن حجر العسقلاني: ۳/۴۳۳، الناشر: )

[۲] (تطهير الجنان واللسان عن الخطور والتفوه بثلب سيدنا معاوية بن أبي سفيان، ص۷، الناشر: مكتبة الحقيقة، شارع دار الشفقة، فاتح ۵۷، استنبول، تركيا)

[۳] (ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء: ۱/۴۷۲، الناشر: )

[۴] (الثائر الوحي لعبد الرحمان العيسى: ۳۰۶)

ترجمہ: حضرت معاویہ ﷜ فرماتے ہیں کہ: "وہ عمرۃ القضاء کے سال ۷ھ میں اسلام لائے اور انہوں نے مکہ مکرمہ میں آنحضرت ﷺ سے بحیثیت مسلمان ملاقات کی، لیکن اپنے اسلام کو اپنے والدین سے مخفی رکھا، اور یہ کوئی بعید نہیں ہے۔ (ترجمہ ختم)

جب کہ بعض دوسرے ارباب سیر و تاریخ یہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ ﷜ "فتح مکہ" کے موقع پر اپنے والد حضرت ابوسفیان ﷜ کے ہمراہ اسلام لائے۔

چنانچہ ان میں سے پہلا قول راجح اور دوسرا قول مرجوح ہے۔ **والتفصیل فی المطولات .**

علمائے اہل سنت والجماعت میں سے جن جن حضرات کا یہ موقف ہے کہ حضرت معاویہ ﷜ "فتح مکہ" کے موقع پر اپنے والد حضرت ابوسفیان ﷜ کے ہمراہ اسلام لائے تو انہوں نے تو اس بارے میں صرف ایک تاریخی قول نقل کیا ہے یا اسے "فتح مکہ" سے پہلے اسلام لانے والے قول پر ترجیح دی ہے۔ اس لئے اس سے کسی بھی طرح حضرت معاویہ ﷜ کی تنقیص و تحقیر ہرگز ثابت نہیں ہوتی، لیکن اس کے باوجود پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب ان حضرات مؤرخین پر گرجتے برستے ہوئے لکھتے ہیں:

> "دشمنان معاویہ ﷜" کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی کہ انہیں زیادہ سے زیادہ بدنام کیا جائے اور ان کے ساتھ کسی فضیلت کو جمع نہ ہونے دیا جائے، وہ انہیں اسلام دشمن ثابت نہ کر سکے، انہیں کسی معرکے میں آنحضرت ﷺ کا مدمقابل نہ دکھا سکے تو یہ مشہور کر دیا گیا کہ وہ مجبور ہو کر "فتح مکہ" کے موقع پر اپنے والد ابوسفیان ﷜ کے ساتھ اسلام لائے اور وہ "**مؤلفة القلوب**" اور "**طلقاء**" میں سے تھے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ سیدنا معاویہ ﷜ "صلح حدیبیہ" کے بعد اٹھارہ سال کی عمر میں اسلام لائے تھے۔"[۱]

اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں علمائے اہل سنت والجماعت میں سے جن جن حضرات نے حضرت معاویہ ﷜ کے "فتح مکہ" کے موقع پر اسلام قبول کرنے "**مؤلفة القلوب**" اور "**طلقاء**" میں سے ہونے کی تصریح کی ہے، وہ سب کے سب "دشمنان معاویہ ﷜" ہیں (نعوذ باللہ!) جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں:

---

[۱] (سیدنا معاویہ ﷜ کے ناقدین: ص ۲۰)

۱-صحابیِ رسول حضرت سعد بن ابی وقاص ﷛ کا حوالہ:

چنانچہ علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں:

" لا يقال يرد ما حكاه الواقدي انه أسلم قبل الفتح ، ما ثبت في الصحيحين عن سعد بن أبي وقاص أنه قال:العمرة في أشهر الحج ، فعلناها وهذا اي معاوية يومئذ كافر لأنا نقول : ممنوع ذلك بل لا رد فيه ، لأن الفرض أنه كتم اسلامه فسعد ممن لم يعلم به فاستصحب حاله الىٰ يومئذ وقضىٰ عليه بالكفر فيه باعتبار الظاهر و بالنسبة الىٰ علمه ."[1]

ترجمہ: اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ واقدیؒ کا بیان تو یہ ہے کہ حضرت معاویہ ﷛ قبل از "فتح مکہ" اسلام لائے تھے اور یہ بات ایک صحیح حدیث کے خلاف ہے جو حضرت سعد بن ابی وقاص ﷛ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایام حج میں ہم نے عمرہ کیا اور اُس وقت حضرت معاویہ ﷛ کافر تھے، تو اس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ اس سے کوئی مخالفت لازم نہیں آتی اس لئے کہ جب یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ حضرت معاویہ ﷛ نے اپنا اسلام چھپائے رکھا تھا تو ممکن ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص ﷛ اُن لوگوں میں سے ہوں جو حضرت معاویہ ﷛ کے اسلام لانے سے بے خبر ہوں، لہٰذا وہ اپنے علم کے مطابق اور ظاہری حالات کے موافق حضرت معاویہ ﷛ کو اس وقت تک کافر سمجھتے رہے ہوں۔ (ترجمہ ختم)

۲-علامہ ابوجعفر بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۴۵ھ) لکھتے ہیں:

" أسماء المؤلفة قلوبهم من قريش وغيرهم (أبو سفيان) بن حرب بن أمية و(معاوية) ابنه ......"[2]

ترجمہ: قریش وغیرہ (قبیلوں) میں سے ابوسفیان بن حرب بن امیہ اور ان کے بیٹے معاویہ کے نام "مؤلفۃ القلوب" میں شامل ہیں...... (ترجمہ ختم)

---

[1] (تطهير الجنان واللسان عن الخطور والتفوه بثلب سيدنا معاوية بن أبي سفيان : ص ٨١٧ الناشر : مكتبة الحقيقة ، دار الشفقة ، فاتح ٥٧، استنبول ، تركي )

[2] (المحبر لأبي جعفر البغدادي : ١/ ٤٧٣ ، الناشر : دار الآفاق الجديدة ، بيروت )

موصوف اپنی ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:

"المؤلفة قلوبهم من قريش أبو سفيان صخر بن حرب وابنه معاوية ......" [۱]

ترجمہ: قریش میں سے ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) صخر بن حرب اور اُن کے بیٹے معاویہ (رضی اللہ عنہ) "مؤلفة القلوب" ہیں ...... (ترجمہ ختم)

۳- امام ابن قتیبہ الدینوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۷۶ھ) لکھتے ہیں:

"أسماء المؤلفة قلوبهم ابو سفيان بن حرب و معاوية ابنه." [۲]

ترجمہ: "مؤلفة القلوب" کے نام یہ ہیں: ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) بن حرب اور اُن کے بیٹے معاویہ (رضی اللہ عنہ) ...... (ترجمہ ختم)

۴- امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۱۰ھ) لکھتے ہیں:

"عن عبد الله ابن أبي بكر قال: أعطىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم المؤلفة قلوبهم ...... فأعطىٰ أبا سفيان بن حرب مائة بعير و أعطىٰ ابنه معاوية مائة بعير." [۳]

ترجمہ: عبداللہ بن ابی بکرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے "مؤلفة القلوب" کو (کچھ مال وغیرہ) عطا فرمایا ...... چنانچہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب کو ایک سو اونٹ عطا فرمائے اور اُن کے بیٹے معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی ایک سو اونٹ عطا فرمائے۔ (ترجمہ ختم)

۵- علامہ مطہر بن طاہر المقدسی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۵۵ھ) لکھتے ہیں:

"أعطىٰ رسول الله (صلى الله عليه وسلم) ذلك اليوم "المؤلفة قلوبهم" مائة مائة، وأعطىٰ أبا سفيان مائة، وأعطىٰ لمعاوية بن أبي سفيان مائة ......" [۴]

---

[۱] (المنمق في أخبار قريش لأبي جعفر البغدادي: ۱/۴۲۲، الناشر: عالم الكتب، بيروت)

[۲] (المعارف لابن قتيبة: ۱/۳۴۲، الناشر: الهيئة المصرية العامة للكتاب، القاهرة)

[۳] (تاريخ الرسل والملوك المعروف بتاريخ الطبري: ۳/۹۰، الناشر: دار التراث، بيروت)

[۴] (البدء والتاريخ للمقدسي: ۴/۲۳۸، الناشر: المكتبة الثقافة الدينية، بور سعيد)

ترجمہ: ''فتح مکہ کے دن حضور اقدس ﷺ نے ''مؤلفۃ القلوب'' میں سے (ہر ایک شخص) کو سو سو (اونٹ) عطا فرمائے، چنانچہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو سو (اونٹ) عطا فرمائے اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو سو (اونٹ) عطا فرمائے......(ترجمہ ختم)

۶- امام ابوالفرج ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۹۷ھ) لکھتے ہیں:

"فاعطي رسول الله صلي الله عليه وسلم المؤلفة قلوبهم وأعطي أبا سفيان بن حرب اربعين أوقية ومائة من الابل."[1]

ترجمہ: پس رسول اللہ ﷺ نے ''مؤلفۃ القلوب'' کو عطا فرمایا، اور ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کو چالیس اوقیہ اور سو اونٹ عطا فرمائے۔ (ترجمہ ختم)

موصوف ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"ابو سفيان لم يزل علي الشرک يقود الجموع لقتال النبي صلي الله عليه وسلم الي أن أسلم يوم فتح مكة وكان الايمان في قلبه متزلزلاً فعد في المؤلفة قلوبهم ثم استقر ايمانه وقوي يقينه."[2]

ترجمہ: ابوسفیان مشرک بن کر نبی اکرم ﷺ سے قتال کرنے کے لئے ہمیشہ کفار و مشرکین کی جماعتوں کے قائد بنتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے ''فتح مکہ'' کے دن اسلام قبول کرلیا، (اُس وقت) ایمان اُن کے دل میں متزلزل تھا، تو انہیں ''مؤلفۃ القلوب'' میں شمار کیا گیا، پھر اُن کے ایمان نے استقرار پکڑا اور ان کا یقین قوی ہوگیا۔ (ترجمہ ختم)

۷- امام ابن اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۳۰ھ) لکھتے ہیں:

"ثم أعطي المؤلفة قلوبهم وكانوا من أشراف الناس يتألفهم علي الاسلام، فاعطي أبا سفيان وابنه معاوية......كل واحد منهما مائة بعير."[3]

ترجمہ: پھر ''مؤلفۃ القلوب'' کو عطا فرمایا، اور یہ بڑے مرتبے والے لوگ تھے

---

[1] (المنتظم في تاريخ الملوك والأمم لابن الجوزي: ۳۳۹/۳، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)
[2] (المنتظم في تاريخ الملوك والأمم لابن الجوزي: ۲۷/۵، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)
[3] (الكامل في التاريخ لابن أثير الجزري (مخطوطة): ۱٤۰/۲، الناشر: دار الكتب العربي، بيروت، لبنان)

اسلام پر ان کو اکٹھا کرنے کے لئے، چنانچہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور اُن کے بیٹے معاویہ رضی اللہ عنہ میں سے ہر ایک کو سو سو اونٹ عطاء فرمائے۔ (ترجمہ ختم)

۸۔ مؤرخ ابوالفدا ء عماد الدین الملک المؤید رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۳۲ھ) لکھتے ہیں:

"وأعطي المؤلفة قلوبهم مثل أبي سفيان وابنيه معاوية ويزيد ...... فأعطيٰ لكل واحد من الأشراف مائة من الابل." [۱]

ترجمہ: اور "مؤلفۃ القلوب" کو عطاء فرمایا، مثلاً ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور اُن کے دو بیٹے معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید رضی اللہ عنہ ...... اشراف میں سے ہر ایک کو سو سو اونٹ عطاء فرمائے۔ (ترجمہ ختم)

۹- حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

"عن عباية بن رفاعة بن رافع بن خديج عن جده أن رسول الله صلي الله عليه وسلم أعطي المؤلفة قلوبهم ...... فأعطيٰ أبا سفيان بن حرب مائة." "وعن ابن عباس أن رسول الله صلي الله عليه وسلم أعطي المؤلفة قلوبهم، أبا سفيان ...... الخ." [۲]

ترجمہ: رافع بن خدیج اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے "مؤلفۃ القلوب" کو (مال) عطاء فرمایا، اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب کو سو اونٹ عطاء فرمائے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے "مؤلفۃ القلوب" کو (مال) عطاء فرمایا، اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب کو (مال) عطاء فرمایا۔ (ترجمہ ختم)

۱۰- امام ابن الوردی الکندی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۹ھ) لکھتے ہیں:

"وأعطي المؤلفة قلوبهم مثل أبي سفيان." [۳]

ترجمہ: اور "مؤلفۃ القلوب" کو (مال) عطاء فرمایا، مثلاً حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ۔ (ترجمہ ختم)

۱۱- امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

---

[۱] (المختصر في أخبار البشر لأبي الفداء الملك المؤيد: ۱/ ۱۴۷، الناشر: المطبعة الحسينية، المصرية)

[۲] (تاريخ الاسلام و وفيات المشاهير والأعلام للذهبي: ۲/ ۶۰۲، الناشر: دار الكتاب العربي، بيروت، لبنان)

[۳] (تاريخ ابن الوردي: ۱/ ۱۲۶، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

"عن عباية بن رفاعة بن رافع بن خديج عن جده ان رسول الله صلي الله عليه وسلم أعطي المؤلفة قلوبهم ـــ واعطيٰ ابا سفيان بن حرب مائة." [۱]

ترجمہ: رافع بن خدیج اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے "مؤلفۃ القلوب" کو (مال) عطاء فرمایا، اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب کو سو اونٹ عطاء فرمائے۔ (ترجمہ ختم)

۱۲- علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۰۸ھ) لکھتے ہیں:

"منهم (أي من المؤلفة قلوبهم) أبو سفيان وابنه معاوية." [۲]

ترجمہ: ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور اُن کے بیٹے معاویہ رضی اللہ عنہ "مؤلفۃ القلوب" میں سے ہیں۔ (ترجمہ ختم)

۱۳- امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:

"وكان من المؤلفة قلوبهم." [۳]

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ "مؤلفۃ القلوب" میں سے تھے۔

۱۴- علامہ ابوالیمن مجیر الدین العلیمی الحنبلی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۲۸ھ) لکھتے ہیں:

"وأعطي المؤلفة قلوبهم مثل أبي سفيان وابنه معاوية ويزيد." [۴]

ترجمہ: اور مؤلفۃ القلوب کو (مال) عطاء فرمایا، مثلاً ابوسفیان اور اُن کے دو بیٹے معاویہ اور یزید رضی اللہ عنہم۔

۱۵- ڈاکٹر جواد علی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۴۰۸ھ) لکھتے ہیں:

"أعطي المؤلفة قلوبهم وكانوا أشرافا يتألفهم ويتألف بهم قومهم فاعطي أبا سفيان وابنه معاوية." [۵]

---

[۱] (البداية والنهاية لابن كثير: ٤/٤١٢، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

[۲] (تاريخ ابن خلدون: ٢/٤٦٦، الناشر: دار الفكر، بيروت، لبنان)

[۳] (تاريخ الخلفاء للسيوطي: ١/١٤٨، الناشر: مكتبة نزار مصطفىٰ الباز)

[۴] (الأنس الجليل بتاريخ القدس و الخليل لعبد الرحمن العليمي: ١/٢١٠، الناشر: مكتبة دنديس، عمان)

[۵] (المفصل في تاريخ العرب قبل الاسلام للدكتور جواد علي: ١٨/٤٢٩، الناشر: دار الساقي)

ترجمہ: "مؤلفۃ القلوب" کو (مال) عطا فرمایا، اور یہ بڑے مرتبے کے لوگ تھے، ان کی اور ان کی قوم کی تالیف قلب کے لیے، چنانچہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور اُن کے بیٹے معاویہ رضی اللہ عنہ کو (مال) عطا فرمایا۔ (ترجمہ ختم)

۱۶- علامہ محمد بیومی مہران حفظ اللہ ورعاہ لکھتے ہیں:

"فقد كان وكذا ولده معاويه من المؤلفة قلوبهم." [۱]

ترجمہ: پس (ابوسفیان رضی اللہ عنہ) اور اسی طرح اُن کے بیٹے معاویہ رضی اللہ عنہ "مؤلفۃ القلوب" میں سے تھے۔

۱۷- علامہ احمد معمور عسیری حفظ اللہ ورعاہ لکھتے ہیں:

"وأعطي الرسول صلي الله عليه وسلم المؤلفة قلوبهم الكثير ...... منهم أبو سفيان وابنائهم." [۲]

ترجمہ: اور رسول اکرم ﷺ نے "مؤلفۃ القلوب" کو بہت زیادہ (مال) عطا فرمایا ...... ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹوں (معاویہ رضی اللہ عنہ و یزید رضی اللہ عنہ) انہیں میں سے ہیں۔

۱۸- امام ابوالقاسم ابن مندۃ العبدی الاصبہانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۷۰ھ) لکھتے ہیں:

"أسامي المؤلفة قلوبهم: أبو سفيان بن حرب ...... الخ." [۳]

ترجمہ: "مؤلفۃ القلوب" کے نام (یہ ہیں): ابوسفیان بن حرب...... الخ

۱۹- امام ابوبکر بن عبداللہ الدواداری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ذكر المؤلفة قلوبهم من قريش وغيرها أبو سفيان بن حرب ...... الخ." [۴]

ترجمہ: قریش وغیرہ (قبائل) میں سے "مؤلفۃ القلوب" کا ذکر: ابوسفیان بن حرب...... الخ۔

---

[۱] (دراسات في تاريخ العرب القديم للمهران: ۱/۳۷۰، الناشر: دار المعرفة الجامعية)

[۲] (موجز التاريخ الاسلامي منذ عهد آدم (عليه السلام) الي عصرنا الحاضر للعسيري: ۲/۸۹، الناشر: غير معروف (فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية، الرياض)

[۳] (المستخرج من كتب الناس للتذكرة والمستطرف من أحوال الرجال للمعرفة للأصبهاني: ۲/۹، الناشر: وزارة العدل والشؤون الإسلامية، البحرين)

[۴] (كنز الدرر وجامع الغرر لأبي بكر بن عبد الله الدواداري: ۳/۴۰، الناشر: عيسى البابي الحلبي)

کیا کوئی مخلص صحابی رسول فاتح قادسیہ وایران حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سمیت مذکورہ بالا اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ کے ان جہابذہ واصحاب علم وتحقیق اور نابغۂ روزگار ارباب فضل وکمال کی اشاعت اسلام کے سلسلہ میں بے مثال وباکمال اور لازوال ان تھک محنتوں اور گراں قدر قربانیوں کو سامنے رکھتے ہوئے کسی بھی طرح ان پر ''دشمنان معاویہ رضی اللہ عنہ'' کا لیبل لگا سکتا ہے؟ لیکن حیرت ہے کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سمیت ان تمام اکابر علمائے اہل سنت والجماعت پر ''دشمنان معاویہ رضی اللہ عنہ'' کا لیبل لگا دیا ہے۔ فیا اسفا

## ''مؤلفۃ القلوب'' میں سے ہونا کوئی عیب نہیں ہے!:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں جن تین چیزوں کے ذکر کرنے کو آپ رضی اللہ عنہ سے دشمنی رکھنے کے مترادف بتلایا ہے اُن میں سے دوسری چیز ''مؤلفۃ القلوب'' ہونا ہے، حالاں کہ حقیقت میں ''مؤلفۃ القلوب'' میں سے ہونا کوئی ایسی عیب اور نقص کی چیز نہیں کہ جس کو معائب اور نقائص میں سے شمار کیا جائے۔

چنانچہ امام اہل سنت حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں:

> ''جس وقت ''فتح مکہ'' ہوئی ہے اُس وقت قریش کے بہت سے قبائل اور بے شمار لوگ اسلام میں داخل ہوئے تھے، اُن میں سے نبی کریم ﷺ نے بعض حضرات کے ساتھ ''تالیف قلب'' کا معاملہ فرماتے ہوئے دیگر مسلمانوں سے زائد بعض چیزیں عنایت فرمائی تھیں اور جہاد کے غنائم میں سے بہ نسبت دوسروں کے ان لوگوں کو حصہ وافر عنایت فرمایا تھا۔
>
> صاحب نبوت ﷺ کی طرف سے یہ ایک حکمت عملی تھی جو وقتی مصالح کے تحت عمل میں لائی گئی، یہ کوئی عیب کی چیز نہیں تھی جس کو معائب میں شمار کیا جائے، بلکہ سردار انبیاء ﷺ کی طرف سے مشفقانہ اور کریمانہ طرز عمل تھا جس سے جدید الاسلام لوگ بہت متاثر ہوئے، اُن کی عزت افزائی ہوئی اور قوت اسلام کے لئے اِس کا بڑا نفع ہوا اور یہ طرز عمل اُن کے لئے تقویت کا باعث ہوا اور اُن کا تذبذب دور ہو کر اسلام مضبوط ہوا۔
>
> اس سلسلے میں ''مؤلفۃ القلوب'' کی فہرست علماء پیش کرتے ہیں، جن میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ شمار کیے گئے ہیں۔''[1]

---

[1] سیرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ: ۳۹۰/۲، ناشر: دار الکتاب، اردو بازار، لاہور)

## مؤلفۃ القلوب کی فہرست:

چنانچہ ہم نے اپنی ہمت اور طاقت کے مطابق اصل مصادر سے سراغ لگا کر حروف تہجی کے اعتبار سے اکابر علمائے اہل سنت کی ایک فہرست مرتب کی ہے جنہوں نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب، حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو "مؤلفۃ القلوب" میں سے شمار کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے!

﴿۱﴾ ابو السنابل بن بعکک ﴿۲﴾ ابوسفیان بن حرب ﴿۳﴾ ابومکنف زید بن مہلہل الطائی ﴿۴﴾ اقرع بن حابس التمیمی المجاشعی ﴿۵﴾ جبیر بن مطعم بن عدی ﴿۶﴾ حارث بن عبد المطلب ﴿۷﴾ حارث بن ہشام بن مغیرہ المخزومی ﴿۸﴾ حکیم بن حزام ﴿۹﴾ حکیم بن طلیق ﴿۱۰﴾ حویطب بن عبد العزیٰ ﴿۱۱﴾ خالد بن اسید بن ابی العیص ﴿۱۲﴾ خالد بن قیس ﴿۱۳﴾ زبرقان بن بدر ﴿۱۴﴾ زید بن جبل ﴿۱۵﴾ زہیر بن امیہ ﴿۱۶﴾ سائب بن صیفی بن عائذ ﴿۱۷﴾ سعد الخیل ﴿۱۸﴾ سعید بن یربوع مخزومی ﴿۱۹﴾ سفیان بن حارث بن عبد المطلب ﴿۲۰﴾ شائل عمر بن عدی ﴿۲۱﴾ سہیل بن عمرو الجمحی ﴿۲۲﴾ سہیل بن عمرو بن عبد شمس العامری ﴿۲۳﴾ صفوان بن امیہ بن خلف الجمحی ﴿۲۴﴾ عباس بن مرداس السلمی (اخو عمرو بن مرداس السلمی) ﴿۲۵﴾ عبد الرحمن بن یربوع المالکی ﴿۲۶﴾ عدی بن قیس / جد بن قیس السلمی ﴿۲۷﴾ عکرمہ بن ابی جہل ﴿۲۸﴾ علاء بن جاریہ ثقفی (قیل ابن الخارجہ وقیل ابن الحارث) ﴿۲۹﴾ علقمہ بن علاثہ بن عوف العامری الکلابی ﴿۳۰﴾ عمرو بن مرداس السلمی (اخو عباس بن مرداس السلمی) ﴿۳۱﴾ عمرو بن الاہتم تمیمی ﴿۳۲﴾ عیینہ بن حصن فزاری ﴿۳۳﴾ قیس بن عدی السہمی ﴿۳۴﴾ قیس بن مخرمہ ﴿۳۵﴾ لبید بن ربیعہ ﴿۳۶﴾ مالک بن عوف النصری ﴿۳۷﴾ مخرمہ بن نوفل بن اُہیب الزہری ﴿۳۸﴾ معاویہ بن ابی سفیان ﴿۳۹﴾ مغیرہ بن حارث ﴿۴۰﴾ نضر / نضیر بن حارث بن کندہ ﴿۴۱﴾ ہبار بن الاسود ﴿۴۲﴾ ہشام بن عمرو (اخو بنی عامر بن لوی) ﴿۴۳﴾ یزید بن ابی سفیان۔[۱]

---

[۱] (تاریخ خلیفة بن خیاط: ۹۰/۱، الناشر: دار القلم، مؤسسة الرسالة، دمشق، بیروت) و (المحبر لأبي جعفر البغدادي: ۴۷۳/۱، الناشر: دار الآفاق الجديدة، بیروت) و (المعارف لابن قتيبة: ۳۴۲/۱، الناشر: الهيئة المصرية العام للكتاب، القاهرة) و (القاموس في اللغة للفيروز آبادي: ) و (تاريخ الاسلام ووفيات المشاهير والأعلام للذهبي: ۶۰۴/۲، الناشر: دار الكتاب العربي، بیروت) و (سمط النجوم العوالي في أنباء الأوائل والتوالي للعصامي: ۴۰۴/۱) و (المفصل في تاريخ العرب قبل الاسلام للدكتور جواد علي: ۱۱۹/۱۸ و ۲۷۷، الناشر: دار الساقي) و (كنز الدرر وجامع الغرر للدواداري: ۳/۱۰۰، الناشر: عيسى البابي الحلبي) و (تفسير مقاتل بن سليمان: ۱۷۶/۲، الناشر: دار

حضرات ''مؤلفۃ القلوب'' کی مذکورہ بالا تعداد ہم نے اپنی ہمت وطاقت کے مطابق شمار کی ہے، اگرچہ ان کی تعداد میں کمی بیشی کا احتمال اب بھی موجود ہے، اس لئے کہ ان کی تعداد کی میں علماء کا اختلاف ہے۔

چنانچہ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۷۱ھ) لکھتے ہیں:

"وفي عددهم اختلاف." [۱]

ترجمہ: اور ان ''مؤلفۃ القلوب'' کی تعداد میں اختلاف ہے۔

اور ان کی صحیح تعداد کے بارے میں اکابر علمائے اہل سنت کے جو اقوال ہمیں مختلف کتابوں میں میسر ہوئے ہیں، ذیل میں ہم انہیں نقل کرتے ہیں:

۱- مشہور مؤرخ علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۰۸ھ) فرماتے ہیں:

"وهم مذكورون في كتب السير يقاربون الأربعون." [۲]

ترجمہ: کتب سیر میں چالیس کے قریب ان کے نام مذکور ہیں۔

۲- امام یحییٰ بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) فرماتے ہیں:

" كان المؤلفة قلوبهم ثلاثة عشر رجلاً. وقيل: خمسة عشر رجلاً." [۳]

ترجمہ: ''مؤلفۃ القلوب'' تیرہ (۱۳) آدمی تھے، اور کہا گیا ہے کہ پندرہ (۱۵) آدمی تھے۔

۳- امام ابوالحسن مقاتل بن سلیمان الازدی البلخی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۵۰ھ) فرماتے ہیں کہ:

" وكان المؤلفة قلوبهم ثلاثة عشر رجلاً..... الخ." [۴]

ترجمہ: ''مؤلفۃ القلوب'' تیرہ (۱۳) آدمی تھے..... الخ۔

---

= احياء التراث العربي، بيروت) و (التفسير المظهري للثاني تي: ۲۴۷/۴، الناشر: المكتبة الرشيدية، الباكستان) و (مختصر تفسير البغوي المعروف بمعالم التنزيل - ۳۸۱/۴، دار السلام، للنشر والتوزيع، الرياض)

[۱] (الجامع لأحكام القرآن المعروف بتفسير القرطبي: ۱۸۱/۸، الناشر: دار الكتب المصرية، القاهرة)

[۲] (تاريخ ابن خلدون: ۴۶۶/۲، الناشر: دار الفكر، بيروت، لبنان)

[۳] (المستخرج من كتب الناس للتذكرة والمستطرف من أحوال الرجال للمعرفة لابن منده الأصبهاني: ۱۰/۲، الناشر: وزارة العدل والشؤون الاسلامية، البحرين)

[۴] (تفسير مقاتل بن سليمان: ۱۷۷/۲، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

۴- علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) فرماتے ہیں کہ:

"وجمیع ذلک یزید علی خمسین رجلاً ثم ذکر الصالحی اسمائھم فذکرھم سبعاً و خمسین رجلاً." [۱]

ترجمہ: اور یہ سب (مؤلفۃ القلوب) پچاس سے زیادہ آدمی ہیں، پھر امام صالحی نے اِن کے نام ذکر کیے اور ان کے پچھتر (۷۵) نام ذکر کیے۔ (ترجمہ ختم)

۵- امام ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) فرماتے ہیں:

"وقد بلغ عدد من عدھم ابن العربی فی الأحکام من المؤلفۃ قلوبھم تسعۃ و ثلاثین رجلاً." [۲]

ترجمہ: اور امام ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے "احکام القرآن" میں جن لوگوں کو "مؤلفۃ القلوب" میں سے شمار کیا ہے اُن کی تعداد ترانوے (۹۳) تک پہنچ گئی ہے۔

ہنوز بر سر مطلب آمدم!:

بہر حال یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو "فتح مکہ" کے موقع پر تالیف قلب سے ہٹ کر ویسے ہی کچھ مال وغیرہ عطا فرمایا ہو کہ جو "تالیف قلب" پر دلالت نہ کرتا ہو، جیسا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پہلے اپنا اسلام چھپائے رکھا اور پھر جب "فتح مکہ" کے موقع پر ظاہر کیا تو انہیں بھی حضور اقدس ﷺ نے "بحرین" کے مال میں سے اتنا عطا فرمایا جتنا کہ وہ اُٹھا سکتے تھے، پس جس طرح یہ واقعہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے "مؤلفۃ القلوب" ہونے پر دلالت نہیں کرتا اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خصوصیت کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا کچھ مال عطا فرمانا اُن کے بھی "مؤلفۃ القلوب" ہونے پر دلالت نہیں کرتا، ہاں ایسا ہو سکتا ہے کہ دیکھنے والوں نے اُسے "تالیف قلب" کا مال سمجھ لیا ہو اور اس طرح بظاہر صورت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر "مؤلفۃ القلوب" میں سے ہونے کا حکم لگا دیا ہو۔

چنانچہ علامہ ابن حجر ہیثمی مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں:

---

[۱] (التفسیر المظھری للفانی فتی: ۴/۱۷۱، الناشر: المکتبۃ الرشیدیۃ، الباکستان)

[۲] (تحریر المعنی السدید وتنویر العقل الجدید من تفسیر الکتاب المجید المعروف بالتحریر والتنویر لابن العربی المالکی ۱۰/۲۳۶، الناشر: دار التونسیۃ للنشر، تونس)

" فان قلت ذكر بعض الأئمة في ترجمته : أنه شهد مع رسول الله صلي الله عليه وسلم حنيناً وأعطاه من غنائم هوازن مائة بعير وأربعين أوقية من الذهب وكان هو وابوه من المؤلفة قلوبهم ثم حسن اسلامهما ، وهذا يمنع سبق اسلامه علي يوم الفتح اذ لوسبق اسلامه جميع أهله لم يكن كأبيه في عده من المؤلفة ، قلت :لايمنعه بوجه اما أولاً فمن أعده من المؤلفة انما جري علي ان اسلامه لم يكن الا يوم الفتح ، نظير ما وقع لسعد في ما مر عنه آنفاً و يدل لذلک ان من ترجمه بذلک قرنه في ذلک بابيه وابوه لم يسلم الا يوم الفتح اتفاقاً ، أما من يقول بتقديم اسلام معاوية قبل الفتح بنحو سنة وأنه انما امتنع من الهجرة للعذر كما مر فلا يعده من المؤلفة ومجرد الاعطاء لا يدل علي التأليف الا تري أن العباس رضي الله عنه كتم اسلامه ثم أظهره يوم الفتح كما مر ثم اعطاء النبي ( صلي الله عليه وسلم ) ما أطاق حمله من النقد الذي جاء ه من البحرين فكما ان هذا لا يدل علي أن العباس من المؤلفة قلوبهم فكذلک اعطاء معاوية شيئاً له بخصوصه ان فرض صحة وروده لا يدل علي أنه كان من المؤلفة قلوبهم أماأولاً فلمامر مما يدل علي قوة اسلامه وأما ثانياً فالظاهر بكل فرض قوة اسلامه و انه انما أعطاه زيادة في تاليف أبيه لكونه من اكابر مكة وأشرافهم......"[1]

ترجمہ: اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بعض علماء نے حضرت معاویہ ﷛ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ ﷛ رسول خدا ﷺ کے ساتھ "غزوۂ حنین" میں شریک تھے اور آپ ﷺ نے ان کو "ہوازن" کی غنیمت کے مال میں سے ایک سو اونٹ اور چالیس اوقیہ سونا عطا فرمایا تھا اور یہ اور آپ ﷛ کے والد دونوں "مؤلفۃ القلوب" میں سے تھے پھر یہ قوی الاسلام ہو گئے ان سے تو یہ معلوم ہوتا کہ آپ ﷛ "فتح مکہ" سے پہلے اسلام نہیں لائے، ورنہ اتنے زمانے

---

1 تطهير الجنان واللسان عن الخطور والتفوه بثلب سيدنا معاوية بن أبي سفيان : ص ٨ الناشر : مكتبة الحقيقة استنبول (تركي)

تک ان کے تمام گھر والے اور وہ خود اپنے والد کی طرح "مؤلفۃ القلوب" میں سے نہ ہوتے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے "فتح مکہ" سے پہلے اسلام نہ لانا ثابت نہیں ہوتا، اولاً تو اس وجہ سے کہ جن علماء نے آپ رضی اللہ عنہ کو "مؤلفۃ القلوب" میں سے شمار کیا ہے انہوں نے اس وجہ سے کیا ہے کہ (اُن کے گمان کے مطابق گویا) آپ رضی اللہ عنہ "فتح مکہ" کے دن ہی اسلام لائے جیسا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو گمان تھا، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جن علماء نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو "مؤلفۃ القلوب" میں شمار کیا ہے، انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے والد کا ذکر بھی آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا ہے، حالاں کہ آپ رضی اللہ عنہ کے والد بالاتفاق "فتح مکہ" کے دن اسلام لائے، مگر جن علماء نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا "فتح مکہ" سے ایک سال پہلے اسلام لانا اور اسلام لاکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایک معقول عذر کی بناء پر ہجرت نہ کرنا بیان کیا ہے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے، وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو "مؤلفۃ القلوب" میں شمار نہیں کرتے۔ باقی رہا صرف مالِ غنیمت کا (زیادہ) دینا تو یہ "مؤلفۃ القلوب" ہونے پر دلالت نہیں کرتا، کیا دیکھتے نہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا پہلے اپنا اسلام چھپائے رکھا اور پھر "فتح مکہ" کے دن ظاہر کیا جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے، پھر انہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے "بحرین" کے مال میں سے اتنا عطا فرمایا جتنا کہ وہ اُٹھا سکتے تھے، پس جس طرح یہ واقعہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے "مؤلفۃ القلوب" ہونے پر دلالت نہیں کرتا اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خصوصیت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ مال عطا فرمانا اُن کے بھی "مؤلفۃ القلوب" ہونے پر دلالت نہیں کرتا، اگر بالفرض اسے صحیح مان بھی لیا جائے تب بھی دو وجہ سے یہ آپ رضی اللہ عنہ کے "مؤلفۃ القلوب" ہونے پر دلالت نہیں کرتا: اولاً تو اس وجہ سے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ پہلے سے ہی قوی الاسلام تھے۔ اور ثانیاً اس وجہ سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مالِ غنیمت آپ رضی اللہ عنہ کو زیادہ عطا فرمایا تو وہ صرف آپ رضی اللہ عنہ کے والد کی تالیفِ قلب کے لئے زیادہ عطا فرمایا اس لئے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے والد ماجد کا شمار "مکہ مکرمہ" کے اکابر اور اشراف لوگوں میں ہوتا تھا۔ (ترجمہ ختم)

اور امام اہلِ سنت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں:

"دوسری بات یہ ہے کہ کبار علماء نے ایک دوسری چیز بھی ذکر کی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ "مؤلفۃ القلوب" میں سے نہیں تھے، بلکہ اُن کے متعلق کبار علماء نے تحریر کیا ہے:

" أما معاوية فبعيد أن يكون منهم ، فكيف يكون منهم ؟ وقد ائتمنه النبي علىٰ وحي الله وقرآنه وخلطه بنفسه و أما حاله في ايام ابي بكر فاشهر من هذا و أظهر." [۱]

ترجمہ: یعنی یہ بات بعید ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ "مؤلفۃ القلوب" میں سے ہوں، حالانکہ ان کو نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی وحی اور اُس کی قرأت پر امین قرار دیا اور ان کو اس مسئلہ میں اپنے ساتھ ملایا اور معتمد بنایا اور خلافت صدیقی رضی اللہ عنہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حال زیادہ مشہور اور بیان کرنے سے زیادہ ظاہر ہے (یعنی یہ حالات اس بات کا قرینہ ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اسلام و ایمان پختہ تھا اور وہ دینی اُمور میں معتمد علیہ تھے، اُن کے لئے "تالیف خاطر" کی حاجت نہ تھی۔ واللہ اعلم)۔ [۲]

بہر حال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حقیقت میں "مؤلفۃ القلوب" میں سے تھے یا نہیں تھے، مذکورہ بالا تصریحات سے اتنی بات ضرور ثابت ہوگئی ہے کہ "مؤلفۃ القلوب" میں سے ہونا کوئی نقص اور عیب کی بات نہیں ہے کہ جس کی بنیاد پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو "مؤلفۃ القلوب" میں سے شمار کرنے والے کبار علمائے اہل سنت پر "دشمنانِ معاویہ رضی اللہ عنہ" کا لیبل لگایا جاسکے اور اُنہیں "ناقدین معاویہ رضی اللہ عنہ" کی صف میں لا کھڑا کیا جاسکے۔

## "طلقاء" میں سے ہونا بھی کوئی عیب نہیں ہے!

پروفیسر جابر ہاشمی صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں جن تین چیزوں کے ذکر کرنے کو آپ رضی اللہ عنہ سے دشمنی رکھنے کے مترادف بتلایا ہے، اُن میں سے تیسری چیز "طلقاء" میں سے ہونا ہے۔ "طلقاء" کا کلمہ درحقیقت

---

[۱] (الجامع لأحكام القرآن المعروف بتفسير القرطبي : ۸/۱۸۱، الناشر : دار الكتب المصرية ، القاهرة ) و (أحكام القرآن لابن العربي : ۲/۵۲۹ ، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان )

[۲] (سیرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ : ۲/۳۹۰، ۳۹۱، ناشر: دار الکتاب، اردو بازار، لاہور)

## کلمہ ''طلقاء'' کا مختصر پس منظر:

اس کلمہ کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ ''فتح مکہ'' کے موقع پر ''باب کعبہ'' کے پاس آنحضرت ﷺ نے مختلف قسم کے احکامات صادر فرمائے، جن میں سے ایک فرمان آپ ﷺ کا یہ بھی تھا کہ ''اے گروہِ قریش! اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں سے زمانہ جاہلیت کا غرور و تکبر اور اپنے آباؤ اجداد کے بڑائی و تفاخر دُور فرمادیا ہے، تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا فرمائے اور حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا، پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی ﴿ یاأیها الناس انا خلقناکم من ذکر و أنثى ...... ﴾ پھر فرمایا: ''اے گروہِ قریش! تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا؟ لوگوں نے عرض کیا: ''آپ ﷺ بہتر معاملہ فرمائیں گے، کیوں کہ آپ ﷺ مہربان اور شریف ہیں اور مہربان اور شریف کی اولاد ہیں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

" اذهبوا أنتم طلقاء ."[1]

ترجمہ: جاؤ! تم سب معاف ہو!۔

## ''طلقاء'' کے مخاطب کون لوگ تھے؟:

یہاں یہ چیز بھی قابل توجہ ہے کہ اُس وقت ''طلقاء'' کے مخاطبین کون تھے؟ مؤرخین نے لکھا ہے کہ کوئی ایک قبیلہ یا چند مخصوص افراد آپ ﷺ کے مخاطب نہیں تھے بلکہ اُس وقت مکہ کے متعدد قبائل مثلاً بنی تمیم، بنی عدی، بنی مخزوم، بنی خزیمہ، بنی اسد، بنی بنی نوفل، بنی زہرہ، بنی ہاشم، اور بنی عبد الشمس (بنواُمیہ) وغیرہ وغیرہ قبائل پیش خدمت تھے۔ آپ ﷺ کے الفاظ سے مترشح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا انداز خطاب بلا کسی تخصیص کے سب لوگوں کے لئے یکساں طور پر تھا، لہٰذا صرف ''بنواُمیہ'' کے چند مخصوص افراد مثلاً ابوسفیان رضی اللہ عنہ، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ، وغیرہ حضرات کو ''طلقاء'' کہہ دینا اُن کی ذات میں کسی عیب یا کسی نقص کے ہونے پر ہرگز دلالت نہیں کرتا۔

نیز کلمہ ''طلقاء'' صرف ''معافی'' کے الفاظ پر مشتمل ہے لہٰذا اس سے کسی کی حقارت یا کسی کی تنقیص کسی بھی طرح لازم نہیں آتی، یہی وجہ ہے کہ اس کلمہ کی بناء پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں اس سے کسی کی تحقیر یا تنقیص ثابت

---

[1] سیرة ابن هشام : ۲/۱۲ ٤، الناشر : شركة مكتبة و مطبعة مصطفى البابي الحلبي و أولاده بمصر ) و ( البداية و النهاية لابن كثير : ٤/٤ ٣٤، الناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان ) و ( تاريخ ابن خلدون : ٢/ ٤٦١ ، الناشر : دار الفكر ، بيروت ، لبنان )

نہیں۔

**بحث کا خلاصہ اور لب لباب:**

اس ساری بحث کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہوا کہ جن لوگوں کو حضرت معاویہ ؓ کے قبل از "فتح مکہ" اسلام لانے کا علم نہیں ہوا تھا، بالخصوص جب کہ حضرت معاویہ ؓ نے اپنے اسلام لانے کا اظہار بھی اسی موقع پر کیا، نیز جب انہوں نے یہ دیکھا کہ آنحضرت ﷺ "ہوازن" کے مال غنیمت میں سے حضرت معاویہ ؓ کو خصوصیت کے ساتھ کچھ مال زیادہ عطا فرما رہے ہیں تو اس سے انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ چوں کہ حضرت معاویہ ؓ بھی ابھی ہی ایمان لائے ہیں اس لئے آنحضرت ﷺ آپ ؓ کی "تالیف قلب" کے لئے آپ ؓ کو کچھ مال خصوصیت کے ساتھ زیادہ عطا فرما رہے ہیں، اس لئے ان حضرات نے آپ ؓ کو "مؤلفۃ القلوب" میں سے شمار کر لیا، اگر چہ "مؤلفۃ القلوب" میں سے ہونا کوئی عیب کی بات نہیں ہے، اور جن لوگوں کو آپ ؓ کے قبل از "فتح مکہ" اسلام لانے کا علم تھا انہوں نے جب آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ وہ آپ ؓ کو "ہوازن" کے مال غنیمت میں سے کچھ زیادہ مال عنایت فرما رہے ہیں تو انہوں نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہ آنحضرت ﷺ کی آپ ؓ پر خصوصی شفقت اور عنایت کا نتیجہ ہے۔

لیکن اگر بالفرض آپ ؓ کا "مؤلفۃ القلوب" میں سے ہونا مان بھی لیا جائے تب بھی اس سے آپ ؓ کی ذات یا آپ ؓ کے مقام میں کوئی عیب یا تنقیص لازم نہیں آتی، اس لئے کہ "فتح مکہ" کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے جن لوگوں کو کچھ مال وغیرہ عطا فرمایا تھا تو وہ نعوذ باللہ! کسی طمع یا لالچ کی بنیاد پر نہیں دیا تھا جو کہ ایک معیوب قسم کی چیز ہے، بلکہ آپ ﷺ نے ایک خاص حکمت عملی کے تحت ان کی "تالیف قلب" کے لئے ان کی مالی امداد فرمائی تھی۔

پس ثابت ہوا کہ حضرت معاویہ ؓ کا "طلقاء" میں سے ہونا کوئی معیوب یا منقوص قسم کی چیز نہیں کہ جس کی وجہ سے آپ ؓ کی ذات یا آپ ؓ کے مقام پر کوئی حرف آئے، یا جس کی بنیاد پر آپ ؓ کو "طلقاء" میں سے شمار کرنے والے کبار علمائے اہل سنت پر "دشمنان معاویہ ؓ" کا لیبل لگا کر انہیں "ناقدین معاویہ ؓ" کی صف میں لا کھڑا کیا جا سکے۔

**ایک شبہ اور اُس کا ازالہ:**

لیکن یہاں پر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے کہ جب حضرت معاویہ ؓ نے "فتح مکہ" سے ایک سال پہلے "عمرۃ القضاء" کے موقع پر نبی اکرم ﷺ کے "موئے مبارک" تراشے تھے تو "اخفائے

ایمان" کہاں باقی رہا؟۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"......سوال یہ ہے کہ جب حضرت معاویہ ؓ نے "عمرۃ القضاء" میں نبی اکرم ﷺ کے بال تراشے تو اخفائے ایمان کہاں باقی رہا؟ گویا اُن کا ایمان بھی ناقدین کے لئے سانپ کے منہ میں چھچھوندر کی مثل ہوگیا ہے، نہ اُگلتے بنتی ہے اور نہ نگلتے بنتی ہے......" [۱]

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت معاویہ ؓ کا "اخفائے ایمان" باقی ہی تو رہا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ جیسے مشہور و معروف صحابی تک اس سے بے خبر رہے اور عین "فتح مکہ" کے موقع پر جب آپ ؓ نے اپنے اسلام کا اظہار کیا تب حضرت سعد ؓ کو آپ ؓ کے اسلام لانے کا علم ہوا۔ اِن کے علاوہ جانے اور کتنے صحابہ کرام ؓ کو آپ ؓ کے قبل از "فتح مکہ" اسلام لانے کا علم نہیں ہوا ہوگا۔

چنانچہ علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۷۴ھ) لکھتے ہیں:

"لا يقال يرد ما حكاه الواقدي أنه أسلم قبل الفتح ، ما ثبت في الصحيحين عن سعد بن أبي وقاص أنه قال: العمرة في أشهر الحج ، فعلناها وهذا أي معاوية يومئذ كافر ، لأنا نقول : ممنوع ذلک ، بل لا رد فيه ، لأن الفرض أنه كتم إسلامه ، فسعد ممن لم يعلم به ، فاستصحب حاله الى يومئذ وقضي عليه بالكفر فيه باعتبار الظاهر و بالنسبة الى علمه ." [۲]

ترجمہ: اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان تو یہ ہے کہ حضرت معاویہ ؓ قبل از "فتح مکہ" اسلام لائے تھے، اور یہ بات ایک صحیح حدیث کے خلاف ہے جو حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ: "ایام حج میں ہم نے عمرہ کیا اور اُس وقت حضرت معاویہ ؓ کافر تھے۔" تو اس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ اس سے کوئی مخالفت لازم نہیں آتی، اس لئے کہ جب یہ بات تسلیم کرلی گئی ہے کہ حضرت معاویہ ؓ نے اپنا اسلام چھپائے رکھا تھا تو ممکن ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ اُن لوگوں میں سے

---

[۱] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین، ص۳۲)

[۲] (تطهير الجنان واللسان عن الخطور والتفوه بثلب سيدنا معاوية بن أبي سفيان للهيتمي : ص ۸/۷ ، الناشر : المكتبة الحقيقة ، شارع دار الشفقة فاتح ۵۷ ، استنبول ، تركي)

ہوں جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے بے خبر ہوں، لہٰذا وہ اپنے علم اور ظاہری حالات کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اُس وقت تک کافر سمجھتے رہے ہوں۔

نیز چوں کہ وہ زمانہ الیکٹرانک یا پرنٹ میڈیا کا تو تھا نہیں کہ پل پل کی خبر اور نیوز سے ہر وقت ہر آدمی باخبر رہ سکتا ہو، اور نہ ڈاک وغیرہ کا کوئی خاص تیز انتظام تھا اور جو تھا بھی وہ بھی حد درجہ کمزور، اس لئے بہت زیادہ ممکن ہے کہ کئی ایک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ رضی اللہ عنہ کے قبل از "فتح مکہ" اسلام لانے سے بے خبر رہ گئے ہوں، بالخصوص جب کہ آپ رضی اللہ عنہ خود اپنا اسلام اپنی والدہ سے ڈر کے مارے چھپائے ہوئے تھے تو ایسی صورت میں تو اور بھی زیادہ آپ رضی اللہ عنہ کے "اخفائے اسلام" کا احتمال باقی رہتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

"و حكي ابن سعد انه كان يقول لقد أسلمت قبل عمرة القضية و لكني كنت أخاف أن أخرج الىٰ المدينة ، لأن امي كانت تقول : ان خرجت قطعنا عنك القوت ."[1]

ترجمہ: ابن سعدؒ سے مروی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ میں "عمرۃ القضاء" سے پہلے ہی اسلام لے آیا تھا، لیکن مدینہ منورہ (آنحضرت ﷺ) کی طرف ہجرت کرنے سے ڈرتا تھا، کیوں کہ میری والدہ مجھے کہا کرتی تھیں کہ اگر تو نے (اسلام قبول کر کے مدینہ منورہ آنحضرت ﷺ کی طرف) ہجرت کی تو ہم تیرا کھانا پینا بند کر دیں گے۔ (ترجمہ ختم)

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بدر، اُحد، خندق اور غزوۂ حدیبیہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کفار کی جانب سے شریک نہ ہوئے، حالاں کہ اُس وقت آپ رضی اللہ عنہ جوان تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سالار کی حیثیت سے شریک ہو رہے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کے ہم عمر جوان بڑھ چڑھ کر مسلمانوں کے خلاف جنگ میں حصہ لے رہے تھے۔ ان تمام باتوں کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ کا شریک نہ ہونا ظاہر کرتا ہے کہ اسلام کی حقانیت ابتداء ہی سے آپ رضی اللہ عنہ کے دل میں گھر کر چکی تھی، لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے "فتح مکہ" کے موقع تک والدہ کے ڈر سے اپنا ایمان چھپائے رکھا۔

## پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا خود اپنے ہی اُصول سے انحراف:

---

[1] (الاصابة في معرفة الصحابة لابن حجر العسقلاني : ۱۴۳/۳، الناشر :)

اور یہ اُصول تو خود پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے تسلیم کررکھا ہے کہ خود صاحب معاملہ کے قول کو ترجیح دینا زیادہ صحیح ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> ''عام مؤرخین کے اقوال کے مقابلے میں خود صاحب معاملہ کے اپنے قول کو ترجیح دینا ہی زیادہ صحیح ہے۔'' [۱]

لیکن یہاں پر خود پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب اپنے اسی مسلمہ اُصول کی خلاف ورزی کرتے ہوئے خود صاحب معاملہ (حضرت معاویہ ؓ) کے قول کے برخلاف آپ ؓ کے اخفائے اسلام کا سرعام انکار کررہے ہیں:

آپ ہی اپنی ''اداؤں'' پے غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو بے ادبی ہوگی

## پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی دو متضاد عبارتیں:

حضرت معاویہ ؓ کے (علی حسب اختلاف الروایات) بعد از ''فتح مکہ'' یا قبل از ''فتح مکہ'' اسلام قبول کرنے کے ساتھ ساتھ 'اخفائے ایمان' پر بحث کرتے ہوئے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

> ''..... کبھی تو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ''فتح مکہ'' کے بعد ایمان لائے، کبھی ایمان کا قبل از ''فتح مکہ'' اقرار کرنے کے ساتھ ساتھ ''کتمانِ ایمان'' کا الزام عائد کردیا جاتا ہے''۔ [۲]

حالاں کہ اسی کتاب کے گزشتہ سے پیوستہ صفحہ پر خود پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت معاویہ ؓ کے ایمان کا قبل از ''فتح مکہ'' اقرار کرنے کے ساتھ ساتھ ''کتمانِ ایمان'' کا تذکرہ کیا ہے۔

چنانچہ پروفیسر آں موصوف لکھتے ہیں:

> ''حضرت معاویہ ؓ خود فرمایا کرتے تھے کہ وہ ''عمرة القضاء'' کے موقع پر اسلام لائے اور اُنہوں نے آنحضرت ﷺ سے بحیثیت مسلمان ملاقات کی اور اپنے اسلام کو اپنے والدین سے مخفی رکھا۔'' [۳]

---

[۱] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین، ص ۳۰)
[۲] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین، ص ۳۰)

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب طعنہ تو ہمیں دیتے ہیں لیکن قصور اُن کا اپنا نکل آیا، یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے مخلص کے منہ سے کبھی کبھی حق بات اُگلوا ہی دیتے ہیں۔

## ''اجتہادی خطاؤں'' میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی پیش پیش کیوں؟

صحابیِ رسول سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق اور دفاع میں انجام دیئے جانے والے علمائے اہل سنت کے دفاعی کارناموں سے غیر مطمئن اور نالاں پروفیسر طاہر ہاشمی لکھتے ہیں:

> ''خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اُن کے اُمراء و گورنروں اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم و ائمہ مجتہدینؒ میں سے کس کس کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ اُن سے کبھی ''خطائے اجتہادی'' سرزد نہیں ہوئی؟ کیا ان کی خطائیں بھی زیرِ بحث لائی جاتی ہیں؟۔
>
> پھر معلوم نہیں کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم و ائمہ مجتہدینؒ کی اجتہادی خطاؤں کو ''نظر انداز'' کر کے تنہا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہی ہدفِ تنقید کیوں بنایا جاتا ہے؟ کیا باقی سب حضرات اپنے اجتہاد میں ہمیشہ ''مصیب'' ہی تھے؟۔''[۱]

## اجتہادی خطائیں حضرت معاویہ کے علاوہ اور بھی کئی حضرات سے صادر ہوئی ہیں!

اس میں شک نہیں کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اُن کے اُمراء، گورنروں اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم و ائمہ مجتہدینؒ میں سے کسی ایک کے متعلق بھی یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ اُن سے کبھی خطاء سرزد نہیں ہوئی ہے، بلکہ کئی حضرات سے کچھ نا کچھ اجتہادی خطائیں ضرور واقع ہوئی ہیں، لیکن اولاً تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطائیں اس لئے زیادہ نمایاں ہیں کہ اُن کا براہِ راست تعلق ''مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم'' سے ہے، جہاں مقابلہ پر کوئی عام مجتہد نہیں بلکہ خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں، اور چوں کہ مشاجرات پر الگ الگ مؤقف اپنانے سے درجنوں فرقے وجود میں آئے ہیں، اس لئے یہاں درست مؤقف بیان کرنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ اہل سنت کے وجود کو قائم رکھنا ضروری ہے، نیز درست مؤقف کی وضاحت کے لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطائے اجتہادی کو بیان کرنا بھی اسی قدر ضروری ہے، کیوں کہ یہی اہل سنت کا اصل مسلک ہے اور اس سے انحراف احادیثِ متواترہ کی مخالفت کو مستلزم ہے، اس سے دائیں بائیں ہو کر آدمی یا ''ناصبیت'' کے گڑھے میں جا گرتا ہے یا ''رافضیت'' کے گڑھے میں۔

---

[۱] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۳۶، ۳۷)

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی یہ بات بنیادی طور پر اپنی جگہ بالکل غلط ہے کہ ان تمام صحابہ ؓ وائمہ مجتہدین کی "اجتہادی خطاؤں" کو نظر انداز کر کے تنہا حضرت معاویہ ؓ کو ہی ہدف تنقید بنایا جاتا ہے، اس لئے کہ کتب فقہ اور شروح حدیث حضرت معاویہ ؓ کے علاوہ دیگر کئی صحابہ ؓ وائمہ مجتہدینؒ کی اجتہادی خطاؤں کی مثالوں سے بھری پڑی ہیں۔ ذیل میں ان میں سے چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں:

## دیگر صحابہ ؓ وائمہ مجتہدینؒ سے اجتہادی خطائیں صادر ہونے کی مثالیں:

## پہلی مثال:

۱-وعن أسامة بن زيد ، قال :بعثنا رسول الله صلي الله عليه وسلم الي أناس من جهينة ، فاتيت علي رجل منهم ، فذهبت أطعنه ، فقال : لا اله الا الله ، فطعنته ، فقتلته ،فجئت الي النبي صلي الله عليه وسلم فاخبرته، فقال: أقتلته وقد شهد أن لا اله الا الله ؟ " قلت يارسول الله ! انما فعل ذلک تعوذا . قال : فهلا شققت عن قلبه ؟ " متفق عليه .

قال القاري في شرحه : ظن رضي الله عنه أن اسلامه لا عن صميم قلبه ، أو اجتهد في هذا ان الايمان في مثل هذه الحالة لا ينفع ، فبينه صلي الله عليه وسلم أنه أخطأ في اجتهاده .[1]

ترجمہ: اسامہ بن زید ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے "جہینہ" کے کچھ لوگوں کی طرف مجھے بھیجا، پس اُن کے ایک آدمی کے پاس میں آیا اور اُسے نیزے سے مارنا شروع کر دیا تو اُس نے کہا: "لا الہ الا اللہ!" پس میں نے نیزے سے اُس کو قتل کر دیا۔ پھر میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تو نے اُس کو قتل کر دیا؟ حالاں کہ اس نے گواہی دی کہ: "اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں؟"۔ "میں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ ﷺ! اُس نے صرف (قتل ہونے سے) پناہ لینے کے لئے ایسا کیا ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "پھر تو نے اُس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھا؟"۔"

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ: "اسامہ بن زید ؓ نے یہ گمان کیا کہ اُس نے دل کے یقین سے اسلام قبول نہیں کیا، یا اُنہوں نے اس مسئلہ میں اجتہاد کیا کہ ایسی حالت میں ایمان نفع مند نہیں ہوتا، پس آپ ﷺ نے واضح فرما دیا کہ: "اُنہوں نے اپنے اجتہاد میں خطاء کی ہے۔" (ترجمہ ختم)

---

[1] ( مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح لملا علي القاري الحنفي : ۲۲٦۰/٦ ، الناشر : دار الفكر ، بيروت ، لبنان )

## دوسری مثال:

۲-مال و دولت، سونا چاندی وغیرہ جمع کرنے کے متعلق حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا یہ مسلک مشہور و معروف ہے جو انہوں نے اپنے اجتہاد کی بناء پر مستنبط کر رکھا تھا کہ ایک دن کی روزی سے زیادہ رقم اپنے پاس رکھنا حرام ہے، حالاں کہ اُن کا یہ مسلک قرآن وسنت کے واضح دلائل کے خلاف ہے، اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی ایک بھی اس معاملے میں اُن کا ہم نوا نہ ہوا، بلکہ سب کے نزدیک اُن سے اس مسئلہ میں "خطائے اجتہادی" صادر ہوئی تھی، اور اُمت کے جمہور علماء نے ہمیشہ دلائل کے ذریعے اُن کے اس مسلک کی تردید کی ہے، اور انہیں اس مسئلہ میں "مجتہد مخطی" کہا ہے۔

چنانچہ علامہ ابوعمر یوسف بن عبداللہ نمری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

" فأما أبو ذر ( رضي الله عنه ) فروي عنه في ذلك آثار كثيرة في بعضها شدة كلها تدل علی أنه كان يذهب الی أن كل مال مجموع يفضل عن القوت و سداد العيش فهو كنز وأن آية الوعيد نزلت في ذلك ."[1]

ترجمہ: اور بہر حال حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ تو اُن سے اس بارے میں بہت زیادہ آثار مروی ہیں، جن میں سے بعض میں شدت بھی ہے۔ یہ سب آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ تھا کہ کھانے پینے اور سامان زندگی سے زائد جمع شدہ جتنا بھی مال ہو وہ "کنز" ہے۔ اور یہ کہ آیت وعید اسی "کنز" کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (ترجمہ ختم)

## تیسری مثال:

۳-اسی طرح کسی جانور کے ذبح کرتے وقت اس پر جان بوجھ کر "بسم اللہ ۔۔۔ الخ" چھوڑ کر اُسے ذبح کر دینا اور پھر اُسے کھالینا دلائل قطعیہ کی بناء پر گناہ کبیرہ ہے، لیکن اس کے متعلق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مسلک مشہور و معروف ہے جو انہوں نے اپنے اجتہاد کی بنیاد پر مستنبط کیا ہے کہ ایسے جانور کا ذبیحہ بھی حلال ہے اور اُس کا کھانا بھی حلال ہے، حالاں کہ اُن کا یہ مسلک قرآن وسنت کے واضح دلائل کے خلاف ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شافعی المسلک

---

[1] ( الاستذكار للنمري: ۱۷۳/۳، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان )

انسان جان بوجھ کر "بسم اللہ...... الخ" چھوڑ کر اُسے ذبح کرے اور پھر اُسے کھالے تو اُس کا یہ عمل دلائل شرعیہ کی رو سے گناہِ کبیرہ کے زُمرے میں آئے گا، لیکن چوں کہ اُس کا یہ عمل امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دیانت دارانہ اجتہاد کی بنیاد پر صادر ہوا ہے، اس لئے اُس کا یہ ذبیحہ نہ حرام کہلائے گا اور نہ ہی اس کے کھانے سے وہ گناہ گار ہوگا۔

## چوتھی مثال:

**"۴- و اذا قال الحاكم للحداد : اقطع يمين هذا في سرقة فقطع يساره عمدا لا شئ عليه عند أبي حنيفة لأنه أتلفها ببدل وهي اليمني فاتلف واخلف من جنسه ما هو خير منه فلا يعد اتلافا و عندهما يضمن القاطع في العمد ولاشئ عليه في الخطأ. وقال زفر : يضمن في الخطأ أيضاً لأنه قطع يداً معصومة والخطأ في حق العباد غير موضوع أي غير معفو عنه. قلنا : انه أخطأ في اجتهاده اذ ليس في النص تعيين اليمين ، والخطأ في الاجتهاد معفو عنه ."[1]**

ترجمہ: اور جب حاکم نے حد مارنے والے سے کہا کہ اس شخص کا دایاں ہاتھ چوری کرنے کی پاداش میں کاٹ دے، پس اُس نے جان بوجھ کر اُس کا بایاں ہاتھ کاٹ دیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اُس پر کچھ نہیں ہے۔ کیوں کہ اُس نے دائیں ہاتھ کے بدلے میں بایاں ہاتھ تلف کیا ہے، پس اُس نے تلف کیا اور ضائع کیا اسی کی جنس سے اُس چیز کو جو اُس سے بہتر ہے، لہٰذا اُسے تلف کرنا شمار نہیں کیا جائے گا۔ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اگر اُس نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے تو ضامن ہوگا، لیکن اگر خطاء اور غلطی میں ایسا کیا ہے تو پھر اُس پر کچھ نہیں ہے۔ اور امام زُفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خطاء اور غلطی میں بھی وہ ضامن ہوگا، کیوں کہ اُس نے ایک بے گناہ ہاتھ کاٹا ہے۔ اور بندوں کے حق میں غلطی معاف نہیں ہوتی۔

ہم کہتے ہیں کہ امام زُفر رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے اجتہاد میں خطاء ہوگئی ہے اس لئے کہ نص میں دائیں ہاتھ کی کوئی تعیین نہیں ہے، اور اجتہاد میں غلطی معاف ہوتی ہے۔

## صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بشری خطائیں صادر ہونے کی مثالیں:

نیز اجتہادی خطاؤں کے علاوہ بشری خطاؤں اور معاصی کا ذکر بھی کتب حدیث میں موجود ہے، جس کی چند مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ فرمایئے!:

---

[1] (الجوهرة النيرة على مختصر القدوري. ۲/ ۱۷۰، الناشر : المطبعة الخيرية)

## پہلی مثال:

۱- حدثنا قتيبة بن سعيد حدثنا سفيان عن عمرو بن دينار قال: أخبرني الحسن بن محمد أنه سمع عبيد الله بن أبي رافع يقول: سمعت عليا رضي الله عنه يقول: بعثني رسول الله صلي الله عليه وسلم أنا والزبير والمقداد فقال: انطلقوا حتي تأتوا روضة خاخ، فإن بها ظعينة معها كتاب فخذوا منها قال: فانطلقنا تعادي بنا خيلنا حتي أتينا الروضة فاذا نحن بالظعينة قلنا لها: أخرجي الكتاب قالت: مامعي كتاب. فقلنا: لتخرجن الكتاب أو لنلقين الثياب. قال: فاخرجته من عقاصها فأتينا به رسول الله صلي الله عليه وسلم فاذا فيه: من حاطب بن أبي بلتعة اليٰ ناس بمكة من المشركين يخبرهم ببعض أمر رسول الله صلي الله عليه وسلم فقال رسول الله صلي الله عليه وسلم: يا حاطب ماهذا؟ قال: يا رسول الله صلي الله عليه وسلم لاتعجل علي اني كنت امرأ ملصقاً في قريش يقول: كنت حليفاً ولم أكن من أنفسها وكان من معك من المهاجرين من لهم قرابات يحمون أهليهم وأموالهم فأحببت اذ فاتني ذلک من النسب فيهم أن أتخذ عندهم يداً يحمون قرابتي ولم أفعله ارتداداً عن ديني ولا رضاً بالكفر بعد الاسلام. فقال رسول الله صلي الله عليه وسلم: أما انه قد صدقكم فقال عمر: يا رسول الله دعني أضرب عنق هذا المنافق فقال: انه قد شهد بدراً وما يدريک لعل الله اطلع عليٰ من شهد بدراً؟ فقال: اعملوا ماشئتم فقد غفرت لكم. فانزل الله السورة: يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا عدوي وعدوكم أولياء تلقون اليهم بالمودة وقد كفروا بما جائكم من الحق. (الممتحنة) اليٰ قوله: فقد ضل سواء السبيل) [۱]

ترجمہ: حضرت علی ﷺ سے مروی ہے کہ مجھے، زبیر ﷺ اور مقداد ﷺ کو رسول اللہ ﷺ نے روانہ فرمایا اور ہدایت کی کہ (مکہ کے راستہ پر) چلے جاؤ، مقام "روضہ خاخ" پر پہنچو گے تو وہاں تمہیں "ہودج" میں ایک عورت ملے گی، وہ ایک خط لیے ہوئے ہوگی، تم وہ خط اس سے لے لینا، حضرت علی ﷺ کہتے ہیں کہ پھر ہم روانہ ہوئے، ہمارے گھوڑے ہمیں تیزی کے ساتھ لیے جارہے تھے، جب ہم "روضہ خاخ" پر پہنچے تو واقعی وہاں ہمیں ایک عورت "ہودج"

---

[۱] (صحيح البخاري: ۵/۱۴۵، الناشر: دار طوق النجاة)

مل ملی، ہم نے اُس سے کہا کہ خط نکالو! وہ کہنے لگی کہ میرے پاس کوئی خط نہیں ہے، لیکن ہم نے جب اُس سے کہا کہ اگر تم نے خود سے خط نکال کر ہمیں نہ دیا تو ہم تمہارا کپڑا اُتار کر تلاشی لیں گے، تب اُس نے اپنی چوٹی میں سے وہ خط نکالا۔ ہم وہ خط لے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے (یہاں جب خط پڑھا گیا) تو اُس میں یہ لکھا تھا کہ حاطب بن ابی بلتعہ ﷜ کی طرف سے مشرکین مکہ کے کچھ لوگوں کے نام، اس میں اُنہوں نے مشرکین کو حضور اکرم ﷺ کے ایک راز کی اطلاع دی تھی۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: حاطب! یہ کیا (معاملہ) ہے؟" حضرت حاطب ﷜ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میرے بارے میں فیصلہ کرنے میں آپ ﷺ جلدی نہ فرمایئے! ((مکہ کی زندگی میں) میں قریش کے ساتھ رہتا تھا، میں صرف اُن کا حلیف تھا، اُن سے میری کوئی قرابت نہیں تھی، لیکن جو دوسرے مہاجرین آپ ﷺ کے ساتھ ہیں، ان سب کی قریش کے ساتھ قرابت ہے، اس لئے اُن کے (مکہ کے) عزیز واقرباء وہاں اُن کی اولاد اور اُن کے اموال کی حفاظت کرتے ہیں، لیکن چوں کہ میرا اُن سے کوئی نسبی تعلق نہیں تھا، اس لئے میں نے چاہا کہ اُن پر ایک احسان کر دوں اور وہ اُس کے بدلہ میں (مکہ میں موجود) میرے رشتہ داروں کی حفاظت کریں، میں نے یہ کام اپنے دین سے پھر کر نہیں کیا، اور نہ ہی اسلام لانے کے بعد میرے دل میں کفر کی حمایت کا کوئی جذبہ ہے۔" اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: واقعی! انہوں نے تمہارے سامنے سچی بات کہہ دی ہے۔" حضرت عمر ﷜ نے عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اُڑا دوں!۔" لیکن حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "یہ غزوۂ بدر میں شریک رہ چکے ہیں، اور تمہیں کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ (جو غزوۂ بدر میں شریک ہونے والوں کے اعمال پر واقف ہے کہ آئندہ وہ کیا کریں گے) نے اُن کے متعلق خود فرما دیا ہے کہ: "جو چاہو کرو! میں نے تمہارے گناہ معاف کر دیے ہیں!۔" اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ترجمہ: اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ کہ اُن سے تم اپنی محبت کا اظہار کرتے رہو۔۔۔ الیٰ قولہ۔۔۔ فقد ضل سواء السبیل۔

دوسری مثال:

۲—عن ابن عباس رضي الله عنهما قال، لما اتیٰ ماعز بن مالک النبي صلي الله عليه وسلم قال له: لعلک قبلت أو غمزت او نظرت؟ قال: لا يا رسول الله! قال: أنكتها؟ لا يكني قال: فعند ذلک أمر برجمه."[۱]

---

[۱]: صحيح البخاري، ۸/۱۶۷، الناشر: دار طوق النجاة۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضرت ماعز بن مالک ؓ نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے تو حضور ﷺ نے اُن سے فرمایا: "غالباً تم نے بوسہ لیا ہوگا، یا اشارہ کیا ہوگا یا دیکھا ہوگا؟" عرض کیا: "نہیں یا رسول اللہ ﷺ! حضور ﷺ نے فرمایا: "کیا پھر تم نے ہم بستری ہی کرلی ہے؟" اس مرتبہ آپ ﷺ نے کنایہ سے کام نہیں لیا۔ راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد آپ ﷺ نے انہیں رجم کا حکم دیا۔ (ترجمہ ختم)

## تیسری مثال:

۳- اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور اُن کے ساتھ حضرت صفوان بن معطل ؓ جیسے مقدس صحابی پر منافقین نے تہمت گھڑی، تو چند سیدھے سادے صحابہ کرام ؓ بھی اُن کی سازش سے متاثر ہو کر تہمت کے تذکرے کرنے لگے۔ مسلمانوں میں سے دو مرد حضرت حسان بن ثابت ؓ اور حضرت مسطح ؓ اور ایک عورت سیدہ حمنہ رضی اللہ عنہا اس میں مبتلا ہوئے، جن پر رسول اللہ ﷺ نے آیات نازل ہونے کے بعد "حد قذف" جاری فرمائی۔ مؤمنین سب تائب ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان سب کی توبہ قبول فرمائی۔ حضرت حسان ؓ اور حضرت مسطح ؓ، دونوں شرکائے بدر میں سے ہیں، جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مغفرت کا اعلان فرمادیا ہے۔

## ہنوز بر سر مطلب آمدم!:

اور دوسرے یہ کہ علمائے اہل سنت والجماعت نے جہاں کہیں بھی حضرت معاویہ ؓ کی خطائے اجتہادی کا ذکر کیا ہے تو وہ (خاکم بدہن) آپ ؓ کی ذات کو طعن وتنقید کا ہدف بنانے کے طور پر ہرگز نہیں کیا کہ جس سے (نعوذ باللہ!) آپ ؓ کی ذات بابرکات یا آپ ؓ کے مقام عالی شان کے خلاف کسی قسم کا کوئی پروپیگنڈا کھڑا کرنا یا آپ ؓ کے مقام صحابیت کا تقدس مجروح کرنا مقصود ہو، بلکہ اس سے "مشاجرات صحابہ ؓ" کے متعلق صحیح موقف اور اس کے دلائل واضح کرنا مقصود تھا، اس لئے کہ اس بارے میں شیعہ، خوارج، معتزلہ، اور مرجیہ سب الگ الگ مذہب رکھتے ہیں، اور انہی مشاجرات پر الگ الگ نظریات نے مختلف فرقوں کو جنم دیا ہے، جن کی تردید انتہائی لازمی ہے۔

## مسلمانوں میں مذہبی اختلافات کی ابتدا اور اُس کے اسباب:

خلافت راشدہ موعودہ کا زوال حضرت عثمان غنی ؓ کے زمانہ خلافت میں ایک ایسے فتنہ سے شروع ہوا جس کی ابتدا بظاہر کچھ بہت زیادہ خطرناک نہ تھی، بلکہ صرف ایک شورش تھی جو بعض سیاسی وانتظامی شکایات کی بنا پر ہوا

عثمان غنی ﷛ کے خلاف اُن کے آخری دور میں اٹھ کھڑی ہوئی تھی، اُس کی پشت پر نہ کوئی نظریہ اور فلسفہ تھا اور نہ ہی کوئی مذہبی عقیدہ، مگر جب اس کے نتیجے میں آں جناب کی شہادت واقع ہوگئی، اور حضرت علی ﷛ کے عہد خلافت میں نزاعات کے طوفان نے ایک زبردست خانہ جنگی کی صورت اختیار کر لی، اور جنگ جمل، جنگ صفین، قضیہ تحکیم، اور جنگ نہروان کے واقعات پے در پے پیش آتے چلے گئے، تو ذہنوں میں یہ سوالات اُبھرنے اور جگہ جگہ موضوع بحث بننے لگے کہ ان لڑائیوں میں حق پر کون ہے اور کیوں ہے؟ باطل پر کون ہے اور اُس کے برسر باطل ہونے کے وجوہ کیا ہیں؟ کسی کے نزدیک اگر فریقین باطل پر یا حق پر ہیں تو وہ کس بنا پر یہ رائے رکھتا ہے؟ اور کوئی اگر فریقین کے معاملہ میں سکوت یا غیر جانب داری اختیار کرتا ہے تو اُس کے پاس اپنی اس روش کے لئے کیا دلیل ہے؟ ان سوالات کے نتیجے میں چند قطعی اور واضح نظریات پیدا ہوئے جو اپنی اصل کے لحاظ سے خالص سیاسی تھے، مگر بعد میں ہر نظریے کے حامی گروہ کو بہ تدریج اپنا موقف مضبوط کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ دینیاتی بنیادیں فراہم کرنی پڑیں، اور اس طرح یہ سیاسی فرقے رفتہ رفتہ مذہبی فرقوں میں تبدیل ہوتے چلے گئے۔ اور اس طرح ان سیاسی اختلافات نے مذہبی اختلافات کی بنیاد قائم کر لی۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوا کہ جو لوگ جنگ جمل و صفین وغیرہ لڑائیوں میں ادھر یا اُدھر سے شریک ہوئے اُن میں برسر حق کون تھا؟ اور آیا دوسرا فریق اس آیت کا مستحق ہے یا نہیں؟:

"و من یقتل مؤمناً متعمداً فجزاءه جهنم خالداً فيها ."[1]

ترجمہ: جو کسی مسلمان کو عمداً قتل کرے گا، اُس کی سزا جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

تفرقہ و اختلاف کے اس دور میں جو کثیر التعداد فرقے پیدا ہوئے، اُن سب کی جڑ در اصل چار فرقے تھے:

﴿۱﴾ شیعہ ﴿۲﴾ خوارج ﴿۳﴾ مرجیہ ﴿۴﴾ معتزلہ۔

## شیعہ:

معتدل شیعہ حضرات اس کے قائل تھے کہ حضرت علی ﷛ افضل الخلق ہیں، ان سے لڑنے والا یا ان سے بغض رکھنے والا اللہ کا دشمن ہے، وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا، اور اُس کا حشر کفار اور منافقین کے ساتھ ہوگا۔ بنابریں اس گروہ کے نزدیک حضرت علی ﷛ مومن اور حضرت معاویہ ﷛ (نعوذ باللہ) کافر ہیں۔

---

[1] (النساء: ۴/ ۹۳)

## خوارج:

اس کے برعکس "خوارج" اس کے قائل تھے کہ چوں کہ طرفین نے ایک دوسرے پر جان بوجھ کر تلوار اٹھائی اس لئے دونوں جہنمی ہیں۔ چنانچہ اسی اُصول کی بناء پر ان تمام خانہ جنگیوں میں وہ دونوں جماعتوں کو برابر کافر جانتے تھے۔ اور چوں کہ "قتل عمد" گناہ کبیرہ ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے دائمی جہنم کی دھمکی دی ہے جو کافروں کی سزا ہے۔ اس گروہ کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کافر ہیں۔

## مرجیہ:

شیعوں اور خارجیوں کے انتہائی متضاد نظریات کا ردِّعمل ایک تیسرے گروہ کی پیدائش کی صورت میں ہوا، جسے "مرجیہ" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس نے بعض احادیث کی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا کہ ایمان کے ساتھ کوئی گناہ مضر نہیں۔ گناہ سے مؤمن کسی طرح عذاب کا مستحق نہیں ہوتا، چہ جائے کہ اس سے کفر لازم آئے۔ اس گروہ کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں اپنے اپنے اجتہادات میں "مصیب" ہیں۔

## معتزلہ:

اسی ہنگامہ خیز دور میں ایک چوتھا طرزِ فکر پیدا ہوا، جس کو اسلامی تاریخ میں "اعتزال" کا نام دیا گیا ہے، اگر چہ پہلے تین گروہوں کی طرح اس کی پیدائش خالص سیاسی اسباب کا نتیجہ نہ تھی، لیکن اس نے بھی اپنے وقت کے سیاسی مسائل میں چند قطعی نظریات پیش کیے اور اُس مجادلۂ افکار و آراء میں پوری شدت کے ساتھ حصہ لیا جو اس وقت سیاسی اسباب سے تمام دُنیائے اسلام میں عموماً اور عراق میں خصوصاً چھڑا ہوا تھا، اس فرقہ نے گزشتہ دونوں فریقوں کے دلائل سن کر یہ فیصلہ کیا کہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب نہ مؤمن ہے نہ کافر، بلکہ وہ کفر اور ایمان کے بیچ کی منزل میں ہے۔ اس گروہ کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں "فاسق" ہیں۔

## اہل سنت والجماعت:

ان متحارب اور متشدد گروہوں کے درمیان مسلمانوں کا سوادِ اعظم اپنے خیالات میں انہیں نظریات اور اصولوں پر قائم تھا جو حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے سے مسلّم چلے آرہے تھے اور جنہیں جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین اور عامہ مسلمین ابتدا سے اسلامی اصول و نظریات سمجھتے تھے، مسلمانوں کی بہ مشکل ۸، ۱۰ فی صد آبادی ان

تفرقے سے متاثر ہوئی تھی۔

اہل سنت کا اس بارے میں یہ فیصلہ تھا کہ یہ "قتل عمد" نہیں بلکہ "قتل خطاء" ہے کہ ہر ایک فریق اپنے کو برسر حق جان کر اور دوسرے کو برسر باطل سمجھ کر خون بہا اور اعتقاداً دوسرے کا خون بہانا جائز اور مباح سمجھتا تھا، اس لئے اس کا فیصلہ اُس کے ہاتھ ہے جو حقیقت حال سے واقف اور نیتوں کے اصل منشاء سے آگاہ ہے۔ اس گروہ کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ "مجتہد مصیب" تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ "مجتہد مخطی" تھے۔

## کسی مجتہد کو قطعی طور پر "مصیب" یا "مخطی" کہا جا سکتا ہے؟

کیا کسی مجتہد کو قطعی طور پر "مصیب" یا "مخطی" کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟ پروفیسر ہاشمی صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ نہیں کہا جا سکتا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> "..... پھر یہ بھی کوئی قطعی بات نہیں کہ جسے "مجتہد مصیب" کہا جائے وہ حقیقت میں بھی مصیب ہو اور جسے "مجتہد مخطی" کہا جائے وہ حقیقت میں بھی مخطی ہو، کیونکہ مصیب قرار دیے جانے کے باوجود "خطاء" کا احتمال باقی رہتا ہے اور مخطی کہنے کے باوجود "صواب" کا احتمال ہو سکتا ہے، یعنی "صواب محتمل الخطاء" اور "خطاء محتمل الصواب" لہٰذا ایسی صورت میں صحابہ رضی اللہ عنہم وائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک فریق یا فرد کو پورے تیقن کے ساتھ "مخطی" کہنا، کہلوانا اور دوسروں سے جبراً منوانا "ذکر بالخیر" اور "کف لسان" کے حکم کی صریحاً خلاف ورزی ہے۔" [۱]

## جی ہاں! کسی مجتہد کو قطعی طور پر "مصیب" یا "مخطی" کہا جا سکتا ہے!

اس میں شک نہیں کہ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی بھی ایک فریق یا کسی بھی ایک فرد کو پورے تیقن کے ساتھ "مصیب" یا "مخطی" نہیں کہا جا سکتا، اس لئے کہ اس بات کا امکان بہر حال موجود رہتا ہے کہ جس مجتہد کو بظاہر "مصیب" کہا ہے وہ حقیقت میں "مخطی" ہو اور جس مجتہد کو بظاہر "مخطی" کہا ہے وہ حقیقت میں "مصیب" ہو، لیکن بایں ہمہ اس حقیقت سے بھی سرمو اختلاف نہیں کیا جا سکتا کہ اگر صاحب شریعت کسی مسئلہ میں کسی مجتہد کے "مصیب" یا "مخطی" ہونے کی واضح علامت بتادے اور اس پر اجماع ہو جائے تو اُس صورت میں بہر حال

---

[۱] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۷۸)

اُس مجتہد کو قطعی طور پر "مصیب" یا "مخطی" ماننا پڑے گا۔

## خطائے اجتہادی پر جب اجماع منعقد ہو جائے تو وہ قطعی اور یقینی خطاء تصور کی جاتی ہے!:

چنانچہ زیرِ بحث مسئلہ میں یہی صورت ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اپنے اجتہادات کی رَوشنی میں جنگِ صفین کی صورت میں جو مشہور لڑائی لڑی ہے تو اُس میں بہ تصریح علمائے اہل سنت حضرت علی رضی اللہ عنہ مصیب تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مخطی تھے، دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی سے یہ پیش گوئی فرما دی تھی کہ: "حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔" اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھے اُنہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے افسر ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا، جس سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے اس اجتہاد میں "مصیب" تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ "مخطی" تھے۔

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے "مصیب" ہونے پر وہ صحیح حدیث بھی دلالت کرتی ہے جس میں آتا ہے کہ:

"تمرق مارقة عند فرقة من المسلمين يقتلها أولى الطائفتين بالحق." [1]

ترجمہ: مسلمانوں کے باہمی اختلاف کے وقت ایک گروہ (اُمت سے) نکل جائے گا اور اس کو وہ گروہ قتل کرے گا جو مسلمانوں کے دونوں گروہوں میں حق کے زیادہ قریب ہوگا۔ (ترجمہ ختم)

اس حدیث میں اُمت سے نکل جانے والے فرقے سے مراد بالاتفاق خوارج ہیں، جنہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت نے قتل کیا، اور اسی جماعت کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حق سے زیادہ قریب فرمایا ہے، اس لئے کہ اہل عراق اور اہل شام کی جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت کے مقابلہ میں نسبتاً حق کے زیادہ قریب تھی۔

ان دلائل پر غور کرنے کے نتیجے میں قرنِ اول کے دو (مختلف) قولوں میں سے ایک قول پر قرنِ ثانی میں اجماع ہو گیا۔

چنانچہ علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۰۸ھ) لکھتے ہیں:

"...... الا أن أهل العصر الثاني من بعدهم اتفقوا على انعقاد بيعة

---

[1] (صحيح المسلم: ٢/٧٤٥، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان) و (مسند الامام أحمد بن حنبل: ٣/٧٥٥، الناشر: مؤسسة الرسالة)

علي ولزومها للمسلمين أجمعين ، وتصويب رأيه فيما ذهب اليه ، وتعيين الخطأ من جهة معاوية ، و من كان علىٰ رأيه ، و خصوصاً طلحة والزبير لانتقاضهما على عليٌ بعد البيعة له فيما نقل مع دفع التأثيم عن كل من الفريقين ، كالشأن في المجتهدين ، وصار ذلک اجماعاً من أهل العصر الثاني علىٰ أحد قولي أهل العصر الأول ، كما هو معروف .“ ل

ترجمہ:...... مگر یہ کہ عصرِ اوّل کے لوگوں کے بعد عصرِ ثانی کے لوگ ”بیعتِ علی رضی اللہ عنہ“ کی صحت انعقاد پر متفق ہو گئے، اور اس بات پر بھی کہ اب تمام مسلمانوں کو ان کی بیعت کر لینی ضروری ہے، اور اس پر بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے دُرست ہے، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے ہم نواؤں خصوصاً حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی رائے دُرست نہیں، کیوں کہ انہوں نے بیعت کر لینے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑ دی، اور اس پر بھی متفق ہو گئے کہ دونوں فرقوں میں سے کوئی فرقہ بھی گناہ گار نہیں، جیسا کہ مجتہدین کا حکم ہے۔ اور (اس طرح) یہ عصرِ اوّل کے لوگوں کے دو (مختلف) قولوں میں سے ایک قول پر عصرِ ثانی کے لوگوں کا اجماع ہو گیا، جیسا کہ (دورِ اوّل کے اس ایک قول پر دورِ ثانی کا اتفاق) مشہور و معروف ہے۔ (ترجمہ ختم)

پس معلوم ہوا کہ جب شارع علیہ السلام نے قتلِ عمار رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مجتہد مصیب اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مجتہد مخطی ہونے کی واضح علامت قرار دیا، اور پھر اس بات پر قرنِ ثانی میں اجماع بھی ہو گیا، تو اب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اُن کے اجتہاد میں قطعی اور یقینی طور پر ”مصیب“ ماننا پڑے گا، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اُن کے اجتہاد میں قطعی اور یقینی طور پر ”مخطی“ ماننا پڑے گا۔

حاصل یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی بھی ایک جماعت یا کسی بھی ایک فرد کو اس وقت تک قطعی اور یقینی طور پر ”مجتہد مصیب“ یا ”مجتہد مخطی“ نہیں کہا جا سکتا، جب تک کہ صاحبِ شریعت کی طرف سے اُن کے ”مصیب“ یا ”مخطی“ ہونے کی کوئی واضح علامت نہ پائی جائے، اور جب صاحبِ شریعت کی طرف سے

---

ل (تاریخ ابن خلدون ۱/۲٦٨، الناشر: دار الفکر، بیروت، لبنان)

کسی مجتہد کے "مصیب" یا "مخطی" ہونے کی کوئی واضح علامت پائی جائے تو اُس صورت میں اُس مجتہد کو قطعی اور یقینی طور پر "مصیب" یا "مخطی" کہا جاسکتا ہے۔

اسی طرح اگر ائمہ اربعہ کسی مذہب پر متفق ہو جائیں، چاہے وہ دور صحابہ رضی اللہ عنہم میں مختلف فیہ رہا ہو اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا نہ بھی ہو، مگر بعد میں اُس کے برخلاف اجماع منعقد ہو جائے تو اُس اجماعی اجتہادی مسئلہ کی اصابت یقینی ہو جاتی ہے۔ جیسے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا یہ مسلک مشہور و معروف ہے کہ وہ ایک دن کی روزی سے زیادہ رقم اپنے پاس رکھنا حرام سمجھتے تھے، ظاہر ہے کہ اُن کا یہ مسلک قرآن و سنت کے واضح دلائل کے خلاف ہے، اسی وجہ سے ائمہ مجتہدین بشمول صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین کوئی ایک بھی اس معاملہ میں اُن کا ہم نوا نہیں تھا، سب کے نزدیک اُن سے اس مسئلہ میں اجتہادی غلطی ہوئی تھی اور جمہور اُمت نے ہمیشہ دلائل کے ذریعہ اُن کے اس مسلک کی تردید کی ہے، اس لئے اُن کے اس معاملہ کو اجتہادی و ظنی نہیں بلکہ قطعی اور یقینی خطاء کہیں گے۔

## اصحاب پیغمبر ﷺ کا ذکر ہمیشہ بالخیر ہی کرنا چاہیے!

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

"مذکورہ تفصیل سے "مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم" کا شرعی حکم واضح ہو گیا کہ اصحاب پیغمبر ﷺ کا ذکر ہمیشہ "بالخیر" ہی کرنا چاہیے، اور اُن کے باہمی اختلافات و مشاجرات کے بارے میں "امساک، توقف اور سکوت" اختیار کرنا چاہیے، کیوں کہ اسی صورت میں ایمان کی سلامتی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہر طرح کی بدظنی سے حفاظت ہے۔

جب کہ اس کے بالمقابل صحابہ رضی اللہ عنہم کا تخطیہ اہل سنت والجماعت کا اصل مذہب نہیں ہے، بلکہ ایک "رخصت" اور "مخلص" ہے یعنی اصل تو یہی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشاجراتی اور اجتہادی خطاء کو بھی زبان پر نہ لایا جائے، لیکن اگر کسی وقت کسی ضرورت شرعیہ شدیدہ کی وجہ سے یہ موضوع زیر بحث آجائے تو اجتہادی خطاء و صواب سے زیادہ کوئی لفظ ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔

محقق اہل سنت شیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ مولانا ابوریحان عبد الغفور سیالکوٹی صاحب اپنے شاگرد رشید مولانا ظہور الٰہی صاحب کے نام ایک خط میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

''سیدنا و مولانا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متعلق بالکل میرا وہی عقیدہ ہے جو اصولی طور پر اہل السنّت والجماعت کا ہے، اس مسئلہ میں میری کوئی الگ رائے ہرگز نہیں ہے، البتہ اپنے دوسرے اور چھوٹے سردار اور مولیٰ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو اِدھر اُدھر کی باتیں کی جاتی ہیں اُن سے میں ضرور بیزار ہوں، اُن کو جائر، عادل عن الحق، ظالم، تارک القرآن و الحدیث، اور باغی، طاغی، کہنا تو بہت دُور کی بات ہے، میں تو اُن کو ''مخطی'' کہنے کے لئے بھی تیار نہیں، بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح اُن کو بھی ''مصیب'' ہی سمجھتا اور کہتا ہوں، اگر یہ ''جرم'' ہے تو اس ''جرم'' سے میں باز نہیں آسکتا۔''[۱]

## مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر علمائے اہل سنت نے ضرورت شرعیہ ہی کی بناء پر کیا ہے!

اس میں شک نہیں کہ اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہمیشہ ''بالخیر'' ہی کرنا چاہیے اور اُن کے باہمی اختلافات و مشاجرات کے بارے میں امساک، توقف، اور سکوت اختیار کرنا چاہیے، اور بغیر کسی ضرورت شرعیہ وشدیدہ کے اگر کبھی یہ موضوع زیر بحث آجائے تو معاملے کو اجتہادی حد میں ہی رکھنا چاہیے، لیکن سوال یہ ہے کہ علمائے اہل سنت والجماعت نے کس جگہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر ''بالشر'' کیا ہے؟ یا جمہور نے کس جگہ مشاجرات میں اُن کے حق میں اجتہادی خطاء وصواب کی تردید کی ہے؟ ہاں! بعض جگہ ''باغی'' وغیرہ قسم کے جو الفاظ مروی ہیں تو وہ فقہی اصطلاحات کے اعتبار سے مروی ہیں، اور وہ بھی علمائے اہل سنت والجماعت نے صرف ''مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم'' وغیرہ جیسے نازک مسائل کو سلجھانے کی غرض سے ایک ضرورت شرعیہ وشدیدہ کی بناء پر ذکر کیے ہیں، بغیر کسی ضرورت شرعیہ وشدیدہ کے (خاکم بدہن) محض کسی صحابی، تابعی، یا امام مجتہد کا مقام ڈھانے یا اُن میں سے کسی کا مرتبہ کم کرنے کے لئے ہرگز ذکر نہیں فرمائے۔ تفصیل آگے کتاب میں آرہی ہے۔

## مولانا عبد الغفور سیال کوٹی کا پروفیسر طاہر ہاشمی کے اُصول سے انحراف:

باقی رہا مولانا ابو ریحان عبد الغفور سیال کوٹی صاحب کا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ''مجتہد مصیب'' ماننے کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی اُن کے مقابلے میں علی التعیین والیقین ''مجتہد مصیب'' ہی ماننے کی بے جا ضد اور ہٹ دھرمی تو اوّل تو مولانا عبد الغفور سیال کوٹی صاحب کا یہ موقف ہی خود پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے اپنے اُصول سے

---

[۱] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۳۹)

خلاف ہے، اس لئے کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے نزدیک اُصول یہ ہے کہ:

> ''یہ کوئی قطعی بات نہیں کہ جسے ''مجتہد مصیب'' کہا جائے وہ حقیقت میں بھی مصیب ہو اور جسے ''مجتہد مخطی'' کہا جائے وہ حقیقت میں بھی مخطی ہو، کیونکہ مصیب قرار دیے جانے کے باوجود ''خطاء'' کا احتمال باقی رہتا ہے اور مخطی کہنے کے باوجود ''صواب'' کا احتمال ہو سکتا ہے۔''[1]

جب کہ ابو ریحان سیال کوٹی صاحب ببانگ دُہل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں حدیث عمار رضی اللہ عنہ سے رُوگردانی کرتے ہوئے کسی بھی طرح مجتہد مخطی ماننے پر رضامند نہیں بلکہ وہ تو قطعی اور یقینی طور پر آپ رضی اللہ عنہ کو ''مجتہد مصیب'' ہی مان رہے ہیں۔

دوسرے مولانا عبد الغفور سیال کوٹی صاحب کا یہ نظریہ علمائے اہل سنت و الجماعت کے نظریے کے بالکل خلاف ہے، اس لئے کہ علمائے اہل سنت اجماعی طور پر اس معاملہ میں حدیث عمار رضی اللہ عنہ کی روشنی میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ''مجتہد مصیب'' ہونے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ''مجتہد مخطی'' ہونے کے قائل ہیں، پھر معلوم نہیں کہ اس جرم کے باوجود پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے ''محقق اہل سنت'' کا لقب مولانا عبد الغفور سیال کوٹی صاحب کو کیسے مرحمت فرما دیا؟۔

بھلا اہل سنت و الجماعت کے اجماع کی مخالفت کر کے اور اجماع کرنے والوں کو گم راہ کہہ کر بھی کوئی اہل سنت ہو سکتا ہے؟۔

تیسرے بالفرض اگر مولانا عبد الغفور سیال کوٹی صاحب کے مؤقف کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس سے حدیث عمار رضی اللہ عنہ «تقتلک الفئة الباغیة» کا بطلان اور وقوع بلا محل ہونا لازم آتا ہے، جو کہ ایک حدیث متواتر کی تردید اور کھلی گم راہی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ مولانا عبد الغفور سیال کوٹی صاحب کا مذکورہ بالا مؤقف اور نظریہ بالکل باطل، فاسد، اور حق پر صدر ہٹ دھرمی ہے، جس کا علمائے اہل سنت و الجماعت کے نظریات سے دُور کا بھی کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی مولانا عبد الغفور سیال کوٹی صاحب محقق اہل سنت جیسے عظیم لقب کے اہل ہیں۔

---

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۳۳۹)

## ایک کی تنقیص سے دوسرے کا دفاع کرنا اہل سنت کے دائرے سے باہر ہے!

ایک اور مقام پر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب علمائے اہل سنت پر اپنا غیظ وغضب برساتے ہوئے لکھتے ہیں:

"زیر نظر کتاب میں "ناقدین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ" کی فہرست میں جن حضرات کے نام آئے ہیں اُن میں سے بعض تو یقیناً سنیت کے لبادے میں "رفض وتفضیلیت" کے نمائندے ہیں، جب کہ اکثر حضرات اہل سنت والجماعت کے اساطین میں شامل ہیں، لیکن اُنہوں نے شعوری یا غیر شعوری طور پر بالکل بے موقع و بے محل اور بلا ضرورت شرعیہ وشدیدہ بلکہ بعض ایسے اُمور میں بھی جن کا سرے سے "مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم" کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو شدید ترین تنقید کا نشانہ بنایا ہے جو یقیناً "مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے شرعی حکم" سے انحراف کے زُمرے میں آتا ہے۔

بعض حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت ومنقبت بیان کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین وتنقیص کے مرتکب ہوئے ہیں، جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین وتنقیص کے بغیر بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام ومرتبہ بیان کیا جا سکتا تھا۔ یہ وہی انداز ہے جو محمود احمد عباسی اور "مجلس عثمانی غنی رضی اللہ عنہ کراچی" سے وابستہ حضرات نے اختیار کیا ہے، جس میں اُنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی توہین وتنقیص کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان ومنزلت بیان کی ہے، حالاں کہ نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دفاع کے لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص کی ضرورت تھی اور نہ ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے مقام ومرتبہ پر رکھنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعریض وتوہین کی کوئی ضرورت، یہ دونوں اُمور اہل السنۃ والجماعت کے دائرے سے باہر ہیں جو "سب صحابہ" میں شامل ہیں۔" [1]

## لبادۂ سنیت میں رفض وتفضیلیت کی نمائندگی کرنے والوں کا اہل سنت سے کوئی تعلق نہیں!

اس میں شک نہیں کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی زیر تبصرہ کتاب "سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین" میں بعض اُن حضرات کے نام بھی مذکور ہیں کہ جو سنیت کے لبادے میں رفض وتفضیلیت کے نمائندے ہیں، یا اُنہوں نے

---

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۵۰)

شعوری یا لاشعوری طور پر بالکل ہی بے موقع و بے محل اور بلا ضرورت شرعیہ وشدیدہ بلکہ ''مشاجرات صحابہ ؓ'' سے ہٹ کر حضرت معاویہ ؓ کی ذات کو شدید ترین تنقید کا نشانہ بنایا ہے، لیکن اول تو جیسا کہ پہلے بھی ہم عرض کر چکے ہیں کہ ایسے حضرات نہ تو علمائے اہل سنت والجماعت میں سے ہیں اور نہ ہی انہیں اہل سنت والجماعت کا ترجمان کہا جا سکتا ہے، بلکہ ایسے حضرات بدعتی، ضال، مضل، اور علمائے اہل سنت والجماعت کے طبقہ سے خارج ہیں۔

البتہ علمائے اہل سنت والجماعت میں سے جن بعض حضرات نے اُس نازک دور کے متعلق جو آراء یا معلومات نقل فرمائی ہیں، تو ایک تو وہ بے موقع و بے محل نہیں، اور دوسرے یہ کہ بلا ضرورت شرعیہ وشدیدہ بھی انہوں نے نقل نہیں فرمائیں، بلکہ بعض شدید شرعی ضروریات اور مجبوریوں کی بناء پر انہوں نے ایسا کیا ہے، منجملہ اُن مجبوریوں میں سے ایک بڑی مجبوری ہر دور میں ہر جگہ فرقِ باطلہ کی ان موضوعات پر اپنی کج فکری کی اشاعت ہے، جس کے مقابلے میں ایک متوازن نقطۂ نظر سامنے لانا علماء کا فرض بنتا ہے، اس لئے اسے ''مشاجرات صحابہ ؓ'' کے شرعی حکم سے انحراف اور تجاوز کا نام نہیں دیا جا سکتا۔

نیز اگر کہیں حضرت علی ؓ کی فضیلت ومنقبت بیان کرتے ہوئے حضرت معاویہ ؓ کی توہین وتنقیص کا پہلو پایا گیا ہے، تو وہ ایسے علماء کی جانب سے پایا گیا ہے جو ''سنیت'' کے لبادے میں ''رفض وتفضیلیت'' کی نمائندگی کر رہے ہیں، ایسے علماء کا مسلک اہل سنت والجماعت سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ علمائے اہل سنت والجماعت ایسے حضرات سے اپنی برأت کا اعلان کرتے ہیں۔

## علمائے اہل سنت کا دفاع کیوں ضروری ہے؟:

مگر افسوس! کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے ایک ہی لاٹھی سے سب کو ہانک دیا ہے، چنانچہ جن اکابر کی عبارات کی صحیح تاویل اور صحیح محل موجود تھا اور وہ اہل علم کو سمجھ بھی آ سکتا تھا، ہاشمی صاحب نے انہیں بھی اپنی زد میں لے لیا ہے، اس لئے ہم اپنے ایسے اکابر حضرات کی عبارات کا عادلانہ ومنصفانہ دفاع کرنا انتہائی ضروری اور نہایت ہی واجب سمجھتے ہیں، کیونکہ وہ اہل سنت والجماعت کے اکابرین واساطین ہیں، اُن سے بداعتمادی وبے اطمینانی تمام اہل سنت اور اکابر علمائے دیوبند سے بداعتمادی پیدا کر دے گی، اور اس سے فقط اہل سنت اور علمائے دیوبند کے دشمنوں کی دلی مراد پوری ہوگی کہ وہ بغلیں بجا کر بجا طور پر یہ کہہ سکیں گے کہ لو جی! ہم تو پہلے ہی سنیوں اور دیوبندیوں کو گمراہ کہتے تھے، یہ دیکھو ان کے سارے بڑے بڑے اکابر علماء گستاخِ صحابہ ؓ ہو رہے ہیں، حالانکہ حاشا وکلا کہ ہمارے اکابر گستاخ

صحابہ ؓ ہوں، یہ محض ایک جھوٹ اور الزام تراشی ہے، جو اکابر علمائے حق علمائے اہل سنت سے بغض ونفرت، اور کینہ وحسد کے سبب جنم لینے والی بد باطنی اور دشمنی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

اب ذیل میں ہم پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی چاند ماری کا نشانہ بننے والے اہل سنت والجماعت کے ایک ایک عالم کا نام لے کر سن وفات کی ترتیب کے اعتبار سے اُن کا دفاع پیش کرتے ہیں۔:

﴿۱﴾

# راویٔ بخاری محدث عبد الرزاق صنعانی رحمۃ اللہ علیہ

## (المتوفی ۲۱۱ھ)

### نام ونسب:

آپ کا نام نامی، اسم گرامی: عبد الرزاق، کنیت: ابوبکر، اور والد کا نام: ہمام ہے، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:

''ابوبکر عبد الرزاق بن ہمام بن نافع۔''[۱]

### ولادت باسعادت:

آپ ۱۲۶ھ میں ''یمن'' کے دار الحکومت اور مشہور ترین شہر ''صنعاء'' میں زمانۂ خیر القرون میں پیدا ہوئے، اور چوں کہ ''قبیلۂ حمیر'' سے ''ولاء'' کا تعلق بھی تھا، اس لئے ''صنعانی'' اور ''حمیری'' نسبتوں سے زیادہ مشہور ہوئے، اور ''یمنی'' بھی کہے جاتے تھے۔[۲] شہر ''صنعاء'' کے بارے میں علامہ عز الدین ابن اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں:

'' وهي مدينة باليمن مشهورة ينسب اليها خلق كثير لا يحصون .''[۳]

---

[۱] ( وفيات الأعيان وانباء أبناء الزمان لابن خلكان : ۲۱۶/۳ ، ألناشر : دار صادر ، بيروت )

[۲] '' الشيخ الامام عبد الرزاق بن همام اليمني ، الصنعاني ، الحميري .'' ( مرآة الجنان و عبرة اليقظان في معرفة ما يعتبر من حوادث الزمان لليافعي : ۴۰/۲ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان ) و ( بستان المحدثين لشاه عبد العزيز الدهلوي : ص ۴۸ )

[۳] ( اللباب في تهذيب الأنساب لابن أثير الجزري : ۲۴۸/۲ ، ألناشر : دار صادر ، بيروت )

ترجمہ: ''صنعاء'' یمن کا ایک مشہور ترین شہر ہے جسے بیسیوں شیوخ و ائمہ کے مولد ہونے کا شرف حاصل ہے۔

## علمی اسفار:

امام عبدالرزاق صنعانی رحمۃ اللہ علیہ تجارت پیشہ فرد تھے، اور بسلسلۂ تجارت شام جایا کرتے تھے، اسی وجہ سے مؤرخین نے آپؒ کے تجارت کے لئے شام [۱] اور حج وزیارت کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے جانے کا ذکر کیا ہے، مگر حدیث کی طلب وجستجو کے لیے سفر کی تصریح نہیں کی، تاہم آپؒ کے مشائخ کے ناموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؒ نے طلب حدیث کے لئے مشہور اور اہم مراکز کا سفر ضرور کیا ہوگا۔

## اساتذہ وشیوخ:

آپؒ نے بلند پایہ محدثین اور کبار ائمہ فن اپنے والد ہمامؒ، چچا وہبؒ، معمرؒ، عبیداللہ بن عمرؒ العمری، ان کے بھائی عبداللہ بن عمر العمریؒ، ایمن بن نابلؒ، عکرمہ بن عمارؒ، ابن جریجؒ، اوزاعیؒ، مالکؒ، سفیان ثوریؒ، سفیان بن عیینہؒ، زکریا بن اسحاق مکیؒ، جعفر بن سلیمانؒ، یونس بن سلیم صنعانیؒ، ابن ابی روادؒ، اسرائیلؒ، اسماعیل بن عیاشؒ وغیرہ [۲] چوٹی کے علماء سے شرف تلمذ طے کیا، اور امام معمر ازدیؒ سے ایک خاص قسم کے تعلق کی بناء پر ایک روایت کی بناء پر سات سال تک مستقل اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔

چنانچہ آپؒ فرماتے ہیں:

''جالست معمرا سبع سنين.'' [۳]

ترجمہ: میں سات سال تک معمرؒ کی خدمت میں رہا۔

---

[۱] '' رحل في تجارة الي الشام.'' (تذكرة الحفاظ للذهبي: ۲۶۷/۱، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[۲] '' روي عن ابيه وعمه وهب ومعمر وعبيد الله بن عمر العمري وأخيه عبد الله بن عمر العمري وأيمن بن نابل وعكرمة بن عمار وابن جريج وأوزاعي ومالك وسفيان الثوري وسفيان بن العيينة وزكريا بن اسحاق المكي وجعفر بن سليمان ويونس بن سليم الصنعاني وابن ابى رواد واسرائيل واسماعيل بن عياش وخلق.'' (تهذيب التهذيب لابن حجر العسقلاني: ۳۱۱/۶، الناشر: مطبعة دائرة المعارف النظامية، الهند)

[۳] (تذكرة الحفاظ للذهبي: ۲۶۷/۱، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

جب کہ ایک دوسری کی بناء پر آٹھ سال تک اور اور تیسری روایت کی بناء پر آٹھ سے نو سال تک آپؒ مستقل طور پر معمر کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔

چنانچہ حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۷۱ھ) لکھتے ہیں:

"عن احمد بن حنبل قال: قال عبد الرزاق: جالست معمراً ما بين الثمان الى التسع ...... نا يحيىٰ بن معين و احمد بن حنبل قالا: قال عبد الرزاق: لزمت معمراً ثماني سنين." [۱]

ترجمہ: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "میں آٹھ سے نو سال تک کے درمیان معمر کے پاس اٹھتا بیٹھتا رہا" ...... امام یحییٰ بن معین اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "میں نے آٹھ سال تک معمر کو لازم پکڑا۔"

**شاگرد و تلامذہ:**

آپؒ کے تلامذہ میں ابن عیینہؒ، اور معتمر بن سلیمانؒ (یہ دونوں آپ کے شیوخ میں سے ہیں) وکیع اور ابو اسامہؒ (یہ دونوں آپؒ کے ہم عصر) احمدؒ، اسحاقؒ، علیؒ، یحییٰؒ، ابوخیثمہؒ، احمد بن صالحؒ، ابراہیم بن موسیٰؒ، عبد اللہ بن محمد المسندیؒ، سلمہ بن شبیبؒ، عمرو الناقدؒ، ابن ابی عمروؒ، حجاج بن الشاعرؒ، یحییٰ بن جعفر الکیکندیؒ، یحییٰ بن موسیٰ ختؒ، اسحاق بن ابراہیم السعدیؒ، اسحاق بن منصور الکوسجؒ، احمد بن یوسف السلمیؒ، حسن بن علی الخلالؒ، عبد الرحمان بن بشر بن الحکمؒ، عبد بن حمیدؒ، محمد بن رافعؒ، محمد بن مہران الجمالؒ، محمود بن غیلانؒ، محمد بن یحییٰ الذہلیؒ، ابو مسعود الرازیؒ، اسحاق بن ابراہیم الدبریؒ وغیرہم حضرات شامل ہیں۔ [۲]

---

[۱] (تاریخ دمشق لابن عساکر: ۱۶۷/۳۶، الناشر: دار الفکر للطباعة والنشر والتوزیع)

[۲] "وعنه ابن عيينه و معتمر بن سليمان، وهما من شيوخه ووكيع وابو أسامة وهما من أقرانه وأحمد واسحاق وعلي ويحيى وابو خيثمة وأحمد بن صالح وابراهيم بن موسى وعبد الله بن محمد المسندي وسلمة بن شبيب وعمرو الناقد وابن أبي عمرو وحجاج بن الشاعر ويحيى بن جعفر الكيكندي ويحيى بن موسى خت واسحاق بن ابراهيم السعدي واسحاق بن منصور الكوسج واحمد بن يوسف السلمي وحسن بن علي الخلال وعبد الرحمان بن بشر بن الحكم وعبد بن حميد ومحمد بن رافع ومحمد بن مهران الجمال ومحمود بن غيلان ومحمد بن يحيى الذهلي وأبو مسعود الرازي واسحاق بن ابراهيم الدبري وغيرهم." (تهذيب التهذيب لابن-

## فضل وکمال:

آپؒ کے فضل وکمال اور علمی عظمت نے آپؒ کی ذات کو مرجع خلائق بنا دیا تھا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ:

''رسول اللہ ﷺ کے بعد آپؒ کے علاوہ کسی اور شخص کے پاس اس قدر زیادہ لوگ سفر کر کے نہیں آئے، اور اکثر علمائے اسلام آپؒ کی بارگاہِ کمال میں حاضر ہوئے۔''[۱]

چنانچہ مؤرخ یافعی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"المرتحل الیه من الآفاق ."[۲]

ترجمہ: آپؒ کے پاس اطراف واکناف سے لوگ آتے تھے۔

ایک مرتبہ علامہ احمد بن صالح مصریؒ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ: ''امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ بہتر اور برتر محدث کا آپ کو علم ہے؟ تو آپؒ نے فرمایا: ''نہیں!۔''[۳]

ابراہیم بن عباد دبری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ''امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ کو سترہ (۱۷) ہزار احادیث زبانی یاد تھیں۔'' اور ہشام بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''ہم لوگوں میں سب سے بہتر حافظ امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔''

## علمی مقام:

تبع تابعین کے زمرہ میں جن جن علماء نے اپنے درس وافادہ کی مجلسیں آراستہ کرنے کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی کار ہائے نمایاں انجام دیئے ہیں، اُن میں امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی اسم گرامی خاصا مشہور اور ممتاز ہے۔ علم حدیث میں اُن کی شہرۂ آفاق تصنیف "اَلْمُصَنَّف" نہایت ہی بلند اور اعلیٰ مقام کی حامل

---

حجر العسقلاني : ٦/٣١١ ، الناشر : مطبعة دائرة المعارف النظامية ، الهند )

[۱] "قال أبو سعد ابن السمعاني : قيل : ما رحل الناس الي أحد بعد رسول الله صلي الله عليه وسلم مثل ما رحلوا اليه ." ( وفيات الأعيان وانباء أبناء الزمان لابن خلكان : ٣/٢١٦ ، الناشر : دار صادر ، بيروت ) و ( كتاب الأنساب للسمعاني : ٨/٣٣١ ، الناشر : مجلس دائرة المعارف العثمانية ، حيدر آباد )

[۲] ( مرآة الجنان وعبرة اليقظان لليافعي : ٢/٥٢ ، الناشر )

[۳] "قال أحمد بن صالح المصري : قلت لأحمد بن حنبل : رأيت احداً احسن حديثاً من عبد الرزاق ؟ ." قال : "لا." ( تهذيب التهذيب لابن حجر العسقلاني : ٦/٣١١ ، الناشر : مطبعة دائرة المعارف النظامية ، الهند )

کتاب ہے، اور قدامت واہلیت کے اعتبار سے اس کا اس کا پایہ "مُصَنَّف ابْن أَبِيْ شَيْبَة" سے بھی اُونچا ہے۔

## وفات حسرت آیات:

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے مورخہ ۱۵ شوال المکرم ۲۱۱ھ میں بعمر چھیاسی سال "یمن" میں وفات پائی۔ [۱]

## امام عبدالرزاق الصنعانی رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق:

جمہور محدثین نے امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کو "ثقہ" و "صدوق" اور "صحیح الحدیث" و "حسن الحدیث" قرار دیا ہے۔ چنانچہ آپؒ کی بیان کردہ احادیث صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن الجارود، صحیح ابن حبان، صحیح ابی عوانہ، اور مستدرک حاکم وغیرہ میں بہ کثرت موجود ہیں۔

مندرجہ ذیل محدثین عظام رحمہم اللہ سے آپؒ کی توثیق ثابت ہے:

## امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ابن ابی مریم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

"عبد الرزاق ثقة ليس به بأس" [۲]

ترجمہ: امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ ثقہ ہیں، اُن پر کوئی اعتراض نہیں۔

## امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

[۱] "وفي السنة المذكورة توفي الحافظ، العلامة، المرتحل اليه من الآفاق الشيخ، الامام عبد الرزاق بن همام اليمني الصنعاني الحميري صاحب المصنفات عن ست وثمانين." (مرآة الجنان وعبرة اليقظان لليافعي: ۲/۴۰، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان) و (الطبقات الكبرى المعروف بطبقات ابن سعد: ۶/۷۴، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت)

[۲] (الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي: ۶/۵۳۹، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان) و (سؤالات ابن الجنيد: ۱/۴۹۶، الناشر: مكتبة الدار، المدينة المنورة، السعودية) و (تاريخ دمشق لابن عساكر: ۳۶/۱۷۲، الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع)

"ثقة يكنى ابا بكر و كان يتشيع ."[۱]

امام عبدالرزاق ثقہ ہیں، آپ کی کنیت ابوبکر ہے اور آپ میں تشیع پایا جاتا تھا۔

امام بخاری نے امام عبدالرزاق سے اپنی صحیح بخاری میں سو (۱۰۰) سے زیادہ روایتیں لی ہیں۔

## امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ما حدث من كتابه فهو أصح ."[۲]

ترجمہ: امام عبدالرزاق نے جو حدیثیں اپنی کتاب سے بیان کی ہیں وہ زیادہ صحیح ہیں۔

## امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

مشہور محدث امام مسلم بن حجاج قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "صحیح مسلم" میں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے بکثرت روایتیں نقل کی ہیں۔

## امام یعقوب بن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام یعقوب بن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"و كلاهما (هشام بن يوسف و عبد الرزاق) ثقة ثبت ."[۳]

ترجمہ: اور یہ دونوں (یعنی ہشام بن یوسف اور عبدالرزاق) ثقہ ہیں، حجت ہیں۔

## امام ہشام بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ہشام بن یوسف فرماتے ہیں:

"كان عبد الرزاق أعلمنا و أحفظنا ."[۴]

---

۱ (معرفة الثقات للعجلي : ۹۳/۲ رقم الترجمة : ۱۰۹۷، الناشر : مكتبة الدار ، المدينة المنورة ، السعودية)

۲ (التاريخ الكبير للبخاري : ج ۶ / ۱۳۰، الناشر : دائرة المعارف العثمانية ، حيدر آباد ، الدكن)

۳ (تاريخ دمشق لابن عساكر : ۱۷۰/۳۶، الناشر : دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع) و (تهذيب الكمال في أسماء الرجال للمزي : ۱۸/۵۸، الناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت)

۴ (تاريخ دمشق لابن عساكر : ۱۷۰/۳۶ الناشر : دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع) و (سير أعلام النبلاء للذهبي -

ترجمہ: امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ ہم سب میں زیادہ علم والے اور زیادہ حدیثیں یاد کرنے والے تھے۔

## امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) کا حوالہ:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

**"اذا اختلف أصحاب معمر في حديث معمر فالحديث حديث عبد الرزاق."** [1]

ترجمہ: جب معمرؒ کی کسی حدیث میں معمرؒ کے اصحاب کا اختلاف ہو جائے تو اُس صورت میں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث معتبر سمجھی جائے گی۔

امام ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی کتاب "صحیح ابن خزیمہ" میں بہت سے روایات نقل کی ہیں۔

امام ابن جارود رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "المنتقى" (المعروف بصحيح ابن الجارود) میں ان سے روایات لی ہیں۔

ایک مرتبہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ:

**" رأيت أحسن حديثاً منه يعني عبد الرزاق ؟ " قال: " لا "** [2]

ترجمہ: یعنی آپؒ نے امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ بہتر حدیث بیان کرنے والا کوئی دیکھا ہے؟" تو آپؒ نے فرمایا کہ: "نہیں!"

نیز امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں احادیث معمرؒ کے حافظ ہونے میں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے نام کی تصریح فرمائی ہے تو وہیں ابن جریج سے روایت میں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کو سب سے زیادہ ثبت (پختہ) بھی قرار دیا ہے۔

چنانچہ امام ابوزرعہ الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) ارقام فرماتے ہیں:

---

[1] [illegible] الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت، والنسخة الثانية: ٨/٢٢٣، ٨/٢٢١، الناشر: دار الحديث القاهرة)

[2] (تاريخ أسماء الثقات، لابن شاهين: ١/١٨١، الناشر: الدار السلفية، الكويت)

[3] (تاريخ دمشق لابن عساكر: ٣٦/٨٤، الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع)

" قلت لأحمد بن حنبل: كان عبد الرزاق يحفظ حديث معمر؟
قال: نعم، قيل له: فمن أثبت في ابن جريج: عبد الرزاق أو محمد بن بكر البرساني؟ قال: عبد الرزاق." [1]

ترجمہ: میں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ: "کیا امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ احادیث معمرؒ کے حافظ تھے؟ تو آپؒ نے فرمایا: جی ہاں! آپؒ سے پوچھا گیا کہ: "ابن جریج کی احادیث میں امام عبدالرزاقؒ اور امام محمد بن بکر برسائی میں سے زیادہ ثقہ کون ہے؟ تو آپؒ نے فرمایا کہ: "امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ (زیادہ ثقہ ہیں)۔"

## امام ابوزرعہ الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ابوزرعہ الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

" عبد الرزاق أحد من قد ثبت حديثه." [2]

ترجمہ: امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کا شماران محدثین میں ہوتا ہے جن کی حدیث حجت ہوتی ہے۔

## امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ:

" وكان ممن جمع و صنف وحفظ وذاكر وكان ممن يخطئ اذا حدث من حفظه على تشيع فيه." [3]

ترجمہ: امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ اُن محدثین میں سے ہیں کہ جنہوں نے احادیث کی جمع وتصنیف کا کام کیا، احادیث کے حفظ ومذاکرہ کا اہتمام کیا، وہ بعض دفعہ اپنے حافظہ سے حدیث بیان کرتے ہوئے غلطی کر جاتے تھے، نیز ان میں "تشیع" بھی پایا جاتا تھا۔

---

[1] (تاريخ أبي زرعة الدمشقي: ٤٥٧/١، الناشر: مجمع اللغة العربية، دمشق)

[2] (تاريخ دمشق لابن عساكر: ١٨٤/٣٦، الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع)

[3] (كتاب الثقات لابن حبان: ٤١٢/٨، الناشر: دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد، الدكن، الهند)

## امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع میں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت لے کر اس کے آخر میں فرمایا:

"هذا حديث حسن صحيح ."

ترجمہ: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

پوری روایت ملاحظہ ہو:

۳۱- حدثنا يحيى بن موسىٰ قال : حدثنا عبد الرزاق عن اسرائيل عن عامر بن شقيق عن أبي وائل عن عثمان بن عفان أن النبي صلي الله عليه وسلم كان يخلل لحيته هذا حديث حسن صحيح .

قال المحشي : لو قال : "حسن" وسكت لكان أحسن وأوفق لما قاله شيخه الامام البخاري ، فقد ذكر هو في " العلل الكبير " ان البخاري "حسّنه" حسب ( تهذيب التهذيب: ج ٥ ص ٦٩ ) ففيه عامر بن شقيق و هو ليّن الحديث والطرق الأخرىٰ لهذاالمتن كلها ضعيفة لا يتقوي بها الحديث بحيث يبلغ مراتب الصحة التامة ."

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: نبی کریم ﷺ اپنی ڈاڑھی مبارک کا خلال فرمایا کرتے تھے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"[۱]

اس سے ثابت ہوا کہ امام عبدالرزاق امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ثقہ وصدوق تھے۔

## امام دارقطنی رحمۃ اللہ (علیہ المتوفی ۳۸۵ھ) کا حوالہ:

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ ایک حدیث نقل کی ہے اور اس کے [illegible]

---

(۱) جامع الترمذي بحاشية المحقق (۱/۸۲، الناشر: دار الغرب الاسلامي، بيروت)

" اسناد صحیح ."

ترجمہ: اس کی اسناد صحیح ہے۔

پوری حدیث ملاحظہ ہو:

۱۳۰ – نا الحسین بن اسماعیل ، نا ابن زنجویه ، نا عبد الرزاق ، أنا ابن جریج ، أخبرني عمرو بن دینار ، قال : علمي و الذي یخطر ببالي أنّ أبا الشعثآء ، أخبرني أنّ ابن عباس أخبره :أن النبي صلي الله علیه وسلم کان یغتسل بفضل میمونة ، اسناد صحیح ۔[1]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے وضوء کے بچے ہوئے پانی سے غسل فرمایا کرتے تھے۔ (ترجمہ ختم)

امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ ایک اور حدیث نقل فرمائی ہے اور اس میں بھی مجموعی طور پر جہاں دیگر راویوں کی توثیق کی ہے وہاں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی بھی توثیق کی ہے۔

حدیث یہ ہے:

۱۱۸۷ – حدثنا أبوبکر النیسابوري ، حدثنا حسن بن یحیی الجرجاني ، حدثنا عبد الرزاق ، أنا ابن جریج ، ح و حدثنا أبوبکر ، ثنا ربیع بن سلیمان ، أنا الشافعي ، أنا عبد المجید بن عبد العزیز ، عن ابن جریج ، أخبرني عبد الله بن عثمان بن خثیم ، أنّ أبابکر بن حفص بن عمر أخبره ، أنّ أنس بن مالک أخبره ، قال : صلّي معاویة بالمدینة صلاة فجهر فیها بالقرائة فلم یقرأ "بسم الله الرحمن الرحیم" لأم القرآن ولم یقرأها للسورة التي بعدها ولم یکبر حین یهوي حتي قضي تلک الصلاة ، فلما سلم ناداه من سمع ذلک من المهاجرین و الأنصار من کل مکان : یا معاویة ! أقصرت الصلاة أم نسیت ؟ قال : فلم یصل بعد ذلک الا قرأ "بسم الله الرحمان

---

[1] (سنن دار قطني ۱/۱۱۱ الناشر مؤسسة الرسالة ، بیروت ، لبنان)

الرحيم " لأم القرآن و للسورة التي بعدها و كبر حين يهوي ساجداً " كلهم ثقات [١]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں نماز پڑھائی، اور اُس میں جہراً قراءت کی، لیکن نہ تو سورۃ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھی اور نہ ہی اس کے بعد والی سورت سے پہلے، اسی طرح (سجدہ کے لئے) جھکتے وقت آپ ﷺ نے تکبیر بھی نہیں کہی، یہاں تک کہ یہ نماز پوری ہوگئی، پس جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو مہاجرین وانصار میں سے جس جس نے بھی یہ سنا، ہر جگہ سے پکارنا شروع کردیا کہ: اے معاویہ ﷺ! کیا نماز میں کمی کردی گئی ہے یا آپ ﷺ بھول گئے ہیں؟" راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت معاویہ ﷺ جب بھی نماز پڑھاتے تو اس میں سورۃ فاتحہ اور اس کے بعد والی سورۃ سے پہلے بسم اللہ ضرور پڑھتے، اور جس وقت سجدہ کے لئے جھکتے تو تکبیر ضرور پڑھتے۔ (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی ثقہ ہیں۔

## امام حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "مستدرک" میں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ اسناد کی احادیث کو صحیح کہا ہے:

١٠٣ - أخبرنا أحمد بن جعفر القطيعي ، أنبانا عبد الله بن احمد بن حنبل ، حدثني أبي ، و حدثنا علي بن حمشاذ ، ثنا ابراهيم بن أبي طالب ، ثنا محمد بن رافع ، و محمد بن يحيىٰ ، قالا : ثنا عبد الرزاق ، أنبأمعمر ، عن ابن أبي ذئب ، عن سعيد المقبري ، عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : ما أدري تبع أنبيا كان أم لا ؟ وما لا أدري ذا القرنين أنبيا كان أم لا " وما أدري الحدود كفارات لأهلها أم لا ؟ . هذا حديث صحيح

[١] (المستدرك على الصحيحين للامام الحاكم : ١/٩٢ ، الناشر ـ دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

عليٰ شرط الشيخين ولا أعلم له علة ولم يخرجاه ."[1]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں کہ "تبعؔ" نبی تھے یا نہیں؟ اور مجھے معلوم نہیں کہ "ذوالقرنین" نبی تھے یا نہیں؟ اور مجھے معلوم نہیں کہ "حدود" حد لگنے والوں کے لئے ان کے گناہوں کا کفارہ بنتی ہیں یا نہیں؟"۔ حضرات شیخین کی شرط کے مطابق تو یہ حدیث صحیح ہے، لیکن معلوم نہیں انہوں نے اس حدیث کی تخریج کیوں نہیں کی؟۔

اور مندرجہ ذیل حدیث میں تو امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے واشگاف الفاظ میں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق فرمائی ہے۔

ملاحظہ فرمایئے!:

۳۹۹ - حدثنا أبوبكر محمد بن أحمد بن بالويه ، ثنا موسىٰ بن هارون ، ثنا العباس بن عبد العظيم ، ثنا عبد الرزاق ، ثنا ابراهيم بن مامون العدني ، و كان يسمّىٰ قريش اليمن ، و كان من العابدين المجتهدين ، قال : قلت لأبي جعفر : والله لقد حدثني ابن طاؤس ، عن أبيه ، قال : سمعت ابن عباس ، يقول : قال رسول الله صلي الله عليه وسلم : " لا يجمع الله أمتي عليٰ ضلالة أبداً و يد الله علي الجماعة ."

قال الحاكم :"فابراهيم بن مامون العدني هذا قد عدله عبد الرزاق واثني عليه ، و عبد الرزاق امام أهل اليمن و تعديله حجة ."[2]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ""اللہ تعالیٰ میری اُمت کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور جماعت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہوتا ہے (یعنی جماعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوتی ہے)۔

---

[1] ( المستدرك عليٰ الصحيحين للامام الحاكم : ۱/۹۲ ، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان )

[2] ( المستدرك علي الصحيحين للامام الحاكم : ۱/۲۰۲ ، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان )

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "ابراہیم بن میمون عدنی رحمۃ اللہ علیہ جو ہیں ان کی امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے تعریف وتوثیق بیان کی ہے، اور امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ "اہل یمن" کے امام ہیں اور اُن کی تعدیل "حجت" ہے۔"

## حافظ ضیاء المقدسی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) کا حوالہ:

حافظ ضیاء المقدسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب " الأحاديث المختارة " میں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے بہت سی احادیث نقل کی ہیں۔ مجملہ اُن میں سے ایک حدیث یہ ہے:

۷۷۶ - أخبرنا أبو روح عبد المعز بن محمد بن أبي الفضل الهروي - بها - ان ابا المحاسن أسعد بن زياد أخبرهم - قرائة عليه - ثنا عبد الرحمن بن محمد الداؤدي ، ثنا عبد الله بن أحمد السرخسي ، ثنا ابراهيم بن حريم الشاشي ، ثنا عبد بن حميد ، ثنا عبد الرزاق ، قال: ثنا معمر عن ابي اسحاق ، قال : ثنا علي بن ربيعة ، انه شهد علياً حين ركب ، فلما وضع رجله في الركاب قال : " بسم الله " فلما استوىٰ قال : الحمد لله " ثم قال : ﴿ سبحان الذي سخرلنا هذا و ما كنا له مقرنين . و انا الىٰ ربنا لمنقلبون ﴾ ثم حمد ثلاثاً ، و كبر ثلاثاً ، ثم قال : " لا اله الا أنت ، ظلمت نفسي فاغفرلي ، انه لا يغفر الذنوب الا أنت " ثم ضحك . فقيل : ما يضحكك يا امير المؤمنين ؟ قال : رأيت رسول الله فعل مثل ما فعلت ، و قال : مثل ما قلت ثم يضحك ، فقلنا : ما يضحكك يا رسول الله ؟ قال : " العبد " أو قال : عجبت للعبد اذا قال : " لا اله الا أنت ، ظلمت نفسي فاغفرلي ، انه لا يغفر الذنوب الا أنت ، يعلم أنه لا يغفر/ الذنوب الا الله ."

رواه الامام احمد عن وكيع عن اسرائيل . و عن يزيد بن هارون ، عن شريك بن عبد الله ، وعن عبد الرزاق . و رواه ابو داؤد عن مسدد . و رواه الترمذي و النسائي عن قتيبة - كلاهما - عن أبي الأحوص . وروه

النسائي أيضا عن محمد بن قدامة، عن جرير، عن منصور، كلهم عن أبي اسحاق بنحوه. ورواه أبو حاتم البستي، عن ابن الجنيد، عن قتيبة. وقال الترمذي حديث حسن صحيح." [۱]

ترجمہ: علی بن ربیعہ کہتے ہیں کہ: "جس وقت حضرت علی ﷺ سواری پر سوار ہونے لگے تو وہ وہاں موجود تھے، چنانچہ حضرت علی ﷺ نے جب اپنا قدم مبارک سواری کی رکاب میں رکھا تو کہا: "بسم الله" پھر جب سواری پر بیٹھ گئے تو کہا: "الحمد لله" پھر یہ دعاء پڑھی: "سبحان الذي سخرلنا هذا وما كنا له مقرنين و انا الى ربنا لمنقلبون" پھر تین تین مرتبہ تسبیح و تحمید پڑھی، پھر یہ دعاء پڑھی: "لآ اله الا أنت، ظلمت نفسي فاغفرلي، انه لا يغفر الذنوب الا أنت." پھر مسکرائے، پوچھا گیا: اے امیر المؤمنین! کس بات پر مسکرا رہے ہیں؟" فرمایا: "جیسا میں نے کیا بالکل ویسا ہی رسول اللہ ﷺ کو میں نے کرتے دیکھا تھا اور جو کچھ دعائیں اس موقع پر میں نے پڑھیں رسول اللہ ﷺ کو اس موقع پر میں نے یہی دعائیں پڑھتے دیکھا، پھر حضور اقدس ﷺ مسکرائے تو ہم نے آپ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ)! آپ کس بات پر مسکرا رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "مسلمان بندے پر یا فرمایا مسلمان بندے کے اس فعل کو یاد کرکے مسکرا رہا ہوں کہ جب وہ یہ دعاء پڑھتا ہے: "لآ اله الا أنت ظلمت نفسي فاغفرلي انه لا يغفر الذنوب الآ أنت" تو وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالی کے سوا اس کے گناہوں کو بخشنے والا کوئی اور نہیں ہے۔"

دوسری حدیث یہ ہے:

۱۰۲۱ – أخبرنا أسعد بن سعد بن محمود – بأصبهان – أن فاطمة بنت عبد الله أخبرتهم – قراءة عليها – أنا محمد بن عبد الله بن ريذة، أنا سليمان بن أحمد الطبراني، نا اسحاق بن ابراهيم الدبري، عن عبد الرزاق عن معمر، عن أبي اسحاق، عن عمر بن سعد، قال: حدثنا سعد بن أبي

---

[۱] (الأحاديث المختارة للمقدسي ۲/۲۹۶، ۲۹۷، ألناشر: دار خضر، للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت)

وقاص قال: قال رسول الله صلي الله عليه وسلم: "قتل المسلم كفر وسبابه فسوق، ولا يحل لمسلم أن يهجر أخاه فوق ثلاثة أيام." [۱]

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص ﷺ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مسلمان کو قتل کرنا کفر ہے، اور اُس کو گالی دینا فسق ہے، اور کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ ناراض رہے۔"

## امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"أحد الثقات المشهورين." [۲]

ترجمہ: (امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ) مشہور ثقہ (محدثین) میں سے ہیں۔

## علامہ شمس الدین الذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

علامہ شمس الدین الذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"الثقة الشيعي." [۳]

ترجمہ: (امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ) ثقہ ہیں، شیعی ہیں۔

## حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) کا حوالہ:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

"ثقة حافظ، مصنف شهير، عمي في آخر عمره فتغير وكان يتشيع" [۴]

ترجمہ: (امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ) ثقہ، حافظ اور مشہور مصنف ہیں، آخری عمر میں آپؒ نابینا ہو گئے تھے، اس کی وجہ سے پہلے والی بات آپ میں نہ رہی، اور آپؒ میں تشیع پایا جاتا تھا۔

---

[۱] (الأحاديث المختارة المقدسي: ۳/ ۲۱۸، الناشر: دار خضر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان)

[۲] (تاريخ دمشق لابن عساكر: ۳۶/ ۱۶۰، الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع)

[۳] (سير أعلام النبلاء، الذهبي: ۸/ ۲۲۲، الناشر: دار الحديث، القاهرة)

[۴] (تقريب التهذيب لابن حجر العسقلاني: (۱) ۳۵٤، الناشر: دار الرشد، سوريا)

## حافظ ابن الملقن رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

حافظ ابن الملقن رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۰۴ھ) فرماتے ہیں:

"وعبد الرزاق عندي ثقة ." [1]

ترجمہ: اور امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ میرے نزدیک ثقہ ہیں۔

حافظ ابن ملقن رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۰۴ھ) ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"وعبد الرزاق ثقة حجة ." [2]

ترجمہ: اور امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ ثقہ ہیں، حجت ہیں۔

## امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی ایک حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"و اسناده ثقات ." [3]

ترجمہ: اور اس کی اسناد ثقہ ہیں۔

## امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وعبد الرزاق ثقة حجة " [4]

ترجمہ: اور امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ ثقہ ہیں، حجت ہیں۔

---

[1] (البدر المنير في تخريج الأحاديث والآثار الواقعة في الشرح الكبير لابن الملقن: ۳۸٤/۷، الناشر: دار الهجرة للنشر والتوزيع، الرياض، السعودية)

[2] (البدر المنير في تخريج الأحاديث والآثار الواقعة في الشرح الكبير لابن الملقن: ۶۶٥/۹، الناشر: دار الهجرة للنشر والتوزيع، الرياض، السعودية)

[3] (التحقيق في أحاديث الخلاف لابن الجوزي: ج ۲ ص ۶۲ رقم الحديث: ۱۰٤۹، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت)

[4] (مختصر خلافيات البيهقي: ۱٥۸/٥، الناشر: مكتبة الرشد، الرياض، السعودية)

## امام ابن حزم الظاہری رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ابن حزم الظاہری رحمۃ اللہ علیہ امام عبدالرزاق وغیرہ محدثین عظام رحمہم اللہ کی ایک روایت کے آخر میں فرماتے ہیں:

"ورواته كلهم ثقات مشاهيرون ."[1]

اور اس روایت کے جملہ راوی ثقہ ہیں، مشہور ہیں۔

## امام ابوعوانہ الاسفرائینی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ابوعوانہ الاسفرائینی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "صحیح ابوعوانہ" میں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے بہت سی احادیث نقل فرمائی ہیں۔

## امام ابوزرعہ الرازی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ابوزرعہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وحسن الحديث ."[2]

ترجمہ: (امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ) "حسن الحدیث" ہیں۔

باقی رہی امام ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ کی امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر جرح سو! وہ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی حالت اختلاط کے دور پر محمول ہے۔

## محیی السنۃ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

محیی السنۃ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے امام عبدالرزاق کی بیان کردہ ایک حدیث کے بارے میں فرمایا ہے:

"هذا حديث صحيح ."[3]

ترجمہ: یہ حدیث صحیح ہے۔

---

[1] (المحلى لابن حزم : كتاب الأضاحي : ٦/٢٦ : الناشر : دار الفكر ، بيروت )

[2] ( كتاب الضعفاء لأبي زرعة الرازي : ٢/ ٤٥٠، الناشر : عمادة البحث العلمي بالجامعة الاسلامية ، المدينة النبوية ، المملكة العربية ، السعودية )

[3] ( شرح السنة لمحيي السنة البغوي : ١/١١٨ ، رقم الحديث : ٤١ ، الناشر : المكتب الاسلامي ، دمشق ، بيروت )

## ایک ضروری وضاحت:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

"وعبد الرزاق يهم في بعض ما يحدث به" [۱]

ترجمہ: اور عبدالرزاقؒ کو بعض حدیثوں میں وہم ہو جاتا ہے۔

تو یہ کوئی "جرح" نہیں ہے، اس لئے کہ جمہور محدثین کی توثیق کے بعد بعض روایتوں میں "وہم" ثابت ہو جانے سے راوی ضعیف نہیں ہو جاتا بلکہ وہ ثقہ وصدوق ہی رہتا ہے، البتہ صرف "وہم" ثابت ہو جانے والی روایات کو رد کر دیا جاتا ہے۔

نیز امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی اس کتاب "العلل الكبير" کا بنیادی راوی "ابو حامد التاجر" ہے جو اس قدر مجہول الحال ہے کہ اس کتاب کے محقق کو بھی اس کے حالات زندگی نہ مل سکے [۲] اس بناء پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اس فرمان کا مستند ہونا بجائے خود ایک قابل بحث امر ہے۔

اسی طرح پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں جو یہ نقل کیا ہے کہ:

"وقال ابن عدي: "ولعبد الرزاق أصناف وحديث كثير، وقد رحل اليه ثقات المسلمين وأئمتهم وكتبوا عنه الا أنهم نسبوه الي التشيع ...... وذكره ابن حبان في الثقات وقال: "كان ممن يخطئ اذا حدث من حفظه على تشيع فيه." [۳]

ترجمہ: ابن عدیؒ نے کہا کہ عبدالرزاقؒ کی احادیث بہت ہیں اور کئی اصناف ہیں، ان کی طرف ثقہ مسلمان لوگوں نے اور اُن کے ائمہ نے سفر کیا، اور پھر اُن سے احادیث و روایات لکھیں، مگر انہوں نے اسے "تشیع" کی طرف منسوب کیا، ابن حبانؒ نے عبدالرزاقؒ کو

---

[۱] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین، ص ۹۳ بحوالہ: العلل الكبير: ۵۳۵/۱)

[۲] (مقدمة العلل الكبير للترمذي)

[۳] (تهذيب التهذيب لابن حجر العسقلاني: ۳۱۳/۶، ۳۱۴، الناشر: دائرة المعارف النظامية، الهند)

ثقہ راویوں میں ذکر کیا، اور کہا کہ وہ اپنی یادداشت پر بھروسہ کرتے ہوئے حدیث بیان کرتے ہیں تو خطاء کر جاتے ہیں، اور اُن میں "تشیع" بھی پایا جاتا تھا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ جمہور محدثین کی توثیق کے بعد "یخطئ" وغیرہ قسم کی جرحیں مردود ہیں، نیز خود حافظ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "صحیح ابن حبان" میں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے بہ کثرت روایتیں نقل کی ہیں۔

باقی رہا "تشیع" کا الزام تو اُس کی حقیقت آگے آ رہی ہے۔

اسی طرح امام ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے طویل کلام کرنے کے بعد جو یہ کہا ہے کہ:

"...... وأما في باب الصدق فارجوا أنه لا بأس به إلا أنه قد سبق منه أحاديث في فضائل أهل البيت و مثالب آخرين مناكير." [1]

ترجمہ: اور جہاں تک اُن کی صداقت وسچائی کا معاملہ ہے، تو میں اُمید کرتا ہوں کہ اس میں کوئی جرح نہیں ہے، البتہ ان سے اہلِ بیت کے فضائل اور بعض دوسرے لوگوں کے مناقب کے متعلق منکر احادیث بھی ذکر ہوگئی ہیں۔

تو اس کے بارے میں بھی عرض ہے کہ جمہور محدثین کی توثیق کے بعد فضائل ومثالب کی احادیث کو مناکیر قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ نیز اگر مناکیر کو جرح پر ہی محمول کیا جائے تو ان کا تعلق بعد از اختلاط اور مدلس روایتوں ہی سے ہے۔

## امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر کی جانے والی جرح کی صورتیں:

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر مندرجہ ذیل صورتوں میں جرح کی جاتی ہے:

۱۔ تشیع۔

۲۔ اختلاط۔

۳۔ تغیر وتدلیس۔

۴۔ روایت پر جرح۔

---

[1] (الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي: ٦/٥٤٥، الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت، لبنان)

## امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر "تشیع" کا الزام:

علمائے اہل سنت والجماعت میں سے جن بعض علماء کی نسبت خلاف واقعہ اُن کا شیعہ ہونا مشہور ہے اُن میں سے ایک امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت بھی ہے۔ چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بہت سے ائمہ فن نے ان کی توثیق کی ہے، ان کی احادیث صحاح ستہ کی ساری کتابوں میں مذکور ہیں، البتہ کچھ احادیث کے روایت کرنے میں یہ منفرد ہیں، ان کی "تشیع" پسندی کو محدثین نے اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا، حالاں کہ یہ اس (یعنی تشیع) میں غلو سے کام نہیں لیتے تھے، صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت اور ان کے ساتھ لڑنے والوں سے بغض رکھتے تھے۔۔۔ الخ۔"[1]

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب ایک دوسری جگہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"وقال ابن عدي: "ولعبد الرزاق أصناف وحديث كثير، وقد رحل اليه ثقات المسلمين و ائمتهم و كتبوا عنه الا أنهم نسبوه الى التشيع ..... و ذكره ابن حبان في الثقات و قال: "كان ممن يخطئ اذا حدث من حفظه على تشيع فيه."[2]

ترجمہ: امام ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ: "امام عبدالرزاقؒ کی احادیث بہت سی ہیں اور کئی اصناف کی ہیں، ان کی طرف ثقہ مسلمان لوگوں نے اور اُن کے ائمہ نے سفر کیا اور پھر اُن سے احادیث و روایات لکھیں مگر انہوں نے اسے "تشیع" کی طرف منسوب کیا، ابن حبانؒ نے عبدالرزاق کو ثقہ راویوں میں ذکر کیا اور کہا کہ وہ اپنی یادداشت پر بھروسہ کرتے ہوئے حدیث بیان کرتے ہیں تو خطاء کر جاتے ہیں اور ان میں "تشیع" بھی پایا جاتا تھا۔

ہاشمی صاحب ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

---

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۴۸ بحوالہ: تذكرة الحفاظ للذهبي)

[2] (تهذيب التهذيب: ۶/۳۱۳، ۳۱۴، الناشر: دائرة المعارف النظامية، الهند)

''عبدالرزاق نے مجوسیت ترک کر کے اسلام قبول کیا تھا، یہ جو کہا جاتا ہے کہ وہ پہلے ''سنی'' تھے بعد میں ''شیعیت'' اختیار کی، لیکن ان کے ریمارکس سے معلوم ہوتا ہے کہ ''تقیہ'' کے باوجود ''تشیع'' کے اثرات اُن سے کبھی زائل نہیں ہوئے تھے۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

''جعفر بن سلیمان بصری مسلکا شیعہ تھے اور ثقہ تھے، عبدالرزاق نے اُن سے متاثر ہو کر ہی ''شیعہ'' مسلک اختیار کیا تھا۔ ۱

یحییٰ ابن معین فرماتے ہیں کہ: ''میں نے عبدالرزاق سے ایسی گفتگو سنی جس سے اُس کا شیعہ ہونا ظاہر ہوتا تھا، میں نے اُس سے کہا کہ تیرے سارے اُستاذ جن سے تو نے حدیث سیکھی ہے سُنی تھے، پھر تو نے شیعہ مذہب کس سے اخذ کر لیا؟ اُس نے کہا: ''جعفر بن سلیمان میرے پاس آئے تھے، تو میں نے اُن کو اچھی سیرت والا فاضل پایا، اس لئے میں نے بھی اُن کا مسلک اختیار کر لیا۔

اس تفصیل سے جہاں عبدالرزاق کا شیعہ ہونا ثابت ہو گیا ہے، وہاں یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ موصوف کا ''تشیع'' ہرگز ''یسیر'' اور ''لاتضر'' کا مصداق نہیں تھا۔'' ۲

## امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے ''تشیع'' کی نوعیت:

جہاں تک امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ''تشیع'' کی نسبت کا تعلق ہے، تو اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ کا ''اثناء عشری جعفری شیعہ'' یا ''رافضی شیعہ'' ہونا قطعی طور پر کہیں بھی ثابت نہیں ہے، بلکہ آپ کا ''تشیع'' تو بعض اہل سنت کا ''تشیع'' ہے، اور آپ کی طرف ''تشیع'' کی نسبت بالکل ویسی ہی ہے، جیسی کہ بعض علمائے اہل سنت کی طرف غلط طور پر ''تشیع'' کی نسبت کی جاتی ہے، یعنی یہ کہ یہ حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھتے تھے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرتے تھے۔

چنانچہ حافظ جمال الدین یوسف المزی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۲ھ) لکھتے ہیں:

---

۱ (تذکرۃ الحفاظ، تحت جعفر بن سلیمان الضبعی البصری ۔ الطبقۃ الخامسۃ)

۲ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۶۷)

"وقال عبد الله بن أحمد بن حنبل : " سألت أبي ، قلت : "عبد الرزاق كان يتشيع و يفرط في التشيع ؟ " فقال : " أما أنا فلم أسمع منه في هذا شيئاً ، ولكن كان رجلاً تعجبه أخبار الناس ، أو الأخبار ." [1]

ترجمہ: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے امام عبد اللہ بن احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ محدث عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ شیعہ تھے اور شیعیت میں غلو سے بھی کام لیتے تھے؟ تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: "میں نے تو شیعیت کے حوالے سے اُن سے (آج تک) کوئی ایسی بات نہیں سنی، لیکن وہ ایسے شخص تھے جنہیں لوگوں کی خبریں یا خبریں (یعنی تاریخی روایات) پسند تھیں۔ (اس لئے وہ انہیں جمع کرتے اور نقل کرتے تھے۔)

امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں:

" أفضل الشيخين بتفضيل علي اياهما علىٰ نفسه و لو لم يفضلهما لم افضلهما ، كفىٰ بي ازراءً أن أحب عليا ثم اخالف قوله . " [2]

ترجمہ: میں شیخین (حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما) کی فضیلت کا اس لئے قائل ہوں کہ حضرت علی ﷛ نے انہیں اپنے آپ پر فضیلت دی ہے، اگر وہ خود انہیں اپنے آپ پر فضیلت نہ دیتے، تو میں بھی فضیلت نہ دیتا، میری ذلت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ میں حضرت علی ﷛ سے محبت کا دعویٰ کر کے پھر اُن کی مخالفت کروں۔

مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ میں جو "تشیع" پایا جاتا تھا وہ صرف حضرت علی ﷛ کی حضرت عثمان ﷛ پر افضلیت کا "تشیع" تھا جو ایک تو "یسیر" تھا اور دوسرا "غیر مضر" تھا۔

## امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ کا "تشیع یسیر" سے بھی رجوع:

امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں:

---

[1] ( تهذيب الكمال في أسماء الرجال : ١٨/ ٦٠ ، الناشر : مؤسسة الرسالة - بيروت )

[2] ( الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي : ٦/ ٥٤٠ ، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان )

"والله ما انشرح صدري قط أن أفضل علياً على أبي بكر ، و عمر رحم الله أبا بكر ، و رحم الله عمر ، و رحم الله عثمان ، و رحم الله علياً ، و من لم يحبهم فما هو بمؤمن فإن أوثق عملي حبي اياهم رضوان الله عليهم و رحمته اجمعين ." [1]

ترجمہ: اللہ کی قسم! مجھے کبھی بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر فضیلت دینے کا شرح صدر نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائیں، حضرت علی المرتضیٰ پر رحم فرمائیں، جو اُن سے محبت نہیں کرتا وہ مؤمن نہیں ہے، میرا سب سے مضبوط عمل یہ ہے کہ میں اُن سے محبت کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو اور اُن پر اپنی رحمت نچھاور کرے۔

امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے اس قول سے معلوم ہوا کہ پہلے آپ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان پر رضی اللہ عنہ فضیلت دینے کے سلسلہ میں جو "تشیّع" تھا وہ "تشیّع یسیر" اور بہت کم درجہ کا "تشیّع" تھا، جس سے بعد میں آپؒ نے رجوع بھی فرمالیا تھا، اس لئے کہ آپؒ خود اپنے اس قول میں چاروں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی ترتیب اور اُن سے محبت کے قائل ہیں اور جو اُن سے محبت نہ کرے وہ آپؒ کے نزدیک مؤمن ہی نہیں ہے۔ چنانچہ آپؒ کے اس واضح ارشاد کے بعد جو جو حضرات آپؒ کو "شیعہ" کہتے تھکتے نہیں، اُن کا یہ طرزِ فکر اور اُن کا یہ دعویٰ بجائے خود اصلاح کے قابل ہے۔

نیز امام ابو مسلم البغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ: "امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے "تشیّع" سے رجوع فرمالیا تھا۔"

چنانچہ امام ابن عساکر لکھتے ہیں:

"وقد روي عنه أنه رجع عن ذلك ، كتب الي أبو نصر عبد الرحيم بن عبد الكريم ، أنا أبو بكر البيهقي ، أنا أبو عبد الله الحافظ ، قال : سمعت أبا العباس قاسم بن القاسم السياري شيخ خراسان في عصره ، يقول : سمعت

---

[1] ( تاريخ دمشق لابن عساكر : ۳۶/۱۹۰ ، الناشر : دار الفكر للطباعة والنشر و التوزيع )

ابا مسلم البغدادي ، يقول :عبيد الله بن موسيٰ من المتروكين، تركه أبوعبد الله أحمد بن حنبل لتشيعه ، وقد عوتب أحمد بن حنبل عليٰ روايته عن عبد الرزاق فذكر أنه رجع عن ذلك ......الخ ." [1]

ترجمہ:مروی ہے کہ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے "شیعیت" سے رجوع فرما لیا تھا، شیخ ابوالعباس سیاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:"میں نے ابو مسلم بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:"عبیداللہ بن موسیٰ ایک متروک راوی ہیں، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اُنہیں اُن کے "تشیع" کی وجہ سے ترک کر دیا ہے، اور جب امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت لینے کی باری آئی تو آپؒ نے اُن سے روایت لے لی، چنانچہ لوگوں نے جب آپ کو برا بھلا کہنا شروع کیا تو آپؒ نے فرمایا کہ:("امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں نے تب لی ہے کہ) اُنہوں نے "شیعیت" سے رجوع فرما لیا ہے......"

نیز اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت معاویہ ﷺ سے ایک حدیث بھی بیان کی ہے، جو درج ذیل ہے:

۵۵۳۴ –عن ابن جريج قال :أخبرني عمر بن عطاء بن أبي الخوار أن نافع بن جبير أرسله الي السائب بن يزيد يسأله عن شيئٌ رآه منه (معاوية) في الصلاة ؟ قال :صليت معه الجمعة في المقصورة ، فلما سلم قمت في مقامي وصليت ، فلما دخل أرسل اليّ فقال : لا تعد لما فعلت ، اذا صليت الجمعة فلا تصلها بصلاة حتيّٰ تتكلم أو أن تخرج ، فان النبي صلي الله عليه وسلم أمر بذلك ." [2]

ترجمہ:عمر بن عطاءؒ کو نافع بن جبیرؒ نے سائب بن یزیدؓ کے پاس بھیجا کہ اُن سے ایک ایسی بات پوچھیں جو اُنہوں نے حضرت معاویہ ﷺ کو نماز میں کرتے دیکھی ہے۔

---

[1] (تاريخ دمشق لابن عساكر : ۱۸۹/۳٦ ، الناشر : دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع )

[2] (المصنف لعبد الرزاق الصنعاني : ٤١٦/٢ ، الناشر : المكتب الاسلامي ، بيروت )

(سائبؓ نے جواب میں) کہا کہ: ''میں نے حضرت معاویہ ﷛ کے ساتھ جمعہ کی نماز (اگلی صف کے) حفاظتی جنگلے میں ادا کی۔ پس جب اُنہوں نے سلام پھیرا تو میں اپنی جگہ کھڑا ہوا اور (بقیہ) نماز (سنتیں) پڑھنے لگا۔ پھر جب وہ (اپنے گھر میں) داخل ہو گئے تو مجھے بلوایا اور فرمایا کہ: ''جو تم نے کیا، آئندہ ایسے نہ کرنا، جب تم جمعہ کی نماز (دو فرض) ادا کر چکو تو کلام کیے بغیر، یا اس مقام سے نکلے بغیر (سنت) نماز نہ پڑھو! کیوں کہ نبی اکرم ﷺ نے ہم کو اس کا حکم دیا ہے اور ہم اسی پر عمل کرتے ہیں۔''

علاوہ ازیں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے بھی روایت کی ہے، جو درج ذیل ہے:

﴿باب التكبير علىٰ الجنازة﴾

٦٣٩٣– عن معمر عن الزهري عن ابن المسيب و أبي سلمة عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: نعيٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم النجاشي لأصحابه وهم بالمدينة فصفوا خلفه فصلّيٰ عليه و كبر أربعاً وبه نأخذ. "[۱]

﴿نمازِ جنازہ میں تکبیرات پڑھنے کا بیان﴾

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام ﷢ کو نجاشی کی موت کی اطلاع دی اور وہ اُس وقت مدینہ منورہ میں تھے، پس اُنہوں نے (نماز جنازہ کے لئے) آپ ﷺ کے پیچھے صفیں بنائیں، آپ ﷺ نے نجاشی کا نماز جنازہ پڑھا اور چار تکبیریں پڑھیں، اور ہم اسی کو لیتے ہیں۔

اس حدیث کے آخر میں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

"و به نأخذ."

ترجمہ: اور ہم اسی کو لیتے ہیں۔

قارئین کرام! آپ ساری دُنیا کی خاک چھان لیں، چراغ کے بدلے آفتاب ہاتھ میں لے کر تلاش کرنا

---

[۱] (المصنف لعبد الرزاق الصنعاني: ۳/۴۷۹، الناشر: المكتب الإسلامي، بيروت)

شروع کر دیں، آپ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ احادیث پر عمل کرنے والا کوئی ایک شیعہ بھی ساری دنیا میں نہیں ملے گا۔

## امام عبدالرزاق پر "تشیع شدید" کا الزام اور روایات کی حقیقت:

یاد رہے کہ جن روایات میں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کا "تشیع شدید" مروی ہے اُن میں سے کوئی ایک روایت بھی صحیح طور پر ثابت نہیں۔ مثلاً:

## امام عبدالرزاق پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی گستاخی کا الزام:

"ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ "امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کیا کرتے تھے۔"

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"خطیب بغدادی اور ابن عساکر دونوں نے ایک روایت کا ذکر کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالرزاق محدث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شان میں بھی گستاخی کرتے تھے۔"[1]

اصل روایت اس طرح ہے:

"أخبرنا التنوخي، أخبرنا أبو الفرج محمد بن جعفر من ولد صالح صاحب المصلي، حدثنا أبو زكريا غلام أحمد بن أبي خيثمة قال: كنت جالسا في مسجد الجامع بالرصافة مما يلي سويقة نصر عند بيت الزيت، وكان أبو خيثمة يصلي صلوته هناك، وكان يركع بين الظهر والعصر، وأبو زكريا يحييٰ بن معين قد صلي الظهر وطرح نفسه بإزائه، فجائه رسول أحمد بن حنبل فأوجز في صلوته وجلس، فقال له: أخوك أبو عبد الله احمد بن حنبل يقرأ عليك السلام ويقول لك: هو ذا تكثر الحديث عن عبيد الله بن موسي العبسي وأنا وأنت سمعناه يتناول معاوية بن أبي سفيان وقد تركت الحديث عنه. قال: فرفع يحيي بن معين رأسه وقال للرسول: اقرأ علي أبي

---

[1] (ملاحظہ ہو (تاریخ بغداد ۱۳/ ۳۴۷) اور (تاریخ دمشق ۳۸/ ۱۴۹) بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۶۵)

عبد الله ، وقل له يحي بن معين يقرأ عليک السلام ، وقال لک انا وانت سمعنا عبد الرزاق يتناول عثمان بن عفان فاترک الحديث عنه ، فان عثمان افضل من معاوية ." [1]

ترجمہ: ابوزکریا غلام احمد بن ابی خیثمہؒ کہتے ہیں کہ: "جامع مسجد کے صحن میں جو بیت زیت کے نزدیک "سویقت نصر" نامی جگہ کے ساتھ ملا ہے بیٹھا ہوا تھا، اور ابوخیثمہؒ وہاں نماز پڑھ رہے تھے، اور وہ ظہر اور عصر کے درمیان وہاں نماز پڑھا کرتے تھے، اور ابوزکریا یحییٰ بن معینؒ نے ظہر کی نماز پڑھ کر اپنے آپ کو اُن کے سامنے ڈالا ہوا تھا کہ اتنے میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قاصد آیا تو ابوخیثمہؒ نے اپنی نماز کو مختصر کیا اور بیٹھ گئے، قاصد نے یحییٰ بن معینؒ سے کہا کہ آپ کے بھائی ابو عبداللہ احمد بن حنبلؒ سلام کہہ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ یہی وہ شخص ہے جو عبیداللہ بن موسیٰ عبسی سے بکثرت روایات نقل کرتا ہے، حالاں کہ میں نے اور آپ نے اس کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی برائی کرتے سنا ہے تو میں نے اس سے حدیثیں نقل کرنا ترک کر دیا ہے۔" راوی کہتے ہیں کہ پھر یحییٰ بن معین نے اپنا سر اُٹھایا اور قاصد سے فرمایا کہ: ابو عبداللہ (امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ) سے کہنا کہ یحییٰ بن معینؒ سلام کہہ رہے تھے اور آپ کو کہہ رہے ہیں کہ میں نے اور آپ نے عبدالرزاق کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی برائی کرتے ہوئے سنا ہے، لہٰذا آپ عبدالرزاق سے روایات نقل کرنا ترک کر دیں، کیوں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔

## پہلا راوی "ابوالفرج محمد بن جعفر صاحب المصلی" ضعیف ہے!:

تو اس روایت کا جواب یہ ہے کہ اس کا پہلا راوی ابوالفرج محمد بن جعفر صاحب المصلی ضعیف ہے۔ چنانچہ امام خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۶۳ھ) "تاریخ بغداد" میں لکھتے ہیں:

"حدثني علي بن محمد بن نصر الدينوري قال : سمعت حمزة بن يوسف السهمي يقول : ابو الفرج محمد بن صالح بن جعفر البغدادي

---

[1] (تاريخ بغداد للخطيب البغدادي، ۱۱ / ۴۶۷، الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت / لبنان)

من ساكني البصرة في الجزيرة ضعيف لا يحتج بحديثه ، ما رأيت له أصلا جدا ، ولا رأيت أحدا يثني عليه خيرا ." [1]

ترجمہ: علی بن محمد بن نصر دینوری کہتے ہیں کہ میں نے حمزہ بن یوسف سہمی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: "ابو الفرج محمد بن صالح بن جعفر بغدادی جزیرہ میں بصرہ کا رہنے والا ضعیف ہے، اس کی حدیث کو حجت نہیں بنایا جا سکتا، میں نے اس کوئی اصل نہیں دیکھی، اور نہ ہی کسی کو اس کا ذکر خیر کرتے دیکھا ہے۔

اور علامہ صلاح الدین الصفدی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۶۴ھ) لکھتے ہیں:

"ضعفه حمزة السهمي ." [2]

ترجمہ: حمزہ سہمی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

## دوسرا راوی "ابو زکریا غلام احمد بن ابی خیثمہ" مجہول الحال ہے!

اور اس کا دوسرا راوی ابو زکریا غلام احمد بن ابی خیثمہ مجہول الحال ہے۔

لہٰذا یہ روایت قابل حجت نہیں۔

بلکہ امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہ روایت نقل کرنے کے بعد امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں ایک اور روایت نقل کر کے گویا اس مذکورہ بالا قابل اعتراض روایت کی بالکل ہی تردید کر دی ہے۔

چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

"نا أحمد بن زهير قال : سمعت يحيىٰ بن معين وقيل له : ان أحمد بن حنبل قال : ان عبيد الله بن موسىٰ يرد حديثه للتشيع فقال كان والله الذي لا اله الا هو عبد الرزاق أعلىٰ في ذلك منه مائة ضعف ولقد سمعت من عبد الرزاق أضعاف وأضعاف ما سمعت من عبيد الله ." [3]

---

[1] (تاريخ بغداد للخطيب البغدادي : ۲/ ۱۵۳ ، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت)

[2] (الوافي بالوفيات للصفدي : ۲/ ۲۲٦ ، الناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت)

[3] (تاريخ دمشق لابن عساكر : ۳٦/ ۱۸۹ ، الناشر : دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع)

ترجمہ: احمد بن زہیرؒ کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معینؒ سے سنا اور اُن سے کہا گیا کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبید اللہ بن موسیٰؒ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی احادیث اُن کے ''تشیع'' کی وجہ سے رد کر دیتا ہے، تو انہوں نے فرمایا ''قسم ہے اُس ذات کی جس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں عبدالرزاق اس تہمت سے کوسوں دور ہیں۔ اور جتنا آپ نے عبید اللہ سے سماع کیا ہے، اس سے کئی گنا زیادہ میں نے عبدالرزاق سے سماع کیا ہے۔

## ہاشمی صاحب کی نیم علمی تحقیق یا اُن کی طوطا چشمی:

یہ تھی پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی نیم علمی تحقیق یا اُن کا امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے بغض وعناد کہ جس کے اثبات میں انہوں نے امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کی ''تاریخ دمشق'' سے دو روایت تو بڑے دھڑلے کے ساتھ نقل کر دی کہ جس سے امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ناقد و گستاخ ہونا ثابت ہو رہا تھا، لیکن عین اُس کے متصل اُس کی تردید میں امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ ہی کی ''تاریخ دمشق'' کی وہ روایت کہ جس سے اِن مذکورہ بالا روایت کی تردید اور امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کا دفاع ہو رہا تھا نقل نہیں کی اور اُس سے آنکھیں چرا کر رفوچکر ہو گئے۔

## امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی گستاخی کا الزام:

دوسری روایت میں آیا ہے کہ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمرؓ کو ''انوک'' یعنی (نعوذ باللہ!) ''کذاب'' کہا ہے۔

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''امام ذہبیؒ ان کے مزید حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''علی ابن عبد اللہ صنعانی بیان کرتے ہیں کہ: ''زید ابن مبارکؒ زیادہ تر ان کی صحبت میں رہتے تھے، اور بہ کثرت ان سے روایتیں لیتے تھے، پھر بعد میں نہ صرف ان کی صحبت ترک کر دی، بلکہ ان کی روایات پر مشتمل تمام کتابوں کو بھی جلا ڈالا، لوگوں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی، تو بتایا کہ ایک دفعہ ہمارے سامنے عبدالرزاق، ابن حدثان کی وہ حدیث بیان کر رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ کی وراثت سے حصہ طلب کرنے کے لئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو انہوں نے عباس رضی اللہ عنہ کو کہا کہ: ''تم اپنے بھتیجے کی وراثت سے حصہ لینے

آئے ہو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم وہ حصہ طلب کرنے آئے ہو جو تمہاری بیوی کو باپ کی طرف سے ملتا ہے۔ زید ابن مبارک نے بتایا کہ یہاں پہنچے تو عبدالرزاق رُک گئے، پھر کہا:
﴿انظر الیٰ هذا الأنوک! يقول : "من ابن أخيک ... من أبيها لا يقول رسول الله صلى الله عليه وسلم﴾ یعنی ذرا دیکھو اس جھوٹے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کو کبھی کہتا ہے بھتیجے کی وراثت اور کبھی کہتا ہے "بیوی کے باپ" کی وراثت، یہ نہیں کہتا کہ رسول اللہ ﷺ کی وراثت، زید ابن المبارکؒ کہتے ہیں: "یہ بات سن کر میں اُٹھ کر چلا آیا پھر لوٹ کر نہیں گیا، نہ اس سے کوئی روایت اخذ کی۔

اب جو شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بے دھڑک "انوک" (کذاب) کہہ دے کیا وہ معمولی درجہ کا شیعہ ہو سکتا ہے؟۔"[1]

## پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا دجل و فریب:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے اس عبارت میں دو طرح دجل و فریب سے کام لیا ہے:

۱- ایک تو یہ کہ اس عبارت کی نسبت انہوں نے علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کی ہے، حالاں کہ یہ عبارت علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے ہی نہیں، بلکہ علامہ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جو علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ کے نام کی تصریح کے ساتھ نقل کی ہے۔

۲- اور دوسرے یہ کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے یہاں صرف اپنے مطلب کی عبارت نقل کی ہے، اس عبارت پر علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ نقل نہیں کیا، جو انہوں نے امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں علامہ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ کا تعاقب کر کے کیا ہے۔

ذیل میں ہم وہ مکمل عبارت مع سیاق و سباق کے نقل کرتے ہیں جو علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے اپنی کتاب میں نقل کی ہے اور پھر اس پر امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں علامہ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ کے تعاقب میں اپنا گراں قدر تبصرہ نقل کیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے!:

"قال العقيلي : سمعت علي بن عبد الله بن المبارک الصنعاني

---

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ،ص ۶۵، ۶۶)

يقول : كان زيد بن المبارك قد لزم عبد الرزاق فأكثر عنه ، ثم خرق كتبه، ولزم محمد بن ثور ، فقيل له في ذلك فقال : كنا عند عبد الرزاق فحدثنا بحديث معمر عن الزهري عن مالك بن أوس بن الحدثان الحديث الطويل فلما قرأ قول عمر لعلي والعباس: فجئت أنت تطلب ميراثك من ابن أخيك وجاء هذا يطلب ميراث امرأته، قال عبد الرزاق: أنظروا إلى الأنوك ! يقول : تطلب أنت ميراثك من ابن أخيك، ويطلب هذا ميراث زوجته من أبيها لايقول : رسول الله صلى الله عليه وسلم ، قال زيد ابن المبارك : فلم أعد اليه ولا أروي عنه ." قلت : هذه عظيمة وما فهم قول أمير المؤمنين عمر ، فانك يا هذا ! لو سكت لكان أولى بك ، فان عمر انما كان في مقام تبيين العمومة والبنوة ، والا فعمر رضي الله عنه أعلم بحق المصطفى ، وبتوقيره وتعظيمه من كل متحذلق متنطع ، بل الصواب ان نقول عنك : انظروا الى هذا الأنوك الفاعل عفا الله عنه ، كيف يقول عن عمر هذا ، ولا يقول قال : أمير المؤمنين الفاروق، وبكل حال فنستغفر الله لنا ولعبد الرزاق، فانه مأمون على حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم صادق ." [۱]

ترجمہ: عقیلیؒ کہتے ہیں کہ میں نے علی بن عبداللہ بن مبارک صنعانی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ زید بن مبارک زیادہ تر ان کی صحبت میں رہتے تھے اور بہ کثرت ان سے روایتیں لیتے تھے، پھر (بعد میں نہ صرف اُن کی صحبت ترک کر دی بلکہ) اُن کی (روایات پر مشتمل تمام) کتابوں کو بھی جلا ڈالا، اور محمد بن ثور کو لازم پکڑ لیا۔ لوگوں نے اُن سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ (ایک مرتبہ) ہم عبدالرزاق کے پاس (موجود) تھے کہ انہوں نے ہمارے سامنے ابن حدثان کی (ایک طویل) حدیث بیان کی، چنانچہ جب وہ اس جملے پر پہنچے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے کہا کہ تم اپنے بھتیجے کی وراثت سے حصہ لینے آئے

---

[۱] سير أعلام النبلاء للذهبي : ۸/۲۲۶، ۲۲۷ ، الناشر : دار الحديث ، القاهرة )

ہو، اور حضرت علی ﷺ سے کہا کہ تم وہ حصہ طلب کرنے آئے ہو جو تمہاری بیوی کو باپ کی طرف سے ملتا ہے، تو عبد الرزاق کہنے لگے کہ: ''اس احمق کو (حضرت عمر ﷺ) کو دیکھو! (حضرت عباس ﷺ سے) کہتا ہے کہ تو اپنے بھتیجے کی وراثت طلب کر رہا ہے، اور یہ (حضرت علی ﷺ) اپنی بیوی کے باپ کی وراثت طلب کر رہا ہے، یہ نہیں کہتا کہ رسول اللہ ﷺ کی وراثت۔ زید ابن ثابتؒ کہتے ہیں کہ (اس کے بعد) نہ میں وہاں لوٹ کر گیا اور نہ ہی میں نے عبد الرزاق سے کوئی روایت نقل کی۔

میں (علامہ ذہبیؒ) کہتا ہوں کہ یہ بہت بڑی بات (انہوں نے عبد الرزاق کے بارے میں کہہ دی) ہے، اور انہوں نے امیر المومنین حضرت عمر ﷺ کی بات کو نہیں سمجھا، پس اے فلاں! اگر تو خاموش رہ جاتا تو یہ تیرے حق میں زیادہ بہتر ہوتا، کیوں کہ حضرت عمر ﷺ (اس وقت) عمومت (چچا ہونے) اور بنوت (بیٹا ہونے) کو واضح کرنے کی جگہ میں تھے، اور حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم و توقیر اور آپ ﷺ کے حق کو تمام حاذق اور ماہر لوگوں سے زیادہ جاننے والے تھے، بلکہ اس کا صحیح اور درست مطلب ہم تیری طرف سے یہ بیان کرتے ہیں کہ دیکھو! اس بیوقوفی کرنے والے شخص کی طرف کہ ''عمر ﷺ سے یہ مروی ہے'' کہہ رہا ہے اور یہ نہیں کہہ رہا کہ ''امیر المومنین حضرت عمر فاروق ﷺ نے یہ فرمایا، بہر حال ہم اپنے اور امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے لئے اللہ تعالیٰ سے بخشش کا سوال کرتے ہیں، کیوں کہ وہ حدیث رسول ﷺ میں معتمد علیہ اور سچے ہیں۔

## روایت ہذا کی فنی حیثیت:

علاوہ ازیں ایک تو یہ کہ اس روایت کا راوی علی بن عبد اللہ بن مبارک الصنعانی مجہول الحال اور نامعلوم ہے اور دوسرے یہ کہ اس کی سند میں ''ارسال'' یعنی ''انقطاع'' ہے۔

چنانچہ حافظ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

''قلت: في هذه الحكاية ارسال، والله اعلم بصحتها.''[1]

---

[1] (ميزان الاعتدال في نقد أسماء الرجال للذهبي: ٦١١/٢، الناشر: دار المعرفة للطباعة والنشر، بيروت، لبنان)

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ اس حکایت میں ارسال ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اس کے صحیح ہونے کو زیادہ جانتے ہیں۔

اور یہ اُصول ہے کہ جو روایت "مرسل" یعنی "منقطع" ہو وہ مردود اور نا قابل التفات ہوتی ہے۔

چنانچہ علامہ زین الدین الہمدانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۸۴ھ) لکھتے ہیں:

**" فان المرسل أكثر الناس على ترك الاحتجاج به ."** [۱]

ترجمہ: اکثر و بیشتر حضرات محدثین کا مسلک یہ ہے کہ مرسل روایت نا قابل حجت ہوتی ہے۔

اور علامہ محب الدین فہری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۲۱ھ) لکھتے ہیں:

**" المرسل لاتقوم به حجة ."** [۲]

ترجمہ: مرسل روایت کے ذریعہ حجت قائم نہیں کی جا سکتی۔

اور علامہ بدر الدین زرکشی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۹۴ھ) لکھتے ہیں:

**" والمرسل عندنا لا تقوم به حجة ."** [۳]

ترجمہ: اور مرسل روایت کے ذریعہ ہمارے نزدیک حجت قائم نہیں کی جا سکتی۔

اور علامہ زین الدین السلامی الحنبلی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۹۵ھ) لکھتے ہیں:

**" و قد ذكر الترمذي لأهل العلم فيه قولين : أحدهما أنه لا يصح . ومراده أنه لا يكون حجة ."** [۴]

ترجمہ: اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے (مرسل روایت کے حکم کے بارے میں) اہل علم کے دو قول نقل کیے ہیں: ایک یہ کہ (مرسل روایت) صحیح نہیں ہے۔ (اس سے) آپؒ کی مراد یہ ہے کہ وہ حجت نہیں بن سکتی۔

---

۱؎ (الاعتبار في الناسخ والمنسوخ من الآثار للهمداني : ۱/۱۵ ، الناشر : دائرة المعارف العثمانية ، حيدر آباد ، الدكن )

۲؎ (السنن الأبين والمورد الأمعن في المحاكمة بين الامامين في السند المعنعن : ۱/۳ ، الناشر : مكتبة الغرباء الأثرية المدينة المنورة )

۳؎ (النكت على مقدمة ابن الصلاح للزركشي : ۲/۲۱ ، الناشر : أضواء السلف ، الرياض ) و ( المقنع في علوم الحديث للـ[illegible] : ۱/۱۴۸ ، الناشر : دار فواز للنشر ، السعودية )

۴؎ (شرح علل الترمذي للسلامي : ۱/۳۰۲ ، الناشر : مكتبة المنار ، الزرقاء ، الأردن )

اور امام برہان الدین الابناسی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۰۲ھ) لکھتے ہیں:

"و أما الحديث المرسل فليس بحجة عندنا." [۱]

ترجمہ: اور بہرحال مرسل حدیث ہمارے نزدیک حجت نہیں ہے۔

لہٰذا یہ روایت بھی مردود، ناقابلِ التفات اور درجۂ احتجاج سے ساقط ہے۔

## امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی گستاخی کے الزام والی روایت کا جائزہ:

ایک اور روایت میں یہ آیا ہے کہ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی گستاخی کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ:

"ہماری مجلسوں کو ابوسفیان کے بیٹے کے ذکر سے آلودہ مت کرو!"

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"امام ذہبی اپنی ایک دوسری کتاب میں عبدالرزاق کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"ونسبوه الى التشيع سمعت مخلداً الشعيري يقول: "كنت عند عبد الرزاق فذكر رجل معاوية رضي الله عنه فقال: " لا تقذر مجلسنا بذكر ولد أبي سفيان." [۲]

ترجمہ: علماء نے اسے تشیع کی طرف منسوب کیا ہے، میں نے مخلد شعیری کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ: "میں عبدالرزاق کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص نے معاویہ کا تذکرہ چھیڑا، تو عبدالرزاق نے کہا: "ہماری مجلسوں کو ابوسفیان کے بیٹے کے ذکر سے گندہ نہ کرو!"۔ [۳]

اس جملے سے بھی موصوف (امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ) کا عام شیعہ نہیں بلکہ پکا اور کٹر شیعہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ [۴]

---

[۱] (الشذا الفياح من علوم ابن الصلاح: ۱/۱۱۱، الناشر: مكتبة الرشد)

[۲] (ميزان الاعتدال: ۲/۱۲۷، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۶۴)

[۳] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۶۴)

[۴] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۶۵)

## روایت ہذا کی فنی حیثیت:

اس روایت کی سند میں احمد بن ذکریا الحضرمی اور محمد بن اسحق بن یزید البصری دونوں نامعلوم ہیں، لہٰذا یہ روایت بھی مردود، ناقابل التفات اور درجۂ احتجاج سے ساقط ہے۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کو:

"الذین ضل سعیھم فی الحیوۃ الدنیا "

میں سے قرار دیا ہے، چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"امام سفیان ابن عیینہ نے عبدالرزاق محدث کو آیت " الذین ضل سعیھم فی الحیوۃ الدنیا " کا مصداق قرار دیا ہے۔"[۱]

اس روایت کی سند میں احمد بن محمود الہروی نامعلوم راوی ہے۔ لہٰذا یہ روایت بھی مردود اور ناقابل التفات ہے۔

مختصر یہ کہ یہ اور ان جیسی دیگر تمام روایات باطل، مردود، ناقابل التفات اور درجۂ احتجاج سے ساقط ہیں۔

## امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر "اختلاط" کا الزام:

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر تشیع کے علاوہ اختلاط کے الزام کا بھی ذکر ملتا ہے۔

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"ائمہ اسماء الرجال نے موصوف کے متعلق "تشیع" کے علاوہ "اختلاط و تغیر و تدلیس" کا بھی ذکر کیا ہے، اس حقیقت کا اُن کے وکلائے صفائی بھی انکار نہیں کر سکتے۔"[۲]

## اختلاط کے الزام کی حقیقت:

جہاں تک امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر "اختلاط" کے الزام کی حقیقت ہے تو اس بارے میں امام ابوزرعہ الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۸۱ھ) فرماتے ہیں:

"اخبرنی احمد بن حنبل قال: اتینا عبد الرزاق قبل المائتین وھو

---

[۱] (کتاب الضعفاء للعقیلی: ۳/۱۰۹، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۶۳)

[۲] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۶۳)

صحيح البصر ومن سمع منه بعد ما ذهب بصره فهو ضعيف السماع."[1]

ترجمہ: ہم امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ۲۰۰ھ سے پہلے گئے تھے اور اُن کی نظر صحیح تھی، جس نے اُن کے نابینا ہونے کے بعد سُنا ہے تو اُس کا سماع ضعیف ہے۔

چنانچہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۰۳ھ) فرماتے ہیں:

"فيه نظر لمن كتب عنه بآخرة."[2]

ترجمہ: جس نے اُن کے آخری دور میں اُن کی روایات لکھی ہیں تو اُس کی روایات محلِ نظر ہیں۔

یاد رہے کہ "اختلاط" کے بارے میں محدثین کا یہ اُصول ہے کہ جس نے جس ثقہ وصدوق راوی کی روایتیں "اختلاط" سے پہلے کی ہوں تو وہ صحیح ہوتی ہیں، البتہ "اختلاط" کے بعد والی روایتیں کمزور ہوتی ہیں۔

## اختلاط سے پہلے امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایات کا سماع:

اختلاط سے پہلے امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے جن راویوں نے حدیث کا سماع کیا ہے، اُن کے نام ذکر کرتے ہوئے علامہ ابو البرکات ابن الکیال رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۲۹ھ) لکھتے ہیں:

"وممن سمع منه (أي من عبد الرزاق) قبل الاختلاط احمد و اسحاق بن راهويه وعلي بن المديني ويحيىٰ بن معين ووكيع بن الجراح ..... واسحاق بن منصور ومحمود بن غيلان..... اسحاق بن ابراهيم السعدي وعبد الله بن محمد المسندي ومحمد بن يحيىٰ بن أبي عمر العدني ويحيىٰ بن جعفر البيكندي ويحيى بن موسى البلخي الملقب خت ..... واحمد بن يوسف السلمي وحجاج بن يوسف الشاعر وحسن بن علي الخلال وسلمة بن شبيب وعبد الرحمان بن بشر بن الحكم وعبد بن حميد وعمرو بن محمد الناقد واحمد بن رافع ومحمد بن مهران الحمال."[3]

---

[1] (تاريخ أبي زرعة الدمشقي: ۱/۴۵۷، الناشر: مجمع اللغة العربية، دمشق)

[2] (الضعفاء والمتروكين للنسائي: ۱/۶۹، الناشر: دار الوعي، حلب)

[3] (الكواكب النيرات في معرفة من الرواة الثقات لابن الكيال: ۱/۲۷۶-۲۸۰، الناشر: دار المأمون، بيروت)

ترجمہ: ﴿۱﴾ احمد بن حنبل ﴿۲﴾ اسحٰق بن راہویہ ﴿۳﴾ علی بن مدینی ﴿۴﴾ یحییٰ بن معین ﴿۵﴾ وکیع بن جراح ...... ﴿۶﴾ اسحٰق بن منصور ﴿۷﴾ محمود بن غیلان ...... ﴿۸﴾ اسحٰق بن ابراہیم سعدی ﴿۹﴾ عبداللہ بن محمد مسندی ﴿۱۰﴾ محمد بن یحییٰ بن ابو عمر عدنی ﴿۱۱﴾ یحییٰ بن جعفر بیکندی ﴿۱۲﴾ یحییٰ بن موسیٰ بلخی ...... ﴿۱۳﴾ احمد بن یوسف سلمی ﴿۱۴﴾ حجاج بن یوسف الشاعر ﴿۱۵﴾ حسن بن علی بلال ﴿۱۶﴾ سلمہ بن شبیب ﴿۱۷﴾ عبد الرحمٰن بن بشر بن حکم ﴿۱۸﴾ عبد بن حمید ﴿۱۹﴾ عمرو بن محمد ناقد ﴿۲۰﴾ احمد بن رافع ﴿۲۱﴾ محمد بن مہران حمال۔ (ترجمہ ختم)

چوں کہ ان حضرات کا امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے سماع ''اختلاط'' سے پہلے کا ہے، لہٰذا امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی مطلق روایات پر ''اختلاط'' کی جرح کوئی جرح ہے ہی نہیں۔

## امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر ''تغیر و تدلیس'' کا الزام:

اسی طرح ''تدلیس'' کے بارے میں محدثین کا اُصول یہ ہے کہ غیر صحیحین میں ''مدلس'' کی ''عن'' والی روایت معتبر متابعت یا معتبر شاہد کے بغیر ضعیف ہوتی ہے، لہٰذا کسی ثقہ راوی کی سماعت کی صراحت والی روایت پر ''تدلیس'' کی جرح کوئی جرح ہی نہیں۔

## امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت پر ''جرح'' کا الزام:

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت پر ''جرح'' دو طرح سے ہے:

۱- اوّل یہ کہ امام ابوحاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ نے امام عبدالرزاق اور معمر دونوں کو ''کثیر الخطاء'' کہا ہے۔ چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

''...... فانهما (أي عبد الرزاق ومعمراً) جميعاً كثيري الخطأ.''[1]

ترجمہ: ...... کیوں کہ یہ دونوں (عبدالرزاق اور معمر) ''کثیر الخطاء'' ہیں۔

حالاں کہ یہ ''جرح'' جمہور کے مقابلہ میں ہونے کی وجہ سے مردود اور درجۂ احتجاج سے ساقط ہے۔

امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۲۷ھ) نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

---

[1] (علل الحديث لأبي حاتم الرازي: ۵/۲۱۵، الناشر: مطابع الحميضي)

"يكتب حديثه و لا يحتج به ."[۱]

ترجمہ: امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث لکھی جاتی ہے لیکن اُسے حجت نہیں بنایا جاسکتا۔
چوں کہ یہ "جرح" بھی جمہور کے مقابلے میں ہے اس لئے یہ بھی مردود اور ساقط الاعتبار ہے۔
۲- دوسرے یہ کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ عباس بن عبدالعظیم نے عبدالرزاق کے بارے میں کہا ہے:

"ان عبد الرزاق كذاب ."[۲]

ترجمہ: عبدالرزاق "کذاب" ہے۔

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"......اس پر مستزاد یہ کہ عبدالرزاق کا سچا ہونا بھی مختلف فیہ ہے، اگرچہ بہت سے محدثین نے ان کو سچا اور صدوق کہا ہے، مگر عباس بن عبدالعظیم جو خاص طور پر اُن کے آبائی شہر "صنعاء" گئے تھے اور کافی عرصہ اُن کے پاس رہے تھے قسم اٹھا کر کہتے ہیں:
"والله الذي لا اله الا هو ان عبد الرزاق كذاب ، و محمد بن عمر الواقدي اصدق منه ."

ترجمہ: اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں عبدالرزاق انتہائی درجے کا جھوٹا ہے، اور محمد بن عمر الواقدی ان سے زیادہ سچے تھے۔[۳]

## پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا ایک اور دجل و فریب:

یہ عبارت اصل میں علامہ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جو اُنہوں نے اپنی کتاب "الكامل في ضعفاء الرجال" میں نقل کی ہے، علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی نہیں ہے۔ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے جو اس عبارت کے حوالہ جات میں علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کا نام ذکر کیا ہے تو وہ ایک خاص دجل اور فریب کے طور پر ذکر کیا ہے

---

۱ (الجرح و التعديل لابن أبي حاتم : ٣٩/٦ ، الناشر : مجلس دائرة المعارف العثمانية ، حيدر اباد ، الدكن ، الهند)
۲ (الضعفاء الكبير للعقيلي : ١٠٧/٣ ، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان) و (الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي : ٥٣٨/٦ ، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)
۳ (الكامل في الضعفاء : ٥٣٨/٢ ، سير أعلام النبلاء : ج ٥٧١/٩ ميزان الاعتدال : ١٢٨/١٠٢ ، ١٢٩ ، بحوالہ: سیدنا معاویہ کے ناقدین: ٢٦)

تاکہ قارئین کرام کو یہ باور کرایا جاسکے کہ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کو صرف علامہ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ ہی نے ''کذاب'' نہیں کہا ہے، بلکہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کی تکذیب کی ہے۔ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تو علامہ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت اپنی کتابوں میں نقل کر کے امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں علامہ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ کا تعاقب کیا ہے اور اس واقعہ کی سخت تردید کی ہے، مگر سخت حیرت ہے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب پر کہ انہوں نے علمی خیانت اور اپنے مکروہ دجل وفریب سے کام لیتے ہوئے علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں سے اپنے مطلب کی تو عبارت نقل کر لی، لیکن جس مقصد کے لئے خود علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت اپنی کتابوں میں نقل کی ہے اُس سے آنکھیں چرالیں۔

ذیل میں ہم علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ مکمل عبارت مع اردو ترجمہ کے نقل کرتے ہیں کہ جس میں انہوں نے امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں علامہ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا عبارت کا زبردست تعاقب کیا ہے، اور پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے اُس سے آنکھیں چرائی رکھی ہیں۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"العقيلي في كتاب الضعفاء له في ترجمة عبدالرزاق حدثنا محمد بن أحمد بن حماد سمعت محمد بن عثمان الثقفي قال : لما قدم العباس بن عبد العظيم من عند عبد الرزاق من صنعاء قال لنا ونحن جماعة : ألست قد تجشمت؟الخروج الي عبد الرزاق؟فدخلت اليه،واقمت عنده حتي سمعت منه ما أردت والله الذي لا اله الا هوان عبد الرزاق كذاب والواقدي أصدق منه ." قلت : بل والله ما بر عباس في يمينه ، ولبئس ما قال يعمد الي شيخ الاسلام ، ومحدث الوقت ، ومن احتج به كل أرباب الصحاح ، وان كان له أوهام مغمورة وغيره أبرع في الحديث منه فيرميه بالكذب ، ويقدم عليه الواقدي الذي اجمعت الحفاظ علي تركه،فهو في مقالته هذه خارق للاجماع بيقين ."[1]

---

[1] (سير أعلام النبلاء للذهبي : ٨/٢٢٦ ، الناشر : دار الحديث ، القاهرة)

ترجمہ: عقیلیؒ اپنی کتاب "الضعفاء الکبیر" میں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ محمد بن احمد بن حماد نے ہمیں بیان کیا کہ میں نے محمد بن عثمان ثقفی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب عباس بن عبدالعظیم عبدالرزاق کے پاس سے "صنعاء" سے واپس تشریف لائے تو ہم سے فرمایا اور ہم ایک جماعت کی شکل میں تھے کہ کیا میں نے عبد الرزاق تک پہنچنے میں مشقتیں نہیں جھیلیں؟ میں اُن کے پاس گیا اور اُن کے پاس قیام کیا یہاں تک کہ میں نے اُن سے (حدیث کا) سماع کیا جتنا کہ میں چاہتا تھا، قسم ہے اُس ذات کی کہ جس کے علاوہ کوئی الہ نہیں کہ عبدالرزاق کذاب ہے اور واقدی اُس سے زیادہ سچا ہے۔"
میں (علامہ ذہبیؒ) کہتا ہوں کہ بلکہ اللہ کی قسم اعباس اپنی قسم میں بری نہیں ہوئے، انہوں نے شیخ الاسلام، محدث وقت اور ایک ایسے شخص کے بارے میں کہ جنہیں تمام ارباب صحاح حجت مانتے ہیں اس قسم کے الفاظ بول کر بہت برا کیا، اگر چہ اُن کے اوہام وخیالات فاسد اور باطل ضرور تھے، لیکن حدیث میں وہ واقدی سے زیادہ کامل تھے ان پر یہ کذاب ہونے کی تہمت لگا رہا ہے، اور ان پر واقدی کو مقدم کر رہا ہے کہ جس کے ترک پر حفاظ حدیث کا اجماع ہے، پس وہ اپنی اس بات میں یقیناً اجماع کی مخالفت کر رہا ہے۔

## روایت ہذا کی فنی حیثیت:

اس روایت کا راوی "محمد بن احمد بن حماد الدولابی" بذات خود ضعیف ہے۔
چنانچہ علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

"قال ابن عدي: ابن حماد متهم فيما قاله في نعيم بن حماد لصلابته في أهل الرأي. وقال حمزة السهمي: سألت الدارقطني عن الدولابي، فقال: تكلموا فيه لما تبين من أمره الأخير. وقال ابن يونس: كان الدولابي من أهل الصنعة حتى التصنيف وكان يضعف." [1]

ترجمہ: ابن عدیؒ کہتے ہیں کہ ابن حمادؒ اس بات میں متہم ہے جو اُس نے نعیم بن

[1] (ميزان الاعتدال في نقد أسماء الرجال للذهبي: ۳/۴۵۹، الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر، بيروت، لبنان)

حماد کے بارے میں کہی ہے، کیوں کہ اہل رائے کے معاملہ میں یہ سخت ہے۔ اور حمزہ کہی کہتے ہیں کہ میں نے دارقطنیؒ سے دولابی کے بارے میں سوال کیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ محدثین نے اس کے بارے میں کلام کیا ہے اُس بات کی وجہ سے جو اُس کے آخری معاملہ میں ظاہر ہوئی۔ اور ابن یونسؒ کہتے ہیں کہ دولابی اہل صنعت میں سے تھا یہاں تک کہ تصنیف بھی کرتا تھا، اور یہ ضعیف تھا۔

لہٰذا یہ روایت بھی باطل، مردود اور نا قابل حجت ہے۔

اور ایک دوسری روایت جو زید بن مبارک سے مروی ہے اُس میں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کو "کذاب یسرق" کہا ہے۔[۱]

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"ابن عساکر نے بروایت زید بن مبارک عبدالرزاق محدث کے متعلق "کذاب یسرق" کے الفاظ نقل کیے ہیں۔"[۲]

لیکن اس روایت میں حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ابو عبداللہ بلخی ناقل روایت میں غیر محتاط ہیں۔

چنانچہ علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

"قال ابن السمعاني : سألت أبا القاسم الحافظ (ابن عساكر) عنه فقال : ما كان يعرف شيئاً ." وسألت ابن ناصر عنه ، فقال : كان يذهب الي الاعتزال، وكان حاطب ليل ، يسمع من كل أحد ."[۳]

ترجمہ: ابن سمعانیؒ کہتے ہیں کہ میں نے حافظ ابن عساکرؒ سے ابو عبداللہ بلخی کے متعلق دریافت کیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ: "وہ کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔" اور میں نے ابن ناصر سے اُن کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ: "وہ یکسوئی کی طرف جاتے تھے اور

---

[۱] " عن زيد بن المبارك : " ان عبد الرزاق كذاب يسرق ." (تاريخ دمشق لابن عساكر: ۱۹۱/۳٦ ، الناشر دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع)

[۲] (تاریخ دمشق لابن عساکر: ج ۳۸ ص ۱۳۰ ، بحوالہ: سیدنا معاویہؓ کے ناقدین ص ۹۳)

[۳] (تاريخ الاسلام و وفيات المشاهير والأعلام للذهبي : ۱٤٤/۳٦ ، الناشر : دار الكتاب العربي بيروت ، لبنان)

گفتگو میں رطب ویابس ملاتے تھے اور ہر کسی سے روایات کا سماع کر لیتے تھے۔ (ترجمہ ختم)

اور اگر یہ روایت ثابت بھی ہو جائے تب بھی یہ "جرح" امام یحییٰ بن معین اور امام احمد بن حنبل وغیرہما رحمۃ اللہ علیہما کبار ثقات کی توثیق کے مقابلے میں مردود اور باطل ہے۔

خلاصہ کلام:

اس ساری بحث وتحیص کے نتیجہ میں مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

۱- جمہور اہل فن محدثین عظام کے نزدیک امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ ثقہ وصدوق یعنی صحیح الحدیث وحسن الحدیث راوی ہیں، بشرطیکہ وہ سماع کی تصریح کریں اور روایت اختلاط سے پہلے کی ہو۔

۲- جمہور محدثین کی "توثیق" کے بعد بعض روایتوں میں وہم ثابت ہو جانے سے اُن کا راوی ضعیف نہیں ہو جاتا بلکہ ثقہ وصدوق ہی رہتا ہے، البتہ وہم ثابت ہو جانے والی روایت کو رد کر دیا جاتا ہے، یعنی ایسی صورت میں وہم کا اثر صرف نفس روایت پر پڑتا ہے اُس کے راوی پر نہیں پڑتا۔

۳- جمہور محدثین کی توثیق کے بعد "یخطئ" وغیرہ جرحیں بھی مردود ہو جاتی ہیں۔

۴- جمہور محدثین کی توثیق کے بعد اول تو فضائل ومثالب کی احادیث کو "مناکیر" قرار دینا ہی صحیح نہیں ہے، دوسرے اگر "مناکیر" کو محض جرح پر ہی محمول کیا جائے تو ان کا تعلق بعد از اختلاط اور مدلس روایتوں ہی سے ہے۔

۵- امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر "اختلاط" کا الزام ثابت ہے اور چوں کہ ۲۰۰ھ کے بعد آپؒ نابینا ہو گئے تھے، اس لئے آپؒ کے نابینا ہو جانے کے بعد جس نے آپؒ سے حدیث کا سماع کیا اُس کا سماع ضعیف ہے!۔

۶- "اختلاط" کے بارے میں محدثین کا اُصول یہ ہے کہ جس ثقہ وصدوق راوی کی روایتیں "اختلاط" سے پہلے کی ہوں وہ تو صحیح ہوتی ہیں، البتہ "اختلاط" کے بعد والی روایتیں ضعیف ہوتی ہیں۔

۷- چوں کہ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی بعض روایتیں "اختلاط" سے پہلے کی ہیں اور بعض "اختلاط" کے بعد کی، لہٰذا آپؒ کی مطلق روایات پر "اختلاط" کی جرح کرنا کوئی جرح ہے ہی نہیں۔

۸- نیز چوں کہ "تدلیس" کا الزام بھی آپؒ پر ثابت ہے اور "تدلیس" کے بارے میں محدثین کا اُصول یہ ہے کہ غیر صحیحین میں مدلس کی "عن" والی روایت (معتبر متابعت یا معتبر شاہد کے بغیر) ضعیف ہوتی ہے اور چوں کہ

آپ ایک ثقہ وصدوق راوی ہیں اور ثقہ وصدوق راوی کی سماعت کی صراحت والی روایت پر "تدلیس" کی جرح کوئی جرح ہی نہیں ہوتی، لہٰذا آپؒ پر بھی "تدلیس" کی جرح کوئی جرح شمار نہیں ہوگی۔

۹- اسی طرح آپ پر چوں کہ "تشیع" کا الزام بھی ہے تو اس بارے میں عرض یہ ہے کہ آپ کا رافضی شیعہ ہونا قطعاً ثابت نہیں، بلکہ آپ میں جو "تشیع" پایا جاتا تھا وہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر افضلیت کا "تشیع" تھا جو ایک تو یسیر تھا اور دوسرا غیر مضر۔

۱۰- قرینہ اس پر یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپؒ نے فرمایا: "اللہ کی قسم! میرے دل میں کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر فضیلت دینے کا خیال بھی پیدا نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر رحم کرے، جو اُن سے محبت نہیں کرتا وہ مؤمن نہیں ہے، اور میرا سب سے مضبوط عمل یہ ہے کہ میں اُن سے محبت کرتا ہوں، اللہ اُن سب سے راضی ہو اور اُن سب پر اپنی رحمت نچھاور کرے۔[1]

آپؒ کے اس قول سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس "تشیع یسیر" سے بھی رجوع فرمالیا تھا جو پہلے آپ کے قلب میں تھا۔

۱۱- آپؒ نے اپنی کتاب "المصنف" میں جہاں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایات اخذ کی ہیں تو وہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایات لی ہیں، آپ لاکھ ڈھونڈیں آپ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والا کوئی شیعہ ساری دُنیا میں ایک بھی نہیں ملے گا۔

۱۲- جن روایات میں آپ کا "تشیع شدید" مروی ہے مثلاً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی گستاخی والی روایت، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو "انوک" کہنے والی روایت اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بیٹے کے تذکرے سے ہماری مجلسوں کو آلودہ نہ کرو والی روایات ہیں تو ان میں سے کوئی ایک روایت بھی بہ سندِ صحیح ثابت نہیں ہیں۔

۱۳- آپ کی روایت پر دو طرح سے جرح مروی ہے:

۱- امام ابوحاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ نے آپؒ اور معمرؒ دونوں کو "کثیر الخطاء" کہا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ چوں کہ امام ابوحاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ جرح جمہور محدثین کی تعدیل وتوثیق کے مقابلہ میں ہے اس لئے یہ جرح باطل اور مردود ہے۔

---

[1] (تاریخ دمشق لابن عساکر: ۳۶/۱۹۰، الناشر: دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع)

۲-اور دوسرے عباس بن عبدالعظیم نے آپ کو " کذاب " کہا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت کا راوی محمد بن احمد بن حماد الدولابی بذاتِ خود ضعیف ہے، لہٰذا یہ روایت بھی باطل، مردود اور درجۂ احتجاج سے ساقط ہے۔

پس اس ساری بحث کا خلاصہ اور لب لباب یہ نکلا کہ امام عبد الرزاق الصنعانی رحمۃ اللہ علیہ ایک ثقہ وصدوق راوی اور ایک عظیم عبقری سنی محدث اور ایک مشہور راوئ حدیث اور اپنے زمانے کے یکتائے روزگار صاحب علم وقلم عالم تھے، آپؒ پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے ادبی کا الزام بالکل غلط اور خلاف حقیقت ہے۔

﴿۲﴾

# مؤرخِ اسلام امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ

## (المتوفی ۳۱۰ھ)

### نام ونسب:

آپؒ کا نام نامی اسم گرامی: محمد، کنیت: ابو جعفر، والد کا نام: جریر اور دادا کا نام: یزید ہے۔

والد کی طرف سے پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:

''محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب۔''

آپؒ طبرستان (موجودہ ایران) کے علاقہ ''ماژندران'' کے رہنے والے تھے، اسی مناسبت سے آپؒ کو طبریؒ کہا جاتا ہے۔

### ولادت باسعادت:

آپؒ کی ولادت طبرستان کے مشہور شہر ''آمل''[۱] میں عباسی خلیفہ المعتصم باللہ کے عہد خلافت میں ۲۲۴ھ بمطابق ۸۳۸ء میں وقت ہوئی، جب ہر چہار سو علم وفضل کے چرچے اور زہد وورع کی مثالیں زبان زد عوام تھیں۔

### تحصیل علم:

سات سال کی عمر میں آپؒ نے پورا قرآن مجید حفظ کرلیا تھا، آٹھ سال کی عمر میں امامت جیسا اہم فریضہ سر

---

[۱] ''آمل'' بحیرۂ خزر سے بیس (۲۰) کلومیٹر جنوب میں، کوہ البرز سے دس (۱۰) کلومیٹر شمال میں اور ایک سو اسی (۱۸۰) کلومیٹر مشرق میں تہران سے دور دریائے ہراز کے ساحل پر واقع ہے۔

انجام دینے لگے، نو سال کی عمر میں حدیث لکھنا شروع کر دی، اور جب اپنی زندگی کے بارھویں سال میں آپؒ نے قدم رکھا تو تحصیل علوم وکسبِ فنون کی خاطر گھر سے نکل پڑے، سولہ سال کی عمر کو پہنچے تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا دل میں داعیہ پیدا ہوا، اس لئے بغداد کے سفر کے لئے روانہ ہو گئے۔

ابتداء میں آپؒ نے ''رے'' میں علم حاصل کرنا شروع کیا پھر ''کوفہ'' کا رخ کیا اور وہاں محمد بن بشارؒ، اسمٰعیل بن محمد سدیؒ، ہناد بن السریؒ، محمد بن عبد الاعلی الصنعانی، احمد بن منیع، یعقوب بن ابراہیم الدورقی، اور محمد بن علا الہمدانی سے شرف تلمذ طے کیا۔

اس کے بعد ''شام'' اور ''بیروت'' چلے گئے اور وہاں عباس بن ولید البیروتی کی صحبت میں قرآن مجید کی مختلف روایات قرأت کی مشق کی، اور پھر ''مصر'' روانہ ہو گئے، درمیان میں ایک بار پھر ''شام'' جانا ہوا، اور پھر وہاں سے ''مصر'' واپسی ہوئی جہاں آپؒ نے ''فقہ شافعی'' کی تعلیم حاصل کی۔

دورانِ تعلیم آپؒ کے تمام تر اخراجات آپؒ کے والد محترم ادا کرتے رہے، یہاں تک کہ انتقال کے وقت والد نے آپؒ کے لئے ایک زمین کا ٹکڑا چھوڑا تھا جس سے آپؒ اپنا گزر بسر کرتے تھے۔

**شیوخ واساتذہ:**

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے بعض مشہور شیوخ واساتذہ کے نام یہ ہیں:

﴿۱﴾ محمد بن حمید رازی تمیمی (المتوفی ۲۴۱) ''رے'' میں ﴿۲﴾ ابو ہمام ولید بن شجاع (المتوفی ۲۴۳) ''کوفہ'' میں ﴿۳﴾ عمران بن موسیٰ لیثی بصری (المتوفی ۲۴۰ھ) ''بصرہ'' میں ﴿۴﴾ احمد بن منیع بغوی ابوجعفر (المتوفی ۲۴۴ھ) ﴿۵﴾ محمد بن علاء ہمدانی ابوکریب (المتوفی ۲۴۷ھ) ''کوفہ'' میں ﴿۶﴾ محمد بن عبد الملک بن شوارب بصری اُموی (المتوفی ۲۴۴ھ) ﴿۷﴾ محمد بن بشار عبدی بصری (المتوفی ۲۵۲ھ) ﴿۸﴾ یعقوب بن ابراہیم دورقی (المتوفی ۲۵۲ھ) ﴿۹﴾ بشر بن عبد الاعلی صنعانی البصری (المتوفی ۲۴۵ھ) ﴿۱۰﴾ ربیع بن سلیمان ازدی (المتوفی ۲۵۰ھ) ﴿۱۱﴾ حسن بن محمد زعفرانی بغدادی شافعی (المتوفی ۲۶۰ھ) ﴿۱۲﴾ اسماعیل بن یحییٰ مزنی (المتوفی ۲۶۴ھ) ﴿۱۳﴾ محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم مالکی مؤرخ (المتوفی ۲۶۴ھ) ﴿۱۴﴾ ہناد بن سری تمیمی (المتوفی ۲۴۳ھ) ﴿۱۵﴾ سلیمان بن عبد الرحمان خلاد طلحی (المتوفی ۲۵۲ھ) ﴿۱۶﴾ یونس بن عبد الاعلی صدفی (المتوفی ۲۶۴ھ) ﴿۱۷﴾ علی بن سراج مصری ابوالحسن (المتوفی ۲۵۲ھ) ﴿۱۸﴾ احمد بن یحییٰ ثعلب کوفی (المتوفی

۳۰۱ھ) ﴿۱۹﴾ شیخ عباس بن ولید بیروتی (المتوفی ۲۷۰ھ)

لیکن اسماعیل بن ابراہیم مزنی، اسماعیل بن ربیع بن سلیمان مرادی، اور محمد بن عبد الحکم آپؒ کے شیوخ میں سب سے زیادہ مشہور ہوئے ہیں۔

## علمی اسفار:

علاوہ ازیں تحصیل علم کے لئے آپؒ نے مختلف ملکوں اور شہروں' شام، عراق، مصر، بغداد اور کوفہ و بصرہ وغیرہ جیسے ممالک کی خاک چھانی اور بیسیوں ارباب علم و عمل اور اصحاب فضل و کمال کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرتے ہوئے تمام علوم وفنون میں کمال حاصل کیا، یہاں تک کہ تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ میں آفتاب نصف النہار جیسے بام عروج کو چھوا، اور امام، مجتہد، مفسر، محدث، فقیہ، مؤرخ اور لغوی اور مقری وغیرہ جیسے گراں قدر القابات سے ملقب ہوئے۔

## درس وتدریس:

تحصیل علم کے بعد تقریباً دس (۱۰) سال تک آپ بغداد میں درس وتدریس کے فرائض سر انجام دیتے رہے اور تقریباً اتنے ہی سال تک منصب "افتاء" پر بھی فائز رہے اور اس دوران فقہ شافعی کے مطابق فتوے بھی دیتے رہے، جس کی بناء پر آپ کا شمار کبار علمائے شوافع میں ہونے لگا۔

## تلامذہ وشاگرد:

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے چند مشہور شاگرد یہ ہیں:

﴿۱﴾ ابوشعیب عبد اللہ بن الحسن حرانی (المتوفی ۲۹۵ھ) یہ عمر میں آپؒ سے بڑے تھے ﴿۲﴾ امام حافظ ابو قاسم سلیمان بن احمد طبرانیؒ (المتوفی ۳۶۰ھ) ﴿۳﴾ شیخ قاضی ابوبکر بن کاملؒ (المتوفی ۳۵۰ھ) ﴿۴﴾ امام ابو احمد عبد اللہ بن عدیؒ (المتوفی ۳۶۵ھ) ﴿۵﴾ قاضی ابو الفرج معافی بن زکریا نہروانی معروف بہ ابن طرارؒ (المتوفی ۳۹۰ھ) رحمہم اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

## تصانیف:

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف یہ ہیں:

﴿۱﴾جامع البيان في تفسير القرآن (یہ اہل سنت کے ہاں سب سے قدیم تفسیر اور ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔)﴿۲﴾تاريخ الرسل والملوك المعروف بتاريخ الطبري (تاریخ کے لحاظ سے یہ کتاب بھی اوّلیں ماخذ کا درجہ رکھتی ہے۔)﴿۳﴾تهذيب الآثار وتفصيل معاني ثابت عن رسول الله ﴿۴﴾اختلاف الفقهاء﴿۵﴾أدب النفوس الجيدة والاخلاق النفيسة ﴿۶﴾آداب القضاء ﴿۷﴾آداب المناسك ﴿۸﴾ التبصير في معالم التنزيل ﴿۹﴾ بسيط القول في أحكام الاسلام ﴿۱۰﴾ الذيل المذيل ﴿۱۱﴾صريح السنة۔

## امام ابن جریر طبری اساطین علم کی نظر میں:

مندرجہ ذیل اساطین علم نے امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف وتوصیف فرمائی ہے:

### ﴿۱﴾ امام نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

چنانچہ امام نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:

"أبو جعفر محمد بن جرير الطبري ، الامام المشهور، مجتهد، صاحب مذهب مستقل."[۱]

ترجمہ: ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ مشہور امام، مجتہد اور ایک مستقل صاحب مذہب ہیں۔

### ﴿۲﴾ امام ابن العماد حنبلی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ابن العماد حنبلی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۸۹ھ) لکھتے ہیں:

"الحبر البحر ابو جعفر محمد بن جرير الطبري ـــ وكان مجتهداً لايقلد أحداً قاله في العبر. قال امام الأئمة ابن خزيمة ما أعلم عليٰ الأرض أعلم من محمد بن جرير، وقال أبو حامد الاسفرائيني الفقيه لو سافر رجل اليٰ الصين حتي يحصل تفسير محمد بن جرير لم يكن كثيراً وكذلك أثني

---

[۱] (تهذيب الأسماء واللغات: ۲/۳۶۶، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

ابن تیمیة علي تفسیره للغایة ..... وکان ذا زهد وقناعة ..... قال الخطیب "کانت الأئمة تحکم بقوله وترجع الی رأیه لمعرفته وفضله جمع من العلوم مالم یشارکه فیه احد من اهل عصره ."[۱]

ترجمہ: امام طبری رحمۃ اللہ علیہ علم کے بحرِ ذخار تھے ..... کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے، جیسا کہ "العبر" میں ہے۔ امام الائمہ ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "روئے زمین پر امام طبری رحمۃ اللہ علیہ سے بڑا عالم میرے علم میں نہیں ہے۔" امام ابو حامد اسفرائینی فقیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: اگر کوئی شخص امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کو پانے کے لئے چین (یعنی دور دراز) کا بھی سفر کرے تو یہ کوئی بڑی بات شمار نہیں ہوگی۔" اسی طرح امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کی بہت زیادہ تعریف کی ہے۔ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ زہد و قناعت کے پیکر تھے۔ امام خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی معرفت وفضیلت کے سبب وقت کے امام آپؒ کے قول کے مطابق فیصلہ صادر فرماتے تھے اور آپؒ ہی کی رائے کی طرف رجوع فرماتے تھے..... امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کو ایسے دسیوں علوم فنون پر دسترس حاصل تھی کہ جن میں اُن کے ہم عصر علماء میں سے کوئی ایک بھی اُن کی مشارکت نہ کر سکا۔ (ترجمہ ختم)

### ﴿۳﴾ امام ابو محمد عبداللہ بن اسعد الیافعی کا حوالہ:

امام ابو محمد عبداللہ بن اسعد الیافعی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"سنة عشر وثلاث مائة فیها ببغداد توفي الحبر البحر الامام أحد العلماء الأعلام صاحب التفسیر الکبیر والتاریخ الشهیر والمصنفات العدیدة والأوصاف الحمیدة أبو جعفر محمد بن جریر الطبري کان مجتهداً لایقلد أحداً . قال امام الأئمة المعروف بابن خزیمة ما علي وجه الأرض أفضل من محمد بن جریر ولقد ظلمته الحنابلة ." وقال الفقیه الامام مفتي الأنام أبو

[۱] (شذرات الذهب في أخبار من ذهب لابن العماد الحنبلي (۱ / ۳۰ ، الناشر : دار ابن کثیر ، دمشق ، بیروت )

حامد الاسفرائيني : "لوسافر رجل الى الصين حتى يحصل تفسير محمد بن جرير لم يكن كثيراً ." قلت وناهيک بهذا الثناء العظيم والمدح الكريم من هذين الامامين الجليلين البارعين النبيلين . ومولده بطبرستان سنة أربع وعشرين ومائتين ، وكان ذا زهد وقناعة ، توفي في أواخر شوال من السنة المذكورة، وكان اماماً في فنون كثيرة منها التفسير والحديث والفقه والتاريخ وغير ذلک . وله مصنفات مليحة في فنون عديدة يدل على سعة علمه وغزارة فضله، وكان ثقة في نقله وتاريخه . قيل تاريخه أصح التواريخ وأثبتها وذكره الشيخ أبو اسحاق في طبقات الفقهاء من جملة المجتهدين ."[1]

ترجمہ: ۳۱۰ ھ میں علم کے بحرِ زخار امام، بہت بڑے عالم، بڑی تفسیر، مشہور تاریخ اور مختلف کتابوں کے مصنف اور اوصاف حمیدہ کے مالک' ابو جعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ مجتہد تھے، کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ امام الائمہ جو کہ امام ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور ہیں' وہ فرماتے ہیں کہ: "(اس وقت) میری معلومات کی حد تک (تمام) روئے زمین پر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ سے افضل کوئی شخص نہیں ہے۔ لیکن حنابلہ نے ان پر (بہت بڑا) ظلم کیا ہے۔" اور فقیہ امام مفتی الانام ابو حامد اسفرائینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "اگر کوئی شخص محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر حاصل کرنے کے لئے چین (یعنی دور دراز) کا سفر کرے تو یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔" میں کہتا ہوں کہ ان دو جلیل القدر بارع اور نبیل اماموں نے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں جو بڑی ثناء اور عمدہ تعریف بیان کی ہے وہ تیرے لئے کافی ہے۔ آپؒ کی جائے پیدائش طبرستان ہے جس میں ۲۲۴ ھ میں آپؒ پیدا ہوئے۔ آپؒ بڑے زاہد اور قناعت اختیار کرنے والے تھے۔ آپؒ نے اسی مذکورہ سال (۳۱۰ ھ) میں ماہِ شوال کے اواخر میں وفات پائی۔ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ بیسیوں فنون کے امام تھے، آپؒ نے اسی مذکورہ سال (۳۱۰ ھ) میں ماہِ شوال کے اواخر میں وفات پائی۔ امام

---

[1] (مرآة الجنان وعبرة اليقظان في معرفة حوادث الزمان لليافعي : ۲/۱۹۵ ، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان )

طبری رحمۃ اللہ علیہ بیسیوں فنون کے امام تھے، جن میں تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ وغیرہ جیسے فنون شامل ہیں۔ چنانچہ آپؒ نے مختلف علوم وفنون میں انتہائی عمدہ اور بہترین کتابیں تصنیف کی ہیں، جو کہ آپؒ کی وسعتِ علمی اور کثرتِ فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔ نقل روایت اور تاریخ میں آپؒ ثقہ اور قابلِ اعتماد ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ: ''تاریخ کی کتابوں میں امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ سب سے زیادہ صحیح اور سب سے زیادہ ثابت (پکی اور پکی) ہے۔'' شیخ ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کو ''طبقات فقہاء'' مجتہدین میں سے گردانا ہے۔ (ترجمہ ختم)

## ﴿۴﴾ حافظ ابن قطان الفاسی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

حافظ ابن قطان الفاسی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۲۸ھ) لکھتے ہیں:

"أبو جعفر محمد بن جرير طبري من أهل طبرستان امام في الفقه والحديث والتفسير والتاريخ. مات ببغداد سنة عشر وثلاث مائة." [۱]

ترجمہ: ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ طبرستان کے رہنے والے ہیں۔ فقہ، حدیث، تفسیر اور تاریخ کے امام ہیں، آپ کی وفات ۳۱۰ھ میں ہوئی۔ (ترجمہ ختم)

## ﴿۵﴾ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

"و في ذي القعدة منها احضر أبو جعفر محمد بن جرير الطبري الى دار الوزير عيسىٰ بن علي لمناظرة الحنابلة في أشياء نقموها عليه فلم يحضروا ولا واحد منهم." [۲]

ترجمہ: اور (۳۰۹ھ) کے ذی قعدہ کے مہینے میں امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ وزیر عیسیٰ بن علی کے گھر تشریف لے گئے، تا کہ جن بعض چیزوں کے بارے میں

---

[۱] (بيان الوهم والإيهام في كتاب الأحكام للفاسي: ٥/ ٦٤، الناشر: دار طيبة، الرياض)

[۲] (البداية والنهاية لابن كثير: ١١/ ١٥٦، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

حنابلہ نے آپؒ پر ظلم کیا ہے، آپؒ اس بارے میں اُن سے مناظرہ کریں، لیکن اُن میں سے کوئی ایک بھی سامنے نہ آسکا۔

### ﴿۶﴾ امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح امام ابوالفرج ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۹۷ھ) بھی لکھتے ہیں کہ

"وفي ذي القعدة أحضر أبو جعفر محمد بن جرير الطبري دار علي بن عيسى لمناظرة الحنابلة فحضر ولم يحضروا فعاد الى منزله وكانوا قد نقموا عليه أشياء...... "[1]

ترجمہ: ذی قعدہ کے مہینہ میں امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ حنابلہ سے مناظرہ کرنے علی بن عیسیٰ کے گھر تشریف لے گئے، آپؒ تو حاضر ہو گئے تھے، لیکن وہ لوگ حاضر نہیں ہوئے، اس لئے آپؒ واپس اپنی منزل کی طرف لوٹ آئے۔ دراصل حنابلہ کو آپؒ کے بارے میں چند اشکالات تھے۔

### ﴿۷﴾ علامہ ابوالفداء الملک المؤید رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ابوالفداء الملک المؤید رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۳۲ھ) لکھتے ہیں:

"وكان حافظاً لكتاب الله، عارفاً بالقراءات، بصيراً بالمعاني وكان من المجتهدين لم يقلد احداً وكان فقيهاً عالماً عارفاً بأقاويل الصحابة والتابعين ومن بعدهم "[2]

ترجمہ: امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کتاب اللہ کے حافظ، قرآءت کے پہچاننے والے، معانی پر بصیرت رکھنے والے تھے۔ آپؒ مجتہدین میں تھے اور کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ آپؒ فقیہ، عالم اور اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین اور تبع تابعین کے پہچاننے والے تھے۔

الغرض امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کا شمار خیر القرون کے اُن ائمہ مجتہدین میں ہوتا ہے جنہوں نے آنے

---

[1] المنتظم في تاريخ الملوك والأمم لابن الجوزي ۱۳ / ۲۲، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت)

[2] المختصر في أخبار البشر لأبي الفداء، أحداث السنة ۳۱۰، ۲ / ۷۱، الناشر: المطبعة الحسينية)

والی نسلوں کے لئے تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ کا ایک ایسا علمی ذخیرہ چھوڑا کہ جس سے قیامت تک آنے والی اُمت مسلمہ سیراب ہوتی رہے گی۔

## وفات حسرت آیات:

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے عباسی خلیفہ المقتدر باللہ کے عہد خلافت میں مورخہ ۲۸ شوال ۳۱۰ھ بمطابق ۱۸ فروری ۹۲۳ء کو بہ عمر ۸۶ سال ہفتہ کی شام کو عصر کے قریب بغداد میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور "رحبِ یعقوب" میں واقع اپنے مکان میں مدفون ہوئے۔

کہا جاتا ہے کہ آپؒ کے نماز جنازہ میں اس قدر کثیر تعداد میں لوگوں نے شرکت کی کہ جن کی صحیح تعداد سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو معلوم نہیں، کئی ماہ تک آپ کی نماز جنازہ ادا ہوتی رہی۔

## امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کو اُن کے گھر میں دفن کرنے کا سبب:

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کو آپ کے گھر ہی میں دفن کیا گیا، عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا گیا، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ بعض فقہی مسائل اور "حدیث غدیر خم" کے معاملہ میں شیعہ مسلک سے اتفاق کی بنا پر بعض لوگوں نے خواہ مخواہ اُنہیں شیعہ قرار دے ڈالا۔ حالاں کہ ائمہ اہل السنۃ میں سے کون ہے جس کا کوئی قول بھی کسی فقہی مسئلے یا کسی حدیث کی تصحیح کے معاملہ میں شیعوں سے نہ ملتا ہو؟ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تو سب جانتے ہیں کہ جس شخصیت میں شیعیت کی بو بھی ہو وہ اس کو معاف نہیں کرتے، مگر امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کے متعلق وہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں کہ:

> "وأما التفاسير التي في أيدي الناس فأصحها تفسير محمد بن جرير الطبري فانه يذكر مقالات السلف بالأسانيد الثابتة وليس فيه بدعة ولا ينقل عن المتهمين مقاتل بن بكير والكلبي "[1]
>
> ترجمہ: اور بہرحال وہ تمام تفاسیر جو لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں (معروف و متداول) میں تو اُن سب میں سب سے زیادہ صحیح تفسیر امام محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، کیوں کہ وہ ثابت سندوں کے ساتھ سلف کے واقعات ذکر فرماتے ہیں اور اس میں کوئی

---

[1] (الفتاوى الكبرى لابن تيمية: ٥/٨٤، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

نئی چیز نہیں ہوتی، اور نہ آپؒ مقاتل اور کلبی وغیرہ جیسے متہم راویوں سے (کوئی روایت) نقل کرتے ہیں۔ (ترجمہ ختم)

دراصل سب سے پہلے حنابلہ نے ان پر رفض کا الزام اس غصے کی بناء پر لگایا تھا کہ وہ امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو صرف محدث مانتے تھے، فقیہ نہیں مانتے تھے۔ اسی وجہ سے حنبلی ان کی زندگی ہی میں اُن کے دشمن ہو گئے تھے۔ اُن کے پاس جانے سے لوگوں کو روکتے تھے اور اُن کی وفات کے بعد انہوں نے "مقابر مسلمین" میں ان کو دفن تک نہ ہونے دیا، حتیٰ کہ وہ اپنے گھر پر دفن کیے گئے۔

چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

" ودفن في داره لأن بعض عوام الحنابلة ورعاعهم منعوا من دفنه نهاراً ونسبوه الیٰ الرفض، ومن الجهلة من رماه بالالحاد وحاشاه من ذلک كله." [1]

ترجمہ: آپؒ اپنے گھر میں دفن کیے گئے، کیوں کہ بعض عام حنبلیوں اور بعض نچلے طبقہ کے کمینے لوگوں نے دن میں آپؒ کو دفن کرنے سے روک دیا اور آپ کی رفض کی طرف نسبت کی، اور بعض جاہلوں نے آپ پر ملحد ہونے کی تہمت لگائی، حالاں کہ آپ ان چیزوں سے بالکل پاک ہیں۔ (ترجمہ ختم)

اسی زیادتی پر امام ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" لقد ظلمته الحنابلة " [2]

ترجمہ: آپؒ پر حنابلہ نے ظلم کیا ہے۔

اس کے بعد آپؒ کی بدنامی کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ آپؒ ہی کے ہم عصروں میں ایک اور شخص محمد بن جریر طبری کے نام سے معروف تھا اور وہ شیعہ تھا، لیکن کوئی شخص جس نے کبھی آنکھیں کھول کر خود تفسیر ابن جریر اور تاریخ طبری کو پڑھا ہے، اس غلط فہمی میں نہیں پڑ سکتا کہ ان کا مصنف شیعہ تھا، یا یہ دونوں کتابیں اُس شیعہ محمد بن جریر طبری کی

---

[1] (البداية والنهاية لابن كثير: ۱۱/۱۶۷، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

[2] (البداية والنهاية لابن كثير: ۱۱/۱۶۶، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

لکھی ہوئی ہیں۔[1]

## امام طبری رحمۃ اللہ علیہ پر دو بنیادی اعتراضات:

بنیادی طور پر امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ پر دو قسم کے مشہور اعتراضات کیے جاتے ہیں:

## پہلا مشہور اعتراض:

۱- پہلا مشہور اعتراض یہ ہے کہ آپ شیعہ اور روافض کے لئے احادیث گھڑتے تھے۔

## دوسرا مشہور اعتراض:

۲- دوسرا مشہور اعتراض یہ ہے کہ آپ کی تفسیر "جامع البیان فی تاویل القرآن" اور آپ کی تاریخ "تاریخ الأمم و الملوک المعروف بتاریخ الطبری" میں متعدد روایات ایسی پائی جاتی ہیں کہ جن سے انبیائے کرام علیہم السلام کی شدید ترین توہین و تنقیص کا پہلو نکلتا ہے، اور صرف یہی نہیں بلکہ بعض انبیائے کرام کی طرف ایسے ایسے افعال اور واقعات منسوب کیے گئے ہیں جو سراسر عقیدہ عصمت انبیاء علیہم السلام کے منافی ہیں۔

ذیل میں سردست ہم صرف انہیں دو اعتراضات کی اصل حقیقت اور ان کا جواب پیش کرتے ہیں:

## امام طبری رحمۃ اللہ علیہ پر شیعہ و روافض کے لئے احادیث گھڑنے کا الزام اور اُس کی حقیقت:

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے بھی امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کو شیعہ ثابت کرنے کے لئے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "لسان المیزان" سے حافظ احمد بن علی سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول اس کے سیاق و سباق نیز اس پر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے تبصرے سے آنکھیں چراتے ہوئے نقل کیا ہے تاکہ کسی طرح اس سے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کا شیعہ ہونا ثابت ہو سکے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"الحافظ المتقن احمد بن علی السلیمانی (م ۴۱۳ھ) فرماتے ہیں کہ

---

[1] سنی ابن جریر اور شیعہ ابن جریر دونوں کے حالات حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "لسان المیزان: ج ۵/ ۱۰۰ تا ۱۰۳" تک ملاحظہ فرمائیں۔ آج کل بعض لوگ بڑی بے تکلفی کے ساتھ تاریخ طبری کے مصنف کو شیعہ مورخ بلکہ غالی شیعہ تک قرار دے رہے ہیں۔ غالباً ان کا خیال ہے کہ بے چارے اردو خواں لوگ کہاں اصل کتاب پڑھ کر حقیقت حال معلوم کر سکیں گے؟!۔

" کان یضع للروافض "[1]

ترجمہ: محمد بن جریر بن یزید طبری رافضیوں کے لئے احادیث گھڑتے تھے۔

## امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے تشیع کی اصل حقیقت:

حالاں کہ اگر کوئی بھی انصاف پسند شخص "لسان المیزان" کی مذکورہ بالا پوری عبارت بمع اس کے سیاق وسباق نیز حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں اُس پر تبصرے کے ساتھ پڑھ لے تو برملا، اس بات کا اعتراف کرنے لگے کہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کا شیعیت سے دُور کا بھی تعلق نہیں، بلکہ وہ ایک سچے اور پکے سُنّی عالم ہیں۔

چنانچہ ذیل میں ہم "لسان المیزان" کی پوری عبارت بمع اس کے سیاق وسباق اور ترجمہ نیز اُس پر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں تبصرے کے ساتھ نقل کرتے ہیں، تاکہ قارئین کے سامنے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا دجل وفریب کھل جائے اور اُن کا جھوٹ طشت ازبام ہوجائے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

"محمد بن جرير بن يزيد الطبري الامام الجليل المفسر أبو جعفر صاحب التصانيف الباهرة مات سنة عشر وثلاث مائة ثقة صادق فيه تشيع يسير وموالاة لاتضر، أقذع أحمد بن علي السليماني الحافظ فقال: كان يضع للروافض كذا قال السليماني وهذا رجم بالظن الكاذب بل بن جرير من كبار أئمة الاسلام المعتمدين وما تدعيٰ عصمته من الخطأ ولايحل لنا أن نؤذيه بالباطل والهويٰ فان كلام العلماء بعضهم في بعض ينبغي أن يتأني فيه ولاسيما في مثل امام كبير فلعل السليماني أراد الآتي انتهيٰ ولو حلفت أن السليماني ما أراد الاالآتي لبررت والسليماني حافظ متقن كان يدري مايخرج من رأسه فلا أعتقد أنه يطعن في مثل هذا الامام بهذا الباطل والله أعلم.

وانما نبزأ بالتشيع لأنه صحح حديث غدير خم وقد اغتر شيخ شيوخنا أبو

---

[1] (لسان الميزان لابن حجر العسقلاني: ۵/ ۱۰۰، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ۲۸)

حيان بكلام السليماني فقال في الكلام علىٰ الصراط في أوايل تفسيره وقال أبو جعفر الطبري وهو امام من أئمة الامامية الصراط بالصاد لغة قريش الي آخر المسالة وتبهت عليه لئلا يغتر به فقد ترجمه أئمة النقل في عصره وبعده فلم يصفوه بذلک وانما ضره الاشتراک في اسمه واسم ابيه ونسبه وكنيته ومعاصرته وكثرة تصانيفه والعلم عند الله تعاليٰ قاله الخطيب ۔"[1]

ترجمہ: ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید طبری رحمۃ اللہ علیہ بڑے امام، مفسر اور قابل فخر کتابوں کے مصنف ہیں سن ۳۱۰ ھ میں آپ نے وفات پائی۔ آپ ثقہ اور صادق ہیں۔ آپ میں تھوڑا بہت تشیع اور موالات (اصحاب علی رضی اللہ عنہ کی طرف جھکاؤ) تھا جو کہ مضر نہیں۔ آپ کو احمد بن علی سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ نے برا بھلا کہا اور کہا کہ: آپ" روافض کے لئے احادیث گھڑتے تھے، جیسا کہ سلیمانی نے کہا ہے، لیکن یہ بات امام طبری رحمۃ اللہ علیہ سے ظن کاذب کا نتیجہ ہے، بلکہ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ تو ائمہ اسلام کے کبار اور معتمد علیہ علماء میں سے ایک ہیں اور خطاء سے ان کی عصمت کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا اور ہمارے لئے حلال نہیں ہے کہ ہم انہیں باطل چیزوں اور اپنی نفسانی خواہشات کی وجہ سے تکلیف پہنچائیں حالاں کہ سلیمانی حافظ ہیں، متقن ہیں وہ جانتے ہیں کہ کیا کچھ ان کے دماغ سے نکل رہا ہے، پس میں اس بات کا اعتقاد نہیں رکھتا کہ حافظ سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ جیسے امام کے بارے میں اس قسم کی باطل باتوں کے ذریعے طعن کیا ہو۔ ہاں! البتہ ہم ان کے تشیع سے برأت کا اعلان کرتے ہیں کیوں کہ انہوں نے حدیث "غدیر خم" کی تصحیح کی ہے۔ اور ہمارے شیخ الشیوخ ابو حیان رحمۃ اللہ علیہ حافظ سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے دھوکہ کھا گئے ہیں اور انہوں نے اپنی تفسیر کے شروع میں لفظ "صراط" پر کلام کرتے ہوئے کہا ہے کہ: "ابوجعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ امامیہ کے اماموں میں سے ایک امام ہیں "صراط بالصاد" یہ قریش کی لغت ہے۔ (ترجمہ ختم)

---

[1] (لسان الميزان لابن حجر العسقلاني: ٥/ ١١٠، ١٠١) ، الناشر: مؤسسة الأعلمي للمطبوعات، بيروت)

الیٰ آخر المسألة اور میں نے اس بات پر اس لئے متنبہ کیا ہے تا کہ اس سے دھوکہ نہ کھایا جائے، کیوں کہ ائمہ نقل نے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں اور ان کی زندگی کے بعد بھی آپؒ کی سوانح عمری لکھی ہیں لیکن انہوں نے (اس قسم کی باتوں سے) آپ کو ان جیسی چیزوں کے ساتھ متصف نہیں کیا، امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کو جو ضرر پہنچا ہے وہ آپؒ کے نام، آپؒ کے والد کے نام، آپؒ کی نسبت، آپؒ کی کنیت، آپؒ کی معاصرت اور آپؒ کی کثرت تصانیف میں دوسروں کی مشارکت کی وجہ سے پہنچا ہے۔ واللہ اعلم قال الخطیب۔ (ترجمہ ختم)

اور صرف یہی نہیں بلکہ تھوڑا آگے چل کر اپنی اسی کتاب "لسان المیزان" میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وذكر شيخنا في الذيل بما تقدم أوّلاً وكانه سقط من نسخته أراد الآتي بعد لعل السليماني الىٰ آخره وكانه لم يعلم بان في الرافضة من شاركه في اسمه واسم أبيه ونسبه وانما يفترقان في اسم الجد ولعل ما حكي عن محمد بن جرير الطبري من الاكتفاء في الوضوء بمسح الرجلين انما هو هذا الرافضي فانه مذهبهم." [۱]

ترجمہ: اور ہمارے شیخ نے ذیل میں اس بات کو ذکر کیا ہے جو پہلے گزر چکی ہے، گویا ان کے نسخے سے "لعل السليماني ..... الخ" کے بعد "أراد الآتي" کے الفاظ ساقط ہو گئے ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا انہیں اس بات کا (قطعاً کوئی) علم نہیں تھا کہ روافض میں سے ایک شخص ان کے نام، ان کے والد کے نام اور ان کے نسب میں ان کے (برابر کا) شریک تھا اور ان دونوں میں فرق ان کے داداؤں کے نام سے ہوتا ہے (کہ امام طبری سُنّی رحمۃ اللہ علیہ کے دادا کا نام یزید ہے اور امام طبری رافضی کے دادا کا نام رستم ہے) اور یہ جو محمد بن جریر طبری کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ وضوء میں (صرف) پاؤں پر مسح کرنے کو کافی سمجھتے ہیں تو ہو سکتا ہے کہ اس سے یہی امام طبری رافضی مراد ہوں، کیوں کہ یہ

---

[۱] لسان المیزان لابن حجر العسقلانی: ج۵/۱۰۳، الناشر: مؤسسة الأعلمي للمطبوعات، بيروت، لبنان)

شیعوں کا مذہب ہے۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب امام ابن اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے بھی ان کی عبارت کے سیاق و سباق کو حذف کر کے، نیز ان کے تبصرے سے نظریں چراتے ہوئے اپنی پسند کا مطلب نکال کر عوام الناس کو دھوکہ دینے کے لئے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کو رافضی ثابت کرنے کی ناکام کوشش اور نامراد جسارت کی ہے۔

چنانچہ ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"علامہ ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۳۰ھ) لکھتے ہیں کہ: "دفن لیلاً بداره لأن العامة اجتمعت، ومنعت من دفنه نهاراً وادعوا عليه الرفض، ثم ادعوا عليه الالحاد......"[1]

ترجمہ: امام طبری رحمۃ اللہ علیہ رات کے وقت اپنے گھر پر ہی دفن کیے گئے، کیوں کہ عام لوگ اکٹھے ہو گئے تھے جنہوں نے دن کے وقت انہیں دفن کرنے سے روک دیا تھا۔ پہلے ان پر رفض یعنی رافضی ہونے کا پھر اس کے ساتھ ساتھ ان پر ملحد ہونے کا بھی الزام لگایا گیا۔

امام ابن اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ کی اس مذکورہ بالا عبارت میں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے اس کے سیاق و سباق کو حذف کر کے نیز امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں موصوف کے جاندار تبصرے سے نظریں چرا کر ان کی عبارت کو توڑ مروڑ کر ایک مذموم علمی خیانت اور اخلاقی بددیانتی کا ثبوت دیا ہے۔

اب ذیل میں ہم امام ابن اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ کی وہ مکمل عبارت بمع اُس کے سیاق و سباق اور ان کے جاندار تبصرے کے ساتھ نقل کرتے ہیں تاکہ قارئین ناصحین کے سامنے پروفیسر طاہر ہاشمی کی علمی خیانت اور اخلاقی بددیانتی کی قلعی مکمل طرح سے کھل کر ان کا بھانڈا پھوٹ جائے اور اصل حقیقت خوب اچھی طرح کھل کر قارئین کرام کے سامنے آجائے۔

چنانچہ علامہ ابن اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۳۰ھ) لکھتے ہیں:

"وفي هذه السنة توفي محمد بن جرير الطبري صاحب التاريخ

---

[1] الکامل فی التاریخ لابن اثیر الجزری: ۸/ ۱۳۴، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین (ص ۲۹)

ببغداد ومولده سنة أربع وعشرين ومائتين ودفن ليلاً بداره لأن العامة اجتمعت ومنعت من دفنه نهاراً وادعوا عليه الرفض ثم ادعوا عليه الالحاد وكان علي بن عيسي يقول: "والله! لو سئل هؤلاء عن معني الرفض والالحاد ماعرفوه ولافهموه هكذا ذكره ابن مسكويه صاحب تجارب الأمم وحوشي ذلک الامام عن مثل هذه الأشياء." [1]

ترجمہ: اور اسی سال (۳۱۰ھ میں صاحب تاریخ الامم والملوک) محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے بغداد میں وفات پائی۔ آپؒ کی پیدائش ۲۲۴ھ میں ہوئی تھی۔ آپؒ رات کے وقت اپنے گھر ہی میں دفن کیے گئے، کیوں کہ عام لوگ جمع ہو گئے تھے اور انہوں نے دن کے وقت آپ کو دفن کرنے سے روک دیا تھا۔ پہلے ان لوگوں نے آپ کے خلاف رافضی ہونے کا دعویٰ کیا اور پھر اس کے بعد آپؒ کے ملحد ہونے کا بھی دعویٰ کر دیا۔ امام علی بن عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ان لوگوں سے "رفض" اور "الحاد" کا مطلب مفہوم پوچھا جائے تو نہ تو یہ لوگ اس کو جانتے ہوں گے اور نہ ہی اس کو سمجھتے ہوں گے (عوام کالانعام جو ہوئے) اسی طرح صاحب "تجارب الأمم" امام ابن مسکویہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ حاشاو کلا کہ ان جیسی چیزوں کا امام طبری رحمۃ اللہ علیہ سے صدور ہوا ہو۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کو رافضی اور شیعہ ثابت کرنے کے لئے امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "البداية والنهاية" کی عبارت بھی اس کے سیاق وسباق نیز امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے تبصرے کے بغیر ہی اپنی مرضی اور پسند کا مطلب نکال کر توڑ مروڑ کر نقل کر دی ہے۔

چنانچہ ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں کہ: "ودفن في داره لأن بعض عوام الحنابلةورعاعهم منعوامن دفنه نهاراًونسبوه الي الرفض." [2]

---

[1] (الكامل في التاريخ لابن أثير الجزري ۶/۶۷۷ - الناشر - دار الكتاب العربي - بيروت - لبنان)

[2] (البداية والنهاية لابن كثير ۱۱/۱۴۷ بحوالہ سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین، ص۶۹)

ترجمہ: امام طبری رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر پر ہی دفن کیے گئے، کیوں کہ کچھ حنبلی حضرات نے دن کے وقت انہیں دفن کرنے سے روک دیا تھا اور ان کی نسبت "رفض" کی طرف کر دی تھی۔ (ترجمہ ختم)

حسب سابق یہاں پر بھی پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے اپنی علمی خیانت اور دینی اخلاقی بددیانتی کا ثبوت دیتے ہوئے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں امام ابن کثیر کی کتاب "البدایہ والنہایہ" کی عبارت اُس کے سیاق وسباق نیز امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں آپؒ کے تبصرہ کے بغیر ہی نقل کر دی ہے۔

اب ذیل میں ہم "البداية و النهاية" کی پوری عبارت بمع اس کے سیاق وسباق نیز امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے حق اور آپؒ کے دفاع میں امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے شاندار تبصرے کے ساتھ نقل کرتے ہیں، تاکہ اصل حقیقت سامنے آجائے اور پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی علمائے اہل سنت دشمنی کا خوب سے خوب تر پرچار ہو جائے۔

چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

" ودفن في داره لأن بعض عوام الحنابلة ورعاعهم منعوا من دفنه نهاراً ونسبوه الي الرفض ومن الجهلة من رماه بالالحاد وحاشاه من ذلك كله بل كان أحد ائمة الاسلام علماً وعملاً بكتاب الله وسنة رسوله " [1]

ترجمہ: امام طبری رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر میں ہی دفن کیے گئے، کیوں کہ بعض عام حنابلہ اور اُن کی رعایا نے دن کے وقت اُنہیں دفن کرنے سے روک دیا تھا اور اُن کی نسبت رفض کی طرف کرنے لگ گئے تھے۔ بعض جاہل لوگ آپؒ کی نسبت "الحاد" کی طرف بھی کرنے لگتے ہیں۔ حاشا وکلا کہ ان میں سے کسی ایک چیز کی نسبت بھی امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کی جائے، بلکہ وہ تو ائمہ اسلام میں سے ایک امام ہیں، اور کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے باعمل عالم ہیں۔ (ترجمہ ختم)

اس تمام تر تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نہ رافضی تھے اور نہ ہی ملحد بلکہ وہ ایک سچے اور پکے سُنّی عالم، مفسر قرآن اور مورخ اسلام تھے۔ آپؒ کے خلاف یہ سب کچھ ایک خاص پروپیگنڈے کے طور پر کیا

---

[1] (البداية والنهاية لابن كثير: ١١/١٦٧، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

چنانچہ وطنِ عزیز ملک پاکستان کے مشہور و معروف تجزیہ کار و کالم نگار جناب اوریا مقبول جان صاحب کے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بعض باطل و فاسد افکار و نظریات اور بعض منفی خیالات کے رد میں عصر حاضر کے عظیم محقق، ہندوستان سے تعلق رکھنے والے مشہور عالم دین مولانا عبد المتین منیری صاحب دامت کاتہم العالیہ "امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کی مظلومیت" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"شیعہ حضرات نے اس لئے آپؒ کے شیعہ ہونے کی تشہیر کی تاکہ حدیث و روایت کے ایک ستون پر سے اعتماد اٹھ جائے اور ایک اہم امام حدیث و فقہ کی صورت مسخ ہو جائے۔"[۱]

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے بعض علماء نے جو یہ کہا ہے کہ ان میں تھوڑا بہت "تشیع" اور "موالات" (اصحاب علی رضی اللہ عنہ کی طرف جھکاؤ) پایا جاتا تھا تو وہ مضر نہیں۔

چنانچہ حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

"فيه تشيع يسير وموالاة لاتضر."[۲]

ترجمہ آپؒ میں تھوڑا بہت "تشیع" اور "موالات" پایا جاتا ہے جو کہ مضر نہیں۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) نے بھی لکھا ہے کہ:

"فيه تشيع يسير وموالاة لاتضر."[۳]

ترجمہ: آپؒ میں تھوڑا بہت "تشیع" اور "موالات" پایا جاتا ہے جو کہ مضر نہیں۔

## سلف صالحین کے نزدیک لفظ "تشیع" کا مفہوم:

اور علامہ یاقوت حموی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۲۶ھ) نے جو یہ لکھا ہے کہ:

"قال غير الخطيب. ودفن ليلاً خوفاً من العامة لأنه كان يتهم بالشيعة."[۴]

---

[۱] (انظر: ویب سائٹ "فکر و تدبر" بھٹکل، انڈیا)

[۲] (ميزان الاعتدال في نقد أسماء الرجال للذهبي: ۳/ ۴۹۹، الناشر: دار المعرفة للطباعة والنشر، بيروت، لبنان)

[۳] (لسان الميزان لابن حجر العسقلاني: ۵/ ۱۰۰، الناشر: مؤسسة الأعلمي للمطبوعات، بيروت، لبنان)

[۴] (معجم الأدباء إرشاد الأريب إلى معرفة الأديب للحموي: ۶/ ۲۴۴۱، الناشر: دار الغرب الإسلامي، بيروت)

ترجمہ: امام خطیب رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ کسی اور کا قول ہے کہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ عوام کے خوف سے رات کے وقت دفن کیے گئے، کیوں کہ وہ "شیعیت" سے متہم تھے۔ (ترجمہ ختم)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ علمائے متقدمین وعلمائے متاخرین ہر دو کے نزدیک لفظ "شیعیت" کا مفہوم الگ الگ اور جدا جدا ہے۔

## لفظ "تشیع" کا مفہوم علمائے متقدمین کے نزدیک:

چنانچہ علمائے متقدمین کے نزدیک لفظ "شیعیت" کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دے وہ "شیعہ" ہے، البذا یہ بات عین ممکن ہے کہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اسی وجہ سے "شیعیت" کے نام سے متہم کیا جاتا ہے۔

## لفظ "تشیع" کا مفہوم علمائے متاخرین کے نزدیک:

اور علمائے متاخرین کے نزدیک "شیعیت" کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص خالص قسم کا رافضی ہو اُس کو "شیعہ" کہا جاتا ہے، جیسا کہ آج کل بھی ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

" فالتشيع في عرف المتقدمين هو اعتقاد تفضيل عليٍّ على عثمان وأن عليا كان مصيبا في حروبه وأن مخالفه مخطئٌ مع تقديم الشيخين و تفضيلهما وأما التشيع في عرف المتأخرين فهو الرفض المحض، فلا تقبل رواية الرافضي الغالي ولا كرامة ."[1]

ترجمہ: متقدمین کے عرف واصطلاح میں لفظ "تشیع" کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صرف (حضرت) عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دی جائے اور یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان جنگوں میں حق بجانب تھے اور اُن کے مخالف خطا پر تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ شیخین رضی اللہ عنہما کی تفضیل کے بھی قائل تھے (مگر پھر بھی انہیں "شیعہ" سمجھا جاتا تھا) جب کہ متاخرین کے نزدیک "شیعیت" خالص "رفض" کا نام ہے۔ لہٰذا نہ تو غالی رافضی کی روایت قبول کی جا سکتی

---

[1] (تهذيب التهذيب لابن حجر العسقلاني ١/ ٩٤، الناشر: مطبعة دائرة المعارف النظامية، الهند)

ہے اور نہ ہی اُس کی عزت کی جاسکتی ہے۔ (ترجمہ ختم)

اور اس بات کا اعتراف خود پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو بھی ہے۔

چنانچہ وہ بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"......متقدمین، سلف صالحین اور محدثین نے اُس شخص کو جو تمام اُصول وفروع میں اہل سنت والجماعت کے ساتھ متفق ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہے "شیعہ" قرار دیا ہے۔"[1]

اس میں شک نہیں کہ علمائے اہل سنت متقدمین، سلف صالحین اور علمائے علم حدیث نے اُس شخص کو جو تمام اُصول وفروع میں اہل سنت والجماعت کے ساتھ متفق ہو، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہو "شیعہ" قرار دیا ہے، لیکن بایں ہمہ اس سے اُس شخص کا اس معروف ومتداول شیعہ فرقہ کا فرد یا اس کا پیروکار ہونا لازم نہیں آتا جو کہ اہل سنت کے مقابلے میں ہے، اس لئے کہ لفظ "شیعہ" "مشایعت" بمعنی متابعت سے مشتق ہے جس کا معنی حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کا پیروکار ہونا ہے۔ اور چوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کے سچے اور اصل پیروکار اہل سنت والجماعت ہی ہیں، شیعہ حضرات خالی زبانی دعوی کی حد تک ان سے عقیدت ومحبت رکھتے ہیں اس لئے متقدمین علمائے اہل سنت کے نزدیک شیعہ مذہب کے وجود میں آنے سے پہلے لفظ "شیعہ" کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوا کرتا تھا جو حضرت علی یا حضرات اہل بیت کا پیروکار ہو۔ گویا شیعہ مذہب کے وجود میں آنے سے پہلے لفظ شیعہ اہل سنت والجماعت کا پرانا نام تھا لیکن جب بعد میں شیعہ مذہب وجود میں آگیا اور اس لفظ کا بکثرت اطلاق اس بدعتی، رافضی، اسماعیلی اور اہل بیت کے مخالف ٹولہ پر ہونے لگا تو حضرات اہل بیت کے اصل پیروکار لوگوں نے اس لفظ کا استعمال اپنے لئے کرنا ترک کر دیا اور انہوں نے اپنا نیا نام "اہل سنت والجماعت" رکھ لیا۔

چنانچہ علامہ قفاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"فالشيعة والتشيع والمشايعة في اللغة تدور حول معنى المتابعة والمناصرة والموافقة بالرأي والاجتماع على الأمر أو الممالأة عليه. ثم غلب هذا الاسم -كما يقوله صاحب اللسان، والقاموس، وتاج العروس-

---

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۱۱۸)

علي كل من يتولي عليا وأهل بيته وهذه الغلبة محل نظر ،ل أنه اذا تأمل الباحث في المعني اللغوي للشيعة والذي يدل علي المتابعة والمناصرة ، ثم نظر الي أكثر فرق الشيعة التي غلب اطلاق هذا الاسم عليها يجد أنه لايصح تسميتها بالشيعة من الناحية اللغوية ، لأنها غير متابعة لأهل البيت علي الحقيقة ، بل هي مخالفة لهم ومجافية لطريقهم. ولعل هذا ما لاحظه شريک بن عبد الله حينما سأله سائل :أيهما أفضل أبوبكر أو عليّ؟ فقال له: "أبوبكر" فقال السائل: "تقول هذا وأنت شيعيّ!" فقال له: "نعم! من لم يقل هذا فليس شيعيّاً والله لقد رقي هذا الأعواد علي ، فقال :الا ان خير هذه الأمة بعد نبيها أبوبكر ، ثم عمر ، فكيف نرد قوله وكيف نكذبه ؟ والله ما كان كذاباً. فالامام شريک لاحظ أن غير المتابع لعليّ لايستحق اسم التشيع ،لأن معني التشيع وحقيقته المتابعة . ولهذا آثر بعض الأئمة أن يطلق عليهم اسم الرافضة .وقد لجأ المتابعون ل أهل البيت عليٰ الحقيقة ، والذين كانوا يلقبون بالشيعة ، لجأوا اليٰ ترک هذا اللقب لماغلب اطلاقه عليٰ أهل البدع المخالفين لأهل البيت ،كما يشير صاحب التحفة الاثني عشرية الي ذلک فيقول :ان الشيعة الأولي تركوا اسم الشيعة لما صار لقباً للروافض والاسماعيلية ولقبوا أنفسهم بأهل السنة والجماعة ."[1]

ترجمہ:پس "شیعہ، تشیع اور مشایعت" متابعت ، مناصرت ، رائے میں موافقت کرنے ، کسی بات پر اجتماع کرنے یا کسی معاملہ میں مدد کرنے کے معنی کے ارد گرد گھومتا ہے۔

---

[1] (أصول مذهب الشيعة الامامية الاثني عشرية - عرض ونقد للقفاري :۱/ ۳۱-۳۲ ) و ( العواصم من القواصم في تحقيق مواقف الصحابة بعد وفاة النبي صلي الله عليه وسلم لابن العربي :۱/ ۲۷۴ ،الناشر :دار الجيل ،بيروت ،لبنان ) و ( آل رسول الله وأولياءه للمعاصي ۱/ ۱۲٤ ) و (مختصر التحفة الاثني عشرية :۱/ ۳۱۰ ، الناشر : المطبعة السلفية ،القاهرة ) و ( الشيعة والتشيع - فرق وتاريخ للشيخ احسان الهي ظهير :۱/ ۱٦۰ ، الناشر : ادارة ترجمان السنة ، لاهور ، پاكستان )

پھر اس لفظ کا غالب استعمال (صاحب لسان البیان، قاموس اور تاج العروس کی تصریحات کے مطابق) ہر اس شخص پر ہونے لگا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کو والی مقرر کرے۔ لیکن اس لفظ کا غالب استعمال محل نظر ہے۔ اس لئے کہ جب بحث کرنے والا شخص لفظ ''شیعہ'' اور اس لفظ کے لغوی معنی میں غور وفکر کرے جو متابعت اور مناصرت پر دلالت کرتا ہے، پھر شیعہ حضرات کے اُن اکثر وبیشتر فرقوں کی طرف دیکھے کہ جن پر اس نام کا غالب اطلاق ہوتا ہے تو اسے ایسے لگے گا کہ از روئے لغت لفظ ''شیعہ'' کا اطلاق ان پر درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ حضرات اہل بیت کے حقیقی پیروکار نہیں ہیں، بلکہ یہ ان کے مخالف ہیں اور ان کے راستہ سے ہٹ جانے والے ہیں۔ اور (یہ بھی) ہوسکتا ہے کہ شریک بن عبد اللہ نے یہ بات اس وقت ملاحظہ فرمائی ہو جب کہ ایک شخص نے آ کر ان سے یہ سوال کیا کہ: ''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں سے کون افضل ہے؟'' تو آپؒ نے فرمایا کہ: ابوبکر رضی اللہ عنہ افضل ہیں!'' سائل نے کہا: آپ شیعہ ہو کر یہ بات کیسے فرمار ہے ہیں؟'' آپ نے فرمایا: ''ہاں! جو شخص یہ بات نہ کہے وہ شیعہ ہی نہیں ہے۔'' اللہ کی قسم! حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف اور ان کا نظریہ بھی یہی تھا۔ پھر فرمایا: ''خبردار! نبی اکرم ﷺ کے بعد اس اُمت میں سب سے زیادہ بہترین شخص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر ہم کیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بات کو رد کر دیں یا اُسے جھٹلا دیں؟ حالاں کہ اللہ کی قسم! حضرت علی رضی اللہ عنہ جھوٹے نہیں تھے۔

امام شریک بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ملاحظہ فرمالیا کہ جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پیروکار نہ ہو، وہ اپنے لئے ''شیعہ'' نام رکھے جانے کا مستحق ہی نہیں، اس لئے لفظ ''شیعہ'' حقیقی معنی کسی کا پیروکار ہونا ہے اور اسی وجہ سے بعض ائمہ نے شیعوں کا ''رافضی'' نام رکھنا پسند کیا ہے۔ جب لفظ ''شیعہ'' کا غالب اطلاق بدعتیوں اور حضرات اہل بیت کے مخالف لوگوں پر ہونے لگا تو ان کے حقیقی پیروکاروں اور ان لوگوں نے کہ جن کا لقب شیعہ تھا، اس لفظ (شیعہ) کا استعمال کرنا اپنے لئے ترک کر دیا، جیسا کہ صاحب ''تحفۂ اثنا عشریہ'' نے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''لفظ ''شیعہ'' جب رافضیوں اور اسماعیلیوں کا لقب بن گیا تو

پہلے شیعہ لوگوں نے (اپنے لئے) اس لقب کو ترک کر دیا اور (آئندہ کے لئے مستقل طور پر) اپنا لقب "اہل سنت والجماعت" رکھ لیا۔" (ترجمہ ختم)

اسی طرح صاحب "ألفرق الاسلامية" لکھتے ہیں:

" وفي نظري أن تعريف الشيعة مرتبط أساساً باطوار نشأتهم ومراحل التطور العقدي لهم فالتشيع في العصر الأول غير التشيع فيما بعده. فعليٰ هذا يكون التعريف للشيعة في الصدر الأول: " أنهم يقدمون عليّاً عليٰ عثمان فقط. "[1]

ترجمہ: میرے خیال میں لفظ "شیعہ" کی تعریف بنیادی طور پر ان کے ابتدائی حالات اور ان کے مرحلہ وار ادلتے بدلتے عقائد ونظریات کے ساتھ مربوط ہے۔ پس پہلے زمانہ کے شیعہ اور تھے اور بعد کے زمانہ کے شیعہ اور ہیں۔ لہٰذا اس بات کی بنیاد پر لفظ "شیعہ" کی تعریف پہلے زمانہ میں یہ ہوگی کہ: "وہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر مقدم رکھتے تھے اور بس!۔

اس عبارت کے تحت نیچے حاشیہ میں فاضل حاشیہ نگار لکھتے ہیں:

" وهم وان سموا بالشيعة فهم من أهل السنة. لأن مسئلة عثمان و علي ليست من الأصول التي يضلل المخالف فيها. لكن المسئلة التي يضلل فيها هي مسئلة الخلافة. وقد كان بعض أهل السنة اختلفوا في عثمان وعليّ بعد اتفاقهم علي تقديم أبي بكر وعمر أيهما أفضل، فقدم قوم عثمان وسكتوا أو ربّعوا بعليٍّ، وقدم قوم عليّاً، وقوم توقفوا، لكن استقر أمر أهل السنة علي تقديم عثمان. "[2]

ترجمہ: پہلے زمانہ میں اگرچہ ان لوگوں کو شیعہ کہا جاتا تھا، لیکن در حقیقت یہی اہل

---

[1] (ألفرق الاسلامية: ۱/۴۷)

[2] (حاشية ألفرق الاسلامية: ۱/۴۷)

سنت والجماعت تھے، اس لیے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا مسئلہ اہل سنت کے ان اصولوں میں سے نہیں ہے کہ جن میں اختلاف کرنے والے شخص کی تضلیل کی جائے اور اُسے گمراہ قرار دیا جائے۔ اہل سنت والجماعت کے بعض علماء نے حضرات شیخین (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کو مقدم رکھتے ہوئے حضرات ختنین (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی باہمی افضلیت میں اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ بعض علماء نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مقدم رکھتے ہوئے سکوت سے کام لیا، یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چوتھا خلیفہ مانا ہے، اور بعض علماء نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مقدم رکھا ہے، جب کہ بعض دوسرے علماء نے اس بارے میں توقف اور سکوت اختیار کیا ہے۔ تاہم اہل سنت والجماعت کا مسلک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر مقدم ہونے پر مستقر ہوگیا۔ (ترجمہ ختم)

مذکورہ بالا عبارات سے دو چیزیں معلوم ہوئیں:

۱- ایک یہ کہ شروع اسلام کے زمانہ میں اہل سنت والجماعت کا پرانا نام "شیعہ" بمعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کے پیروکار لوگ تھا، لیکن جب اس نام کا غالب اطلاق اہل ہوا، اہل بدعت اور حقیقت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کے مخالفین پر ہونے لگا، جنہیں اس موجودہ دور میں "شیعہ" کہا جاتا ہے تو تب اہل سنت والجماعت نے اپنا یہ پرانا نام بدل کر اپنے لئے "اہل سنت والجماعت" کا ایک نیا نام منتخب کر لیا، لہٰذا اگر متقدمین علمائے اہل سنت میں سے کسی عالم کے بارے میں کہیں لفظ "شیعہ" لکھا ہوا نظر آئے تو اس سے اُس عالم کا اہل سنت والجماعت میں سے ہونا ہی مراد لیا جائے گا۔

اور دوسری یہ کہ جمہور اہل سنت کے مقابلہ میں جو بعض علماء حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقدم ہونے کے قائل ہیں تو وہ بھی "اہل سنت والجماعت" ہی میں سے ہیں "شیعہ" نہیں ہیں۔[۱]

نتیجہ:

پس مذکورہ بالا عبارات سے ثابت ہوگیا کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ شمس الدین ذہبی اور علامہ یاقوت حموی کے حوالے سے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کو جو موجودہ دور کا "رافضی شیعہ" ثابت کرنے

---

[۱] اس موضوع پر مزید تفصیلی کلام اور تحقیقی مباحث "علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ" کے عنوان کے تحت آرہا ہے۔ رفیع

کی ایما سے جو نیم اجتہادی، مذموم مساعی اور ناکام کوششیں کی ہیں وہ باطل، مردود اور نا قابل التفات ہیں۔

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ علمائے اہل سنت والجماعت کے ایک نابغہ روزگار مؤرخ، ایک نامور مفسر، ایک عظیم محقق اور ایک صحیح العقیدہ سچے اور پکے سُنی عالم دین ہیں۔

## امام طبری رحمۃ اللہ علیہ پر توہین آمیز روایات نقل کرنے کا الزام اور اُس کی حقیقت:

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ پر دوسرا مشہور اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ ان کی تفسیر "**جامع البیان فی تاویل القرآن**" اور اُن کی تاریخ "**تاریخ الملوک والأمم المعروف بتاریخ الطبري**" میں متعدد روایات ایسی پائی جاتی ہیں کہ جن سے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی شدید ترین توہین و تنقیص کا پہلو نکلتا ہے اور یہی نہیں بلکہ بعض انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف ایسے ایسے افعال اور واقعات منسوب کیے گئے ہیں جو سراسر عقیدہ عصمت انبیاء کے منافی ہیں۔

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں

> "امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر "جامع البیان فی تاویل القرآن" اور "تاریخ الأمم والملوک" میں متعدد روایات ایسی ملتی ہیں جن میں انبیائے کرام علیہم السلام اور صحابہ عظام رضی اللہ عنہم کی طرف ایسے ایسے افعال اور واقعات منسوب کیے گئے ہیں جو سراسر عقیدہ عصمت انبیاء اور محفوظیت صحابہ عظام رضی اللہ عنہم کے منافی ہیں..... حالاں کہ انبیائے کرام علیہم السلام بعد از نبوت ہی نہیں بلکہ قبل از نبوت بھی صغائر و کبائر سے پاک ہوتے ہیں۔ اس عقیدہ کے برعکس تفسیر طبریؒ میں منقول موضوع اور اسرائیلی روایات کی رُو سے انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف قصداً وعمداً انتہائی خسیس اور گھٹیا صغائر و کبائر کی نسبت کرنا پڑتی ہے۔..... کیا اس موقع پر یہ جواب کہ: "وہ سند لکھ کر بری الذمہ ہو گئے ہیں۔" بجائے خود "توہین و گستاخی" نہیں ہے؟۔".... بہر حال تصدیق کنندگان کا یہ جواب کہ امام طبریؒ "سند" بیان کرنے کے بعد بری الذمہ ہو گئے ہیں' قرآن وحدیث ﴿یا ایها الذین آمنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا﴾ و ﴿کفی بالمرء کذباً أن یحدث بکل ما سمع﴾ کی صریح مخالفت ہے۔[1]

---

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۲۷۰ - ۲۷۲)

## امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کا اپنی تاریخ وتفسیر میں توہین آمیز روایات نقل کرنے کی حقیقت:

اس سلسلہ میں بنیادی بات یہ ہے کہ زمانہ خیر القرون میں نقل حدیث وروایت میں تقریباً تمام متقدمین، مفسرین، محدثین اور مورخین کا طریقہ کار یہ رہا ہے کہ وہ ایک باب سے متعلق تمام احادیث وروایات ان کی سند کے تذکرے کا سہارا لے کر لاتے تھے، ان کی سند صحیح ہو یا نہ ہو یا ان کی سند کے باطل ہونے کا انہیں علم بھی ہو اس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا، اس لئے کہ سند کا ذکر کرنا احادیث وروایات کے نقل کرنے سے مواخذہ سے انہیں بری کر دیتا تھا کیوں کہ اس زمانے میں اسانید کا علم لوگوں کے سینوں میں مکمل طور پر محفوظ تھا، وہ جب بھی کسی سے کوئی حدیث یا روایت نقل کرتے تھے تو فوراً سند کی کسوٹی پر اس کی صحت وسقم کو پرکھ لیتے تھے، اگر سند صحیح ہوتی تو اس حدیث یا روایت کو صحیح مان لیتے اور اگر سند صحیح نہ ہوتی تو اس حدیث یا روایت کو ٹھکرا دیتے تھے۔ اس لئے سند کے ذکر کردینے سے نقل حدیث وروایت کے سلسلے میں وہ حضرات مکمل طور پر ہر طرح کے مواخذہ سے بری تھے۔

گویا اس زمانے میں احادیث وروایات کی صحت وسقم کو پرکھنے کا معیار اور تھا اور اس زمانے میں اور ہے اس لیے آج کل کے زمانے کو اس زمانے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

علمائے اہل حدیث کا اس بات پر اتفاق ہے کہ "علم حدیث" میں علامہ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ کے مقدمہ کی حیثیت بنیادی سی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ: "مسند ابوداؤد طیالسیؒ، مسند عبید اللہ بن موسیٰ، مسند امام احمد بن حنبلؒ، مسند اسحاق بن راہویہؒ، مسند عبد بن حمیدؒ، مسند امام دارمیؒ، مسند ابو یعلی موصلیؒ، مسند حسن بن سفیانؒ، مسند بزار ابو بکرؒ اور ان جیسی کتابوں میں اُن کے مصنفین کی عادت یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر صحابی کی مسند میں اُس کی روایت کردہ احادیث لائیں چاہے وہ احادیث حجت بنیں یا نہ بنیں (اس کی کوئی قید نہیں ہے)۔"

اس کی وضاحت کرتے ہوئے ماضی قریب کے عظیم محقق اور نامور محدث شیخ عبد الفتاح ابوغدۃ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۴۱۷ھ) لکھتے ہیں:

"وهذا الذي قال ابن الصلاح في عادة أصحاب المسانيد: هو شأن المتقدمين من المحدثين والمفسرين والمؤرخين، فقد جرت عادتهم أن يوردوا كل ما في الباب من الأحاديث والأخبار، ولو كان خبر صحيح الإسناد، أو كان إسناده باطلاً يعلمون بطلانه، اتكالاً منهم على ذكر سنده

فان ذكر السند يُبرئ الذمة من المؤاخذة في ايراده، اذ قد كان (علم الاسناد) يعيش فيهم على أتمّ وجه. وما أحسن ما قاله الأستاذ السيد محب الدين الخطيب في كلمة له في (مجلة الأزهر) في المجلد ٢٣ (ص ٢٣١) عنوانها: " (والمرجع الأولى في تاريخنا) . و بدأ فيها بالحديث عن كتاب (تاريخ الأمم والملوك) للامام المحدث المفسر المؤرخ ابن جرير الطبري رحمه الله تعالى، فقال: "ان مثل الطبري ومن في طبقته من العلماء الثقات المتثبتين - في ايرادهم الأخبار الضعيفة - كمثل رجال النيابة - القضاء - الآن اذا أرادوا أن يبحثوا في قضية فانهم يجمعون كل ما تصل اليه ايديهم من الأدلة والشواهد المتصلة بها مع علمهم بتفاهة بعضها او ضعفه اعتماداً منهم على أن كل شيْ سيقدر قدره. وهكذا الطبري وكبار حملة الأخبار من سلفنا كانوا لا يفرطون في خبر مهما علموا من ضعف ناقله خشية أن يفوتهم باهماله شيْ من العلم ولو من بعض النواحي، الا أنهم يوردون كل خبر معزوّاً الى راويه، ليعرف القارئ قوة الخبر من كون رواته ثقات أو ضعفه من كون رواته لا يوثق بهم وبذلك يرون أنهم أدوا الأمانة ووضعوا بين أيدي القرّاء كلّ ما وصلت اليه ايديهم.

قال الحافظ ابن حجر في ترجمة الطبراني: - سليمان بن أحمد - من (لسان الميزان) ان الحفاظ الأقدمين يعتمدون في روايتهم الأحاديث الموضوعة -مع سكوتهم عنها- على ذكرهم الأسانيد لاعتقادهم أنهم متى أوردوا الحديث باسناده فقد برئوا من عهدته، واسندوا امره الى النظر في اسناده.

وقال شيخنا الامام الكوثري رحمه الله تعالى في كتابه (المقالات، ص ٣١٢ و ٣٦١):

"و اما المحدثون و المفسرون الذين ذكروه – اي الحديث الموضوع – و سكتوا عليه فلا يدل صنيعهم هذا علي صحته عندهم اصلاً، لأن السلف كانوا يعتقدون براءة ذمتهم من عهدة الخبر الباطل اذا ذكروه بسنده لما في السند من بيان البطلان...... ومن يزعم خلاف ذلک فقد جهل ما هنالک وقول تقويل بلا آفک !."

وابن جرير الطبري علىٰ جلالة قدره في الحديث والتفسير والفقه والتاريخ لم يضمن اصلاً صحة ما اورده في (تاريخه)، بل قال في فاتحته: (۱/۵): "فما كان في كتابي يستنكره قارئه او يستشنعه سامعه من أجل انه لم يعرف له وجهاً في الصحة، ولا معنىً في الحقيقة، فليعلم أنه لم يؤت ذلک من قبلنا، وانما أُتي من قبل بعض ناقليه الينا، وانما أدينا ذلک علىٰ نحو ما أُدّي الينا." وقال هناک أيضاً: (۱/۳): "اذ لم نقصد بكتابنا هذا قصد الاحتجاج."[1]

ترجمہ: اوپر جس بات کا ذکر علامہ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ نے "اصحاب مسانید" کے بارے میں کیا ہے، یہی قدیم مفسرین، محدثین اور مؤرخین کا شیوہ رہا ہے، کیوں کہ اُن عادت یہ تھی کہ وہ ایک باب سے متعلق تمام احادیث واخبار ان کی سند کا سہارا لے کر ذکر کرتے ہیں، چاہے ان کی سند صحیح ہو یا صحیح نہ ہو یا ان کی سند کے باطل ہونے کا انہیں علم ہو، اس لئے کہ سند کا ذکر کرنا ان روایات کے لانے پر مؤاخذہ سے انہیں بری کر دیتا ہے، کیوں کہ ان کے زمانہ میں علم الاسناد مکمل طور پر سینوں میں محفوظ ہوتا تھا۔

استاذ سید محب الدین خطیب نے (مجلۃ الازہر: ج ۲۴ ص ۲۲۳) کے شمارہ میں "ہماری تاریخ میں پہلے مراجع" کے زیر عنوان "امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب "تاریخ الامم والملوک" پر روشنی ڈالتے ہوئے کتنی سچی بات لکھی ہے کہ

---

[1] (التعليقات الحافلة على الأجوبة الفاضلة لأبي غدة ص ۹۱)

"امام طبری رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے طبقے کے دوسرے معتبر اور جید علماء کے ضعیف روایات نقل کرنے کی مثال آج کل کے دور میں عدالتی پروسیکوٹر کی سی ہے کہ جب وہ کسی مقدمہ کی تحقیق کر رہے ہوتے ہیں تو اس سے متعلقہ دست یاب ہونے والے تمام دلائل اور شواہد اکٹھا کرتے ہیں۔ حالاں کہ انہیں ان میں سے بعض کے بودے اور ضعیف ہونے کا خوب اچھی طرح علم بھی ہوتا ہے، لیکن وہ اس اعتماد پر اسے نقل کر لیتے ہیں ہر چیز کو (خود ہی) اس کی قدر و قیمت کے مطابق تول لیا جائے گا۔"

اسی طرح امام طبری رحمۃ اللہ علیہ اور اُن جیسے دوسرے حاملین روایات ہمارے اسلاف اپنے تک پہنچنے والی کسی خبر کے بارے میں ضعف جاننے کے باوجود اس روایت میں اس وجہ سے تفریط نہیں کرتے تھے کہ اسے چھوڑ دینے سے علم کا کوئی پہلو پوشیدہ نہ رہ جائے۔ البتہ اتنا ضرور کرتے ہیں کہ وہ ہر ایک روایت کو اس کی سند کے ساتھ لاتے ہیں تاکہ قاری معتبر راویوں کی پہچان کی بنیاد پر اس روایت کی مضبوطی کو جان سکے (اور اسے پرکھ سکے) یا پھر غیر معتبر راویوں کی بنیاد پر اس کے ضعیف اور کمزور ہونے کا فیصلہ کرلے۔ اس طرح وہ حضرات سمجھتے تھے کہ ان کے ہاتھوں تک جو کچھ پہنچا ہے انہوں نے اپنے پڑھنے والوں تک (خوب) دیانت داری کے ساتھ پہنچا دیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب "لسان المیزان" میں امام سلیمان بن احمد طبرانی کے تذکرے میں لکھا ہے کہ: "متقدمین حفاظ حدیث موضوع اور من گھڑت احادیث ان کی سندوں کے ساتھ روایت کر کے ان پر سکوت اختیار کر لیتے تھے، کیوں کہ انہیں خوب اچھی طرح سے یہ بات معلوم تھی کہ جب انہوں نے ایک حدیث سند کے ساتھ روایت کردی ہے تو وہ اپنے عہدے سے برآ ہو گئے ہیں۔ چنانچہ وہ اس روایت (کی صحت و سقم) کا معاملہ اس کی سند میں غور و خوض کرنے کی طرف پھیر دیتے تھے۔"

ہمارے استاذ علامہ زاہد کوثری رحمۃ اللہ علیہ اپنے "مقالات" میں فرماتے ہیں کہ:
"رہے محدثین اور مفسرین کہ جو موضوع اور من گھڑت حدیث ذکر کر کے اس پر سکوت اختیار

کر لیتے ہیں، تو اس کا (ہرگز) یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہے۔ کیوں کہ سلف صالحین (محققین علمائے کرام) یہ سمجھتے تھے کہ جب وہ ایک غلط، ضعیف اور کمزور روایت کو (بھی) سند کے ساتھ ذکر کردیں تو وہ اس غلط، ضعیف اور کمزور روایت کے نقل کرنے کے عہدہ سے برآ ہوجاتے ہیں، اس لئے کہ سند کے اندر (ہی) اس روایت کے باطل ہونے کا ذکر موجود ہوتا ہے۔ ..... اور جو شخص اس کے خلاف سمجھے تو وہ ابھی تک اس (حقیقت) سے جاہل ہے اور (ان حضرات کے بارے میں) اس کا یہ گمان ان پر بہتان لگانے کے مترادف ہے۔

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کی جلالت شان حدیث، تفسیر، فقہ اور تاریخ میں بالکل اس بات کی ضمانت نہیں دیتی کہ انہوں نے جو روایات اپنی تاریخ میں نقل کی ہیں وہ ساری کی ساری صحیح ہوں، بلکہ انہوں نے تو خود اپنی تاریخ کے شروع میں لکھا ہے کہ:

"لہٰذا ہماری اس کتاب (تاریخ طبریؒ) میں کسی خبر و روایت کو پڑھنے والا اجنبی محسوس کرے، یا سننے والا قبیح قرار دے صرف اس بناء پر کہ وہ اس روایت کو درست نہیں سمجھتا تو اسے جان لینا چاہیے کہ ہم نے اپنی طرف سے کوئی ملمع سازی یا رنگ آمیزی نہیں کی، بلکہ بعض ناقلین سے وہ ہمیں اسی طرح آپہنچی ہے، پس ہم نے اس کو اسی طرح آگے لکھ دیا جس طرح وہ ہم تک پہنچی ہے۔" (ترجمہ ختم)

علاوہ ازیں صحیحین (بخاری و مسلم) کے علاوہ حدیث کی جو دیگر بڑی بڑی کتابیں جیسے جامع ترمذی، سنن ابو داؤد، سنن دار قطنی، سنن دارمی اور مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ ہیں تو انہوں نے اپنی کتابوں میں صرف صحیح روایات کے لانے کا التزام نہیں کیا، بلکہ انہوں نے ہر قسم کی روایات کو اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کی اسناد بھی ذکر کردیں تاکہ روایات کی صحت و سقم کا اندازہ قارئین از خود ان کی اسناد سے لگاسکیں کہ اگر کسی روایت کی سند صحیح ہو تو اسے قبول کرلیں اور اگر صحیح نہ ہو تو اسے رد کردیں۔

چنانچہ امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی صرف صحیح روایات کو نقل کرنے کا اہتمام نہیں کیا ہے بلکہ جو روایت ان تک پہنچتی گئی انہوں نے اس روایت کو اس کی سند کے ساتھ من وعن نقل کردیا اور یہ ذمہ داری قاری پر چھوڑ

دی کہ وہ جس روایت کی سند صحیح پائے اسے صحیح قرار دے اور جس روایت کی سند صحیح نہ پائے اسے رد کر دے۔

## طرفہ تماشا:

لیکن یہ ایک عجیب طرفہ تماشا ہے کہ اگر یہی کام مذکورہ بالا محدثین امام ترمذیؒ، امام ابوداؤدؒ، امام دارقطنیؒ، امام دارمیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ حضرات کریں تو وہ محمود قرار پائیں اور اگر امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کریں تو وہ مطعون اور رافضی قرار پائیں؟۔ خدایا! یہ کیا تماشا ہے؟۔ اس کے بارے میں ہم پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب سے اتنا ہی عرض کریں گے کہ:

**فما هو جوابكم فهو جوابنا.**

باقی رہا پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا یہ کہنا کہ:

''..... بہرحال تصدیق کنندگان کا یہ جواب کہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ ''سند'' بیان کرنے کے بعد بری الذمہ ہو گئے ہیں' قرآن وحدیث ﴿ يا ايها الذين امنوا ان جاءكم فاسق بنبأ فتبينوا ۔۔۔ ﴾ و ﴿ كفى بالمرء كذبا ان يحدث بكل ما سمع ﴾ کی صریح مخالفت ہے۔''[1]

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۳۷، ۳۸)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کا محض سند بیان کر کے بری الذمہ ہو جانے سے اس وقت قرآن وحدیث کی مخالفت لازم آتی جب کہ وہ اپنی منقول شدہ روایات وواقعات پر کلی اعتماد کر کے آنے والی اُمت کے لئے انہیں حرف آخر کے طور پر پیش فرما دیتے، حالاں کہ انہوں نے اپنے صاف اور واشگاف الفاظ میں لکھا ہے:

" اذ لم نقصد بكتابنا هذا قصد الاحتجاج بذلك "[1]

ترجمہ: اس کتاب (تاریخ طبریؒ) کے لکھنے کا یہ مقصد نہیں کہ لوگ اسے بطور حجت اور دلیل کے پیش کرنے کا قصد کرنے لگ جائیں۔ (ترجمہ ختم)

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی اس بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے عصر حاضر کے نامور محقق مولانا عبد المتین منیری صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

---

[1] (تاريخ الأمم والملوك المعروف بتاريخ الطبري: ۱/ ۷، الناشر: دار التراث، بيروت)

''جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ انہوں نے یہ کتاب اس لیے نہیں مرتب کی تاکہ لوگ اس سے سند لیں اور حجت پکڑیں، بلکہ ان تک جو پہنچا' آ سند و تسلسل کے لئے من وعن پیش کرکے علم و روایت کی حفاظت کی اپنی ذمہ داری ختم کر دی۔ اب تحقیق کے مرحلوں سے گزار کر اسے مستند بنانا آپ کا کام ہے۔''

(بشکریہ ویب سائٹ ''فکر و تدبر'' بھٹکل (انڈیا)

چنانچہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کی تحقیق اور اُن کی اسانید کی صحت پر علمی دُنیا میں کافی تحقیقی کام ہوا بھی ہے اور ہو بھی رہا ہے۔

بطور مثال کے چند نمونے پیش خدمت ہیں:

﴿۱﴾...... ''تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة من روايات الامام الطبري والمحدثين.'' تصنیف: ڈاکٹر امحزون، صفحات ۶۹۴۔

اس کتاب میں صحابہ ﷺ کے مابین دور فتنہ سے متعلق امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی جملہ روایات و دیگر محدثین کی نقل کردہ روایات سے موازنہ کر کے ایک ایک راوی اور ایک ایک واقعہ پر سیل حاصل بحث کی گئی ہے۔

﴿۲﴾...... ''مرويات أبي مخنف في تاريخ الطبري.'' تصنیف: یحییٰ بن ابراہیم بن علی الیحیی، صفحات: ۲۵۸۔

اس کتاب میں ''تاریخ طبری'' کے اہم ضعیف راوی ابو مخنف کی ایک ایک روایت کی چھان بین اور اس کی تحقیق کی گئی ہے۔

﴿۳﴾...... ''رجال تفسير الطبري جرحاً وتعديلاً'' تصنیف: محمد صبحی بن حسن الحلاق، صفحات ۷۰۸۔

اس کتاب میں تفسیر طبریؒ کے جملہ راویوں کی فرداً فرداً تحقیق کی گئی ہے۔ اور اس سلسلے میں دو عظیم علماء ''شیخ احمد شاکر'' اور ''شیخ محمود شاکر'' کی رائے بیان کی گئی ہے۔

﴿۴﴾...... ''صحيح تاريخ الطبري وضعيف تاريخ الطبري.'' تصنیف: محمد طاہر البرزنجی، اشراف: محمد صبحی حسن حلاق۔

تیرہ (۱۳) جلدوں میں مطبوعہ اس کتاب میں امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک ایک روایت کے بارے میں اُس کے صحیح یا ضعیف ہونے کے متعلق تفصیلات فراہم کی گئی ہیں۔

اس طرح طبری کی سند کے ایک ایک راوی اور روایت کردہ واقعات کی تحقیق کی گئی ہے اور اُن کا موازنہ مستند محدثین کی روایات سے کیا گیا ہے۔

خاص طور پر سعودیہ کی یونی ورسٹیوں میں ان موضاعات پر ڈاکٹریٹ کے لئے تحقیقی مقالات تیار ہوئے ہیں اور اس کے علاوہ اور کئی یونی ورسٹیوں میں ان تشنہ موضوعات پر باقاعدہ مقالات لکھے جارہے ہیں۔'' [1]

حیرت ہے کہ ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں حاصل کرنے والے ان مقالہ نگاروں میں سے کسی ایک مقالہ نگار اور محقق کے ذہن میں بھی اس وسوسہ کا شائبہ تک نہ گزرا کہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تمام تر روایات جمع کر کے عظیم صحابی کاتب وحی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی گستاخی اور اُن پر تنقید کی ہے؟۔

---

[1] (بشکریہ ویب سائٹ ''فکر ونظر'' جنگل (انڈیا) معمولی تغیر یسیر)

﴿۳﴾

# مفسر قرآن امام ابوبکر الجصاص الرازی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ

## (المتوفی ۳۷۰ھ)

## نام ونسب:

آپ کا نام نامی اسم گرامی: احمد، کنیت: ابوبکر، لقب: جصاص، اور والد کا نام: علی ہے۔ پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:

''احمد بن علی بن حسین...... الخ۔''

''جص'' عربی میں ''چونے'' کو کہتے ہیں اور آپؒ چوں کہ ''چونے'' کا کام کرتے تھے اس لئے ''جصاص'' کے لقب سے مشہور ہوئے، اور چوں کہ آپ کی ولادت ''رے'' نامی شہر میں ہوئی تھی، اس لئے ''رازی'' بھی کہلانے لگے، نیز چوں کہ آپؒ ''حنفی المذہب'' بھی تھے اس لئے حنفی بھی کہلانے لگے۔ آپؒ بجا طور پر امام زمانہ، مجتہد وقت، علامۂ عصر، حافظ الحدیث، صاحب عفت و دیانت اور عابد و زاہد عالم تھے۔

## ولادت باسعادت:

امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ ۳۰۵ھ بمطابق ۹۱۷ء کو پیدا ہوئے، اور پچیس سال کی عمر میں بغداد کی طرف منتقل ہوگئے، وہیں سکونت اختیار کی، اور وہیں کے فقہاء سے علم حاصل کیا، اور آپؒ ہی پر ''ریاست حنفیہ'' منتہی ہوتی ہے۔

## علمی مقام:

بعض علماء نے آپ کو ''طبقۂ اصحاب تخریج'' میں شمار کیا ہے، لیکن یہ آپؒ کی ذات کے ساتھ انصاف نہیں

ہے، چنانچہ بعض فضلاء نے آپ کو "طبقہ اصحاب تخریج" میں شمار کرنے کو درحقیقت آپ پر ظلم کرنے کے مترادف گردانا ہے اور کہا ہے کہ اگر آپ کی گراں قدر تصانیف اور علمی خدمات کو سامنے رکھا جائے تو شمس الائمہ وغیرہ فقہاء جن کو ﴿اصحاب مجتهدین فی المسائل﴾ میں شمار کیا گیا ہے آپ کے سامنے بمنزلہ طفل دبستان کے نظر آتے ہیں، لہٰذا ایسی صورت میں آپ کو کیوں کر ﴿طبقة مجتهدین فی المسائل﴾ میں شمار نہ کیا جائے؟۔

## تقویٰ وطہارت:

علامہ قرشی رحمۃ اللہ علیہ نے خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب کے امام تھے، زہد وتقویٰ میں آپ مشہور تھے، آپ کو عہدۂ قضاء سونپا گیا، لیکن آپ نے اُس کو قبول سے انکار کردیا، دوبارہ عہدہ سونپا گیا، لیکن پھر بھی آپ نے قبول نہیں فرمایا۔

## اساتذہ وشیوخ:

امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجۂ ذیل اصحاب علم اور ارباب فضل وکمال کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیے:

﴿۱﴾ ابی سہل الزجاج۔

﴿۲﴾ ابوالحسن الکرخی۔

ان کے پاس آپ کافی لمبا عرصہ رہے اور انہیں کے یہاں سے سند فراغت حاصل کی۔

علامہ صیمری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ بغداد میں تدریس کرتے رہے اور وہیں ان کی رحلت ہوئی۔ زہد، تقویٰ اور پرہیزگاری میں اپنے اسلاف کے نقش قدم پر گامزن رہے۔ پچیس برس کی عمر میں آپ بغداد کی طرف روانہ ہوئے اور امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ سے تحصیل علم کیا، پھر "اہواز" کی طرف روانہ ہو گئے، پھر دوبارہ "بغداد" تشریف لائے اور پھر اپنے استاذ ابوالحسن الکرخی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے اور مشورے سے امام حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ "نیشاپور" چلے گئے، اور ابھی آپ "نیشاپور" ہی میں تھے کہ امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا۔ ۳۴۰ھ میں پھر "بغداد" واپس تشریف لائے اور امام ابوبکر احمد بن موسیٰ خوارزمیؒ، امام ابوعبداللہ محمد بن یحییٰ بن مہدیؒ فقیہ جرجان، امام قدوریؒ کے استاذ امام ابوالفرج احمد بن محمد بن عمرؒ (جو کہ ابن مسلمہ کے لقب سے مشہور ہیں) امام ابوجعفر محمد بن احمد نسفیؒ، امام ابوالحسین محمد بن احمد بن احمد الزعفرانیؒ، اور امام ابوالحسین محمد بن احمد الطیب الکماریؒ

قاضی واسط قاضی اسمٰعیل کے والدؒ سے علم فقہ حاصل کیا۔

جب کہ حدیث کی روایت دو اساتذہ سے کی:

(۱) عبدالباقی بن قانع۔

اپنی آپ تفسیر "احکام القرآن" میں آپؒ نے بہ کثرت روایات ان سے اخذ کیں۔

(۲) ثعلب کے غلام ابوعمر۔

## تصانیف:

امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ کی چند اہم اور گراں قدر تصانیف یہ ہیں:

﴿۱﴾ احکام القرآن ﴿۲﴾ شرح مختصر شیخ ابوالحسن الکرخی ﴿۳﴾ شرح مختصر الطحاوی ﴿۴﴾ شرح جامع محمد بن حسن ﴿۵﴾ شرح اسماء الحسنیٰ ﴿۶﴾ کتاب اصول (علامہ ... رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصول فقہ میں یہ ایک مفید کتاب ہے۔) ﴿۷﴾ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراضات اور اُن کے جوابات (یعنی اپنے اوپر وارد ہونے والے اعتراضات کے جوابات)

## وفات حسرت آیات:

علامہ ابن النجار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے پینسٹھ (۶۵) برس کی عمر پا کر یوم دو شنبہ (پیر کے دن) ۷ ذی الحجہ ۳۷۰ھ کو بمقام نیشاپور وفات پائی (اور اس طرح علم کا یہ ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگیا۔) آپؒ کی نماز جنازہ آپؒ کے ساتھی امام ابوبکر الخوارزمی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی۔[۱]

## امام ابوبکر الجصاص اور اُن کی تفسیر "احکام القرآن":

اس میں شک نہیں کہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر "احکام القرآن" اس باب میں کوئی پہلی تصنیف نہیں ہے، بلکہ آپؒ سے پہلے بھی کئی علماء نے اس موضوع پر قابل قدر کام کیا ہے، لیکن آپؒ کی یہ تصنیف "احکام القرآن" اس موضوع اور اس فن میں تصنیف شدہ دیگر تمام تفاسیر سے کئی ایک وجوہ کی بناء پر ممتاز اور فائق شمار کی جاتی ہے مثلاً

۱- آیات احکامات سے شرعی مسائل کے استنباط کرنے میں امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کا ملکہ اور قوۃ پر نسبت

---

[۱] (الجواهر المضية في طبقات الحنفية للقرشي، ۱/۸۵، الناشر: مير محمد كتب خانه، كراتشي، الباكستان)

دوسرے علماء کے کہیں زیادہ ہے۔

۲-امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ آیات احکامات سے مسائل مستنبط کرتے کے ساتھ ساتھ علماء کا اختلاف بھی ذکر کرتے ہیں، پھر اس سے قرآن وسنت اور لغات عربیہ اور اپنی فکری ونظری قوت سے خوب شرح وبسط کے ساتھ دلائل ذکر کرتے ہیں۔

۳-پھر صرف یہی نہیں بلکہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ اپنے مجتہدانہ علم وفضیلت کی روشنی میں ان دلائل کی توجیہات اور مرجوح دلائل کا مرجوح اور راجح کا راجح ہونا بھی بیان فرماتے ہیں۔

۴-امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ مسائل شرعیہ سے متعلقہ آیات کی تفسیر بڑی بالغ نظری سے فرماتے ہیں۔

۵-جہاں کہیں قرآن وحدیث یا ائمہ مجتہدین کی آراء کا کوئی تعارض یا ٹکراؤ آجائے تو امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ اُن میں بڑے اہتمام سے تطبیق دیتے ہیں۔

۶-امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ جہاں اسلامی اور تشریعی اُمور کے مظاہر ومحاسن بیان فرماتے ہیں تو وہیں کسی عالی مقام شخصیت کے صفات محمودہ کا بھی ذکر فرماتے ہیں۔

مثلاً ایک جگہ اسلامی اور تشریعی مظاہر محاسن بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "دس چیزیں فطرت سے ہیں ..." اور پھر اُس کے بعد دو عالی مقام انسانوں (انبیاء) کی صفات محمودہ کا ذکر کیا ہے کہ یہ مذکورہ دس فطری چیزیں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنتوں سے ثابت ہیں۔

۷-امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ تاریخ سے متعلقہ تمام چیزوں کے ذکر کرنے کا غایت درجہ اہتمام فرماتے ہیں۔

یہ چند خصوصیات اس کتاب کی ایسی ہیں جن میں کوئی دوسری کتاب اس کی ہمسری نہیں کر سکتی۔

## امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ حاسدین ومعاندین کے نشانے پر:

لیکن ان تمام تر فضائل اور ظاہری وباطنی خوبیوں کے باوجود دشمنوں اور حاسدوں کی طعن وتشنیع سے آپ کسی طرح بھی بچ نہ سکے، کسی نے آپ پر معتزلی ہونے کا الزام لگایا ہے تو کسی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقد ہونے کا۔

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''موصوف (امام جصاصؒ) معتزلی عقائد سے متاثر تھے اور اُن کا یہ رجحان اُن کی تفسیر میں صاف جھلکتا ہوا دکھائی دیتا ہے، امام ابوبکر جصاص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف بغض وعناد میں جملہ ''دشمنان معاویہ رضی اللہ عنہ'' سے سبقت لے گئے ہیں، موصوف کی تفسیر ''احکام القرآن'' کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے قلم نے ''بغض معاویہ رضی اللہ عنہ'' کا زہر بکھیرا ہے:

''صدق الله مولانا العظيم قد بدت البغضاء من افواههم وما تخفي صدورهم اكبر'' ---- ''ترجمہ: ظاہر ہو چکا ہے بغض اُن کے مونہوں سے اور جو چھپا رکھا ہے اُن کے سینوں نے وہ اس سے بھی بڑا ہے۔

- محقق اہل سنت اور شیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ راولپنڈی مولانا ابوریحان عبدالغفور صاحب سیالکوٹی لکھتے ہیں:

''معلوم ہوتا ہے کہ ان (امام جصاصؒ) کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے خدا واسطے کا بیر اور بغض ہے، احکام القرآن میں کوئی موقع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر چوٹ کرنے کا ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، جہاں ذرا سا بھی موقع ملتا ہے ان پر ضرور چوٹ کرتے ہیں، بلکہ موقع نہ ہو تو موقع نکال لیتے ہیں۔

ان کے نزدیک چوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قابل ''تولّی'' نہیں بلکہ ہیں ہی قابل تبرا، اس لئے باایں ہمہ علم وفضل اور امامت واجتہاد اپنے مقام رفیع سے کہیں نیچے اتر کر ان پر خوب تبرا کرتے ہیں، چوں کہ مجتہد ہیں اس لئے اُن کا یہ تبرا بھی مجتہدانہ شان کا حامل ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایسا تبرا نہ اُن سے پہلے آپ نے کسی سُنی حنفی امام سے سُنا ہوگا نہ اُن کے بعد۔''[1]

## امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراضات کا علمی وتحقیقی جائزہ:

اس میں شک نہیں کہ امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کی معرکۃ الآراء تصنیف ''احکام القرآن'' میں بعض باتیں ایسی ضرور موجود ہیں کہ جن پر بظاہر نقد کا اطلاق کیا جاسکتا ہے، لیکن اس سے پہلے کہ ہم بادی النظر میں لکیر

[1] (سیاسی فتنہ طبع دوم ص ۶۲۰، ۶۲۱، بحوالہ۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۹۴)

کے فقیر بن کر آپؒ پر طعن وتنقید اور خواہ مخواہ اعتراضات کی بوچھاڑ کرنا شروع کردیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپؒ کی بعض ایسی باتوں کا تحقیق کی گہرائی میں جاکر علمی وتحقیقی کا جائزہ لیں، اور اُن کی اصلیت سامنے لے کر آئیں۔

چنانچہ جن باتوں کی وجہ سے آپؒ عرصۂ دراز سے طعن وتنقید کا ہدف اور نشانہ بنتے چلے آئے ہیں وہ باتیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔بعض مسائل میں آپؒ معتزلی مذہب سے متاثر تھے۔

۲۔حنفی مذہب کے ساتھ آپ کا گہرا تعلق رہا، جسے بعض لوگ "تعصبِ مذہبی" بھی کہہ دیتے ہیں۔

۳۔بعض علمی شخصیات کے متعلق آپؒ کا موقف تھوڑا بہت سخت رہا۔

۴۔تفسیری میدان میں آپؒ نے کثرتِ استطراد سے کام لیا۔ ("استطراد" اس کو کہتے ہیں کہ ایک کلام کو اس طرح بیان کرنا کہ اُس سے کوئی دوسرا کلام لازم آئے۔)

۵۔بعض راویوں پر آپؒ نے بلادلیل جرح وتنقید کی۔

۶۔قرآنی آیات کی تفسیر آپؒ نے بعض ضعیف احادیث سے کردی اور اُن احادیث کا ضعیف ہونا بتلایا تک نہیں۔

چوں کہ ہماری اس کتاب کا موضوع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات کے متعلق اکابر علمائے اہلِ سنت کی عبارات کا دفاع کرنا ہے، اس لئے موقع ومحل کی مناسبت سے ہم یہاں صرف امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ پر کیے جانے والے اُن ہی اعتراضات کا جواب دیں گے جن میں پہلے آپؒ کو معتزلی اور پھر اعتزال کی آڑ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد وگستاخ ٹھہرایا گیا ہے۔ رہے دوسرے اعتراضات تو اُن کا جواب اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو ہم اپنی دوسری کتاب "عباراتِ اکابر" میں پیش کریں گے۔

## بعض مسائل میں امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کے معتزلی مذہب سے متاثر ہونے کی حقیقت:

پہلا اعتراض امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ پر یہ کیا جاتا ہے کہ بعض علماء نے آپؒ کو فکری اور نظریاتی طور پر "معتزلی افکار ونظریات" سے متاثر لکھا ہے۔

چنانچہ مشہور حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ آپؒ کے تمام تر کمالاتِ جمیلہ واوصافِ حمیدہ اور آپؒ کے عالم وزاہد اور متقی وپرہیزگار ہونے اور آپؒ کے قاضی القضاۃ جیسے بڑے منصب کو ٹھکرانے کا اجاطور پر اعتراف کرتے

کے بعد لکھتے ہیں:

"وقيل: كان يميل الى الاعتزال وفي تآليفه مايدل على ذلك في رؤية الله وغيرها، نسأل الله السلامة ."[1]

ترجمہ: اور کہا جاتا ہے کہ آپ "معتزلی مذہب" کی طرف مائل تھے، اور آپ کی تصانیف میں ایسے نظریات پائے جاتے ہیں جو "رؤیت باری تعالیٰ" وغیرہ مسائل میں اس بات پر دلالت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ہم سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔ (ترجمہ ختم)

پہلا جواب:

لیکن اول تو علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت لفظ "قیل" کے ساتھ ذکر کی ہے، جس سے اس کا ضعیف ہونا خود ثابت ہو رہا ہے۔

چنانچہ علامہ ابو البقاء ایوب بن موسیٰ الکفوی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۹۴ھ) لکھتے ہیں:

"و (قيل) فيما فيه اختلاف وفي بعض شروح الكشاف: فيه اشارة الى ضعف ما قالوا."[2]

ترجمہ: اور لفظ "قیل" کا استعمال اُس جگہ کیا جاتا ہے جہاں اختلاف ہو، اور تفسیر کشاف کی بعض شروح میں ہے کہ لفظ "قیل" میں ضعیف جواب کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

لہٰذا یہ روایت باطل، مردود اور درجۂ احتجاج سے ساقط ہے اور اس قدر کمزور ہے کہ اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

دوسرا جواب:

اور دوسرے یہ کہ بعض معتزلی علماء اور منصور باللہ جیسے بعض دوسرے حضرات نے "طبقات معتزلہ" کے بارہویں طبقہ میں آپ کا ذکر کیا ہے، جس کو بنیاد بنا کر بعض لوگوں نے خواہ مخواہ آپ کو معتزلی کہنا شروع کر دیا، حالاں کہ جہاں تک ہم نے دیکھا ہے علمائے متقدمین میں سے جن جن علماء نے آپ کا تذکرہ کیا ہے، خصوصاً جنہوں نے "تراجم

[1] (سير أعلام النبلاء للذهبي: ۱۲/ ۳۳٤، الناشر: دار الحديث، القاهرة)

[2] (الكليات معجم في المصطلحات والفروق اللغوية للكفوي: ۱/ ۲۸۸، الناشر: مؤسسة الرسالة)

حنفیہ نے کام کیا ہے، اُن میں سے آپ کا معتزلی افکار و نظریات کا حامل ہونا یا معتزلی عقائد سے متاثر ہونا کسی ایک نے بھی ذکر نہیں کیا۔ ؎

پس ثابت ہوا کہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نہ تو معتزل المذہب تھے اور نہ ہی معتزلی مذہب سے متاثر تھے بلکہ آپ ایک پکے اور سچے سنی حنفی المذہب عالم تھے۔

ہمارے اس دعوے پر مندرجہ ذیل قرائن دلالت کرتے ہیں:

**پہلا قرینہ:**

اولاً تو اس وجہ سے کہ جن علماء نے آپ کی نسبت معتزلہ کے مذہب کی طرف کی ہے اُن کے دو فریق ہیں:

۱- ایک فریق تو وہ ہے جس نے آپ کو "طبقات معتزلہ" میں ذکر کیا ہے، جیسا کہ بعض معتزلی مؤلفین کہ جنھوں نے معتزلی مذہب میں کتابیں تصنیف کی ہیں۔

۲- اور دوسرا فریق وہ ہے جس نے اگرچہ آپ کو صاف طور پر معتزلی تو نہیں کہا، لیکن معتزلہ کی طرف مائل ہونا ذکر کیا ہے، جیسے علامہ ذہبیؒ اور بعض دیگر آپؒ کے ہم عصر علماء۔ اور یہ بات پیچھے گزر چکی ہے کہ جن علماء نے آپؒ کا معتزلی مذہب کی طرف مائل ہونا ذکر کیا ہے انہوں نے بھی صرف اس وجہ سے ذکر کیا ہے کہ معتزلی علماء نے آپؒ کا تذکرہ "طبقات معتزلہ" میں کیا ہے، حالاں کہ محض "طبقات معتزلہ" میں آپ کا تذکرہ ہو جانے سے آپ کا معتزلی المذہب ہونا کسی طرح بھی ثابت نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ جن معتزلی علماء نے طبقات معتزلہ تالیف کیے ہیں جیسے امام قاضی عبدالجبار، اور علامہ ابن المرتضی وغیرہ جوٹی کے علماء ہیں، ان لوگوں نے ایسے ایسے علماء کا "طبقات معتزلہ" میں تذکرہ کیا ہے کہ جن کا دور کا یا قریب کسی بھی طرح کا معتزلہ سے کوئی تعلق ہی نہیں رہا۔

"طبقات معتزلہ" کے مؤلفین نے ان کتابوں کو چند طبقات پر تقسیم کیا ہے:

---

؎ "هذا في حين أن بعض المؤلفين في طبقات المعتزلة (وهم من المعتزلة) عدوه من الطبقة الثانية عشر من طبقاتهم ..... وجاء في كتاب تراجم الرجال: ذكره المنصور بالله في طبقات المعتزلة ..... هذا ولم أجد أحداً من المتقدمين ممن كتبوا في التراجم ولا سيما تراجم الحنفية ذكر أن الجصاص من المعتزلة سوى هؤلاء المذكورين." (الإمام أبوبكر الرازي الجصاص: منهجه في التفسير لخليلوفتش (بحذف واختصار): ص ٥٣٦، ٥٣٧، قاهرة: دار السلام للطباعة والنشر والتوزيع والترجمة)

پہلے طبقہ میں حضرات خلفائے اربعہ (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ) کا تذکرہ کیا۔ دوسرے طبقہ میں دیگر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا تذکرہ کیا۔ تیسرے طبقہ میں اکابر تابعین رحمہم اللہ کا تذکرہ کیا۔ اسی طرح چلتے رہے یہاں تک کہ بارھویں اور آخری طبقہ میں امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ کیا ہے۔

لہٰذا اگر کوئی شخص محض اس وجہ سے امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کو معتزلی المذہب کہے گا کہ علمائے معتزلہ نے آپ کا تذکرہ "طبقات معتزلہ" میں کیا ہے، تو پھر اس سے حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم دیگر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اور اکابر تابعین رحمہم اللہ کا بھی معتزلی المذہب ہونا لازم آئے گا اور یہ بات عقلاً محال اور واقعہ کے خلاف ہے۔

دوسرا قرینہ:

اور ثانیاً اس وجہ سے کہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی زندگی میں بیسیوں ایسے مسائل سے پالا پڑا کہ جن میں معتزلہ نے اہل سنت کی مخالفت کی ہے، اس کے باوجود آپؒ نے معتزلی مذہب نہیں اپنایا، بلکہ الٹا ایسے مسائل میں اہل سنت والجماعت کا دفاع کیا ہے، چنانچہ اثبات عذاب قبر اور اثبات ثواب قبر، وعد اور وعید، اور قرآن مجید کے اللہ تعالیٰ کے کلام ہونے نہ کہ مخلوق ہونے وغیرہ جیسے مسائل جو معتزلہ اور اہل سنت والجماعت کے درمیان عرصۂ دراز سے معرکۃ الآراء چلے آرہے ہیں، آپؒ نے اہل سنت والجماعت کی خوب کھل کر وکالت اور اُن کا دفاع کیا ہے اور اس کے مقابلے میں معتزلہ کا خوب سے خوب تر رد کیا ہے۔

## کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آیت استخلاف و آیت تمکین کے مصداق ہیں؟

دوسرا اعتراض امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ پر یہ کیا جاتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ کا موقف تھوڑا بہت سخت رہا ہے۔ چنانچہ اثنائے تفسیر میں بعض مقامات پر آپؒ نے ایسا کلام فرمایا ہے جو عدل و انصاف کی بہ نسبت بغض و نفرت کے زیادہ قریب ہے۔ بطور نمونہ کے چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

### پہلی مثال:

۱۔ سورۃ الحج کی اس آیت مبارکہ: ﴿الذین ان مکنٰھم فی الأرض أقاموا الصلوٰة وآتوا الزكوٰة وأمروا بالمعروف ونھوا عن المنكر وللہ عاقبة الأمور﴾ ۱

---

۱: الحج: ۲۲/۴۱)

ترجمہ: یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں اور لوگوں کو نیکی کی تاکید کریں اور برائی سے روکیں اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے قبضے میں ہے۔ (ترجمہ ختم) [۱]

[۱] (آسان ترجمہ قرآن: ۲/ ۱۰۲۶)

اس کی تفسیر میں امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

"هذه صفة الذين أذن لهم في القتال بقوله تعالیٰ: ﴿أذن للذين يقاتلون بأنهم ظلموا﴾ ...... الی قوله ...... ﴿الذين ان مكنهم في الأرض اقاموا الصلوة وآتوا الزكوة وأمروا بالمعروف ونهوا عن المنكر﴾ وهذه صفة المهاجرين، لأنهم الذين اخرجوا من ديارهم بغير حق، فأخبر تعالیٰ أنه ان مكنهم في الأرض اقاموا الصلوة وآتوا الزكوة وأمروا بالمعروف ونهوا عن المنكر، وهو صفة الخلفاء الراشدين الذين مكنهم الله في الأرض، وهم ابوبكر وعمر وعثمان و عليّ (رضي الله عنهم) وفيه الدلالة الواضحة علی صحة امامتهم لاخبار الله تعالیٰ بأنهم اذا مكنوا في الأرض قاموا بفروض الله عليهم، وقد مكنوا في الأرض، فوجب أن يكونوا أئمة القائمين بأوامر الله منتهين عن زواجره ونواهيه. ولايدخل معاوية في هؤلاء، لأن الله انما وصف بذلك المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم، وليس معاوية من المهاجرين بل هو من الطلقاء" [۱]

یہ ان لوگوں کی صفت ہے جنہیں قتال کی اجازت دی گئی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿أذن للذين يقاتلون بأنهم ظلموا﴾ ...... الی قوله ...... ﴿الذين ان مكنهم في الأرض أقاموا الصلوة وآتوا الزكوة وامروا بالمعروف ونهوا عن المنكر﴾ یہ مہاجرین کی صفت ہے، اس لئے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ناحق اپنے گھروں سے نکال دیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ وہ انہیں زمین میں اقتدار بخشے تو وہ

[۱] (أحكام القرآن للجصاص: ۵/ ۸۳، الناشر: دار احياء التراث العربي - بيروت، لبنان)

نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے اور "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" کریں گے، یہ خلفائے راشدین (حضرت ابوبکر ﷺ، حضرت عمر ﷺ، حضرت عثمان ﷺ اور حضرت علی ﷺ) کی صفت ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین میں اقتدار بخشا تھا، اس میں ان حضرات کی امامت کی صحت پر واضح دلیل موجود ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ انہیں جب زمین میں اقتدار حاصل ہو جائے گا تو یہ ان فرائض کی ادائیگی کریں گے جو ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد ہوں گے، انہیں زمین میں اقتدار بخشا گیا، اس لئے انہیں ایسے ائمہ تسلیم کرنا واجب ہے جو اللہ تعالیٰ کے اوامر کی ادائیگی پر کمر بستہ اور اس کے زواجر و نواہی سے کنارہ کش رہے، حضرت معاویہ ﷺ ان میں شامل نہیں ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس صفت سے اُن مہاجرین کو متصف کیا تھا جو اپنے گھروں سے نکال دیے گئے تھے، حضرت معاویہ ﷺ مہاجرین میں سے نہیں ہیں، بلکہ اُن لوگوں میں سے ہیں جنہیں "فتح مکہ" کے دن حضور اقدس ﷺ نے ہر قسم کی گرفت اور سزا سے آزاد فرما دیا تھا ایسے لوگوں کو "طلقاء" کہا جاتا ہے۔

اسی طرح پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب ڈاکٹر محمد حسین ذہبی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"امام جصاص آیت تمکین: ﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ "اس آیت میں خلفائے راشدین کے اوصاف ذکر کیے گئے ہیں اور وہ حضرات ابوبکر ﷺ وعمر ﷺ وعثمان ﷺ وعلی ﷺ تھے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی امامت جائز اور درست تھی، اس لئے کہ آیت میں بتایا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کو جب زمین کا اقتدار سونپا جاتا ہے تو وہ اللہ کے فرائض و واجبات کو قائم کرتے ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ خلفاء کو اقتدار عطا کیا گیا اس لئے خلفائے راشدین خداوندی اوامر و احکام کو نافذ کرنے والے اور شرعی منہیات و محرمات سے باز رہنے والے تھے۔

معاویہ ﷺ اُن کے زمرے میں شامل نہیں ہو سکتے، اس لئے کہ اس آیت میں مہاجرین کا ذکر کیا گیا ہے اور معاویہ ﷺ مہاجر نہ تھے بلکہ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے تھے۔[1]

---

[1] (احکام القرآن للجصاص: ۳/۲، ۳۰، بحوالہ سیدنا معاویہ ﷺ کے ناقدین: ۹۳)

## حضرت معاویہ ؓ آیت استخلاف و آیت تمکین کے مصداق نہیں ہیں!!

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت میں کون سی کوئی ایسی قابل اعتراض بات ہے کہ جس سے حضرت معاویہ ؓ کی ذات یا آپ کا مقام صحابیت کسی بھی طرح مجروح ہو رہا ہے؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا صفات سے صرف انہی مہاجرین صحابہ کرام ؓ کو متصف کیا ہے جنہیں اُن کے گھروں سے نکال دیا گیا تھا، اور وہ چار حضرات ہی ہیں یعنی حضرت ابوبکر صدیق ؓ، حضرت عمر فاروق ؓ، حضرت عثمان غنی ؓ، اور حضرت علی المرتضیٰ ؓ۔ حضرت معاویہ ؓ چوں کہ ان مہاجرین صحابہ ؓ میں سے نہ تھے، بلکہ اُن لوگوں میں سے تھے جنہیں "فتح مکہ" کے دن حضور اقدس ﷺ نے ہر قسم کی گرفت اور سزا سے آزاد فرما دیا تھا اور ایسے لوگوں کو "طلقاء" کہا جاتا ہے، اس لئے حضرت معاویہ ؓ کی ذات کو خواہ مخواہ کھینچ تان کر حضرات خلفائے راشدین ؓ کے ساتھ متصف کردہ صفات میں شامل کرنا کسی طرح بھی قرین انصاف نہیں۔ کیا حضرت معاویہ ؓ کے اپنے ذاتی اوصاف و کمالات اور فضائل و مناقب اس سے کم ہیں کہ انہیں بلاوجہ چند ایک ایسی صفات کے ساتھ متصف کر دیا جائے کہ جن سے صرف حضرات خلفائے راشدین ؓ ہی متصف ہو سکتے ہیں؟۔

دراصل امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ یہاں یہ نکتہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ چوں کہ خلافت راشدہ موعودہ فی چار صحابہ (حضرات خلفائے راشدین ؓ) ہی میں منحصر ہے، بعد کے خلفاء حضرت معاویہ ؓ اور حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ خلفاء کی خلافت اگرچہ ان حضرات کی ہی خلافت کے نقش قدم پر تھی، لیکن چوں کہ موعودہ نہیں تھی، اس لئے بادی النظر میں جو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ شاید حضرت معاویہ ؓ کی خلافت بھی خلافت راشدہ موعودہ ہی ہے اس وہم کو دُور کرنے کے لئے امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ ؓ کی ذات کو حضرات خلفائے راشدین ؓ کی ذات سے ممتاز کرنے کے لئے علیحدہ کیا ہے۔

علاوہ ازیں! زیادہ سے زیادہ حضرت معاویہ ؓ کی ذات پر اگر کوئی اعتراض وارد ہوتا ہے تو وہ یہ کہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو "طلقاء" میں سے شمار کیا ہے، تو یاد رکھنا چاہیے کہ "طلقاء" میں سے ہونا کوئی عیب کی بات نہیں، ہم اس مسئلہ پر شروع کتاب میں سیر حاصل بحث ہم کر آئے ہیں۔ فلیراجع

### دوسری مثال:

۲۔ اسی طرح سورۃ النور کی اس آیت مبارکہ:

﴿ وعد الله الذي آمنوا منكم و عملوا الصالحات ليستخلفنهم في الأرض ...... ﴾ ۱

ترجمہ: تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں اُن سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا...... الخ۔ ۲

کی تفسیر میں امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فيه الدلالة على صحة نبوة النبي صلى الله عليه وسلم لأنه قصر ذلك على قوم بأعيانهم ...... فوجد مخبره على ما أخبر به فيهم. وفيه الدلالة على صحة امامة الخلفاء الأربعة أيضاً، لأن الله استخلفهم في الأرض ومكن لهم كما جاء الوعد. ولا يدخل فيهم معاوية لأنه لم يكن مؤمناً في ذلك الوقت." ۳

ترجمہ: اس آیت میں حضور ﷺ کی نبوت کی صحت پر دلالت موجود ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وعدے کو ایک متعین گروہ کے ساتھ فرما کر خاص کر دیا ہے، پھر اُس نے اس گروہ یعنی صحابہ کرام ؓ کے ساتھ کیے گئے جس وعدے کی حضور ﷺ کے ذریعے خبر دی تھی وہ اتفاقی طور پر وہ حرف بحرف درست ثابت ہوئی، اس میں خلفائے اربعہ ؓ کی خلافت کی صحت پر بھی دلالت موجود ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حسب وعدہ انہیں زمین میں خلافت عطا فرمائی تھی اور غلبہ دیا تھا، ان میں حضرت معاویہ ؓ شامل نہیں ہیں، کیوں کہ آیت کے نزول کے وقت آپؓ ایمان نہیں لائے تھے۔ (ترجمہ ختم)

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب ڈاکٹر محمد حسین ذہبی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"موصوف آیت استخلاف کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ: "اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین ؓ کی امامت صحیح ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حسب وعدہ ان کو

---

۱ (النور: ۲۴/۵۵)

۲ (آسان ترجمہ قرآن، ۲/۱۰۸۲، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

۳ (أحكام القرآن للجصاص: ۵/۱۹۰، ۱۹۱، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

خلافت ارضی سے نوازا تھا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے زمرے میں اس لئے داخل نہیں کہ وہ اس وقت تک ایمان نہیں لایا تھا۔'' [1]

## امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت صاف اور بے غبار ہے!:

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت بھی بالکل صاف اور بے غبار ہے، اس لئے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس آیت کے نزول کے وقت ایمان ہی نہیں لائے تھے تو وہ اس کے مصداق کیسے ٹھہر سکتے ہیں؟ پتہ نہیں لوگ خواہ مخواہ کھینچا تانی کر کے انہیں اس آیت کا مصداق کیوں کر ٹھہراتے ہیں؟ نیز اگر چہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی خلافت راشدہ موعودہ ہی کے طرز پر تھی، لیکن چوں کہ وہ خلافت راشدہ موعودہ نہیں تھی، اس لئے براہ راست اور اصالۃً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس آیت کا اطلاق کرنا کسی طرح بھی درست نہیں، البتہ تبعاً اور ثانوی درجہ میں دیگر حضرات خلفائے راشدین حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی طرح آپ رضی اللہ عنہ پر خلیفہ راشد کا اطلاق کیا جا سکتا ہے۔

## تیسری مثال:

۳- پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب ڈاکٹر محمد حسین ذہبی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''موصوف سورۃ الحجرات کی آیت ﴿ قتال اهل البغي ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ لڑائی میں حق پر تھے، اس کے برخلاف معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم نوا باغی تھے، علاوہ ازیں جس نے بھی ان کے خلاف خروج کیا وہ باغی ہے۔'' [2]

اور ڈاکٹر صفوت مصطفیٰ خلیلوفیتش لکھتے ہیں:

'' فهذه الأقوال فيها تشهير بمعاوية و انتقاص من شأنه و كان أولىٰ بالجصاص رحمه الله أن يترك مثل هذا التحامل عليه و أن يفوض امره الي الله ، خصوصا أن معاوية معدود من الصحابة ، وهو أيضا من كتاب الوحي الذين ارتضاهم رسول الله واختارهم بنفسه لهذه المهمة الخطيرة ...... و ينبغي للانسان أن يلتزم بالأدب اذا ما تعرض للحديث عن مثل هذه

---

[1] (احکام القرآن: ص ۳۰۶، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ۵۳)

[2] (احکام القرآن: ص ۴۹۲، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۵۴)

هذه الشخصية وان يفوض امرها الى الله ." [1]

ترجمہ: پس ان اقوال میں حضرت معاویہ ﷛ کی توہین وتنقیص کا پہلو پایا جاتا ہے زیادہ مناسب یہ تھا کہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ حضرت معاویہ ﷛ کی ذات پر اس طرح درپے ہونے کو ترک کرتے اور اُن کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیتے، بالخصوص اس وجہ سے کہ حضرت معاویہ ﷛ کا شمار صحابہ ﷡ میں ہوتا ہے، نیز آپ اُن "کاتبین وحی" میں سے ہیں کہ جنہیں حضور اقدس ﷺ نے اس مہتم بالشان کام (وحی) کی خاطر اپنی ذات کے لئے منتخب کر رکھا تھا.... آدمی کے لئے مناسب یہ ہے کہ جب وہ ان (حضرت معاویہ ﷛) جیسی شخصیت کے بارے میں کوئی بات کرنے لگے تو ادب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے اور (اگر اس طرح کی شخصیت کی ذات میں کوئی خلاف واقع بات نظر آجائے تو) اُس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح ڈاکٹر محمد حسین ذہبی لکھتے ہیں:

"جصاص کا یہ طرز عمل سخت قابل اعتراض ہے اچھا ہوتا کہ وہ حضرت معاویہ ﷛ کو اس میں ملوث نہ کرتے اور اُن کا معاملہ خدا کے سپرد کرتے۔

مذکورہ صدر آیات کو اپنے جذبات ونظریات کے سانچہ میں ڈھالنا بھی کوئی قابل تعریف کام نہیں۔" [2]

## امام برحق کے خلاف ناحق خروج کرنے والے کو باغی نہیں تو پھر اور کیا کہا جائے؟

ہم پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب سمیت دیگر معترضین حضرات سے بھی یہ بات پوچھتے ہیں کہ امام برحق کے خلاف ناحق خروج کرنے والے کو اگر "باغی" نہیں کہا جاسکتا تو پھر اُسے اور کیا نام دیا جاسکتا ہے؟ اگر آپ لوگ جنگ صفین میں حضرت علی ﷛ اور آپ کی جماعت کو ایک برحق جماعت مانتے ہو (جیسا کہ واقع میں بھی یہ لوگ حق پر تھے) تو پھر خواہ مخواہ آپ حضرات کو حضرت معاویہ ﷛ اور اُن کی جماعت کو باغی ماننا پڑے گا۔ اور اگر حضرت علی ﷛

---

[1] (الامام ابو بکر الرازی الجصاص ومنهجه في التفسير، ص ٥٦٧، الناشر: دار السلام للطباعة والنشر والتوزيع)

[2] (سیدنا معاویہ ﷛ کے ناقدین ص ۹۳)

اور اُن کی جماعت کو ناحق اور باغی کہتے ہو (حالاں کہ یہ بات خلاف واقع ہے) تو پھر خواہ مخواہ آپ حضرات کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کی جماعت کو برحق ماننا پڑے گا حالاں کہ یہ بات عقلاً ونقلاً کسی طرح بھی درست نہیں۔ اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کی جماعت کو بھی برحق مانا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کی جماعت کو بھی برحق کہا جائے کہ یہ دو متضاد باتیں ایک جگہ اکٹھی جمع نہیں ہو سکتیں، لہٰذا خواہ مخواہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کی جماعت کو برحق اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کی جماعت کو خلیفہ برحق کے خلاف ناحق خروج کرنے کی وجہ سے "باغی" ماننا پڑے گا، وگرنہ حدیث عمار: ﴿تقتلک الفئة الباغية﴾ کا بے محل ہونا لازم آئے گا اور یہ بات محال اور ناممکن ہے۔

نیز کیا حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی چند ایک مخصوص صفات کہ جن کے ساتھ انھیں خاص طور پر متصف کیا گیا ہے خواہ مخواہ کھینچ تان کر کسی دوسرے کے ساتھ ان کو متصف کرنا، امام برحق کے خلاف ناحق خروج کو بغاوت نہ کہنا، اور حدیث عمار ﴿تقتلک الفئة الباغية﴾ کے محل کے موجود ہونے کے باوجود اس کو اس کے حقیقی محمل پر محمول نہ کرنا بلکہ اسے بھی اپنے جذبات ونظریات ہی کے سانچے میں ڈھالنا یہ بھی کوئی قابل تعریف کام ہے اور کیا آپ جیسے متعصبین لوگوں کا یہ طرز عمل سخت قابل اعتراض نہیں ہے؟؟؟۔

## امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ پر بدعت کا الزام: •

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ پر یورش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

## چوتھی مثال:

> ۴۔" جناب جصاص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک قول: ﴿نورث المسلم من الكافر﴾ کو "احداث فی الاسلام" اور "بدعت شرعی" قرار دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو احکام القرآن: ۱۰۲/۲) جب کہ یہی قول حضرت معاذ بن جبل، محمد بن حنفیہ، زین العابدین، جناب باقر، حسن بصری، سعید بن مسیب، شعبی، مسروق، ابراہیم نخعی، عبداللہ بن معقل، یحییٰ اور اسحاق کی طرف بھی منسوب ہے، اگر مذکورہ قول کی نسبت ان حضرات کی طرف صحیح ہے تو پھر کوئی احمق اور جاہل ہی اسے "احداث فی الاسلام" اور "بدعت شرعی" سے تعبیر کر سکتا ہے۔"[1]

---

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۹۳،۹۴)

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی وہ عبارت (کہ جس سے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے آپ کو احمق اور جاہل فرمایا ہے) پیش خدمت ہے، ذرا ملاحظہ فرمایئے:

"واختلف في ميراث المسلم الكافر وميراث المرتد. فأما ميراث المسلم من الكافر فان الأمة من الصحابة متفقون على نفي التوارث بينهما وهو قول عامة التابعين وفقهاء الأمصار وروى شعبة عن عمرو بن أبي حكيم عن ابن باباه عن يحيىٰ بن يعمر عن أبي الأسود الدؤلي قال كان معاذ بن جبل باليمن فارتفعوا اليه في يهودي مات وترك اخاه مسلماً فقال سمعت رسول الله يقول ﴿الاسلام يزيد ولاينقص﴾ وروى ابن شهاب عن داؤد بن أبي هند قال: قال مسروق: ما أحدث في الاسلام قضية أعجب من قضية قضاها معاوية قال: كان يورث المسلم من اليهودي والنصراني، ولايورث اليهودي والنصراني من المسلم قال: فقضىٰ بها أهل الشام. قال داؤد: فلما قدم عمر بن عبد العزيز ردهم الي الأمر الأول. وروى هشيم عن مجالد عن الشعبي أن معاوية كتب بذلك الي زياد يعني توريث المسلم من الكافر فأرسل زياد اليٰ شريح فأمره بذلك وكان شريح قبل ذلك لايورث المسلم من الكافر فلما أمره زياد بما أمره قضىٰ بقوله فكان شريح اذا قضىٰ بذلك قال: هذا قضاء أمير المؤمنين. وقد روى الزهري عن علي بن الحسين عن عمرو بن عثمان عن أسامة بن زيد قال قال رسول الله: ﴿لايتوارث أهل ملتين شتي﴾ وفي لفظ ﴿لايرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم﴾ وروى عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال قال رسول الله ﴿لا يتوارث أهل ملتين بهذه الأخبار تمنع توريث المسلم من الكافر والكافر من المسلم﴾ ولم يرو عن النبي خلافه، فهو ثابت الحكم في اسقاط التوارث بينهما وأما حديث معاذ فانه لم يعن هذه المقالة، وانما تأول فيها قوله: ﴿الايمان يزيد ولاينقص﴾

والتأول لايقضي به علي النص والتوقيف وانما يرد التأويل الي المنصوص عليه يحمل علي موافقته دون مخالفته . وقول النبي صلي الله عليه وسلم : ﴿ الايمان يزيد ولاينقص ﴾ يحتمل أن يرد به من أسلم ترك علي اسلامه ومن خرج عن الاسلام رد اليه . واذا احتمل ذلك واحتمل ما تأوله معاذ وجب حمله علي موافقة خبر أسامة في منع التوارث اذ غير جائز رد النص بالتاويل والاحتمال أيضاً لا تثبت به حجة لأنه مشكوك فيه وهو مفتقر في اثبات حكمه الي دلالة من غيره فسقط الاحتجاج به . وأما قول مسروق : ما أحدث في الاسلام قضية أعجب من قضية قضي بها معاوية في توريث المسلم من الكافر فانه يدل علي بطلان هذا المذهب لاخباره أنها قضية محدثة في الاسلام وذلك يوجب أن يكون قبل قضية معاوية : لم يكن يورث المسلم من الكافر واذا ثبت أن من قبل قضية معاوية لم يكن يورث المسلم من الكافر وأن معاوية لا يجوز أن يكون خلافاً عليهم بل هو ساقط القول معهم ، ويؤيد ذلك أيضاً قول داؤد بن أبي هند أن عمر بن عبد العزيز ردهم الي الأمر الأول والله أعلم [1]

ترجمہ: اور مسلمان کے کافر کے اور مرتد کے وارث ہونے میں اختلاف ہے۔ جہاں تک مسلمان کے کافر کے وارث ہونے کے مسئلہ کا تعلق ہے تو اس بارے میں ائمہ صحابہ ﷺ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسلمان اور کافر ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے ، اکثر تابعین اور فقہائے امصار کا یہی قول ہے۔ شعبہ نے عمرو بن ابی حکیم سے انہوں نے ابن باذباذ سے انہوں نے یحییٰ بن یعمر سے انہوں نے ابو الاسود الدؤلی سے روایت کی ہے کہ حضرت معاذ بن جبل ﷺ یمن میں تھے، ان کے سامنے مسئلہ پیش ہوا کہ ایک یہودی مر گیا ہے اور اس کا ایک مسلمان بھائی رہ گیا ہے۔ حضرت معاذ ﷺ نے اس موقع پر فرمایا کہ: ''میں نے حضور

---

[1] (أحكام القرآن للجصاص: ۳/ ۳٦، ۳۷، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

اقدس ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ﴿الاسلام یزید ولا ینقص﴾ یعنی اسلام بڑھتا ہے گھٹتا نہیں ہے۔

ابن شہاب نے داؤد بن ابی ہند سے روایت کی ہے کہ مسروق نے ایک مرتبہ کہا کہ: ''اسلام میں اس فیصلہ سے بڑھ کر تعجب انگیز اور کوئی فیصلہ نہیں ہوا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کیا تھا (یعنی) آپ مسلمان کو یہودی اور نصرانی کا وارث تو قرار دیتے تھے لیکن کسی یہودی یا نصرانی کو مسلمان کا وارث نہیں قرار دیتے تھے، اہل شام نے بھی یہی مسلک اختیار کر لیا تھا۔ داؤد کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ شام تشریف لائے تو آپ نے اس مسئلے میں لوگوں کو پہلے مسلک کی طرف لوٹا دیا۔

ہشیم نے مجالد سے اور انہوں نے شعبی سے روایت کی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ کے متعلق اپنے گورنر زیاد کو لکھا، زیاد نے قاضی شریح کو پیغام بھیج کر اس کی روشنی میں فیصلے کرنے کا حکم دیا ہے، قاضی صاحب اس سے پہلے مسلمان کو کافر کا وارث قرار نہیں دیتے تھے، لیکن زیاد کے حکم کی روشنی میں اس کے مطابق فیصلے کرنے لگے، البتہ جب وہ اس قسم کا کوئی فیصلہ سناتے تو ساتھ یہ ضرور کہہ دیتے کہ یہ امیر المؤمنین (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کا فیصلہ ہے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿لا یتوارث أهل ملتین شتی﴾ یعنی دو مختلف ملتوں کو ماننے والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔

ایک روایت میں ہے: ﴿لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم﴾ یعنی مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا۔

عمرو بن شعیب نے اپنے والد اور اپنے دادا سے روایت کی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ﴿لا یتوارث أهل ملتین﴾ یعنی دو مذاہب کے ماننے والے ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے۔

یہ روایات مسلمان کے کافر کے اور کافر کے مسلمان کے وارث بننے کی نفی کرتی ہیں۔ حضور اقدس ﷺ سے اس کے برخلاف کوئی بات مروی نہیں ہے، لہٰذا مسلمان اور کافر کے درمیان توارث کو ساقط کرنے میں ان کے حکم کو ثابت اور محکم تسلیم کیا جائے گا۔

باقی رہی حضرت معاذ ؓ کی روایت تو اس میں یہ مسئلہ مراد ہی نہیں ہے، بلکہ اس میں حضور اقدس ﷺ کے ارشاد: ﴿ الایمان یزید ولا ینقص ﴾ (یعنی ایمان بڑھتا تو ہے گھٹتا نہیں) کا مفہوم و مطلب بیان ہوا ہے، جسے تاویل کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ تاویل کسی نص اور توقیف کو ختم نہیں کر سکتی، بلکہ تاویل کو اس معنی کی طرف لوٹایا جاتا ہے جو منصوص علیہ ہو اور اسے اس کے موافق مفہوم پر محمول کیا جاتا ہے، مخالف مفہوم پر محمول نہیں کیا جاتا۔

حضور اقدس ﷺ کے مذکورہ بالا ارشاد: ﴿ الایمان یزید ولا ینقص ﴾ (یعنی ایمان بڑھتا تو ہے گھٹتا نہیں) میں یہ احتمال ہے کہ آپ ﷺ یہ بیان فرمانا چاہتے ہیں کہ: ''جو شخص مسلمان ہو جائے گا اسے اس کے اسلام پر بدستور رہنے دیا جائے گا، اور جو شخص اسلام سے نکل جائے گا اسے دوبارہ اسلام کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔'' جب اس روایت میں یہ بھی احتمال ہے اور حضرت معاذ ؓ کے اختیار کردہ مفہوم کا بھی احتمال ہے، تو پھر ضروری ہے کہ اسے حضرت اسامہ بن زید ؓ کی روایت کے مفہوم پر محمول کیا جائے، جس میں مسلمان اور کافر کے درمیان توارث کی ممانعت کر دی گئی ہے، کیوں کہ کسی نص کو تاویل اور احتمال کی بنا پر رد کر دینا جائز نہیں ہے، خود احتمال میں حجت اور دلیل بننے کی صلاحیت نہیں ہے کیوں کہ یہ ایک مشکوک بات ہوتی ہے اور اسے اپنے حکم کے اثبات کے لئے کسی اور دلالت کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے احتمال پر استدلال کی بنیاد رکھنا غلط اور ساقط ہے۔

اور مسروق کا یہ قول کہ: ''اسلام میں کوئی فیصلہ ایسا نہیں کیا گیا جو حضرت معاویہ ؓ کے اس فیصلہ سے زیادہ تعجب انگیز ہو جس میں مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا گیا خود اس مسلک کے بطلان پر دلالت کر رہا ہے، کیوں کہ مسروق نے یہ بتایا ہے کہ یہ فیصلہ اسلام میں ایک نیا فیصلہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت معاویہ ؓ کے اس فیصلہ سے پہلے مسلمان

کافر کا وارث نہیں بنتا تھا۔

اس طرح یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سے پہلے مسلمان کافر کا وارث نہیں بنتا تھا۔

اس طرح یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سے پہلے مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا تھا، دوسری طرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مخالفت جائز نہیں تھی بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ان کا قول ساقط ہے، اس کی تائید داؤد بن ابی ہند کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے شام کے لوگوں کو پہلے مسلک کی طرف لوٹا دیا تھا۔ واللہ اعلم۔ (ترجمہ ختم)

یہ تھی امام ابو بکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر احکام القرآن کی وہ عبارت مع ترجمہ کے کہ جس کا حوالہ دیتے ہوئے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ پر یہ الزام تھوپا کہ انہوں نے "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک قول " توریث المسلم من الکافر " کو "احداث فی الاسلام" اور "بدعت شرقی" کہا ہے، لیکن جیسا کہ آپ نے اصل عبارت مع اردو ترجمہ کے ملاحظہ فرمائی کہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے نہیں بلکہ مسروق نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اس قول " توریث المسلم من الکافر " کو "احداث فی الاسلام" اور "بدعت شرقی" کہا ہے۔ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے تو صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب مسروق کا یہ قول نقل کیا ہے، جس میں مسروق نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا ہے کہ: "انہوں نے " توریث المسلم من الکافر " کا فرمان جاری کر کے "احداث فی الاسلام" اور "بدعت شرقی" کا ارتکاب کیا ہے۔

اصل واقعہ کی مکمل تحقیق کیے بغیر محض اپنی نیم علمی تحقیق پر بھروسہ کر کے خواہ مخواہ کسی کے سر ایک جھوٹا الزام تھوپ دینا ایک بہت بڑی بددیانتی ، ایک بہت بڑی علمی خیانت اور عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے۔

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد مسروق کا قول نقل کرنے سے یہ نہیں ہے کہ وہ اس سے نعوذ باللہ ! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات ستودہ صفات کو طعن و تنقید کا ہدف بنانا چاہتے ہیں، بلکہ درحقیقت وہ اس مسئلہ کی اصل صورت حال یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اصل میں یہ مسئلہ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔

اس بات پر تو اتفاق ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس اختلاف کی تشریح علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۵ھ) کی زبانی سنیے:

" وأما المسلم فهل يرث من الكافر أم لا ؟ فقالت عامة الصحابة (رضي الله عنهم) : لايرث ، وبه أخذ علمائنا ، والشافعي ، وهذا استحسان والقياس أن يرث ، وهو قول معاذ بن جبل ، ومعاوية بن أبي سفيان ، وبه أخذ مسروق ، والحسن ، ومحمد بن الحنفية ، ومحمد بن علي بن حسين ."[1]

ترجمہ: رہی یہ بات کہ مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے یا نہیں؟ سو عام صحابہ کرام ﷺ کا قول تو یہی ہے کہ وہ وارث نہ ہوگا، اور اسی کو ہمارے علماء (حنفیہ) اور امام شافعی نے اختیار کیا ہے، لیکن یہ استحسان ہے۔ اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ وارث ہو، اور یہی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے، اور اسی کو مسروق، حسن، محمد بن حنفیہ، اور محمد بن علی بن حسین نے اختیار کیا ہے۔ (ترجمہ ختم)

اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

"أخرج ابن أبي شيبة من طريق عبد الله بن معقل قال : ما رأيت قضاء أحسن من قضاء قضي به معاوية نرث أهل الكتاب ولا يرثونا كما يحل النكاح فيهم ولايحل لهم وبه قال مسروق وسعيد بن المسيب وابراهيم النخعي وابراهيم ."[2]

ترجمہ: ابن ابی شیبہ نے حضرت عبد اللہ بن معقل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے تھے کہ: "میں نے کوئی فیصلہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے سے بہتر نہیں دیکھا کہ ہم اہل کتاب کے وارث ہوں اور وہ نہ ہوں، یہ ایسا ہی ہے جیسے ہمارے لئے اُن کی عورتوں سے نکاح حلال ہے، مگر اُن کے لئے ہماری عورتوں سے نکاح حلال نہیں۔ اور یہی مذہب مسروق،

---

[1] (عمدة القاري شرح صحيح البخاري للعيني ، ٢٣ / ٦٢ ، الناشر : كمطابعة تسريعة)

[2] (فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن حجر العسقلاني : ١٢ / ٥٠ ، الناشر : دار المعرفة بيروت)

سعید بن مسیب، ابراہیم نخعی اور اسحاق کا ہے۔ (ترجمہ ختم)

پھر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے حوالے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس مسلک کی تائید میں ایک مرفوع حدیث بھی نقل کی ہے:

"عن معاذ قال: یرث المسلم من الکافر من غیر عکس، واحتج بأنه سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: "الاسلام یزید ولا ینقص." وهو حدیث اخرجه ابو داؤد وصححه الحاکم."[1]

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوگا مگر اس کا عکس نہیں ہوگا۔ وہ دلیل یہ پیش کرتے تھے کہ انہوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "اسلام (انسانی حقوق میں) زیادتی کرتا ہے، کمی نہیں کرتا۔ یہ حدیث ابو داؤد نے روایت کی ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔ (ترجمہ ختم)

الغرض مسروق کا نقل کرنے سے امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دو مختلف مذاہب کا بیان کرنا تھا، محض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات کو توہین وتنقید کا نشانہ بنانا نہیں تھا۔

یہ تھی پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی وہ نیم علمی تحقیق کہ جس کی بناء پر انہوں نے خواہ مخواہ امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ جیسے متبحر اور مجتہد فی المذہب عالم کے سر ایک ایسی بات تھوپ دی کہ جس کا نہ کوئی سر ہے اور نہ اس کے کوئی پاؤں ہیں اور اس طرح آپ کو احمق اور جاہل جیسے القابات سے نواز دیا۔ فالی الله المشتکی

## امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تبرا کرنے کا الزام اور اُس کی حقیقت:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"امام جصاص آیت ﴿لا ینال عهد الظالمین﴾ کی تفسیر میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر مزید تبرا کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "...ان الظالم لایکون اماماً... فلا یجوز ان یکون الظالم نبیا ولا خلیفة لنبی ولا قاضیا."

ترجمہ: ظالم امام نہیں ہوسکتا...... یہ جائز نہیں ہے کہ ظالم شخص نبی ہو یا نبی کا خلیفہ یا

---

[1] فتح الباری شرح صحیح البخاری لابن حجر العسقلانی | ۱۲ : ۵۰، الناشر : دار المعرفة، بیروت، لبنان

قاضی ہو۔ (ترجمہ ختم) [۱]

## پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی علمی خیانت:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے احکام القرآن کے حوالے سے جس انداز سے یہ عبارت نقل کی ہے اُس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا قول ہے جیسا کہ ہاشمی صاحب کا دعویٰ بھی ہے، حالاں کہ درحقیقت یہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا قول نہیں بلکہ مجاہد کا قول ہے جسے امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے صرف نقل کیا ہے۔

چنانچہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر "احکام القرآن" میں لکھتے ہیں:

"وعن مجاهد: انه أراد أن الظالم لا يكون اماماً ... فلا يجوز أن يكون الظالم نبيا ولا خليفة لنبي ولا قاضياً." [۲]

ترجمہ: اور مجاہدؒ سے مروی ہے کہ اُنھوں نے (اس سے) مراد یہ لیا کہ ظالم امام نہیں بن سکتا ... لہٰذا یہ جائز نہیں کہ ظالم نبی ہو اور نہ یہ جائز ہے کہ نبی کا خلیفہ ہو اور نہ اُس کے لئے قاضی بننا جائز ہے۔ (ترجمہ ختم)

یہ ہے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا وہ دجل و فریب اور علمی خیانت کہ جس کے ذریعے وہ عام مسلمانوں کو دھوکہ دے کر اکابر علمائے اہل سنت والجماعت کے خلاف اُن کی ذہن سازی کر رہے ہیں۔

اور دوسرے یہ کہ اس تمام عبارت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام تک مذکور نہیں کہ جس کی بنیاد پر یہ دعویٰ وائر کیا جائے کہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کسی قسم کا کوئی تبرا یا تنقید کی ہو۔

اندازہ لگایئے! کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب عام مسلمانوں کے دلوں میں اکابرین علمائے اہل سنت اور اُن کے اسلاف کے خلاف نفرتوں کی آگ بھڑکا کر اُن کے ایمان کے ساتھ کس طرح کا کھیل کھیل رہے ہیں؟۔

## امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی "خلفائے بنی اُمیہ" پر طعن و تشنیع:

ڈاکٹر صفوت مصطفیٰ خلیلوفیتش نے لکھا ہے کہ امام جصاص کے کلام سے اُن کی تفسیر "احکام القرآن" میں

---

[۱] (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۶۹، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۹۲)

[۲] (احكام القرآن للجصاص: ۱/۸۵، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

بعض مقامات پر بشکل عام خلفائے بنی اُمیہ پر طعن و تشنیع کا پہلو سامنے آتا ہے، اس لیے کہ اُن کے عہد حکومت میں بیسیوں المناک و دردناک حادثات و واقعات رونما ہوئے تھے، بالخصوص آل مروان پر طعن و تشنیع کا پہلو زیادہ سامنے آتا ہے، کیوں کہ اُس کے زمانہ میں "حجاج کا فتنہ" واقع ہوا تھا۔

مثلاً ایک جگہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

" ولم يكن في العرب و لا آل مروان اظلم ولا أكفر ولا افجر من عبد الملك، ولم يكن في عماله أكفر ولا أظلم و لا افجر من الحجاج وكان عبد الملك اول من قطع ألسنة الناس في الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، صعد المنبر فقال "اني والله ما انا بالخليفة المستضعف يعني عثمان ولا بالخليفة المداهن يعني معاوية وانكم تامروننا باشياء تنسونها في انفسكم والله لا يامرني احد بعد مقامي هذا بتقوى الله الا ضربت عنقه "[1]

ترجمہ: پورے عرب اور مروان کے سارے خاندان میں عبد الملک بن مروان سے بڑھ کر کوئی شخص ظالم اور فاسق و کافر نہیں تھا۔ اور عبد الملک کے مقرر کردہ تمام عمال (گورنروں) میں کوئی عامل حجاج سے بڑھ کر ظالم اور فاسق و کافر نہیں تھا۔ عبد الملک ہی وہ پہلا شخص تھا جس نے "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" کا کام سرانجام دینے والے لوگوں کی زبانیں کاٹ ڈالی تھیں۔ ایک دفعہ منبر پر چڑھ کر کہنے لگا: "اللہ کی قسم! میں کوئی کمزور خلیفہ نہیں ہوں (اشارہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف تھا) اور نہ ہی کوئی مصلحت کوش خلیفہ (اشارہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف تھا) تم لوگ ہمیں ایسی باتوں کا حکم دیتے ہو جو خود تم اپنے بارے میں بھول جاتے ہو، اللہ کی قسم! میرے اس مقام کے بعد جو شخص بھی مجھ سے تقویٰ (اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے) کی بات کرے گا میں اس کی گردن اُڑا دوں گا۔" (ترجمہ ختم)

اسی طرح پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب بھی امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ پر یورش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس کے بعد موصوف عبد الملک بن مروان اور حجاج کا بایں الفاظ تذکرہ کرتے

---

[1] احكام القرآن للجصاص ۳/۸۸، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

ہیں کہ:

"ولم يكن في العرب ولا آل مروان أظلم ولا أكفر ولا أفجر من عبد الملك ولم يكن في عماله أكفر ولا أظلم ولا أفجر من الحجاج." [۱]

ترجمہ: عبدالملک سے بڑھ کر عرب اور آل مروان میں کوئی ظالم، کافر اور فاجر نہ تھا اور نہ اس کے عمال میں سے حجاج سے بڑھ کر کوئی کافر، ظالم اور فاجر تھا۔

موصوف (امام ابوبکر الجصاصؒ) پھر اس دور کے صحابہ و تابعین کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وسائر التابعين يأخذون أرزاقهم من أيدي هؤلاء الظلمة لا على أنهم كانوا يتولونهم ولا يرون امامتهم وانما كانوا يأخذونها على أنها حقوق لهم في أيدي قوم فجرة فكيف يكون ذلك على وجه موالاتهم وهم خالفون لعبد الملك بن مروان لاعنون لهم متبرؤن منهم. وكذلك كان سبيل من قبلهم مع معاوية حين تغلب على الأمر بعد قتل علي عليه السلام وقد كان الحسن والحسين يأخذان العطا. وكذلك من كان في ذلك العصر من الصحابة وهم غير متولين له بل متبرؤن منه على السبيل التي كان عليها عليٌّ عليه السلام الى أن توفاه الله تعالى الى جنته ورضوانه. فليس اذا في ولاية القضاء من قبلهم ولا أخذ العطاء منهم دلالة على توليتهم واعتقاد امامتهم." [۲]

ترجمہ: اور تمام صحابہ و تابعین ان ظالموں کے ہاتھوں سے اپنے وظائف وصول کرتے تھے، لیکن اس بناء پر نہیں کہ وہ ان کو دوست یا ان سے محبت رکھتے ہوئے یا ان کی خلافت و امامت اور امارت کو درست سمجھتے ہوئے، بلکہ وہ اس خیال سے وظائف وصول

---

[۱] أحكام القرآن للجصاص: ۱/ ۸۷، الناشر - دار احياء التراث العربي - بيروت - لبنان)

[۲] أحكام القرآن للجصاص: ۱/ ۸۸، الناشر: دار احياء التراث العربي - بيروت - لبنان)

کرتے تھے کہ یہ اُن کے اپنے حقوق تھے جو ظالم اور فاجر لوگوں کے قبضے میں تھے اور یہ طرزِ عمل ان کے ساتھ دوستی اور محبت کی بناء پر نہیں ہو سکتا، بلکہ وہ حضرات عبد الملک بن مروان کی بیعت توڑے ہوئے تھے، ان پر لعنت کرتے تھے اور ان پر تبرا کرتے تھے۔

اور ان سے پہلے صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین کا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی یہی سلوک اور رویہ تھا جب وہ علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد خلافت پر جبراً قابض ہو گیا تھا اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما اور جو صحابہ رضی اللہ عنہم اس کے دور میں موجود تھے وظائف تو قبول کرتے تھے مگر اس کے ساتھ دوستی اور محبت کے بغیر، بلکہ اس سے اسی طرح تبرا کرتے تھے جس طرح علی علیہ السلام کرتے تھے یہاں تک اللہ تعالیٰ انہیں اپنی جنت اور رضوان میں لے گئے۔

لہٰذا اس دور کے صحابہ و تابعین کا (عبد الملک، حجاج اور معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے، افجر اور اکفر لوگوں کے ہاتھوں سے) عہدہ قضاء اور وظائف قبول کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ حضرات ان سے محبت اور دوستی رکھتے تھے یا ان کی امامت و خلافت کے صحیح ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے۔" (ترجمہ ختم) [1]

## ہاشمی صاحب کی ساٹھ سالہ قلمی بددیانتی:

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر "احکام القرآن" کی عبارت کا مذکورہ بالا ترجمہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے اپنی دلی بھڑاس نکالتے ہوئے جس غیظ و غضب، بغض و عداوت اور بے ادبی سے کیا ہے اُسے پڑھتے ہی کیا اپنے کیا پرائے فطرتی طور پر بھی لوگ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف غصہ سے بھڑک اُٹھتے ہیں، حالاں کہ یہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی ساٹھ سالہ قلمی بددیانتی اور علمی خیانت کا وہ مکروہ دجل و فریب اور مذموم عیاری و مکاری ہے کہ جس کو استعمال کر کے وہ اپنے قارئین کے خیالات و نظریات کی تعمیر اپنے مکروہ عزائم اور مذموم مقاصد کی بنیاد پر کرتے ہیں۔

چنانچہ زیر بحث مسئلہ میں بھی انہوں نے امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف یہی طریقہ اپنایا ہے کہ اُن کی تفسیر "احکام القرآن" کی عبارت کا ایسا غلط اور بے ادب ترجمہ کیا ہے کہ جس کا اصل عربی عبارت کے ساتھ تقابل

---

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۹۴-۹۵)

کرائے بغیر کوئی بھی شخص امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف فطرتی طور پر بے اختیار بھڑک اٹھتا ہے۔

اب ذیل میں ہم امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر "احکام القرآن" کی عربی عبارت کا مبنی بر انصاف ترجمہ نقل کرتے ہیں اور اس کے بعد پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں۔

## امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا مبنی بر انصاف ترجمہ:

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۷۰ھ) فرماتے ہیں:

"وقد كان الحسن وسعيد بن الجبير والشعبي وسائر التابعين يأخذون أرزاقهم من أيدي هؤلاء الظلمة، لا على أنهم كانوا يتولونهم، ولا يرون امامتهم وانما كانوا يأخذونها على أنها حقوق لهم في أيدي قوم فجرة وكيف يكون ذلك على وجه موالاتهم، وقد ضربوا وجه الحجاج بالسيف وخرج عليه من القراء أربعة آلاف رجل، هم خيار التابعين، وفقهائهم فقاتلوه مع عبد الرحمان بن محمد بن الأشعث بالأهواز، ثم بالبصرة، ثم بدير الجماجم من ناحية الفرات بقرب الكوفة، وهم خالعون لعبد الملك بن مروان، لاعنون لهم، متبرئون منهم، وكذلك كان سبيل من قبلهم مع معاوية حين تغلب على الأمر بعد قتل عليٍّ عليه السلام. وقد كان الحسن والحسين يأخذان العطاء، وكذلك من كان في ذلك العصر من الصحابة وهم غير متولين له، بل متبرئون منه على السبيل التي كان عليها عليٌّ عليه السلام الى أن توفاه الله تعالى الى جنته ورضوانه فليس اذاً في ولاية القضاء من قبلهم، ولا أخذ العطاء منهم دلالة على توليتهم واعتقاد امامتهم "[1]

ترجمہ: حسن بصری، سعید بن جبیر، اور شعبی، نیز تمام دیگر حضرات تابعین (بنو امیہ کے) ان ظالموں سے اپنے وظائف وصول کرتے تھے۔ ان کی یہ وصولی اس بناء پر نہیں تھی کہ

---

(۱) احکام القرآن للجصاص، ۱/۸۸، الناشر: دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان)

انہیں ان ظالموں سے لگاؤ تھا اور اُن کی امامت کو دُرست سمجھتے تھے، بلکہ یہ حضرات اس بناء پر اُن سے اپنے وظائف وصول کرتے تھے کہ وہ ان وظائف کو اپنا ایسا حق سمجھتے تھے کہ جو فاجر قسم کے لوگوں کے ہاتھوں میں تھا۔ یہ حضرات از راہ موالات اور دوستی کس طرح یہ حقوق حاصل کر سکتے تھے؟ جب کہ اُنہوں نے حجاج کے خلاف تلوار لے کر خروج کیا تھا۔ اس کے خلاف چار ہزار تابعین اور فقہاء نے عبدالرحمٰن بن الاشعث کی ہم رکابی میں پہلے "اہواز" کے مقام پر جنگ کی تھی اور پھر "بصرہ" کے مقام پر اور اس کے بعد "کوفہ" کے قریب "دریائے فرات" کی جانب سے "دیر جماجم" کے مقام پر۔ اُنہوں نے عبدالملک بن مروان سے خلافت کی بیعت توڑ دی تھی، اس پر لعنت بھیجتے رہے تھے اور اس سے اپنی برأت کا اظہار کرتے تھے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ان حضرات سے پہلے لوگوں کا یہی رویہ تھا، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تخت خلافت پر متمکن ہو گئے تھے، حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی اپنے وظائف وصول کرتے تھے اور اس زمانے کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی طریقہ کار تھا، حالاں کہ یہ حضرات خلیفہ وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے موالات کا کوئی رشتہ نہیں رکھتے تھے، بلکہ اُن سے اس طرح بے زاری کا اظہار کرتے تھے جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی وفات تک ان سے بے زار رہے تھے۔ چنانچہ اس بناء پر ظالم حکم رانوں کی طرف سے عہدۂ قضاء قبول کرنے اور ان سے اپنے وظائف وصول کرنے میں ایسی کسی دلالت کا وجود نہیں کہ جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ حضرات ان ظالموں سے دوستی کا رشتہ رکھتے تھے اور اُن کی امامت کے قائل تھے۔ (ترجمہ ختم)

دراصل امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ یہاں پر اس مسئلہ کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ:

"اگر کوئی قاضی جو فی نفسہٖ عادل ہو اور اُسے کسی ظالم حاکم کی طرف سے عہدۂ قضاء پر مامور کر دیا گیا ہو تو اُس کے فیصلے نافذ العمل ہوں گے اور اُس کے پیچھے نماز دُرست ہوگی، اس لئے کہ قاضی اگر عادل ہوگا تو وہ بایں معنی قاضی ہوگا کہ اُس کے لئے احکامات کی

تنفیذ ممکن ہوگی اور جو شخص اس کے احکامات کو قبول کرنے سے باز رہے اُسے یہ احکامات قبول کرنے پر مجبور کرنے کا اختیار اور قدرت ہوگی، اس سلسلے میں یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ اسے کس نے اس عہدۂ قضاء پر مامور کیا ہے، کیوں کہ مامور کرنے والا حاکم قاضی کے دیگر اعوان اور کارندوں جیسا ہوگا، جب کہ قاضی کے مددگاروں کے لئے عادل ہونا شرط نہیں ہے۔

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اگر ایک شہر والے (جن کا کوئی حاکم نہ ہو) اکٹھے ہوکر اپنے میں سے کسی عادل شخص کو عہدۂ قضاء سپرد کردیں تو اور اس سے وعدہ کرلیں کہ جو لوگ اس کے فیصلوں کو تسلیم کرنے سے باز رہیں گے اُن کے خلاف یہ لوگ اس کی مدد کریں گے، تو اس صورت میں مذکورہ قاضی کے تمام فیصلے نافذ العمل ہوں گے، خواہ اسے اس عہدے کا پروانہ کسی امام یا سلطان کی طرف سے حاصل نہ بھی ہو۔

اسی بناء پر قاضی شریح، حسن بصری، سعید بن جبیر اور شعبی حضرات حسنین کریمین وغیرہ حضرات کو بنو اُمیہ کی طرف سے جو وظائف ملتے تھے یا ان کی طرف سے ان لوگوں نے جو عہدے قضاء کے قبول کر رکھے تھے تو وہ صرف اس بناء پر کہ یہ حضرات اپنے تئیں یہ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے ذاتی حقوق ہیں جو فاجر قسم کے لوگوں کے ہاتھوں ہیں اس لئے ہم انہیں گویا ایک طرح سے ان سے وصول کر رہے ہیں، یہ مطلب نہیں کہ ان حضرات نے اموی حکام بشمول حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے عقد موالات اور دوستی کا رشتہ قائم کر رکھا ہے اور یہ اُن کی امامت کے قائل ہیں۔" [1]

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی اس توضیح سے صاف طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر اُموی خلفاء حضرات کی بارے میں جو ظالم اور فاجر وغیرہ کے الفاظ مروی ہیں وہ اس دور کے مذکورہ بالا قضاۃ حضرات کے اپنے ہیں جنہوں نے اُمویہ حکام سے اپنے وظائف اور قضاء کے عہدے قبول کر رکھے تھے۔

نیز یہ الفاظ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کے نہیں ہیں، بلکہ انہوں نے تو محض بنو اُمیہ کے مذکورہ بالا قضاۃ وغیرہ حضرات کے یہ الفاظ بطور حکایت کے نقل کیے ہیں کہ اُن قضاۃ وغیرہ حضرات کے خلفائے بنو اُمیہ کے بارے میں

---

[1] (احکام القرآن للجصاص: ۱/ ۸۷، ۸۸، الناشر: دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان)

خیالات ونظریات یہ یہ تھے۔

چنانچہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت:

"وانما کانوا یأخذونها علی أنها حقوق لهم في ایدي قوم فجرة" [۱]

ترجمہ: اور وہ حضرات اس نظریے کی بنیاد پر ان سے اپنے وظائف اور عہدے قبول کرتے تھے کہ یہ ہمارے حقوق ہیں جو فاجر قوم کے قبضے میں ہیں۔ (ترجمہ ختم)

ہماری اس توجیہ پر روزِ روشن کی طرح شاہد عدل ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ کا دامن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ حضرات کے بارے میں طعن وتنقید اور توہین وتشنیع سے بالکل پاک، صاف، بے غبار اور حق برِ اعتدال ہے، اور اس میں کسی بھی قسم کی کوئی چیز آپ رضی اللہ عنہ کے خلاف ادنیٰ گستاخی کی بھی نہیں پائی جاتی۔

## بنو اُمیہ کے دو ظالم اور فاسق حکمران:

باقی رہے دیگر خلفائے بنو اُمیہ تو اس بارے میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ عبد الملک بن مروان اور حجاج بن یوسف دونوں فاسق وفاجر اور ظالم قسم کے خلفاء گزرے ہیں۔

چنانچہ ایک جگہ واضح اور صاف طور پر امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ ہی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"...... وكان أحد الأسباب التي لها استجاز القراء والفقهاء قتال عبد الملك بن مروان و الحجاج لعنهما الله أخذهم الجزية من المسلمين ثم صار ذلك أحد أسباب زوال دولتهم وسلب نعمتهم" [۲]

ترجمہ: ...... اُس زمانے کے فقہاء اور قراء نے جو عبد الملک بن مروان اور حجاج کے خلاف جنگ کے جواز کا جو فتویٰ دیا تھا من جملہ اس کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ یہ حکمران مسلمانوں سے جزیہ وصول کرتے تھے۔ پھر یہی چیز ان کی حکومت کے زوال اور ان کی نعمت چھن جانے کا دیگر اسباب کے ساتھ ایک سبب بن گئی۔ (ترجمہ ختم)

---

[۱] (احکام القرآن للجصاص ۱/۸۸، الناشر: دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان)

[۲] (احکام القرآن للجصاص ۴/۲۹۷، الناشر: دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان)

## تاریخ کی شہادت:

اب آیئے! تاریخ کے جھروکوں سے اس بات کا ثبوت تلاش کرتے ہیں کہ کیا خلفائے بنو امیہ (سوائے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے) حقیقت میں بھی ان مذکورہ بالا اوصاف شنیعہ سے متصف تھے یا امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے محض اپنی دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے ان پر اور بالخصوص آل مروان پر طعن و تشنیع کی یونہی بوچھاڑ کردی؟ اس کا فیصلہ میں اور آپ نہیں بلکہ فن تاریخ کے مایہ ناز علماء اور ممتاز مؤرخین حضرات فرمائیں گے، پھر دیکھیں گے کہ اس بارے میں امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کا مؤقف اور ان کا پلہ کتنا بھاری ہے؟۔

## عبدالملک بن مروان:

شروع شروع میں عبدالملک بن مروان بڑے درجے کے فقہاء میں سے تھا، یہاں تک کہ بادشاہت سے پہلے اسے مدینہ میں حضرت سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر، قبیصہ بن ذویب کے مرتبے کا فقیہ سمجھا جاتا تھا۔

چنانچہ علامہ ابن اثیر الجزری لکھتے ہیں

"كان عبد الملك عاقلاً، حازماً، اديباً، لبيباً، عالماً. قال ابو الزناد: كان فقهاء المدينة اربعة: سعيد بن المسيب، وعروة بن الزبير، و قبيصة بن ذؤيب و عبد الملك بن مروان."[1]

ترجمہ: عبدالملک عاقل، دور اندیش، ادیب، لبیب، اور عالم تھا۔ امام ابوالزناد فرماتے ہیں کہ: مدینہ میں چار فقہاء تھے: (۱) سعید بن مسیب (۲) عروہ بن زبیر (۳) قبیصہ بن ذؤیب (۴) عبدالملک بن مروان۔ (ترجمہ ختم)

۷۲ھ میں عبدالملک بن مروان نے حجاج بن یوسف کو حضرت عبداللہ بن زبیر کا محاصرہ کرنے مکہ مکرمہ بھیج دیا، چنانچہ جب ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہوا تو حجاج بھی دیگر حجاج کے ساتھ حج کرنے کی غرض سے چل دیا، اس وقت حجاج اور اس کی ساری فوج اسلحہ سے لیس تھی اور یہ لوگ عرفات میں اور اسی طرح اس کے بعد دیگر مشاعر میں قیام پذیر رہے اور چوں کہ حجاج نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کر رکھا تھا اس لئے آپ اس سال حج ادا نہ فرما سکے بلکہ آپ نے صرف یوم نحر میں ایک بدنہ کی قربانی کی اسی طرح دیگر حجاج کرام جو ایک کثیر مقدار میں آپ کے ساتھ تھے،

---

[1] (الكامل في التاريخ لابن اثير الجزري، ۳۳۲/۲، الناشر: دار الكتاب العربي، بيروت، لبنان)

وہ بھی جو حجاج بن یوسف کے ساتھ تھے اور طارق بن عمرو یہ تمام حضرات بھی اس سال طواف کعبہ نہ کر سکے، چنانچہ تمام لوگ یونہی احرام باندھے رہے اور انہیں دوسری مرتبہ احرام کھولنے کا موقع ہی نہ مل سکا، اور حجاج بن یوسف اپنی فوج کے ساتھ «حجون» اور «بئر میمونہ» کے درمیان پڑاؤ ڈالے رہا۔

چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

"قال ابن جرير : و فيها بعث عبد الملك بن مروان الحجاج بن يوسف الثقفي الي عبد الله بن الزبير ليحاصره بمكة... فلما دخل ذو الحجة حج بالناس الحجاج في هذه السنة وعليه وعلي اصحابه السلاح وهم وقوف بعرفات، و كذا فيما بعدها من المشاعر، و ابن الزبير محصور لم يتمكن من الحج هذه السنة بل نحر بدنا يوم النحر وهكذا لم يتمكن كثير ممن معه من الحج و كذا لم يتمكن كثير ممن مع الحجاج و طارق بن عمرو ان يطوفوا بالبيت، فبقوا علي احرامهم، لم يحصل لهم التحلل الثاني والحجاج وأصحابه نزول بين الحجون و بئر ميمونة فانا لله وانا اليه راجعون"[1]

ترجمہ: ابن جریر فرماتے ہیں کہ اسی سال (۷۲ھ) میں عبدالملک بن مروان نے حجاج بن یوسف کو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا تاکہ وہ مکہ میں ان کا محاصرہ کرے۔۔۔ چنانچہ جب ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہوا تو حجاج بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ حج کرنے نکلا اس وقت حجاج اور اس کی ساری فوج اسلحہ سے لیس دار تھی اور یہ لوگ عرفات میں اور اسی طرح اس کے بعد دیگر مشاعر میں قیام پذیر تھے اور چوں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا حجاج نے محاصرہ کر رکھا تھا اس لئے وہ اس سال حج نہ کر سکے بلکہ وہ صرف یوم نحر میں ایک بدنہ کی قربانی کر سکے اسی طرح دیگر حجاج کرام جو ایک کثیر مقدار میں آپ کے ساتھ تھے اور وہ بھی جو حجاج بن یوسف کے ساتھ تھے اور طارق بن عمرو یہ تمام حضرات بھی اس سال طواف

---

[1] البداية و النهاية لابن كثير : ۸/ ۳۵۸، الناشر، دار احياء التراث العربي (بيروت، لبنان)

کعبہ نہ کرسکے، چنانچہ یہ تمام لوگ یونہی احرام باندھے رہے اور انہیں دوسری مرتبہ احرام کھولنے کا موقع ہی نہ مل سکا، اور حجاج بن یوسف اپنی فوج کے ساتھ "حجون" اور "بئر میمونہ" کے درمیان پڑاؤ ڈالے رہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (ترجمہ ختم)

یزید کے زمانہ میں عبد الملک[۱] بن مروان نے کعبہ پر سنگ باری کے خلاف سخت ناراضگی کا اظہار کیا تھا مگر جب یہ خود خلیفہ بنا تو اس نے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ کے لئے حجاج بن یوسف کو مکہ بھیج دیا، اس ظالم نے عین حج کے زمانہ میں مکہ معظمہ پر چڑھائی کی، جب کہ زمانہ جاہلیت میں کفار ومشرکین بھی جنگ سے ہاتھ روک لیتے تھے۔ اور کوہ ابوقبیس پر منجنیقیں لگا کر خانہ کعبہ پر سنگ باری کی، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سخت اصرار پر یہ سنگ باری صرف اتنی دیر کے لئے روکی گئی کہ باہر سے آئے ہوئے حجاج طواف وسعی کرلیں۔ لیکن نہ اس سال کے حج میں مکہ کے لوگ منیٰ اور عرفات جاسکے اور نہ خود حجاج کی فوج کے لوگ طواف وسعی کرسکے۔ باہر سے آنے والوں نے جب طواف زیارت کرلیا تو حجاج نے اعلان کیا کہ سب حاجی نکل جائیں اور از سرِ نو سنگ باری شروع کردی۔

چنانچہ مشہور مؤرخ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں

"و لما قدم الحجاج مكة، احرم بحجة، ونزل بئر ميمونة، وحج بالناس ولم يطف ولا سعي وحصر ابن الزبير عن عرفة فنحر بدنة بمكة و لم يمنع الحاج من الطواف والسعي ثم نصب الحجاج المنجنيق علي ابي قبيس ورمي به الكعبة وكان ابن عمر قد حج تلك السنة فبعث الي الحجاج بالكف عن المنجنيق لاجل الطائفين ففعل و نادي منادي الحجاج عند الافاضة انصرفوا فانا نعود بالحجارة علي ابن الزبير و رمي بالمنجنيق علي الكعبة "[۱]

ترجمہ: اور جب حجاج مکہ میں داخل ہوا تو اس نے حج کا احرام باندھا اور بئر میمونہ میں قیام پذیر ہوا اور لوگوں کے ساتھ حج کیا لیکن نہ تو طواف کیا اور نہ ہی سعی کی اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا عرفہ میں محاصرہ کرلیا، پس انہوں نے مکہ ہی میں ایک "بدنہ" کی قربانی کی

---

[۱] (تاریخ ابن خلدون ۳/۴۹، الناشر دار الفکر، بیروت)

اور اس نے لوگوں کو طواف اور سعی سے منع نہیں کیا، پھر حجاج نے کوہ ابوقبیس پر منجنیقیں لگا کر خانہ کعبہ پر سنگ باری شروع کر دی، اور چوں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی اس سال حج کرنے کی غرض سے آئے ہوئے تھے، اس لئے آپؓ نے حجاج کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ (تھوڑی دیر) ان دو جماعتوں کے لئے منجنیق کی سنگ باری روک دے (تاکہ یہ لوگ طواف زیارت کر لیں، چنانچہ جب یہ دونوں جماعتیں طواف زیارت کر چکیں تو) حجاج نے تمام حجاج کرام کے درمیان افاضہ (یعنی عرفات سے منیٰ کی طرف روانہ ہونے) کے وقت یہ اعلان کروا دیا تم لوگ (جلدی سے) یہاں سے نکلو! کیوں کہ ہم دوبارہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پر سنگ باری شروع کرنے لگے ہیں، چنانچہ حجاج نے دوبارہ کعبہ شریف پر سنگ باری کرنی شروع کر دی۔ (ترجمہ ختم)

## حجاج بن یوسف:

حجاج بن یوسف عبدالملک بن مروان اور اس کے بیٹے ولید بن عبدالملک کے زمانے میں تقریباً بیس سال تک ان کا گورنر رہا اور ظلم و ستم کے پہاڑ لوگوں پر ڈھاتا رہا۔

دُنیا میں کوئی انسان بھی اگرچہ ''مجسمہ شر'' نہیں ہوتا اور حجاج بن یوسف بھی خیر سے گو کہ بالکل عاری نہ تھا قرآن مجید پر اعراب لگوانا، سندھ کے علاقے کو فتح کروانا وغیرہ اس کے چند ایک ایسے کارہائے نمایاں ہیں کہ رہتی دُنیا اس کی تعریف میں رطب اللسان رہے گی، لیکن اس کا یہ مطلب بھی تو ہرگز نہیں کہ جو شخص ظلم و ستم ڈھانے میں ضرب المثل ہو گیا ہو اُس کی یہ چند ایک انگلیوں پر گنی جانے والی نیکیاں ہزاروں مومنین اور مومنات کے قتل ناحق پر حاوی ہو جائیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''اگر دُنیا کی تمام قومیں خباثت کا مقابلہ کریں اور اپنے اپنے سارے خبیث لے آئیں تو ہم تنہا حجاج کو پیش کر کے ان پر بازی لے جا سکتے ہیں۔''

مشہور امام قرأت عاصم بن ابی النجود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''اللہ کی حرمتوں میں سے کوئی حرمت ایسی نہ رہی جس کا ارتکاب اس شخص (حجاج بن یوسف) نے نہ کیا ہو۔''

چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفیٰ ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں

"قال عمر بن عبد العزيز: لوجاءت كل أمة بخبيثها، وجئناهم بالحجاج لغلبناهم وقال أبوبكر بن عياش: عن عاصم بن ابي النجود: ما بقيت لله حرمة الا وقد ارتكبها الحجاج." ۱؎

ترجمہ: حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "اگر دنیا کی تمام قومیں خباثت کا مقابلہ کریں اور اپنے اپنے سارے خبیث لے آئیں تو ہم تنہا حجاج کو پیش کر کے ان پر بازی لے جا سکتے ہیں۔"

امام ابوبکر بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ امام قرأت عاصم بن ابی النجود رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرماتے ہیں کہ: "اللہ کی حرمتوں میں سے کوئی حرمت ایسی نہ رہی جس کا ارتکاب اس شخص (حجاج بن یوسف) نے نہ کیا ہو۔" (ترجمہ ختم)

حجاج بن یوسف حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو منافقین کا سردار کہتا تھا، اس کا قول تھا کہ: "ابن مسعود رضی اللہ عنہ مجھے مل جاتے تو میں ان کے خون سے زمین کی پیاس بجھاتا۔"

چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

"ثنا الصلت بن دينار سمعت الحجاج على منبر واسط يقول: عبد الله بن مسعود رأس المنافقين، لو أدركته لأسقيت الأرض من دمه." ۲؎

ترجمہ: صلت بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے منبر کے عین وسط میں بیٹھے حجاج کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: "حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ منافقین کے سردار ہیں، اگر میں نے ان کو پالیا تو ضرور ان کے خون سے زمین کی پیاس بجھاؤں گا۔" (ترجمہ ختم)

حجاج نے اعلان کر رکھا تھا کہ: "حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت کو میں مصحف میں سے مٹا دوں گا اگرچہ مجھے سور کی ہڈی سے ہی کیوں نہ مٹانا پڑے اور اگر میں نے ان کو پالیا تو میں ان کی گردن اڑا دوں گا۔"

چنانچہ امام کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

---

۱؎ (البداية والنهاية لابن كثير: ۶/۲۶۷، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

۲؎ (البداية والنهاية لابن كثير: ۹/۱۴۹، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

"وفي قوله عن قراته : انها شعر من شعر هذيل وانه لابد أن يحكها من المصحف ولو بضلع خنزير ، وانه لو أدركه لضرب عنقه ، فحصل على اثم ذلک کله بنيته الخبيثة ."[1]

ترجمہ: قرأت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں حجاج کا قول ہے کہ یہ ہذیل کے اشعار میں سے ایک شعر ہے اور مصحف میں سے اسے میں مٹادوں گا اگرچہ مجھے سور کی ہڈی سے ہی کیوں نہ مٹانا پڑے اور اگر میں نے ان کو پالیا تو میں اُن کی گردن اڑادوں گا۔" یہ ساری (چیزیں) اُس کی خبیث نیت کا نتیجہ ہیں۔ (ترجمہ ختم)

حجاج نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ جیسے اکابر بزرگ صحابہ کو یں اور ان کی گردنوں پر مہریں تک لگائیں۔

چنانچہ علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

"عن اسحق بن زيد قال : رأيت انس بن مالک مختوما في عنقه ختم الحجاج أراد أن يذله بذلک ."[2]

ترجمہ: اسحٰق بن زید سے مروی ہے کہ میں نے حضرت انس بن مالک کو دیکھا کہ ان کی گردن پر حجاج کی مہر لگی ہوئی تھی اور حجاج کا مقصد اس سے اُن کو ذلیل کرنا تھا۔

اسی طرح ۷۴ھ میں حجاج نے حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کی طرف ایک پیغام بھیجا جس سے اس کا مقصد انہیں ذلیل کرنا تھا اس میں لکھا تھا کہ کس چیز نے آپ کو امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدد کرنے سے روک دیا تھا؟ آپ نے جواب دیا کہ میں نے امیر المومنین کی مدد کی تھی حجاج نے کہا جھوٹ بولتے ہو اس کے بعد ان کے بارے میں حکم جاری کیا کہ ان کی گردن پر مہر لگادی جائے چنانچہ آپ کی گردن پر حجاج کی مہر لگادی گئی نیز حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی گردن پر بھی اس کی مہر لگائی گئی جب کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مہر لگائی گئی یہاں تک کہ عبدالملک بن مروان کا حکم اس بارے میں صادر نہ ہوجائے۔ اس طرح مہر لگانے سے حجاج کا مقصد ایک تو ان حضرات و عوام

---

[1] (البداية والنهاية لابن كثير ج ۹ ص ۱۰۱ الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

[2] (الاستيعاب في معرفة الاصحاب لابن عبد البر ج ۱ ص ۱۱۰ الناشر: دار الجيل، بيروت، لبنان)

الناس میں ذلیل کرنا تھا اور دوسرے یہ کہ عوام ان سے دور رہ سکیں اور ان کی کوئی بات نہ سن سکیں۔

چنانچہ علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۶۳ھ) ہی ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"وفي سنة اربع و سبعين أرسل الحجاج في سهل بن سعد يريد اذلاله . قال : مامنعک من نصرة امير المؤمنين عثمان؟ قال قد فعلته . قال كذبت ، ثم أمر به ، فختم في عنقه و ختم أيضا في عنق انس بن مالک حتی ورد كتاب عبد الملک فيه . وختم في يد جابر يريد اذلالهم بذلک و أن يجتنبهم الناس ولا يسمعوا منهم ."[1]

ترجمہ: اور ۷۴ھ میں حجاج نے حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کی طرف ایک پیغام بھیجا جس سے اس کا مقصد انہیں ذلیل کرنا تھا، کہا کہ "کس چیز نے آپ کو امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدد کرنے سے روک دیا تھا؟" آپ نے جواب دیا کہ "میں نے امیر المومنین کی مدد کی۔" حجاج نے کہا "جھوٹ بولتے ہو۔" اس کے بعد ان کے بارے میں حکم جاری کیا کہ ان کی گردن پر مہر لگادی جائے! چنانچہ آپ کی گردن پر حجاج کی مہر لگادی گئی۔ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی گردن پر بھی اس کی مہر لگائی گئی، یہاں تک کہ عبدالملک بن مروان کا حکم اس بارے میں صادر ہوا، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مہر لگائی گئی۔ اس طرح مہر لگانے سے حجاج کا مقصد ایک تو ان حضرات کو عوام الناس میں ذلیل کرنا تھا اور دوسرے یہ تاکہ عوام ان سے دور رہ سکیں اور ان کی کوئی بات نہ سن سکیں۔ (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں آتا ہے کہ حجاج بن یوسف نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو قتل کی دی تھی۔

چنانچہ علامہ ابن اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۳۰ھ) لکھتے ہیں

"وقيل : ان الحجاج حج مع عبد الله بن عمر فامره عبد الملک بن مروان أن يقتدي بابن عمر ، فكان ابن عمر يتقدم الحجاج في المواقف

---

[1] (الاستيعاب في معرفة الأصحاب لابن عبد البر : ۲/ ۶۶۴ ، أنلسم : دار الجيل بيروت)

بعرفة وغيرها فكان ذلک يشق علي الحجاج فأمر رجلاً معه حربة مسمومة فلصق بابن عمر عند دفع الناس فوضع الحربة علي ظهر قدمه، فمرض منها أياماً، فأتاه الحجاج يعوده، فقال له: من فعل بک؟ قال: وما تصنع؟ قال: قتلني الله ان لم اقتله! " قال: ما أراک فاعلاً. أنت أمرت الذي نخسني بالحربة " فقال: " لاتفعل يا أبا عبد الرحمان! وخرج عنه. " [1]

ترجمہ: کہا جاتا ہے کہ (جب) حجاج بن یوسف نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ حج (کرنے کا ارادہ) کیا تو عبدالملک بن مروان نے حجاج سے کہا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اقتدا کرے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عرفات وغیرہ تمام مواقیت میں حجاج سے آگے آگے رہے اور یہ بات حجاج پر شاق گزرتی، چنانچہ اس نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر حملہ کرے، اس آدمی کے پاس ایک زہر آلود نیزہ تھا وہ لوگوں کو ادھر اُدھر کرتے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ چمٹ گیا اور وہ نیزہ آپؓ کے پاؤں کی پیٹھ پر اس طرح رکھا کہ آپؓ (اس سے زخمی ہو گئے اور) کئی دن تک آپؓ اس کی وجہ بیمار رہے، چنانچہ حجاج آپؓ کی عیادت کرنے آیا اور کہنے لگا: "یہ نیزہ کس نے مارا ہے؟" آپؓ نے فرمایا: "تو (اُس کے ساتھ) کیا کرے گا؟" حجاج نے کہا: "اللہ مجھے موت دے دے اگر میں اس شخص کو قتل نہ کردوں۔" آپؓ نے فرمایا: "مجھے لگتا نہیں کہ تو ایسے کرے گا (کیوں کہ) تو نے ہی اُس کو مجھے نیزہ چبھونے کا حکم دیا ہے۔" حجاج نے کہا: "ایسے مت کرو اے ابوعبدالرحمان! اور وہاں سے "دال نے میں" ہو گیا۔ (ترجمہ ختم)

اور ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ حجاج ہی آپ کے قتل کا سبب بنا تھا۔

چنانچہ علامہ ابن اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۳۰ھ) لکھتے ہیں

" وكان سبب قتله أن الحجاج أمر رجلاً فسم زج رمح وزحمه في الطريق و وضع الزج في ظهر قدمه، وانما فعل الحجاج ذلک لانه خطب

---

[1] (أسد الغابة في معرفة الصحابة لابن أثير الجزري: ۳۳۶/۳، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، ـ س ـ ن)

يوماً و أخر الصلاة ، فقال له ابن عمر : ان الشمس لا تنظرک ، فقال له الحجاج : لقد هممت أن أضرب الذی فیه عیناک ، قال : ان تفعل فانک سفیه مسلط ." [1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے قتل کا سبب یہ بنا کہ حجاج نے ایک شخص کو آپؓ کے قتل کرنے کا حکم دیا، اس شخص نے سب سے پہلے تو نیزے کے نچلے لوہے کو زہر آلود کیا اور پھر آپؓ کے لئے چلنے کا راستہ تنگ کیا اور نیزے کے اس زہر آلود نچلے لوہے کو آپؓ کے پاؤں کی پیٹھ پر رکھا (جس سے آپؓ زخمی ہو گئے) اور یہ کام حجاج نے اس لئے کیا کہ ایک دن وہ خطبہ دے رہا تھا اور نماز کو مؤخر کر رہا تھا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے کہا "سورج تیرا انتظار نہیں کرتا۔" تو حجاج کہنے لگا "میرا دل چاہتا ہے کہ میں تیری گردن اڑا دوں۔" آپؓ نے فرمایا: "اگر تو نے ایسا کیا تو تو بیوقوف ہوگا جو ہم پر مسلط کیا گیا ہے۔" (ترجمہ ختم)

اور علامہ ابن اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۳۰ ھ) نے ایک اور جگہ یہ تصریح بھی نقل فرمائی ہے:

"وعاده الحجاج في مرضه ، فقال من فعل بک هذا؟ قال : أنت لأنک أمرت بحمل السلاح في بلد لا يحل حمله فيه ." [2]

ترجمہ: حجاج نے ان (حضرت عبداللہ عمر رضی اللہ عنہما) کی عیادت کی اور آپؓ سے پوچھا کہ: کس نے آپؓ کے ساتھ یہ حرکت کی؟ آپؓ نے فرمایا: "تو نے! اس لئے کہ تو نے ہی ایسے شہر میں ہتھیار اُٹھانے کا حکم دیا ہے، جہاں ان کا اُٹھانا حلال نہیں ہے۔" (ترجمہ ختم)

حجاج بن یوسف علانیہ کہتا تھا کہ: "اگر میں لوگوں کو مسجد کے ایک دروازے سے نکلنے کا حکم دوں اور وہ دوسرے دروازے سے نکلیں تو میرے لئے اُن کا خون حلال ہے۔"

---

[1] (أسد الغابة في معرفة الصحابة لابن أثير الجزري : ۳، ۳۳۶ ، الناشر : دار العلمية - بيروت - لبنان)

[2] (الكامل في التاريخ لابن أثير الجزري : ٤ ، ۱۲ دار الكتب العلمية - بيروت - لبنان)

چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

"واللہ لو امرت الناس ان یخرجوا من باب المسجد فخرجوا من باب آخر لحلت لی دمائھم واموالھم."[۱]

ترجمہ: اللہ کی قسم اگر میں لوگوں کو مسجد کے ایک دروازے سے نکلنے کا حکم دوں اور وہ دوسرے دروازے سے نکلیں تو میرے لئے اُن کا خون حلال ہے۔ (ترجمہ ختم)

حجاج کے صبر کرنے کے نتیجہ میں جو لوگ قتل کیے گئے صرف اُن کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار بتائی جاتی ہے جب وہ مرا تو اس کے قید خانوں میں اسی ہزار بے قصور انسان کسی مقدمے اور کسی عدالتی فیصلے کے بغیر سڑ رہے تھے۔

چنانچہ امام کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) ہی لکھتے ہیں

"وقال ابو عیسی الترمذی: ثنا ابو داود سلیمان بن مسلم البلخی ثنا النضر بن شمیل، عن ھشام بن حسان قال: احصوا ما قتل الحجاج صبرا فبلغ مائۃ الف وعشرین الفا قال الأصمعی ثنا ابو العاصم عن عباد بن کثیر عن قحذم قال: اطلق سلیمان بن عبد الملک فی غداۃ واحدۃ احدا و ثمانین الف اسیر کانوا فی سجن الحجاج وقیل: انہ لبث فی سجنہ ثمانون الفا منھم ثلاثون الف امراۃ، وعرضت السجون بعد الحجاج فوجدوا فیھا ثلاثۃ وثلاثین الفا، لم یجب علی احد منھم قطع ولا صلب."[۲]

ترجمہ: ہشام بن حسان کہتے ہیں کہ "حجاج کے صبر کرنے کے نتیجہ میں جو لوگ قتل کیے گئے صرف اُن کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار بتائی جاتی ہے، قحذمؒ کہتے ہیں کہ "ایک صبح سلیمان بن عبد الملک نے اکیاسی ہزار لوگوں کو حجاج کی قید سے آزاد کیا تھا، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حجاج کی قید میں اسی ہزار لوگ تھے، جن میں سے صرف تیس ہزار عورتیں تھیں اور جب وہ مرا تو اس کے قید خانوں میں تینتیس ہزار بے گناہ ایسے لوگ تھے جو کسی مقدمے اور کسی عدالتی

---

۱ البدایۃ والنھایۃ لابن کثیر ج ۹ ص ۱۲۸، الناشر دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان

۲ البدایۃ والنھایۃ لابن کثیر ج ۹ ص [illegible]، الناشر دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان

فیصلے کے بغیر ہی سزا دے رہے تھے۔ (ترجمہ ختم)

عبدالملک بن مروان کی موت وقت جب قریب آیا تو اس نے اپنی اولاد کو یہ وصیت کی کہ '' حجاج بن یوسف کا ہمیشہ لحاظ رکھنا، اس لئے کہ اسی نے ہمارے لئے سلطنت کا راستہ ہموار کیا، دشمنوں کو مغلوب کیا، اور ہمارے خلاف سر اٹھانے والوں کو قلع قمع کیا۔''

چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

'' ..... أنظر إلى الحجاج بن يوسف ، فاكرمه ، فانه هو الذي مهد لک البلاد وقهر الأعداء وخلص لكم الملك وشتت الخوارج ... الخ ''[1]

ترجمہ: حجاج بن یوسف کا خیال رکھنا، اور اس کی عزت کرنا، کیوں کہ یہی وہ شخص ہے کہ جس نے تیرے لئے سلطنت کا راستہ ہموار کیا، دشمنوں کو مغلوب کیا، بادشاہت کا سہرا پہنایا اور خارجیوں و باغیوں کو تتر بتر کر دیا۔ (ترجمہ ختم)

یہ وصیت اُس ذہنیت کی پوری عکاسی کرتی ہے جس کے ساتھ یہ لوگ حکومت کر رہے تھے ان کی نگاہ میں اصل اہمیت ان کے اپنے اقتدار کی تھی، اُس کا قیام و استحکام جس ذریعہ سے بھی ہو ان کے نزدیک مستحسن تھا قطع نظر اس سے کہ شریعت کی تمام حدیں اس کی خاطر پامال ہو جائیں۔

یہ ظلم ستم اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ چیخ اٹھے: '' عراق میں حجاج، شام میں ولید، مصر میں قرہ بن شریک، مدینہ میں عثمان بن حیان اور مکہ میں خالد بن عبداللہ القسری۔'' اے اللہ! تیری دُنیا ظلم و بربریت سے تلملا اٹھی اب انسانوں کو راحت و سکون عطا فرما۔''

مؤرخین نے لکھا ہے کہ ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا ہوگا کہ حجاج بن یوسف اور قرۃ بن شریک دونوں کی ایک ہی مہینہ میں وفات ہوگئی اور ان کے پیچھے پیچھے ولید بن عبدالملک بھی چلتا بنا اور عثمان اور خالد دونوں معزول کر دیئے گئے، یوں اللہ تعالیٰ نے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی دعا قبول فرمائی۔

چنانچہ علامہ ابن اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۳۰ھ) لکھتے ہیں:

---

[1] (البداية والنهاية لابن كثير : ۹/۸۰، الناشر: دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان ) و ( تاريخ ابن خلدون ، ۳/۳۰، الناشر: دار الفكر ، بيروت )

"قيل: ان عمر بن عبد العزيز ذكر عنده ظلم الحجاج وغيره من ولاة الأمصار أيام الوليد بن عبد الملك، فقال: الحجاج بالعراق، و الوليد بالشام، وقرة بمصر، و عثمان بالمدينة، و خالد بمكة، اللهم قد امتلأت الدنيا ظلماً وجوراً فارح الناس! فلم يمض غير قليل حتى توفي الحجاج وقرة بن شريک في شهر واحد ثم تبعهما الوليد وعزل عثمان و خالد واستجاب الله لعمر." [1]

ترجمہ: کہا جاتا ہے کہ عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں عبد الملک بن مروان کے زمانہ کے مختلف شہروں کے والیوں حجاج وغیرہ کے ظلم وستم کا تذکرہ کیا گیا تو عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے دعاء مانگی: "عراق میں حجاج، شام میں ولید، مصر میں قرہ بن شریک، مدینہ میں عثمان بن حیان اور مکہ میں خالد بن عبد اللہ القسری" اے اللہ! تیری دنیا ظلم وبربریت سے تلملا اٹھی اب انسانوں کو راحت وسکون عطا فرما!" ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ حجاج بن یوسف اور قرۃ بن شریک دونوں کی ایک ہی مہینہ میں وفات ہوگئی اور ان کے پیچھے پیچھے ولید بن عبد الملک بھی چلتا بنا اور عثمان اور خالد دونوں معزول کر دیے گئے، یوں اللہ تعالیٰ نے عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی دعا قبول فرمائی۔ (ترجمہ ختم)

سیاسی ظلم کے علاوہ یہ لوگ عام دینی معاملات میں بھی بڑی حد تک انحراف پسند ہوگئے تھے، نمازوں میں غیر معمولی تاخیر ان کا معمول تھا۔

چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں

"وفي رواية: وهذه الصلاة قد ضيعت - يعني ما كان يفعله خلفاء بني امية من تاخير الصلاة الي آخر وقتها الموسع." [2]

ترجمہ: اور ایک روایت میں آیا ہے اور یہ نماز ضائع کر دی گئی یعنی خلفائے بنی

---

[1] الكامل في التاريخ لابن اثير الجزري، ۴/ ۸۰، الناشر: دار الكتاب العربي، بيروت، لبنان)

[2] البداية والنهاية لابن كثير، ۹/ ۱۰۶، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

اُمیہ کی یہ عادت تھی کہ وہ نماز کو اس کے آخری وقت تک موخر کر کے پڑھتے تھے۔ (ترجمہ ختم)

علاوہ ازیں یہ جمعہ کا پہلا خطبہ بیٹھ کر دیتے تھے، نیز عیدین میں نماز سے پہلے خطبہ دینے کا رواج عبد الملک نے نکالا اور اس کے خاندان کے لئے یہ ایک مستقل سنت بن گیا۔

علامہ ابن اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۳۰ھ) لکھتے ہیں۔

" و صلي بالمدينة الجمعة ، فخطب الخطبة الأولي جالساً ، ثم قام فخطب الخطبة الثانية قائماً ـــ الي ان قال ـــ قال رجاء : روي لهم شيٌ فاقتدوا به ." [1]

ترجمہ: عبد الملک بن مروان نے مدینہ میں جمعہ کی نماز پڑھائی اور پہلا خطبہ بیٹھ کر دیا پھر کھڑا ہوا اور دوسرا خطبہ کھڑے ہو کر دیا ـــ رجاء کہتے ہیں کہ جب خلفائے بنی امیہ کو اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے اس سلسلہ میں عبد الملک بن مروان کی پیروی کرنی شروع کر دی۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

" أول من قدم الخطبة عليٰ الصلاة يوم العيد مروان ." [2]

ترجمہ: عید کی نماز سے پہلے خطبہ دینے کا رواج مروان نے ایجاد کیا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ بنو اُمیہ کے (ماسوائے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے) دیگر جو خلفاء گزرے ہیں بالخصوص عبد الملک بن مروان اور حجاج بن یوسف تو یہ انتہائی درجے کے فاسق، فاجر اور ظالم قسم کے حکمران تھے، اس لئے ان کے فسق و فجور اور ظلم و ستم میں کسی کو کوئی شبہ نہیں۔

## " أئمة الكفر " سے مراد "طلقاء" حضرات ہیں:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر یورش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] (الكامل في التاريخ لابن أثير الجزري: ٤/ ٣٣، الناشر: دار الكتاب العربي، بيروت، لبنان) و (تاريخ الرسل و الملوك المعروف بتاريخ الطبري: ٦/ ٤٦٦، الناشر: دار التراث، بيروت)

[2] (البداية و النهاية لابن كثير: ٨/ ٢٨٣، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان) و (الكامل في التاريخ: ٣/ ٢٧٦، الناشر: دار الكتاب العربي، بيروت، لبنان)

''تبرے کی انتہا یہ ہے کہ اس حنفی اور معتزلی مفسر نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یکے از ''أئمة الکفر'' قرار دے دیا ہے۔ چنانچہ وہ ایک دوسرے مقام پر ''سورۃ التوبہ'' کی آیت ''فقاتلوا أئمة الکفر'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ''ابن عباسؓ اور مجاہدؒ سے روایت ہے کہ ''أئمة الکفر'' سے سرداران قریش مراد ہیں، اور قتادہ نے کہا کہ: ''اس سے مراد ابو جہل، امیہ بن خلف، عتبہ بن ربیعہ اور سہل بن عمرو ہیں۔''

ابو بکرؒ نے کہا کہ ''اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ سورۃ برأت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی، اور ابو جہل، امیہ بن خلف اور عتبہ بن ربیعہ اس سے پہلے ہی مارے گئے تھے اور سرداران قریش میں سے سورۃ برأت کے نزول کے وقت کوئی بھی باقی نہ بچا تھا جس نے کفر کا اظہار کیا ہو۔ ''أئمة الکفر'' کی صحیح توجیہ یہ ہے کہ اس مراد قریش کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے موقع پر اپنے اسلام کا اظہار تو کیا لیکن ان کے دل کفر سے پاک نہیں ہوئے تھے اور وہ ''طلقاء'' ہیں جیسے ابو سفیان اور اس کا گروہ'' الا ان یکون المراد قوماً من قریش قد کانوا أظھروا الاسلام وھم الطلقاء من نحو أبي سفیان وأحزابه ممن لم ینق قلبه من الکفر۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی یقیناً حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ ہی کے گروہ میں شامل تھے لیکن بصاص نے ان کے بارے میں یہ تصریح بھی کی ہے کہ

''لیس معاویة من المھاجرین بل ھو من الطلقاء''[۱]

ترجمہ: معاویہ رضی اللہ عنہ مہاجرین میں سے نہیں بلکہ ''طلقاء'' میں سے ہیں۔

اس طرح معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ان کے نزدیک یکے از ''ائمة الکفر'' ہو گئے۔[۲]

## امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی وضاحت:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فتح مکہ سے پہلے اسلام لانے کے بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے، اگرچہ صحیح

---

۱ (احکام القرآن للجصاص: ۳ / ۸۶، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۹۵، ۹۶)

۲ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۹۵، ۹۶)

اور راجح یہی ہے کہ وہ فتح مکہ سے پہلے صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لے آئے تھے، لیکن چوں کہ انہوں نے ایک خاص حکمت عملی کے تحت اپنے اسلام لانے کو چھپائے رکھا تھا، اور فتح مکہ کے موقع پر اپنے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنے اسلام لانے کا اظہار کیا تھا اس لئے کئی حضرات نے یہ سمجھ لیا تھا کہ شاید آپؓ فتح مکہ کے موقع پر ہی اسلام لائے تھے۔

امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جو "طلقاء" میں سے شمار فرمایا ہے تو اُس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ آپ تک اُن کے فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کرنے کی کوئی صحیح روایت نہ پہنچی ہو، اور آپؒ نے یہی سمجھ رکھا ہو کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے موقع پر ہی اسلام قبول کیا ہے، اور اسی وجہ سے آپؒ کو "طلقاء" میں سے شمار کردیا ہو۔

بہر حال اسلام قبول کرنے کے بعد جو ان حضرات کے بارے میں امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ: "اگرچہ فتح مکہ کے موقع پر ان لوگوں نے اسلام تو قبول کرلیا تھا لیکن ان کے دل کفر سے پاک نہیں ہوئے تھے۔" تو اُس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ نعوذ باللہ! وہ منافق بن گئے تھے کہ بظاہر اسلام قبول کرلیا تھا اور دل میں کفر رکھتے تھے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام قبول کرتے ہی فوراً اُن کے دل زمانۂ جاہلیت کے اثرات سے پاک نہیں ہوگئے تھے، بلکہ جوں جوں وہ اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور ہوتے گئے تدریجاً تدریجاً اور آہستہ آہستہ اُن کے دل بھی زمانۂ جاہلیت کے اثرات سے پاک ہوتے چلے گئے۔

چنانچہ امام ابوالحسن الماوردی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۵۰ھ) لکھتے ہیں:

"المؤلفة قلوبهم صنفان: مسلمون ومشركون. فأما المسلمون فصنفان: صنف كانت نياتهم في الاسلام ضعيفة، فالفهم تقوية لنياتهم كعقبة بن زيد، وأبي سفيان بن حرب، والأقرع بن حابس والعباس بن مرداس ...... الخ."[1]

ترجمہ: "مؤلفۃ القلوب کی دو قسمیں ہیں (۱) مسلمان (۲) مشرک۔ بہر حال مسلمان تو اُن کی (بھی) دو قسمیں ہیں: (۱) ایک صنف وہ ہے کہ جن کی نیتیں اسلام (لانے)

---

[1] (النكت والعيون المعروف بتفسير الماوردي (بحذف): ۲/۳۷۵، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

کے بارے میں کم زور تھیں، پس آنحضرت ﷺ نے اُن کے ساتھ تالیفِ قلب کا معاملہ فرمایا تاکہ اُن کی نیتیں قوی ہوجائیں، جیسے عقبہ بن زید، ابوسفیانؓ بن حرب، اقرع بن حابس، اور عباس بن مرداس (وغیرہم)۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۱۰ھ) بھی لکھتے ہیں:

"المؤلفة قلوبهم وهم قسمان: قسم مسلمون وقسم كفار، فأما المسلمون فقسمان: قسم دخلوا في الاسلام ونيتهم ضعيفة فيه، فكان النبي (صلى الله عليه وسلم) يعطيهم تألفا، كما أعطى عيينة بن بدر، والأقرع بن حابس والعباس بن مرداس السلمي ... الخ." [1]

ترجمہ: "مؤلفۃ القلوب" کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم مسلمان اور دوسری قسم کافر۔ بہرحال مسلمان تو اُن کی (بھی) دو قسمیں: ایک اُن کی ہے کہ جو اسلام میں داخل ہوگئے لیکن اسلام کے بارے میں اُن کی نیتیں کم زور تھیں، پس نبی اکرم ﷺ نے تالیفِ قلب کے لئے اُنہیں (کچھ مال) عطا فرمایا، جیسے عیینہ بن بدر، اور اقرع بن حابس، اور عباس بن مرداس السلمی کو (کچھ مال) عطا فرمایا۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح امام ابوالعباس احمد بن محمد الفاسی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۲۴ھ) بھی لکھتے ہیں:

"وقسم الأموال في المؤلفة قلوبهم ترغيباً في تسكين قلوبهم للاسلام." [2]

ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے "مؤلفۃ القلوب" میں مال تقسیم فرمایا تاکہ اُن کے دلوں کو تسکین نصیب ہو اور وہ اسلام کی طرف رغبت کریں۔

۴۔ اسی طرح مشہور حدیث ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ "اگر تمہاری قوم کا زمانہ کفر سے قریب نہ ہوتا اور مجھے اس کا خوف نہ ہوتا کہ وہ برا مانیں گے تو میں اس حطیم کو بھی میں بیت اللہ میں شامل کردیتا، اور زمین کو دروازہ کے برابر کردیتا، تاکہ ہر شخص آسانی سے اندر جاسکتا۔"

---

[1] (معالم التنزيل في تفسير القرآن المعروف بتفسير البغوي، ۳۶۱/۲، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت)

[2] (البحر المديد في تفسير القرآن المجيد للفاسي: ۲/۰۷۶، الناشر: الدكتور حسن عباس زكي، القاهرة)

چنانچہ صحیح بخاری کی روایت ہے!

عن عائشة زوج النبي صلي الله عليه وسلم أن رسول الله صلي الله عليه وسلم قال لها الم تري أن قومک حين بنوا الكعبة اقتصروا عن قواعد ابراهيم ، فقلت يا رسول الله ! ألا تردها علیٰ قواعد ابراهيم ؟ قال : لولا حدثان قومک بالكفر لفعلت ."

وفي رواية : لولا حداثة قومک بالكفر لنقضت البيت ثم لبنيته علي أساس ابراهيم فان قريشاً استقصرت بنائه ."

وفي رواية: لولا أن قومک حديث عهدهم بالجاهلية فاخاف ان تنكر قلوبهم ان ادخل الجدر في البيت وان الصق بابه بالأرض ." [1]

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اُن سے فرمایا "تمہیں معلوم ہے جب تمہاری قوم نے کعبہ کی تعمیر کی تو "قواعد ابراہیم" کو چھوڑ دیا تھا" میں نے عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ) اپھر آپ "قواعد ابراہیم" کو بھی شامل کر لیجئے! لیکن آپؐ نے فرمایا کہ:

"اگر تمہاری قوم کا زمانہ کفر سے قریب نہ ہوتا تو میں ایسا کر دیتا"

اور ایک روایت میں ہے کہ: "اگر تمہاری قوم کا زمانہ کفر سے قریب نہ ہوتا تو میں خانہ کعبہ کو توڑ کر اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر بناتا، کیوں کہ قریش نے اس کی بناء میں کمی کر دی ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ اگر تمہاری قوم کی جاہلیت کا زمانہ قریب نہ ہوتا اور مجھے اس کا خوف نہ ہوتا کہ وہ برا مانیں گے تو اس حطیم کو بھی میں بیت اللہ میں شامل کر دیتا، اور زمین کو دروازہ کے برابر کر دیتا۔ (تا کہ ہر شخص آسانی سے اندر جاسکتا۔) (ترجمہ ختم)

اسی طرح فتح مکہ کے موقع پر مکہ اور اطراف مکہ سے آکر اسلام قبول کرنے والے نومسلم طلقاء صحابہ کرام ؓ کہ جن کی تعداد دو ہزار کے قریب تھی، "غزوۂ حنین" کے لئے نکلے، اور مقام حنین پر آکر پڑاؤ ڈالا، اس وقت مسلمانوں کے لشکر میں چودہ ہزار سپاہیوں کی جمعیت اور کثیر تعداد میں سامانِ جنگ تھا، وہ لوگ اس سے پہلے بدر واحد میں مسلمانوں کی عظیم فتوحات کا مشاہدہ بھی اپنی آنکھوں سے کر چکے تھے، جن میں مسلمانوں کی قلیل تعداد نے کفار کے

---

[1] (صحيح البخاري : ۲/۱٤٧ ، الناشر : دار طوق النجاة )

لشکر جرار کو شکست و ہزیمت سے دوچار کیا تھا، اس لئے اپنی جمعیت اور طاقت پر نظر کر کے ان میں سے بعض طلقاء صحابہ ﷺ (جو ابھی تک مکمل طرح قوی الاسلام نہیں ہوئے تھے، بلکہ زمانۂ جاہلیت کے بعض اثرات تا ہنوز اُن کے دلوں میں باقی تھے، ان) کی زبان سے اس طرح کے کلمات نکل گئے کہ: "آج تو یہ ممکن نہیں کہ ہم کسی سے مغلوب ہو جائیں، آج تو مقابلہ کی دیر ہے کہ دشمن فوراً بھاگے گا۔" لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے پیغمبر ﷺ کی اس محبوب جماعت سے اس قسم کے کلمات پسند نہ آئے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کسی وقت بھی اپنی جمعیت اور طاقت پر غرور نہ کرنا چاہیے، بلکہ جس طرح کم زوری اور بے سر و سامانی کے عالم ان کی نظر اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد و نصرت پر رہتی ہے اسی طرح جمعیت و طاقت کے وقت بھی ان کا مکمل اعتماد صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی ہونا چاہیے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس طرح سبق سکھایا کہ جب قبیلہ ہوازن نے قرار داد کے مطابق یک بارگی حملہ بولا اور گھاٹیوں میں چھپے ہوئے دستوں نے چاروں طرف سے گھیرا ڈال دیا، گرد و غبار نے دن کو رات بنا دیا، تو ابتدائی حملہ ہی میں صحابہ کرام ﷺ کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے، صرف حضور اکرم ﷺ اپنی سواری پر سوار پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے بڑھ رہے تھے، اور بہت تھوڑے سے صحابہ ﷺ جن کی تعداد تین سو (۳۰۰) اور بعض نے ایک سو (۱۰۰) یا اس سے بھی کم بتلائی ہے آنحضرت ﷺ کے ساتھ جمے رہے۔ یہ حالت دیکھ آپ ﷺ نے حضرت عباس ﷺ کو حکم دیا کہ بلند آواز سے صحابہ ﷺ کو پکارو! کہ وہ لوگ کہاں ہیں جنہوں نے شجرہ کے نیچے بیعت جہاد کی تھی، اور سورۂ بقرہ والے حضرات کہاں ہیں، اور وہ انصار کہاں ہیں کہ جنہوں نے جان کی بازی لگانے کا عہد کیا تھا؟ سب کو چاہیے کہ واپس آ ئیں۔"

حضرت عباس ﷺ کی ایک آواز بجلی کی طرح دوڑ گئی، اور یکا یک سب بھاگنے والوں کو پشیمانی ہوئی اور بڑی دلیری کے ساتھ لوٹ کر دشمن کا پورا مقابلہ کیا۔ اسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی مدد بھیج دی، اور اُن کے قلوب میں تسکین پیدا فرما دی، تو اُن کے اُکھڑے ہوئے قدم جم گئے، اور وہ واپس پیچھے کی طرف پلٹنے لگے، جب اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس غیبی مدد و نصرت کے سبب یہ میدان کارزار فتح کیا۔ [۱]

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کر کے "غزوۂ حنین" میں شریک ہونے والے صحابہ کرام ﷺ کے دل اسلامی تعلیمات سے ابھی تک پوری طرح روشناس نہیں ہوئے تھے اور اُن کے دلوں میں زمانۂ جاہلیت کے اثرات تا ہنوز باقی تھے، جب ہی تو وہ اپنی جمعیت اور قوت و طاقت کو دیکھ کر مطمئن ہو گئے جس کے سبب اللہ

---

[۱] (معارف القرآن (تغیر و اختصار) ۳۴۳/۴ ... ۳۵۱، ناشر: ادارۃ المعارف، کراچی)

تعالیٰ نے اپنی غیبی مدد ونصرت کا نزول اُن سے رُوک دیا، لیکن اس کے معاً بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زبانی آنحضرت ﷺ کے بلاوے پر جونہی انہیں اپنے کیے پر پشیمانی ہوئی اور اُن کے ایمان کی کیفیت بدلی اور انہوں نے پیغمبر علیہ السلام کی دعوت پر لبیک کہا اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرکے دوبارہ واپس پیچھے کی طرف پلٹے، تو پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کے اُکھڑے ہوئے قدم جمادیے، اور اُن کے قلوب میں تسکین پیدا فرمادی، اور فرشتوں کو اُن کی مدد کے لئے اُتار دیا، تب مسلمانوں نے کفار پر غلبہ حاصل کیا اور میدانِ جنگ سے سرخرو ہوکر واپس لوٹے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اسی واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"لقد نصركم الله في مواطن كثيرة ويوم حنين، اذ اعجبتكم كثرتكم فلم تغن عنكم شيئاً وضاقت عليكم الأرض بما رحبت ثم وليتم مدبرين. ثم انزل الله سكينته علىٰ رسوله وعلى المؤمنين وانزل جنوداً لم تروها وعذب الذين كفروا، وذلك جزاء الكافرين."[1]

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری بہت سے مقامات پر مدد کی ہے، اور (خاص طور پر) حنین کے دن، جب تمہاری تعداد کی کثرت نے تمہیں مگن کر دیا تھا، مگر وہ کثرتِ تعداد تمہارے کچھ کام نہ آئی، اور زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی، پھر تم نے پیٹھ دکھا کر میدان سے رُخ موڑ لیا، پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل کی، اور ایسے لشکر اُتارے جو تمہیں نظر نہیں آئے، اور جن لوگوں نے کفر اپنا رکھا تھا، اللہ نے اُن کو سزا دی، اور ایسے کافروں کا یہی بدلہ ہے۔[2]

الحاصل جن لوگوں نے "فتح مکہ" کے موقع پر اسلام قبول کیا تھا، اُن کے دل چوں کہ فوراً جاہلیت کے اثرات سے پاک صاف نہیں ہوگئے تھے بلکہ تاہنوز اُن کے دلوں میں جاہلیت کے اثرات باقی تھے، لیکن تدریجاً تدریجاً اور آہستہ آہستہ جوں جوں وہ پیغمبر علیہ السلام کی رُوشن اور مبارک تعلیمات سے بہرہ ور ہوتے گئے اُن کے دل بھی زمانہ جاہلیت کے اثرات پاک اور صاف ہوتے گئے، یہاں تک کہ وہ لوگ بعد میں قوی الاسلام ہوگئے۔

---

[1] (التوبة: ۹/ ۲۵، ۲۶، ۲۷)

[2] (آسان ترجمہ قرآن: ۱/ ۵۶۹، ۵۷۰، ط، ناشر: مکتبہ معارف القرآن کراچی)

اور یہی مطلب ہے امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کا کہ جس میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ: "اگرچہ فتح مکہ کے موقع پر ان لوگوں نے اسلام تو قبول کرلیا تھا، لیکن اُن کے دل (ابھی تک) کفر سے پاک نہیں ہوئے تھے۔" یہ مطلب ہرگز مراد نہیں کہ نعوذ باللہ! وہ لوگ منافق بن گئے تھے کہ بظاہر اسلام قبول کرلیا تھا اور دل میں کفر رکھتے تھے۔

﴿۴﴾

# امام ابوعبداللہ محمد حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ

## (المتوفی ۴۰۵ھ)

### نام ونسب:

آپؒ کا نام نامی اسم گرامی محمد، کنیت ابوعبداللہ، لقب حاکم اور عرف ابن البیع (بمعنی بیوپاری کا بچہ) ہے، پورا سلسلہ نسب یہ ہے: "ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد بن حمدویہ بن نعیم بن حکم الاضبی ـــ الخ۔" [1]

### ولادت باسعادت:

آپؒ کی ولادت ۳ ربیع الاوّل ۳۲۱ھ کو ایران کے صوبہ خراسان کے جنوبی پہاڑوں کے دامن میں واقع مشہد کے قریب مشہور ومردم خیز شہر "نیشاپور" میں ہوئی جو اُس عہد کا زبردست علمی مرکز تھا اور اسی نسبت سے آپؒ نیشاپوری کے نام سے مشہور ہوئے۔

### عہدۂ قضاء:

آل بویہ کی انتہائی سفاک اور ظالم شیعہ حکومت کا دور ۳۲۰ھ سے لے کر ۴۴۸ھ تک رہا ہے۔

---

[1] (تاریخ بغداد للخطیب البغدادی، ۳/۵۰۹، الناشر: دار الغرب الاسلامی، بیروت، لبنان) و (وفیات الأعیان وانباء أبناء الزمان لابن خلکان: ۴/۲۸۰، الناشر: دار صادر، بیروت) و (المنتظم فی تاریخ الملوک والأمم لابن الجوزی ۱۵/۱۰۹، الناشر: دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان) و (تبیین کذب المفتری فیما نسب الی الامام أبی الحسن الأشعری لابن عساکر: ۱/۲۳۱، الناشر: دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان) و طبقات الشافعیة الکبری للسبکی ۴/۱۵۵، الناشر: هجر للطباعة والنشر والتوزیع)

نیشا پور کا علاقہ بھی اسی ظالم حکومت کی ماتحتی میں تھا۔ گویا امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی ساری زندگی ۳۲۱ ھ سے لے کر ۴۰۵ ھ تک اسی عہد میں گزری، جب کہ اسی حکومت کے دورِ عروج یعنی ۳۵۹ ھ میں اس حکومت کی طرف سے آپؒ عہدۂ قضا پر بھی مامور ہوئے جس کی بناء پر آپ کا لقب "الحاکم" اس قدر مشہور ہوا کہ بالآخر وہ آپؒ کے نام پر ہی غالب آ گیا۔ ۱

## تحصیل علم:

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد بلند پایہ عالم تھے اور انہیں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا شرف حاصل تھا۔ چنانچہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ بچپن ہی سے اپنے والد ماجد اور اپنے ماموں کی توجہ خاص کے سبب "علم حدیث" کی تحصیل میں مشغول ہو گئے اور ذوق علم اتنا بڑھا کہ نیشا پور سے نکل کر عراق، خراسان اور ماوراء النہر کے بیشتر شیوخ واساتذہ کی بارگاہوں سے کسب فیض کے لئے کٹھن سفر کیے اور اپنے دامن علم کو گلشن نبوت کے سدا بہار پھولوں سے مالا مال کیا۔

## علمی اسفار:

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ بچپن ہی میں تعلیم وتعلم میں مشغول ہو گئے تھے، اور نو (۹) سال کی عمر میں با قاعدہ حدیث کا سماع کیا، اور اپنے علمی ذوق کی تسکین کے لئے سب سے پہلے اپنے وطن "نیشا پور" (جو اُس وقت علمائے فن اور محدثین کا مرکز بنا ہوا تھا) اربابِ کمال کی جانب رجوع کیا، بیس (۲۰) سال کے ہوئے تو دوسرے علمی شہروں اور مراکز حدیث کا رُخ کیا اور عراق، بغداد، مکہ، کوفہ، مرو، بخارئی، موراء النہر، ہمدان اور اصبہان وغیرہ تشریف لے گئے۔ بغداد دو بار گئے، پہلی بار عین شباب کے زمانہ میں اور دوسری بار بڑھاپے کے زمانہ میں۔ اسفار کی کثرت کی وجہ سے مؤرخین نے انہیں ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے:

"طاف الآفاق ، رحل الكثير " ۲

ترجمہ: ملکوں پھرے، لمبے سفر کیے۔ (ترجمہ ختم)

---

۱ "وانما عرف بالحاكم لتقلده القضاء." (وفيات الأعيان وانباء أبناء الزمان لابن خلكان: ۴/ ۲۸۱، الناشر - دار صادر، بيروت)

۲ (تذكرة المحدثين)

### علم سے شغف:

علم سے شغف کا یہ حال تھا کہ آپ کو اپنے سے کم تر اور کم سن لوگوں سے بھی روایت کرنے میں کسی طرح کا عار نہ ہوتا تھا، یہی وجہ ہے کہ آپؒ کے اساتذہ کی تعداد بے شمار ہے۔

### اساتذہ و شیوخ:

چنانچہ حدیث کے علاوہ فقہ، تفسیر، قرأت، تصوف، سلوک اور تاریخ میں بھی آپؒ نے اپنا نام پیدا کیا اور تقریباً دو ہزار کم و بیش شیوخ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیے، جن میں سے چند اہم شیوخ و اساتذہ کے نام یہ ہیں:

(۱) عبداللہ بن محمد بن حمدویہ (والد ماجد) (۲) محمد بن علی بن عمر المذکر (۳) ابی العباس الاصم (۴) ابوجعفر محمد بن صالح بن ہانی (۵) محمد بن عبداللہ الصفار (۶) ابی عبداللہ بن الاخرم (۷) ابی العباس بن محبوب (۸) ابی حامد بن حسنویہ (۹) حسن بن یعقوب البخاری (۱۰) ابی النضر محمد بن محمد بن یوسف (۱۱) ابی الولید حسان بن محمد (۱۲) ابی عمرو بن السماک (۱۳) ابی بکر النجاد (۱۴) ابی محمد بن درستویہ (۱۵) ابی سہل بن زیاد (۱۶) عبدالرحمن بن حمدان الجلاب، (۱۷) علی بن محمد بن عقبہ الشیبانی (۱۸) ابی علی الحافظ۔ ان کی صحبت سے منتفع ہوئے ان سے سماع حدیث کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے اصحاب سے بھی حدیث کا سماع کیا۔[۱]

### تلامذہ و شاگرد:

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی درس گاہ طالبان علم کی آماجگاہ بنی رہی اور ہزاروں تشنگان علم نے خوب سیر ہو کر آپؒ سے کسب فیض کیا جن کی پوری فہرست از بس دشوار ہے البتہ چند اہم تلامذہ کے نام یہ ہیں:

---

[۱] "روي عن أبيه ومحمد بن علي بن عمر المذكر وأبي العباس الأصم وأبي جعفر محمد بن صالح بن هانئ ومحمد بن عبد الله الصفار وأبي عبد الله بن الأخرم وأبي العباس بن محبوب وأبي حامد بن حسنويه وحسن بن يعقوب البخاري وأبي النضر محمد بن محمد بن يوسف وأبي الوليد حسان بن محمد وأبي عمرو بن السماك وأبي بكر النجاد وأبي محمد بن درستويه وأبي سهل بن زياد وعبد الرحمان بن حمدان الجلاب علي بن محمد بن عقبة الشيباني وأبي علي الحافظ . وانتفع بصحبته . وما زال يسمع حتى سمع من أصحابه" (تذكرة الحفاظ للذهبي ۱۶۲/۳، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

(۱) دار قطنی (۲) ابو الفتح بن ابی الفوارس (۳) ابو العلاء الواسطی (۴) محمد بن احمد بن یعقوب (۵) ابوذر الہروی (۶) ابو یعلی الخلیلی (۷) ابوبکر البیہقی (۸) ابو القاسم القشیری (۹) ابو صالح المؤذن (۱۰) زکی عبد الحمید البحیری (۱۱) عثمان بن محمد المحمی (۱۲) ابوبکر احمد بن علی بن خلف الشیرازی۔"[۱]

## علمی مقام:

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دامن میں بڑے بڑے علماء، فقہاء اور قراء کا علم جمع کیا اور علمی جامعیت اور فضل و کمال میں اپنے ہم عصر علماء پر فائق ہوئے۔ اور گو کہ آپ کو تمام علوم وفنون پر ید طولیٰ حاصل تھا مگر علم حدیث اور اُصول حدیث سے قلبی شغف تھا، یہی وجہ ہے کہ بعد میں آپ "فخر المحدثین" اور "نقاد حدیث" کی حیثیت سے علمی دُنیا میں مشہور ہوئے اور آپ کی علمی جلالت و قابلیت کا اعتراف ملت اسلامیہ کے کبار محدثین و مؤرخین نے واشگاف الفاظ میں کیا ہے۔

## امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ اساطین علم کی نظر میں:

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ فن حدیث میں غیر معمولی کمال، خصوصی امتیاز، اور ہمہ تن مشغولیت کی بناء پر:

"الحافظ الکبیر و امام المحدثین"

وغیرہ جیسے گراں قدر القابات سے یاد کیے جاتے۔

## علامہ ابن خلکان رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق:

چنانچہ علامہ ابن خلکان رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۸۱ھ) لکھتے ہیں:

"امام أهل الحديث في عصره، والمؤلف فيه الكتب التي لم يسبق

---

[۱] "حدث عنه الدار قطني وأبو الفتح بن ابي الفوارس وأبو العلاء الواسطي ومحمدبن احمد بن يعقوب وأبو ذر الهروي وأبويعلي الخليلي وأبوبكر البيهقي وابو القاسم القشيري وابو صالح المؤذن والزكي عبد الحميد البحيري وعثمان بن محمد المحمي وأبوبكر أحمد بن علي بن خلف الشيرازي وخلائق." (تذكرة الحفاظ، ص ۲۰۲۳، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان) و (تاريخ بغداد ۳/۰۹، ۵۰، الناشر: دار الغرب الاسلامي بيروت)

الي مثلها ، كان عالما ، عارفا واسع العلم ." ۱؎

ترجمہ: (امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ) اپنے زمانہ میں محدثین کے امام اور علم حدیث میں ایسی کتابوں کے مصنف ہیں کہ کوئی آپؒ پر سبقت نہ لے جا سکا، آپؒ عالم، عارف اور وسیع علم رکھنے والے تھے۔ (ترجمہ ختم)

## علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق:

حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

" الحاكم الحافظ الكبير امام المحدثين —— صاحب التصانيف " ۲؎

ترجمہ: امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے حافظ الحدیث، محدثین کے امام ....اور بہت ساری کتابوں کے مصنف ہیں۔ (ترجمہ ختم)

## علامہ خلیل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق:

علامہ خلیل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" و هو ثقة واسع العلم "

ترجمہ: امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ ثقہ اور وسیع علم رکھنے والے عالم تھے۔ (ترجمہ ختم)

## امام عبدالغافر بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق:

امام عبدالغافر بن اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" أبو عبد الله الحاكم هو امام أهل الحديث في عصره العارف به حق معرفته ."

ترجمہ: امام ابوعبداللہ حاکم رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے میں محدثین کے امام تھے اور فن حدیث کو کما حقہ جانتے تھے۔ (ترجمہ ختم)

---

۱؎ (وفيات الأعيان و انباء أبناء الزمان لابن خلكان : ۴/ ۲۸۰ ، ألناشر : دار صادر ، بيروت)

۲؎ (تذكرة الحفاظ للذهبي : ۳/ ۱۶۲ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

## فن حدیث میں عالی مقام:

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے "فن حدیث" میں کمال و امتیاز کا اس بات سے بھی بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے حفظ و ضبط اور ثقاہت و عدالت پر تمام ائمہ فن اور محدثین کا اتفاق ہے۔ چنانچہ ابو عبد الرحمٰن سلمی کا بیان ہے کہ میں نے امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ سے حاکمؒ اور ابن مندہؒ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ابن بیع (امام حاکم) ابن مندہؒ کی بہ نسبت حافظ میں "اتقن" اور زیادہ مستند ہیں۔"

## تصانیف:

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کی تعداد میں مؤرخین کا اختلاف ہے، چنانچہ بعض نے پانچ سو، بعض نے ایک ہزار اور بعض نے ڈیڑھ ہزار جزء کے بقدر تعداد بتائی ہے۔ ۱ لیکن قدماء کی طرح ان کی بھی اکثر و بیشتر کتابیں اب معدوم اور ناپید ہیں۔

چند مشہور اور موجود کتابوں کے نام یہ ہیں:

﴿۱﴾الأربعین ﴿۲﴾الأمالي ﴿۳﴾أمالي العشيات ﴿۴﴾تراجم الشيوخ ﴿۵﴾تراجم المسند علىٰ شرط الصحيحين﴿۶﴾التلخيص﴿۸﴾فضائل الامام الشافعي﴿۹﴾فضائل العشرة المبشرة ﴿۱۰﴾فضائل فاطمة ﴿۱۱﴾فوائد الخراسانيين ﴿۱۲﴾فوائد الشيوخ ﴿۱۳﴾فوائد العراقيين﴿۱۴﴾ما تفرد باخراجه كل واحدمن الامامين ﴿۱۵﴾ كتاب المبتداء من اللآلي ﴿۱۶﴾مناقب الصديق ﴿۱۷﴾ كتاب العلل﴿۱۸﴾المدخل الىٰ معرفة الصحيحين ﴿۱۹﴾ مزكي الأخبار ﴿۲۰﴾ كتاب الاكليل المدخل الىٰ علم الحديث ﴿۲۱﴾تاريخ نيشابور ﴿۲۲﴾ معرفة علوم الحديث ﴿۲۳﴾المستدرك علىٰ الصحيحين

---

۱ قال ابن خلكان: "وصنف في علومه (أي في علوم الحديث) ما يبلغ ألفاً وخمس مائة جزء" (وفيات الأعيان وأنباء أبناء الزمان لابن خلكان: ۴/ ۲۸۰، الناشر: دار صادر، بيروت) وقال السبكي: "بلغت تصانيفه قريباً من خمس مائة جزء" (طبقات الشافعية الكبرى للسبكي: ۴/ ۱۵۸، الناشر: هجر للطباعة والنشر والتوزيع) وقال الذهبي: "اتفق له من التصانيف ما لعله يبلغ قريباً من ألف جزء." (تذكرة الحفاظ للذهبي: ۳/ ۱۶۴، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان) و (بستان المحدثين للدهلوي: ۴۱)

## وفات حسرت آیات:

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وطن نیشاپور میں مورخہ ۳ صفر المظفر ۴۰۵ھ بروز منگل یا بدھ کو وفات پائی، حمام سے غسل کر کے نکل رہے تھے اور ابھی صرف تہہ بند ہی باندھا تھا کہ ایک آہ کھینچی اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، عصر کے بعد تجہیز و تکفین کی گئی، اور قاضی ابوبکر حیرہؒ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ [1]

## وفات کے بعد ایک نیک خواب:

وفات کے بعد حسن بن اشعث قرشی نے خواب میں دیکھا کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نہایت اچھی وضع قطع میں ایک گھوڑے پر سوار ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ ''مجھے نجات مل گئی۔'' تو میں نے اُن سے پوچھا کہ اے حاکم! کس چیز کی وجہ سے؟۔'' تو فرمایا کہ: ''حدیث کی تحریر و کتابت کی وجہ سے۔'' [2]

## امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر رفض و تشیع کا الزام اور اُس کی حقیقت:

لیکن بایں ہمہ فضل و کمال امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ حاسدین و معاندین کے بغض و حسد اور کینہ و عداوت کے تیروں کے وار سے کسی بھی طرح محفوظ نہ رہے، کسی نے آپ کو رافضی شیعہ کہا تو کسی نے خبیث ناقد معاویہ۔

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''محدثین اور متقدمین کی اصطلاح کے مطابق صحابہ کرام ﷺ کے ساتھ بغض رکھنے والا اور ان پر سب کرنے والا محض رافضی ہی نہیں بلکہ غالی رافضی ہے۔

---

[1] '' قال الحافظ أبو موسى : كان الحاكم دخل الحمام واغتسل وخرج فقال: آه ، فقبض روحه وهو متزر لم يلبس قميص بعد وصلى عليه القاضي أبوبكر الحيري . توفي الحاكم في صفر سنة خمس وأربع مائة ، رحمه الله تعالى ." ( تذكرة الحفاظ للذهبي : ۲۴۶/۳ ، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان ) و (طبقات الشافعية الكبرى للسبكي : ۱۶۱/۴ ، الناشر : الهجر للطباعة والنشر والتوزيع ) و ( وفيات الأعيان وأنباء أبناء الزمان لابن خلكان ۲۸۱/۴ ، الناشر : دار صادر ، بيروت ) و (تبيين كذب المفتري فيما نسب إلى الامام أبي الحسن الأشعري لابن عساكر ۱ / ۲۳۰ ، الناشر : دار الكتاب العربي ، بيروت )

[2] " قال الحسن بن اشعث القرشي : رأيت الحاكم في المنام على فرس في هيئة حسنة وهو يقول النجاة ، فقلت له : أيها الحاكم ! فيماذا ؟ قال : في كتبة الحديث ." (طبقات الشافعية الكبرى للسبكي : ۱۶۱/۴ ، الناشر : الهجر للطباعة والنشر والتوزيع )

علامہ ابن طاہر مقدسیؒ امام حاکم کا علمی مرتبہ و مقام بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"رافضی خبیث ـــ کان شدید التعصب للشیعة في الباطن وکان یظهر التسنن في التقدیم والخلافة ...... کان منحرفا عن معاویة وآله متظاهرا بذلک ولا یعتذر منه."[1]

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ:

"وکان منحرفا غالیا عن معاویة وعن أهل بیته یتظاهر بذلک ولا یعتذر منه."[2]

ترجمہ: وہ یعنی (امام حاکمؒ) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی آل و پیروکاروں سے سخت منحرف اور بیزار تھے۔ اس چیز کا برملا اظہار کرتے تھے جس کا کوئی عذر بھی بیان نہیں کیا جا سکتا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام حاکم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اعلانیہ و برملا برأت کا اظہار کرتے تھے اور یہ انحراف و مخالفت بھی انتہائی درجے کی تھی۔ (کان منحرفاً غالیاً)

جب امام حاکمؒ کی اس ناپاک جسارت کی وجہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تبرا عام ہونے لگا تو ایک جماعت اور گروہ نے اس رویہ سے تنگ ہو کر موصوف کے اس منبر کو (جس پر بیٹھ کر وہ مجلس تبرا پڑھتے تھے) توڑ دیا اور آئندہ کے لئے انہیں گھر سے باہر مسجد کی طرف نکلنے اور خطبہ دینے سے بھی منع کر دیا۔

اس گروہ کا صرف یہی مطالبہ تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول ہیں لہٰذا ان کے خلاف بدزبانی نہ کی جائے۔ چنانچہ ابو عبدالرحمٰن السلمی امام حاکمؒ کے گھر تشریف لے گئے اور ان سے درخواست کی کہ: "حضرت! لوگوں کا بس یہی ایک مطالبہ ہے کہ آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر جو تبرا کرتے ہیں اس سے معذرت کر لیں اور ان کی منقبت و شان میں کوئی حدیث بیان

---

[1] (تذکرۃ الحفاظ للذهبي بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۹۷، ۹۸)

[2] (سیر أعلام النبلاء للذهبي ۱۷ / ۱۷۴، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۹۷، ۹۸)

کردیں تا کہ اس محصوری سے نجات مل جائے، تو موصوف نے جواباً واشگاف الفاظ میں کہا کہ "لا یجیئ من قلبي ، لا یجیئ من قلبي " یعنی میرے دل میں اس شخص کی محبت نہیں آرہی مجھے یہ تکلیف تو گوارا ہے لیکن اس شخص (حضرت معاویہ ﷛) کی فضیلت میں حدیث بیان کر کے چھٹکارا حاصل نہیں کرنا چاہتا۔" [1]

## پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی علمی خیانت:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حسب عادت کلام کے سیاق وسباق میں قطع وبرید کر کے اوپر علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "تذکرۃ الحفاظ" کے حوالہ سے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کو رافضی شیعہ ثابت کرنے کے متعلق علامہ ابن طاہر مقدسی رحمۃ اللہ علیہ کا قول تو نقل کر دیا ہے، لیکن اس کے معابعد اس قول پر علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ نقل نہیں کیا جس میں علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا بہت ہی شان دار اور زبردست انداز میں دفاع کیا ہے۔

چنانچہ ذیل میں ہم قارئین باتمکین کے سامنے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے اس دجل وفریب کو طشت ازبام کرنے اور اُن کی اس علمی بددیانتی اور اخلاقی گراوٹ کو آشکارا کرنے اور اس کی اصل حقیقت کو واضح کرنے کے لئے سب سے پہلے علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی اصل عربی عبارت بمع اس کے سیاق وسباق کے نقل کرتے ہیں اور پھر اس کے بعد اس کا سلیس اردو ترجمہ کرتے ہیں تا کہ ہمارے معزز قارئین کی آنکھوں کے سامنے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے دجل وفریب کا فسوں ٹوٹ جائے اور وہ اس بارے میں اصل حقیقت سے روشناس ہو سکیں۔

چنانچہ حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

" قال ابن طاهر : سألت أبا اسمعيل الأنصاري عن الحاكم فقال : ثقة في الحديث رافضي خبيث ، ثم قال ابن طاهر : كان شديد التعصب للشيعة في الباطن و كان يظهر التسنن في التقديم و الخلافة و كان منحرفاً عن معاوية و آله ، متظاهراً بذلك و لا يعتذر منه ، قلت : أما انحرافه عن خصوم عليٍّ فظاهر ، وأما أمر الشيخين فمعظم لهما بكل حال فهو شيعي

---

[1] (سیدنا معاویہ ﷛ کے ناقدین ص ۹۸)

لا رافضی۔"[1]

ترجمہ: ابن طاہرؒ فرماتے ہیں کہ: "میں نے ابو اسمٰعیل انصاریؒ سے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: "حدیث میں تو ثقہ ہیں (لیکن) خبیث (قسم کے) رافضی ہیں۔ پھر ابن طاہرؒ نے فرمایا کہ: "آپؒ اندر سے بڑے متعصب قسم کے شیعہ تھے، لیکن تقدیم اور خلافت میں اپنا سنی ہونا ظاہر فرماتے تھے، معاویہ ؓ اور آل معاویہ ؓ سے بیزار رہتے تھے، اور اس کا برملا اظہار بھی کرتے تھے اور اس کے متعلق کوئی معذرت نہیں کرتے تھے۔"

(علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ) میں کہتا ہوں کہ جہاں تک ان کا حضرت علی ؓ کے مخالفین سے انحراف کا تعلق ہے تو وہ تو ظاہر ہے، لیکن جہاں تک حضرات شیخین (حضرت ابو بکر ؓ اور حضرت عمر ؓ) کی بات کا تعلق ہے تو امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں حضرات کی بہر حال تعظیم و تکریم کرتے تھے، اس لئے وہ شیعی ضرور تھے [2] لیکن رافضی نہیں تھے۔ (ترجمہ ختم)

اس عبارت میں اگر چہ ابو اسمٰعیل انصاریؒ کے قول سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ ایک قسم کے رافضی ہیں، لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ اس کے بعد خود علامہ ابن طاہر مقدسیؒ (کہ جنہوں نے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے رافضی ہونے کی ابو اسمٰعیل انصاریؒ سے روایت کی ہے) کے اپنے کلام سے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے رفض کا دور دور تک کوئی نشان نظر نہیں آتا ہے۔

بہر حال یہ حقیقت تو آپ نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لی ہے کہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ ابن طاہر مقدسیؒ کے قول کا کس طرح جواب دیا ہے اور کتنی مضبوطی کے ساتھ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا دفاع کرتے ہوئے آپ کی ذات سے رفضیت کا الزام دھو ڈالا ہے!۔

یہ تھی پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی وہ علمی خیانت اور وہ اخلاقی بددیانتی کہ جس کی بنیاد پر انہوں نے محض

---

[1] (تذکرۃ الحفاظ للذہبی: ۳/۱۶۵، ۱۶۶، الناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)
[2] امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر تشیع کے الزام کی حقیقت کا جائزہ آگے آ رہا ہے۔ مرتب

اپنے مدعا کے اثبات میں علامہ ابن طاہرؒ کا قول نقل تو کر دیا ہے لیکن اس قول کے تعاقب، اس کے رد اور اس کے جواب میں اس کے معاً بعد علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ تبصرہ اس پر نقل نہیں کیا کہ جس سے آپؒ ذات پر سے ''رافضیت'' کا ازالہ ہو رہا ہے۔

## پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی دوسری علمی خیانت:

اسی طرح ایک دوسری روایت جو پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے ان کی کتاب "سير أعلام النبلاء" سے نقل فرمائی ہے اس کو بھی ہم پہلے اس کی عربی عبارت مع اس کے سیاق وسباق کے نقل کرتے ہیں اور پھر اس کے بعد اس کا سلیس اردو ترجمہ کرتے ہیں تاکہ اصل حقیقت خوب اچھی طرح واضح ہو جائے اور پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے دجل وفریب اور جھوٹ کی قلعی خوب اچھی طرح کھل کر سامنے آ جائے۔

چنانچہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

"قال ابن طاهر: سألت أبا اسمعيل الأنصاري عن الحاكم فقال: ثقة في الحديث رافضي خبيث، قلت كلا ليس هو رافضياً، بل يتشيع. قال ابن طاهر: كان شديد التعصب للشيعة في الباطن وكان يظهر التسنن في التقديم والخلافة وكان منحرفاً غالياً عن معاوية رضي الله عنه وعن أهل بيته، يتظاهر بذلك ولا يعتذر منه." [1]

ترجمہ: ابن طاہرؒ فرماتے ہیں کہ: ''میں نے ابو اسمٰعیل انصاریؒ سے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ''فن حدیث میں تو ثقہ ہیں، لیکن خبیث قسم کے رافضی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ: ''ہرگز نہیں! آپؒ رافضی نہیں تھے، بلکہ آپؒ میں تشیع تھا۔ ابن طاہر فرماتے ہیں کہ'' آپؒ اندر سے سخت قسم کے شیعہ تھے، اور تقدیم وخلافت میں اپنا سنی ہونا ظاہر فرماتے تھے، اور معاویہ رضی اللہ عنہ اور آلِ معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیزار تھے اور اس کا اظہار بھی فرماتے تھے اور اس کا کوئی معقول عذر پیش نہیں فرماتے تھے۔ (ترجمہ ختم)

اس روایت میں بھی پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حسب سابق اپنے اسی دجل وفریب اور ہوشیاری

[1] (سير أعلام النبلاء للذهبي ۱۲/ ۵۷۶، ۵۷۷، الناشر: دار الحديث، القاهرة)

چالاکی کا مظاہرہ کیا ہے، اور پچھلی عبارت میں اگر کلام کا سیاق حذف کر گئے تھے تو اس عبارت میں کلام کا سباق حذف کر گئے ہیں۔

یہ ہے پروفیسر طاہر صاحب کی علمی خیانت، اخلاقی گراوٹ اور بددیانتی کی وہ بدترین مثال کہ جس سے انہیں اس آخری عمر میں بہرحال توبہ کر لینی چاہیے۔

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

"وقد قال ابن طاهر: سألت أبا اسمعيل عبد الله الأنصاري عن الحاكم ابي عبد الله فقال: امام في الحديث رافضي خبيث، قلت: الله يحب الانصاف ما الرجل برافضي، بل شيعي فقط۔"[۱]

ترجمہ: اور ابن طاہرؒ نے کہا ہے کہ میں نے ابو اسمٰعیل عبد اللہ انصاریؒ سے امام حاکم ابو عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ "امام فی الحدیث ہیں اور خبیث قسم کے رافضی ہیں۔"

(علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ (ان کے بارے میں ایسا کہنا ظلم ہے اور) اللہ تعالیٰ انصاف کو پسند کرتے ہیں (اس لئے انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ) آپؒ رافضی نہیں ہیں بلکہ صرف شیعی ہیں۔ (ترجمہ ختم)

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے تشیع کے بارے میں سب سے زیادہ مشہور روایت وہ ہے جو خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اور پھر ان کے حوالہ سے بعض دوسرے ارباب سیر و تاریخ نے نقل کیا ہے کہ:

"وكان ابن البيع يميل الى التشيع، فحدثني أبو اسحاق ابراهيم بن محمد الأرموي بنيسابور، وكان شيخا صالحا فاضلا عالما، قال: جمع الحاكم أبو عبد الله أحاديث زعم أنها صحاح على شرط البخاري ومسلم، يلزمهما اخراجها في صحيحيهما، منها حديث الطير و من كنت مولاه فعلي مولاه فانكر عليه أصحاب الحديث ذلك ولم يلتفتوا فيه الى قوله ولا

---

[۱] (ميزان الاعتدال في نقد اسماء الرجال للذهبي ۳: ۸۵، الناشر: دار المعرفة للطباعة والنشر، بيروت، لبنان)

صوبوه في فعله "[1]

ترجمہ: امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ "تشیع" کی جانب مائل تھے، مجھ سے ابراہیم بن محمد ارموی (جو ایک صاحب علم اور صالح قسم کے آدمی تھے) نے نیشاپور میں بیان کیا کہ "امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے چند ایسی احادیث اپنے پاس جمع کر رکھی ہیں کہ جن کے بارے میں ان کا گمان یہ ہے کہ وہ صحیحین کی شرائط کے مطابق ہیں، اس لئے حضرات شیخین پر ان کی تخریج ضروری تھی۔ چنانچہ اسی قسم کی احادیث میں "حدیث طیر" اور حدیث "من کنت مولاہ فعلي مولاہ" بھی ہیں (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب میں وارد ہوئی ہیں) پس ان احادیث کی وجہ سے محدثین عظام نے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر نکیر فرمائی، اور اس بارے میں اُن کی بات کی طرف کوئی التفات نہیں کیا اور نہ ہی اُن کے اس فعل میں اُن کی تصویب کی ہے۔ (ترجمہ ختم)

اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر رفض کا الزام صحیح نہیں بلکہ سراسر بے بنیاد ہے۔

## "لا يجئ من قلبي" کے واقعہ کی تحقیق:

باقی رہی بات ابو عبد الرحمن السلمی کے اُس واقعہ کی کہ جس میں اُنہوں نے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت وشان میں حدیث بیان کرنے کی درخواست کی تو اُنہوں نے جواب میں یہ کہا کہ "لا يجئ من قلبي، لا يجئ من قلبي" یعنی میرے دل میں اس شخص کی محبت نہیں آرہی، میرے دل میں اس شخص کی محبت نہیں آرہی۔

تو اس کا جواب علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا ہے کہ میرا غالب گمان ہے کہ یہ واقعہ ابو عبد الرحمان سلمی کی طرف غلط طور پر منسوب کی گیا ہے، امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں اس قسم کی بات کے صادر ہونے کا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔

ہاں از زیادہ سے زیادہ اس بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت میں وارفتہ تھے، اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا مقام ہمارے نزدیک اس سے کہیں زیادہ بلند ہے۔

---

[1] تاريخ بغداد للخطيب البغدادي: ۳/ ۵۰۹، الناشر: دار الغرب الإسلامي، بيروت)

علامہ سبکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۱ھ) لکھتے ہیں:

"والغالب علی ظنی أن ما عزی الی أبی عبد الرحمان السلمی کذب علیه، ولم یبلغنا أن الحاکم ینال من معاویة، ولا یظن ذلک فیه، و غایة ماقیل فیه الافراط فی ولاء علیٍّ کرم الله وجهه ومقام الحاکم عندنا اجل من ذلک."[1]

ترجمہ: میرا غالب گمان یہ ہے کہ ابو عبدالرحمٰن سلمیؒ کی طرف مذکورہ واقعہ کی جو نسبت کی گئی ہے یہ ان پر جھوٹ ہے۔ ہم تک یہ بات نہیں پہنچی کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی گستاخی کی ہو، اور نہ ہی امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں اس بات کا گمان کیا جاسکتا ہے، زیادہ سے زیادہ اس بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت میں وارفتہ تھے، ورنہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا مقام ہمارے نزدیک اس سے کہیں زیادہ بڑا ہے۔ (ترجمہ ختم)

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر رفضیت کے الزام کی تو علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے گزشتہ بیان کے علاوہ دوسرے بیانات سے بھی جو آگے نقل کئے جائیں گے مکمل طرح سے تردید ہو جاتی ہے۔ نیز علامہ تاج الدین سبکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی پرزور تردید کی ہے، اس لئے اس پر مزید بحث کرنے کی کوئی خاص ضرورت معلوم نہیں ہوتی، البتہ "شیعیت" کا الزام بظاہر بڑا قوی معلوم ہوتا ہے، اس لئے یہاں اُس کا مفصل علمی وتحقیقی جائزہ لیا جاتا ہے۔

## امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر تشیع کے الزام کی حقیقت اور اُس کا علمی وتحقیقی جائزہ:

چنانچہ جن لوگوں نے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر تشیع کا الزام عائد کیا ہے ان کے اقوال کا جائزہ لینے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ آپؒ کے تشیع کا حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے سب وشتم یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تفضیل اور خلافت میں ان کی تقدیم سے کوئی تعلق نہیں تھا، یہاں تک کہ علامہ ابن طاہر المقدسی رحمۃ اللہ علیہ جیسے مخالف شخص کو بھی اس بات کا اعتراف کرنا پڑا کہ تقدیم وخلافت کے مسئلہ میں آپ تسنن کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔

چنانچہ حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

---

[1] (طبقات الشافعیة الکبری للسبکی: ۴/۱۶۳، الناشر: هجر للطباعة والنشر والتوزیع)

" قال ابن طاهر : ..... وكان يظهر التسنن في التقديم والخلافة . " [۱]

ترجمہ: علامہ ابن طاہرؒ فرماتے ہیں: ..... اور آپؒ تقدیم وخلافت کے مسئلہ میں تسنن کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ (ترجمہ ختم)

اور گوکہ یہ بات بھی بعض علماء سے منقول ہے کہ آپؒ کے تشیع کا مطلب یہ ہے کہ آپؒ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت دیتے تھے جو اسلاف کی ایک جماعت کا بھی مذہب رہا ہے، جیسا کہ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) نے بعض علماء کا قول نقل کیا ہے کہ:

''ان کے ''تشیع'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے قائل تھے، جو اسلاف کی ایک جماعت کا بھی مذہب ہے۔'' (ترجمہ ختم) [۲]

لیکن یہ امر بہرحال مسلم ہے کہ آپؒ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرات شیخین (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ) سے نہ افضل سمجھتے تھے اور نہ ہی ان حضرات کے مقابلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کا زیادہ حق دار سمجھتے تھے۔ اس لئے اب صرف آپؒ کے تشیع کے متعلق صرف دو قابل بحث امر رہ جاتے ہیں:

## امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے تشیع کے متعلق دو قابل بحث امر:

۱- پہلی چیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت وعقیدت میں آپؒ کا غیر معمولی افراط وتفریط اور غلو کا شکار ہونا ہے، جس کا ثبوت خطیب بغدادیؒ کی روایت سے یہ ملتا ہے کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب میں ضعیف وموضوع احادیث تک روایت کرڈالی ہیں۔

۲- اور دوسری چیز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے آپؒ کی برہمی اور برأت کا اظہار ہے، جیسا کہ پیچھے علامہ ذہبیؒ اور علامہ ابن طاہرؒ کے حوالہ سے مفصل گزر چکا ہے۔

## پہلا قابل بحث امر:

جہاں تک امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت وعقیدت میں غیر معمولی افراط وتفریط اور غلو کے شکار ہونے کا معاملہ ہے تو اسے اعتراض وملامت اور تشیع کی بنیاد قرار دینا کسی طرح بھی درست نہیں، اس لئے کہ یہ

---

[۱] (تذکرۃ الحفاظ للذہبی: ۱۶۵/۳، ۱۶۶، الناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)

[۲] (بستان المحدثین: ص ۱۹۱)

سے اکابر علماء اور ائمہ اسلام کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کی محبت وعقیدت میں غیر معمولی افراط وتفریط اور غلو رہا ہے۔ لہٰذا آپؒ کا غلو اسی وقت قابل ملامت کہلایا سکتا ہے جب کہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی عظمت وجلالت کا آپؒ نے پاس نہ رکھا ہو، یا آپؒ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اجلہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر فضیلت دیتے ہوں، لیکن یہاں عجیب معاملہ یہ ہے کہ خود امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کو شیعہ کو قرار دینے والوں کو بھی اس بات کا کھلے دل سے اعتراف ہے کہ آپؒ حضرات شیخین کی تنقیص وتوہین ہرگز نہیں کرتے تھے، بلکہ عام اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل اور خلافت کے معاملہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ مقدم سمجھتے تھے۔ اس لئے آپؒ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت وعقیدت میں وارفتہ ہونا نہ قابل التفات ہے اور نہ ہی اس سے آپؒ کا کسی طرح شیعہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

## امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں علامہ سبکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا جان دار تبصرہ:

غالباً پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب جیسے ناقدین حضرات کے مذکورہ بالا اعتراضات کے جواب ہی میں علامہ تاج الدین سبکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ان اُصولوں کی رہنمائی میں بڑا ہی جان دار اور بہت ہی شان دار تبصرہ پیش کیا ہے جو پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب اور ان جیسے دیگر ناقدین حضرات کے لئے ایک بڑے لمحہ فکریہ کا درجہ رکھتا ہے، اُس میں موصوف لکھتے ہیں:

"ذکر البحث عما رمي به الحاکم من التشیع وما زادت أعدائه ونقصت أوداؤه رحمه الله تعالیٰ والنصفة بین الفئتین، أوّل ما ینبغي لک أیها المنصف اذا سمعت الطعن في رجل أن تبحث عن خلطائه والذین عنهم اخذ ما ینتحل وعن مرباه ومسلکه، ثم تنظر کلام أهل بلده وعشیرته من معاصریه العارفین به بعد البحث عن الصدیق منهم له والعدو الخالي عن المیل الیٰ احدي الجهتین، وذلک قلیل في المتعاصرین المجتمعین في بلد، وقد رمي هذا الامام الجلیل بالتشیع، وقیل انه یذهب الیٰ تقدیم علي من غیر أن یطعن في واحد من الصحابة ث فنظرنا فاذا الرجل المحدث لایختلف في ذلک وهذه العقیدة تبعد علیٰ محدث، فان التشیع فیهم نادر وان وجد في افراد قلیلین، ثم نظرنا مشایخه الذین اخذ عنهم العلم، وکانت

له بهم خصوصية ، فوجدناهم من كبار أهل السنة ومن المتصلبة في عقيدة أبي الحسن الأشعري كالشيخ أبي بكر بن اسحاق الصبغي والأستاذ أبي بكر بن فورك والأستاذ أبي سهل الصعلوكي وأمثالهم ، وهؤلاء هم الذين كان يجالسهم في البحث ويتكلم معهم في أصول الديانات ومايجري مجراها ، ثم نظرنا تراجم أهل السنة في تاريخه فوجدناه يعطيهم حقهم من الاعظام والثناء مع ما ينتحلون ، واذا شئت فانظر ترجمة أبي سهل الصعلوكي ، وأبي بكر بن اسحاق ، وغيرهما من كتابه ولايظهر عليه شيئ من الغمز علىٰ عقائدهم وقد استقريت فلم أجد مؤرخا ينتحل عقيدة ، ويخلو كتابه عن الغمز ممن يحيد عنها سنة الله في المؤرخين وعادته في النقلة ولا حول و لا قوة الا بحبله المتين

ثم رأينا الحافظ الثبت أبا القاسم بن عساكر أثبته في عداد الأشعريين الذين يبدعون أهل التشيع ويبرؤن الي الله منهم فحصل لنا الريب فيما رمي به هذا الرجل علىٰ الجملة "[1]

ترجمہ: اب یہاں پر ہم امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر شیعہ ہونے کے الزام اور آپؒ کے دشمنوں اور دوستوں کی طرف سے افراط وتفریط ہونے کے شکار اور ان دونوں گروہوں کے درمیان انصاف اور برابری کی بحث کو شروع کرتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ایک منصف مزاج شخص کے لئے مناسب یہ ہے کہ جب وہ کسی شخص کے بارے میں کوئی نامناسب سنے تو سب سے پہلے اس کے شیوخ واساتذہ اور رفقاء وتلامذہ وغیرہ سے اُس کے متعلق بحث وتفتیش کرے، اس کے بعد اس کے ماحول اور اس کے ان حالات کا جائزہ لے جن میں اس کی نشو نما ہوئی ہے، پھر اُس کے ان معاصرین، ہم وطنوں اور اعزہ واقرباء کے اقوال وآراء معلوم کرے، جو اس کی زندگی کے حالات وواقعات سے خوب

[1] طبقات الشافعية الكبري للسبكي: ۱۶۱/٤، ۱۶۲، الناشر: هجر، للطباعة والنشر والتوزيع)

اچھی طرح واقف ہوں۔

معاصرین کے متعلق اس بات کی تحقیق ضرور کر لینی چاہیے کہ ان کے اس متہم شخص سے کس قسم اور کس نوعیت کے تعلقات تھے؟ آیا وہ اس کے موافق، اس کے حامی اور اس کے دوست تھے یا اس کے مخالف و معاند اور معترض و نکتہ چیں تھے، یا بالکل ہی غیر جانب دار تھے اور غیر جانب دار بہت کم ہوتے ہیں۔

ان اُصولوں کی رُوشنی میں امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے تشیع اور تفضیل علی رضی اللہ عنہ کے الزام پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ بات تو مسلم ہے کہ وہ ایک جلیل القدر محدث تھے، اُن کی اس حیثیت میں اُن کے مخالفین کو بھی کوئی کلام نہیں اور محدثین میں ایسے عقائد شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں۔

اس کے بعد امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے اُن شیوخ پر غور کیا جائے جن سے اُنھوں نے علم و فن کی تحصیل کی ہے، بالخصوص اُن شیوخ کو دیکھا جائے جن سے ان کو زیادہ تعلق اور قربت رہی ہے تو معلوم ہوگا کہ ان کے شیوخ و اساتذہ میں اکابر اہل سنت اور ایسے لوگ ہیں جو عقائد میں امام ابوالحسن الاشعری رحمۃ اللہ علیہ سے وابستہ تھے، جیسے امام ابوبکر بن اسحاق ضبعیؒ ابوبکر بن فورکؒ اور امام ابوسہل الصعلوکیؒ وغیرہم۔ یہی وہ حضرات ہیں جن کے ساتھ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا اُٹھنا بیٹھنا تھا اور انہیں حضرات کے ساتھ اُصول و دیانات وغیرہ میں آپؒ کے مجادلے و مباحثے رہتے تھے۔

اسی طرح امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں اہل سنت علماء کے جو تراجم لکھے ہیں ان میں ان کی مکمل طور پر تعریف و توصیف کی ہے اور کہیں بھی ان کے عقائد پر طنز و تعریض نہیں کی ہے۔

علاوہ ازیں امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کو ان اشاعرہ کے زمرہ میں شمار کیا ہے جو اہل رفض و تشیع کو مبتدع کہتے ہیں اور ان کے عقائد سے تبری ظاہر کرتے ہیں۔ (ترجمہ ختم)

یہ وہ چیزیں ہیں جو امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر لگائے جانے والے الزامات کو مشکوک بنا رہی ہیں، اور آگے چل کر جو تفصیلات بیان کی جائیں گی ان سے یہ شکوک وشبہات سراسر یقین واذعان میں تبدیل ہو جائیں اور خوب اچھی طرح سے یہ بات سامنے آجائے گی کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا دامن رفض وتشیع دونوں سے بالکل پاک صاف ہے۔

تھوڑا آگے چل کر علامہ تاج الدین سبکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی اےےھ) مزید لکھتے ہیں:

" ان الرجل كان عنده ميل الىٰ علي رضي الله عنه يزيد علي الميل الذي يطلب شرعا ولا أقول انه ينتهي به الىٰ أن يضع من ابي بكر وعمر وعثمان رضي الله عنهم ولا انه يفضل عليا علي الشيخين بل استبعد أن يفضله علي عثمان رضي الله عنه ، فاني رأيته في كتابه ﴿ الأربعين ﴾ عقد بابا لتفضيل أبي بكر وعمر وعثمان واختصهم من بين الصحابة . وقدم في المستدرک ذكر عثمان علىٰ علي رضي الله عنهما وروي فيه من حديث احمد بن أخي ابن وهب حدثنا عمي حدثنا يحيىٰ بن أيوب حدثنا هشام ابن عروة عن أبيه عن عائشة قالت:" أول حجر حمله النبي صلي الله عليه وسلم لبناء المسجد ، ثم حمل أبوبكر حجراً آخر، ثم حمل عمر، ثم حمل عثمان حجراً آخر، فقلت يا رسول الله صلي الله عليه وسلم ! ألا ترىٰ هٰؤلآء كيف يساعدونک ؟ فقال : يا عائشة ! هٰؤلآء الخلفاء من بعدي ." قال الحاكم : علي شرطهما ، وانما اشتهر من رواية محمد بن الفضل بن بن عطية فلذلک هجر . قلت : وقد حكم شيخنا الذهبي في كتابه ﴿ تلخيص المستدرک ﴾ بأن هذا الحديث لايصح ،ل أن عائشة لم يكن النبي صلي الله عليه وسلم دخل بها اذ ذاک . قال : وأحمد منكر الحديث وان كان مسلم خرج له في الصحيح ،يحيي وان كان ثقة فيه ضعف .قلت . فمن يخرج هذا الحديث الذي يكاد يكون نصا في خلافة الثلاثة مع ما في اخراجه من الاعتراض عنه

يظن به الرفض . وخرج أيضا في فضائل عثمان حديث : " لينهض كل رجل منكم الي كفئه فنهض النبي الي عثمان وقال " أنت ولي في الدنيا والآخرة " وصححه مع أن في سنده مقالات . وأخرج غير ذلک من الأحاديث الدالة علي أفضلية عثمان مع ما في بعضها من الاستدراک عليه وذکر فضائل طلحة والزبير وعبد الله بن عمرو بن العاص فقد غلب علي الظن أنه ليس فيه (ولله الحمد) شيئ مما يستنكر عليه افراط في ميل لاينتهي الي بدعة "[1]

ترجمہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے اندر تشیع کی جانب میلان کا جو ذکر کیا جاتا ہے، اگر یہ شریعت کے مطلوب واقتضاء سے بھی بڑھ کر، ہا ہو تو بھی یہ اس حد کو نہیں پہنچا ہوا تھا کہ وہ حضرات شیخین (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کی مذمت اور تنقیص کرتے رہے ہوں یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان سے افضل مانتے رہے ہوں، بلکہ میں تو اس بات کو بھی ان سے بعید سمجھتا ہوں کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فوقیت دیتے رہے ہوں، کیوں کہ میری نظر سے ان کی کتاب " الأربعين " میں ایک باب خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی عظمت وتفضیل پر گزرا ہے، اس میں آپؒ نے جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقابلہ میں ان ہی تینوں حضرات کی عظمت کا خصوصیت کے ساتھ تذکرہ کیا ہے، اسی طرح " مستدرک " میں بھی آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کیا ہے اور اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ '' مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر کے لئے پہلا پتھر خود آنحضرت ﷺ نے اٹھایا، پھر دوسرا پتھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اٹھایا، پھر تیسرا پتھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اٹھایا، پھر چوتھا پتھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اٹھایا (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ) میں نے عرض کیا '' اے اللہ رسول (ﷺ)! دیکھئے! کس طرح یہ لوگ آپ کی معاونت کر رہے ہیں؟ '' آپ ﷺ نے فرمایا '' اے عائشہ! یہی لوگ میرے بعد میرے خلفاء اور میرے جانشین ہوں گے۔ '' امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ '' یہ حدیث بخاری اور مسلم

---

[1] (سیر اعلام النبلاء ... ، ۱۹۷/٤، (٦٨)، الناشر: دار الهجر للطباعة والنشر والتوزيع)

کی شرط کے مطابق ہے۔ اور یہ روایت چوں کہ محمد بن فضل بن عطیہ کی سند سے مشہور ہے اس لئے مہجور ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ ہمارے شیخ حافظ ذہبیؒ نے اپنی کتاب "تلخیص مستدرک" میں اس روایت پر عدم صحت کا حکم لگایا ہے، کیوں کہ نبی اکرم ﷺ اُس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس نہیں گئے تھے۔ اور فرمایا ہے کہ "احمد منکر الحدیث" ہے اگر چہ اُس کی روایات کی امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں تخریج کی ہے۔ اور یحییٰ اگر چہ ثقہ ہے، لیکن اُس میں ضعف ہے۔

میں کہتا ہوں کہ جو شخص (یعنی امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ) اعتراضات کی پرواہ کیے بغیر ایسی حدیث کی تخریج کرسکتا ہے جو خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کے متعلق تقریباً ایک منصوص اور قطعی امر کی حیثیت رکھتی ہے، تو کیا ایسے شخص کے بارے میں رفض و تشیع کا گمان کیا جاسکتا ہے؟۔

نیز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب میں امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث بھی نقل فرمائی ہے کہ: "ہر شخص کو اپنے ہم سر کے ساتھ ہونا چاہیے اور آپؐ نے خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو کر ان سے معانقہ فرمایا، اور فرمایا کہ آپ رضی اللہ عنہ دنیا اور آخرت (دونوں جگہوں) میں میرے دوست ہیں۔" امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے باوجود اس کے کہ اس حدیث کی سندوں میں کلام ہے اس کی تصحیح کی ہے۔

علاوہ ازیں امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے بارے میں اور بھی کئی احادیث کی تخریج کی ہے، جن میں سے بعض پر "استدراک" کا اعتراض بھی موجود ہے۔ نیز حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے فضائل میں بھی کئی احادیث ذکر کی ہیں۔ لہٰذا میرا غالب گمان یہ ہے کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب میلان اور عقیدت میں کسی ایسی افراط و تفریط یا کسی ایسے غلو، اغراق سے کام نہیں لیتے تھے جو بدعت (یا دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سب و شتم) کا کسی بھی

طرح سبب بن سکتا ہو۔ (ترجمہ ختم)

الغرض امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں غالی و مفرط ہونا اولاً تو ثابت ہی نہیں ہے، اور اگر کسی درجہ میں ثابت ہو بھی جائے جب بھی بوجوہ قابل اعتراض اور موجب تشیع نہیں ہے:

۱- اولاً تو اس وجہ سے کہ آپؒ نے حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کا جہاں ایک ساتھ تذکرہ کیا ہے وہاں اسی ترتیب کے مطابق کیا ہے جو اہل سنت نے ان بزرگوں کے درمیان قائم کی ہے۔ چنانچہ "مستدرک" کے "فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم" کے ابواب میں یہی ترتیب ہے۔ یعنی یہ کہ پہلے بالترتیب حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ہے۔

چنانچہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ اپنی کتاب "معرفة علوم الحديث" میں لکھتے ہیں:

"النوع السابع من هذا العلم معرفة الصحابة علىٰ مراتبهم." [۱]

ترجمہ: اس علم کی ساتویں نوع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اُن کے مراتب کے لحاظ سے ان کی معرفت ہے۔

اس نوع میں انہوں نے مراتب ہی کے اعتبار سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارہ (۱۲) طبقوں کا ذکر کیا ہے۔ اور پہلے طبقہ میں حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے نام اس ترتیب کے ساتھ لیے ہیں:

"فأولهم قوم اسلموا بمكة، مثل أبي بكر، وعمر، وعثمان، وعلي وغيرهم رضي الله عنهم." [۲]

ترجمہ: پہلا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو مکہ میں اسلام لائے۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ وغیرہ حضرات ہیں۔

محدثین عظام کے سنین اور عمروں کے بیان میں بھی آپؒ نے حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سن وفات تحریر فرمایا ہے۔

ملاحظہ ہو:

"فاما ابو بكر الصديق رضي الله عنه فانه توفي وهو ابن ثلاث و

---

[۱] (معرفة علوم الحديث للحاكم: ۱/۲۲، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت)

[۲] (معرفة علوم الحديث للحاكم: ۱/۲۲، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت)

ستين سنة ، وذلک في جمادي الأولى سنة ثلاث عشرة . وتوفي عمر بن الخطاب رضي الله عنه وهو ابن ستين سنة في أكثر الأقاويل ، وقيل : خمس وخمسين سنة وقيل خمس وستين سنة، ولم يختلفوا في وقت وفاته أنه توفي في ذي الحجة سنة ثلاث و عشرين . وقتل عثمان ابن عفان رضي الله عنه صبراً في ذي الحجة سنة خمس و ثلاثين ، وهو يومئذ ابن اثنين و ثمانين سنة . وكذلک قتل علي رضي الله عنه ليلة الجمعة لسبع عشرة من رمضان سنة أربعين ، وهو يومئذ ابن ثلاث و ستين سنة ." [1]

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جب وفات ہوئی تو وہ اُس وقت تریسٹھ (۶۳) سال کے تھے، اور یہ ۱۳ھ کی بات ہے۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی جب وفات ہوئی تو وہ اُس وقت زیادہ تر اقوال کے مطابق ساٹھ (۶۰) سال کے تھے، بعض نے کہا ہے کہ پچپن (۵۵) سال کے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ پینسٹھ (۶۵) سال کے تھے، لیکن ان کے وقتِ وفات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آپ نے ماہِ ذی الحجہ ۲۳ھ کو وفات پائی ہے۔ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جب ظلماً قتل کیے گئے تو اُس وقت ان کی عمر بیاسی (۸۲) سال تھی اور یہ ماہِ ذی الحجہ ۳۵ھ کی بات ہے۔ اور اسی طرح جب علی رضی اللہ عنہ قتل کیے گئے تو اُس وقت ان کی تریسٹھ (۶۳) سال تھی اور یہ شب جمعہ سترہ (۱۷) رمضان ۴۰ھ کی بات ہے۔ (ترجمہ ختم)

۲- اور ثانیاً اس وجہ سے کہ عام اہلِ سنت حضرات کی طرح امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ بھی چاروں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کو خلفائے برحق سمجھتے تھے اور آپؒ نے اپنی تصنیفات میں بحیثیت خلفاء ان کا تذکرہ بھی فرمایا ہے۔

۳- اور ثالثاً اس وجہ سے کہ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب میں جو احادیث و آثار امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے جمع کیے ہیں ان سے بھی ان کی وہی عظمت و فضیلت اور ان کا وہی درجہ و مرتبہ ثابت ہوتا ہے جو عام اُمت نے ان کو دیا ہے۔ یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ متفقہ طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام امت میں سب سے زیادہ برگزیدہ و برتر ہیں، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تمام امت میں سب سے زیادہ برگزیدہ و برتر ہیں، پھر حضرت عثمان

---

[1] (معرفة علوم الحديث للحاكم : ۱/۲، ۲۰۲-۲۰۳، الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت)

غنی رضی اللہ عنہ تمام امت میں سب سے زیادہ برگزیدہ و برتر ہیں، اور پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تمام امت میں سب سے زیادہ برگزیدہ و برتر ہیں۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی احادیث و آثار سے یہی ثابت کیا ہے بلکہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایسے اقوال بھی نقل فرمائے ہیں جن سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سب پر فائق و برتر ہونا ثابت ہوتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تاخیر اور آپ رضی اللہ عنہ کی آزردگی کے مسئلے نے تا ہنوز امت کے درمیان بحث و تمحیص کا موضوع دھارا ہوا ہے، لیکن امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کی زبانی اس کا سبب بیان کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

"قال علي والزبير ما غضبنا الا لأنا قد أخرنا عن المشاورة، وانا نري أبابكر أحق الناس بها بعد رسول الله انه لصاحب الغار وثاني اثنين و انا نعلم بشرفه و كبره، ولقد امره رسول الله صلي الله عليه وسلم بالصلوة بالناس وهو حي." [1]

ترجمہ: حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: "ہمیں غصہ اس بات پر تھا کہ ہم لوگوں کو باہم مشورہ لینے سے نظر انداز کر دیا گیا تھا، ورنہ ہم لوگ بھی رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کو سب سے زیادہ خلافت کا مستحق سمجھتے تھے، وہ غار میں آپ ﷺ کے ساتھ اور دو میں کے دوسرے تھے، ہمیں ان کی عظمت و شرف خوب اچھی طرح معلوم ہے، رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں ان کو حکم دیا تھا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ (ترجمہ ختم)

باقی جہاں تک حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی عظمت کا معاملہ ہے تو اس میں معترضین حضرات کو بھی اس بات کا اعتراف ہے کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا ہے، البتہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا معاملہ ضرور مختلف فیہ ہے، حالاں کہ یہ معاملہ بھی درحقیقت خلاف واقعہ معاملہ ہے، امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو تیسرا اور حق خلیفہ مانتے تھے اور ان کے قتل کو بجا طور پر ناحق سمجھتے تھے۔

چنانچہ آپ اپنی کتاب "معرفة علوم الحديث" میں لکھتے ہیں:

---

[1] (المستدرك على الصحيحين للامام الحاكم ٣: ٧١، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

"قتل عثمان بن عفان صبرا"[1]

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو ظلماً قتل کیا گیا۔ (ترجمہ ختم)

خلافت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ترتیب کے متعلق جو اشارات بعض حدیثوں میں ملتے ہیں وہ اشارات "مستدرک" میں بھی ہیں۔ چنانچہ علامہ تاج الدین سبکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کی دو حدیثیں "مستدرک" سے نقل فرمائی ہیں۔ یہاں وہ دو روایتیں نقل کی جاتی ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

"عن جابر بن عبد الله رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أري الليلة رجل صالح أن أبابكر نيط برسول الله صلى الله عليه وسلم ونيط عمر بأبي بكر ونيط عثمان بعمر. قال جابر: فلما قمنا من عند النبي صلى الله عليه قلنا: الرجل الصالح النبي وأما من ذوكر من نوط بعضهم بعضا فهم ولاة هذا الأمر الذي بعث الله به نبيه صلى الله عليه وسلم."[2]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "رات کو ایک صالح شخص کو خواب میں دکھایا گیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت عمر سے جڑ گئے راوی کہتے ہیں کہ جب ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے اٹھے تو یہ بات چیت کر رہے تھے کہ صالح آدمی سے خود رسول اللہ ﷺ مراد ہیں اور جڑ جانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ حضرات نبی کریم ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے اس معاملہ کے ذمہ دار ہوں گے کہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے۔ (ترجمہ ختم)

دوسری حدیث حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

"بعثني بنو المصطلق إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالوا:

---

[1] (معرفة علوم الحديث للامام الحاكم: ۱/ ۲۰۲، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[2] (المستدرك على الصحيحين للامام الحاكم: ۳/ ۷۵، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

سل لنا رسول الله صلي الله عليه وسلم الي من ندفع صدقاتنا بعدک ؟ قال: فأتيته فسألته فقال : الي أبي بكر فأتيتهم فأخبرتهم فقالوا : ارجع اليه فسله فان حدث بابي بكر حدث فالي من ؟ فأتيته فسألته فقال : الي عمر ، فأتيتهم فأخبرتهم ، فقالوا : ارجع اليه فسله فان حدث بعمر حدث فالي من ؟ فأتيته فسألته فقال : الي عثمان . فأتيتهم فأخبرتهم ......" [1]

ترجمہ: بنی مصطلق کے لوگوں نے مجھ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ بات دریافت کرنے کے لئے بھیجا کہ ہم لوگ آپ ﷺ کے بعد کس کو صدقات دیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو! "ان لوگوں نے کہا" جا کر پوچھو کہ: "حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد کس کو دیا کریں؟"۔" آپ ﷺ نے فرمایا "حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو!" تیسری مرتبہ پھر بھیجا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دیا کرو!۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب میں جو روایتیں نقل فرمائی ہیں ان میں حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم اور دوسرے عام صحابہ رضی اللہ عنہم کی کسی قسم کی کوئی توہین وتنقیص نہیں پائی جاتی ہے۔

یاد رہے کہ دیگر عام محدثین کی طرح امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا بھی مسلک یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت میں طعن اور ان کی تنقیص کرنے والے کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔ چنانچہ مذاہب محدثین کی معرفت کے بیان میں آپ لکھتے ہیں:

" ثنا معاذ بن المثني العنبري قال :سألت علي بن المديني عن أبي اسرائيل الملائي ، فقال : لم يكن حديثه بذاک ، وكان يذكر عثمان يعني بالسوء ." [2]

ترجمہ: امام علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "ابو اسرائیل ملائی کا پایہ علم حدیث میں بلند نہیں تھا کیوں کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر برائی کے ساتھ کرتے تھے۔ اسی

---

[1] (المستدرک علی الصحیحین للامام الحاکم : ۸۲/۳ ، الناشر : دار الکتب العلمیة ، بیروت ، لبنان )

[2] ( معرفة علوم الحدیث للامام الحاکم : ۱۳۶/۱ ، الناشر : دار الکتب العلمیة ، بیروت ، لبنان )

طرح علی بن حسینؒ سے روایت ہے کہ حسینؒ نے سدیؒ کے یہاں جانا محض اس لئے ترک کر دیا تھا کہ وہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما پر سب وشتم کرتے تھے۔ (ترجمہ ختم)

درحقیقت محققین علماء کے نزدیک امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ حضرات صحابہ کرام ؓ کے معاملہ میں جادۂ حق اور مسلک اعتدال سے منحرف نہیں تھے، جن لوگوں نے آپؒ کو شیعی قرار دیا ہے، انہوں نے بھی اس کے ثبوت میں کوئی ایک واقعہ یا آپؒ کی تصانیف سے کوئی ایک مثال بھی پیش نہیں کی ہے۔

ہاں! البتہ دو روایتیں ضرور ایسی ملتی ہیں جو بظاہر آپؒ کے رفض وتشیع کے ثبوت میں بڑے دھڑلے کے ساتھ پیش کی جاتی ہیں، حالاں کہ ان کی بھی حقیقت پرکاہ سے زیادہ نہیں ہے۔ ذیل میں انہیں دو روایتوں پر فاضلانہ، محققانہ اور عالمانہ بحث کی جاتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

## پہلی حدیث ﴿من کنت مولاہ فعلي مولاہ﴾ کی تحقیق!

پہلی حدیث ﴿من کنت مولاہ فعلي مولاہ﴾ ہے، امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی تخریج تین طرق سے کی ہے اور ان تینوں ہی طرق کی تصحیح وتصویب فرمائی ہے۔ [1]

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "جامع" میں، امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "سنن" میں اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "مسند" میں بھی اس حدیث کی تخریج کی ہے۔ ان کے علاوہ نے امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "معجم" میں امام ضیاء مقدسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "مختارۃ" میں اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے "خصائص علی ؓ" میں اس حدیث کی تخریج کی ہے۔ اور گوکہ "مستدرک حاکم" کے بعض رجال پر کلام کیا گیا ہے اور ان کی روایتوں میں بعض ایسے اضافے ہیں جو صحاح اور مسند احمد میں نہیں ہیں، تاہم روایت کے نفس حصہ ﴿من کنت مولاہ فعلي مولاہ﴾ کو قابل بحث، وجہ اعتراض اور شیعیت کی بنیاد قرار دیا گیا ہے وہ حصہ سب میں مشترک ہے، اس لئے اگرچہ بعض محدثین نے اس حدیث کو ضعیف اور بے اصل قرار دیا ہے، لیکن جمہور اور اکثر محدثین نے اس حدیث کو صحیح اور ثابت قرار دیا ہے۔

چنانچہ مشہور حافظ الحدیث علامہ شمس الدین ذہبیؒ جنہوں نے "مستدرک حاکم" کی تلخیص کی تھی، انہوں نے بھی اس میں قدم قدم پر امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر نقد وتعقب کیا ہے، اور اسی باب فضائل علی ؓ کی دسیوں ضعیف اور

---

[1] المستدرك علي الصحيحين للامام الحاكم: ۳/۱۱۹، ۳/۶۱۳، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

غیر مستند احادیث پر تنبیہ بھی فرمائی ہے، جس میں بعض جگہ آپ کا لہجہ نسبتاً قدرے تیز و تند بھی ہو گیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ آپؒ لکھتے ہیں:

"العجب من الحاكم و جرأته في تصحيح هذا و أمثاله من البواطل."[1]

ترجمہ: امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر اور آپؒ کی ایسی اور اس جیسی باطل احادیث کی تصحیح کی جرأت پر سخت تعجب ہے۔ (ترجمہ ختم)

لیکن زیرِ بحث روایت کے صرف ایک طریق کے محمد نامی راوی کے علاوہ آپ نے کسی پر کلام نہیں کیا ہے[2] اور تذکرہ میں اس صراحت کے باوجود کہ مستدرک میں غیر صحیح احادیث بھی پائی جاتی ہیں اس حدیث کے بارے میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ:

"و أما حديث: ﴿من كنت مولاه فعلي مولاه﴾ فله طرق جيدة و قد أفردت ذلك."[3]

ترجمہ: اور بہرحال حدیث: ﴿من كنت مولاه فعلي مولاه﴾ تو اس کے طرق جید ہیں اور میں نے اس کے لئے علیحدہ ایک رسالہ لکھا ہے۔ (ترجمہ ختم)

حافظ ذہبی نے "میزان الاعتدال" میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے "لسان المیزان" میں "مستدرک" میں امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی ساقط روایات کی تصریح فرمائی ہے، لیکن اس حدیث کا کوئی ذکر نہیں فرمایا۔ ضعاف و موضوعات میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں بھی اس حدیث کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "جامع صغیر" میں اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے:

"من كنت مولاه فعلي مولاه (حم) عن البراء (حم) عن بريدة (ت ن) و الضياء عن زيد بن أرقم - (ح)."[4]

ترجمہ: حدیث ﴿من كنت مولاه فعلي مولاه﴾ جو کہ حضرت براء بن عازب

---

[1] (تلخيص مستدرك للذهبي: ۱۲۷/۳)

[2] (تلخيص مستدرك للذهبي: ۱۱۰/۳)

[3] (تذكرة الحفاظ للذهبي: ۱٦٤/۳، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[4] (الجامع الصغير للسيوطي: ۱۱۱۲/٦، الناشر: المكتب الاسلامي)

رضی اللہ عنہ حضرت بریدة رضی اللہ عنہ اور ضیاء مقدسیؒ نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے یہ حدیث "حسن" ہے۔

البتہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو غریب بتلایا ہے۔

چنانچہ مشہور غیر مقلد مولانا عبدالرحمان مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں:

"قوله: (هذا حديث حسن غريب) و أخرجه أحمد و النسائي و الضياء، وفي الباب عن بريدة أخرجه أحمد وعن البراء بن عازب أخرجه أحمد وابن ماجة وعن سعد بن أبي وقاص أخرجه ابن ماجة وعن علي أخرجه أحمد." [1]

ترجمہ: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو "حسن غریب" بتلایا ہے، لیکن امام احمدؒ، امام نسائیؒ اور امام ضیاء مقدسیؒ نے بھی اس حدیث کی تخریج کی ہے، اس باب میں امام احمدؒ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے اور امام ابن ماجہؒ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے اور امام احمدؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایتیں کی ہیں۔ (ترجمہ ختم)

اور علامہ اسمٰعیل بن محمد عجلونی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۶۲ھ) نے تو اس حدیث کے متعلق یہاں تک لکھا ہے کہ:

"حدیث: ﴿من كنت مولاه فعلي مولاه﴾ کی امام طبرانیؒ، امام احمدؒ، اور امام ضیاء مقدسیؒ نے "مختارہ" میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور تیس صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس لفظ ﴿اللهم وال من والاه وعاد من عاداه﴾ کے ساتھ تخریج کی ہے۔ پس یہ حدیث مشہور یا متواتر ہے۔" [2]

لیکن اس میں شبہ نہیں کہ بعض علمائے فن اور محدثین نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے۔ چنانچہ علامہ زیلعی

---

[1] (تحفة الأحوذي شرح جامع الترمذي للمباركفوري، ۱۰/۱۴۸، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[2] "من كنت مولاه فعلي مولاه. رواه الطبراني وأحمد والضياء في المختارة عن زيد بن أرقم وعلي وثلاثين من الصحابة بلفظ: "اللهم وال من والاه وعاد من عاداه" فالحديث متواتر أو مشهور." (كشف الخفاء ومزيل الإلباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس، ۲/۴۲۱، الناشر: موقع شبكة مشكاة الإسلامية)

رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے ضعیف ہونے کی "نصب الرایۃ" میں صاف تصریح کی ہے، تاہم یہ حدیث چاہے صحیح ہو یا ضعیف ہو یا موضوع، محض اس کے نقل کر دینے کی بنیاد پر امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کو شیعی قرار دینا سراسر زیادتی اور ناانصافی پر مبنی ہے، جب کہ "مستدرک" میں اور بھی بیسیوں ضعیف وموضوع روایات موجود ہیں اور ان کی بنیاد پر امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدہ ومسلک کے بارے میں کوئی خاص رائے قائم نہیں کی گئی ہے، یہاں تک کہ خود حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مناقب میں بھی کم زور اور ساقط قسم کی روایات درج ہیں، لیکن ان کی بنیاد پر کسی نے بھی امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر ان بزرگوں کی عقیدت میں غلو اور افراط کا الزام عائد نہیں کیا ہے، تو پھر بتایئے تا کہ اس روایت کو آپؒ کے عقیدہ ومسلک کی بنیاد اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت میں بے جا افراط اور غلو کی دلیل کے طور پر کس طرح ثابت کیا جا سکتا ہے؟ پھر جب کہ اس حدیث کی تخریج بیسیوں متعدد ائمہ کبار نے بھی کی ہے اور اس کی وجہ سے ان ائمہ کو رفض وتشیع سے متہم نہیں کیا گیا، تو پھر امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ ہی کو ہدف طعن اور شیعی قرار دینے کی آخر کیا وجہ ہو سکتی ہے؟۔

اگر اس حدیث کی حجیت تسلیم اور مسلم مان بھی لی جائے جب بھی اس کے مفہوم سے رفض وتشیع کی بوجوہ کوئی تائید نہیں ہو سکتی:

اولاً تو اس وجہ سے کہ عربی زبان میں لفظ "مولیٰ" کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور جیسا کہ شارحین نے لکھا ہے کہ یہاں "مولیٰ" اور "ولی" کا لفظ دوست اور ساتھی کے معنی میں ہے۔

چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں کہ:

"﴿من كنت مولاه فعلي مولاه﴾ قيل معناه: من كنت أتولاه فعلي يتولاه من الولي ضد العدو. أي: من كنت أحبه فعلي يحبه. وقيل معناه: من يتولاني فعلي يتولاه. كذا ذكره شارح من علمائنا."[1]

ترجمہ: ﴿من كنت مولاه فعلي مولاه﴾ کا مطلب ﴿من كنت أتولاه فعلي يتولاه﴾ ہے، یعنی یہ لفظ ﴿تولاه﴾ لفظ ﴿ولي﴾ (بمعنی دوست) سے مشتق ہے جو

---

[1] (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح لملا علي قاري: ۹/۳۹۳۷، الناشر: دار الفكر، بيروت، لبنان) و (تحفة الأحوذي شرح جامع الترمذي للمباركفوري: ٤/٣٢٦، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

﴿عدو﴾ (بمعنی دشمن) کی ضد ہے اور اس کے معنی یہ ہوں گے کہ: "میں جس سے محبت کرتا ہوں، علی ﷺ بھی اس سے محبت کرتا ہے" اور دوسرا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ: "جو مجھ سے محبت کرتا ہے اس سے علی ﷺ بھی محبت کرتا ہے۔ ہمارے شراح علماء نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔"

پہلے مفہوم کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں حضرت علی ﷺ سے محبت کرنے والے کو مومن اور آپ ﷺ سے بغض ونفرت کرنے والے کو منافق کہا گیا ہے۔

ثانیاً اس وجہ سے کہ اس قسم کے الفاظ بعض دیگر صحابہ ﷺ کے بارے میں بھی کئی احادیث میں آئے ہیں، چنانچہ خود امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عثمان ﷺ کے متعلق ایک روایت نقل فرمائی ہے جو ماسبق میں بھی گزر چکی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت عثمان ﷺ کو دنیا و آخرت (یعنی دونوں جہانوں) میں اپنا ولی اور اپنا دوست بتلایا ہے، لہٰذا یہ حضرت علی ﷺ کی کوئی ایسی اہم اور خاص خصوصیت نہیں ہے کہ جس میں دوسرے صحابہ ﷺ ان کے ساتھ شریک نہ ہوں۔

ثالثاً اس وجہ سے کہ حضرت ابو بریدہ الاسلمی ﷺ اور حضرت عمران بن حصین ﷺ کی احادیث (جو مستدرک اور مذکورہ بالا کتابوں میں مذکور ہیں) سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت علی ﷺ کے متعلق یہ الفاظ ایک خاص موقع پر ارشاد فرمائے تھے، جب بعض لوگوں نے آپ ﷺ کے کسی طرز عمل سے آزردہ ہو کر حضور اقدس ﷺ سے آپ ﷺ کی شکایت کی تھی، تو اس پر آپ ﷺ نے سخت ناگواری کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ: "حضرت علی ﷺ سے بغض و نفرت کا اظہار کر کے تم لوگ مجھ سے بغض ونفرت کا اظہار کر رہے ہو، اس لئے کہ جس کا میں دوست ہوں علی ﷺ بھی اس کے دوست ہیں۔

اس واقعہ کی روشنی میں یہ حدیث چاہے صحیح ہو چاہے ضعیف، بہرحال اس سے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا تشیع کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوسکتا۔

## دوسری حدیث ﴿حدیث طیر﴾ کی تحقیق:

اس سے پہلے کہ ہم "حدیث طیر" کی تحقیق میں غوطہ زن ہوں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس کا مختصر پس منظر بیان کر دیا جائے تاکہ دوران تحقیق اسے سمجھنے میں مزید آسانی ہوسکے۔

حضرت انس بن مالک ﷺ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک (بھنا ہوا) پرندہ تھا، آپ ﷺ نے

اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ:

"اے اللہ! تو اس شخص کو میرے پاس بھیج دے جو تیرے نزدیک تیری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہو، تاکہ وہ میرے ساتھ یہ (بھنا ہوا) پرندہ کھائے!"

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور آپ ﷺ کے ساتھ اس کو تناول فرمایا۔ [1]

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ایسی تفصیلات اور اضافے ہیں جو امام ترمذیؒ وغیرہ کی روایات میں نہیں ہیں اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلہ میں امام ترمذیؒ اور امام نسائیؒ کی احادیث بہت ہی مختصر ہیں، مسئلہ کی تنقیح اور اس کی توضیح کے خیال سے یہاں پہلے ترمذی کی روایت اور اس کے بعد نسائی کی روایت نقل کی جاتی ہے۔

ترمذی کی روایت میں ہے:

"عن أنس بن مالك كان عند النبي (صلي الله عليه وسلم) طير فقال: أللهم ائتني بأحب خلقك اليك يأكل معي هذا الطير فجاء علي فأكل معه." [2]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک (بھنا ہوا) پرندہ تھا، تو آپ ﷺ نے یہ دعا مانگی کہ: "اے اللہ! تو اس شخص کو میرے پاس بھیج دے جو تیرے نزدیک تیری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہے، تاکہ وہ میرے ساتھ یہ (بھنا ہوا) پرندہ کھائے۔" چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور آپ ﷺ کے ساتھ اس کو تناول فرمایا۔ (ترجمہ ختم)

اور سنن نسائی کی روایت میں ہے:

"عن أنس بن مالك رضي الله عنه أن النبي صلي الله عليه وسلم كان عنده طائر، فقال: أللهم ائتني بأحب خلقك اليك يأكل معي من هذا

---

[1] "عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: كنت أخدم رسول الله صلي الله عليه وسلم، فقدم لرسول الله صلي الله عليه وسلم فرخ مشوي، فقال: ﴿اللهم ائتني بأحب خلقك اليك يأكل معي من هذا الطير﴾ فجاء علي رضي الله عنه." (المستدرك علي الصحيحين للحاكم: ۳/۱۴۱/۱۴۲، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[2] (جامع الترمذي: ۵/۶۳۶، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفي البابي الحلبي، مصر)

الطير ، فجاء أبوبكر فرده وجاء عمر فرده وجاء علي فأذن له ."[1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک (بھنا ہوا) پرندہ تھا پس آپ ﷺ نے دُعاء کی کہ: "اے اللہ! تو اس شخص کو میرے پاس بھیج دے جو تیرے نزدیک تیری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہے تا کہ وہ میرے ساتھ یہ (بھنا ہوا) پرندہ کھائے۔" پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے، مگر ان کو باریابی کی اجازت نہیں ملی، تیسری مرتبہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ان کو اجازت مرحمت فرمادی۔ (ترجمہ ختم)

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی یہ روایت نہایت طویل ہے، اس کا ملخص اور ماحصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی دعاء ﴿اللهم ائتني ... الخ﴾ سن کر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ دعاء کی کہ اے اللہ! یہ محبوب بندہ قبیلہ انصار کا کوئی فرد ہو۔" چنانچہ جب دو دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی تشریف لائے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ کسی ضرورت سے تشریف لے گئے ہیں، مگر جب تیسری مرتبہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ان کو لے آؤ! تم ہی پر موقوف نہیں ہے، ہر شخص کو اپنی قوم سے محبت ہوتی ہے۔"

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی روایت کے متعلق فرمایا ہے:

" هذا حديث غريب لا نعرفه من حديث السدي الا من هذا الوجه وقد روي هذا الحديث من غير وجه عن أنس ."[2]

ترجمہ: یہ حدیث غریب ہے، سدی سے یہ حدیث صرف اسی سند اور اسی طریق سے ان کی حدیث کا ہمیں علم ہے، حالاں کہ یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے متعدد طرق سے مروی ہے۔ (ترجمہ ختم)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ "تلخیص مستدرک" میں "حدیث طیر" کی پہلی سند پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ابن عياض لا أعرفه ولقد كنت زماناً طويلاً أظن أن حديث الطير

---

[1] (خصائص علي للنسائي: ۱/۲۹، الناشر: مكتبة المعلا، الكويت)

[2] (جامع الترمذي: ۵/۶۳۶، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي، مصر)

لم يجسر الحاكم أن يودعه في مستدركه ، فلما علقت هذا الكتاب رأيت الهول من الموضوعات التي فيه فاذا حديث الطير بالنسبة اليها سماء ، قال وقد رواه عن انس جماعة أكثر من ثلاثين نفساً ، ثم صحت الرواية عن علي وأبي سعيد وسفينة ."[1]

ترجمہ: ابن عیاضؒ کے بارے میں مجھے واقفیت نہیں ہے۔ میرا ایک زمانہ تک یہ خیال تھا کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے "حدیث طیر" کو اپنی "مستدرک" میں نقل کرنے کی جسارت نہ کی ہوگی، لیکن جب میں نے یہ تعلیق لکھی تو مجھے ایسی ہولناک موضوع احادیث اس میں ملیں کہ جن کے مقابلہ میں "حدیث طیر" ایک بلند پایہ حدیث ہے، کیوں کہ اس حدیث کے متعلق خود امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا ہے کہ اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے تیس سے زیادہ راویوں نے روایت کیا ہے، علاوہ ازیں یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ اور حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے بھی صحت کے ساتھ مروی ہے۔ (ترجمہ ختم)

اور دوسری سند کے بارے میں لکھتے ہیں:

"قلت فيه ابراهيم بن ثابت وهو ساقط ."[2]

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ ابراہیم بن ثابت ساقط ہے۔ (ترجمہ ختم)

اس حدیث کے متعلق "تذکرۃ الحفاظ" میں علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا رویہ مزید نرم ہوگیا۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

"...... وأما حديث الطير فله طرق كثيرة جدا ، أفردتها بمصنف و بمجموعها يوجب أن يكون الحديث له أصل ."[3]

ترجمہ: اور بہر حال "حدیث طیر" تو یہ بکثرت طرق سے مروی ہے، میں نے ان سب طرق کو ایک مستقل رسالہ میں جمع کردیا ہے، اور ان سب کے مجموعے سے ثابت ہوتا ہے

---

[1] (تلخيص المستدرك للذهبي : ١٣١/٣)

[2] (تلخيص المستدرك للذهبي : ١٤٧٦/٣)

کہ یہ حدیث ثابت ہے۔ (ترجمہ ختم)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے ان بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو "حدیث طیر" کے ضعیف یا موضوع ہونے میں نہیں، بلکہ اس کے صحیح اور ثابت ہونے میں مکمل طور پر شرح صدر تھا اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ اس کو "غریب" بتایا ہے، تاہم اس کے ساتھ ساتھ آپ نے اس کے کثرت طرق کا بھی ذکر کیا ہے، جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی یہ حدیث ضعیف یا موضوع نہیں ہے۔

لیکن بایں ہمہ عام علماء نے "حدیث طیر" کو صحیح تسلیم نہیں کیا جیسا کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر ان کے اعتراضات سے ظاہر ہوتا ہے، البتہ فرق صرف اتنا ہے کہ ان میں سے بعض کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے اور بعض کے نزدیک موضوع۔ علامہ تاج الدین سبکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے قول کو راجح قرار دیا ہے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"و اما الحکم علیٰ حدیث الطیر بالوضع فغیر جید، ورایت لصاحبنا الحافظ صلاح الدین خلیل بن کیکلدي العلائي علیه کلاماً قال فیه بعد ما ذکر تخریج الترمذي له و کذلک النسائي في خصائص ان الحق في الحدیث انه ربما ینتهي الیٰ درجة الحسن او یکون ضعیفاً یحتمل ضعفه. قال: فاما کونه ینتهي الیٰ انه موضوع من جمیع طرقه فلا قال وقد خرجه الحاکم من روایة محمد بن احمد بن عیاض قال حدثنا أبي قال حدثنا یحییٰ بن حسان عن سلیمان بن بلال عن یحیی بن سعید عن أنس ﷺ قال ورجال هذا السند کلهم ثقاة معروفون سویٰ احمد بن عیاض فلم ار من ذکره بتوثیق ولا جرح." [۲]

ترجمہ: "حدیث طیر" پر وضع کا الزام لگانا صحیح نہیں ہے۔ ہمارے دوست حافظ صلاح الدین خلیل بن کیکلدي العلائی نے اس پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "اس

---

[۱] (تذکرة الحفاظ للذهبي: ۳/۱۰٦٤، الناشر: دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان)

[۲] (طبقات الشافعیة الکبریٰ للسبکي: ٤/۱٧۱، الناشر: هجر للطباعة والنشر والتوزیع)

نے "علق صحیح فیصلہ یہ ہے کہ اس کے بعض طرق "حسن" کے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں، یا زیادہ سے زیادہ اس کو "ضعیف" کہہ سکتے ہیں، لیکن اس کے تمام طرق کا "موضوع" ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ انہوں نے اس کی سند کے تمام رجال کو بجز "احمد بن عیاض" کے ثقہ ومعروف بتلایا ہے، تاہم میری نظر سے ان کی جرح یا تعدیل کے بارے میں کوئی قول نہیں گزرا۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۶۲ھ) نے بھی اس حدیث کو ضعیف ہی قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"وکم من حدیث کثرت رواته وتعددت طرقه وهو حدیث ضعیف، کحدیث الطیر وحدیث الحاجم والمحجوم وحدیث من کنت مولاه فعلي مولاه." [1]

ترجمہ: اور کتنی ہی ایسی احادیث موجود ہیں کہ جن کے رُواۃ دسیوں اور ان کے طرق بیسیوں ہوتے ہیں، لیکن بایں ہمہ وہ احادیث ضعیف کہلاتی ہیں، جیسا کہ حدیث طیر حدیث حاجم اور محجوم اور حدیث: ﴿من کنت مولاه فعلي مولاه﴾ ہیں۔ (ترجمہ ختم)

تاہم جن لوگوں نے اس حدیث کو بالکل ہی موضوع قرار دیا ہے ان کی تعداد خاصی زیادہ ہے۔ چنانچہ امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۹۷ھ) اس حدیث کو موضوعات میں شمار کرتے ہوئے لکھتے

"قال أبو عبد الله الحاکم: حدیث الطائر لم یخرج في الصحیح و هو صحیح، قال ابن ناصر: حدیث موضوع، انما جاء من سقاط أهل الکوفة عن المشاهیر والمجاهیل عن أنس وغیره." [2]

ترجمہ: امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "حدیث طائر کی صحیح میں تخریج نہیں کی گئی حالانکہ وہ صحیح ہے۔ لیکن ابن ناصر کہتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے اور اہل کوفہ میں

---

[1] نصب الراية في تخريج أحاديث الهداية للزيلعي: ۳۵۹/۱، ۳۶۰، الناشر: مؤسسة الريان للطباعة والنشر، بيروت لبنان - دار القبلة للثقافة الإسلامية، جدة، السعودية)

[2] المنتظم في تاريخ الملوك والأمم لابن الجوزي: ۱۰۹/۱۵، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

سے ساقط الاعتبار قسم کے لوگوں نے کچھ مشہور اور کچھ مجہول راویوں کے واسطہ سے اس کو حضرت انس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے روایت کیا ہے۔(ترجمہ ختم)

اور حافظ ابن ملقن شافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۰۴ھ) لکھتے ہیں:

" وقال ابن طاهر ( في ) حديث الطير المشهور المروي من ( نحو) عشرين طريقا عائبا على اخراج الحاكم له في ﴿ مستدركه ﴾ هذا حديث موضوع كل طرقه باطلة معلولة التمايجيْ عن سقاط أهل الكوفة و المجاهيل عن أنس و غيره " ۱

ترجمہ: ابن طاہر مشہور "حدیث طیر" جو کہ تقریباً بیس (۲۰) طرق سے مروی ہے کے بارے میں امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر اُن کے اس کی اپنی "مستدرک" میں تخریج کرنے پر عیب لگاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: "یہ حدیث موضوع ہے، اس کے تمام طرق باطل اور معلول ہیں۔ اہل کوفہ میں سے ساقط الاعتبار قسم کے لوگوں نے کچھ مشہور اور کچھ مجہول راویوں کے واسطے سے اس کو حضرت انس وغیرہ سے روایت کیا ہے۔"(ترجمہ ختم)

اور امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

"حدثني أبو اسحاق ابراهيم بن محمد الأرموي ، قال: جمع الحاكم أبو عبد الله أحاديث زعم انها صحاح عليٰ شرط البخاري و مسلم يلزمهما اخراجها في صحيحيهما ، فمنها حديث الطير ، و من كنت مولاه فعلي مولاه ، فأنكر عليه أصحاب الحديث ذلک ، ولم يلتفتوا اليٰ قوله و لاصوبه في فعله ." ۲

ترجمہ: ابو اسحاق ارموی کہتے ہیں کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے چند احادیث اس خیال سے جمع کیں کہ یہ بخاری و مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح ہوں گی اور ان دونوں حضرات کو

---

۱ (البدر المنير في تخريج الأحاديث والآثار الواقعة في الشرح الكبير: ۱/۳۱۴ ، الناشر: دار الهجرة للنشر والتوزيع الرياض ، السعودية )

۲ ( البداية و النهاية لابن كثير: ۱۱/۴۰۹ ، الناشر: دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان )

بھی ان کی تخریج لازمی کرنی چاہیے تھی، من جملہ ان میں سے ایک "حدیث طیر" ہے اور دوسری حدیث ﴿من کنت مولاه فعلي مولاه﴾ ہے۔ پس محدثین نے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر نکیر فرمائی اور ان کے قول کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اور ان کے اس فعل پر انہیں ملامت کیا۔ (ترجمہ ختم)

اور علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں:

"قال في المختصر له طرق كثيرة كلها ضعيفة، وقد ذكره ابن الجوزي في الموضوعات وأما الحاكم فأخرجه في المستدرک وصححه واعترض عليه كثير من أهل العلم، ومن أراد استيفاء البحث فلينظر ترجمة الحاكم في النبلاء." [1]

ترجمہ: مختصر میں ہے کہ اس حدیث کے بیسیوں طرق ہیں جو کہ سب ضعیف ہیں اور علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو موضوعات میں ذکر کیا ہے، مگر امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "مستدرک" میں اس حدیث کی تخریج کر کے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اسی وجہ سے اکثر علماء نے ان پر اعتراضات بھی کیے ہیں، جو اس کی مفصل بحث دیکھنا چاہتا ہے وہ ﴿سير أعلام النبلاء﴾ میں امام حاکم کا ترجمہ دیکھ سکتا ہے۔ (ترجمہ ختم)

## حاصل کلام:

بہر حال امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے "حدیث طیر" کو اپنی "مستدرک" میں داخل کیا ہو یا خارج کیا ہو اس کا موضوع اور باطل ہونا اکثر علمائے فن حدیث اور محدثین عظام کے نزدیک مسلم ہے۔

اور اگر کسی صورت میں اسے صحیح مان بھی لیا جائے جب بھی اس سے شیعیت کی تائید اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا تشیع کسی بھی طرح ثابت نہیں ہوتا، اس لئے کہ اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا علی الاطلاق سب سے افضل و برتر ہونا یقینی طور پر ثابت نہیں ہوتا۔

---

[1] (الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة للشوكاني: ۳۸۳/۱، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

﴿۵﴾

# صاحب ہدایہ علامہ برہان الدین المرغینانی رحمۃ اللہ علیہ

## (المتوفی ۵۹۳ھ)

### نام ونسب:

آپ کا نام نامی اسم گرامی: علی، کنیت: ابوالحسن، لقب: برہان الدین، اور والد کا نام: ابوبکر ہے۔
پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:

''ابوالحسن علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل بن الخلیل بن ابی بکر حبیب......الخ۔''

سلسلۂ نسب سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

### ولادت باسعادت:

آپؒ کی پیدائش مؤرخہ ۸؍رجب المرجب ۵۱۱ھ بروز دوشنبہ (پیر کے دن) بعداز نمازِ عصر ہوئی۔

### وطن عزیز:

عام طور پر آپؒ کا وطن ''مرغینان'' ہی بتایا جاتا ہے جو ''مرانغہ'' کا ایک قصبہ ہے، لیکن آپ کے ہم وطن بادشاہ بابر نے ''تزک'' میں آپ کے گاؤں کا نام ''رشدان'' بتایا ہے جو ''مرغینان'' کے تعلقہ میں تھا۔ چنانچہ صاحب مفتاح السعادۃ نے بھی ''مرغینانی'' کے بعد نسبت میں ''رشدانی'' بڑھایا ہے۔

### تحصیل علم:

علامہ مرغینانی نے اپنے اُن اساطین امت سے علوم کی تحصیل کی تھی جو ہر فن میں مرجع الخلائق تھے، ان کے

اسماء کی ایک طویل فہرست ہے، جسے " مشیخة " کہا جاتا ہے اور بقول صاحب ﴿ الجواهر المضية ﴾ حافظ عبد القادر قرشی رحمۃ اللہ علیہ کے "یہ فہرست خود صاحب ہدایہ" ہی نے مرتب کی ہے اور اس میں اپنے شیوخ و اساتذہ اور اُن کی مرویات کو جمع کیا ہے۔ [1]

**مکمل تصویر:**

ان ہی محترم و مقدس ہستیوں کے فیضانِ صحبت نے آپؒ کو کشورِ علم و فضل کا تاج دار بنادیا جس کی مکمل تصویر صاحب ﴿ الجواهر المضية ﴾ نے اس طرح کھینچی ہے جس میں آپؒ کے چہرۂ فضل و کمال کا ایک ایک خدوخال نمایاں ہو جاتا ہے۔

وہ لکھتے ہیں:

"کان اماماً فقیهاً حافظاً محدثاً مفسراً جامعاً للعلوم ضابطاً للفنون متقناً محققاً نظاراً مدققاً زاهداً ورعاً بارعاً فاضلاً ماهراً أصولياً أديباً شاعراً۔ لم تر العيون مثله في العلم والأدب "۔ [2]

ترجمہ: صاحب ہدایہ" امام وقت، فقیہ بے بدل، حافظ زماں، محدث دوراں، مفسر قرآن، جامع العلوم، ضابط الفنون، علم میں پختہ، محقق و مدقق، وسیع النظر، عابد و زاہد، متقی و پرہیزگار، فائق الاقران، فاضل الاعیان، ماہر فنون، اصولی، بے مثل ادیب اور بے مثال شاعر اور علم و ادب میں دُرِّ لاثانی تھے۔ (ترجمہ ختم)

چنانچہ آپؒ کے ہم عصر علماء امام فخر الدین قاضی خاں، صاحب محیط و ذخیرہ محمود بن احمد بن عبد العزیز، شیخ زین الدین ابو نصر احمد بن محمد بن عمر عتابی اور صاحب فتاویٰ ظہیریہ محمد بن احمد بخاری وغیرہ نامور علماء و مشائخ نے آپؒ کے علم و ادب اور آپ کے فضل و تقدم کا بجا طور پر اعتراف کرتے ہوئے آپ کو داد قابلیت پیش کی ہے۔

حافظ عبد القادر قرشی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۵ھ) لکھتے ہیں:

---

[1] "ولقي المشايخ وجمع لنفسه مشيخة كتبتها ." (الجواهر المضية في طبقات الحنفية للقرشي - ۱/۳۸٤، الناشر مير محمد كتب خانه، كراتشي، ألباكستان)

[2] (الجواهر المضية في طبقات الحنفية للقرشي :--- الناشر : مير محمد كتب خانه، كراتشي، ألباكستان)

"أقر له أهل مصر بالفضل والتقدم."[1]

ترجمہ: اہل مصر نے آپؒ کے فضل وتقدم کا اقرار کیا۔ (ترجمہ ختم)

## تصانیف:

آپ کی گراں قدر علمی تصانیف جنہوں نے آپ کو شہرت و بزرگی کے بام عروج پر پہنچا دیا تھا یہ ہیں:

﴿۱﴾ بداية المبتدي ﴿۲﴾ كفاية المنتهي ﴿۳﴾ الهداية ﴿۴﴾ المنتقى ﴿۵﴾ التجنيس ﴿۶﴾ المزيد ﴿۷﴾ مناسک الحج ﴿۸﴾ نشر المذهب ﴿۹﴾ مختارات النوازل ﴿۱۰﴾ فرائض العثماني ﴿۱۱﴾ مختار الفتاوى وغيرهم۔

بالخصوص "ہدایہ" تو آپ کا وہ مایۂ ناز و بلند پایہ علمی شاہکار ہے کہ جس کی نظیر آج تک دنیائے علم وفن کا کوئی فرزند پیش نہیں کر سکا۔ کما قال الشاعر الساحر:

ان الهداية كالقرآن قد نسخت ما صنفوا قبلها في الشرع من كتب

فاحفظ قرائتها والزم تلاوتها يسلم مقالک من زيغ ومن كذب

ترجمہ: (۱) ہدایہ گویا اس باب میں قرآن کے مشابہ ہے جس نے گزشتہ شرائع کی کتابوں کو گویا منسوخ کر دیا ہے (۲) پس اس کتاب کو پڑھتے رہو اور اس کی خواندگی اپنے اوپر لازم کر لو اگر تم ایسا کرو گے تو تمہاری گفتگو کجی اور غلطیوں سے پاک ہو جائے گی۔ (ترجمہ ختم)

## وفات حسرت آیات:

علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ نے مؤرخہ ۱۴ ذی الحجہ ۵۹۳ھ یا ۵۹۲ھ میں شب سہ شنبہ (منگل کے روز) اس عالم آب و گل سے اپنا رشتۂ حیات منقطع کیا، اور سرزمین سمرقند میں یہ آفتاب علم وہدایت یہ کہتا ہوا کہ

چنیں قفس نہ سزائے چو من خوش الحان است

روم بہ "گلشن رضوان"[2] کہ مرغ آں چمن ام

ترجمہ: مجھ جیسے خوش الحان پرندے کو اس قسم کا قفس (پنجرہ) زیب نہیں دیتا، میں تو "گلشن رضوان" ...

---

[1] (الجواهر المضية في طبقات الحنفية للقرشي: ۱/۳۸۳، الناشر: میر محمد کتب خانہ، کراتشي [illegible])

[2] "رضوان" جنت کے داروغہ کا نام ہے اور "گلشن" سے یہاں مراد جنت ہے۔ (ع)

طرف جارہا ہوں کہ جس کے چمن کا میں پرندہ ہوں۔ (ترجمہ ختم)

ہمیشہ کے لئے روپوش ہو گیا۔ فرحمه الله رحمة واسعة۔

کہا جاتا ہے کہ سمرقند میں تقریباً چار سو نفوس مدفون ہیں، جن میں سے ہر ایک کا نام محمد ہے۔ [۱]

## علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ حاسدین ومعاندین کے نشانے پر:

لیکن بایں ہمہ علم وکمال اور فضل وتقدم آپؒ اپنے حاسدین ومعاندین کے دودھاری خنجروں کے وار سے کسی طرح بھی محفوظ نہ رہ سکے۔

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب ایک جگہ آپ کا بے جا علمی محاسبہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"علامہ مرغینانیؒ حضرت معاویہ ﷺ کے دور امارت کے فیصلوں کے حوالے سے "السلطان الجائر" کی اصطلاح استعمال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"ثم يجوز التقلد من السلطان الجائر، كما يجوز من العادل، لأن الصحابة تقلدوه من معاوية والحق كان بيد علي في نوبته." [۲]

ترجمہ: پھر سلطان جائر کی طرف سے عہدۂ قضا قبول کرنا اسی طرح جائز ہے جس طرح سلطان عادل سے قبول کرنا جائز ہے، کیوں کہ صحابہ کرام ﷺ نے حضرت معاویہ ﷺ کی طرف سے عہدۂ قضا قبول کیا تھا، حالاں کہ اپنی خلافت کی نوبت آنے پر حق حضرت علی ﷺ کے ہاتھ میں تھا۔

علامہ ابن ہمامؒ صاحب ہدایہؒ کی اس عبارت کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"هذا تصريح بجور معاوية والمراد في خروجه لا في أقضيته." [۳]

ترجمہ: یہ حضرت معاویہ ﷺ کے جور کی تصریح ہے اور اس سے مراد عدالتی فیصلوں میں ان کا جور مراد نہیں بلکہ ان کا خروج ہے۔

---

[۱] (ظفر المحصلين بأحوال المصنفين: ۱۹۱، ۱۹۴، الناشر: میر محمد کتب خانہ، آرام باغ، کراتشي، پاکستان)

[۲] (الهداية، كتاب أدب القاضي بحوالہ: سیدنا معاویہ ﷺ کے ناقدین: ص۹۹)

[۳] (فتح القدير: ۶/۴۶۱ طبع مصر، بحوالہ: سیدنا معاویہ ﷺ کے ناقدین: ص۱۰۹)

دراصل صاحب ہدایہؒ نے یہ بات (سلطان جائر) ایک مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھی ہے کہ: "جس طرح "سلطانِ عادل" سے عہدۂ قضا قبول کرنا جائز ہے، اسی طرح "سلطان جائر" سے بھی عہدہ ومنصب قبول کرنا جائز ہے، اور اس کی دلیل میں یہ بات پیش کی ہے کہ حضرت معاویہ ﷛ کی طرف سے یہ عہدے اور مناصب صحابہ ﷡ نے قبول کیے تھے باوجود اس کے کہ حق حضرت علی ﷛ کی طرف تھا۔

صاحب ہدایہ خود امام اعظمؒ کے اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وقوله (أي قول أبي حنيفة) وهو ظلم (أي ميل عن سواء السبيل) وهكذا يكشف عن مذهبه رحمه الله أن المجتهد يخطئ ويصيب لا كما ظنه البعض."[۱]

ترجمہ اور: امام اعظمؒ کے قول "وهو ظلم" میں "ظلم" سے مراد سیدھے راستے سے ایک طرف ہٹ جانے کے ہیں اور اس سے ان کا مذہب ظاہر ہوتا ہے کہ مجتہد خطاء پر بھی ہوتا ہے اور صواب پر بھی نہ جیسا کہ بعض نے گمان کیا ہے۔

اس سے یہ بات تو واضح ہوگئی کہ "ظلم" سے خود صاحب ہدایہؒ نے خطائے اجتہادی ہی مراد لی ہے، اور خطائے اجتہادی جس طرح حضرت معاویہ ﷛ سے سرزد ہوسکتی ہے اسی طرح حضرت علی ﷛ سے صادر ہوسکتی ہے۔

امام ابن ہمامؒ کی توضیح میں دو باتیں بیان ہوئی ہیں:

۱- ایک حضرت معاویہ ﷛ کا حضرت علی ﷛ کے خلاف خروج۔ اس وجہ سے ان پر جائر کا اطلاق کیا گیا ہے۔

۲- دوسری بات یہ ہے کہ ان کا "جور" تا زیست نہیں تھا، بلکہ "صلح حسن ﷛" تک تھا، اس سے پہلے جو عہدے قبول کیے گئے وہ "سلطان جائر" کی طرف سے ہیں اور ان کا قبول کیا جانا بھی جائز ہے، لیکن "صلح حسن ﷛" کے بعد ان کی یہ حیثیت بھی باقی نہیں رہی

---

[۱] (الهداية، كتاب أدب القاضي: ۲/۱۷۱، بحوالہ سیدنا معاویہ ﷛ کے ناقدین ص۱۲۲)

بلکہ "سلطان عادل" کی ہوگئی۔ یعنی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دست برداری سے قبل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ "جائر" تھے اور مصالحت کے بعد "جائر" نہ رہے۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ امام ابن ہمامؒ کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دست برداری سے پہلے "جائر" ہونا بھی اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس "دورِ جور" میں عہدے دیئے تھے۔

موصوف صاحب ہدایہ کی عبارت کی تخریج کر کے ان کے استدلال کو غیر تام بتا رہے ہیں، یعنی صاحب ہدایہؒ نے جو دور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے "جور" کا فرض کیا ہے، اس میں اُنہوں نے نہ کسی کو عہدۂ قضا دیا، نہ کسی نے لیا۔ اور جس دور میں یہ لینا دینا باقاعدہ پایا گیا تو وہ دور "مصالحت حسن رضی اللہ عنہ" کے بعد کا ہے جسے بالاتفاق و بالاجماع "دورِ عدل" قرار دیا گیا ہے۔

صاحب ہدایہؒ نے اگرچہ "ظلم" کا معنی "میل عن سواء السبیل" یعنی سیدھے راستے سے ایک طرف ہٹ جانے کے لئے ہیں، اور اسے مجتہد کی "خطاء" و "صواب" پر محمول کیا ہے، لیکن اُن کی یہ تاویل صحیح نہیں، کیوں کہ "سلطان عادل" کے مقابلے میں "سلطان جائر" بمعنی "مجتہد مخطی" کسی لغت میں نہیں ہے۔

یہ دُرست ہے کہ "جور" کا معنی صرف "ظلم" ہی نہیں بلکہ "میل عن الاستواء والاعتدال" بھی ہے، لیکن یہاں بات مطلق "جور" کی نہیں ہو رہی ہے بلکہ "سلطان عادل" کے بالمقابل "سلطان جائر" کے "جور" کی ہو رہی ہے، جس کا معنی "ظلم" ہی بنتا ہے۔ [۱]

تھوڑا آگے چل کر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

صاحب ہدایہؒ کے ہاں صرف یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ: "کیا "سلطان جائر" کی طرف سے "عہدۂ قضاء" قبول کیا جا سکتا ہے؟ اس کا جواب بھی اُنہوں نے دے دیا کہ ہاں! ہو سکتا ہے، لیکن اس جواب کی دلیل میں اُنہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو درمیان میں لا کر

---

[۱] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱)

''مشاجرات صحابہ ﷺ'' سے متعلق اہل سنت والجماعت کے مسلک کو نظر انداز کیا ہے۔ کیا حضرت معاویہ ﷺ کے علاوہ کوئی مثال نہیں دی جاسکتی تھی؟ کیا ''جائر'' وہی کہلا سکتا ہے جو امام عادل کے مقابلہ میں خروج کرے؟ کیا ایک مستقل امام جائر نہیں ہوسکتا؟ کیا اس جور کا تعلق خروج کے ساتھ ہی ہے؟۔'' [1]

## یہاں لفظ جور سے اُس لغوی نہیں کی فقہی اصطلاح مراد ہے!!

اس میں شک نہیں کہ یہاں بات مطلق ''جور'' کی نہیں ہورہی بلکہ ''سلطان عادل'' کے مقابلے میں ''سلطان جائر'' کے ''جور'' ہی کی ہورہی ہے، لیکن یہاں پر لفظ ''جور'' سے اُس کا لغوی معنی ''ظلم'' مراد نہیں بلکہ صاحب ہدایہ خود تصریح کر رہے ہیں کہ اس کا اصطلاحی معنی ''خطائے اجتہادی'' بتاویل ''میل عن سواء السبیل'' مراد ہے، اس لئے کہ اصطلاح فقہ میں امام عادل کے مقابلہ میں خروج کرنے والے پر لفظ جور، خروج، اور بغاوت وغیرہ الفاظ کا اطلاق کر کے اُسے ''جائر، اور باغی'' کہا جاتا ہے، اور یہ اطلاق ''ظلم'' کو مستلزم نہیں۔

چنانچہ حضرت معاویہ ﷺ نے جو حضرت علی ﷺ کے خلاف خروج کیا تھا وہ بھی چوں کہ ایک ''امام عادل'' کے مقابلہ میں خروج تھا اور ہوا بھی حضرت معاویہ ﷺ کی خطائے اجتہادی کی بناء پر تھا اس لئے فقہی اصطلاح کے اعتبار سے اسے جور، خروج اور بغاوت جیسے الفاظ سے تعبیر کر کے حضرت معاویہ ﷺ کو جائر بمعنی ''میل عن سوا السبیل'' کہا گیا ہے، جس کا یہاں لغوی معنی ''ظلم'' مراد لینا کسی بھی طرح صحیح نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت معاویہ ﷺ کو ''ظالم'' قرار دینے کا الزام صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ پر ایک جھوٹی تہمت کے سوا کچھ بھی نہیں۔

## کیا مصالحت حسن ﷺ سے پہلے حضرت معاویہ ﷺ نے کسی کو عہدۂ قضا سونپا تھا؟:

محقق ابن ہمام فرماتے ہیں کہ: صاحب ہدایہ کا استدلال تب درست ثابت ہوتا ہے جب کہ یہ معلوم ہوجائے کہ حضرت معاویہ ﷺ نے ''مصالحت حسن ﷺ'' سے پہلے اپنے دور ابتلاء میں کسی کو کوئی عہدہ سونپا ہو، اگر ''مصالحت حسن ﷺ'' کے بعد کسی کو کوئی عہدہ سونپا ہو تو اس سے صاحب ہدایہ کا استدلال تام نہیں ہوتا، اس لئے کہ ''مصالحت حسن ﷺ'' کے بعد تو حضرت معاویہ ﷺ کا ''سلطان عادل'' ہونا سب کے نزدیک مسلم ہے۔

چنانچہ محقق ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۶۱ھ) لکھتے ہیں:

---

[1] (سیدنا معاویہ ﷺ کے ناقدین: ص ۱۰۱، ۱۰۲)

"ثم انما يتم اذا ثبت انه ولي القضاء قبل تسليم الحسن له ، واما بعد تسليمه فلا."[1]

ترجمہ: پھر (صاحب ہدایہ کا) یہ استدلال اُس وقت تام ہوتا ہے جب کہ یہ ثابت ہو جائے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت سپرد کرنے سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کسی کو قضاء کا والی بنایا ہو، بہر حال خلافت سپرد کرنے کے بعد اگر کسی کو والی بنایا ہو تو پھر نہیں۔ (ترجمہ ختم)

درحقیقت یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے "مصالحت حسن رضی اللہ عنہ" سے پہلے اپنے "دورِ جور" میں کئی لوگوں کو عہدۂ قضاء" سونپا ہے۔ اور اس کی کئی ایک مثالیں تاریخ میں موجود ہیں۔ لیکن مثالیں پیش کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس دورِ جور کا اجمالی جائزہ لے لیا جائے جو شہادت عثمان رضی اللہ عنہ سے شروع ہو کر مصالحت امام حسن رضی اللہ عنہ تک کا زمانہ کہلاتا ہے، تا کہ مثالیں سمجھنے میں آسانی ہو سکے۔

## شہادت عثمانی رضی اللہ عنہ سے لے کر مصالحت حسن رضی اللہ عنہ کے دور تک کا اجمالی جائزہ:

یاد رہے کہ خلیفہ سوم سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا انتقال ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ میں ہوا اور بقول حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ۲۴ ذی الحجہ، بروز پنج شنبہ ۳۵ھ میں بیعت کی اور اس کے دوسرے دن یعنی ۲۵ ذی الحجہ ۳۵ھ میں عام اہل مدینہ نے مسجد نبوی ﷺ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی شہادت ماہ رمضان ۴۰ھ میں ہوئی، جس کے بعد لوگوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، یہاں تک کہ مورخہ ۵ ربیع الاول ۴۱ھ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے "مسئلہ خلافت" میں صلح کر لی[2] اور امر خلافت آپ کے سپرد کر کے اس سے کنارہ کش ہو گئے۔

مشہور مؤرخ خلیفہ ابن خیاط رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۲۴۰ھ کہتے ہیں کہ یہ صلح ربیع الثانی یا جمادی الاولی ۴۱ھ میں پیش آئی۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

---

[1] (فتح القدير للعاجز الفقير شرح الهداية لابن الهمام : ۲۶۳/۷ ، الناشر : دار الفكر)

[2] (البداية و النهاية لابن كثير : ۲۰/۸ ، الناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

" وسلم الحسن بن علي الى معاوية وذلك في شهر ربيع الآخر أو في جمادي الأولىٰ سنة احدي وأربعين ." ۱؎

ترجمہ: امام حسن ﷺ نے امر خلافت حضرت معاویہ ﷺ کے سپرد کردیا اور یہ ربیع الثانی یا جمادی الاولی ۴۱ھ کی بات ہے۔ (ترجمہ ختم)

## مصالحت حسن ﷺ سے پہلے کے دور میں حضرت معاویہ ﷺ کا لوگوں کو عہدے سونپنا:

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان غنی ﷺ کے انتقال (ماہ ذی الحجہ ۳۵ھ) کے بعد سے لے کر "مصالحت حسن ﷺ" (ماہ ربیع الاول یا ربیع الثانی یا جمادی الاولی ۴۱ھ علی حسب اختلاف الاقوال) پانچ سال اور چند ماہ کا دور حضرت معاویہ ﷺ کا "مصالحت حسن ﷺ" سے پہلے کا دور کہلاتا ہے اور اس دور میں حضرت معاویہ ﷺ نے جن جن لوگوں کو عہدۂ قضاء سونپا تھا ذیل کی سطور میں ان کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے:

### ﴿۱﴾ حضرت عمرو بن عاص ﷺ:

یہ مشہور صحابی اور بڑے عقل مند اور شجاع قسم کے آدمی تھے، اپنی معاملہ فہمی اور دانش مندی کی بناء پر عرب کے سیاست دانوں میں آپ ﷺ کا ایک مقتدر مقام تھا۔ عہد نبوی ﷺ میں اسلامی لشکروں کے امیر رہے اور کئی علاقوں کے والی بنائے گئے، پھر حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے عہد میں آپ ﷺ کی فتوحات اور کارنامے مسلم ہیں۔

مصر آپ ﷺ ہی کی مساعی جمیلہ سے فتح ہوا، دور فاروقی ﷺ میں آپ ﷺ امیر مصر رہے، اور خلافت عثمانی ﷺ میں بھی کچھ مدت امیر مصر رہے اور پھر حضرت معاویہ ﷺ کے دور خلافت میں مصر کے حاکم بنائے گئے اور ۳۸ھ سے لے کر ۴۱ھ تک مصر کے والی رہے اور صحیح قول کے مطابق ۴۳ھ میں آپ ﷺ کا مصر ہی میں انتقال ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ حضرت معاویہ ﷺ کے اہم مشیر اور اعلیٰ درجہ کے حاکم تھے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

" وولي عمرو امرة مصر في زمن عمر بن الخطاب ، وهو الذي افتتحها ، وابقاه عثمان قليلا ثم عزله ...... ثم سار في جيش جهزه معاوية الى مصر ، فولها لمعاوية من صفر سنة ثمان وثلاثين الى أن مات سنة ثلاث

۱؎ تاریخ خلیفة ابن خیاط : ۱/ ۲۰۳ ، الناشر : دار القلم ، مؤسسة الرسالة ، دمشق ، بیروت ( )

وأربعين علي الصحيح." [۱]

ترجمہ: اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مصر کے والی مقرر کیے گئے، اور آپ رضی اللہ عنہ ہی کی مساعی جمیلہ سے مصر فتح ہوا، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کچھ مدت آپ رضی اللہ عنہ کو مصر کا امیر باقی رکھا پھر معزول کر دیا، اور پھر آپ رضی اللہ عنہ اُس لشکر میں چلے گئے کہ جس کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مصر کی طرف روانہ کیا، جہاں آپ رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے صفر ۳۸ھ میں مصر کے والی بنے، یہاں تک کہ صحیح قول کے مطابق ۴۳ھ میں آپ رضی اللہ عنہ کا مصر ہی میں انتقال ہو گیا۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

"فيها (أي في سنة ثمان وثلاثين) بعث معاوية عمرو بن العاص الي ديار مصر، فأخذها من محمد بن أبي بكر، واستناب معاوية عمروا عليها." [۲]

ترجمہ: ۳۸ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو دیار مصر کی طرف (والی بنا کر) بھیجا ...... الخ۔ (ترجمہ ختم)

## ﴿۲﴾ حضرت شرحبیل بن سمط رضی اللہ عنہ:

یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے "حمص" کے والی رہے ہیں۔

چنانچہ علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

"شرحبيل بن السمط بن الأسد بن جبلة الكندي ...... كان أميراً عليٰ حمص لمعاوية ومات بها وصلي عليه حبيب بن مسلمة وقيل: انه مات سنة أربعين." [۳]

---

۱ (الاصابة في تمييز الصحابة لابن حجر العسقلاني: ۵٤٠/٤، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

۲ (البداية والنهاية لابن كثير: ٣٤٦/٧، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

۳ (الاستيعاب في معرفة الأصحاب لابن عبد البر: ٦٩٩/٢، الناشر: دار الجيل، بيروت)

ترجمہ: شرحبیل بن سمط کندی رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ''حمص'' کے والی تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال وہیں ''حمص'' ہی میں ہوا، آپ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کا انتقال ۴۰ھ میں ہوا۔ (ترجمہ ختم)

## ﴿۳﴾ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ:

۳۹ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو دو ہزار گھوڑ سواروں کے ساتھ ''مغربی کوفہ'' کے قریب ''عین التمر'' نامی مقام کی طرف والی بنا کر بھیجا۔

چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

''وكان ممن بعث في هذه السنة ( اي سنة تسع و ثلاثين ) النعمان بن بشير ( لمعاوية ) في ألفي فارس الي عين التمر .''[1 و 2]

ترجمہ: ۳۹ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو مغربی کوفہ کے قریب ''عين التمر'' نامی مقام کی طرف دو ہزار گھوڑ سواروں کی معیت میں والی بنا کر بھیجا تھا۔ (ترجمہ ختم)

## ﴿۴﴾ حضرت عبداللہ بن مسعدہ الفزاری رضی اللہ عنہ:

۳۹ھ میں عبداللہ بن مسعدہ فزاری کو ایک ہزار سات سو آدمیوں کی معیت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مقام ''تیماء'' کا والی بنا کر بھیجا تھا اور انہیں حکم دیا تھا کہ وہاں کے لوگوں سے صدقات وغیرہ وصول کرنا اگر دے دیں تو فبہا ورنہ ان سے قتال کرنا۔

چنانچہ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

''وفيها (اي في سنة سبع و ثلاثين) بعث معاوية عبد الله بن مسعدة

---

[1] ( البداية و النهاية لابن كثير : ۳۵۴/۷ ، الناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان )

[2] '' ( عين التمر ) بلدة قريبة من الأنبار غربي الكوفة افتتحها المسلمون في أيام ابي بكر الصديق علىٰ يد خالد بن الوليد عنوة سنة ۱۲ .'' ( حاشية البداية و النهاية لابن كثير : ۳۵۴/۷ ، الناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت لبنان )

الفزاري في ألف وسبع مائة الى "تيماء" وأمره أن يصدق اهل البوادي ومن امتنع من اعطائه فليقتله."[1]

ترجمہ: اور ۳۹ھ میں حضرت معاویہ نے حضرت عبداللہ بن مسعدہ فزاری رضی اللہ عنہ کو ایک ہزار سات سو آدمیوں کی معیت میں مقام "تیماء" کا والی بنا کر بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ وہاں کے لوگوں سے صدقات وغیرہ وصول کرنا اگر دے دیں تو ٹھیک ورنہ ان سے قتال کرنا۔

## ﴿۵﴾ حضرت حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ:

یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے معاونین میں سے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے متعدد مقامات پر والی بنائے گئے۔ بلاد روم کے غزوات پر آپ رضی اللہ عنہ کو آمادہ کر کے روانہ کیا جاتا تھا، پھر اس سلسلے میں آپ رضی اللہ عنہ کو غلب حاصل ہوتا رہا اور آپ رضی اللہ عنہ اپنے کارہائے نمایاں بخوبی انجام دیتے رہے۔ آخری عمر میں آپ رضی اللہ عنہ کو "آرمینیہ" کا والی اور حاکم مقرر کیا گیا، جہاں آپ رضی اللہ عنہ نے ۴۲ھ میں وفات پائی۔ جنگ صفین وغیرہ تمام لڑائیوں میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو "آرمینیہ" کا والی بنا کر بھیجا، اور وہیں ۴۲ھ میں آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔

چنانچہ امام ابن اثیر الجزری (المتوفی ۶۳۰ھ) لکھتے ہیں:

"ولما حصر عثمان أمده معاوية بجيش، واستعمل عليهم حبيب بن مسلمة لينصروه، فلما بلغ وادي القرى لقيه الخبر بقتل عثمان، فرجع ولم يزل مع معاوية في حروبه كلها بصفين وغيرها وسيره معاوية الى ارمينية واليا عليها، فمات بها سنة اثنتين وأربعين."[2]

ترجمہ: اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ محصور ہو گئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدد کے لئے ایک لشکر روانہ کیا اور اس پر حضرت حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا۔ حضرت حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ جب "وادی القریٰ" نامی جگہ میں پہنچے تو انہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر پہنچی

---

[1] (البداية والنهاية لابن كثير، ۷/۳۵٤، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

[2] (أسد الغابة في معرفة الصحابة لابن اثير الجزري: ۱/٦٨۱، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت)

اور وہ وہیں سے واپس لوٹ آئے۔

آپ رضی اللہ عنہ جنگ صفین وغیرہ تمام لڑائیوں میں ہمیشہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو "آرمینیہ" پر والی مقرر کر کے بھیجا، اور وہیں ۴۲ھ میں آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ (ترجمہ ختم)

اور امام ابو عبداللہ محمد بن سعد بن منیع البصری الزہری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۳۰ھ) لکھتے ہیں:

" وكان معاوية يغزيه الروم فيكون له فيهم نكاية واثر ثم وجهه الي ارمينية واليا عليها فمات بها سنة اثنين واربعين ."[1]

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہ کو (غزوات) روم کے لئے بھیجتے تھے، پس آپ رضی اللہ عنہ اُن میں غلبہ حاصل کرتے اور کارہائے نمایاں انجام دیتے (آخری عمر میں) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو "آرمینیہ" کا والی (اور حاکم) بنا کر بھیجا اور وہیں ۴۲ھ میں آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ (ترجمہ ختم)

الغرض اس طرح کی اور مثالیں بھی تاریخ کی کتابوں میں موجود ہوں گی جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے "مصالحت حسن رضی اللہ عنہ" سے پہلے کے دور میں کئی لوگوں کو مختلف علاقوں کے لئے والی اور امیر مقرر کر کے روانہ فرمایا۔

اس تفصیل سے ثابت ہو گیا کہ محقق ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے جو صاحب ہدایہ کے استدلال کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے "مصالحت حسن رضی اللہ عنہ" سے پہلے کے "دور جور" میں مختلف لوگوں کو "عہدۂ قضاء" سونپنے کی شرط کے ساتھ مشروط ٹھہرا کر تام بتلایا تھا مذکورہ بالا مثالوں میں وہ شرط بوجہ اتم پائی جا رہی ہے، اس لئے اس سے معلوم ہوا کہ صاحب ہدایہ کا استدلال اپنی جگہ بالکل صحیح اور درست ہے، اور پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی نیم علمی تحقیق اور علمائے اہل سنت والجماعت کے خلاف اُن کا پروپیگنڈا بالکل باطل، غلط اور مبنی بر جہالت ہے۔

## "امام قوال" اور "امام فعال" کی بحث:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

---

[1] (الطبقات الكبرى لابن سعد المعروف بطبقات ابن سعد: ۸/۲۷۸، الناشر: دار صادر، بيروت)

"صاحب ہدایہ" سے ایک "سہو" یہ بھی ہوا ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان ؓ کی طرف منسوب ایک لغو، جھوٹا اور وضعی قصہ صحیح سمجھ کر اسے "معرض استدلال" میں نقل کر دیا جس میں حضرت ابوبکر ؓ، حضرت عمر ؓ اور حضرت عثمان ؓ تینوں کی تنقیص پائی جاتی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"فان اقتصر علىٰ ذكر الله جاز عند أبي حنيفة وقالا لابد من ذكر طويل يسمي خطبة لأن الخطبة هي الواجبة والتسبيحة والتحميدة لا تسمي خطبة ..... وعن عثمان أنه قال: الحمد لله فارتج عليه فنزل وصلي ....." ۱؎

ترجمہ: پس اگر اس نے اکتفا کی (صرف) اللہ کے ذکر پر تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبینؒ نے کہا ذکر طویل ضروری ہے جس کا نام (عادۃً) خطبہ رکھا جا سکے، کیوں کہ خطبہ واجب ہے اور تسبیح و تحمید کا نام خطبہ نہیں ہے..... اور حضرت عثمان ؓ کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے (خلیفہ منتخب ہونے کے بعد اپنے پہلے خطبہ جمعہ میں) "الحمد لله" کہا تو ان پر اختلاط واقع ہو گیا، کپکپی طاری ہو گئی، زبان بند ہو گئی جس کی وجہ سے وہ منبر سے اتر آئے اور نماز پڑھا دی۔

فاضل محشی ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنویؒ (المتوفی ۱۳۰۴ھ) نے اس قصہ کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا:

"وهو ما روي أن عثمان لما صعد المنبر في أول جمعة ولي فارتج عليه فقال: ان ابابكر وعمر رضي الله عنهما كان يعدان لهذا المكان مقالاً وأنتم الي امام فعال أحوج منكم الي امام قوال".

ترجمہ: روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عثمان ؓ خلیفہ بننے کے بعد جب پہلے خطبہ کے لئے منبر پر چڑھے تو "الحمد للہ" کہنے کے بعد ان پر کپکپی طاری ہو گئی اور زبان بند ہو گئی (اور نیچے اتر آئے اور نماز پڑھا دی۔ بعد میں فرمایا کہ) ابوبکر ؓ و عمر ؓ اس جگہ خطبہ کی تیاری

---

۱؎ (الهداية: ۱/۱۶۹، بحوالہ سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین: ص ۱۰۴)

کر کے آتے تھے (اس جگہ کلام کرنے کے اہل شمار کیے جاتے تھے) اور تم کو قوال (زیادہ بولنے والے) امام کی بہ نسبت فعال امام کی زیادہ ضرورت واحتیاج ہے۔ (ترجمہ ختم)

فاضل محشی نے "فارتج علیه" کے معنی "وقع في الاختلاط" کے کیے ہیں یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اختلاط میں پڑ گئے، اُن پر کپکپی طاری ہوگئی، اُن کی زبان بند ہوگئی اور وہ "الحمد لله" کے سوا اور کچھ نہیں ادا کر پائے۔ اس قصہ کی روایتی حیثیت "رُوِيَ" کے صیغہ سے بخوبی واضح ہوگئی ہے۔ جب کہ امام ابن ہمام صاحب فتح القدیر نے یہ وضاحت فرمائی ہے:

"فانها لم تعرف في كتب الحديث بل في كتب الفقه." [1]

ترجمہ: یعنی یہ قصہ کتب حدیث میں نہیں ہے بلکہ کتب فقہ میں پایا جاتا ہے۔

علامہ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"حكى المؤرخون عن عثمان كذبة عظيمة." [2]

ترجمہ: مؤرخین نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق بہت بڑا جھوٹا قصہ ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن ابی العز رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"أنكره ابن العربي وغيره من أهل الأثر." [3]

ترجمہ: اس قصہ کا ابن العربی اور دیگر اہل اثر نے انکار کیا ہے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

"لم اجده مسنداً وذكره قاسم بن ثابت في الدلائل بغير اسناد." [4]

ترجمہ: مجھے اس کی سند معلوم نہیں اور قاسم بن ثابت نے اسے دلائل میں بغیر سند ہی کے ذکر کیا ہے۔

---

[1] (فتح القدير شرح هداية، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۰۴)

[2] (عارضة الأحوذي: ٦/٢٩٦، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۰۵)

[3] (التنبيه على مشكلات الهداية: ج ٢ ص ٧٤٦، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۰۵)

[4] (الدراية: ١/٢١٥، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۰۵)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"هذا غريب ولكن قد اشتهر في كتب الفقه ......"[1]

ترجمہ: یہ غریب ہے مگر فقہ کی کتابوں میں مشہور ہے۔

فاضل محشی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس خطبہ کی حسب ذیل توضیح فرمائی ہے:

"أراد به الخطباء والذين يأتون بعدالخلفاء الراشدين يكونون على كثرة المقال وأنا وإن لم أكن قوالاً مثلهم فانا على الخير دون الشر. فاما ان يريد بهذا تفضيل نفسه على الشيخين فلا. كذا في المحيط"[2]

ترجمہ: اس سے ان (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کی مراد خطباء اور وہ لوگ تھے جو خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد آنے والے ہیں، وہ بہت زیادہ بولنے والے ہوں گے اور میں اگر ان کی طرح زیادہ بولنے والا نہیں ہوں تو میں بہتری پر ہوں نہ کہ شر پر۔ پس اس سے اگر ان کا شیخین پر اپنے آپ کو فضیلت دینا مراد لیا جائے تو ایسا نہیں ہے "محیط" میں اسی طرح ہے۔

یہ توضیح نفس مضمون کے ساتھ بالکل مطابقت نہیں رکھتی کیوں کہ صاحب ہدایہ نے اس جھوٹے اور وضعی قصے کو امام ابوحنیفہ کے اس قول: "فان اقتصر على ذكر الله جاز" (یعنی صرف ذکر اللہ سے خطبہ ہو جائے گا) کی دلیل کے طور پر صحیح سمجھ کر نقل کیا ہے، لیکن وہ اس قصہ کی حقیقت پر غور نہیں فرما سکے کہ کس قدر لغو اور بے بنیاد ہے۔ اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی توہین بھی پائی جاتی ہے کہ انہیں "اختلاط" ہو گیا تھا، زبان بند ہو گئی تھی، کپکپی طاری ہو گئی تھی، وہ خلیفہ تو منتخب ہو گئے مگر خطبہ نہیں دے سکے یا بغیر تیاری کے وہ منبر پر چڑھ گئے۔ بعد میں وہ اس پر کوئی عذر تو پیش نہیں کر سکے (کہ اس منبر پر پہلے نبی اکرم ﷺ اور حضرات شیخین خطبہ دیا کرتے تھے ان کی یاد آ گئی اور "اختلاط" واقع ہو گیا وغیرہ) البتہ حضرات شیخین کو

---

[1] (البنایہ: ۳/ ۶۱، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص۱۰۵)

[2] (الهداية: ١٦٩/١، حاشية ١، كتاب الصلوة باب صلاة الجمعة، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص۱۰۵)

"قوال" (زیادہ باتیں کرنے والا) اور خود کو "فعال" (باتیں کم اور کام زیادہ کرنے والا) قرار دے دیا جس سے ان حضرات کی بھی اہانت کا پہلو نکلتا ہے۔" [1]

## صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا دجل وفریب:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا دجل وفریب ملاحظہ فرمایئے کہ انہوں نے صاحب ہدایہؒ پر فرد جرم عائد کرنے کی غرض سے کتنی ہوشیاری و چالاکی کے ساتھ محشی ہدایہ مولانا عبدالحی لکھنویؒ کی عبارت کو معرض استدلال میں پیش کیا ہے اور صاحب ہدایہ کو کھینچ تان کر ناقدین معاویہ ؓ کی صف میں لا کھڑا کیا ہے۔ صاحب ہدایہؒ نے تو صرف اتنا فرمایا ہے:

"وعن عثمان أنه قال : الحمد لله فارتج عليه فنزل وصلي ...... [2]

ترجمہ: حضرت عثمان ؓ کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے (خلیفہ منتخب ہونے کے بعد اپنے پہلے خطبہ جمعہ میں) "الحمد لله" کہا تو ان پر کپکپی طاری ہوگئی اور وہ منبر سے نیچے اتر آئے اور نماز پڑھا دی۔ (ترجمہ ختم)

باقی اس عبارت کی وضاحت میں محشی ہدایہ مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے اصل واقعہ کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے جو یہ فرمایا ہے کہ:

" وهو ما روي أن عثمان لما صعد المنبر في أول جمعة ولي فارتج عليه فقال : ان ابابكر وعمر رضي الله عنهما كان يعدان لهذا المكان مقالاً وأنتم الىٰ امام فعال احوج منكم الى امام قوال ." [3]

ترجمہ: روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عثمان ؓ خلیفہ بننے کے بعد جب پہلے خطبہ کے لئے منبر پر چڑھے تو "الحمد لله" کہنے کے بعد ان پر کپکپی طاری ہوگئی اور زبان بند ہوگئی (وہ نیچے اتر آئے اور نماز پڑھا دی۔ بعد میں فرمایا کہ:) "ابو بکر ؓ وعمر ؓ اس جگہ خطبہ کی

---

[1] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین، ص ۱۰۳ ـــ ۱۰۶)

[2] (الهداية شرح بداية المبتدي للمرغيناني : ۱/۱٦٩)

[3] (حاشية اللكنوي على الهداية شرح بداية المبتدي للمرغيناني : ۱/۱٦٩)

تیاری کر کے آتے تھے (اس جگہ کلام کرنے کے اہل شمار کیے جاتے تھے) اور تم کو قوال (زیادہ بولنے والے) امام کی بہ نسبت فعال امام کی زیادہ ضرورت واحتیاج ہے۔ (ترجمہ ختم)

تو اس میں فاضل محشی نے "فارتج علیه" کے معنی "وقع فی اختلاط" کے کیے ہیں، جس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ حضرت عثمان ؓ اختلاط میں پڑ گئے تھے، ان پر کپکپی طاری ہو گئی تھی، ان کی زبان بند ہو گئی تھی اور وہ "الحمد لله" کے سوا اور کچھ نہیں ادا کر پائے۔

تو اس توضیح وتفصیل کا صاحب ہدایہ کی عبارت سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ اس کا براہ راست تعلق محشی ہدایہ مولانا لکھنوی سے ہے جنہوں نے ہدایہ کی عبارت کی تشریح کی ہے۔

لہٰذا اب آپ ہی ذرا انصاف سے بتائیں کہ صاحب ہدایہ کی اس عبارت میں حضرت ابو بکر ؓ، حضرت عمر ؓ اور حضرت عثمان ؓ تینوں کی تنقیص کیسی پائی جاتی ہے؟ نیز منبر رسول ﷺ پر بیٹھ کر اختلاط واقع ہو جانے، کپکپی طاری ہو جانے، اور زبان کے بند ہو جانے میں توہین وتنقیص کا آخر کون سا پہلو نکلتا ہے؟۔

## پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو کھلا چیلنج:

لیکن اگر یہی چیزیں ان حضرات میں نقص وعیب شمار کی جاتی ہیں تو پھر ہم پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب سے یہ بات پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ پھر آپ کا اُن حضرات محدثین کے بارے میں کیا خیال ہے کہ جنہوں نے "رسول اکرم ﷺ کے نماز میں سجدۂ سہو ہو جانے، دوران نماز بعض صحابہ کرام ؓ کے قرآت میں اٹک کر رکوع میں چلے جانے، حضرت بلال حبشی ؓ کے سوتے رہ جانے اور حضرت عمر ؓ کے لفظ "ابـــا" کا مطلب نہ جاننے" کی روایات تو نقل کر دیں، لیکن نقل روایت کے ساتھ ساتھ انہوں نے ان روایات کے صحیح مطلب اور اصل مفہوم کی وضاحت نہیں کی؟ تو کیا وہ حضرات محدثین ان کے ناقد اور گستاخ ٹھہرے؟ اور کیا وہ اس کی وجہ سے ناقدین معاویہ ؓ کی صف میں شامل ہو گئے؟ اگر ہاں! تو کیوں کر؟ اور اگر نہیں تو کیاں نہیں؟۔

"فما هو جوابكم فهو جوابنا"

## صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں ایک لطیف توجیہ:

بہر حال اس بارے میں صاحب ہدایہؒ کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے معرض استدلال میں ایک کم زور روایت پیش کی اور ایک ضعیف روایت سے استدلال کیا ہے، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ

احناف کے نزدیک قیاس کے مقابلہ میں ضعیف روایت سے استدلال کرنا صحیح ہے، کیوں کہ ان کے نزدیک ضعیف روایت قیاس کے مقابلہ فائق تر ہوتی ہے۔

دوسرے یہ کہ بیسیوں مسائل ایسے ہیں کہ جن میں صاحب ہدایہ سمیت بعض دوسرے متعدد فقہائے احناف کی پیش کردہ روایات کتب حدیث میں موجود نہیں، یا روایت کسی دوسرے انداز میں ہے، اور انہوں نے کسی اور انداز میں نقل کردی ہے، تو یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں، اس لئے کہ فقہا شارح حدیث نہیں ہوتے کہ وہ لفظاً، معناً، سنداً، اور متناً ہر حیثیت سے ہر ہر روایت پر محدثانہ کلام کریں اور نہ ہی وہ روایت باللفظ کے پابند ہوتے ہیں، بلکہ وہ تو اپنے مدعا کے اثبات میں روایت بالمعنی کرتے ہیں اور آگے چل پڑتے ہیں۔

چنانچہ صاحب ہدایہؒ نے بھی ایسا ہی کیا کہ اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لئے انہوں نے زیر بحث روایت سے استدلال تو کیا، لیکن اُس پر محدثانہ کلام کیے بغیر آگے کی طرف چل پڑے۔

## کلمة حق أريد بها الباطل!:

بہر حال! حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا واقعہ کی تاریخی حیثیت جو بھی ہو بہر حال اس سے اس کا مفہوم مخالف مراد لیا گیا ہے۔ اور اس واقعہ کو بنیاد بنا کر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے فاضل محشی مولانا عبدالحی لکھنوی کی آڑ میں صاحب ہدایہؒ پر بے جا تنقید کی ہے۔ اس واقعہ کا صحیح مفہوم وہی ہے جو خود پروفیسر آں موصوف نے فاضل محشی ابوالحسنات مولانا عبدالحی لکھنویؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

## علامہ ابن نجیم حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی توجیہ!

اور یہی مفہوم علامہ ابن نجیم حنفی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۷۰ھ) نے بھی اپنے الفاظ میں اس طرح لکھا ہے کہ:

" ومراد عثمان بقوله انكم الىٰ امام... الخ أن الخلفاء الذين يأتون من بعد الخلفاء الراشدين تكون علىٰ كثرة المقال مع قبح الفعال فانا وان لم اكن قوّالاً مثلهم فانا علىٰ الخير دون الشر، فاما أن يريد بهذا القول تفضيل نفسه علىٰ الشيخين فلا كذا في النهاية." [1]

---

[1] (البحر الرائق شرح كنز الدقائق لابن نجيم. ۱۶۱/۲، الناشر: دار الكتاب الاسلامي)

ترجمہ: اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مراد اپنے اس قول سے یہ تھی کہ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد جو خلفاء آئیں گے وہ کام ٹھیک طرح سے نہ کر سکنے والے ہوں گے، لیکن باتیں بہت زیادہ کرنے والے ہوں گے اور میں اگر چہ اُن کی طرح زیادہ باتیں کرنے والا نہیں ہوں تاہم خیر پر ہوں شر پر نہیں ہوں۔ بہر حال اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس قول سے آپ کی حضرات شیخین رضی اللہ عنہما پر افضلیت مراد لی جائے تو یہ مراد لینا ٹھیک نہیں ہے۔ (کذا في النهاية.) (ترجمہ ختم)

## علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ کی توجیہ:

لیکن "نہایہ" کے اس مطلب ومفہوم سے بڑھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قول کا زیادہ واضح، غیر جانب دار، صاف اور بے غبار مطلب اور مفہوم وہ ہے جو علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۱ھ) نے بیان کیا ہے، جس میں وہ لکھتے ہیں:

"قال في النهاية: ولم يعن عثمان بقوله وانكم ... الخ تفضيل نفسه علىٰ الشيخين بل علىٰ الخلفاء الذين يكونون بعد الراشدين فانهم يكونون علىٰ كثرة في المقال مع قبح الفعال فكأنه يقول: أنا وان لم أكن قوّالاً مثلهم فأنا علىٰ الخير دون الشر." [1]

ترجمہ: نہایہ میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول: "وانكم ... الخ" سے حضرات شیخین رضی اللہ عنہما پر اپنی افضلیت مراد نہیں لی تھی، بلکہ ان خلفاء کی بہ نسبت اپنا افضل ہونا مراد لیا تھا جو حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد آئیں گے، کیوں کہ وہ باتونی زیادہ ہوں گے اور کام اُن کے قبیح ہوں گے۔ گویا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یہ فرمانا چاہتے تھے کہ میں اگر چہ ان آنے والے خلفاء کی طرح زیادہ باتونی تو نہیں ہوں البتہ خیر پر ہوں شر پر نہیں ہوں۔ (ترجمہ ختم)

## حاصل کلام:

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا واقعہ کا صاف اور بے غبار مطلب یہ ہے کہ جب آپ

---

[1] (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح: ۱/۵۱۴، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

ؓ خلیفہ بننے کے بعد پہلا جمعہ کا خطبہ دینے کے لئے منبر رسول ﷺ پر جلوہ افروز ہوئے اور ابھی آپ ؓ نے "الحمد لله" کہا تھا کہ آپ ؓ کو نبی پاک ﷺ اور حضرات شیخین کا زمانہ یاد آ گیا کہ وہ حضرات اس جگہ بیٹھ کر خطبہ دیا کرتے تھے جس کی وجہ سے آپ ؓ پر "اختلاط" واقع ہو گیا، آپ ؓ پر کپکپی طاری ہو گئی اور آپ ؓ کی زبان مزید کچھ بولنے سے قاصر ہو گئی، جس کے نتیجہ میں آپ ؓ منبر سے نیچے تشریف لے آئے اور لوگوں کو جمعہ کی نماز پڑھائی۔

جب آپ ؓ جمعہ کی نماز پڑھا کر فارغ ہو گئے تو اس کے بعد آپ ؓ نے انتہائی عاجزی و انکساری کا مظاہرہ کرتے ہوئے لوگوں سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ: "اے لوگو! حضرات شیخینؓ اس جگہ یعنی منبر نبوی ﷺ پر کلام کرنے کے اہل شمار کیے جاتے تھے، اس نازک مگر عظیم مقام پر لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر خطبہ دینا انہیں حضرات کو زیب دیتا تھا اور اس مقام پر کھڑے ہونے کے وہی حضرات زیادہ حق دار تھے، ان کے بعد جو خلفاء آئیں گے وہ کردار کے کم اور گفتار کے زیادہ غازی ہوں گے اور میں اگرچہ آنے والے خلفاء کی بہ نسبت زیادہ باتیں کرنے والا نہیں ہوں تاہم خیر پر ہوں شر پر نہیں ہوں۔"

﴿۶﴾

# علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ

## (المتوفی ۷۹۲ھ)

### نام ونسب:

آپ کا نام نامی اسم گرامی: مسعود، لقب: سعد الدین، والد کا نام: عمر، لقب: فخر الدین، دادا کا نام: عبد اللہ اور لقب برہان الدین ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "بغیة الوعاة" میں آپ کا نام مسعود اور والد کا نام عمر ہی ذکر کیا ہے [۱] اور یہی مشہور ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "الدرر الکامنة" میں آپ کا نام مسعود اور والد کا نام عمر ہی ذکر کیا ہے [۲] لیکن "انباء الغمر" میں آپ کا نام محمود اور والد کا نام عمر بتلایا ہے۔ [۳] اور حاجی خلیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے "کشف الظنون" میں آپ کا نام عمر اور والد کا نام مسعود مانا ہے۔ [۴]

---

[۱] "مسعود بن عمر بن عبد الله الشيخ سعد الدين التفتازاني." (بغية الوعاة في طبقات اللغويين والنحاة للسيوطي: ۲۸۵/۲، الناشر: المكتبة العصرية، لبنان، صيدا)

[۲] "مسعود بن عمر التفتازاني ..." (الدرر الكامنة في أعيان المائة الثامنة لابن حجر العسقلاني: ۱۱۲/۶، الناشر: مجلس دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد، الهند)

[۳] "محمود بن عمر بن عبد الله العجمي الشيخ سعد الدين التفتازاني ... الخ" (انباء الغمر بأبناء العمر لابن حجر العسقلاني: ۳۸۹/۱، الناشر: المجلس الأعلى للشئون الإسلامية، لجنة إحياء التراث الإسلامي، مصر)

[۴] "وهو عمر بن مسعود العلامة سعد الدين." (كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون لحاجي خليفة: ۱۰۳۷/۲، الناشر: مكتبة المثنى، بغداد)

## ولادت باسعادت:

آپؒ ماہِ صفر ۷۲۲ھ کو ولایت خراسان کے مشہور شہر "تفتازان" میں پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے "تفتازانی" کہلانے لگے۔

علامہ محی الدین محمد بن قاسم رومیؒ نے "روض الأخبار المنتخبة من ربیع الأبرار" میں اور علامہ کفویؒ وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ آپؒ ماہِ صفر ۷۲۲ھ میں "تفتازان" میں پیدا ہوئے جو ولایت "خراسان" کا ایک شہر ہے۔

نواب صدیق حسن خان قنوجیؒ نے "ریاض المرتاض" میں آپ کو "نسا" کی طرف منسوب کیا ہے اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ کسی نے آپؒ سے پوچھا: "شما از نسائید؟" (یعنی آپؒ "نسا" کے رہنے والے ہیں) تو آپؒ نے ازراہِ خوش طبعی کے فرمایا: "آرے! الرجال من النساء." (یعنی ہاں! مرد عورتوں سے ہیں۔ دراصل "نساء" عربی میں عورتوں کو کہا جاتا ہے۔(رفیع) "نسا" کے متعلق لکھا ہے کہ اس میں بارہ ہزار چشمے جاری تھے اور یہاں استاد ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ کے برابر میں چار اولیاء آسودۂ خواب ہیں، اسی لئے "نسا" کو "شام خرد" بھی کہتے ہیں۔ ۱؎

## ابتدائی حالات:

بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ موصوف ابتداء میں بہت کند ذہن تھے، بلکہ عضد الدینؒ کے حلقۂ درس میں ان سے زیادہ "غبی" اور کوئی نہ تھا، مگر جد و جہد سعی و کوشش اور مطالعہ کتب میں سب سے آگے تھے۔ ۲؎

## تحصیل علم:

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف اصحابِ فضل و کمال شیوخ امام عضد، امام قطب الدین رازیؒ وغیرہ سے علوم و فنون کا استفادہ کیا، یہاں تک کہ تحصیل علم کے بعد عنفوان شباب ہی میں آپ کا شمار کبار علماء میں ہونے لگا۔

## درس و تدریس:

تحصیل علم سے فراغت کے بعد فوراً ہی آپؒ مسند درس پر رونق افروز ہوئے اور سینکڑوں تشنگان علم نے آپؒ

---

۱؎ (ظفر المحصلین باحوال المصنفین، ص ۳۳۹، الناشر: میر محمد کتب خانہ، کراچی، [illegible])

۲؎ (ظفر المحصلین باحوال المصنفین، ص ۳۳۹، الناشر: میر محمد کتب خانہ، کراچی، [illegible])

سے چشمۂ فیض سے سیرابی حاصل کی۔ جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

(۱) عبد الواسع بن خضر (۲) شیخ شمس الدین محمد بن احمد حضرمی شارح تذکرۂ نصیریہ (۳) ابو الحسن برہان الدین حیدرہ بن احمد بن ابراہیم ہروی عجمی (۴) جلال الدین یوسف استاذ ملا مصنفک علی بن مجد والدین (۵) اور مولانا فضل اللہ ایجو کہ، جن سے بہمنی حکومت کے مشہور علم دوست اور خود متبحر حکیم سلطان فیروز شاہ بہمنی نے تعلیم حاصل کی۔

**علمی مقام:**

علماء نے لکھا ہے کہ بلاد مشرق میں علم ان پر ختم ہو گیا۔ علامہ سید احمد طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"انتهت اليه رياسة الحنفية في زمانه"۔

ترجمہ: آپ کے زمانہ میں ریاست مذہب حنفیہ آپ پر ختم ہو گئی۔

اور علامہ کفوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۹۴ھ) فرماتے ہیں کہ:

"كان من محاسن الزمان لم ترى العيون مثله في الأعلام والأعيان."

ترجمہ: علامہ تفتازانی اعجوبہ روزگار تھے آپ کی نظیر بڑے بڑے علماء میں نہیں ملتی۔

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی قابلیت اور وسعت علمی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ جیسا مد مقابل بھی آپ کی کتابوں سے استفادہ کرتا اور آپ کی علمی قابلیت سے فائدہ اٹھاتا تھا۔[۱]

**تصنیف و تالیف:**

چوں کہ تصنیف و تالیف کا ذوق ابتداء ہی سے پیدا ہو چکا تھا اس لئے تحصیل علم سے فراغت کے بعد درس و تدریس کے ساتھ ساتھ صرف، نحو، منطق، فقہ، اصول فقہ، تفسیر، حدیث، العقائد، معانی غرض ہر علم میں آپ نے کتابیں تصنیف کیں۔ چنانچہ شرح تصریف زنجانی آپ کی اس وقت کی تصنیف ہے جب آپ کی عمر صرف سولہ سال تھی۔

**فقہی مسلک:**

آپ کے فقہی مسلک کے بارے میں اختلاف ہے۔ علامہ ابن نجیم، علامہ طحطاوی، اور ملا علی قاری نے آپ کو طبقات حنفیہ میں ذکر کیا ہے جب کہ حاجی خلیفہ، ملا حسن کاتب چلپی، علامہ کفوی اور امام جلال الدین سیوطی نے آپ کو شافعی المسلک بتلایا ہے۔ تاہم مولانا عنایت اللہ لکھنوی فرماتے ہیں کہ: "تلویح کی بعض عبارات کو بہ نظر غائر دیکھئے

---

[۱] (معجم المختصر باحوال المصنفين ص (۲٤١)، الناشر: مير محمد كتب خانه، كراتشي، الباكستان)

سے آپؒ کا حنفی المسلک ہونا صاف ظاہر ہوتا ہے، علاوہ ازیں آپؒ نے کتب حنفیہ بالخصوص فقہ حنفی پر اپنی خصوصی توجہ دی ہے۔''

## علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ بارگاہِ تیموریہ میں:

شروع شروع میں شجاع بن مظفر کے دربار میں آپ کا بڑا اثر و رسوخ تھا، لیکن ان کے بعد آپؒ شاہ تیمور لنگ کے یہاں ''صدر الصدور'' مقرر ہو گئے تھے۔ شاہ تیمور آپ کا بڑا معتقد تھا اور بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ جب آپؒ نے ''مطول شرح تلخیص'' تصنیف کی اور شاہ کی خدمت میں پیش کی، تو شاہ نے اسے بہت پسند کیا اور عرصہ تک ''قلعۂ ہرات'' کے دروازہ کو اس سے زینت بخشی۔

## امیر تیمور لنگ:

امیر تیمور ۱۳۳۶ء میں سمرقند میں پیدا ہوا۔ اس کا شجرۂ نسب چغتائی خاندان سے جا کر ملتا ہے۔ بچپن میں امیر تیمور کو بحیثیت ایک صیاد کے شہرت ملی اور جوانی میں سپاہی ہونے کی وجہ سے اسے ماموری حاصل ہوئی۔

امیر تیمور کو ''تیمور لنگ'' بھی کہا جاتا ہے، جس کا پس منظر کچھ اس طرح سے ہے کہ ایک جنگ میں ایک تیر آ کر اس کے پاؤں پر لگ گیا تھا اور اس کے پاؤں میں ایسا کاری زخم ڈالا کہ یہ اس کی وجہ سے تمام عمر کے لئے لنگڑا ہو گیا اور ''تیمور لنگ'' کے نام سے مشہور ہو گیا۔

فاتحین ایشیاء میں سے جس شخص نے ایشیاء اور یورپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا وہ تیمور لنگ ہی ہے۔ تیمور لنگ سکندر اور چنگیز کی آخری فاتحانہ حدود سے بھی آگے نکل گیا تھا اور اس نے اس قدر فتوحات حاصل کیں کہ کوئی ایشیائی فاتح اس کی فتوحات کو نہیں پہنچ سکا۔

بالآخر تیمور لنگ ۸۰۷ھ میں بہ عمر اے سال سمرقند ہی میں فوت ہوا اور اسے دُنیا کے ایک عظیم اور خوب صورت مقبرے میں دفن کیا گیا۔

تیمور لنگ رافضی اور انتہائی سفاک، ظالم اور درندہ صفت انسان واقع ہوا تھا اس نے مسلمانوں کا بے دریغ قتل کیا اور کم و بیش بارہ لاکھ مسلمانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کیے تھے۔

تیمور لنگ چوں کہ رافضی تھا اس لئے سب سے پہلا تعزیہ اسی نے ہی رکھا تھا چنانچہ مشہور شیعہ عالم امام احمد کاکوروی لکھتا ہے:

> ''سب سے پہلا تعزیہ امیر تیمور نے رکھا تھا اور اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ تیمور لنگ کو حضرت امام حسین سے بے پناہ عقیدت تھی۔ وہ ہر سال کربلائے معلی (روضۂ اطہر) کی زیارت کو جاتا تھا۔ ایک سال جنگ و جدل میں وہ اس قدر مصروف رہا کہ زیارت نہ کر سکا، چنانچہ اس نے روضۂ اقدس کی شبیہ منگوا کر اس کو تعزیہ کی صورت میں بنالیا اور اس کی زیارت سے تسکین حاصل کی۔'' [1]

الغرض امیر تیمور لنگ اور اس کے جانشینوں کے ایک سو چھبیس (۱۲۶) سال (۷۸۲ھ تا ۹۰۶ھ) دور میں شیعہ اور مذہب شیعہ نے خوب ترقی کی اور اس میں اہل سنت مظالم کا نشانہ بنے رہے۔ [2]

## وفات حسرت آیات:

بہر حال علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ امیر تیمور لنگ کے دربار کے ''صدر الصدور'' اور بے پناہ اثر و رسوخ کے مالک تھے۔ بالآخر اپنے ہم عصر اور نامور عالم دین میر سید شریف جرجانی کے ساتھ ایک مناظرہ میں شکست کھانے کے صدمہ کی وجہ سے صاحب فراش ہو گئے اور ۲۲ محرم الحرام ۷۹۲ھ کو بہ مقام "سمرقند" وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ بعد میں دو ماہ اور سترہ دن کے بعد آپ کا جسد خاکی ۹ جمادی الاولی ۷۹۲ھ کو مقام "سرخس" کی طرف منتقل کر دیا گیا۔ [3]

## علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ حاسدین و معاندین کے نشانے پر:

مگر باایں ہمہ فضل و کمال اور علم میں علو مقام آپ حاسدین و معاندین اور دشمنوں کے وار سے کسی بھی طرح محفوظ نہیں رہے۔ چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

> ''علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ اہل سنت کے ہاں ''امام فی العقائد'' مانے جاتے ہیں مگر وہ بھی اپنے آپ کو شیعی اثرات و جراثیم سے محفوظ نہیں رکھ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر چوٹ کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں ہونے دیتے۔ چنانچہ موصوف

---

[1] (ماہنامہ المعرفت حیدرآباد ۱۳۸۹ھ)

[2] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۱۱۲،۱۱۱)

[3] (علم المحصلین باحوال المصنفین ملخصاً ص ۲۳۸، ۳۴۳، الناشر میر محمد کتب خانہ، کراتشی (پاکستان)

''مسند اور مسند الیہ'' کی بحث میں ''بغض معاویہ رضی اللہ عنہ'' پر مبنی ایک انتہائی مکروہ مثال دیتے ہیں کہ

''رکب علي وهرب معاوية ۔۔۔ فالتعظيم ماخوذ من لفظ علي لأخذه من العلوّ والاهانة ماخوذ من لفظ معاوية لأنه ماخوذ من العوي وهو صراخ الذئب والكلب.''[1]

ترجمہ: علیؓ سوار ہوئے اور معاویہؓ بھاگ گیا۔ (موصوف اس مثال کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:) ''پس تعظیم لفظ ''علی'' سے ماخوذ ہے کہ اس میں ''علو'' (سربلندی) کا مفہوم پایا جاتا ہے اور اہانت لفظ ''معاویہ'' سے ماخوذ ہے کیوں کہ وہ ''عوی'' سے مشتق ہے اور وہ بھیڑیے اور کتے کا بھونکنا ہے۔'' (ترجمہ ختم)

دار العلوم دیوبند کے ایک جلیل القدر مفسر، محدث اور استاذ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن تفتازانی کی اس مکروہ مثال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''ولایخفی مافیه من سوء الأدب في حق سیدنامعاویة والجرأة علیه بما لا یلیق۔۔۔۔''[2]

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں جو جرأت، بے ادبی اور گستاخی اس مکروہ مثال میں پائی جاتی ہے وہ مخفی اور پوشیدہ نہیں۔ یہ مثال نامناسب ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کی طرف سے تفتازانیؒ کا تعاقب اور گرفت اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ان کی طرف سے حضرت معاویہ کی شان میں گستاخی ہوئی ہے۔''[3]

## پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی علمی خیانت:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے یہاں سب سے پہلے تو اپنی علمی خیانت اور اپنی اخلاقی بددیانتی کا ثبوت دیا

---

[1] مختصر المعانی: ص ۷۱ تحت أحوال المسند الیه، تعریفه بالعلمیة، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۱۴)

[2] (حاشیہ مختصر المعانی: ص ۷۱، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۱۴)

[3] (ناقدین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ: ص ۷۱ تا ۷۲ ملخصاً)

دیا ہے کہ علامہ تفتازانی کی عبارت اور اس پر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے حاشیہ دونوں کو ایک کر کے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کر دیا ہے، تا کہ قارئین کو وہ اور بھی زیادہ واضح صراحت کے ساتھ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد و گستاخ ہونا باور کرا سکیں، لیکن ہاشمی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ علامہ تفتازانی اور حضرت شیخ الہندؒ کے روحانی فرزند انہیں اس علمی رہزنی میں کسی بھی طرح کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔

علامہ تفتازانی کی تو عبارت صرف اس قدر ہے:

"مثل ركب علي وهرب معاوية."[1]

ترجمہ: جیسے "علی" سوار ہوئے اور "معاویہ" بھاگ گئے۔ (ترجمہ ختم)

اس عبارت کے حاشیہ نمبر ۶ پر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"فالتعظيم ماخوذ من لفظ علي لأخذه من العلوّ والاهانة ماخوذ من لفظ معاوية لأنه ماخوذ من العويّ وهو صراخ الذئب والكلب."[2]

ترجمہ: پس تعظیم لفظ "علی" سے ماخوذ ہے کہ اس میں "علو" (سربلندی) کا مفہوم پایا جاتا ہے اور اہانت لفظ "معاویہ" سے ماخوذ ہے کیوں کہ وہ "عوی" سے مشتق ہے اور وہ بھیڑیے اور کتے کا بھونکنا ہے۔ (ترجمہ ختم)

قارئین کرام! یہ ہے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا دجل و فریب، اور اکابر دشمنی کا منہ بولتا ثبوت کہ جس کی آڑ میں رہ کر وہ اپنی ساٹھ سالہ دجالیوں اور فریب کاریوں کا مکروہ دھندا چلا رہے ہیں اور عام اور سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے حقیقی اسلاف اور اپنے روحانی پیشواؤں علمائے اہل سنت سے دور کر رہے ہیں۔

ہاشمی صاحب کے اس طرح اکابرین کی عبارات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے سے ایسا لگ رہا ہے جیسے قلم تو ایک نیم ملا ریٹائر پروفیسر کا ہے لیکن دماغ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی کا ہے کہ وہ بھی اس سے قبل کچھ اسی طرح کے ناقابل فراموش کارہائے نمایاں انجام دے کر علمائے دیوبند کے خلاف عرب علماء کی آنکھوں میں دھول جھونک ہی رہے تھے کہ فخر المحدثین مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ نے "المهند على المفند" جیسی شمشیر بے نیام

---

[1] (مختصر المعاني: ص ۷۱، الناشر: مكتبة رشيدية، كوئٹہ، الباكستان)

[2] (حاشية شيخ الهند على مختصر المعاني: ص ۷۱، الناشر: مكتبة رشيدية، كوئٹہ، الباكستان)

سے اعلیٰ حضرت کی خوب خبر لی اور عرب علماء کو ان کی دجالیوں وفریب کاریوں سے خوب آگاہ کیا۔

## ہنوز آمدم برسر مطلب!:

بہر حال اس میں شک نہیں کہ مذکورہ بالا دونوں لفظوں (علی ومعاویہ) سے بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے کہ ان سے رسول اللہ ﷺ کے دو صحابی مراد ہیں اور اسی سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے ادبی کا پہلو بھی سامنے آتا ہے جس پر اتنی بڑی جرأت واقعۃً علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے منصب کے لائق نہیں ہے۔

اور اگر ان دونوں لفظوں کا اس کے علاوہ کوئی اور معنی مراد لیا جائے تب بھی یہ لفظ بے ادبی کے شائبہ سے خالی نہیں، کیوں کہ اس صورت میں بھی گمان ان دونوں حضرات کی طرف جاسکتا ہے۔

چنانچہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں

"والمتبادر أن المراد بعلي ومعاوية صاحبا رسول الله ولايخفى مافيه من سوء الأدب في حق سيدنا معاوية والجرأة عليه بمالايليق بمنصبه بل لوحملناهما على غيرها لم يخل من سوء الأدب لما فيه من الايهام "[1]

ترجمہ: بظاہر "علی" اور "معاویہ" سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس سے رسول اللہ ﷺ کے دو صحابی مراد ہیں اور یہ مراد لینے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے ادبی کا پہلو ظاہر ہوتا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اتنی جرأت علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے منصب کے لائق نہیں ہے۔ بلکہ اگر ہم ان دونوں لفظوں کو اس کے علاوہ کسی اور معنی پر محمول کر دیں جب بھی یہ لفظ سوئے ادب سے خالی نہیں، اس لئے کہ اس میں ایہام (وہم میں پڑتا پایا جاتا) ہے۔ (ترجمہ ختم)

## حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا دفاع:

بہر حال چاہے ان دونوں لفظوں کا محمل حضور اقدس ﷺ کے دو صحابی (حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) ہوں یا ان کے علاوہ کوئی دوسرا محمل ہو "ظنوا بالمؤمنين خيرا" کی رو سے بہر حال علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کو قطعی اور یقینی طور پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد و گستاخ ٹھہرانا کسی طرح بھی درست نہیں، اس لئے کہ اول تو قطعی اور یقینی طور پر یہ بات ثابت نہیں کہ یہ مثال علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات اور آپ رضی اللہ عنہ سے

---

[1] حاشية شيخ الهند على مختصر المعاني، ص ١٧ رقم الحاشية: ١٠، الناشر: مكتبة رشيدية، [illegible]

مقام صحابیت کو گرانے اور اس پر طعن وتنقید کی غرض سے ذکر کی ہے کہ دلوں کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں اور ہمیں " ظنوا بالمؤمنین خیراً " کا حکم دیا گیا ہے۔

دیگر توجیہ:

اور دوسرے یہ کہ ہوسکتا ہے کہ یہ مثال بھی روافض کے اس پروپیگنڈے اور سازش کا حصہ ہو کہ جس کے تحت صرف ونحو کی مبتدی کتابوں سے لے کر منتہی کتابوں تک "ضرب زید عمروا" وغیرہ کی جو مثالیں دی جاتی ہیں ان میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے نام استعمال کیے جاتے ہیں۔ اور ان مثالوں سے ہر اس شخص کو واسطہ پڑتا ہے۔ جس نے عربی، فارسی اور اردو صرف ونحو (گرامر) کی کتابیں پڑھی ہوں۔ چنانچہ اگر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے بھی گرامر کی مذکورہ کتابیں پڑھیں ہیں تو انہیں بھی لامحالہ اس قسم کی مثالوں سے واسطہ پڑا ہوگا، لیکن اس کے باوجود کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی کہ وہ ان کتابوں کے مصنفین پر طعن وتشنیع کرے، یا کم از کم آگے ان کے پڑھنے پڑھانے والوں کو ڈانٹ پلائے کہ انہوں نے تو چلو جو کچھ لکھ دیا سو لکھ دیا مگر تم تو کم از کم اس سے پہلوتہی برتو!۔

اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ کوئی بھی عالم یا متعلم یا گرامر سیکھنے والا کوئی بھی ادنیٰ درجہ کا مسلمان اس بات کا شائبہ تک اپنے دل میں نہیں لاسکتا کہ اس قسم کی مثالوں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ذاتیں مراد ہیں، بلکہ وہ تو صرف ایک نام کی حد تک ان مثالوں سے استفادہ کرتے ہیں، کسی مخصوص صحابی کا نام سمجھ کر ان سے ہرگز استفادہ نہیں کرتے۔

ہاں! اگر کوئی بدبخت محض اس نیت سے اس قسم کی مثالیں اپنی نوک زبان پر لائے تاکہ ان سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام ومرتبہ گھٹایا جائے یا ان کی ذات ستودہ صفات میں توہین وتنقیص کا کوئی پہلو نکالا جائے تو ایسے شخص کی شقاوت وبدبختی اور ضلالت وگمراہی میں کسی مسلمان کو کیا کلام ہوسکتا ہے؟۔

پس زیر بحث مثال میں ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم ﴿ظنوا بالمؤمنین خیراً﴾ کے بموجب محض حسن ظن کی بناء پر علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ مثال دیتے وقت "علی" اور "معاویہ" مطلق دو نام ان کے سامنے آگئے ہوں گے اور انہوں نے انہی دو ناموں کو مثال میں پیش کردیا ہوگا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذاتیں اس سے ہرگز مراد نہیں لیں۔ چنانچہ یہ احتمال حاشیہ میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر کیا

ہے، جیسا کہ پیچھے گزر چکا۔

لہٰذا اگر کوئی شخص محض اس بات کی وجہ سے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد، گستاخ ٹھہرائے کہ انہوں نے اپنے استدلال میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام کی مثال پیش کی ہے تو پھر اس میں علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ ہی کی کیا خصوصیت ہے؟ پھر تو آپ سب سے اُن اصحاب علم وفضل وکمال کو "ناقدین معاویہ رضی اللہ عنہ" ٹھہرانا پڑے گا جنہوں نے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہم جیسے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسمائے مبارکہ کو بطور مثالوں کے صرف ونحو کی کتابوں میں بہ کثرت استعمال فرمایا ہیں۔

لیکن اگر آپ کہیں کہ وہاں "زید، عمرو، بکر" صرف نام مراد ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کی ذاتیں مراد نہیں ہیں تو پھر ہم بھی اس کے جواب میں یہ کہیں گے کہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جو مثال ذکر کی ہے اُس میں بھی "علی" و "معاویہ" صرف دو نام مراد ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذاتیں مراد نہیں۔

"فما هو جوابكم فهو جوابنا"

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

"علامہ تفتازانیؒ" "عقائد نسفیہ" کی شرح میں "احترام صحابیت" کو فراموش کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعنت کے جواز کا مسئلہ زیر بحث لاتے ہیں، اگرچہ انہوں نے لعنت سے متعلق عدم جواز کا قول نقل کیا ہے لیکن انہیں "رضي الله عنهم ورضوا عنه" کی ربانی سند کے بعد سرے سے اس مسئلہ کو زیر بحث لانا ہی نہیں چاہیے تھا کیوں کہ اس اسلوب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی واضح طور پر بے ادبی پائی جاتی ہے۔

"و بالجملة لم ينقل عن السلف المجتهدين والعلماء الصالحين جواز اللعن علىٰ معاوية واحزابه لأن غاية أمرهم البغي والخروج علىٰ الامام وهو لايوجب اللعن."[1]

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے گروہ پر لعنت کا جواز مجتہدین اور علمائے

---

[1] (شرح العقائد النسفية، ص ١١٦، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۱۱۳)

صالحین سے منقول نہیں ہے، کیوں کہ زیادہ سے زیادہ ان سے امام برحق (حضرت علی ﷛) کے خلاف بغاوت اور خروج کا ارتکاب ہوا تھا اور اس فعل سے لعنت واجب نہیں ہوتی۔

یعنی خروج و بغاوت کے ارتکاب سے لعنت واجب تو نہیں لیکن کیا "وجوب" سے کم درجہ کی "گنجائش" نکل سکتی ہے؟ موصوف نے اگر چہ یہاں حضرت معاویہ ﷛ اور ان کے گروہ کو لعنت سے مستثنیٰ قرار دیا ہے لیکن اس اسلوب سے بھی اہانت معاویہ ﷛ کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔[1]

## علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کی صحیح وضاحت:

دراصل علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ یہاں روافض پر رد کرنا چاہتے ہیں، کیوں کہ ان کے نزدیک امام برحق کے خلاف ناحق خروج اور بغاوت کرنے والے شخص پر لعنت کرنا واجب ہے۔ نیز علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت معاویہ ﷛ کے متعلق لعنت کے جواز و عدم جواز کا مسئلہ زیر بحث لا کر حضرت معاویہ ﷛ کے مقام صحابیت کا تحفظ اور دفاع کرتے ہوئے روافض کے سامنے علمائے اہل سنت کا یہ اجماعی موقف پیش کر کے انہیں یہ جواب دینا چاہتے ہیں کہ محض بغاوت اور خروج کی بناء پر حضرت معاویہ ﷛ اور اُن کے گروہ پر لعنت کرنے کا جواز ہمارے سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین سے منقول نہیں، بلکہ اس بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُنھوں نے خلیفہ برحق یعنی حضرت علی ﷛ کے خلاف بغاوت اور خروج کا ارتکاب کیا تھا، اور امام برحق کے خلاف بغاوت اور خروج کرنے سے اہل سنت کے نزدیک کوئی شخص لعنت کا مستحق نہیں ہوتا اور اس کے ارتکاب سے اُس پر لعنت واجب نہیں ہوتی لہٰذا حضرت معاویہ ﷛ پر لعنت کرنا ناجائز اور حرام ہے۔

دوسرا جواب اس کا یہ بھی دیا جا سکتا ہے کہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ "لایوجب" کا معنیٰ "واجب" ہی ہو بلکہ بعض جگہ "لایوجب" "لا یلزم" کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ جیسا کہ ارباب لغت نے لکھا ہے۔

چنانچہ علامہ ابن منظور الافریقی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۱۱ھ) لکھتے ہیں:

"وجب : وجب الشيُ يجب وجوباً أي لزم."[2]

---

[1] (سیدنا معاویہ ﷛ کے ناقدین، ص ۱۱۳)

[2] (لسان العرب لابن منظور الافریقی: ۱/۷۹۳، الناشر: دار صادر، بیروت)

ترجمہ:وجب: شے واجب ہوگئی یجب وجوباً یعنی کہ "لازم" ہوگئی۔(ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ مجد الدین فیروز آبادی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۱۷ھ) لکھتے ہیں:

"وجب یجب وجوباً وجبۃ: لزم."[1]

ترجمہ:واجب ہونے کا معنی لازم ہونا ہے۔(ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ سید مرتضی الزبیدی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۰۵ھ) لکھتے ہیں:

"وكان الحسن يراه لازماً،وحكي ذلك عن مالك يقال: وجب الشيء وجوباً: اذا ثبت ولزم."[2]

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ "وجوب" کو "لازم" کے معنی میں لیتے تھے۔اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ کہا جاتا ہے:"وجب الشيء وجوباً" جب کوئی چیز ثابت ہوجائے اور لازم ہوجائے۔(ترجمہ ختم)

چنانچہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس جگہ " لایوجب " کو " لایلزم " کے معنی میں لیا ہے جس کا وجوب شرعی سے کوئی تعلق نہیں۔اس صورت میں علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا مفہوم یہ بنے گا کہ: "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے گروہ پر لعنت کا جواز ائمہ مجتہدین اور علمائے صالحین سے منقول نہیں،کیوں کہ زیادہ سے زیادہ اُن سے امام برحق (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے خلاف بغاوت اور خروج کا ارتکاب ہوا تھا اور اس فعل سے لعنت واجب (لازم) نہیں ہوتی۔

الغرض علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر بحث عبارت سے مفہوم مخالف کے طور پر یہ مراد لینا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے گروہ پر لعنت کرنا واجب نہیں،مگر اس سے کم درجہ یعنی جواز کی گنجائش موجود ہے بالکل غلط اور بعید از قیاس ہے۔

ہاں زیادہ سے زیادہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے اُن کی اس عبارت میں ایک گونہ تقصیر کا پہلو پایا جاتا ہے،اس لئے اگر وہ اس کی جگہ کوئی دوسری واضح اور غیر مبہم متبادل عبارت لاتے تو بہت بہتر

---

[1] (القاموس المحيط للفيروز آبادي: ۱۴۱/۱، مؤسسة الرسالة، للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان)

[2] (تاج العروس من جواهر القاموس: ۳۲۳/۴، الناشر: دار الهداية)

ہوتا۔

## یزید اور اس کے اعوان وانصار پر لعنت بھیجنے کی بحث:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"یہ ملحوظ رہے کہ علامہ تفتازانی نے لعنت کے عدم جواز کے متعلق سلف کا مذکورہ قول نقل کیا ہے، لیکن آگے انہوں نے یزید کی بحث میں اشارۃً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بھی لعنت کی گنجائش نکال لی ہے۔ کیوں کہ انہوں نے اس مقام پر مطلقاً "اعوان وانصار" کا ذکر کیا ہے ( والله أعلم بمراده ) چنانچہ موصوف یزید پر لعنت کے جواز اور عدم جواز کے اقوال نقل کرنے کے بعد اپنا عقیدہ بایں الفاظ بیان فرماتے ہیں کہ:

"والحق أن رضا يزيد بقتل الحسين واستشاره بذلك واهانة اهل بيت النبي ( عليه السلام ) مما تواتر معناه وان كانت تفاصيله آحاداً، فنحن لانتوقف في شأنه بل في ايمانه لعنة الله عليه وعلى أنصاره واعوانه."[1]

یہی قول علامہ قسطلانی نے بھی اپنی کتاب ارشاد الساری شرح صحیح البخاری میں تحریر کیا ہے:

" لانتوقف في شأنه بل في ايمانه لعنة الله عليه وعلى أنصاره و أعوانه."[2]

ترجمہ: اور حق یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر اس کا راضی ہونا اور اس پر اس کا خوش ہونا اور نبی علیہ السلام کے گھر والوں کی توہین کرنا ایسی بات ہے جو معناً متواتر ہے اگر چہ اس کی جزئیات اخبار احاد ہیں، ہم اس کی شان بلکہ اس کے ایمان ہی کے بارے میں کوئی توقف نہیں کرتے۔ اللہ کی پھٹکار ہو یزید پر اور اس کے تمام یاروں اور مددگاروں پر۔

علامہ تفتازانی نے یزید کی "شان" میں یہ اشعار بھی کہے ہیں:

| | |
|---|---|
| اللعن على يزيد في الشرع يجوز | واللاعن يحوي حسنات ويفوز |

---

[1] (شرح العقائد النسفية / ص ۱۱۷، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ۱۱۳)

[2] (ارشاد الساری شرح صحیح البخاری، بحوالہ مقالات: ۲/ ۳۳۵ پیر کرم شاہ صاحب الازہری، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ۱۱۳)

قد صح لدي انه معل        واللعن مضاعف وذلک مهور

ترجمہ: (۱) یزید پر لعنت کرنا شریعت میں جائز ہے اور لعنت کرنے والے کو نیکیوں کے ساتھ بدلہ دیا جائے گا اور وہ کامیاب ہوگا (۲) میرے نزدیک یہ درست ہے وہ (یعنی یزید) ''بیمار'' تھا اور ''روگ'' کا شکار تھا، اس پر دوگنی لعنت ہو وہ معیوب و مطعون تھا۔

شرح عقائد کی عبارت اور مذکورہ اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف خود امیر تیمور رافضی کی مصاحبت سے ''یزید فوبیا'' کا شکار ہو گئے تھے۔ اسی لئے انہوں نے جمہور علماء کے مؤقف کے برعکس یزید پر سنگین ترین ''فرد جرم'' عائد کی ہے۔

یزید کے اعوان وانصار کے عموم سے حضرت معاویہ، حضرت مغیرۃ بن شعبہ اور دیگر مجوزین مبایعین صحابہ وتابعین کو کیوں کر مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے؟ جن کی مساعی جمیلہ سے وہ منصب خلافت پر فائز ہوا تھا۔ یا جن صحابہ وتابعین نے واقعہ کربلا کے بعد بھی اس بیعت کو نہیں توڑا تھا اور بیعت واطاعت پر قائم رہے۔

علاوہ ازیں یزید پر لعنت کے جواز میں تین وجوہات (قتل حسین رضی اللہ عنہ پر رضامندی اس پر خوشی کا اظہار اور اہانت اہل بیت) بیان کی گئی ہیں وہ بھی صحیح نہیں ہیں۔ نیز موصوف کے نزدیک یہ امور موجب لعنت وکفر ہیں۔ اسی لیے انہوں نے اس پر کفر کا حکم لگاتے ہوئے اسے اعوان وانصار سمیت لعنت کا مستحق قرار دیا ہے۔ حالاں کہ اگر بالفرض یزید کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا حکم دینا ''ثابت'' بھی ہو جائے تو پھر بھی اس پر ''کفر'' کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ ایسا حکم گناہ کبیرہ کے زمرے میں ہی آتا ہے۔ لیکن یہاں یزید کا قتل حسین کا حکم دینا، اس قتل پر خوشی کا اظہار کرنا اور قافلہ اہل بیت کی اہانت کرنا تینوں امور ثابت نہیں ہیں۔

مزید برآں یزید کا حالت کفر پر مرنا بھی یقینی طور پر کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا کیوں کہ وحی کا سلسلہ کا منقطع ہو چکا ہے لہذا یزید کی نہ تو تکفیر کی جا سکتی ہے اور نہ ہی مع اعوان وانصار اس پر بالتعیین لعنت۔ کسی بھی مسلمان کو متعین طور پر کافر اور لعنت کا مستحق قرار دینے کا شرعی حکم اہل علم سے مخفی نہیں ہے۔ یہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر مبایعین صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین سے

متعلق گفتگو ہو رہی ہے۔ یزید کی تکفیر اور اس پر لعنت کا مسئلہ ایک علیحدہ اور مستقل عنوان ہے جس پر یہاں بحث کا موقع نہیں ہے۔" ۱

## یزید کے اعوان و انصار سے کون سے اشخاص مراد ہیں؟:

جہاں تک پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی اس بات کا تعلق ہے کہ علامہ تفتازانی اور علامہ قسطلانی رحمہما اللہ نے یزید کی بحث میں اشارۃً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بھی لعنت کی گنجائش نکالی ہے، کیوں کہ انہوں نے اس مقام پر مطلقاً "اعوان و انصار" کا ذکر کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر یزید کے اعوان و انصار سے صرف وہی لوگ مراد ہیں جو یزید کے ساتھ مل کر امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر راضی اور خوش تھے اور انہوں نے نبی پاک ﷺ کے اہل بیت رضی اللہ عنہم کی توہین و تذلیل کی تھی، وہ لوگ مراد نہیں جنہوں نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کی تھی یا یزید کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا، جیسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور دیگر مجوزین مبایعین حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعینؒ ہیں۔ اس لئے کہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کے سیاق و سباق ہی سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہو رہی ہے کہ یہاں پر زیر بحث مسئلہ یزید اور اس کے ان اعوان و انصار کا چل رہا ہے کہ جنہوں نے قتل حسین رضی اللہ عنہ کا حکم دیا تھا یا وہ قتل حسین رضی اللہ عنہ پر خوش اور راضی تھے یا انہوں نے حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کی توہین و تذلیل کی تھی، ان لوگوں کی تو یہاں سرے سے بات ہی نہیں ہو رہی ہے کہ جن کی مساعی سے یزید منصب خلافت پر فائز ہوا تھا یا جن صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعینؒ نے واقعہ کربلا کے بعد بھی یزید کی بیعت کو نہیں توڑا تھا، بلکہ وہ اس کی بیعت پر برابر قائم رہے تھے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کے سیاق و سباق کو دیکھتے ہوئے یزید کے اعوان و انصار سے صرف یزید کے ماتحت وہی لوگ مراد ہیں جو امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر راضی اور خوش تھے اور انہوں نے نبی پاک ﷺ کے اہل بیت رضی اللہ عنہم کی توہین و تذلیل کی تھی۔

چنانچہ علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ علامہ تفتازانیؒ کی اسی عبارت " وعلى انصاره واعوانه " کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" اي جنوده الذين حاربوا الحسين ." ۲

ترجمہ: یعنی یزید کا وہ لشکر کہ جس نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ قتال کی تھی۔ (ترجمہ ختم)

---

۱ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۱۱۳، ۱۱۵)

۲ (النبراس شرح شرح العقائد النسفية للفرهاروي: ص ۳۳۲، المكتبة الحقانية، ملتان، پاکستان)

پس ثابت ہوا کہ یزید کے اعوان و انصار سے علامہ تفتازانی اور علامہ قسطلانی رحمہما اللہ کی مراد وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے قتل حسین رضی اللہ عنہ کا حکم دیا یا وہ لوگ قتل حسین رضی اللہ عنہ پر خوش ہوئے یا انہوں نے اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کی توہین و تذلیل کی تھی۔ علامہ تفتازانی اور علامہ قسطلانی رحمہما اللہ نے صرف انہیں لوگوں پر لعنت بھیجی ہے۔

## وصف عام کے ساتھ لعنت کرنا بالاتفاق جائز ہے!:

باقی جہاں تک بات ہے یزید اور اس کے مذکورہ بالا اعوان و انصار پر لعنت بھیجنے اور نہ بھیجنے کے مسئلہ کی تو اس کے بارے میں علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ: ''جس شخص نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا، یا قتل کا حکم دیا، یا قتل کو جائز کہا، یا قتل پر راضی رہا اس پر بالاتفاق لعنت کرنا جائز ہے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''واتفقوا علیٰ جواز اللعن علیٰ من قتله او امر به او اجازه او رضی به۔''[1]

ترجمہ: اور علماء کا اتفاق ہے کہ جس شخص نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا، یا قتل کا حکم دیا، یا قتل کو جائز کہا یا قتل پر راضی رہا اس پر لعنت کرنا جائز ہے۔ (ترجمہ ختم)

علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) ۱۲۳۹ھ اس کی تشریح لکھتے ہیں:

''اما من قتله فلقوله تعالیٰ: ﴿ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزائه جهنم خالداً فیها وغضب الله علیه ولعنه﴾ واما الآمر فلأنه شریک القاتل فی الاثم واما من اجاز ورضی فلأن الرضاء بالمعصیة کفر وایضاً قال الله تعالیٰ: ﴿ان الذین یؤذون الله ورسوله لعنهم الله فی الدنیا والآخرة﴾ وقال الله تعالیٰ: ﴿لعنة الله علی الظالمین﴾ ولا شک أن قاتله والآمر به والراضی به موذی ظالم وعندنا فیه بحث لأنه ان اراد لعن الشخص المعین فدعوی الاتفاق غیر مسموعة الا فی من رضی ومات علیه بلا توبة، لأن الرضاء بالمعصیة من حیث هی معصیة کفر بالاتفاق ولکن اثبات الموت علیه أصعب من خرط القتاد. وان أرید اللعن بالوصف العام فالاتفاق مسلم، لکن لا یلزم منه جواز

---

[1] (شرح العقائد النسفیة، ص ۳۷۴، الناشر: مکتبة الشرقی، کراتشی، آلباکستان)

اللعن علي الشخص المعين الذي يوجب هذا الوصف فيه كما سنحققه .[۱]

ترجمہ: بہرحال جس شخص نے آپ ﷺ کو قتل کیا تو اُس پر تو اس وجہ سے (لعنت کرنا جائز ہے) کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "اور جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اُس کی سزا جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ اُس پر غضب نازل کرے گا اور لعنت بھیجے گا ۔۔۔ الخ۔" (نساء: ۴/ ۹۳) [۲] اور قتل کا حکم دینے والے پر اس وجہ سے کہ وہ گناہ میں قتل کرنے والے کا شریک تھا اور قتل کو جائز کہنے اور اس پر خوش رہنے والے پر اس وجہ سے کہ گناہ پر خوش ہونا کفر ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کو تکلیف پہنچاتے ہیں، اللہ نے دُنیا اور آخرت میں اُن پر لعنت کی ہے۔۔۔۔" (الاحزاب: ۳۳/ ۵۷) [۳] اور دوسری جگہ ارشاد ہے: "سب لوگ سن لیں کہ اللہ کی لعنت ہے ان ظالموں پر۔" (الھود: ۱۱/ ۱۸) [۴] اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والا، آپ ﷺ کے قتل کا حکم دینے والا اور آپ ﷺ کے قتل پر خوش ہونے والا شخص موذی اور ظالم ہے۔

اور ہمارے نزدیک اس مسئلہ میں تھوڑی سی بحث ہے وہ یہ کہ اگر اس سے کسی معین شخص پر لعنت کرنا مراد ہے تو (علماء کا) یہ اتفاق غیر مسموع ہے، مگر اس شخص کے بارے میں جو (گناہ پر) راضی (اور خوش) ہو اور اسی حالت میں توبہ کے بغیر مر جائے۔ اس لئے کہ گناہ کو گناہ سمجھ کر اُس پر خوش ہونا بالاتفاق کفر ہے، لیکن رضاء بالمعصیۃ پر (کسی کے لئے) موت کا ثابت کرنا ازبس دُشوار ہے۔ اور اگر وصف عام کے ساتھ لعنت کی جائے تو (اس پر علماء کا) اتفاق مسلم ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس شخص معین میں یہ وصف پایا جاتا ہو اُس پر لعنت کرنا جائز ہے، جیسا کہ عنقریب ہم اس کی تحقیق کریں گے۔ (ترجمہ ختم)

---

[۱] (النبراس شرح شرح العقائد النسفية للفرهاروي: ص ۳۳۲، الناشر: مكتبة الشرق، كراتشي، الباكستان)
[۲] (آسان ترجمہ قرآن ۱/ ۲۸۸، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)
[۳] (آسان ترجمہ قرآن ۳/ ۱۳۰۹، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)
[۴] (آسان ترجمہ قرآن ۲/ ۶۷۳، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

## شخص معین (یزید) پر لعنت کرنے کا مسئلہ:

گویا علامہ فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ شخص معین پر لعنت بھیجنے کا مسئلہ اس وقت متفق علیہ کہلایا جاسکتا ہے جب کہ کسی شخص کے بارے میں قطعی اور یقینی طور پر یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس کی موت توبہ کے بغیر رضاء بالمعصیۃ پر واقع ہوئی ہے، حالاں کہ یہ بات معلوم کرنا ازبس دشوار ہے، اور جس شخص کے بارے میں یہ معلوم ہی نہ ہو سکے کہ اس کی موت توبہ کے بغیر رضاء بالمعصیۃ پر واقع ہوئی ہے یا توبہ کے بغیر رضاء بالمعصیۃ پر واقع نہیں ہوئی ہے تو ایسے شخص پر لعنت بھیجنے کا مسئلہ علماء کے درمیان اتفاقی نہیں بلکہ اختلافی ہے۔

چنانچہ یزید جیسے شخص معین پر لعنت بھیجنے کا مسئلہ بھی اسی وقت متفق علیہ کہلایا جاسکتا ہے جب کہ اس کے بارے میں قطعی اور یقینی طور پر یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس کی موت توبہ کے بغیر رضاء بالمعصیۃ (یعنی قتل حسین رضی اللہ عنہ پر (خوشی کی حالت میں) واقع ہوئی ہے، حالاں کہ یہ بات معلوم کرنا کسی کے بھی بس میں نہیں کہ یزید نے آخری وقت قتل حسین رضی اللہ عنہ پر خوش رہنے کے گناہ سے توبہ کر لی تھی یا توبہ نہیں کی تھی، پس معلوم ہوا کہ یزید پر لعنت بھیجنے کا مسئلہ بھی علماء کے درمیان اتفاقی نہیں بلکہ اختلافی ہے۔

چنانچہ علمائے اہل سنت میں سے جو لوگ (یزید پر) جواز لعنت کے قائل ہیں اُن میں ابن جوزیؒ، قاضی ابو یعلیؒ، علامہ تفتازانیؒ، علامہ قسطلانیؒ، اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ وغیرہ حضرات نمایاں ہیں۔ جب کہ عدم جواز کے قائلین میں امام غزالیؒ، اور امام ابن تیمیہؒ وغیرہ نمایاں ترین بزرگ حضرات ہیں۔

## اسلام میں سب سے پہلے بغاوت کرنے والے کی بحث:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"علامہ تفتازانی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مزید لکھتے ہیں کہ:

"ویتاول تاویلاً فاسداً، ولھذا ذھب الأکثرون الی أن أول من بغی فی الاسلام."[1]

ترجمہ: معاویہ رضی اللہ عنہ فاسد تاویل کرتا تھا۔ لہٰذا اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ اول جس نے اسلام میں بغاوت کی ہے وہ معاویہ رضی اللہ عنہ ہے۔

---

[1] شرح المقاصد ۲/۶،۳۰۶ بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۱۱۶،۱۱۵

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ جمہور نے اسے اجتہادی اختلاف قرار دیا ہے اور موصوف کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ معاویہؓ پہلا شخص ہے جس نے اسلام میں بغاوت کی۔ حالاں کہ جنگ جمل پہلے ہوئی ہے اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے توڑی ہے۔ کوئی مسلمان ان حضرات کی طرف بغاوت کی نسبت نہیں کر سکتا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تو بیعت ہی نہیں کی تھی، تو پھر ان کی طرف کس طرح "اوّل من بغى في الاسلام" کی نسبت کی جا سکتی ہے؟ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا فتویٰ ہے جو بالاتفاق سب سے پہلے بغاوت اور قتل و غارت کے مرتکب ہوئے تھے؟[1]

## ہاشمی صاحب کی عربی گرائمر سے بے خبری یا اُن کا تجاہل عارفانہ:

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت: "ويتاول تاويلاً فاسداً" میں "يتاول" کا فاعل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مانا ہے حالاں کہ اس کا فاعل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ کوئی اور ہے۔ (تفصیل اس کی آگے آرہی ہے۔ رفیع) اور دوسرے یہ کہ "يتاول" کا فاعل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مان کر اس کا انتہائی غلط ترجمہ کیا ہے اور اس سے قارئین باتمکین کو علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف جزیز بھڑکانے کی اپنی سی کوشش کی ہے، بایں طور کہ اس عبارت کا استمرار کا ترجمہ کیا ہے، حالاں کہ عربی زبان کی ابجد سے واقفیت رکھنے والا نوآموز طالب علم بھی یہ بات خوب اچھی طرح جانتا ہے کہ فعل مضارع میں دوام اور استمرار کا ترجمہ نہیں پایا جاتا بلکہ لفظ کان کو فعل مضارع کے شروع میں لگانے سے اس میں دوام اور استمرار کا ترجمہ پایا جاتا ہے اور اس وقت وہ فعل، فعل مضارع نہیں رہتا بلکہ ماضی استمراری بن جاتا ہے۔

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت: "ويتاول تاويلاً فاسداً" کا ترجمہ کیا ہے "اور معاویہ فاسد تاویل کرتا تھا۔" حالاں کہ یہ ترجمہ ماضی استمراری کا ہے جو کہ بالکل غلط اور خلاف حقیقت ہے اور اس سے بجا طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ معاذ اللہ! علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہر قسم کی تاویلات کو فاسد قرار دیا ہے، بایں طور کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جو بھی تاویل کرتے تھے وہ فاسد ہوتی تھی، حالاں کہ یہ بات بعید از قیاس اور خلاف واقعہ ہے۔

---

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۱۱۵، ۱۱۶)

اور تیسرے یہ کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا سیاق حذف کر کے "کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا، بھان متی نے کنبہ جوڑا" کا صحیح مصداق اُس سے اپنے مطلب کی عبارت اخذ کر کے خواہ مخواہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد اور گستاخ ٹھہرا دیا، حالاں کہ اگر علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا اُس کے کامل سیاق کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو علامہ موصوف کا دامن نقد معاویہ رضی اللہ عنہ سے بالکل پاک اور صاف نظر آتا ہے۔

چنانچہ ذیل میں ہم علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ مکمل عبارت بمع اُس کے سیاق کے نقل کرتے ہیں کہ جس کو حذف کر کے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب قارئین با تمکین کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اُن کو علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد و گستاخ ہونا باور کرانا چاہتے ہیں اور علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف ان کے سینوں میں بغض و نفرت کا لاوا ابھر کانا چاہتے ہیں۔

## علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی مکمل عبارت:

چنانچہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۹۲ھ) لکھتے ہیں:

"فان قيل : لا كلام في أن عليًا أعلم وافضل وفي باب الاجتهاد اكمل ،لكن من آين لكم أن اجتهاده في هذه المسالة وحكمه بعدم القصاص علي الباغي أوباشتراط زوال المنعة صواب واجتهاد القائلين بالوجوب خطأ ليصح له مقاتلتهم ؟ وهل هذا الا كما اذا خرج طائفة عليٰ الامام وطلبوا منه الاقتصاص ممن قتل مسلماً بالمثقل .قلنا : ليس قطعنا بخطاهم في الاجتهاد عائداً اليٰ حكم المسألة نفسه بل اليٰ اعتقادهم أن عليًا رضي الله عنه يعرف القتلة بأعيانهم ويقدرعليٰ الاقتصاص منهم . كيف وقد كانت عشرة آلاف من الرجال يلبسون السلاح وينادون : اننا كلنا قتلة عثمان . وبهذا يظهر فساد ما ذهب اليه عمرو بن عبيدة و واصل بن عطاء من أن المصيب احدي الطائفتين ، ولا نعلمه علي التعيين . وكذا ما ذهب اليه البعض من ان كلتا الطائفتين عليٰ الصواب بناءً علي تصويب كل مجتهد وذلك لأن الخلاف

انما هو فيما اذا كان كل منهما مجتهداً في الدين علي الشرائط المذكورة في الاجتهاد ، لا في كل من يتخيل شبهة واهية ويتأول تاويلاً فاسداً ، ولهذا ذهب الأكثرون الي أن أول من بغي في الاسلام معاوية ، لأن قتلة عثمان لم يكونوا بغاة ، بل ظلمة وعتاة ، لعدم الاعتداد بشبهتهم ، ولأنهم بعد كشف الشبهة اصروا اصراراً واستكبروا استكباراً .''[1]

ترجمہ: پس اگر کہا جائے کہ اس بارے میں تو کوئی کلام نہیں کہ سب سے زیادہ جاننے والے اور سب سے زیادہ فضیلت والے اور اجتہاد کے باب میں سب سے زیادہ کامل حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، لیکن اس بات کی تمہارے پاس کیا دلیل ہے کہ اس مسئلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اجتہاد کرنا اور اُن کا باغیوں پر عدم قصاص کا حکم لگانا، یا قصاص کو اُن کی قوت وشوکت کے زائل ہونے کے ساتھ مشروط ٹھہرانا درُست ہے، اور قائلین وجوب قصاص کا اجتہاد غلط ہے، تا کہ حضرت علی کا اُن کے ساتھ باہم قتل وقتال کرنا صحیح ہو سکے؟ اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ جب کوئی جماعت امام کے خلاف خروج کرے اور اُس سے اُس شخص سے قصاص لینا طلب کرے کہ جس نے کسی مسلمان کو بھاری آلہ سے قتل کیا ہو (تو یہ شرعاً جائز ہے اور اسے کوئی بھی غلط نہیں کہتا۔ (رفیع) ہم کہتے ہیں کہ نفس مسئلہ کے حکم کو سامنے رکھتے ہوئے قطعی طور پر ہم ان کو اُن کے اجتہاد میں خطی نہیں کہتے، بلکہ اُن کے اُس اعتقاد کو سامنے رکھتے ہوئے انہیں اُن کے اجتہاد میں خطی کہتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو خوب اچھی طرح پہچانتے ہیں اور اُن سے دم عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص لینے پر قادر ہیں، اس طرح کہ وہ دس ہزار آدمی تھے جو اسلحہ سے لیس تھے اور وہ پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ: ''ہم سب قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔'' اور اسی سے اُس مذہب کا فاسد ہونا ظاہر ہو جاتا ہے جو عمرو بن عبیدہ اور واصل بن عطاء کا ہے کہ: ''ان دونوں جماعتوں میں سے ایک جماعت مصیب ہے، لیکن علی التعیین ہم نہیں جانتے کہ وہ کون سی جماعت ہے؟۔''

---

[1] (شرح المقاصد للتفتازاني - ۵/۳۰۸، ۳۰۹، الناشر: عالم الكتب ، للطباعة والنشر والتوزيع ، بيروت ، لبنان )

اسی طرح اس سے اُن بعض لوگوں کے مذہب کا بھی فاسد ہونا ظاہر ہو جاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ''دونوں جماعتیں مصیب ہیں بنا بریں کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے۔'' اور یہ اس وجہ سے کہ اختلاف صرف اُسی صورت میں (معتبر) ہوتا ہے جب کہ دونوں میں سے ہر ایک شخص مجتہد فی الدین ہو اُن شرائط کے مطابق جو اجتہاد کے بارے میں ذکر کی گئی ہیں، نہ کہ ہر اس شخص کے بارے میں کہ جس کے دماغ میں کوئی معمولی سا شبہ گزرے اور وہ فاسد (اور باطل) قسم کی تاویل کر دے۔ اسی وجہ سے اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ اسلام میں سب سے پہلی بغاوت کرنے والے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں، (قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ نہیں ہیں) اس لئے کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ باغی نہیں تھے، بلکہ وہ تو (اس سے بھی بڑھ کر) ظالم اور سرکش تھے، ان کے شبہات کے اعتبار (اور وزن) کے نہ ہونے کی وجہ سے۔ اور اس وجہ سے کہ یہ لوگ شبہات کے ختم ہو جانے اور حق کے واضح ہو جانے کے بعد بھی باطل پر مصر (اور ڈٹے) رہے اور تکبر ہی تکبر کا مظاہرہ کرتے رہے۔ (ترجمہ ختم)

یہ ہے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ مکمل عبارت مع ترجمہ کے کہ جس کا سیاق و سباق حذف کر کے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے اپنے من کا مطلب اور مفہوم نکال کر علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ پر اندھا دھند بوچھاڑ شروع کر دی اور اُنہیں ''ناقدین معاویہ رضی اللہ عنہ'' کی فہرست میں لا کھڑا کر دیا۔

## ہاشمی صاحب کا طشت از بام ہوتا دجل و فریب:

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے مندرجہ ذیل دجل و فریب کی قلعی کھلتی ہے:

۱- ایک تو یہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت: '' ویتأول تأویلاً فاسداً '' میں 'یتأول' کا فاعل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مانا ہے، لیکن جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ اس کا فاعل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نہیں، بلکہ ہر وہ شخص ہے کہ جس کے دماغ میں کوئی معمولی سا کا شبہ گزرے اور وہ فاسد (اور باطل) قسم کی تاویل کر دے۔

۲- اور دوسرے یہ کہ پروفیسر ہاشمی صاحب نے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت: '' ویتأول تأویلاً

فاسداً " کا ترجمہ کیا ہے: "اور معاویہ رضی اللہ عنہ فاسد تاویل کرتا تھا۔" ایک تو آپ اس بات سے یہ اندازہ لگائیں کہ ہاشمی صاحب نے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد اور گستاخ ٹھہرانے کے لئے جان بوجھ کر "معاویہ فاسد تاویل کرتا تھا" کتنا بے ہودہ اور بے ادبی والا ترجمہ کیا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ ماضی استمراری کا ترجمہ کیا ہے جس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ معاذ اللہ! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جملہ اجتہادات کو باطل اور فاسد خیال کرتے تھے، کیوں کہ ماضی استمراری دوام اور استمرار کو چاہتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ مضارع بعض جگہ میں ماضی کے معنی میں ضرور آتا ہے، لیکن اتنا ضرور ہے کہ موقع محل کی مناسبت سے جس ماضی کا معنی بن رہا ہو وہی مراد لیا جائے۔ چنانچہ اس جگہ ماضی مطلق کا معنی بنتا ہے، ماضی استمراری کا نہیں، اسی لئے ہم نے ماضی مطلق کا ہی ترجمہ کیا ہے کہ "جس کے دماغ میں کوئی معمولی حاشیہ گزرے اور وہ فاسد (اور باطل) قسم کی تاویل کر دے۔"

۳-اور تیسرے یہ کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا سیاق وسباق حذف کر کے اس سے اپنے مطلب کی عبارت اخذ کر کے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد اور ان کا گستاخ ٹھہرایا ہے حالاں کہ اگر علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا اُس کے کامل سیاق وسباق کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو علامہ موصوف کا دامن "نقد معاویہ رضی اللہ عنہ" سے مکمل طرح پاک اور صاف نظر آتا ہے۔

## اسلام میں سب سے پہلے "بغاوت" کس نے کی؟:

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا عبارت کے رد میں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے دعویٰ کیا تھا کہ

> "علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے "أول من بغي في الاسلام معاوية" کی نسبت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف کی ہے، حالاں کہ "جنگ جمل" پہلے ہوئی ہے، اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے توڑی ہے، لیکن کوئی مسلمان ان حضرات کی طرف بغاوت کی نسبت نہیں کر سکتا۔ حضرت معاویہ نے تو بیعت ہی نہیں کی تھی تو پھر ان کی طرف کس طرح "أول من بغي في الاسلام" کی نسبت کی جا سکتی ہے؟۔"[1]

---

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۱۱۶)

## اسلام میں دو قسم کی بغاوتیں ہوئی ہیں !:

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں شک نہیں کہ "قتل عثمان رضی اللہ عنہ" اور "جنگ جمل" کے واقعات "جنگ صفین" سے پہلے ہی رونما ہوئے تھے، اور "جنگ صفین" کا واقعہ بعد میں پیش آیا تھا، لیکن اگر کتب تاریخ کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو اس سے اس بات کا ثبوت اچھی طرح مل جاتا ہے کہ دراصل اسلام میں دو قسم کی بغاوتیں ہوئی تھیں۔

## پہلی بغاوت:

۱۔ پہلی بغاوت "جمل" کی تھی جس میں جنگ اتفاقیہ طور پر وقوع پذیر ہوئی ہوئی تھی۔

چنانچہ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"عبداللہ بن سبا کی جماعت اور بلوائیوں کے گروہ کو جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے متصل پڑے ہوئے تھے، کوئی موقع اپنی شرارت آمیز ارادوں کے پورا کرنے کا نہ ملا۔ اب جب کہ ان کو یہ معلوم ہوا کہ صبح کو صلح نامہ لکھا جائے گا تو بہت فکر مند ہوئے اور رات بھر مشورے کرتے رہے۔ آخر سپیدۂ سحر کے نمودار ہونے کے قریب انہوں نے سیدنا طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کے لشکر یعنی اہل جمل پر حملہ کر دیا۔ جس حصہ فوج پر یہ حملہ ہوا اُس نے بھی مدافعت میں ہتھیاروں کا استعمال شروع کیا۔ جب ایک طرف سے لڑائی شروع ہوگئی تو فوراً ہر طرف، طرفین کی فوجیں لڑائی پر مستعد ہو کر ایک دوسرے پر حملہ آور ہوگئیں۔ لڑائی کا یہ شور سن کر سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اپنے خیموں سے نکلے اور شور و غل کا سبب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فوج نے اچانک حملہ کر دیا۔ سیدنا طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما فرمانے لگے: "افسوس! علی رضی اللہ عنہ کشت و خون کے بغیر باز نہ آئیں گے۔"

ادھر شور و غل کی آواز سن کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے خیمے سے نکلے اور شور و غل کی وجہ پوچھی، تو وہاں پہلے ہی سے عبداللہ بن سبا نے اپنے چند آدمیوں کو لگا رکھا تھا، انہوں نے فوراً جواب دیا کہ "طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما نے ہمارے لشکر پر بے خبری میں حملہ کر دیا، لہٰذا مجبوراً ہمارے آدمی بھی مدافعانہ لڑائی پر آمادہ ہو گئے ہیں۔" سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "افسوس! طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما بغیر خون ریزی کیے باز نہ آئیں گے۔" یہ فرما کر اپنے ....

کے حصوں کو احکام بھیجنے اور دشمن کا مقابلہ کرنے پر آمادہ کرنے لگے۔ غرض بڑے زور و شور سے لڑائی شروع ہوگئی۔ فریقین کے سپہ سالاروں میں سے (غلط فہمی میں) ہر ایک نے دوسرے کو مجرم سمجھا اور حقیقت اصلیہ سے دونوں بے خبر و ناواقف رہے۔"[1]

۲۔ اور دوسری بغاوت "صفین" کی تھی، جس میں جنگ ارادے اور عزم کے ساتھ وجود میں آئی تھی۔ غالباً علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے "جنگ جمل" کو سب سے پہلی بغاوت اس لئے نہ کہا کہ چوں کہ یہ جنگ اتفاقیہ اور بلا قصد ہوئی تھی، اس لئے اس کا وجود "جنگ صفین" کی صورت میں پیش آنے والی ایک بڑی جنگ کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں تھا۔

## اصحاب جمل کی طرف بغاوت کی نسبت:

باقی رہا پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا یہ دعویٰ کہ:

> "جنگ جمل میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت علی ﷛ کے ہاتھ پر بیعت کر کے توڑ دی تھی، لیکن اس کے باوجود کوئی مسلمان ان حضرات کی طرف بغاوت کی نسبت نہیں کرتا۔"[2]

## ہاشمی صاحب کے بطلانِ دعویٰ پر چند دلائل:

تو اس کا جواب یہ ہے کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا یہ دعویٰ خلاف حقیقت اور بالکل باطل ہے کہ: "کوئی مسلمان ان حضرات کی طرف بغاوت کی نسبت نہیں کرتا۔" اس لئے کہ اکابر علمائے اہل سنت جس طرح جنگ صفین پر بغاوت کا اطلاق کرتے ہیں اسی طرح جنگ جمل پر بھی بغاوت کا اطلاق کرتے ہیں، اور ایسے درجنوں حوالے موجود ہیں کہ جن میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کی طرف بغاوت کی نسبت کی گئی ہے۔ مثلاً:

### (۱) حضرت علی المرتضیٰ ﷛ کا حوالہ:

خلیفۂ چہارم حضرت علی المرتضیٰ ﷛، اہل جمل وغیرہ حضرات کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ: "ہمارے بھائیوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی اور تلوار نے انہیں پاک کیا۔"

---

[1] (تاریخ اسلام: ۱/ ۳۴۳، ۳۴۴)

[2] (سیدنا معاویہ ﷛ کے ناقدین: ۱۱۶)

چنانچہ امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ (۲۳۵ھ) فرماتے ہیں:

"یزید بن هارون عن شریک عن أبي العنبس عن أبي البختري قال: سئل عليٌّ عن أهل الجمل قال: قيل: أمشركون هم؟ قال: من الشرک فروا. قيل: أمنافقون هم؟ قال: ان المنافقين لا يذكرون الله الا قليلاً. قيل فما هم؟ قال: اخواننا بغوا علينا." [۱]

ترجمہ: ابوالبختری کہتے ہیں کہ: "حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اہل جمل کے بارے میں پوچھا گیا کہ: "کیا وہ مشرک تھے؟" آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "شرک سے تو وہ بھاگتے تھے۔" پوچھا گیا: "کیا وہ منافق تھے؟" آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "منافقین اللہ تعالیٰ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔" پوچھا گیا کہ: "پھر وہ کیا تھے؟" آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ہمارے بھائی تھے، ہمارے خلاف انہوں نے بغاوت کی۔" (ترجمہ ختم)

اسی طرح امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

"وقال من أهل الجمل وغيرهم: أصحاب الجمل اخواننا بغوا علينا طهرهم السيف" [۲]

ترجمہ: اور (حضرت علی رضی اللہ عنہ نے) اہل جمل وغیرہ کے بارے میں فرمایا کہ جمل والے ہمارے بھائی ہیں، انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی تو تلوار نے اُن کو پاک کیا۔

اسی طرح حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

"وكان يقول في أصحاب الجمل اخواننا بغوا علينا، طهرهم السيف." [۳]

---

[۱] (مصنف ابن أبي شيبة: ۵۳۵/۷، الناشر: مكتبة الرشد، الرياض)

[۲] (الفتاوى الكبرى لابن تيمية: ۵۳۹/۳، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان) و (حقوق آل البيت لابن تيمية: ۳۴/۱، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان) و (مجموع الفتاوى لابن تيمية: ۵۱۶/۲۸، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان) و (منهاج السنة النبوية لابن تيمية: ۴۹۷/۴، ۴۰۶/۷، الناشر: جامعة الإمام محمد بن سعود الاسلامية)

[۳] (المنتقى من منهاج الاعتدال في نقض كلام أهل الرفض والاعتزال للذهبي: ۲۷۴/۱)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ اصحابِ جمل کے بارے میں فرماتے تھے کہ ہمارے بھائیوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی تو تلوار نے ان کو پاک کیا۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:

"وروینا عن عليّ أنه سئل عليٌّ عن أهل الجمل فقال: اخواننا بغوا علينا، فقاتلناهم."[1]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے "اہل جمل" کے بارے پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: "ہمارے بھائیوں نے ہمارے خلاف خروج کیا، پس ہم نے اُس کے ساتھ قتال کی۔" (ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ ابن ابی العز الحنفی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۹۲ھ) فرماتے ہیں:

"وقال فيهم (أي في أصحاب الجمل والصفين) اخواننا بغوا علينا طهرهم السيف، وصلى على قتلى الطائفتين."[2]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ اصحابِ جمل واہل صفین کے بارے میں فرماتے تھے کہ: "ہمارے بھائیوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی تو تلوار نے ان کو پاک کیا" اور آپ رضی اللہ عنہ نے دونوں جماعتوں کے مقتولین کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح حضرت جی ثانی مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۸۴ھ) فرماتے ہیں:

"سئل عليٌّ (رضي الله عنه) عن أهل الجمل فقال: اخواننا بغوا علينا، فقاتلناهم."[3]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے "اہل جمل" کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: "ہمارے بھائیوں نے ہمارے خلاف بغاوت پس ہم نے اُن کے ساتھ قتال کی۔

---

[1] (السنن الكبرى للبيهقي: ۸/ ۳۱۵، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان؛ ومناقب الشافعي للبيهقي: ۱/ ۴۵۰، الناشر: مكتبة دار التراث، القاهرة)

[2] (التنبيه على مشكلات الهداية لابن أبي العز: ۴/ ۲۹۹، الناشر: مكتبة الرشد، ناشرون، المملكة العربية السعودية)

[3] (حياة الصحابة للكاندهلوي: ۳/ ۱۶۹۰، الناشر: مؤسسة الرسالة للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان)

### ﴿۲﴾ امام عبد القاہر بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح امام عبد القاہر بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"أجمع فقهاء الحجاز والعراق ممن تكلم في الحديث والرأي منهم مالك والشافعي وأبو حنيفة والأوزاعي والجمهور الأعظم من المتكلمين والمسلمين أن عليًا مصيب في قتاله لأهل صفين كما أصاب في قتاله أهل الجمل، وان الذين قاتلوه بغاة." [1]

ترجمہ: حجاز اور عراق کے متکلم فی الحدیث والرائے امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ امام اوزاعیؒ اور متکلمین اور مسلمانوں کے بڑے جمہور فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس طرح اہل جمل کے ساتھ قتال کرنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ مصیب ہیں اسی طرح اہل صفین کے ساتھ قتال کرنے میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ مصیب ہیں۔ (ترجمہ ختم)

### ﴿۳﴾ امام ابو منصور الماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ابو منصور الماتریدی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۴۴ھ) فرماتے ہیں:

" اجمعوا (أهل السنة) أن عليًا مصيب في قتاله أهل الجمل طلحة والزبير وعائشة ببصرة." [2]

ترجمہ: اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اہل جمل حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بصرہ میں لڑی جانے والی جنگ میں "مصیب" تھے۔ (ترجمہ ختم)

### ﴿۴﴾ علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۳۱ھ) فرماتے ہیں:

---

[1] (توضيح الأفكار لمعاني تنقيح الأنظار لأبي ابراهيم عز الدين الكحلاني: ۲/۲۵۷، الناشر: دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

[2] (فيض القدير شرح جامع الصغير للمناوي: ۶/۳۶۵ الناشر مكتبة التجارية الكبرى، مصر)

"والمصيب في حرب الجمل والخوارج عليٌّ والمخالفون بغاة."[۱]

ترجمہ: جمل اور خوارج کی لڑائی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ مصیب تھے اور (ان کے) مخالفین باغی تھے۔

## ﴿۵﴾ علامہ ابن الوزیر الحسنی القاسمی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح علامہ ابن الوزیر الحسنی القاسمی رحمۃ اللہ علیہ (التوفی ۸۴۰ھ) فرماتے ہیں:

"الاجماع علیٰ أن المقاتلين لأمير المؤمنين عليه السلام في صفين والجمل بغاة عليه."[۲]

ترجمہ: اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ امیر المؤمنین (حضرت علی رضی اللہ عنہ) سے جمل وصفین میں قتال کرنے والے اُن کے خلاف بغاوت کرنے والے تھے۔ (ترجمہ ختم)

## ﴿۶﴾ علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح علامہ یوسف بن اسمٰعیل النبہانی رحمۃ اللہ علیہ (التوفی ۱۳۵۰ھ) فرماتے ہیں:

"ومن حاربوه كانوا بغاة عليه."[۳]

ترجمہ: اور جنہوں نے اُن (حضرت علی رضی اللہ عنہ) سے لڑائی کی تو وہ اُن کے خلاف باغی تھے۔

## ﴿۷﴾ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (التوفی ۱۲۳۹ھ) فرماتے ہیں:

"اب حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے لڑنے والا اگر از راہ بغض وعداوت لڑتا ہے تو یہ علمائے اہل سنت کے نزدیک بھی کافر ہے۔ اور اس پر سب کا اجماع ہے۔ اور اگر شبہ فاسد اور تاویل باطل کی بناء پر نہ نیت عداوت وبغض سے حضرت رضی اللہ عنہ سے لڑنے والا مثلاً اصحاب جمل و

---

[۱] (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر للمناوی: ۲/۴۵۳، الناشر: المکتبة التجارية الكبرى، مصر)

[۲] (العواصم والقواصم في الذب عن سنة أبي القاسم لابن الوزير: ۱/۹۵، الناشر: مؤسسة الرسالة للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان)

[۳] (الأساليب البديعة في فضل الصحابة وإقناع الشيعة على هوامش شواهد الحق للنبهاني: ۱/۱۶۸، الناشر: المطبعة الميمنية، مصر)

اصحاب صفین تو یہ خطائے اجتہادی۔"[۱]

### ﴿۸﴾ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں:

"وأهل السنة ..... يقولون ..... ان مقاتليه في الوقعتين مخطئون باغون."[۲]

ترجمہ: اہل سنت ..... کہتے ہیں کہ ..... دونوں لڑائیوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑنے والے خطی اور باغی ہیں۔ (ترجمہ ختم)

### ﴿۹﴾ امام الحرمین امام ابوالمعالی الجوینی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک الجوینی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۷۸ھ) فرماتے ہیں:

"كان (عليٌّ) اماماً حقا، ومقاتلوه كانوا بغاة."[۳]

ترجمہ: (حضرت علی رضی اللہ عنہ) خلیفہ برحق تھے اور اُن کے ساتھ قتال کرنے والے باغی تھے۔ (ترجمہ ختم)

### ﴿۱۰﴾ امام قرطبی رحمہ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

"فتقرر عند علماء المسلمين وثبت بدليل الدين أن عليّاً رضي الله عنه كان اماماً وان كل من خرج عليه باغ."[۴]

ترجمہ: پس علمائے اہل اسلام کے نزدیک یہ بات دلیل شرعی سے ثابت ہوگئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ (برحق) تھے اور ان کے خلاف (ناحق) خروج کرنے والے باغی تھے۔

### ﴿۱۱﴾ امام قاضی ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح امام قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۴۳ھ) فرماتے ہیں:

---

۱ (تحفہ اثنا عشریہ (اردو) ص ۶۱۳، ناشر: ولی محمد اینڈ سنز کراچی)

۲ (الأجوبة العراقية على الأسئلة اللاهورية للآلوسي: ۱/۳۸، الناشر: مطبعة الحميدية، بغداد)

۳ (كتاب الإرشاد للإمام الحرمين الجويني: ص ۴۳۳، الناشر: لم أطلع عليه)

۴ (الجامع لأحكام القرآن المعروف بتفسير القرطبي: ۱۶/۳۱۸، الناشر: دار الكتب المصرية، القاهرة)

"فتقرر عند علماء المسلمين وثبت بدليل الدين أن عليا رضي الله عنه كان اماماً وأن كل من خرج عليه باغ." [۱]

ترجمہ: پس علمائے اہل اسلام کے نزدیک یہ بات دلیل شرعی سے ثابت ہوگئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ (برحق) تھے اور ان کے خلاف (ناحق) خروج کرنے والے باغی تھے۔

## ﴿۱۲﴾ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

"وقد ثبت أن من قاتل عليًا كانوا بغاة." [۲]

ترجمہ: اور یہ بات ثابت ہے کہ جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی کی وہ باغی تھے۔

## ﴿۱۳﴾ علامہ محمد بن علی الولوی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح علامہ محمد بن علی الاثیوبی الولوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وقد ثبت أن من قاتل عليًا بغاة." [۳]

ترجمہ: اور یہ بات ثابت ہے کہ جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قتال کی وہ باغی ہے۔

## ہاشمی صاحب کا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور علمائے اہل سنت پر کفر کا فتویٰ:

اس ساری تفصیل اور تمام حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سمیت مذکورہ بالا تمام علمائے اہل سنت اہل جمل پر "بغاوت" کا اطلاق کرتے تھے، مگر ادھر دیکھئے کہ ہاشمی صاحب نے فتویٰ دیا ہے کہ:

"جنگ جمل میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے توڑ دی تھی، لیکن اس کے باوجود کوئی مسلمان ان حضرات کی طرف بغاوت کی نسبت نہیں کرتا۔" [۴]

---

[۱] (احکام القرآن لابن العربی: ۴/ ۵۰، الناشر: دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان)

[۲] (فتح الباری لابن حجر العسقلانی: ۱۳/ ۶۷، الناشر: دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان)

[۳] (ذخیرة العقبی فی شرح المجتبی للولوی: ۱۶/ ۲۵۴، الناشر: دار آل بروم، للنشر والتوزیع)

[۴] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۱۱۶)

گویا کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سمیت مذکورہ بالا تمام علمائے اہل سنت پر کفر کا فتویٰ لگا کر انہیں بڑے دھڑلے کے ساتھ اسلام سے ہی خارج کر دیا ہے۔ لہٰذا اس پر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو چاہیے کہ وہ دوبارہ اپنے ایمان اور نکاح کی تجدید کریں، کیوں کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے خلیفہ راشد اور مقام صحابیت کے حامل ایک عظیم صحابی کی انتہائی سخت توہین اور تنقیص کی ہے۔

## کیا بیعت نہ کرنے سے بغاوت کا حکم ساقط ہو جاتا ہے؟:

اس میں شک نہیں کہ اگر کوئی شخص امام برحق کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کو توڑ دے تو وہ باغی کہلاتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سرے سے بیعت ہی نہ کرے تو کیا وہ بھی باغی کہلاتا ہے یا نہیں؟ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا دعویٰ ہے کہ ایسا شخص باغی نہیں کہلاتا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تو بیعت ہی نہیں کی تھی تو پھر ان کی طرف کس طرح ﴿اول من بغی فی الاسلام﴾ کی نسبت کی جا سکتی ہے؟۔" [1]

اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ خلیفہ برحق کی بیعت نہ کرنے سے بغاوت کا حکم آدمی سے ساقط ہو جاتا ہے۔ یہ حکم فقہ طاہری کا تو ہو سکتا ہے، فقہ اسلامی کا ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ فقہ اسلامی کا حکم مطلق ہے، چاہے کوئی شخص امام برحق کی بیعت سرے سے کرے ہی نہیں یا کر کے توڑ ڈالے دونوں صورتوں میں وہ باغی کہلاتا ہے۔

چنانچہ علامہ علاء الدین الحصکفی رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۸۸ھ) لکھتے ہیں:

"البغاة ... شرعاً (هم الخارجون عن الامام الحق بغير حق)" [2]

ترجمہ: شرعاً باغی وہ لوگ کہلاتے ہیں جو امام برحق کے خلاف ناحق خروج کریں۔

اور علامہ محمد بن فرامرز ملا خسرو رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۸۵ھ) لکھتے ہیں:

"هم قوم مسلمون خرجوا عن طاعة الامام فيدعوهم الى العود فيكشف شبههم" [3]

---

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۱۱۶)

[2] (الدر المختار شرح تنویر الأبصار للحصكفي: ۱/ ۳۵۱، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت - لبنان)

[3] (درر الحكام شرح غرر الأحكام لملا خسرو ۱/ ۳۰۶، الناشر: دار احياء الكتب العربية)

ترجمہ: باغی وہ مسلمان قوم ہوتی ہے جو امام کی اطاعت سے نکل جائے اور وہ انہیں واپس لوٹنے کی دعوت دے اور ان کے شکوک و شبہات دور کرے۔ (ترجمہ ختم)

اور علامہ شیخی زادہ داماد آفندی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ١٠٧٨ھ) لکھتے ہیں:

**"وفي التنوير هو في عرف الفقهاء هم الخارجون على الامام الحق بغير حق۔"** [1]

ترجمہ: اور تنویر میں ہے کہ فقہاء کے عرف میں باغی اُن لوگوں کو کہا جاتا ہے جو امام برحق کے خلاف ناحق خروج کریں۔ (ترجمہ ختم)

پس معلوم ہوا کہ مطلقاً امام برحق کے خلاف ناحق خروج کرنے والا شخص "باغی" کہلاتا ہے، چاہے اُس نے امام کے ہاتھ پر بیعت کر کے بعد میں توڑ ڈالی ہو، یا سرے سے بیعت کی ہی نہ ہو دونوں صورتوں میں وہ "باغی" کہلائے گا۔

## قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ باغی نہیں بلکہ ظالم اور سرکش تھے!

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے ایک یہ استفتاء بھی کیا ہے کہ:

"قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا فتویٰ ہے جو بالاتفاق سب سے پہلے بغاوت اور قتل و غارت کے مرتکب ہوئے تھے؟" [2]

تو اس کا جواب یہ ہے کہ علمائے عقائد نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ باغی نہیں تھے بلکہ وہ اس سے بھی بڑھ کر ظالم، سرکش اور مذہب کے نافرمان تھے۔ باغی کے لئے تو پھر بھی کسی شبہ اور تاویل کی گنجائش ہوتی ہے، لیکن یہ لوگ نرے فسادی تھے، ان کے پیدا کردہ شبہات کا کچھ اعتبار اور وزن نہیں، اس لئے کہ شکوک و شبہات کے رفع دفع ہونے اور حق بات کھل جانے کے باوجود وہ لوگ باطل پر ڈٹے رہے۔

چنانچہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ٧٩٢ھ) ہی فرماتے ہیں کہ:

**"ان قتلة عثمان لم يكونوا بغاة، بل ظلمة وعتاة، لعدم الاعتداد**

---

[1] (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر لشيخي زاده أفندي: ١/٦٩٩، الناشر: دار احياء التراث العربي - بيروت)

[2] ([illegible] ص ١١٦)

بشبهتهم ،ولأنهم بعد كشف الشبهة أصروا اصراراً واستكبروا استكباراً "[۱]

ترجمہ: قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ باغی نہیں تھے، بلکہ ظالم اور سرکش تھے، ان کے شبہات کا اعتبار (اور وزن) کے نہ ہونے کی وجہ سے، اور اس وجہ سے کہ یہ لوگ شبہات کے ختم ہو جانے اور حق کے واضح ہو جانے کے بعد بھی باطل پر مصر (اور ڈٹے) رہے اور تکبر ہی تکبر کا مظاہرہ کرتے رہے۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ کمال الدین قدسی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۰۹ھ) بھی لکھتے ہیں کہ:

" ان قتلة عثمان رضي الله عنه لم يكونوا بغاة بل ظلمة وعتاة لعدم الاعتداد بشبهتهم ، ولأنهم أصروا على الباطل بعد كشف الشبهة وايضاح الحق لهم ."[۲]

ترجمہ: قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ باغی نہیں تھے، بلکہ ظالم اور سرکش تھے، ان کے شبہات کے اعتبار کے نہ ہونے کی وجہ سے، اور اس وجہ سے کہ وہ لوگ شبہات کے ختم ہو جانے اور حق کے واضح ہو جانے کے بعد بھی باطل پر مصر اور (اس پر ڈٹے) رہے۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں:

"فان الذي ذهب اليه كثيرون من العلماء ان قتلة عثمان لم يكونوا بغاة وانما كانوا ظلمة وعتاة ، لعدم الاعتداد بشبهتهم ، ولأنهم أصروا على الباطل بعد كشف الشبهة وايضاح الحق لهم ."[۳]

ترجمہ: بہت سے علماء اس طرف گئے ہیں کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ "باغی" نہیں تھے، بلکہ وہ صرف "ظالم" اور "سرکش" تھے، ان کے شبہات کا اعتبار کے نہ ہونے کی وجہ سے، اور اس وجہ سے کہ وہ لوگ شبہات کے ختم ہو جانے اور حق کے واضح ہو جانے کے بعد بھی باطل پر ڈٹے رہے۔

---

[۱] (شرح المقاصد للتفتازاني: ۵/ ۳۰۸، ۳۰۹، الناشر: عالم الكتب، للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان)

[۲] (المسامرة شرح المسايرة: ۲/ ۱۵۹، ۱۶۰، الناشر ...)

[۳] (الصواعق المحرقة على أهل الرفض والضلال والزندقة للهيتمي: ۲/ ۶۲۳، الناشر: مؤسسة الرسالة، لبنان)

## حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اپنے "بدخواہوں" سے مراد کون لوگ ہیں؟!

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مزید لکھتے ہیں:

"معلوم ہوتا ہے کہ علامہ تفتازانیؒ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر "چوٹ" یا "تعریض" کا کوئی سا موقع بھی ضائع نہیں جانے دیتے۔ چنانچہ وہ "شرح تلخیص" میں لکھتے ہیں کہ:

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیمار تھے، حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ عیادت کے لئے تشریف لائے، تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے سامنے اُنہوں نے یہ شعر پڑھا:

(ترجمہ) (۱) اور بدخواہوں کے سامنے میرا اظہار بہادری اس مقصد کے لئے ہے کہ میں زمانے کے حوادث کے سامنے جھکنے والا نہیں ہوں۔ (۲) اور جب موت اپنے پنجے گاڑ لیتی ہے تو تم کسی تعویذ کو کارگر نہیں پاؤ گے۔[۱]

مولانا عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

"ان الرواية غير صحيح، ولو سلمت فليس فيها تصريح بارادته الحسن."[۲]

ترجمہ: یہ روایت صحیح نہیں اور بر تقدیر تسلیم اس میں تصریح نہیں کہ انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو مراد لیا تھا۔"[۳]

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے یہاں بھی اپنے دجل و فریب کا خوب سے خوب تر مظاہرہ کیا ہے اور علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے سر یہ الزام تھوپ دیا ہے کہ اُنہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ لکھا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے مرض الوفات میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ جب آپ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لئے تشریف لائے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اشعار کے انداز میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنا بدخواہ مراد لیا، حالاں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے کلام میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بدخواہ مراد لینے کی کوئی تصریح نہیں ہے۔

---

۱ (المطول شرح تلخيص مفتاح العلوم للتفتازاني ص ۶۰۷، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

۲ (الناهية عن طعن امير المؤمنين معاوية ص ۳۷، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۱۱۶)

۳ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۱۱۶)

اور دوسرا دجل پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے یہ کیا کہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کو کاٹ چھانٹ کر مذکورہ بالا دونوں اشعار کی نسبت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف کر دی، حالاں کہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف پہلا شعر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے نقل کیا ہے اور دوسرا شعر اُس کے جواب میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے نقل کیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

"حكي أن الحسن بن علي ( رضي الله عنهما ) دخل على معاوية رضي الله عنه يعوده ، فلما رآه معاوية قام وتجلد وأنشد :

بتجلدي للشامتين أريهم

أني لريب الدهر لا أتضعضع

فأجابه الحسن على الفور وقال:

وإذا المنية ... الخ [1]

ترجمہ: حکایت کی گئی ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کرنے تشریف لائے، جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اُنہیں دیکھا تو کھڑے ہو گئے اور صبر و استقلال کا مظاہرہ کیا اور یہ شعر پڑھا:

ترجمہ: اور خوش ہونے والوں کے لئے میرا مضبوطی دکھانا اس لئے تھا کہ میں اُنہیں دکھاؤں کہ میں گردشِ زمانہ کے سامنے عاجزی اختیار کرنے والا نہیں۔

تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فی الفور جواب دیا:

"اور جب موت اپنے پنجے گاڑ دیتی ہے تو تم دیکھو گے کہ کوئی تعویذ فائدہ نہیں دیتا۔" (ترجمہ ختم)

تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے ۶ ماہ بعد ۴۱ھ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی تھی [2] اور آپس کی دلی رنجشیں اور کدورتیں ایک دوسرے کو معاف کر دی تھیں پھر اس کے باوجود

---

[1] (المطول شرح تلخيص مفتاح العلوم للتفتازاني ص ۶۰۲ ، ناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

[2] (تاریخ اسلام: ۱/ ۳۹۷)

حضرت معاویہ ﷛ کے کلام سے حضرت حسن ﷛ کو "بدخواہ" مراد لینا کیوں کر درست ہو سکتا ہے؟ بالخصوص اُس وقت جب کہ حضرت معاویہ ﷛ کے اس کلام میں آپ ﷛ کے نام کی تصریح تک نہیں ہے۔ جیسا کہ خود پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو بھی اس کا اعتراف ہے اور انہوں نے بھی علامہ فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

"بر تقدیر تسلیم صحت روایت ہٰذا اس میں حضرت حسن ﷛ کو ہی خاص طور پر مراد لینے کی تصریح نہیں ہے۔" [۱]

علاوہ ازیں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) نے بھی اپنی تاریخ میں کسی شخص معین کے نام کی تصریح کیے بغیر اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ [۲]

چوتھا جواب اس کا یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت معاویہ ﷛ کے مرض الوفات کا ہے، جو ۶۰ھ میں پیش آیا تھا۔ اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق حضرت معاویہ ﷛ اسی دن وفات پا گئے تھے جب کہ ابن الاعثم کے قول کے مطابق آپ ﷛ نے اس واقعہ کے پانچ دن بعد وفات پائی۔

چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ واقعہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

**"فمات من یومه ذلک "** [۳]

ترجمہ: پس حضرت معاویہ ﷛ اسی دن وفات پا گئے۔

"البدایة والنهایة" کے محقق اس عبارت کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

**"فی ابن الأعثم: مات بعد خمسة أیام." ** [۴]

ترجمہ: ابن الاعثم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پانچ دن بعد آپ ﷛ نے وفات پائی۔

بہرحال اس سے اتنا تو ثابت ہو گیا کہ یہ واقعہ حضرت معاویہ ﷛ کے مرض الوفات ۶۰ھ کا ہے، جس کے فوراً بعد یا چند دن بعد آپ ﷛ نے وفات پائی۔ جب کہ حضرت حسن ﷛ کی وفات اس واقعہ سے بہت پہلے ہو چکی تھی۔

---

[۱] (سیدنا معاویہ ﷛ کے ناقدین، ص ۱۱۶)

[۲] ملاحظہ ہو: البدایة والنهایة: ۸/ ۱۵۱، الناشر: دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان)

[۳] (البدایة والنهایة: ۸/ ۱۵۱، الناشر: دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان)

[۴] (حاشیة المحقق علی البدایة والنهایة ۸/ ۱۵۱، الناشر: دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان)

چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

" والمشهور انه مات سنة تسع وأربعين كما ذكرنا. وقال آخرون مات سنة خمسين وقيل احدي وخمسين أو ثمان وخمسين "[1]

ترجمہ: مشہور یہ ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات ۴۹ھ میں ہوئی، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ ۵۰ھ میں ہوئی۔ اور کہا گیا ہے کہ ۵۱ھ میں ہوئی یا ۵۸ھ میں ہوئی۔ (ترجمہ ختم)

بہرحال حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا سن وفات اگر ۵۸ھ بھی مان لیا جائے تب بھی ۶۰ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مرض الوفات میں آپ رضی اللہ عنہ کا آ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عیادت سے لئے تشریف لانا ازبس دشوار بلکہ ناممکنات میں سے ہے جو کسی بھی طرح ثابت نہیں ہوسکتا۔

## حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کے مابین "مسئلہ تفضیل" پر علمی بحث:

اسلامی خلافت کی ترتیب کے لحاظ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں حضرات خلفائے راشدین میں سے مقام اور مرتبے کے لحاظ سے کون افضل اور کون مفضول ہے؟ اس بارے میں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اب جمہور اہل سنت کے عقیدے کے برعکس شیعہ فرقہ "تفضیلیہ" کی موافقت میں موصوف کا ایک اور عقیدہ ملاحظہ فرمائیے:

" جمہور اہل سنت خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی بالترتیب افضلیت کے قائل ہیں اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو فضیلت دیتے ہیں، لیکن اس کے برعکس علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" واما نحن فقد وجدنا دلائل الجانبين متعارضة ( اي في افضلية عثمان أو علي )ولم نجد هذه المسئلة مما يتعلق به شيءٌ من الأعمال أو يكون

[1] ( البداية والنهاية لابن كثير ۸/ ۴۸، ۴۹، الناشر: دار احياء التراث العربي - بيروت (لبنان) )

التوقف فيه مخلا بشيٍ من الواجبات ، و السلف كانوا متوقفين في تفضيل عثمان حيث جعلوا من علامات السنة والجماعة تفضيل الشيخين و محبة الختنين . و الانصاف انه ان أريد بالأفضلية كثرة الثواب فللتوقف جهة و ان أريد كثرة ما يعده ذو والعقول من الفضائل فلا ۔"[1]

ترجمہ: رہے ہم تو ہم نے جانبین کے دلائل کو متعارض پایا اور ہم نے اس مسئلہ کو ایسا نہیں پایا کہ اس سے کسی عمل کا تعلق ہو اور اس بارے میں توقف کسی واجب میں خلل انداز ہو۔ اور سلف صالحین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو افضل قرار دینے میں توقف کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے "تفضیل شیخین اور محبت ختنین" کو اہل سنت والجماعت کی علامات میں سے قرار دیا۔ اور انصاف یہ ہے کہ اگر افضلیت سے کثرت ثواب مراد ہو تو (پھر تو) توقف کی (کوئی) وجہ (بنتی) ہے اور اگر وہ چیزیں مراد ہوں جن کو اہل دانش فضائل اور کمالات میں سے شمار کرتے ہیں تو (پھر توقف کی) کوئی وجہ نہیں (بنتی)۔

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا عبارت کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ترجیح دینے کا مسئلہ ظنی ہے۔ ہمارے اسلاف سے یہی ترتیب منقول ہے۔ اگر ہم اسلاف کے ساتھ حسن ظن کی بنیاد پر ان کی تقلید نہ کرتے تو اس بارے میں توقف ہی افضل تھا۔

۱- ایک تو اس وجہ سے کہ اس سلسلے میں شیعہ اور اہل سنت کے دلائل متعارض ہیں۔ لہٰذا کسی بات کا یقین نہیں کیا جا سکتا۔

۲- اور دوسرے اس وجہ سے کہ یہ مسئلہ اعتقادی ہے ظنی نہیں اور اعتقادیات میں ظنیات کافی نہیں ہوا کرتے۔

۳- اور تیسرے اس وجہ سے کہ اس مسئلے میں توقف اور سکوت کسی واجب شرعی میں مخل نہیں۔

---

[1] شرح العقائد النسفية للتفتازاني: ص ۳۴۷، الناشر: مكتبة البشرى، كراتشي، الباكستان)

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تینوں باتیں خلاف واقع ،ضعیف اور کمزور ہیں۔

اسی طرح موصوف کا یہ کہنا ( کہ ہمارے اسلاف نے توقف کو ترجیح دی ہے ) بھی صحیح نہیں اس لئے کہ اہل سنت اور اہل تشیع کے درمیان متنازع فیہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان افضلیت کا مسئلہ نہیں بلکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان افضلیت کا مسئلہ ہے ۔لہٰذا انہوں نے توقف نہیں کیا بلکہ "تفضیل شیخین" کو اہل السنۃ والجماعت کی علامات میں سے شمار کیا ہے۔

اس موقف کے آخر میں موصوف نے جو "انصاف" فرمایا ہے وہ شیعیت ہی کی ترجمانی ہے۔ بعض علماء نے ان کے اس "انصاف" کی بناء پر پورا پورا انصاف کرتے ہوئے فرمایا کہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس "انصاف" سے شیعیت کی بو آتی ہے۔ یعنی ان کا یہ کہنا کہ اگر افضلیت سے مراد کثرت ثواب ہے پھر تو توقف کی کوئی بنیاد ہے، کیوں کہ کثرت ثواب کا تعلق عقل سے ممکن نہیں اور نقل وارد نہیں ۔اور اگر ان اشیاء کی زیادتی مراد ہے جن کو لوگ کمالات میں شمار کرتے ہیں تو پھر توقف کی کوئی وجہ نہیں ۔اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کمالات اور کرامات زیادہ ہیں۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اسلاف نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت اور ترجیح دی ہے اور اس کے برعکس عقیدے کو شیعیت قرار دیا ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" فالتشيع في عرف المتقدمين هو اعتقاد تفضيل علي علىٰ عثمان و أن عليا كان مصيباً في حروبه و أن مخالفه مخطئٌ مع تقديم الشيخين وتفضيلهما. وأما التشيع في عرف المتأخرين فهو الرفض المحض فلا تقبل رواية الرافضي الغالي و لا كرامة "[1]

ترجمہ: متقدمین کے عرف و اصطلاح میں تشیع کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو

---

[1] تہذیب التہذیب (۱/۹۴)، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۱۱۸

صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دی جائے اور یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان جنگوں میں حق بجانب تھے اور ان کے مخالف خطاء پر تھے، اس کے ساتھ ساتھ وہ شیخین کی تفضیل کے بھی قائل تھے (مگر پھر بھی انہیں شیعہ سمجھا جاتا تھا)۔ جب کہ متاخرین کے نزدیک شیعیت خالص رفض کا نام ہے۔ لہٰذا نہ تو اس غالی رافضی کی روایت قبول کی جاسکتی ہے اور نہ ہی اس کی عزت کی جاسکتی ہے۔

اس سے واضح ہو گیا کہ متقدمین، سلف صالحین اور محدثین نے اس شخص کو جو تمام اصول وفروع میں اہل سنت والجماعت کے ساتھ متفق ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہے، شیعہ قرار دیا ہے۔ [۱]

[۱] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ۱۱۷، ۱۱۸)

## حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دینے کا مسئلہ قطعی ہے یا ظنی؟

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا عبارت میں دو نکات اُٹھائے ہیں۔

۱- پہلا نکتہ تو یہ اُٹھایا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دینے کا مسئلہ ''قطعی'' ہے ''ظنی'' نہیں۔

۲- اور دوسرا نکتہ یہ اُٹھایا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دینے والا شخص متقدمین کے عرف اور ان کی اصطلاح میں ''شیعہ'' کہلاتا تھا۔

پہلا نکتہ:

جہاں تک پہلے مسئلے کا تعلق ہے کہ ''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دینے کا مسئلہ ''قطعی'' ہے ''ظنی'' نہیں ہے۔'' تو اس مسئلہ میں علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ متفرد نہیں، بلکہ پہلی، دوسری اور تیسری صدی کے علماء کے یہاں بھی یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے۔ نیز اس مسئلہ میں اختلاف کرنے والے شخص کو بدعتی بھی نہیں کہا جاسکتا۔

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ترتیب کا مسئلہ ''ظنی'' ہے ''قطعی'' نہیں، اس لئے کہ ہم نے اپنے اسلاف کے ساتھ حسن ظن رکھا ہے کہ ان کے پاس کوئی دلیل ضرور موجود ہوگی جس کی وجہ سے انہوں نے افضلیت کے اعتبار سے یہ ترتیب قائم کی ہے کہ خلافت کے معاملہ میں

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مقدم ہے۔ اور اگر ہم حسن ظن کی بنیاد پر ان کی تقلید نہ کرتے تو پھر اس مسئلہ میں توقف اور سکوت افضل تھا۔ کیوں کہ اس کے بارے میں اہل سنت والجماعت کے دلائل باہم متعارض ہیں، اس لئے کسی ایک جانب کو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ نیز افضلیت کا مسئلہ اعتقادی ہے، عملی نہیں، عملیات میں تو ظنی دلیل کافی ہو جاتی ہے، لیکن اعتقادیات میں دلیل ظنی کافی نہیں ہوتی، بلکہ اس میں یقین مطلوب ہوتا ہے، جس لئے دلائل قطعیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ نیز افضلیت کے اس مسئلہ میں توقف اور سکوت کرنے میں کسی واجب شرعی کا نقصان بھی نہیں ہے۔ چنانچہ اسلاف سے اس مسئلہ میں توقف اور سکوت منقول ہے۔

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انصاف کی بات یہ ہے کہ اگر افضلیت سے مراد کثرت ثواب ہے تو اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے کہ اس کے یہاں کس کو زیادہ تقرب حاصل ہے، پھر تو توقف اور سکوت کرنا بجا ہے، کیوں کہ کثرت ثواب کو عقل سے جانا نہیں جاتا اور نقل اس میں وارد نہیں۔ اور اگر افضلیت سے مراد فضائل و مناقب کا زیادہ ہونا ہے تو پھر توقف کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اس لئے کہ اس اعتبار سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام اعلیٰ ہے، کیوں کہ ان کے مناقب بہت زیادہ ہیں، مثلاً کمالات علمیہ و عملیہ، فصاحت و بلاغت، شجاعت و بہادری، سخاوت و فیاضی سیدۃ نساء اہل الجنۃ کا شوہر ہونا، حسنین کریمین کا والد ہونا وغیرہ۔

## حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر افضلیت ثابت ہونے کے چند شرعی دلائل:

اگر چہ کثرت ثواب کی بناء پر حضرت عثمان کو حضرت علی پر فضیلت دینے کا عقل سے ادراک نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی نقل اس بارے میں وارد ہے اور نہ ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ظاہری مناقب اس پر دلالت کرتے ہیں، تاہم چند شرعی دلائل ایسے ضرور موجود ہیں کہ جن سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ثابت ہوتی ہے:

### پہلی دلیل:

۱۔ چنانچہ امام بخاریؒ اور امام ترمذیؒ نافع کی سند سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

"كنا نخير بين الناس في زمان رسول الله (صلى الله عليه وسلم)

فنخير أبا بكر ثم عمر بن الخطاب ثم عثمان بن عفان."[۱]

---

۱ (صحيح البخاري: ۵/ ۴، الناشر: دار طوق النجاة)، (جامع الترمذي: ۵/ ۶۲۹، الناشر: شركة مكتبة و مطبعة مصطفى البابي الحلبي، مصر)

ترجمہ: ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں (آپ ﷺ کے بعد سب سے زیادہ) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پسند کرتے تھے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو۔ (ترجمہ ختم)

اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ سالم کی سند سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ:

"كنا نقول ورسول الله صلي الله عليه وسلم حيٌ: افضل امة النبي صلي الله عليه وسلم بعده أبوبكر ثم عمر ثم عثمان رضي الله عنهم." [۱]

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ کے حیات کے زمانہ میں ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ:

"(آنحضرت ﷺ کے بعد اُمت محمدیہ ﷺ میں سب سے افضل) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔" (ترجمہ ختم)

طبرانی کی روایت کے آخر میں تو یہ بھی آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب یہ بات سنی تو اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ ملاحظہ ہو:

"كنا نقول ورسول الله صلي الله عليه وسلم حيٌ: افضل امة النبي صلي الله عليه وسلم بعده أبوبكر، ثم عمر، ثم عثمان، ويسمع ذلك النبي صلي الله عليه وسلم ولاينكره." [۲]

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ کے حیات کے زمانہ میں ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ:

"(آنحضرت ﷺ کے بعد اُمت محمدیہ ﷺ میں سب سے افضل) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔" آنحضرت ﷺ نے یہ بات سنی اور اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ (ترجمہ ختم)

## دوسری دلیل:

۲۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ: "حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد اس اُمت میں بہترین شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور پھر میں ہوں۔ (رواه الحافظ أبوسعد السمان كما في فصل الخطاب)

---

[۱] (سنن أبي داود: ۴/۲۰۶، الناشر: المكتبة العصرية، صيدا، بيروت، لبنان)

[۲] (المعجم الكبير للطبراني: ۱۲/۲۸۵، الناشر: مكتبة ابن تيمية، القاهرة)

اور یہی نہیں بلکہ امام ابو منصور بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے (حضرت علی رضی اللہ عنہ پر) افضل ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔

چنانچہ علم عقائد کے مشہور محقق عالم علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں:

"عن علي قال: خير الناس في هذه الأمة بعد أبي بكر عمر الفاروق ثم عثمان ذو النورين ثم أنا." (رواه الحافظ أبوسعد السمان كما في فصل الخطاب) بل حكي أبو منصور البغدادي الاجماع على أن عثمان أفضل."[۱]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس اُمت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد سب سے بہترین آدمی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں اور پھر میں ہوں۔ (رواه الحافظ أبوسعد السمان كما في فصل الخطاب) بلکہ امام ابو منصور بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے افضل ہونے پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے۔ (ترجمہ ختم)

## تیسری دلیل:

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: "مہاجرین اور انصار (صحابہ رضی اللہ عنہم) کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس اُمت میں سب سے بہترین شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں اور پھر حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ ہیں۔

چنانچہ علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) ہی لکھتے ہیں:

"وعن عبد الله بن عمر قال: أجمع المهاجرون والأنصار على أن خير هذه الأمة أبوبكر وعثمان وعلي. رواه خيثمة بن سعد."[۲]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: "مہاجرین اور انصار (صحابہ رضی اللہ عنہم) کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس اُمت کے سب سے بہترین شخص حضرت ابوبکر

---

[۱] (النبراس شرح شرح العقائد النسفية للفرهاروي: ۳۰۲،۳۰۳، الناشر: مكتبة حقانية، ملتان، الباكستان)

[۲] (النبراس شرح شرح العقائد النسفية للفرهاروي: ۳۰۳، الناشر: مكتبة حقانية، ملتان، الباكستان)

صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں اور پھر حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس کو خطیب ابن سعدؒ نے روایت کیا۔ (ترجمہ ختم)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۷۶ھ) شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں کہ:

"واتفق أهل السنة علي أن أفضلهم أبوبكر ثم عمر، قال جمهورهم ثم عثمان ثم علي، وقال بعض أهل السنة من أهل الكوفة بتقديم عليٍّ علي عثمان والصحيح المشهور تقديم عثمان."[۱]

ترجمہ: "اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ (حضور ﷺ کے بعد تمام اُمت میں) سب سے افضل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں، جمہور اہل سنت کہتے ہیں کہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور بعض کوفہ کے رہنے والے اہل سنت کہتے ہیں کہ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں، (لیکن اہل سنت کا) صحیح اور مشہور مذہب (حضرت علی رضی اللہ عنہ پر) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تقدیم کا ہے۔ (ترجمہ ختم)

## علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کا دامن رفض وتشیع سے پاک ہے!:

بہر حال علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی انہی مذکورہ باتوں کی وجہ بعض حاشیہ نگاروں نے لکھا ہے کہ ان سے شیعیت ورفضیت کی بو آتی ہے، لیکن بعض دوسرے حاشیہ نگاروں نے اُن کا تعاقب کرتے ہوئے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب کا اعتراف کرنا رفض وشیعیت تعبیر ہے۔

چنانچہ علامہ عبد العزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں:

"قال بعض المحشين: في كلام الشارح هذا شائبة من الرفض وتعقبه محشي آخر وقال: ألاعتراف بفضائل علي رضي الله عنه ومناقبه ليس رفضاً."[۲]

---

[۱] (شرح النووي علي صحيح المسلم: ۱۵/۱٤۸، ألناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

[۲] (النبراس علي شرح العقائد النسفية للفرهاروي، ص ۳۰۳، ألناشر: ألمكتبة الحقانية، ملتان، پاكستان)

ترجمہ: بعض حاشیہ نگاروں نے شارح (علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ) کے کلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس میں رفض کا شائبہ پایا جاتا ہے، لیکن بعض دوسرے حاشیہ نگاروں نے اُن کا تعاقب کرتے ہوئے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب کا اعتراف کرنا "رفض" نہیں ہے۔ (ترجمہ ختم)

## خلاصہ کلام:

الغرض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان افضلیت کے مسئلہ میں جمہور علماء کے برعکس یہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی انفرادی تحقیقات ہیں جو ان کے رفض و تشیع سے متاثر ہونے کے نتیجہ میں نہیں بلکہ اُن کی اپنی علمی و تحقیقی تحقیقات کے نتیجہ میں عمل میں آئی ہیں، اس لئے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ پر رفض و تشیع کا الزام لگانا کسی طرح بھی دُرست اور قرین انصاف نہیں۔

## دوسرا نکتہ:

دوسرا نکتہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں یہ اُٹھایا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دینے والا شخص متقدمین کے عرف اور ان کی اصطلاح میں "شیعہ" کہلاتا ہے۔ چنانچہ وہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کو متقدمین کے عرف اور ان کی اصطلاح میں شیعہ ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اسلاف نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت و ترجیح دی ہے اور اس کے برعکس عقیدے کو شیعیت قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں

"فالتشيع في عرف المتقدمين هو اعتقاد تفضيل عليٍّ على عثمان وأن عليا كان مصيبا في حروبه، وأن مخالفه مخطئٌ مع تقديم الشيخين و تفضيلهما. وأما التشيع في عرف المتأخرين فهو الرفض المحض، فلا تقبل رواية الرافضي الغالي ولا كرامة."[1]

ترجمہ: متقدمین کے عرف و اصطلاح میں تشیع کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صرف (حضرت) عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دی جائے اور یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان جنگوں میں حق

---

[1] (تهذيب التهذيب: ۹۴/۱، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۱۸)

جانب تھے اور ان کے مخالف خطا پر تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ شیخین کی تفضیل کے بھی قائل تھے (مگر پھر بھی انہیں شیعہ سمجھا جاتا تھا) جب کہ متاخرین کے نزدیک شیعیت خالص رفض کا نام ہے۔ لہٰذا نہ تو اس غالی رافضی کی روایت قبول کی جا سکتی ہے اور نہ ہی اس کی عزت کی جا سکتی ہے۔ (ترجمہ ختم)

اس سے واضح ہو گیا کہ متقدمین، سلف صالحین اور محدثین نے اس شخص کو جو تمام اصول و فروع میں اہل سنت والجماعت کے ساتھ متفق ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہے 'شیعہ' قرار دیا ہے۔'' [1]

## متقدمین کی اصطلاح میں ''تشیع'' کا مطلب:

اس میں شک نہیں کہ علمائے اہل سنت متقدمین، سلف صالحین اور علمائے علم حدیث نے اس شخص کو جو تمام اصول و فروع میں اہل سنت والجماعت کے ساتھ متفق ہو لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہو ''شیعہ'' قرار دیا ہے، لیکن بایں ہمہ اس سے اس شخص کا اس معروف و متداول شیعہ فرقہ کا فرد یا اس کا پیروکار ہونا لازم نہیں آتا جو کہ اہل سنت کے مقابلہ میں ہے، اس لئے کہ لفظ ''شیعہ'' مشایعہ بمعنی متابعت سے مشتق ہے جس کا معنی حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کا پیروکار ہونا بنتا ہے۔ اور چوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کے سچے اور اصل پیروکار اہل سنت والجماعت ہی ہیں، آج کل کے موجودہ شیعہ حضرات خالی زبانی دعویٰ کی حد تک ان سے عقیدت و محبت کے دعوے دار ہیں، اس لئے کہ متقدمین علمائے اہل سنت کے نزدیک روافض مذہب کے وجود میں آنے سے پہلے لفظ ''شیعہ'' کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوا کرتا تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کا پیروکار ہو، گویا شیعہ مذہب کے وجود میں آنے سے پہلے لفظ ''شیعہ'' اہل سنت والجماعت کا پرانا نام تھا، لیکن جب بعد میں شیعہ مذہب وجود میں آیا اور اس لفظ کا بہ کثرت اطلاق اس بدعتی، رافضی، اسماعیلی اور اہل بیت کے مخالف ٹولہ پر ہونے لگا تو حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کے اصل پیروکار لوگوں (اہل سنت) نے اس لفظ کا استعمال کرنا اپنے لئے ترک کر دیا اور انہوں نے اپنا نیا نام ''اہل سنت والجماعت'' رکھ لیا۔

چنانچہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

---

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۱۸)

" فالشيعة والتشيع والمشايعة في اللغة تدور حول معني المتابعة و المناصرة والموافقة بالرأي والاجتماع علي الأمر أو الممالأة عليه . ثم غلب هذا الاسم - كما يقوله صاحب اللسان ، والقاموس ، وتاج العروس - علي كل من يتولي عليا وأهل بيته وهذه الغلبة محل نظر ، لأنه اذا تأمل الباحث في المعني اللغوي للشيعة والذي يدل علي المتابعة والمناصرة ، ثم نظر الي أكثر فرق الشيعة التي غلب اطلاق هذاالاسم عليها يجد أنه لايصح تسميتهابالشيعةمن الناحية اللغوية لأنها غيرمتابعة لأهل البيت علي الحقيقة بل هي مخالفة لهم ومجافية لطريقهم . ولعل هذا ما لاحظه شريک بن عبد الله حينما سأله سائل :أيهما أفضل أبوبكراو عليّ ؟ فقال له :" أبوبكر " فقال السائل : " تقول هذا و أنت شيعيّ ! " فقال له : " نعم ! من لم يقل هذا فليس شيعيًا ،والله لقد رقي هذا الأعواد علي ،فقال : الا ان خير هذه الأمة بعد نبيها أبوبكر ثم عمر فكيف نرد قوله و كيف نكذبه ؟ والله ماكان كذاباً . فالامام شريک لاحظ أن غير المتابع لعليٌ لايستحق اسم التشيع لأن معني التشيع وحقيقته المتابعة . ولهذا آثر بعض الأئمة أن يطلق عليهم اسم الرافضة . وقد لجا المتابعون لأهل البيت علي الحقيقة والذين كانوا يلقبون بالشيعة ، لجاوا الي ترک هذا اللقب لما غلب اطلاقه علي اهل البدع المخالفين لأهل البيت كما يشير صاحب " التحفة الاثني عشرية " الي ذلک فيقول : ان الشيعة الأولي تركوا اسم الشيعة لما صار لقباً للروافض والاسماعيلية ولقبوا انفسهم بأهل السنة والجماعة ."[1]

ترجمہ: پس "شیعہ، تشیع اور مشایعت لغت میں متابعت ، مناصرت ، موافقت بالرائے کسی خاص معاملہ پر اجتماع کرنے یا اس کی موافقت کرنے کے معنی میں آتا ہے۔

---

[1] ( أصول مذهب الشيعة الامامية الاثني عشرية ، عرض و نقد للقفاري ، ١/ ٣١، ٣٢ )

پھر اس لفظ کا غالب استعمال (صاحب لسان البیان، قاموس اور تاج العروس کی تصریحات کے مطابق) ہر اس شخص پر ہونے لگا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم سے محبت کرے۔ لیکن اس لفظ کا غالب استعمال محل نظر ہے، اس لئے کہ جب بحث کرنے والا شخص لفظ ''شیعہ'' کے لغوی معنی میں اور اس معنی میں جو کہ ''متابعت'' اور ''مناصرت'' پر دلالت کرتا ہے بحث کرے گا اور شیعوں کے اکثر فرقوں پر نظر کرے گا کہ جن پر اس نام کا اطلاق غالب آچکا ہے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ لغوی اعتبار سے ان فرقوں کو ''شیعہ'' کا نام دینا بالکل صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ یہ حضرات اہل بیت کے حقیقی پیروکار نہیں ہیں، بلکہ یہ ان کے مخالف ہیں اور ان کے راستہ سے ہٹ جانے والے ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ شریک بن عبداللہ نے بھی اس بات کا اس وقت لحاظ رکھا ہو جب ایک شخص نے آکر ان سے یہ سوال کیا کہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں سے کون افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ: ابوبکر رضی اللہ عنہ!۔ سائل نے کہا: آپ شیعہ ہو کر یہ بات کیسے فرمارہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں! جو شخص یہ بات نہ کہے وہ شیعہ ہی نہیں ہے۔ اللہ کی قسم! حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کا موقف اور ان کا نظریہ بھی یہی تھا۔ پھر فرمایا: ''خبردار! نبی اکرم ﷺ کے بعد اس اُمت میں سب سے بہترین شخص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ پس ہم کیسے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی بات کو رد کر دیں یا اسے جھٹلا دیں؟ اللہ کی قسم! حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ جھوٹے نہیں تھے۔'' امام شریک بن عبداللہ نے اس بات کا لحاظ کیا کہ جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پیروکار نہ ہو وہ اپنے لئے شیعہ نام رکھے جانے کا مستحق ہی نہیں ہے، اس لئے لفظ شیعہ کا حقیقی معنی کسی کا پیروکار ہونا ہے اور اسی وجہ سے بعض ائمہ نے ان کا رافضی نام رکھنا پسند کیا ہے۔ جب لفظ شیعہ کا غالب اطلاق بدعتیوں اور حضرات اہل بیت کے مخالف لوگوں پر ہونے لگا تو ان کے حقیقی پیروکاروں اور ان لوگوں نے کہ جن کا لقب شیعہ تھا اس لفظ (شیعہ) کا استعمال کرنا اپنے لئے ترک کر دیا، جیسا کہ صاحب ''تحفہ اثنا عشریہ'' نے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: ''لفظ شیعہ جب رافضیوں اور اسماعیلیوں کا لقب بن گیا تو پہلے شیعہ لوگوں نے (اپنے لئے) اس لقب کو ترک کر دیا اور

(آئندہ کے لئے مستقل طور پر) اپنا لقب "اہل سنت والجماعت" رکھ لیا۔" (ترجمہ ختم)

اور صاحب "تثبیت دلائل النبوة" لکھتے ہیں:

"...... وأن أمير المؤمنين علي بن أبي طالب كان يقدمه ويقدم عمر عليٰ نفسه ، ويفضلهما عليٰ منابره وهما من الأموات ، حتي يقول ابوالقاسم البلخي :" ومن يفضل أمير المؤمنين لايمكننا أن ندفع قوله. الا ان خير هذه الأمة بعد نبيها ابوبكر وعمر . ولايدفع هذا من له بالعلم بصيرة ، أو له فيه نصيب ، ولكنه عندنا ما أراد نفسه ، وقد كانت الشيعة الأوليٰ تفضل أبابكر وعمر عليه قال: وقال قائل لشريک بن عبد الله أيهما أفضل ابوبكر أم عليّ ؟ فقال : ابوبكر . فقال له السائل: أتقول هذا وأنت من الشيعة ؟ فقال: نعم! انما الشيعي من قال مثل هذا والله لقد رقي أمير المؤمنين هذه الأعواد فقال: ألا ان خير هذه الأمة بعد نبيها أبوبكر وعمر . افلا نرد قوله ؟ أفكنا نكذبه ؟ والله ماكان كذاباً ." [1]

ترجمہ:...... اور یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے اوپر مقدم رکھتے تھے، اور اپنے منبروں پر ان کے فضائل بیان کرتے تھے، حالاں کہ یہ دونوں حضرات وفات پاچکے تھے۔ حتیٰ کہ ابوالقاسم بلخی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: "جو امیر المؤمنین کو فضیلت دے ہمارے لئے اس کی بات کو رَدّ کرنا ممکن نہیں ہے۔ خبردار! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس اُمت میں بہترین شخص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں اور جس شخص کو علم میں بصیرت حاصل ہو یا علم میں اُس کا کچھ حصہ ہو وہ اس بات کو ٹھکرا نہیں سکتا، لیکن ہمارے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی ذات مراد نہیں لی۔ اور پہلے زمانہ کے شیعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے تھے۔ ابوالقاسم بلخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی پوچھنے والے نے شریک بن عبداللہؒ سے پوچھا کہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور

[1] (تثبیت دلائل النبوة: ۱/ ۶۲-۶۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ میں سے کون افضل ہے؟ آپؒ نے فرمایا کہ: ابوبکر رضی اللہ عنہ۔" سائل نے کہا کہ: "آپ شیعہ ہو کر یہ بات کیسے فرما رہے ہیں؟۔" آپؒ نے فرمایا: "ہاں! جو شخص یہ بات نہ کہے وہ شیعہ ہی نہیں ہے۔" اللہ کی قسم! امیر المومنین (حضرت علی) کا موقف بھی یہی تھا۔ پھر فرمایا کہ: "خبردار! نبی اکرم ﷺ کے بعد اس اُمت میں سب سے زیادہ بہترین شخص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ پس ہم کیسے امیر المؤمنین (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی بات کو رد کر دیں یا اُسے جھٹلا دیں؟ اللہ کی قسم! وہ جھوٹے نہیں تھے۔" (ترجمہ ختم)

اسی طرح امام شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں:

"یہ بھی معلوم رہنا چاہیے کہ شیعانِ اولیٰ جس میں اہل سنت اور اہل تفضیل دونوں شامل ہیں پہلے شیعہ ہی کہے جاتے تھے، مگر جب سے غلاۃ (غالی) روافض، زیدیوں اور اسماعیلیوں نے اپنے لئے شیعہ لقب اختیار کیا، اور ان کے اعمال وعقائد کی قباحتیں اور شر ظاہر ہونے لگے، تو حق وباطل کے مل جانے کے خطرہ کے پیش نظر فرقۂ سنیہ وتفضیلیہ نے اس لقب کو اپنے لئے ناپسند کر کے ترک کر دیا، اور اس کی جگہ "اہل سنت والجماعت" کا لقب اختیار کیا اسی سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ تاریخ کی قدیم کتابوں میں اساطین اہل سنت کے لئے جو یہ الفاظ " فلان من الشیعة او من شیعة " مذکور ہیں تو یہ الفاظ اپنی جگہ درست ہیں، کیوں کہ پہلے ایسے حضرات شیعانِ اولیٰ کا یہ لقب تھا۔ واقدیؒ کی تاریخ اور الاستیعاب میں اس قسم کے الفاظ بہت آتے ہیں، لہٰذا اس سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے۔ یہ حضرات مذکورین ہرگز ایسے شیعہ نہ تھے، بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رفاقت اور مددگاری کے سبب شیعانِ علی رضی اللہ عنہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی) کہلاتے تھے۔[۱]

اسی طرح شہید اسلام علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۴۰۷ھ) لکھتے ہیں:

" الشيعة : وهم فرقة عليّ بن أبي طالب (عليه السلام) المسمون بشيعة عليّ (عليه السلام) في زمان النبيّ وبعده معروفون بانقطاعهم اليه

---

[۱] (تحفہ اثنا عشریہ (اردو) ص ۴۰، ناشر: عالمی مجلس تحفظ اسلام، کراچی، پاکستان)

والقول بامامته ."[1]

ترجمہ: "شیعہ" حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرقہ کا نام ہے، جنہیں آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں "شیعانِ علی رضی اللہ عنہ" کے نام سے پکارا جاتا تھا اور جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منسلک ہو جانے اور ان کی امامت کے قائل ہو جانے سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح صاحب "الفرق الاسلامية" لکھتے ہیں:

"وفي نظري أن تعريف الشيعة مرتبط اساساً باطوار نشأتهم ومراحل التطور العقدي لهم فالتشيع في العصر الأول غير التشيع فيما بعده فعلیٰ هذا يكون التعريف للشيعة في الصدر الأول " أنهم يقدمون علياً علیٰ عثمان فقط ."[2]

ترجمہ: میرے خیال میں لفظ "شیعہ" کی تعریف بنیادی طور پر ان کے ابتدائی حالات اور ان کے مرحلہ وار اور لمحے بدلتے عقائد ونظریات کے ساتھ مربوط ہے۔ پس پہلے زمانہ کے شیعہ اور تھے اور بعد کے زمانہ کے شیعہ اور ہیں۔ لہٰذا اس بات کی بنیاد پر لفظ "شیعہ" کی تعریف پہلے زمانہ میں یہ ہوگی کہ: "وہ لوگ جو حضرت علی کو حضرت عثمان پر مقدم رکھتے تھے اور بس"۔ (ترجمہ ختم)

اس عبارت کے تحت نیچے حاشیہ میں محشی نے لکھا ہے کہ:

"وهم وان سموا بالشيعة فهم من أهل السنة لأن مسئلة عثمان و علي ليست من الأصول التي يضلل المخالف فيها لكن المسئلة التي يضلل فيها هي مسئلة الخلافة وقد كان بعض أهل السنة اختلفوا في عثمان وعليّ بعد اتفاقهم علیٰ تقديم أبي بكر وعمر ايهما أفضل فقدم قوم عثمان وسكتوا

---

[1] (الشيعة وأهل السنة لاحسان الهي ظهير: ١٧/١، الناشر: ادارة ترجمان السنة، لاهور، باكستان)

[2] (الفرق الاسلامية: ٤٧/١)

و ربعوا بعليٍّ وقدم قوم علياً وقوم توقفوا لكن استقر أمر أهل السنة علي تقديم عثمان."[1]

ترجمہ: پہلے زمانہ میں اگرچہ ان لوگوں کو شیعہ کہا جاتا تھا، لیکن درحقیقت یہی اہل سنت والجماعت تھے، اس لئے کہ حضرت عثمان ﷺ اور حضرت علی ﷺ کی افضلیت کا مسئلہ دین کے ان اُصولوں میں سے نہیں ہے کہ جن میں اختلاف کرنے والے شخص کی تضلیل کی جائے اور اسے گمراہ قرار دیا جائے۔ اہل سنت والجماعت کے بعض علماء نے حضرات شیخین (حضرت ابوبکر ﷺ اور حضرت عمر ﷺ) کو مقدم رکھتے ہوئے حضرات ختنین (حضرت عثمان ﷺ اور حضرت علی ﷺ) کی باہمی افضلیت میں اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ بعض علماء نے حضرت عثمان ﷺ کو مقدم رکھتے ہوئے سکوت سے کام لیا ہے اور حضرت علی ﷺ کو چوتھا خلیفہ مانا ہے، اور بعض علماء نے حضرت علی ﷺ کو مقدم رکھا ہے جب کہ بعض دوسرے علماء نے اس بارے میں توقف اور سکوت اختیار کیا ہے۔ تاہم اہل سنت والجماعت کا مسلک حضرت عثمان ﷺ کے حضرت علی ﷺ پر مقدم ہونے پر مستقر ہو گیا ہے۔ (ترجمہ ختم)

اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

"ومن أصول أهل السنة والجماعة ـــ يقرون بما تواتر به النقل عن أمير المؤمنين عليّ بن أبي طالب وعن غيره من أن خير هذه الأمة بعد نبيها أبوبكر ثم عمر ويثلثون بعثمان ويربعون بعليٍّ كما دلت عليه الآثار وكما أجمع الصحابة علي تقديم عثمان في البيعة مع أن بعض أهل السنة كانوا قد اختلفوا في عثمان وعليٍّ بعد اتفاقهم علي تقديم أبي بكر وعمر أيهما أفضل فقدم قوم عثمان وسكتوا أو ربعوا بعليٍّ وقدم قوم علياً وقوم توقفوا، لكن استقر أمر أهل السنة علي تقديم عثمان وان كانت هذه المسألة مسألة عثمان وعليٍّ ليست من الأصول التي يضلل المخالف فيها

---

[1] (حاشية الفرق الإسلامية: ٤٧/٦)

عند جمهور أهل السنة لكن المسألة التي يضلل المخالف فيها هي مسألة الخلافة وذلک أنهم يؤمنون بأن الخليفة بعد رسول الله ابوبكر ثم عمر ثم عثمان ثم عليّ ومن طعن في خلافة أحد من هؤلاء الأئمة فهو أضل من حمار أهله."[1]

ترجمہ: اہل سنت والجماعت کے اُصول میں سے یہ بھی ہے کہ لوگ ان تمام روایات کا اقرار کریں جو امیر المؤمنین حضرت علی ﷛ اور ان کے علاوہ دوسرے اہل علم سے تواتر کے ساتھ منقول ہیں کہ اس اُمت میں آنحضرت ﷺ کے بعد سب سے بہترین آدمی حضرت ابوبکر ﷛ ہیں اور ان کے بعد حضرت عمر ﷛ ہیں اور حضرت عثمان ﷛ تیسرے خلیفہ ہیں اور حضرت علی ﷛ چوتھے خلیفہ ہیں، جیسا کہ آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں۔ نیز جیسا کہ صحابہ کرام ﷡ نے بیعت کرنے میں حضرت عثمان ﷛ کو مقدم رکھنے پر اجماع کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اہل سنت والجماعت کے بعض علماء نے حضرات شیخین ؓ کو مقدم رکھتے ہوئے حضرات ختنین ؓ کی باہمی افضلیت میں اختلاف کیا ہے کہ ان دونوں میں سے کون افضل ہے؟۔ چنانچہ بعض علماء نے حضرت عثمان ﷛ کو مقدم رکھتے ہوئے سکوت سے کام لیا ہے، یا حضرت علی ﷛ کو چوتھا خلیفہ مانا ہے، اور بعض علماء نے حضرت علی ﷛ کو مقدم رکھا ہے، جب کہ بعض دوسرے علماء نے اس بارے میں توقف اور سکوت اختیار کیا ہے۔ تاہم اہل سنت والجماعت کا مسلک حضرت عثمان ﷛ کے حضرت علی ﷛ پر مقدم ہونے پر مستقر ہوگیا ہے۔ جمہور علمائے اہل سنت کے نزدیک حضرت عثمان ﷛ اور حضرت علی ﷛ کی باہمی افضلیت کا مسئلہ اگرچہ دین کے ان اُصول میں سے نہیں ہے کہ جن میں اختلاف کرنے والے کو گم راہ کہا جائے، تاہم مسئلہ خلافت ایک ایسا مسئلہ ہے کہ اس میں اختلاف کرنے والے کو گم راہ کہا جائے گا۔ اور یہ اس وجہ سے کہ اہل سنت کا اس بات پر ایمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد خلیفہ حضرت ابوبکر ﷛ ہیں پھر حضرت عمر ﷛ ہیں پھر حضرت عثمان ﷛ ہیں اور پھر حضرت علی

---

[1] مجموع الفتاوى لابن تيمية (۳: ۱۵۳)، الناشر: مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف، المدينة النبوية

ﷺ ہیں۔ اور جو شخص ان چاروں خلفاء میں سے کسی ایک کی خلافت کے بارے میں بھی طعن و تشنیع کرے گا تو وہ اپنے گھر کے گدھے سے بھی زیادہ گم راہ ہے۔ (ترجمہ ختم)

اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

**" واذا تقرر ذلک فالمقطوع به بين اهل السنة بافضلية ابي بكر ثم عمر ثم اختلفوا فيمن بعدهما فالجمهور علي تقديم عثمان وعن مالک التوقف والمسألة اجتهادية ومستندها أن هؤلاء الأربعة اختارهم الله تعالي لخلافة نبيه واقامة دينه فمنزلتهم عنده بحسب ترتيبهم في الخلافة و الله أعلم "** [1]

ترجمہ: اور جب یہ بات ثابت ہوگئی تو یہ بات (جان لینی چاہیے کہ) اہل سنت والجماعت کے نزدیک حضرات شیخین (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کی افضلیت ایک قطعی چیز ہے، البتہ ان کے بعد والے خلفاء (یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی باہمی افضلیت) میں اختلاف ہے۔ جمہور اہل سنت کے نزدیک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مقدم ہیں اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں توقف منقول ہے۔ اور یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔ اور اس کا مستند ہونا اس طرح سے ہے کہ ان چاروں خلفاء کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی خلافت اور اپنے دین کو قائم رکھنے کے لئے پسند کر کے چنا ہے۔ پس ان چاروں کا مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خلافت میں ان کی ترتیب کے اعتبار سے ہے۔ واللہ اعلم۔ (ترجمہ ختم)

اکابرین کی مذکورہ بالا تمام عبارات سے دو چیزیں معلوم ہوئیں:

۱- ایک یہ کہ شروع اسلام کے زمانہ میں "اہل سنت والجماعت" کا پرانا نام "شیعہ" بمعنی "حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کے پیروکار" تھا، لیکن جب اس نام کا غالب اطلاق اہل ہوا، اہل بدعت اور حقیقت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کے مخالفین پر ہونے لگا، جنہیں اس موجودہ دور میں "روافض" کہا جاتا ہے تو

---

[1] (فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن حجر العسقلاني: ۳٤/۷، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

تب اہل سنت والجماعت نے اپنا پرانا نام "شیعان علی رضی اللہ عنہ" سے بدل کر "اہل سنت والجماعت" نیا نام اپنے لئے منتخب کرلیا۔ لہٰذا اگر متقدمین علمائے اہل سنت میں سے کسی عالم کے بارے میں کہیں لفظ "شیعہ" لکھا ہوا نظر آئے تو اس سے اس عالم کا "اہل سنت والجماعت" میں سے ہونا ہی مراد لیا جائے گا۔

۲- اور دوسری یہ چیز معلوم ہوئی کہ جمہور اہل سنت کے مقابلہ میں جو بعض علماء حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقدم ہونے کے قائل ہیں تو وہ بھی اہل سنت والجماعت ہی میں سے ہیں "شیعہ" نہیں ہیں۔ جیسا کہ امام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے کلام سے واضح ہوتا ہے۔ بلکہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے تو بالکل صاف اور واضح الفاظ میں ان کو بھی اہل سنت میں سے شمار فرمایا ہے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"وقال بعض أهل السنة من أهل الكوفة بتقديم عليٍّ علي عثمان."[1]

ترجمہ: اور کوفہ والے بعض اہل سنت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تقدیم کے قائل ہیں۔

خلاصہ یہ کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے استدلال کر کے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کو "شیعہ" بلکہ "رافضی" ثابت کرنے کی جو اپنی سی ناکام کوشش کی ہے وہ بالکل باطل مردود اور درجۂ احتجاج سے ساقط ہے۔

---

[1] (شرح النووي علی صحیح المسلم: ج ۱۵، ۱۴۸ / الناشر: دار احیاء التراث العربي، بیروت، لبنان)

﴿۷﴾

# جامع المعقول والمنقول میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ

## (المتوفی ۸۱۶ھ)

### نام ونسب:

آپ کا نام نامی اسم گرامی: علی، کنیت: ابوالحسن، لقب: زین الدین، والد کا نام: محمد اور دادا کا نام: علی ہے۔ پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:

"زین الدین ابوالحسن علی بن محمد بن علی۔"

آپ "میر سید شریف جرجانی کے نام سے مشہور ہیں۔

### سن پیدائش:

بقول علامہ غیاث الدین ہروی رحمۃ اللہ علیہ صاحب "حبیب السیر فی أخبار افراد البشر" آپ قریۂ "طاغو" ملحقات استر آباد میں موٴرخہ ۲۲/۲۳ شعبان المعظم ۷۴۰ھ میں پیدا ہوئے، اور صغر سنی ہی میں علوم ادبیہ کی تکمیل کی، بلکہ صغر سنی ہی میں نحو کی متعدد کتابیں بھی لکھیں۔ چنانچہ "وافیہ شرح کافیہ" دورِ تعلیم ہی کی تصنیف ہے۔ موٴرخ شمس الدین نے جائے پیدائش "جرجان" بتائی ہے۔

### تحصیل علم:

علوم ادبیہ کی تکمیل کے بعد آپؒ نے علوم عقلیہ کی تحصیل کی۔ پھر "شرح مطالع" و "قطبی" پڑھنے کے واسطے دل میں یہ شوق پیدا ہوا کہ یہ خود ان کے مصنف سے پڑھیں "لأن صاحب البيت أدرى بما فيه" چنانچہ آپؒ ان

کتابوں کے مؤلف امام قطب الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ (تحتانی) کی خدمت میں "ہرات" پہنچے مگر اس وقت قطب موصوف کی عمر دسویں منزل کی انتہاء پر پہنچ چکی تھی اور آپ پیر فرتوت ہو چکے تھے۔ بڑھاپے کی وجہ سے آپ کی آنکھوں پر لنگ آ گئے تھے اور اپنی آخری بہار دکھا رہے تھے۔ کہن سال علامہ نے جواں ہمت سید کی ذہانت وقابلیت کی صحیح طور پر جانچ کی تو جوہر دانش نامیۂ شباب پر نمودار پایا اور دیکھا کہ علم منطق میں آپ کی فکر، نظر برق کی طرح چمک رہی ہے اس لئے آپ نے اپنے بڑھاپے کا عذر کیا اور کہا کہ تم کو پڑھانے کے لئے جس محنت کی ضرورت ہے وہ مجھ سے نہیں ہو سکتی، اس لئے تم میرے آزاد کردہ غلام اور تلمیذ مبارک شاہ منطقی کے پاس "قاہرہ" چلے جاؤ!۔ چنانچہ مفتاح السعادۃ میں لکھا ہے کہ:

''یہ مبارک شاہ علامہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کے غلام تھے۔ بچپن سے انہوں نے مبارک شاہ کو پالا پوسا اور پڑھایا تا این کہ مبارک شاہ مدرس ہو گئے اور ہر علم میں فاضل۔ عام طور سے لوگ ان کو "مبارک شاہ منطقی" سے موسوم کرتے تھے۔''

ساتھ ہی مبارک شاہ کے نام ایک سفارشی خط بھی لکھ دیا۔

میر سید شریف کا شوق ان کو "خراسان" سے "مصر" لے پہنچا۔ "قاہرہ" پہنچ کر مبارک شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو استاد کا خط دیا۔ سفارش کے اثر سے حلقۂ درس میں تو داخل کر لئے گئے، لیکن اللہ جانے کیا صورت پیش آئی کہ مبارک شاہ نے ان کو صرف بیٹھنے اور سننے کی اجازت دی، پوچھنے کی اور قرأت کی اجازت نہیں دی۔

## علمی تکرار سے اُستاد پر وجد:

مبارک شاہ کا مکان مدرسہ سے بالکل متصل اور اس کا دروازہ بھی مدرسہ ہی کی جانب تھا۔ ایک مرتبہ یہ دیکھنے کے لئے کہ طلباء کیا کر رہے ہیں؟ شب کو چپ چاپ نکلے اور جس حجرہ میں سید شریف مقیم تھے وہاں آئے۔ اس وقت میر سید شریف آموختہ دہرا رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ:

''کتاب کے مصنف نے تو اس مسئلہ کی یہ تقریر کی ہے اور شارح کا یہ قول ہے اور استاد نے اس کی تقریر یوں کی ہے اور میں اس کی تقریر یوں کرتا ہوں۔''

مبارک شاہ ٹھہر گئے اور کان لگا کر غور سے سننے لگے۔ میر صاحب کی تقریر کا انداز بیان اتنا دل چسپ تھا کہ مفتاح السعادۃ میں لکھا ہے کہ:

"لحقه البهجة والسرور بحيث رقص في فناء المدرسة."[۱]

ترجمہ: یعنی ان کو ایسی مسرت اور خوشی ہوئی کہ صحن مدرسہ میں ناچنے لگے۔

اس واقعہ سے استاد اتنا متاثر ہوا کہ صبح سے ان کا درس مقرر کر دیا۔

## اساتذہ وشیوخ:

"شرح مطالع" اور "قطبی" کے علاوہ "مواقف" بھی میر صاحبؒ نے مبارک شاہؒ سے پڑھی اور علوم عقلیہ کے علاوہ علوم نقلیہ بمعیت شمس الدین محمد فناریؒ شیخ اکمل الدین محمد بن محمود بابرتی حنفیؒ صاحب عنایہ (حاشیۂ ہدایہ) سے قاہرہ میں حاصل کئے۔ "مفتاح العلوم" نور طاؤسیؒ (شارح مفتاح) سے اور "شرح مفتاح" مؤلف کے صاحب زادے مخلص الدین ابوالخیر علی بن قطب الدین رازیؒ سے پڑھی۔ محمود بن اسرائیل (ابن قاضی سماوہ) اور الحاج پاشا صاحب رکھیل آپؒ کے ہم سبق تھے۔

## جرجانیؒ وتفتازانیؒ:

موصوف علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے اور ان ہی کی وجہ سے تیموری دربار میں رسوخ حاصل کیا۔ لیکن بعد میں "معاصرانہ چشمک" کی وجہ سے اپنی تحریرات میں علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ پر خوب عتراضات کرنے کے علاوہ قطبی کے حاشیہ میں سخت الفاظ میں چوٹیں بھی کیں، بلکہ تیمور کے دربار میں اپنی اپنی علمی دھاک بٹھانے کے لئے دونوں فضلاء کے درمیان نوک جھونک، بحث ومباحثہ اور مکالمہ ومناظرہ رہتا تھا۔ اس نوعیت کے ایک مناظرہ میں "حَکَم" نے میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں فیصلہ کر دیا، جس کے نتیجہ میں شاہ نے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ پر میر سید شریف رحمۃ اللہ علیہ کا رتبہ بڑھا دیا۔ بعد میں اسی شکست کے صدمہ کی وجہ سے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کچھ عرصہ صاحب فراش رہ کر ۷۹۲ھ میں انتقال کر گئے۔

## تصانیف:

میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو گراں قدر علمی وتحقیقی کتابیں تصنیف کی ہیں اُن کی اجمالی تفصیل درج ذیل ہے۔

---

[۱] (مفتاح السعادة لطاش كبري زاده بحواله ظفر المحصلين بأحوال المصنفين: ۲۲۷ الناشر: مير محمد كتب خانة)

﴿۱﴾ شرح مفتاح العلوم (فرغ منه أواسط شوال سنة ۸۰۳ هجرية) ﴿۲﴾ شرح منتهي السؤال والأمل في علمي الأصول والجدل (لابن حاجب) ﴿۳﴾ شرح مواقف (فرغ منه في أوائل شوال سنة ۸۰۷ هجرية) ﴿۴﴾ شرح فوائد غياثية ﴿۵﴾ شرح كافية (فارسي) ﴿۶﴾ حاشية لوامع الأسرار شرح مطالع الأنوار ﴿۷﴾ حاشية الشروح الشمسية ﴿۸﴾ حاشية المرشح في شرح الكافية ﴿۹﴾ حاشية شرح الوقاية ﴿۱۰﴾ حاشية تحرير نصير طوسي ﴿۱۱﴾ حاشية التحفة الشاهية ﴿۱۲﴾ حاشية التذكرة النصيرية ﴿۱۳﴾ حاشية التلويح ﴿۱۴﴾ حاشية شرح حكمة العين ﴿۱۵﴾ حاشية الخلاصة (في أصول الحديث) ﴿۱۶﴾ تعليق علي نصاب البيان (في اللغة) ﴿۱۷﴾ تعليق علي مقامات الأربعة التوضيح ﴿۱۸﴾ تعليق علي شرح الرضي ﴿۱۹﴾ تعليق علي الرسالة العضدية ﴿۲۰﴾ تعليق علي عوارف المعارف ﴿۲۱﴾ حاشية المطول ﴿۲۲﴾ الأجوبة لأسئلة الأسكندر (من ملوك تبريز) ﴿۲۳﴾ تعريفات العلوم ﴿۲۴﴾ تفسير الزهراوين ﴿۲۵﴾ رسالة في الانس والآفاق ﴿۲۶﴾ رسالة البهائية ﴿۲۷﴾ رسالة في تقسيم العلوم ﴿۲۸﴾ رسالة مرئية ﴿۲۹﴾ رسالة في الموجودات ﴿۳۰﴾ رسالة صغري ﴿۳۱﴾ رسالة كبري (في المنطق) ﴿۳۲﴾ صرف مير ﴿۳۳﴾ نحو مير ﴿۳۴﴾ رسالة في الأدوار ﴿۳۵﴾ شرح ايسا غوجي ﴿۳۶﴾ حاشية شرح تجريد الأصفهاني ﴿۳۷﴾ شرح الجغميني ﴿۳۸﴾ الشريفية شرح السراجية (في الميراث) ﴿۳۹﴾ حاشية البيضاوي ﴿۴۰﴾ حاشية المشكاة ﴿۴۱﴾ حاشية الهداية (في الفقه الحنفي) ﴿۴۲﴾ حاشية العوامل الجرجانية ﴿۴۳﴾ حاشية شرح الطوالع.

ان میں سے "صغري، كبري، صرف مير، نحو مير" اور "مير قطبي" داخل درس ہیں۔

## وفات حسرت آیات:

جب شاہ تیمور لنگ نے ۷۸۹ھ میں "شیراز" کو فتح کیا تو وہ سید شریف کو اپنے ہم راہ "سمرقند" لے گیا، جہاں علامہ تفتازانی صدر الصدور تھے، تیمور ان کی بہت عظمت کرتا تھا، اس لئے میر سید تیمور کی وفات تک "سمرقند" میں رہتے رہے اور تیمور کی وفات کے بعد "شیراز" واپس آگئے اور یہیں یوم چہار شنبہ (بدھ کے دن) مورخہ ۶ ربیع الاول ۸۱۶ھ میں بہ عمر چھہتر (۷۶) سال نفس مجرد شریف نے ثقل بار بدن خاکی کثیف سے خلاصی پائی۔

## میر سید شریفؒ حاسدین و معاندین کے نشانے پر:

لیکن بایں ہمہ فضل و کمال میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ حاسدین کے حسد اور معاندین کے عناد کے دو دھاری وار سے کسی بھی طرح محفوظ نہ رہے۔ چنانچہ صدیاں بیت جانے کے بعد آج بھی آپؒ کے بارے میں بعض شاذ حلقوں میں یہ بات بہ کثرت گردش کرتی رہتی ہے کہ: "آپؒ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان مشہور اختلاف کے "اجتہادی" نہیں بلکہ "غیر اجتہادی" ہونے کے قائل تھے۔"

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

> "جمہور اہل سنت والجماعت کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جو اختلاف ہوا وہ اجتہادی تھا، جب کہ میر سید شریف جرجانی شارح مواقف نے کہا ہے کہ: "ہمارے بہت سے اصحاب کا قول ہے کہ یہ اختلاف اجتہاد پر مبنی نہیں تھا۔" [۱]

## ہاشمی صاحب کا دجل اور میر سید شریفؒ کی طرف منسوب عبارت کی وضاحت:

ایک تو پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا قول کا کوئی حوالہ پیش نہیں کیا اور بلا حوالہ بات نقل کر دی ہے۔ اور دوسرے یہ کہ جہاں تک ہم نے شارح مواقف میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کی محولہ بالا کتاب "شرح مواقف" کا مطالعہ کیا ہے تو ہمیں تو اس میں آپؒ کی کوئی ایسی عبارت نہیں ملی کہ جس میں آپؒ نے یہ فرمایا ہو کہ: "ہمارے بہت سے اصحاب کا قول ہے کہ یہ اختلاف اجتہاد پر مبنی نہیں تھا۔" البتہ اسی سے ملتا جلتا ایک مشہور اعتراض شرح مواقف کے حوالے سے میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ پر یہ ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ: "شیعہ حضرات کی طرح ہمارے بہت سے علمائے اہل سنت نے بھی "تفسیق" کی نسبت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف کی ہے۔

چنانچہ وہ شرح مواقف میں لکھتے ہیں:

"ومنهم من ذهب الي التفسيق كالشيعة وكثير من أصحابنا" [۲]

---

[۱] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۱۲۲)

[۲] (شرح المواقف للجرجاني: ۸/۴۰۷، المرصد الرابع - المقصد السابع - تعظيم الصحابة كلهم، الناشر: المكتبة العلمية، بيروت، لبنان)

ترجمہ: اور ان میں سے بعض علماء وہ ہیں جو (اس تخطیہ کی) تفسیق کی طرف گئے ہیں جیسا کہ شیعہ حضرات اور ہمارے بہت سے اصحاب۔

لیکن اصل میں بات یہ ہے کہ یہاں پر میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے "تفسیق" کی نسبت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف نہیں کی ہے، بلکہ "خطائے اجتہادی" کی طرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نسبت کی ہے۔

چنانچہ میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب شرح مواقف کی مکمل عبارت مع سیاق کے ملاحظہ فرمائیے!

"﴿ والذي عليه الجمهور ﴾ من الأمة هو ﴿ أن المخطئ قتلة عثمان ومحاربو علي لأنهما امامان فيحرم القتل والمخالفة قطعا ﴾ الا أن بعضهم كالقاضي أبي بكر ذهب الى أن هذه التخطئة لا تبلغ الى حد التفسيق ومنهم من ذهب الى التفسيق كالشيعة وكثير من أصحابنا"[1]

ترجمہ: اُمت کے جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی کرنے والے دونوں خطا کار ہیں، کیوں کہ وہ دونوں امام ہیں پس اُن کو قتل کرنا اور اُن کی مخالفت (لڑائی) کرنا قطعی طور پر حرام ہے۔ مگر بعض علماء قاضی ابوبکرؒ وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ تخطیہ حد تفسیق تک نہیں پہنچتا۔ اور بعض علماء جیسا کہ شیعہ حضرات اور ہمارے بہت سے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ (یہ تخطیہ حد) تفسیق تک پہنچ جاتا ہے۔ (ترجمہ ختم)

ملاحظہ فرمائیے کہ میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں پر "تفسیق" کی نسبت "خطاء" کی طرف کی ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف نہیں کی، اور یہ بات اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ کسی فعل کا فسق ہونا اس کے فاعل کے فاسق ہونے کو مستلزم نہیں ہوتا۔

چنانچہ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم ارقام فرماتے ہیں:

"اور میرے نزدیک یہی مراد ان ﴿ كثير من أصحابنا ﴾ کی بھی ہے جن کا قول

---

[1] شرح المواقف للجرجاني: ٨/٤٠٧، المرصد الرابع - المقصد السابع: تعظيم الصحابة كلهم، الناشر: الكتب العلمية، بيروت، لبنان

میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مواقف میں نقل کیا ہے، کیوں کہ انہوں نے "تفسیق" کی نسبت "خطاء" کی طرف کی ہے، حضرت معاویہ ؓ کی طرف نہیں، اور یہ بات اہل علم سے مخفی نہیں ہے کہ کسی فعل کا فسق ہونا اس کے فاعل کے فاسق ہونے کو مستلزم نہیں ہے۔ اجتہادی اختلاف میں ایک شخص کا عمل دوسرے کے نظریے کے مطابق فسق ہوتا ہے، لیکن اسے فاسق نہیں کہا جاتا، جیسے ذبیحہ کی مثال میں پیچھے عرض کیا جاچکا ہے (کہ ذبیحہ پر جان بوجھ کر بسم اللہ چھوڑ کر اسے مار دینا اور پھر اسے کھانا دلائل قطعیہ کی بناء پر گناہ کبیرہ ہے، لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اجتہاد سے اسے جائز سمجھا ہے، اس لئے اگر کوئی شافعی المسلک انسان اسے کھالے تو اس کا یہ عمل دلائل شرعیہ کی رُو سے گناہ کبیرہ اور فسق ہے، لیکن چوں کہ وہ دیانت دارانہ اجتہاد کی بنیاد پر صادر ہوا، اس لئے اس شخص کو فاسق نہیں کہا جائے گا۔ اسی طرح کسی امام برحق کے خلاف بغاوت کرنا گناہِ کبیرہ اور فسق ہے لیکن...... اگر کوئی شخص جو اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہے اپنے دیانت دارانہ اجتہاد کی رُو سے اسے جائز سمجھتا ہے تو اس کی بناء پر وہ فاسق نہیں ہوتا، بلکہ اس کی غلطی کو "خطائے اجتہادی" کہا جاتا ہے۔ ورنہ اگر یہ بات مراد نہیں ہے تو میر سید شریف جرجانی رحمہ اللہ تو " كثير من أصحابنا " کہہ رہے ہیں، کوئی شخص اہل سنت کے کسی ایک عالم کا قول کہیں دکھلا دے جس نے حضرت معاویہ ؓ یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جنگ صفین و جمل کی بناء پر فاسق قرار دیا ہو۔"[۱]

پس معلوم ہوا کہ میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ بالا قول اپنی جگہ صحیح اور بجا ہے اور اس کی حضرت معاویہ ؓ پر کسی قسم کی کوئی زد نہیں پڑتی۔

غالباً پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا عبارت کسی کتاب سے اٹھا کر یہاں غلط نقل کر دی، جبھی تو اس کا بقید جلد و صفحہ کوئی حوالہ بھی نہیں دیا، لہٰذا انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ:

"نقل را عقل باید"

یا پھر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب اگر اصل کتاب کا حوالہ نہیں دے سکتے تھے تو کم از کم جس کتاب سے یہ

---

۱۔ حضرت معاویہ ؓ اور تاریخی حقائق، ص ۲۶۲، ۲۶۳، ناشر مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

عبارت نقل کی ہے اُسی کا حوالہ دے دیتے یا اور کچھ نہیں تو کم سے کم عبارت تو صحیح نقل کر دیتے:

''عقل مُکیں تے موجاں ای موجاں''

﴿۸﴾

# حضرت ملا عبدالرحمان جامیؔ رحمۃ اللہ علیہ

## (المتوفی ۸۹۸ھ)

### نام ونسب:

آپ کا نام نامی اسم گرامی: عبدالرحمٰن، لقب اصلی: عماد الدین، لقب مشہور: نور الدین، کنیت: ابوالبرکات تخلص: جامی، والد کا نام: احمد اور دادا کا نام: محمد ہے۔

پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:

''ابوالبرکات، نور الدین عبدالرحمٰن بن شمس الدین احمد بن محمد ہے۔''

شیخ صفی علاء الدین واعظ کاشفی نے ''رشحات عین الحیات'' میں ذکر کیا ہے کہ آپؒ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی نسل سے ہیں، اور آپؒ کا تخلص جامیؔ ہے۔ کما یشیر الیہ بقولہ:

مولد جام و رشحۂ قلم
جرعۂ جام شیخ الاسلامی است
لاجرم در جریدۂ اشعار
بدو معنی تخلصم جامی است

### ولادت باسعادت:

ملا عبدالرحمٰن جامیؔ رحمۃ اللہ علیہ مورخہ ۲۳ شعبان المعظم ۸۱۷ھ کو بوقت عشاء ''خراسان'' کے مشہور قصبہ ''جام'' میں پیدا ہوئے، جہاں سے آپؒ بعد میں ''ہرات'' کی طرف منتقل ہو گئے تھے۔

## تحصیل علم:

ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانے کے مشاہیر علماء وفضلاء سے علم کی تحصیل کی، جن کے اسماء آپؒ کے تلمیذ خاص ملا عبد الغفور الملاریؒ نے "حاشیہ نفحات الانس" کے آخر میں درج کئے ہیں۔

آپؒ نے پہلے صرف ونحو کی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی، پھر خواجہ علی سمرقندیؒ تلمیذ میر سید شریف جرجانیؒ، مولانا شہاب الدین محمد جاجری تلمیذ علامہ تفتازانیؒ اور مولانا جنید اصولی کے حلقہ ہائے درس میں شریک ہوئے۔

طلبہ مولانا جنیدؒ سے شرح مفتاح پڑھتے اور یہ اُن کو سمجھایا کرتے اور کہتے کہ جب سے "سمرقند" آباد ہوا ہے اُس وقت سے لے کر اب تک یہاں عبد الرحمن جامیؒ جیسا جید الطبع نہیں آیا۔

"ہرات" میں ملا علاء الدین قوشجیؒ شارح تجرید سے مباحثہ ہوا اور آپ ہی غالب رہے، یہاں تک علامہ قوشجیؒ کو اپنے طلبہ سے یہ کہنا پڑا کہ: "مجھے یقین ہو گیا کہ "نفس قدسی" اِسی عالم میں موجود ہے۔"

## تصوف وسلوک:

ملا جامیؒ جب ظاہری علوم کی تکمیل سے فارغ ہو گئے تو ایک روز کسی بزرگ کو خواب میں دیکھا جو آپؒ سے کہہ رہے ہیں: "اتخذ حبیبا یہدیک" خواب سے بیدار ہوئے اور اس واقعہ سے نہایت متاثر ہوئے، اور "سمرقند" سے "خراسان" منتقل ہو کر خواجہ عبید اللہ الاحرار نقش بندیؒ کے حلقہ میں داخل ہو گئے، خواجہ کی صحبت کے فیوض وبرکات نے آپ کو روحانیت کے اعلیٰ مقام پر پہنچا دیا۔ شیخ سعد الدین کاشغریؒ سے بھی استفادہ کیا اور دیگر مشائخ عظام سے بھی ملاقات ہوئی۔

چنانچہ درج ذیل بیت اس پر دلالت کرتی ہے۔

چو فقر اندر لباس شاہی آمد

بہ تدبیر عبید اللّٰہی آمد

## زیارتِ حرمین شریفین:

۸۷۷ھ میں زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے اور بلادِ شام میں دمشق، حلب وغیرہ کا سفر کیا۔ دورانِ سفر حج کے علماء ومشائخ نے آپ کی تعظیم وتکریم کی۔

علامہ شامیؒ نے ملا جامیؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ محض زیارت روضۂ اقدس کی نیت سے سفر کیا جس میں "حج" کو بھی شامل نہ کیا تھا کہ محض زیارت ہی کی نیت رہے۔

## شیفتگی و فریفتگی:

ملا جامیؒ رحمۃ اللہ علیہ سراپا خلق و ایثار تھے، ان سب سے بالاتر جو وصف تھا وہ ذات پاک رحمۃ للعالمین ﷺ کے ساتھ والہانہ تعلق اور بے پناہ عشق و محبت اور شیفتگی و عقیدت تھی۔

اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل ۸۹۷ھ کو مدینہ منورہ میں حاضر ہونے سے چند روز پہلے یہ اشعار لکھے۔

احن شوقاً الیٰ دیار لقیت فیھا جمال سلمیٰ
کہ می رساند از نواحی نوید وصلت بجانب ما
رخی جمال تو قبلۂ جاں ، حریم کوئے تو کعبۂ دل
فان سجدنا الیک نسجد وان سعینا الیک نسعیٰ
بکت عیونی علی شئونی نساء حالی ولا ابالی
کہ دانم آخر طبیب وصلت مریض خود را کند مداوا

ایسا ہی حج کو جانے سے پہلے آپؒ نے بے انتہاء والہانہ جذبہ اور عاشقانہ حالت میں حضور اقدس ﷺ کی مدح میں نعتیہ قصیدہ بھی لکھا جو "مثنوی جامیؒ" کے نام سے "یوسف زلیخا" کے شروع میں بتیس (۳۲) اشعار پر مشتمل آپؒ کی ایک مشہور نعت فارسی میں ہے۔ جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

زمہجوری بر آمد جان عالم
ترحم یا رسول اللہ ترحم
نہ آخر رحمۃ للعالمینی
زمحروماں چرا غافل نشینی

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "فضائل درود شریف" میں ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عجیب وغریب واقعہ لکھا ہے کہ:

"مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ یہ نعت کہنے کے بعد ایک مرتبہ حج کے لئے تشریف

لے گئے تو ان کا ارادہ یہ تھا کہ روضۂ اقدس کے پاس کھڑے ہو کر اس نظم کو پڑھیں گے۔ جب حج کے بعد مدینہ منورہ کی حاضری کا ارادہ کیا تو امیر مکہ نے خواب میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت کی۔ حضور اقدس ﷺ نے خواب میں ان کو یہ ارشاد فرمایا کہ: ''اس (جامیؒ) کو مدینہ آنے دیں۔'' امیر مکہ نے ممانعت کر دی، مگر ان پر جذب وشوق اس قدر غالب تھا کہ یہ چھپ کر مدینہ منورہ کی طرف چل دیے۔ امیر مکہ نے دوبارہ خواب دیکھا حضور ﷺ نے فرمایا: ''وہ آرہا ہے، اس کو یہاں نہ آنے دو۔'' امیر نے آدمی دوڑائے اور ان کو راستہ سے پکڑ کر بلایا، ان پر سختی کی اور جیل میں ڈال دیا۔ اس پر امیر کو تیسری مرتبہ حضور اقدس ﷺ کی زیارت ہوئی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''یہ کوئی مجرم نہیں، بلکہ اس نے کچھ اشعار کہے ہیں جن کو یہاں آکر میری قبر پر کھڑے ہو کر پڑھنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو قبر سے مصافحہ کے لئے ہاتھ نکلے گا، جس میں فتنہ ہوگا۔'' اس پر ان کو جیل سے نکالا گیا اور بہت اعزاز واکرام کیا گیا۔'' [1]

[1] (فضائل درود شریف: ص ۱۳۳)

## تصانیف:

ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ کی عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں جن کی تعداد چون (۵۴) تک پہنچتی ہے، جو آپؒ کے تخلص ''جامی'' کے اعداد ہیں۔

﴿ وهذا من قبيل كراماته امر الهامي ﴾

آپؒ کی تصانیف کی تفصیل درج ذیل ہے:

﴿۱﴾ألتفسير الى قوله (فاياي فارهبون) ﴿۲﴾شرح احاديث اربعين ﴿۳﴾شرح حديث أبي رزين لقيط العقيلي الصحابي ﴿۳﴾شواهد النبوة ﴿۴﴾نفحات الأنس من حضرات القدس ﴿۵﴾شرح فصول الحكم ﴿۶﴾نقد النصوص في شرح نقش النصوص ﴿۷﴾الطريقة النقشبندية ﴿۸﴾أشعة اللمعات ﴿۹﴾اللوامع ﴿۱۰﴾شرح قصيدة التائية ﴿۱۱﴾شرح رباعيات اللوائح ﴿۱۲﴾شرح البيتين الأولين من المثنوي ﴿۱۳﴾شرح أبيات امير خسرو الدهلوي ﴿۱۴﴾شرح كلمات خواجة محمد پارسا ﴿۱۵﴾ألدر الفاخرة في تحقيق مذهب الصوفية

﴿۱۶﴾ رسالة في وحدة الوجود ﴿۱۷﴾ رسالة في أسئلة الهند واجوبتها ﴿۱۸﴾ مناقب عارف الرومي ﴿۱۹﴾ رسالة لااله الا الله ﴿۲۰﴾ مناسک الحج ﴿۲۱﴾ اعتقاد نامة ﴿۲۲﴾ الصرف المنظوم ﴿۲۳﴾ المنصور ﴿۲۴﴾ شرح أشعار مائة عامل (منظوم) ﴿۲۵﴾ شرح مفتاح الغيب ﴿۲۶﴾ مثنوي طرح نوي ﴿۲۷﴾ سلسلة الذهب ﴿۲۸﴾ آبسان ﴿۲۹﴾ تحفة الاحرار، مثنوی ہے جو حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی منقبت میں لکھی گئی ہے۔ ﴿۳۰﴾ سبحة الابرار ﴿۳۱﴾ يوسف زليخا ﴿۳۲﴾ ليلىٰ مجنون ﴿۳۳﴾ خرد نامه اسكندرية ﴿۳۴﴾ ديوان اوّل ﴿۳۵﴾ ديوان ثاني ﴿۳۶﴾ ديوان ثالث ﴿۳۷﴾ ديوان رابع ﴿۳۸﴾ الكبير ﴿۳۹﴾ المتوسط ﴿۴۰﴾ الصغير ﴿۴۱﴾ الأصغر (چاروں رسالے معمے میں ہیں) ﴿۴۲﴾ رسالة في العروض ﴿۴۳﴾ رسالة في القوافي ﴿۴۴﴾ رسالة في الموسيقي ﴿۴۵﴾ بهارستان على نمط گلستان الفه لولده ضياء الدين يوسف سنة ۸۴۰ هجرية رتب على ثمان روضات و اوراد، في كل روضة منها لطائف حكمية ونوادرة كثيرة ﴿۴۶﴾ الكبريٰ ﴿۴۷﴾ الصغريٰ (دونوں رسالے ادبیات ومنشآت میں ہیں) ﴿۴۸﴾ رسالة في الهيئة ﴿۴۹﴾ رسالة في الاصطرلاب ﴿۵۰﴾ رسالة في المنطق ﴿۵۱﴾ حاشية المفتاح ﴿۵۲﴾ هدية الخلان في لطائف البيان

ان کتابوں میں آپ کی ''شرح ملا جامی، یوسف زلیخا'' اور ''شرح مایۂ عامل'' علمی دنیا میں اپنی کافی شہرت رکھتی ہیں۔ ''شرح ملا جامی'' پر ملا عصام الدین ابراہیم بن محمد اسفرائینیؒ (المتوفی ۹۴۳ھ) اور ملا عبد الغفور اللاریؒ وغیرہ جیسے بڑے بڑے علمائے کرام کے کثیر التعداد حواشی اور شروحات ہیں۔

## وفات حسرت آیات:

ملا جامیؒ نے اعداد لفظ ''کاس'' یعنی اکیاسی سال کی عمر میں ۱۸ محرم الحرام ۸۹۸ھ بمطابق ۱۴۹۲ء میں جمعہ کے دن شہر ''ہرات'' میں وفات پائی اور یہیں مدفون ہوئے، اور جب ''طائفہ طاغیہ ازوبکیہ'' نے ''خراسان'' کا قصد کیا تو آپؒ کے صاحب زادے علامہ ضیاء الدین یوسفؒ نے آپ کا جسم مبارک دوسری جگہ منتقل کر دیا۔[۱]

---

[۱] (ظفر المحصلين بأحوال المصنفين (بحذف واختصار) ص ۳۳۰، ۳۳۵، الناشر: مير محمد كتب خانه كراتشي، الباكستان)

## حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا باہمی اختلاف ملا جامیؒ کی نظر میں:

لیکن بایں ہمہ علم فضل مشہور حلقوں میں آپؒ پر یہ الزام ہے کہ آپؒ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ''اجتہادی خطاء'' کو نہ صرف ''خطائے منکر'' کہا، بلکہ آں موصوف پر تعریض کرتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ کا نام تک لینا گوارا نہ کیا۔

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''نبی اکرم ﷺ سے محبت کی پہچان تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت ہے۔ تعجب ہے کہ مولانا جامیؒ جیسے ''عاشق رسول ﷺ'' نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ''اجتہادی خطاء'' کو نہ صرف ''خطائے منکر'' کہا، بلکہ آں معظم پر تعریض کرتے ہوئے ان کا نام لینا بھی گوارا نہ کیا۔

پیر نصیر الدین گولڑوی نے جمہور اہل سنت والجماعت کے نظریہ کے برعکس اپنے باطل نظریے کو مولانا جامیؒ کے نظریے سے ہی ثابت کیا ہے۔

چنانچہ پیر گولڑوی لکھتے ہیں:

''اس میں شک نہیں کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ خلیفۂ برحق تھے اور اس پر اجماع اُمت ہے کہ جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف جو رویہ اختیار کیا وہ کسی بھی لحاظ سے پسندیدہ نہ تھا۔ ان کے اس نظریے کو محض ''خطائے اجتہادی'' قرار دے کر موجب اجر و ثواب سمجھنا محل نظر ہے۔ کسی شرعی مسئلہ میں حتی الوسع جد و جہد کے بعد ''اجتہادی غلطی'' کا معاملہ کچھ اور ہے، مگر دنیوی اور ملکی اُمور میں ایسی ''اجتہادی خطاء'' کو جو موجب فتنہ بنے، باعث اجر و ثواب قرار دینا قرین دانش مندی و انصاف نہیں۔

ہمیں درجۂ صحابیت کا لحاظ ہے۔ اور ہم جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی عناد نہیں رکھتے، مگر اتنی بات ضرور ہے کہ ہم ان کے اس طرز عمل کو ''اجتہادی کارنامہ'' سمجھنے سے قاصر ہیں۔

ہم اپنے اس نقطہ نظر کی تائید میں اہل سنت والجماعت کی چند نامور اور معتبر شخصیات کی عبارات و نظریات پیش کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں:

''مشہور عاشق رسول ﷺ اور عارف حضرت مولانا عبد الرحمٰن جامیؒ قدس سرہ

السامی نقشبندی فرماتے ہیں:

جمعے از بیعتش ابا کروند
و ندراں سرکشی خطا کروند

ترجمہ: ایک جماعت نے حضرت علی ؓ کی بیعت سے انکار کیا اور اس جماعت نے سرکشی میں خطاء کی۔

اپنی اسی تصنیف میں مولانا جامیؒ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

واں خلافے کہ داشت با حیدرؓ
در خلافت صحابی دیگر
حق در آں جا بدست حیدر بود
جنگ با او خطائے منکر بود

ترجمہ: اور وہ دوسرا صحابی جو بہ سلسلہ خلافت حضرت علی ؓ سے اختلاف رکھتا تھا (یعنی جناب معاویہ ؓ) اس وقت حق علی المرتضیٰ ؓ کی طرف تھا اور ان سے جنگ کرنا ''خطائے منکر'' تھا یعنی ناپسندیدہ خطا تھی۔[1]

## جمہور کے نزدیک حضرت علی ؓ اور حضرت معاویہ ؓ کا باہمی اختلاف مبنی بر اجتہاد تھا:

جمہور اہل سنت والجماعت کے نزدیک حضرت علی ؓ، اور حضرت معاویہ ؓ، کے اختلاف کی نوعیت ''اجتہادی'' ہے، لیکن پیر نصیر الدین گولڑوی نے مولانا عبدالرحمٰن جامی کا حوالہ نقل کر کے حضرت معاویہ ؓ، اور ان کی ساری جماعت کو ''سرکش'' بنا دیا ہے، جس میں بقول حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ:

''نصف صحابہ کرام ؓ شریک ہیں۔ اور یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جو زندیق ہو اور جس کا مقصد و منشاء دین کو باطل ٹھہرانا ہو۔''[2]

تو کیا کوئی شخص حضرت معاویہ ؓ اور ان کی جماعت (یعنی نصف صحابہ کرام ؓ) کو سرکش کہہ کر ''سنی''

---

[1] (نام و نسب ۵۳۳، بحوالہ سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین، ص ۱۲۶)
[2] (مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب ۲۵۱)

رہ سکتا ہے؟۔

## ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار پر مجدد الف ثانیؒ کا تبصرہ:

رہی بات مولانا جامیؒ کے ان اشعار کی، تو اس پر ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، اس کی تردید میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ہی کا بصیرت افروز تبصرہ ملاحظہ فرمایئے:

"وخدمت مولانا عبدالرحمٰن الجامی کہ "خطائے منکر" گفتہ است، نیز زیادۃ کردہ است بر خطا ہر چہ زیادت کنند خطاء است۔ وآں چہ بعد ازاں گفتہ است: "اگر او مستحق لعنت است ...... الخ" نیز نامناسب گفتہ است، چہ جائے تردید است؟ وچہ محل اشتباہ؟ اگر ایں سخن در باب یزید می گفت گنجائش داشت۔ اما در مادۂ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ گفتن شناعت دارد۔ ودر احادیث نبوی باسناد ثقات آمدہ کہ: "حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام در حق معاویہ دعاء کردہ اند، وفرمودہ اند: " اللھم علمه الكتاب والحساب وقه العذاب ." وجائے دیگر در دعاء فرمودہ اند" اللهم اجعله هاديا ومهديا ". ودعائے آں حضرت مقبول ظاہرا ایں سخن از مولانا بر سبیل سہو ونسیان سر برزدہ باشد وایضاً مولانا در ہمان ابیات تصریح باسم نا کردہ گفتہ است آں صحابی دیگر ایں عبارت نیز از ناخوشی خبری دہد۔ ربنا لا تؤاخذنا ان نسينا او اخطانا ". [1]

ترجمہ: مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں "خطائے اجتہادی" کو "خطائے منکر" کہہ کر زیادتی کی ہے۔ خطاء پر جو زیادتی کی جائے گی خطاء ہوگی ۔ پھر اس کے بعد جو مولانا جامیؒ نے کہا کہ: "اگر وہ مستحق لعنت ہے...... الخ" یہ بات بھی نامناسب کہی ہے۔ یہ تردید کا کون سا مقام تھا؟ اور اس میں اشتباہ کا کون سا محل تھا؟ اگر یہ بات یزید کے حق میں کہی جاتی تو البتہ گنجائش تھی، لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایسا کہنا نہایت گھناؤنی بات ہے۔ حدیث نبوی میں ثقہ راویوں کی سند سے آیا ہے کہ: "آنحضرت ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ دعاء فرمائی: "اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو کتاب وحساب

---

[1] (مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانیؒ: دفتر اول، مکتوب ۲۵۱)

کا علم عطا فرما اور عذاب سے بچا۔'' دوسرے موقع پر یہ دعاء فرمائی: ''اے اللہ! ان کو ہادی و مہدی بنا''۔ اور آنحضرت ﷺ کی دعاء مقبول و منظور ہے۔ ان تمام باتوں کی موجودگی میں معلوم ہوتا ہے کہ مولانا جامیؒ سے یہ قول سہو و نسیان کی بدولت نکل گیا ہے۔ نیز ان اشعار میں مولانا جامیؒ نے نام کی تصریح نہیں کی بلکہ یہ کہا ہے: ''اے دوسرے صحابی!'' اس عبارت سے بھی (صحابہ ؓ سے) ناخوشی کی بو آتی ہے، اس لئے ہم یہی دعاء کرتے ہیں: ''اے اللہ! ہماری خطاء و نسیان پر مواخذہ نہ فرمانا۔''

## ''لعنت بر یزید'' کے متعلق ایک دلچسپ واقعہ!

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''پیر نصیر الدین گولڑوی ''لعنت بر یزید'' سے متعلق مولانا جامیؒ کا ایک مکالمہ نقل کرتے ہیں: ''عارف نامی حضرت مولانا عبدالرحمن جامیؒ (۸۹۸ھ) کے دور میں بھی یہ مسئلہ زیر بحث آیا۔ چنانچہ مولانا جامیؒ کے فارسی کلیات کے مقدمہ نگار ہاشم رضا اپنے طویل مقدمے میں یہ روایت تذکرہ کرکے خزینۃ الاصفیاء، لطائف الطوائف اور مولانا فخر الدین علی کاشفی کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

''مرزا بابر کے زمانہ میں سمرقند کے ایک ''مزید'' نامی دانش مند فقیہ ہرات آئے۔ مولانا جامیؒ اور مولانا مزید دونوں مرزا بابر کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مرزا نے ''لعن یزید'' کے بارے میں ''مزید'' سے سوال کیا، تو انہوں نے کہا کہ ''یزید پر لعنت کرنا جائز نہیں، کیوں کہ وہ اہل قبلہ میں سے تھا۔ چنانچہ مرزا نے یہی سوال مولانا جامیؒ سے کیا کہ مولانا مزید کا تو یہ خیال ہے، آپ اس سلسلے میں کیا فرماتے ہیں؟'' اس پر مولانا جامیؒ کہنے لگے کہ: ''ہم کہتے ہیں: ''صد لعنت بر یزید و صد دیگر بر مزید'' (یعنی) سو لعنت بر یزید اور سو بر مزید۔

اس کے دو معنی نکلتے ہیں، یعنی سو لعنت یزید پر ہو اور سو بر مزید۔ یعنی جو شخص یزید کو مستحق لعنت نہ سمجھتا ہو اس پر بھی لعنت۔ اس طرح حضرت جامیؒ نے لفظ ''مزید'' سے ''زائد'' کا مطلب نکال لیا۔ اور مولانا ''مزید'' جو ''لعن یزید'' کے مخالف تھے ان کا نام لے کر ان پر بھی

چار حرف بھیج دیے۔ ایسے واقعات اور نکتہ آفرینیاں ان لوگوں کی حاضر جوابی اور ذہانت و فطانت کا بین ثبوت ہیں۔"[۱]

[۱] (نام ونسب، ص ۵۲۰، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۱۳۶)

## مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کا سہو وتسامح:

بہر حال خلاصہ کلام یہ کہ ملا جامیؒ کی زبان سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی "خطائے اجتہادی" کے بارے میں جو "خطائے منکر" کے الفاظ سرزد ہوئے ہیں وہ بقول امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بطور سہو ونسیان کے سرزد ہوئے ہیں جن کے لئے ہم اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کر سکتے ہیں کہ اے اللہ! ہماری خطا ونسیان پر مؤاخذہ نہ فرمانا۔

## مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت:

دراصل مولانا جامیؒ کی شخصیت پر بڑا نزاع ہے۔ بعض لوگوں نے ان کو مائل بہ تشیع اور بعضوں نے ان کو اہل تقیہ میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ مولانا جامی عقیدۃً ومسلکاً اہل سنت سے دور اور اہل تشیع سے قریب ہیں۔

اور انہوں نے خصوصاً خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی مدح میں جو اشعار کہے ہیں وہ بر بنائے تقیہ ہیں...... ورنہ جامیؒ نے اپنی کتابوں خصوصاً "شواھد النبوۃ" میں جن عقائد کی ترویج کی ہے وہ خالصتاً شیعہ عقائد ہیں...... خود مولانا جامیؒ کے حالات پر مشتمل کتاب میں "جامیؒ" کے مصنف سید عارف نوشاہی نے باب "جامیؒ کے مذہبی عقائد" کے تحت لکھا ہے کہ:

"۱-وہ شیعہ مائل سنی تھے۔[۱]

۲-مختصر یہ کہ مذکورہ کتاب (شواہد النبوۃ) کے مندرجات سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ اس کا مصنف ایک سنی ہے جس کا دل تعصب سے پاک ہے، مگر ساتھ ہی وہ عقائد امامیہ کی طرف بھی راغب ہے۔[۲]

۳-جامیؒ کے افکار میں دونوں عقیدوں (شیعہ سنی) کے امتزاج کی دلیل ہے۔[۳]

---

[۱] (جامی، ص ۲۵۴)
[۲] (جامی، ص ۲۵۴)
[۳] (جامی، ص ۲۵۵)

(۴) جو ایرانی شیعہ جامی سے عقیدت رکھتے ہیں وہ جامی کو باطنی طور پر ایک خالص العقیدہ شیعہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی مدح میں یہ مقالات اور اشعار جامی کا تقیہ ہیں۔ چنانچہ "سبحة الأبرار" (مصنفہ جامیؒ) کے مندرجہ قطعہ کے آخری شعر کو یہ حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی قدح اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارۃً وکنایۃً قیاس کرتے ہیں۔ وہ شعر یہ ہے:

پنجہ در کن اسد اللّٰہی را
تیغ بر کن دو سہ روباہی را[1]

شیخ عباس قمی شیعہ نے اپنی کتاب "الکنیٰ والألقاب" میں جامیؒ کے متعلق لکھا ہے:

"المولیٰ عبد الرحمان بن أحمد بن محمد الدشتي الفارسي الصوفي، النحوي، الصرفي الشاعر، الفاضل ...... و يقال له الجامي، لأنه ولد ببلدة "جام" من بلاد ماوراء النهر سنة ٨١٧ الهجرية ...... وله سبحة الأبرار وشواهد النبوة في فضائل النبيّ والأئمة عليهم السلام ...... وهل هو من علماء السنة كما هو الظاهر منه بل من المتعصبين كما هو الغالب عليٰ أهل بلاد تركستان وماوراء النهر. ولذا بالغ في التشنيع القاضي نور الله مع مذاقه الوسيع، أو أنه كان ظاهراً من المخالفين، وفي الباطن من الشيعة الخالصين. ولم يبرز ما في قلبه تقيّة كما يشهد بذلک بعض أشعاره منها ما عن "سبحة الابرار" قوله:

پنجہ در کن اسد اللّٰہی را
تیغ بر کن دو سہ روباہی را

واعتقده السيد الأجل الأمهر محمد حسين الخاتون آبادي سبط العلامة المجلسي (وينقل) حكاية في ذلک مسنداً وحاصلها أن الشيخ علي بن

---

[1] (جامی، ص ۲۵۹)

عبد العالي ،كان رفيقاً مع الجامي في سفر زيارة أئمة العراق عليهم السلام وكان يتقيه . فلما وصلوا الى بغداد ذهباً الى ساحل الدجلة للتنزه فجاء درويش قلندر، وقرأ قصيدة غراء في مدح مولانا أمير المؤمنين عليه السلام ولما سمعها الجامي بكى وسجد بكى في سجوده ، ثم اعطاه جائزة . ثم قال في سبب ذلك اعلم اني شيعيٌ من خلص الامامية ولكن التقية واجبة . وهذه القصيدة مني . واشكر الله أنها صارت بحيث يقرأ ها القاري في هذا المكان .

ثم قال الخاتون آبادي : واخبرني بعض الثقات من الأفاضل نقلاً عن من يثق به أن كل من كان في دار الجامي من الخدم والعيال والعشيرة كانوا على مذهب الامامية . ونقلوا عنه انه كان يبالغ في الوصية باعمال التقية سيما اذا أراد سفراً والله العالم بالسرائر "[1]

ترجمہ: مولوی عبدالرحمن بن احمد بن محمد دشتی، فارسی، صوفی، نحوی، صرفی، شاعر اور فاضل تھے۔ جامیؔ انہیں اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ "ماوراء النّھر" کے شہر "جام" میں ۸۱۷ھ میں پیدا ہوئے۔ ان تصانیف میں "سبحة الأبرار" اور "شواھد النبوّة" ہیں جو کہ آنحضرت ﷺ اور ائمہ کرام علیہم السلام کے فضائل میں لکھی گئی ہیں۔ کیا جامیؒ سنی علماء میں سے ہیں جیسا کہ ظاہر ہوتا ہے؟ بلکہ وہ متعصب سنی ہیں، جیسا کہ ترکستان اور ماوراءالنہر کے شہروں میں مشہور ہے، اسی لیے انہوں نے اپنی طبیعت کی عدم سختی کے باوجود قاضی نوراللہ شوستریؒ پر سخت تشنیع کی ہے، یا یہ کہ جامیؒ بظاہر مخالفین (سنیوں) میں سے تھے، لیکن باطنی طور پر خالص شیعوں میں سے تھے اور جو ان کے دل میں تھا وہ (انہوں نے) از روئے تقیہ ظاہر نہ کیا، اس بات کی گواہی ان کے بعض اشعار دیتے ہیں۔ جیسا کہ "سبحة الأبرار" کا یہ شعر ہے:

پنجہ در کن اسد اللّٰہی را

[1] (الكنى والألقاب للقمي : ۲/۱۳۸)

تیغ بر کن دوست روباہی را

اور اس بات کو امیر سید حسین الخاتون آبادی نواسہ ملا محمد باقر مجلسی کی ذکر کردہ حکایت سے مزید مضبوطی حاصل ہوتی ہے، اس باسند حکایت کا خلاصہ (یہ) ہے کہ:

''شیخ علی بن عبد العالی ایک مرتبہ سفر میں جامیؒ کے رفیق تھے، جو عراق میں ائمہ کرام کی قبور کی زیارت کے سلسلہ میں کیا گیا تھا وہ تقیہ کرتے تھے۔ جب یہ بغداد پہنچے تو دونوں ساحل دجلہ کی طرف چل دیے، اتنے میں ایک درویش قلندر آیا اور اس نے ایک نہایت عمدہ قصیدہ مدح مولانا امیر المؤمنین علی علیہ السلام میں پڑھا۔ جب جامیؒ نے یہ قصیدہ سنا تو رو پڑے اور سجدہ ریز ہو کر روتے رہے۔ پھر اس (قصیدہ خواں) کو انعام دیا۔ پھر فرمایا: ''تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں شیعہ ہوں اور مخلص امامی ہوں، البتہ تقیہ واجب ہے اور یہ قصیدہ میرا لکھا ہوا ہے اور میں شکر الٰہی بجا لاتا ہوں کہ اس نے قصیدہ کو اس مقام پر پہنچایا۔'' پھر محمد حسین خاتون آبادی نے کہا: ''مجھے ثقہ فاضلین میں سے کسی نے بتایا اور وہ اس بات کو ثقہ لوگوں سے روایت کرتا ہے کہ جامیؒ کے گھر کے تمام افراد، بال بچے اور خاندان کے لوگ ''مذہب امامیہ'' پر تھے، اور جامی تقیہ کے متعلق نہایت کڑی وصیت کرتے تھے، خاص کر جب وہ سفر کا ارادہ کرتے اور اللہ ہی بھیدوں کو جاننے والا ہے۔ (ترجمہ ختم)

عباس قمی شیعہ نے جامیؒ کے شیعہ ہونے پر جو حکایت بیان کی ہے وہ دیوان کامل جامی تخشش دہم صفحہ ۱۹۱ پر بھی موجود ہے۔ ؎

## ہمارا موقف:

چوں کہ مولانا جامیؒ کی کتب میں جہاں شیعہ عقائد درج ہیں وہیں ان کی کتابیں سنی عقائد ونظریات کی بھی حامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جامیؒ کے بارے میں ناقدین کسی ایک رائے پر متفق نہ ہو سکے۔ چوں کہ اکابر علمائے اہل سنت والجماعت رحمہم اللہ ہمیشہ حضرت مولانا عبد الرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک سنی، صوفی اور مسلمان نعت گو شاعر کی حیثیت سے تسلیم کرتے رہے اور ان کا ذکر مدحیہ انداز میں کرتے رہے ہیں، ان سے حسن ظن رکھتے رہے ہیں، لہٰذا ہم

---

؎ (سیدنا معاویہ ؓ کے بارے میں گم راہ کن غلط فہمیوں کا ازالہ: ص ۱۹۵، ۱۹۷، ناشر: مکتبہ عمر فاروق ؓ، شاہ فیصل کالونی، کراچی)

بھی حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں ان رافضی خرافات کو تسلیم نہیں کرتے۔ جہاں تک ان حوالہ جات کے ذکر کرنے کا تعلق ہے تو اس سے میرا مدعا یہ ہے کہ:

''سبائیہ، باطنیہ اور دشمنانِ صحابہ نے مشہور صوفیوں کے عقائد میں دیدہ و دانستہ ایسے شبہات پیدا کر دیے ہیں جن سے ان کے عقیدت مندوں کے قلوب میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ وہ یا تو تقیہ کرتے تھے یا مائل بہ تشیع تھے اور اسی طرح (اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ قدرتی طور پر ان کا میلان بھی تشیع کی طرف ہو جائے گا) انہیں ان کے آبائی مذہب سے برگشتہ کرنا آسان ہو جائے گا۔ راقم الحروف کے استنتاج کی بحث تاریخی شواہد سے پایۂ ثبوت کو پہنچ سکتی ہے۔ پاکستان کے اکثر و بیشتر سنی بزرگوں کے مزاروں کے سجادہ نشین اور متولی ''مذہب امامیہ'' اختیار کر چکے ہیں اور اپنے مذہب کے جاہل عقیدت مندوں سے یہ کہتے ہیں کہ یہ حضرات بھی امامیہ مذہب ہی کے پیرو تھے۔ کیا طرفہ تماشا ہے کہ صاحب مزار سنی تھا لیکن آج اس کا سجادہ نشین یا متولی شیعہ ہے۔ لاریب یہ اسی طریق کار کا ''ثمر شیریں'' ہے جو اس جماعت نے ایک ہزار برس سے اختیار کر رکھا ہے۔ جس طرح ہو سکے صوفیوں کو ''مسلک امامیہ'' کا پیرو ثابت کر دو تاکہ عوام بھی اپنے پیشواؤں کے مذہب کی طرف مائل ہو سکیں۔''[1]

## مولانا جامیؒ کی کتابوں میں شیعہ سنی دونوں قسم کے عقائد کے مندرج ہونے کی بنیادی وجہ:

مولانا عبدالرحمان جامی رحمۃ اللہ علیہ کی کتب میں جہاں شیعہ عقائد درج ہیں تو وہیں ان کی کتابیں سنی عقائد و نظریات کی بھی حامل ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ بتاتے ہوئے پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم لکھتے ہیں:

''صوفیہ کے اشعار میں تدسیس اور الحاق کی وبا اس قدر عام ہو چکی تھی کہ جب مولانا جامیؒ بغداد آئے تو ان دنوں وہاں روافض کا ہجوم تھا۔ انہوں نے مولانا کی کتاب ''سلسلۃ الذہب'' پر چند اعتراضات کیے تھے۔ ایک رافضی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں چند مبالغہ آمیز اشعار لکھ کر مولانا سے منسوب کر دیے۔

ایک دن جامع مسجد بغداد میں مجلس مناظرہ قائم ہوئی، جس کا مقصد یہ تھا کہ

---

[1] (اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش: ۹۹، ۱۰۰ بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ، ص ۱۹۰ تا ۱۹۸)

روافض اپنے اعتراضات پیش کریں گے، مگر پہلے ان اشعار پر اعتراض ہوا جو ایک رافضی نے مولانا سے منسوب کر دیئے تھے۔ سنی علماء نے ان اشعار پر اعتراض کیا۔[1]

مجھے اس واقعہ سے صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ اسماعیلیہ، قرامطہ اور روافض کا یہ محبوب مشغلہ تھا کہ وہ صوفی شعراء کے کلام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں ایسے مبالغہ آمیز اشعار جن سے الوہیت علی (یا تنقیص معاویہ رضی اللہ عنہ۔ از: ناقل) پر استدلال ہو سکے، اپنی طرف سے شامل کر دیا کرتے تھے۔

اگر یہ سوال ہو کہ انہیں اس کی جرأت کیسے ہوتی تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تمام صوفی سلسلے اور تمام صوفی افراد بلا استثناء احدی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہایت مکرم، محترم اور لائق توقیر سمجھتے ہیں۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ سلاسل اربعہ میں سے تین سلسلے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتے ہیں۔ لہٰذا صوفی شعراء نے جہاں خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی منقبت میں زور قلم صرف کیا ہے، وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منقبت میں بھی اپنی عقیدت کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس لئے روافض اور قرامطہ کو مبالغہ آمیز اشعار شامل کلام کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آسکتی تھی۔ فرض کیجئے کہ مولانا جامیؒ نے اکیس اشعار کی ایک نظم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں لکھی تو اگر کوئی شخص دو تین ایسے شعر جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا بنا دیا گیا ہو، اس نظم میں چپکے سے شامل کر دے (اور اسی کو تدلیس کہتے ہیں) تو کیا دشواری لاحق ہو سکتی ہے؟۔''[2]

اسی وجہ سے مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کے ناقدین ان کے بارے میں آج تک کسی ایک رائے پر متفق نہ ہو سکے۔ اور اسی وجہ سے ہم بھی مولانا جامیؒ سے حسن ظن رکھتے ہوئے ان کے بارے میں اس قسم کی رافضی خرافات ہرگز تسلیم نہیں کرتے۔ اور آپ کی طرف جو یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ آپ نے حضرت معاویہ کی ''خطائے اجتہادی'' کو ''خطائے منکر'' کہا ہے تو اس بات کا ایک جواب پیچھے یہ دیا چکا ہے کہ اس بات کا صدور آپ کی ذات سے بقول امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ کے: ''یا تو سہو و نسیان کے طور پر ہوا ہے۔'' جسے تسامح کہا جاتا ہے اور دوسرا جواب یہ ہے

---

[1] اس داستان کی تفصیل کے لئے ''حیات جامی'' مؤلفہ: ڈاکٹر علی اصغر حکمت، مطبوعہ تہران ص ۸۳ ملاحظہ فرمائیے۔ (رفیع)

[2] اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش، ص ۳۵، ۳۶، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں گمراہ کن غلط فہمیوں کا ازالہ، ص (۱۹۰، ۱۹۱)

کہ ہو سکتا ہے کہ کسی نے تدلیس کرتے ہوئے چپکے سے اس بات کو آپ کے کلام میں شامل کر دیا ہو۔ واللہ اعلم۔

لہٰذا مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات متصف باصد صفات سے حسن ظن رکھتے ہوئے اُن کی شخصیت کو قطعی اور یقینی طور پر بغیر سوچے سمجھے محض ظن کی بناء پر اس طرح ''شیعیت'' سے متہم کر دینا کسی بھی طرح قرین انصاف اور دانش مندی کے لائق نہیں ہے۔

﴿۹﴾

# محدث جلیل حضرت ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ

## (المتوفی ۱۰۱۴ھ)

### نام ونسب:

آپ کا نام نامی اسم گرامی: علی، کنیت: ابوالحسن، لقب: نورالدین، عرف: ملا علی قاری، اور والد کا نام سلطان محمد ہے۔

### ولادت باسعادت:

آپؒ کی تاریخ پیدائش کا تو صحیح علم نہیں، البتہ آپؒ کی ولادت افغانستان کے مشہور شہر "خراسان" کے معروف علاقے "ہرات" (مغربی افغانستان) میں ۹۳۰ھ کے لگ بھگ ہوئی۔

### ابتدائی تعلیم:

ابتدائی دینی تعلیم آپؒ نے اپنے اسی علاقے "ہرات" میں اُس وقت کے اساتذہ سے حاصل کی۔ وہیں پلے بڑھے، قرآن مجید حفظ کیا، اور شیخ مقری معین الدین بن حافظ زین الدین ہروی رحمۃ اللہ علیہ سے تجوید پڑھی، یہاں تک کہ آپ کو سات قرأتوں پر مکمل عبور حاصل ہوگیا۔

### منتہی تعلیم:

اس کے بعد اعلیٰ اور منتہی تعلیم حاصل کرنے کے لئے آپؒ نے مکہ معظمہ کا سفر کیا، اور کئی سال تک وہاں کے علماء سے علم حاصل کرتے رہے، یہاں تک کہ آپ کا شمار بھی مشاہیر علماء میں ہونے لگا۔

## فقہی مسلک:

آپ حنفی المسلک تھے، جیسا کہ آپ کی تصانیف اور آپ کے حالات زندگی سے معلوم ہوتا ہے، نیز اکثر مسائل مذہب حنفیہ تفصیلا لکھنے اور انہیں شرعی دلائل کے ذریعہ ثابت کرنے سے بھی آپ کا حنفی المذہب ہونا مترشح ہوتا ہے۔

## زہد وتقویٰ:

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تدین وتعفف اور ورع اور تقویٰ میں مشہور تھے۔ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے اور دنیا سے بے رغبتی برتتے تھے۔ آپ پر زہد وعفاف اور قوت لایموت پر راضی رہنا غالب تھا۔ لوگوں سے بہت کم ملتے، عبادت الٰہیہ میں کثرت سے منہمک رہتے، ہر سال اپنی خوب صورت لکھائی سے ایک قرآن مجید لکھتے اور اس کے حاشیہ پر مختلف قرأتیں اور تفسیر لکھتے اور اسے بیچ دیتے اور اس طرح ہدیہ کی یہ رقم آپ کے لئے پورا سال کافی ہوجاتی۔

شاہی حکام کا تقرب اور ان کی عطایا کو آپ اخلاص اور تورع کے لئے مضر خیال کرتے، اور فرماتے کہ: "اللہ تعالیٰ میرے والد پر رحم فرمائے وہ مجھے فرمایا کرتے تھے کہ: "میں نہیں چاہتا کہ تیرا شمار علماء میں سے ہو کیوں کہ مجھے ڈر ہے کہ پھر تو امیر اور مالدار لوگوں کے دروازوں پر ہی پڑا رہے گا۔"

## شیوخ واساتذہ:

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ ذیل اساتذہ وشیوخ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا:

﴿۱﴾ابن حجر الهيتمي المكي ﴿۲﴾علي المتقي الهندي ﴿۳﴾ عطيه بن علي السلمي ﴿۴﴾ محمد سعيد الحنفي الخراساني ﴿۵﴾ عبد الله السندي ﴿۶﴾ قطب الدين المكي

## تلامذہ وشاگرد:

آپ کے مشہور تلامذہ یہ ہیں:

﴿۱﴾ عبدالقادر الطبري ﴿۲﴾ عبدالرحمان المرشدي ﴿۳﴾ محمدبن فروخ الموروي

## تصانیف:

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف علوم وفنون میں بیسیوں گراں قدر کتابیں تصنیف فرمائیں جن کے نام یہ

ازیں:

﴿۱﴾ تفسیر القرآن ﴿۲﴾ مرقات المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح ﴿۳﴾ شرح نخبۃ الفکر ﴿۴﴾ الفصول المھمۃ ﴿۵﴾ شرح مشکلات الموطأ ﴿۶﴾ بدایۃ السالک ﴿۷﴾ شرح الحصن الحصین ﴿۸﴾ شرح الأربعین النوویۃ ﴿۹﴾ ضوء المعالي ﴿۱۰﴾ شم العوارض في ذم الروافض ﴿۱۱﴾ فیض المعین وغیرہ ذلک.

## وفات حسرت آیات:

بالآخر اپنی پوری زندگی قرآن وحدیث اور مختلف علوم وفنون کی خدمت کرتے کرتے آپؒ نے ماہِ شوال ۱۰۱۴ھ کو اس عالم رنگ وبو کو خیر آباد کہا اور "جنت المعلی" نامی قبرستان میں ابدی نیند سو کر محو استراحت ہو گئے۔

لیکن بایں ہمہ فضل وکمال آپؒ اپنے حاسدین ومعاندین کے بغض وحسد اور کینہ وعناد کے زہر آلود تیروں سے کسی طرح بھی بچ نہ نکلے۔

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"حضرت شیخ نورالدین علی بن سلطان محمد ہروی الشہیر بہ ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں زیرِ عنوان: "اختلف أهل السنة في تسمية للمعاوية باغيا" لکھتے ہیں کہ

"ثم كان معاوية مخطيا، الا أنه فعل مافعل عن تأويل، فلم يصر به فاسقاً. واختلف أهل السنة والجماعة في تسمية باغياً، فمنهم من امتنع من ذلک والصحيح من أطلق (بلفظ الباغي اي علي معاوية) لقوله لعمار: "تقتلک الفئة الباغية" وكان عليٌّ مصيباً في التحكيم. وزعمت الخوارج انه كان مخطياً فيه وقد كفر اذ الواجب في أهل البغي المحاربة لقوله سبحانه وتعالىٰ: ﴿فان بغت احدهما على الأخرىٰ فقاتلوا التي تبغي حتي تفئ الي امر الله﴾ ولكنا نقول المقصود أراد دفع الشر وتاليف القلوب وذا فيما فعل عليٌّ"[۱]

---

[۱] شرح فقہ الأکبر، ص ۸۷، بحوالہ سیدنا معاویہؓ کے ناقدین، ص ۱۴۸

ترجمہ: پھر حضرت معاویہ ﷛ خطی تھے، مگر انہوں نے جو کچھ کیا تاویل کے ساتھ کیا پس وہ اس فعل کی وجہ سے فاسق نہیں ہو گئے۔ اور اہل سنت والجماعت نے انہیں "باغی" کا نام دینے میں اختلاف کیا ہے۔ پس بعض نے اس سے منع کیا ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ معاویہ ﷛ پر باغی کا اطلاق درست ہے۔ آنحضرت ﷺ کے حضرت عمار ﷛ کے لئے اس قول کی بناء پر کہ: "تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔" اور حضرت علی ﷛ تحکیم میں مصیب تھے اور خوارج نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ اس میں خطی تھے اور انہوں نے کفر کا ارتکاب کیا۔ ان پر باغیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی بناء پر لڑنا فرض تھا کہ اگر ان دونوں گروہوں میں سے ایک دوسرے گروہ پر بغاوت کرے تو تم اس کے ساتھ قتال کرو جس نے بغاوت کی ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ اور لیکن ہم کہتے ہیں کہ حضرت علی ﷛ نے دفع شر اور تالیف قلوب کی وجہ سے تحکیم قبول کی تھی۔ (ترجمہ ختم)

اس عبارت سے درج ذیل امور ثابت ہوئے۔

۱۔ حضرت معاویہ ﷛ خطی تھے۔

۲۔ اس فعل کی وجہ سے وہ فاسق نہیں ہوئے۔

۳۔ جو اہل سنت ان پر باغی کا اطلاق نہیں کرتے وہ غلط ہے (ہیں۔ از، رفیع)۔

۴۔ انہیں باغی کہنا صحیح ہے۔

۵۔ حضرت علی ﷛ بھی انہیں باغی سمجھتے تھے، مگر انہوں نے حکم الٰہی "فقاتلوا التي تبغي" کی خلاف ورزی "دفع شر اور تالیف قلوب" کی خاطر کی تھی۔ ۱؎

## حضرت معاویہ ﷛ اور فسق و بغاوت:

اس میں شک ہی کیا ہے کہ جب حضرت علی ﷛ کی خلافت ارباب حل وعقد کے مشورے اور انتہائی مضبوط دلائل سے منعقد ہو چکی تھی تو حضرت معاویہ ﷛ کا اپنے اجتہاد کی بناء پر ان سے قتال کرنا غلط تھا، جس کی وجہ سے انہیں اس معاملہ میں بالاتفاق "مجتہد خطی" اور دنیوی احکام کے اعتبار سے "باغی" کہا گیا ہے، جو حقیقت نفس الامر کے اظہار

۱؎ (سیدنا معاویہ ﷛ کے ناقدین ص ۱۲۸، ۱۲۹)

سے اگرچہ گناہِ کبیرہ اور فسق کے زمرے میں آتا ہے، اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ان سے جنگ لڑنا جائز اور برحق تھا لیکن چوں کہ اُن کا یہ عمل حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی عداوت یا بغض یا کسی سیاسی اور دُنیوی غرض کی بناء پر نہیں تھا، بلکہ شبہ اور تاویل کی بناء پر صادر ہوا تھا، اور بہر حال وہ بھی اپنے پاس دلائل رکھتے تھے جو غلط فہمی پر ہی مبنی سہی، لیکن تھے دیانت دارانہ، اس لئے اُخروی احکام کے اعتبار سے اُن کا یہ عمل اجتہادی غلطی کے زمرے میں آتا ہے جس پر عند اللہ وہ ماجور ہیں اور اُن پر فسق کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ خطائے اجتہادی کی بناء پر نہ تو کسی پر فسق کا حکم لگایا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس پر کسی قسم کا لعن طعن کیا جا سکتا ہے۔

باقی رہی بات اُن اہل سنت کی کہ جو آپ پر "باغی" ہونے کا اطلاق نہیں کرتے تو اگر اس نفی سے اُن کی مراد عرفی بغاوت کی نفی ہے، جو ہوسِ اقتدار، لوٹ مار، اور ظلم وستم پر مبنی ہوتی ہے تو پھر تو صحیح ہے۔ اور اگر اس سے فقہی احکام کے اعتبار سے بغاوت کی نفی مراد ہے تو پھر غلط ہے، اس لئے کہ اس صورت میں ایک تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا "مجتہد مصیب" اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا "مجتہد مخطی" ہونا لازم آتا ہے، جو اہل سنت کے اجماع کے خلاف ہے، اور دوسرے یہ کہ اس سے حدیث عمار رضی اللہ عنہ "تقتلک الفئة الباغية" کا بے محل اور بے کار ہونا لازم آتا ہے جو کہ محال ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اہل شام کو باغی سمجھتے تھے، لیکن انہوں نے محض دفعِ شر اور تالیفِ قلوب کی خاطر تحکیم قبول کی تھی اور قتال روک لیا تھا۔

## حدیث عمار رضی اللہ عنہ کے بموجب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باغی تھے!:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

> "موصوف (ملا علی قاریؒ) اپنی ایک دوسری کتاب میں "حدیث عمار رضی اللہ عنہ" کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:
>
> "اعلم ان عماراً قتله معاوية وفئته ، فكانوا طاغين ، باغين بهذا الحديث."
>
> ترجمہ: جاننا چاہیے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو معاویہ رضی اللہ عنہ اور اس کے گروہ نے قتل کیا، تو وہ اس حدیث کی رُو سے طاغی (سرکش) باغی ہو گئے۔[1]

---

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۱۳۹)

## حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مجتہد مخطی ہونے سے عرفی نہیں بلکہ فقہی اصطلاح مراد ہے!

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مجتہد مخطی ہونے کی وجہ سے اس قسم کے جتنے بھی الفاظ آپ رضی اللہ عنہ کے حق میں استعمال کیے جاتے ہیں وہ عرفی معنوں میں نہیں، بلکہ فقہی اصطلاح کے معنوں پر محمول ہیں، لہٰذا اس تناظر میں "باغی" کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت حدیث عمار رضی اللہ عنہ ﴿تقتلک الفئة الباغیة﴾ کی رُو سے آپ رضی اللہ عنہ فقہی احکام کے اعتبار سے "باغی" تھے۔ اور "طاغی" کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں امام برحق یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت نہیں کر رہے تھے، اس لئے اس رُو سے آپ رضی اللہ عنہ "طاغی" بھی تھے۔

## ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے ہاشمی صاحب کا غلط استدلال:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

> "جن حضرات نے لفظ "باغی" کی تاویل طالب دم عثمان رضی اللہ عنہ سے کی ہے انہیں جواب دیتے ہوئے موصوف (ملا علی قاری) فرماتے ہیں کہ:
>
> " قلت فاذا كان الواجب عليه أن يرجع عن بغيه باطاعته الخليفة و يترك المخالفة وطلب الخلافة المنيفة فتبين بهذا أنه كان في الباطن باغيا وفي الظاهر متسترا بدم عثمان مراعيا مرائيا فجاء هذا الحديث عليه ناعيا وعن عمله ناهيا لكن كان ذلك في الكتاب مسطورا فصار عنده كل من القرآن والحديث مهجورا فرحم الله من انصف ولم يتعصب ولم يتعسف وتولى الاقتصاد في الاعتقاد لئلا يقع في جانبي سبل الرشاد من الرفض والنصب بان يحب جميع الآل والصحب "[1]
>
> ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ جب معاویہ رضی اللہ عنہ پر واجب تھا کہ وہ خلیفہ کی اطاعت کر کے اپنی باغیانہ سرگرمیوں سے رجوع کرتا اور خلیفہ کی مخالفت اور جنتی خلافت کی طلب وخواہش ترک کر دیتا (مگر اس نے یہ کام نہیں کیا) تو ظاہر ہو گیا کہ وہ باطن (حقیقت) میں باغی تھا اور ظاہری طور پر اس نے قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کا لبادہ اپنی مخالفت کے لئے ریاکارانہ طور پر اوڑھ

---

[1] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح ۱۱/ ۱۰ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۱۲۹)

رکھا تھا۔ سو یہ حدیث اُس کے گناہ کو ظاہر کرنے اور اس کے عیب کا اعلان کرنے اور اس کے عمل بغاوت سے روکنے کے لئے آگئی، لیکن یہ سب کچھ مقدر ہو چکا تھا۔ (ترجمہ ختم)

پس قرآن و حدیث دونوں معاویہ ﷺ کے نزدیک متروک ہو گئے۔ سو اللہ رحم کرے اس شخص پر جس نے تعصب نہ کیا اور نہ ہی ظلم کیا اور اعتقاد میں میانہ روی اختیار کی، تاکہ صراط مستقیم سے ہٹ کر رفضیت اور ناصبیت میں نہ جا پڑے اور تمام آل و اصحاب سے محبت رکھے۔ (ترجمہ ختم)

ملا علی قاریؒ کی مذکورہ تشریح سے حسب ذیل امور ثابت ہوئے:

۱۔ معاویہ ﷺ کو چاہیے تھا کہ بغاوت سے رجوع کرتا۔

۲۔ معاویہ ﷺ کو خلیفہ کی اطاعت کرنی چاہیے تھی۔

۳۔ معاویہ ﷺ کو چاہیے تھا کہ وہ خلیفہ کی مخالفت اور ناجائز خلافت کی طلب ترک کر دیتا۔

۴۔ معاویہ ﷺ باطن (حقیقت) میں باغی تھے۔

۵۔ معاویہ ﷺ نے دکھلاوے اور ریاکارانہ طور پر دم عثمان کی آڑ لے رکھی تھی۔

۶۔ حدیث عمار ﷺ معاویہ ﷺ کے باغی ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر رہی ہے۔

۷۔ معاویہ ﷺ نے قرآن و حدیث کے واضح احکام کی خلاف ورزی کی۔

۸۔ انصاف اور اعتدال یہ ہے کہ معاویہ ﷺ کو مذکورہ بالا امور کا مرتکب سمجھا جائے۔"[1]

## دریں چہ شک؟:

اس میں شک ہی کیا ہے کہ حضرت معاویہ ﷺ کو چاہیے تھا کہ وہ خلیفۂ برحق یعنی حضرت علی ﷺ کی مخالفت اور ناجائز خلافت کی طلب ترک کر کے بغاوت سے رجوع کرتے اور خلیفہ کی اطاعت کرتے؟ لیکن چوں کہ انہوں نے یہ سب کچھ نہیں کیا اس لئے فقہی احکام کے اعتبار سے وہ "باغی" کہلائے۔

---

[1] (سیدنا معاویہ ﷺ کے ناقدین: ص ۱۲۹)

## پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی کج فہمی:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے یہاں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا جو یہ مطلب مراد لیا ہے کہ
''۴۔۔معاویہ رضی اللہ عنہ باطن (حقیقت) میں باغی تھے۔

۵۔معاویہ رضی اللہ عنہ نے دکھلاوے اور ریاکارانہ طور پر دم عثمان رضی اللہ عنہ کی آڑ لے رکھی تھی۔''

وہ انتہائی غلط اور خلاف تحقیق ہے، اس لئے کہ اگر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کے سیاق و سباق کو سامنے رکھا جائے تو اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ:

## ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا صحیح مطلب:

''حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ قصاص دم عثمان رضی اللہ عنہ کی بناء پر لڑائی کر رہے تھے تو اس وقت تک بہت سے لوگوں کو کسی کے بارے میں بھی یہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ ان دونوں میں سے کون حق پر ہے اور کون غلطی پر؟ لیکن جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے ہاتھوں شہید ہو گئے تو یہ بات خوب اچھی طرح کھل کر سامنے آگئی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جو بہ ظاہر ایک معقول تاویل کے سائے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی کر رہے ہیں باطن (حقیقت) میں وہی باغی ہیں اور غلطی پر ہیں۔''

چنانچہ اگر آپ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ عبارت پر دوبارہ غور کریں کہ:

" فتبين بهذا أنه كان في الباطن باغيا وفي الظاهر متسترا بدم عثمان "

ترجمہ: پس اس (حدیث عمار رضی اللہ عنہ) سے ظاہر ہو گیا کہ وہ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) باطن (حقیقت) میں باغی تھے اور بظاہر دم عثمان رضی اللہ عنہ میں چھپے ہوئے تھے۔ (ترجمہ ختم)

تو آپ کو یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ آجائے گی۔

باقی اس بات میں کیا شک ہے کہ حدیث عمار رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے باغی ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر رہی ہے؟ پس اگر اس معاملہ میں غلطی سے کسی طرح قرآن و حدیث دونوں ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مجبور ہو گئے تو اس میں حیرانگی والی کون سی بات ہے؟ اس لئے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ معصوم تو نہیں تھے کہ ان سے کسی غلطی کا صدور ہی ممکن نہ

ہونا جیسا کہ حضرات انبیا علیہم السلام سے غلطی کا صدور ممکن نہیں ہوتا، بلکہ وہ صحابی تھے اور صحابی سے بعض مرتبہ کسی ایسی غلطی کا صدور ہونا عین ممکن ہے کہ جس کی قرآن وحدیث میں بالکل اجازت نہ ہو۔ اس کی بیسیوں مثالیں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں موجود ہیں، جن کے ذکر کرنے کا یہ موقع نہیں۔ اس کے لئے کتب حدیث کی "کتاب الحدود" دیکھ لینا کافی ہے۔

لہٰذا اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کسی ایسی غلطی کا صدور ہو گیا کہ جس سے اُن سے کسی طرح قرآن وحدیث دونوں ہی مجبور ہو گئے تو ایسا عین ممکن ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ عنہ کے تمام گناہ معاف فرما دیے ہیں۔ اس لئے آپ رضی اللہ عنہ مغفور ضرور ہیں لیکن معصوم نہیں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نہ تو فسق کا حکم لگایا ہے اور نہ ہی فجور کا، بلکہ ایک طرح سے اُن کا دفاع کیا ہے، اور اس سارے معاملے کو تقدیر قرار دیا ہے جو کسی بھی طرح سے ٹل نہیں سکتی تھی۔

اسی طرح پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات کے بارے میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا عبارت سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ:

"۸- انصاف اور اعتدال یہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو مذکورہ بالا اُمور کا مرتکب سمجھا جائے۔"

اپنی جگہ بالکل صحیح اور درست ہے، اور اس میں کسی بھی قسم کا کوئی ابہام اور پیچیدگی نہیں ہے۔

## ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک دوسری عبارت سے ہاشمی صاحب کا غلط استدلال:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

"حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک محاربین اہل بیت کی مذمت کرنا امت کا (اجماعی) مسئلہ ہے۔ چنانچہ وہ ایک دوسرے مقام پر اس "اجماعی عقیدے" کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"فـفـضـل أهل البيت وذم من حاربهم امر مجمع عليه عند العلماء السنة وأكابر أئمة الأمة."[1]

ترجمہ: پس اہل بیت رضی اللہ عنہم کی فضیلت بیان کرنا اور جن حضرات نے ان کے ساتھ

---

[1] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح: ۱۰، ۵۳٤، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۱۳۰)

جنگ کی ہے ان کی مذمت بیان کرنا ایسا مسئلہ ہے، جس پر اہل سنت کے علماء اور امت کے اماموں کا اجماع ہے۔ (ترجمہ ختم)

سخت حیرت ہے کہ ملا علی قاری "محاربین اہل بیت" کے تخطیہ ہی کو نہیں بلکہ ان کی مذمت کو اُمت کا اجماعی مسئلہ قرار دے رہے ہیں۔ حالاں کہ محدثین کرام کے نزدیک ایسا رجحان تشیع کے زمرے میں آتا ہے۔

**"فالتشیع فی عرف المتقدمین هو اعتقاد تفضیل علیٌ علیٰ عثمان وان علیاً کان مصیباً فی حروبه، وان مخالفه مخطیٌ مع تقدیم الشیخین وتفضیلهما"** [1]

ترجمہ: متقدمین کی اصطلاح میں تشیع کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دی جائے اور یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی جنگوں میں حق بجانب اور ان کے مخالف خطاء پر تھے اس کے ساتھ ساتھ وہ تفضیل شیخین کا بھی قائل ہو۔

امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ:

"یہ ضروری نہیں ہے کہ حضرت امیر (یعنی علی رضی اللہ عنہ) تمام اجتہادی و اختلافی امور میں حق پر ہوں اور ان کے مخالف خطاء پر۔" [2]

## محاربین اہل بیت سے کون لوگ مراد ہیں؟:

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہاں "محاربین" کا لفظ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مطلق نقل کیا ہے، جس سے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے بلا قرینہ و قیاس صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کی ذات کو مراد لیا ہے، اور خواہ مخواہ کھینچ تان کر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد اور گستاخ ٹھہرا دیا ہے۔ فیا اسفا!

اور دوسری بات یہ ہے کہ یہاں محاربین اہل بیت سے جنگ جمل و صفین میں حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں برسر پیکار لڑنے والے حضرات (حضرت عائشہؓ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ) مراد نہیں کہ انہیں تو حضرات

---

[1] (تهذیب التهذیب: ۱/ ۹۴) و (فتح الملهم شرح صحیح المسلم: ۱/ ۶۵، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۱۳۱)

[2] (مکتوبات، جلد دوم ص ۵۵ مکتوب نمبر ۳۶) بحوالہ سیدنا معاویہ کے ناقدین ص ۱۳۱)

اہل بیت رضی اللہ عنہم سے کسی قسم کی ذاتی دشمنی وعداوت، بغض وعناد اور دُنیوی حرص ولالچ یا کوئی سیاسی غرض نہ تھی، بلکہ اس سے بعد کے دور میں اہل بیت رضی اللہ عنہم پر زیادتیاں کرنے والے لوگ مراد ہیں، جیسے یزید، ابن زیاد، اور شمر وغیرہ۔ گویا اس سے ہر وہ شخص مراد ہے جو حضرات اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کے ساتھ دشمنی وعداوت، بغض وکینہ اور دُنیوی حرص ولالچ اور سیاسی اغراض ومقاصد رکھتا ہو، اور اُن کے ساتھ لڑتا بھڑتا ہو۔

چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ حضرات اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم سمیت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں معتدل نظریہ وعقیدہ رکھنے والے شخص کو دُعا دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فرحم الله من انصف ولم يتعصب ولم يتعسف وتولى الاقتصاد في الاعتقاد لئلا يقع في جانبي سبيل الرشاد من الرفض والنصب بان يحب جميع الآل والصحب.''[1]

ترجمہ: پس اللہ تعالیٰ رحم کرے اس شخص پر کہ جس نے انصاف سے کام لیا ہو اور تعصب وتعسف کا شکار نہ ہوا ہو اور اس نے عقیدہ میں میانہ روی اختیار کی ہو، تاکہ راہِ ہدایت کی دونوں اطراف (یعنی) رفض وناصبیت میں نہ پڑے اور تمام اہل بیت رضی اللہ عنہم وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت رکھے۔ (ترجمہ ختم)

پس یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک شخص حضرات اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم سمیت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں مناسب اور معتدل نظریہ وعقیدہ رکھنے والے دوسرے لوگوں کے حق میں تو اُن کے لئے اللہ تعالیٰ سے رحم ومہربانی کی دُعا کرے اور دوسری طرف حضرات اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کے ساتھ لڑائی کرنے والوں کی مذمت کرنے پر علماء کا اتفاق نقل کرے؟!۔

---

[1] (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح لملا علي القاري، ج ۹ ص ۳۷۸۹، الناشر: دار الفكر، بيروت، لبنان)

﴿۱۰﴾

# حضرت شیخ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

## (المتوفی ۱۰۵۲ھ بمطابق ۱۶۴۲ء)

### نام ونسب:

آپ کا نام نامی اسم گرامی: عبدالحق، کنیت: ابوالمجد، تخلص: حقی، محدث دہلوی: عرف، والد کا نام: سیف الدین اور دادا کا نام: سعد اللہ ہے۔

آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے:

''عبدالحق بن سیف الدین بن سعد اللہ بن فیروز بن ملک موسیٰ بن ملک معز الدین بن آغا محمد ترک بخاری...... الخ۔''[۱]

### خاندان:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک سربرآوردہ اور ذی وجاہت خاندان کے فرد تھے، وہ نسلاً ترک تھے، اُن کے آباؤ اجداد کا تعلق "ماوراء النہر" سے تھا، سب سے پہلے اس خاندان کے آغا محمد ترک بخاری، سلطان علاء الدین خلجیؒ کے زمانہ میں بخارا سے ''دہلی'' آئے، وہ اپنے خاندان کے سردار اور سربراہ تھے، اس لئے اُن کے ہم راہ بہت سے ترک بھی اپنا اصل وطن چھوڑ کر ''دہلی'' چلے آئے، جن میں ان کے اعزہ واقرباء کے علاوہ مریدین ومتوسلین اور خدام بھی تھے۔[۲]

---

۱ (اخبار الاخیار: ص ۲۷۹، ۲۸۰، ناشر: مطبع ہاشمی میرٹھ، مطبوعہ ۱۲۷۸ھ)

۲ (اخبار الاخیار: ص ۲۷۹، ۲۸۰، ناشر: مطبع ہاشمی میرٹھ، مطبوعہ ۱۲۷۸ھ)

**ولادت باسعادت:**

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اسی ذی حیثیت اور ممتاز گھرانے کے فرد تھے۔ آپؒ مؤرخہ محرم الحرام ۹۵۸ھ بمطابق ۱۵۵۱ء کو ''دہلی'' میں پیدا ہوئے۔ ''شیخ اولیاء'' سے آپؒ کی تاریخ ولادت برآمد ہوتی ہے۔

**ابتدائی تعلیم:**

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی تعلیم اُن کے والد بزرگوار کے سایۂ عاطفت میں ہوئی، بڑھاپے میں آپؒ کے والد ماجد کی ساری توجہ آپؒ ہی کی جانب مرکوز ہوگئی تھی اور ہر وقت آپؒ کو اپنے ساتھ رکھ کر آپؒ کی تعلیم و تربیت میں مشغول رہتے۔ آپؒ نے بارہ تیرہ برس کی عمر میں ''شرح شمسیہ'' اور ''شرح عقائد'' پڑھیں اور پندرہ سولہ برس کی عمر میں آپؒ ''مطول'' اور ''مختصر المعانی'' ختم فرما چکے تھے۔ پھر ایک دو برس کے اندر علوم عقلیہ سے آپؒ نے فراغت حاصل کی، اس کے بعد آپؒ قرآن مجید کے حفظ کرنے میں مشغول ہو گئے، اور تقریباً سال، سوا سال میں آپؒ نے پورا قرآن مجید حفظ کر لیا[۱]۔ اس طرح تعلیم اور حفظ قرآن مکمل کر لینے کے وقت آپؒ کی عمر لگ بھگ انیس بیس برس کے قریب ہوگی، جیسا کہ عبدالحمید لاہوریؒ نے بھی لکھا ہے۔[۲]

**مطالعہ سے شغف:**

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ میں علم کا شوق اور مطالعہ کا ذوق اس قدر زیادہ تھا کہ وہ بچپن ہی سے راحت و آرام، کھیل کود اور سیر و تفریح کی لذتوں سے نا آشنا رہے۔

چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں:

''زمانۂ طفولیت ہی سے مجھے پتہ نہیں کہ کھیل کود کیا چیز ہے؟ نیند کیسی ہوتی ہے؟ مصاحبت اور لطف کس کو کہتے ہیں؟ آرام و آسائش کیا ہے؟ اور سیر و تفریح کیا ہوتی ہے؟:

شب خواب چہ سکون کدام است
خود خواب بعاشقاں حرام است

روزانہ سخت ٹھنڈی ہوا اور گرمی کی چلچلاتی دھوپ میں دو بار دہلی کے مدرسہ میں

---

[۱] (اخبار الاخیار، ص ۲۹۱، ناشر: مطبع ہاشمی میرٹھ، مطبوعہ ۱۲۷۸ھ)

[۲] (بادشاہ نامہ، ۱/۳۳۱)

جاتا تھا، جو غالباً میرے گھر سے دو میل کے فاصلہ پر تھا، دوپہر کو گھر میں بس چند لقمے کھانے کے لئے رُکتا، تا کہ جسم و جان میں حرکت و قوت باقی رہے، اس سے زیادہ اس وقت گھر پر نہ رہتا، ایک مدت تک صبح ہونے سے پہلے ہی مدرسہ پہنچ جاتا اور چراغ کی روشنی میں ایک جزء لکھ لیتا، اس سے بھی عجیب بات یہ تھی کہ گو سارا وقت مطالعہ اور پڑھی ہوئی کتابوں کی بحث و تکرار میں گھرا رہتا تھا مگر اس کے باوجود ان شروح و حواشی کو جو نظر و مطالعہ سے گزرتے تھے لکھ لینا بھی ضروری سمجھتا تھا، رات کا زیادہ حصہ اور دن کا کچھ حصہ مطالعہ میں صرف ہوتا تھا اور رات کا تھوڑا اور دن کا بڑا حصہ لکھنے میں گزرتا تھا'' [۱]

## اساتذہ و شیوخ:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "زاد المتقین"، "اجازات الحدیث في القديم والحديث" اور "أسماء الأساتذين" کے نام سے جو کتابیں لکھی تھیں اُن میں آپؒ کے اساتذہ کا ذکر موجود ہے۔ غالباً آپؒ کے تذکرہ نگاروں نے آپؒ کے اساتذہ کا اسی لئے کوئی ذکر نہیں کیا کہ خود آپؒ ان کے بارے میں مستقل رسالے لکھ چکے ہیں، مگر آپؒ کے یہ رسالے اب دست یاب نہیں، اس لئے آپؒ کے عام اساتذہ کا نام معلوم نہیں ہو سکا، تاہم تفحص و تلاش سے آپؒ کے جن اساتذہ کے نام معلوم ہوئے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) شیخ سیف الدین (۲) محمد مقیم (۳) شیخ عبدالوہاب متقی (۴) قاضی علی بن جار اللہ بن ظہیرہ قرشی مخزومی مکی (۵) شیخ احمد بن محمد بن محمد ابی الحزم مدنی (۶) شیخ حمید الدین بن عبداللہ سندھی مہاجر۔ [۲]

## درس و تدریس کا آغاز:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۹۸۵ھ کے بعد اور اور حجاز کو روانگی سے پہلے درس و تدریس کا کام بھی سرانجام دیا، گو آپؒ کے عام سوانح نگاروں نے اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا، مگر عبدالحمید لاہوری لکھتے ہیں:

''دچوں سنین عمرش بہ عشرین رسید از پایۂ تحصیل بدرجہ تدریس و چندے ہنگامہ افادہ گرم داشتہ بہ پائے طلب بادیہ پیمائی سفر حجاز گردید'' [۳]

---

[۱] (اخبار الاخیار ص ۲۹۲، ناشر مطبع ہاشمی میرٹھ، مطبوعہ ۱۲۷۸ھ)

[۲] (نزهة الخواطر: ۲/۴۳۱، ۴۳۲) [۳] (بادشاہ نامہ: ۱/۳۴۱)

ترجمہ: جب آپؒ کی عمر بیس برس کی ہوئی اور آپ تحصیل علم سے فارغ ہو گئے تو منصب تدریس پر فائز ہوئے اور کچھ دنوں یہ شغل اختیار کرنے کے بعد حجاز مقدس روانہ ہو گئے۔ (ترجمہ ختم)

لیکن جیسا کہ آپؒ نے خود اپنی کتاب "اخبار الاخیار" میں لکھا ہے کہ: "تکمیل علوم کے بعد میں سات آٹھ برس سے زیادہ عرصہ تک دانش وران ماراءالنہر سے استفادہ کرتا رہا ہوں۔" اس لئے بیس برس ہی کی عمر میں منصب درس وتدریس پر فائز ہو جانے کی بات محل نظر ہے، البتہ یہ ممکن ہے کہ علمائے ماوراءالنہر سے استفادہ کے بعد ۹۸۶ھ میں آپؒ درس وتدریس کی مسند پر متمکن ہوئے ہوں۔ بہر حال اس تفصیل سے اتنا معلوم ہوا کہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سفر حجاز کو جانے سے پہلے بھی درس وتدریس کی خدمت سرانجام دی ہے۔ [1]

## سفر حج وزیارت مدینہ:

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعد حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ کے ارادے سے حجاز مقدس کی طرف روانہ ہو گئے، جہاں آپؒ نے بڑے علمی وروحانی مراتب طے کئے، اور ہر سال حج وزیارت کعبہ سے مشرف ہو کر بیش از بیش رُوحانی برکتیں اور سعادتیں حاصل کیں، اور دربار رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر مدینہ منورہ کے انوار وبرکات بھی بھرپور طرح سے سمیٹے۔

کہا جاتا ہے کہ ۹۹۶ھ میں آپ مکہ معظمہ پہنچے اور فریضۂ حج ادا کیا، پھر اس کے دس ماہ بعد مورخہ ۲۳ ربیع الثانی ۹۹۷ھ کو مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو گئے، اور رجب ۹۹۸ھ کے اخیر تک وہیں قیام پذیر رہے۔ اس کے بعد دوبارہ مکہ معظمہ تشریف لائے اور دوسرا حج کیا۔ پھر اس کے بعد شعبان ۹۹۹ھ کے آخری ایام میں "طائف" تشریف لے گئے اور پھر مکہ معظمہ واپس آ کر تھوڑی مدت تک قیام کرنے کے بعد اسی سال ہندوستان کے لئے واپس روانہ ہو گئے۔ [2]

## تصانیف

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے تصنیف وتالیف کا بڑا اچھا ذوق عطا فرما رکھا تھا، جس

---

[1] (التذکرۃ السعدیۃ، (بحذف وتغییر) ۲/ ۴۳۴، ۴۳۵)

[2] (نزهة الخواطر ۵/ ۲۰۶، ۲۰۷، فوائد جامعة: ص ۱۴)

کی مقبولیت اور حسن قبول کا بعد کے مورخین اور تذکرہ نگاروں نے کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔

آپؒ کی تصانیف یہ ہیں:

﴿۱﴾اجازة الحديث في القديم والحديث ﴿۲﴾اجوبة الاثنا عشر في توجيه الصلوٰة علي سيد البشر ﴿۳﴾أحوال الائمة الاثنا عشر ﴿۴﴾أخبار الاخيار ﴿۵﴾آداب الصالحين ﴿۶﴾ آداب اللباس ﴿۷﴾آداب المطالعة والمناظرة ﴿۸﴾اسماء الرجال والرواة المذكورين في كتاب المشكوٰة ﴿۹﴾اقتباس انوار القبس في شرح دعاء انس ﴿۱۰﴾أفكار الصافية في ترجمة كتاب الكافية ﴿۱۱﴾التعليق الحاوي علي تفسير البيضاوي ﴿۱۲﴾الجواهر المضية في شرح الدرر البهية ﴿۱۳﴾ألفوائد في الفقه والعقائد ﴿۱۴﴾انتخاب المثنوي المولوي المعنوي ﴿۱۵﴾الأنوار الجلية في أحوال المشائخ الشاذلية ﴿۱۶﴾ايراد العبارات لبيان أهل الاشارات ﴿۱۷﴾البناء المرفوع في ترصيص مباحث الموضوع ﴿۱۸﴾ تاليف القلب الأليف بذكر فهرس التواليف ﴿۱۹﴾ تجلية القلوب القدس الملكوت بشرح دعاء القنوت ﴿۲۰﴾تحصيل البركات والطيبات ببيان معني التحيات ﴿۲۱﴾ تحصيل التعريف في معرفة الفقه والتصوف ﴿۲۲﴾ تحصيل الغنائم والبركات بتفسير سورة والعاديات ﴿۲۳﴾ تحقيق الاشارة الي تعميم البشارة ﴿۲۴﴾ترجمة غنية الطالبين (في الفارسية وهو نادر معدوم) ﴿۲۵﴾ ترجمة مكتوب النبي الأمي في تعزية ولد معاذ بن جبل ﴿۲۶﴾ترجمة منهج السالك الي أشرف المسالك ﴿۲۷﴾ترغيب أهل السعادات علي تكثير الصلوٰة علي سيد الكائنات ﴿۲۸﴾ تسلية المصاب لنيل الأجر والصواب (في الصبر) ﴿۲۹﴾ تكميل الايمان وتقوية الايمان ﴿۳۰﴾ تنبيه العارف بما وقع في العوارف ﴿۳۱﴾ توصيل المريد الي المراد ببيان أحكام الأحزاب والأوراد ﴿۳۲﴾ جامع البركات ﴿۳۳﴾ جذب القلوب الي ديار المحبوب ﴿۳۴﴾جواب بعض كلمات شيخ أحمد سرهندي ﴿۳۵﴾حاشية الفوائد الضيائية ﴿۳۶﴾ألدرة البهية في اختصار الرسالة الشمسية ﴿۳۷﴾ الدرة الفريد في بيان قواعد التجويد ﴿۳۸﴾ دفاتر ﴿۳۹﴾ ذكر سلوك ﴿۴۰﴾ رسالة اثبات توقيت ﴿۴۱﴾ رسالة أقسام الحديث ﴿۴۲﴾ رسالة تنبيه أهل الفكر برعاية آداب الذكر ﴿۴۳﴾ رسالة ذكر الأحوال والأقوال بهند

على رعاية طريق الاستقامة والاعتدال ﴿۴۴﴾ رسالة شب برأت ﴿۴۵﴾ رسالة عقد الأنامل ﴿۴۶﴾ رسالة في أسرار الصلوة ﴿۴۷﴾ رسالة نورية سلطانية ﴿۴۸﴾رسالة وجودية ﴿۴۹﴾زاد المتقين ﴿۵۰﴾ زبدة الآثار منتخب بهجة الأسرار ﴿۵۱﴾شرح أسماء الرجال للبخاري ﴿۵۲﴾ شرح سفر السعادة ﴿۵۳﴾شرح الشمسية ﴿۵۴﴾شرح الصدور بتفسير آية النور ﴿۵۵﴾شرح فتوح الغيب ﴿۵۶﴾شرح القصيدة الجزرية ﴿۵۷﴾صحيفة المودة ﴿۵۸﴾فصول الخطب لنيل اعالي الرتب ﴿۵۹﴾ كتاب الفوائد والصلوة ﴿۶۰﴾ماثبت بالسنة في أحكام السنة ﴿۶۱﴾مدارج النبوة ﴿۶۲﴾مرج البحرين ﴿۶۳﴾ مكتوبات و رسائل ﴿۶۴﴾نكات الحق والحقيقة من معارف الطريقة ﴿۶۵﴾نكات العشق والمحبة في تطيب قلوب الأحبة ﴿۶۶﴾وصيت نامه ﴿۶۷﴾هداية الناسک الى طريق المناسک ﴿۶۸﴾اشعة اللمعات شرح مشكوة (في الفارسية) ﴿۶۹﴾لمعات التنقيح على مشكوة المصابيح [1]

## وفات حسرت آیات:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات منورہ ۲۲ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ بروز دوشنبہ (پیر کے دن) کو دارالسلطنت دہلی میں ہوئی، اُس وقت آپ کی عمر مبارک چورانوے (۹۴) برس تھی۔ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کا نماز جنازہ آپ کے فرزند ارجمند شیخ نورالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی اور "حوض شمسی" کے قریب ایک قبرستان میں دفن کیے گئے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی قبر پر ایک لوح لگانے کی بھی وصیت فرمائی تھی جو اُن کے صاحب زادے شیخ نورالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لگائی اور اُس پر تاریخ وفات اور مختصر حالات بھی جامعیت کے ساتھ تحریر فرمائے۔ آپ کی قبر مبارک آج بھی زیارت گاہ خلائق ہے۔ [2]

لیکن بایں ہمہ فضل وکمال شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے معاندین وحاسدین کے عناد وحسد اور اُن کے کینہ وبغض سے کسی بھی طرح محفوظ نہ رہے۔

---

[1] (تذكرة المحدثين (باختصار): ۲/۵۲۸.....۵۶۱)

[2] (تذكرة المحدثين (باختصار): ۲/۵۲۴، ۵۲۵)

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب آپ پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ''نقد'' کے حوالے سے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا کردار زیر بحث ہے۔ موصوف نے ''شرح سفر السعادة'' میں اس بات کی تائید کی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہوئی۔ علامہ عبدالعزیز فرہاروی اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

'' ولم ینصف الشیخ عبد الحق الدھلوی فی شرح سفر السعادة فانہ اقر کلام المصنف ولم یتعقب کتعقبہ علیٰ سائر تعصباتہ ''[1]

[1] (الناھیة عن طعن معاویة ، ص ۳۴ بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۱۳۲)

ترجمہ: اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ''شرح سفر السعادة'' میں انصاف نہیں کیا۔ کیوں کہ انہوں نے مصنف کے اس فقرہ پر تعقب نہیں کیا جیسا کہ اس کے دوسرے تعصبات پر تعقب کیا ہے۔ (ترجمہ ختم)

## حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ''عدم صحت روایت'' سے کیا مراد ہے؟

علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب سر آنکھوں پر تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کتابوں میں جو یہ منقول ہے کہ ان کے فضائل میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے تو یہ قول صرف شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نہیں بلکہ دوسرے بھی کئی اہل علم کا ہے۔

### امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ:

چنانچہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ مشہور ہے کہ جب وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب لکھ کر فارغ ہوئے تو چاہا کہ جامع دمشق میں لوگوں کے سامنے اس کتاب کو بیان کردیں، تاکہ وہاں کے لوگ جو بنی اُمیہ کی مدت مدید تک شام میں سلطنت کے باعث ناصبی مذہب کی طرف مائل ہو گئے ہیں، ہدایت یافتہ ہو جائیں۔ (ابھی آپ نے) اس کتاب کا تھوڑا ہی حصہ بیان کیا تھا کہ ایک شخص نے پوچھا کہ ''امیر المؤمنین معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں بھی آپ نے تحریر کچھ کیا ہے؟'' امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے تو بس اتنا ہی کافی ہے کہ انہیں برابر نجات مل جائے، اُن کے فضائل ہی کہاں ہیں؟'' بعض کہتے ہیں کہ '' آپ نے یہ بات بھی فرمائی تھی کہ '' میرے

(نزدیک اُن کے مناقب میں کوئی صحیح روایت ثابت نہیں ، سوائے " لا أشبع الله بطنه " کے۔" (یہیں سے) عوام الناس نے اُن پر تشیع کا الزام جڑ دیا اور چند ضربیں اُن کے خصیتین میں لگیں جن کی وجہ سے وہ نیم جاں ہو گئے۔[1]

لہٰذا اگر عدم صحت روایت سے مراد یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کوئی حدیث سرے سے ثابت ہی نہیں ہے تو یہ قول بالکل درست نہیں، اس لئے کہ متعدد روایات جو "حسن" درجہ کی ہیں وہ آپ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں موجود اور ثابت ہیں، اگر چہ اُن کا درجہ اصطلاحی صحت کے درجہ سے کم ہے۔ اور جو روایات حسن درجہ کی ہوں وہ محدثین عظام کے نزدیک مقبول ہوتی ہیں اور اُن سے احکام شرعیہ بھی ثابت ہوتے ہیں اور یہ اُصول علمائے کرام کے نزدیک تسلیم شدہ ہے۔ لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان احادیث کا پایا جانا جو حسن درجہ کی ہوں عدم صحت روایت کے قول کے جواب میں کافی ووافی ہیں۔

امام اہل سنت حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۰۱۴ء) لکھتے ہیں:

"اگر عدم صحت روایت سے مراد یہ ہے کہ ان کی فضیلت میں کوئی حدیث ثابت نہیں تو یہ قول درست نہیں کیوں کہ متعدد روایات جو درجۂ حسن میں ہیں وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں موجود اور ثابت ہیں اگر چہ ان کا اسناد اصطلاحی صحت کے درجے سے کم ہے۔ اور جو روایات درجۂ حسن میں ہوں وہ محدثین کے نزدیک مقبول ہیں اور ان سے شرعی احکام ثابت ہوتے ہیں۔ یہ قاعدہ عند العلماء تسلیم شدہ ہے۔ فلہٰذا احسان روایات کا حضرت امیر معاویہ ؓ کے حق میں پایا جانا عدم صحت روایت کے قول کے جواب میں کافی ہے۔"

چنانچہ مولانا عبد العزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"فإن أريد بعدم الصحة عدم الثبوت فهو مردود لما مر بين المحدثين فلا حير ، فإن فسحتها ضيقة وعامة الأحكام والفضائل انما تثبت بالأحاديث الحسان لعزة الصحاح ولاينحط ما في المسند والسنن عن درجة الحسن ."[2]

---

[1] (بستان المحدثين للدهلوي : ص ۱۱۱) [2] (الناهية عن طعن أمير المؤمنين معاوية : ۱/ ۶۸، الناشر : غراس النشر والتوزيع ، الكويت ، بحوالہ سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ۲/ ۶۶۳، ۶۶۴، ناشر: دار الکتاب ، اردو بازار ، لاہور)

ترجمہ: پس اگر عدم صحت سے مراد عدم ثبوت ہے تو یہ قول مردود ہے۔ اور اگر صحت سے "صحة مصطلحة عند المحدثین" مراد ہے تو پھر کوئی حرج نہیں، کیوں کہ اس کا دائرہ تنگ ہے۔ اور عام احکام اور فضائل جو ہیں وہ بھی احادیث صحیحہ کی قلت کی وجہ سے احادیث حسان ہی سے ثابت ہیں۔ اور مسند اور سنن کی احادیث درجہ حسن سے کم تر نہیں ہوتیں۔ (ترجمہ ختم)

پس معلوم ہوا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ یا بعض دوسرے علماء نے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ: "ان کے فضائل میں کوئی صحیح حدیث مروی نہیں۔" تو اس سے وہ صحیح مراد نہیں جس کی ضد "غلط" آتی ہے اور جس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں کوئی قابل اعتماد حدیث مروی نہیں بلکہ موضوع اور من گھڑت احادیث مروی ہیں۔ بلکہ اس "صحیح" سے مراد محدثین عظام کا اصطلاحی "صحیح" مراد ہے جس کا درجہ حسن سے اوپر کا ہوتا ہے۔

چنانچہ امام اہل سنت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۴۳۵ھ ۲۰۱۴ء) لکھتے ہیں:

"اکابر علمائے کرام نے محدثین کی مصطلحات کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بعض لوگوں کو محدثین کا قول: "لا یصح ولا ثبت ھذا الحدیث" کے مفہوم کو سمجھنے میں غلط فہمی ہو جاتی ہے، حالاں کہ اس قول کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ روایت "موضوع" ہے یا "ضعیف" ہے بلکہ ان لوگوں سے یہ قول محدثین کی مصطلحات سے ناواقفیت اور لاعلمی کی بناء پر صادر ہوا ہے۔"

ابو الحسنات مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"کثیراً ما یقولون ما لایصح ولایثبت ھذا الحدیث . ویظن منه من لا علم له أنه موضوع أو ضعیف وھو مبني علی جھله بمصطلحاتھم وعدم وقوفه علی مصرحاتھم." [1]

---

[1] الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل للکنوی (ص ۸۶)، بحوالہ سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ۲/۲۹۸ (ناشر: دارالکتاب اردو بازار لاہور)

ترجمہ: بہت سی دفعہ علماء جو یہ کہتے ہیں کہ "لایصح ولا یثبت هذا الحديث" تو اس سے کم علم لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ حدیث "موضوع" ہے یا "ضعیف" ہے، اور یہ چیز مصطلحات حدیث سے جاہل اور محدثین عظام کی تصریحات سے ناواقف ہونے پر مبنی ہوتی ہے۔ (ترجمہ ختم)

## مسئلہ ہذا پر چند تمثیلات:

چنانچہ اہل علم کی خاطر کے باعث اس کی چند ایک تمثیلات یہاں ذکر کی جاتی ہیں:

١- قال الحافظ ابن حجر في تخريج أحاديث الأذكار المسمّى نتائج الأفكار: ثبت عن أحمد بن حنبل أنه قال: لاأعلم في التسمية أي في الوضوء حديثاً ثابتاً - قلت: لايلزم من نفي العلم ثبوت العدم، وعلى التنزل: لايلزم من نفي الثبوت ثبوت الضعف، لاحتمال أن يراد بالثبوت الصحة فلا ينتفي الحسن."[1]

ترجمہ: حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ "نتائج الأفكار في تخريج أحاديث الأذكار" میں فرماتے ہیں کہ: "امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ: "وضوء میں تسمیہ کے متعلق کوئی ثابت حدیث مجھے معلوم نہیں۔" میں کہتا ہوں کہ: "علم کی نفی سے نہ ہونے کا ثبوت لازم نہیں آتا۔ اور بر سبیل تنزل نفی کے ثبوت سے ضعف کا ثبوت لازم نہیں آتا کیوں کہ اس بات کا احتمال ہوتا ہے کہ "ثبوت" سے "صحت" مراد ہو، لہٰذا حسن منتفی نہیں ہوتا۔ (ترجمہ ختم)

٢- وقول الامام أحمد: "لايصح" لايلزم منه أن يكون باطلاً كما فهمه ابن القيم. فقد يكون الحديث غير صحيح، وهو صالح للاحتجاج به بان يكون حسناً. والله تعالى أعلم."[2]

ترجمہ: اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول: "لايصح" سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ باطل ہو جیسا کہ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے سمجھ رکھا ہے، اس لئے کہ کبھی ایک حدیث "صحیح" نہیں ہوتی، لیکن "حسن" ہونے کی

---

[1] (الرفع والتكميل في الجرح والتعديل: ١/١٩٤، الناشر: مكتب المطبوعات الإسلامية، حلب)

[2] (تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأخبار الشنيعة الموضوعة للكناني: ٢/١٥٨، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت) و (الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة لملا علي القاري: ١/٤٧٤، الناشر: دار الأمانة / مؤسسة الرسالة، بيروت)

سے وہ حجت بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔(ترجمہ ختم)

۳ – وقال نور الدين السمهودي في جواهر العقدين في فضل الشرفين، قلت: لايلزم من قول احمد في حديث التوسعة على العيال يوم عاشوراء لايصح أن يكون باطلاً فقد يكون غير صحيح وهو صالح للاحتجاج به اذا الحسن رتبته بين الصحيح والضعيف. انتهى".[۱]

ترجمہ: علامہ نورالدین سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے "جواهر العقدين في فضل الشرفين" میں لکھا ہے کہ "میں کہتا ہوں کہ عاشورہ کے دن اہل وعیال پر وسعت کرنے کی حدیث کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کہ: "یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔" سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ حدیث باطل ہے، اس لئے کہ بعض دفعہ ایک حدیث صحیح نہیں ہوتی، حالاں کہ وہ حجت بننے کی صلاحیت رکھتی ہے(بایں طور کہ وہ حسن ہو) کیوں کہ "حدیث حسن" کا مرتبہ صحیح اور ضعیف حدیث کے درمیان ہوتا ہے۔ انتھی۔" (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ "لایصح" کے مفہوم کو کبار علمائے حدیث حافظ ابن حجرؒ، ابن عراقؒ، علامہ نورالدین ہیثمیؒ مولانا عبدالحی لکھنویؒ وغیرہم نے واضح کر دیا ہے، جس میں اشتباہ باقی نہیں رہا۔ یعنی اگر بعض لوگوں کی جانب سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کی روایت کے متعلق "عدم صحت" کا قول پایا گیا ہے تو وہ کوئی مضر نہیں، اس سے واقع میں "کوئی مقبول روایت" کی نفی نہیں ہو سکتی۔ یعنی عدم صحت کا قول عدم کو مستلزم نہیں ہے بلکہ اثبات فضیلت ہذا میں درجہ حسن کی روایات موجود ہیں اور قابل احتجاج ہیں۔ ان سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا شرف اور فضیلت بہتر طریق سے ثابت ہے اور جمہور علمائے امت اس کو صحیح قرار دیتے ہیں اور درست تسلیم کرتے ہیں۔"[۲]

خلاصہ کلام:

الغرض شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ فرمانا کہ ان کے فضائل میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں اس سے وہ صحیح مراد نہیں کہ جس سے اس کا مفہوم مخالف لازم آتا ہے یعنی اگر کوئی صحیح حدیث موجود نہیں تو پھر موضوع اور من گھڑت احادیث موجود ہوں گی یہ مراد نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ محدثین عظام کی اصطلاح کے مطابق اس سے وہ "حسن احادیث" مراد ہیں جو ضعیف سے اوپر کی درجہ کی ہوتی اور صحیح سے نیچے

---

۱ (الرفع والتكميل في الجرح والتعديل للكنوي: ۱/۱۹۵، الناشر: مكتب المطبوعات الإسلامية، حلب)

۲ (سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ۳/۶۶۷ ــ ۶۶۹، ناشر: دارالکتاب اردو بازار لاہور)

درجہ کی ہوتی ہیں۔ لہٰذا شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں کوئی صحیح درجہ کی حدیث موجود نہیں ہے، البتہ حسن درجہ کی احادیث ضرور موجود ہیں۔

## شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پر طعن صحابہ رضی اللہ عنہم کا الزام:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنے ایک مضمون زیر عنوان "فضائل مدینۃ النبیؐ" میں فرماتے ہیں:

''امام احمد بن حنبلؒ صحیح حدیث میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ''فتنہ پرواز سرداروں میں سے ایک سردار مدینہ میں آیا۔ جابر رضی اللہ عنہ اس وقت مدینہ میں تھے اور آپؓ کی بینائی کبرسنی کی وجہ سے جاتی رہی تھی۔ ان سے کہا کہ ''مصلحت وقت اسی میں ہے کہ اس ظالم کے مقابلے سے تھوڑے دنوں کے لئے کنارہ کشی اختیار کی جائے، تاکہ اس فتنہ کی آفت اور اس میں ابتلاء کے خوف سے محفوظ رہیں۔'' چنانچہ آپؓ اپنے دونوں صاحب زادوں کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر مدینہ منورہ سے باہر جا رہے تھے۔ ضعف پیری اور بینائی کے نہ ہونے کی وجہ سے یکایک زمین پر گر پڑے۔ اس وقت آپؓ نے کہا: ''ہلاکت ہو اس شخص کی جس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈرایا۔'' آپؓ کے ایک لڑکے نے دریافت کیا کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ڈرانا کس طرح ہے؟ حالاں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دار فانی سے دار بقاء کو تشریف لے جا چکے ہیں۔'' اس پر جابر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ: ''پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ: ''جس شخص نے اہل مدینہ کو ڈرایا، بے شک گویا اس نے مجھ کو ڈرایا۔'' نسائی کی روایتوں میں آیا ہے: ''جو شخص اہل مدینہ کو ڈرائے اس کو اللہ ڈراتا ہے اور اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔''

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ: ''اس کا کوئی عمل فرض یا نفل قبول نہیں ہے۔'' نیز اس باب میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ سید فرماتے ہیں کہ: ''بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امیر مشارٌ الیہ جس سے جابر بھاگے تھے بسر بن ارطاۃ تھا۔ اس لئے کہ قرطبیؒ ابن عبدالبرؒ سے

روایت لاتے ہیں کہ معاویہ ؓ نے دوحکموں کے فیصلہ کرنے کے بعد بسر بن ارطاۃ کو ایک بڑی فوج کے ساتھ مدینہ منورہ بھیجا، تاکہ اس شہر کے باشندوں سے ان کی خلافت پر عہد بیعت لیں۔ حضرت ابوایوب انصاری اس وقت امیر المومنین حضرت علی کی جانب سے مدینہ میں عامل تھے۔ خوف فرار کی وجہ سے جناب ولایت مآب مرتضوی سے جا ملے۔ بسر مدینہ میں آیا اور کہا کہ اگر امیر المومنین کا عہد اوران کا حکم نہ مانو گے تو اس شہر میں ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا اور سب کو تیغ سیاست سے ہلاک کر دوں گا۔ اس کے بعد تمام اہل مدینہ کو معاویہ کی بیعت کے لئے طلب کیا اور ایک قاصد بنی سلمہ میں بھیجا کہ اگر تم جابر بن عبداللہ کو حاضر نہ کرو گے تو میرے ذمہ اور امان میں نہیں ہو۔ جابر نے جب یہ خبر سنی تو ام سلمہ کی خدمت میں آئے اور ان سے صورت حال بیان کی اور بسر کی مجلس میں حاضر ہونے کی بابت مشورہ کیا اور کہا کہ یہ بیعت ضلالت ہے اس میں فلاح کی امید نہیں ہے، لیکن ترک بیعت میں امان بھی نہیں ہے۔ ام سلمہ نے حضرت جابر کو چاروناچار بیعت کی اجازت دے دی۔ اکثر اہل مدینہ بھاگ کر حرہ بنی سلیم میں جا چھپے۔ علماء نے فرمایا ہے یہ لعنت جو اہل مدینہ پر ظلم وفساد کا ارادہ کرنے والوں پر وارد ہوئی ہے لعنت کفار اور اہل شرک کے مثل نہیں ہے، جس میں رحمت الٰہی اور نعمت غیر متناہی سے مطلقاً ناامیدی پائی جاتی ہے، یا جنت میں داخلہ سے محرومی کے نتائج مترتب ہوتے ہیں۔ بلکہ اس لعنت کا مآل کار دربار جل جلالہ میں رحمت خاص حاصل کرنے سے دور رہنا ہے اور اول اول اہل قرب اور اصحاب پاکیزہ کے گروہ کے ساتھ بہشت میں داخل ہونے سے محروم رہتا ہے۔ جن کا دامن عصمت ظلم وفساد کی نجاست سے پاک رہا ہے۔ اس لعنت کا مقصد حقیقت میں لوگوں کو بے ادبی پر ذرا دھمکانا ہے کہ اس مقام پاک کا احترام کیوں نہیں کیا۔ اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس شہر میں گناہ صغیرہ، کبیرہ کا حکم رکھتا ہے۔ جس طرح بعض علما حرم مکہ میں گناہ کے دوگنا ہوجانے کے قائل ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم۔"[1]

مولانا اللہ وسایا صاحب نے حسب عادت دور مشاجرات کے "غیر ثابت"

---

[1] (ماہنامہ لولاک صفر ۱۴۳۷ھ مطابق دسمبر ۲۰۱۵ء، بحوالہ: سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین ص ۱۳۲ ۔ ۱۳۶)

واقعات کو "لولاک" کے اوراق کی زینت بنایا۔"

## شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پر سے طعن صحابہ ﷺ کی تردید:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا منشاء ان واقعات کے ذکر کرنے سے حضرات صحابہ کرام کی ذات کو طعن وتشنیع کا ہدف بنانا ہرگز مقصود نہیں، بلکہ ان واقعات کے ذکر کرنے سے محض آپ کا مقصد مدینہ منورہ کے فضائل و مناقب بیان کرنا ہے، (۱) چوں کہ مدینہ منورہ کے فضائل کے ساتھ ساتھ مشاجرات صحابہ ﷺ کے بھی بعض واقعات تاریخ کی کتابوں میں درج ہیں اس لئے تبعاً وہ بھی ان کے ذمرے میں آگئے، اگر چہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر موضوع سے وہ متعلق نہیں ہیں۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے مضمون پر:

"فضائل مدينة النبي"

کا عنوان قائم کرنا ہمارے اس دعوے پر روز روشن کی طرح شاہد عدل ہے۔

## ہاشمی صاحب کا مشاجرات صحابہ ﷺ کے ناقابل اعتماد واقعات سے غلط استدلال:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

"پھر تصویر کا دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ حضرت بسر کے مقابلے کے لئے حضرت علی ﷺ نے حضرت جاریہ بن قدامہ ﷺ کو بھیجا تھا جنہوں نے بقول انہی مؤرخین کے پوری بستی کو جلا ڈالا اور حامیان سیدنا عثمان ﷺ کو پکڑ پکڑ کر ان کی گردنیں اڑا دیں۔ مسجد نبوی ﷺ میں حضرت ابو ہریرۃ ﷺ نماز پڑھا رہے تھے تو حضرت علی ﷺ کے سپہ سالار جاریہ بن قدامہ ﷺ کی آہٹ سن کر حالت نماز میں ہی وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے تو حضرت جاریہ بن قدامہ ﷺ نے حسرت بھرے لہجے میں کہا کہ:

"والله لو أخذت أبا سنور (أباهريرة) لضربت عنقه"

ترجمہ: اللہ کی قسم بلی والا (ابو ہریرۃ ﷺ) اگر میرے قابو میں آجاتا تو میں اس کی گردن مار دیتا۔

حضرت علی ﷺ کے فرستادہ حضرت جاریہ ﷺ کے مظالم، قتل و غارت آگ میں

جلانے کی سزا دینا اور حضرت ابو ہریرۃ ﷛ کی توہین کرنا، نیز پہلے اہل مدینہ کو خوف زدہ کرنا کیا شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ مذکورہ احادیث کی وعید میں شامل نہیں ہیں؟ کیا حضرت علی ﷛ نے حضرت جاریہ ﷛ کو ان مظالم کے بپا کرنے پر کوئی سزا دی؟" [۱]

## مقام صحابہ ﷛ اور تاریخی روایات کا مسئلہ:

یہ اور اس جیسے دوسرے مذکورہ بالا مشاجرات صحابہ ﷛ سے متعلق واقعات چوں کہ نا قابل اعتماد اور غیر ثابت شدہ تاریخی روایات پر مبنی ہیں، اس لئے ہم بسر بن ارطاۃ کے مظالم سے حضرت معاویہ ﷛ کے صرف نظر کرنے اور حضرت جاریہ بن قدامہ ﷛ کے مظالم سے حضرت علی ﷛ کے صرف نظر کرنے سے ان دونوں حضرات کو معذور اور بری سمجھتے ہیں، کیوں کہ یہ ایک ایسے ابتلائی دور کے نا قابل اعتماد اور غیر ثابت شدہ واقعات ہیں کہ جن کے بارے کوئی بھی حتمی رائے قائم کرنا از بس دشوار ہے۔

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم لکھتے ہیں:

> "ہم ان زیادتیوں سے حضرت علی ﷛ اور حضرت معاویہ ﷛ دونوں کو بری سمجھتے ہیں اور نا قابل اعتماد تاریخی روایات کی بناء پر ان حضرات میں سے کسی کو مورد الزام قرار دینا جائز نہیں سمجھتے، کیوں کہ ان روایات کی صحت کا کچھ پتہ نہیں۔" [۲]

پس ثابت ہوا کہ ان مشکوک اور نا قابل اعتماد تاریخی روایات و واقعات کی بناء پر کوئی بھی صحابی شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ مذکورہ احادیث کی وعید میں ہرگز شامل نہیں ہے۔

## "بسر بن ارطاۃ" کی "صحابیت" اور "عدم صحابیت" کے متعلق بحث:

حضرت بسر بن ارطاۃ صحابی تھے یا تابعی؟ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ صحابی تھے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> "یہ ملحوظ رہے کہ حافظ ابن عبد البر (م ۴۶۳ھ) نے حضرت بسر بن ارطاۃ کو صحابہ کے ذیل میں ذکر کیا ہے۔

---

[۱] (تاریخ طبری: ۳/۸۱، تحت ۴۰ھ، البدایہ والنہایہ لابن کثیر: ۷/۳۲۲، تحت ۴۰ھ، بحوالہ: (سیدنا معاویہ ﷛ کے ناقدین: ۱۳۶)

[۲] (حضرت معاویہ ﷛ اور تاریخی حقائق: ص ۶۷، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) نے بھی حضرت بُسر بن ارطات کا ذکر "القسم الأوّل" کے تحت کرتے ہوئے واضح طور پر لکھا ہے کہ:

"وقال الدار قطني : له صحبة . وقال ابن يونس : كان من أصحاب رسول الله...... وقال ابن حبان...... وله أخبار شهيرة في الفتن لاينبغي التشاغل بها." [1]

ترجمہ: امام دار قطنیؒ نے کہا کہ: "بسر بن ارطاۃ کو نبی کریم ﷺ کی صحبت حاصل ہے۔" اور ابن یونسؒ نے کہا کہ: "وہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم میں شامل ہیں۔" اور ابن حبانؒ نے کہا کہ: "ان (وہ) فتن کے کچھ واقعات مشہور ہیں ان میں مشغول نہیں ہونا چاہیے۔" [2]

## بسر بن ارطاۃ کی صحابیت وعدم صحابیت کے متعلق علماء کا مسلک:

جہاں تک بسر بن ارطاۃ کے صحابی اور عدم صحابی ہونے کے مسئلہ کا تعلق ہے تو اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء نے انہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت میں شامل کیا ہے، جب کہ بعض دوسرے علماء نے ان سے صحابیت کی نفی کی ہے۔

## پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی طوطا چشمی:

لیکن اس موقع پر آپ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی طوطا چشمی اور ان کی علمی خیانت تو ذرا ملاحظہ فرمائیں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں جہاں انہیں بسر بن ارطاۃ کے صحابی ہونے کا قول نظر آیا وہ تو انہوں نے قطعی اور یقینی سمجھ کر نقل کر ڈالا اور جہاں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ہی کی عبارت میں ان کے صحابی نہ ہونے کا قول نظر آیا تو وہاں پر انہوں نے طوطا چشمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے صرف نظر سے کام لیا اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ قول نقل نہیں کیا۔

چنانچہ ذیل میں پہلے ہم حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ مکمل عبارت مع سیاق وسباق کے ذکر

---

[1] (الاصابة في تمييز الصحابة مع الاستيعاب: ص ۱۴۸ ۱۵۱ (تحت حرف الباء، القسم الأوّل) طبع بيروت سال ۱۳۲۸ هجرية، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۱۳۶، ۱۳۷)

[2] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۳۷)

کرتے ہیں کہ جس سے ہاشمی صاحب نے صرف نظر سے کام لیا اور پھر بسر بن ارطاۃ کی صحابیت وعدم صحابیت کے متعلق کبار علمائے فن اسماء الرجال کی مختلف عبارات پیش کرتے ہیں جنہیں ملاحظہ فرما کر آپ خود ہی بسر بن ارطاۃ کے کے متعلق اُن کے صحابی یا غیر صحابی ہونے کے متعلق فیصلہ فرما سکتے ہیں:

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"بسر بن أرطاة ويقال: بن أبي أرطاة واسمه عمير بن عويمر بن عمران بن الحليس بن سيار بن نزار بن معيص بن عامر بن لؤي القرشي العامري الشامي أبو عبد الرحمان مختلف في صحبته روى عن النبي صلى الله عليه وسلم حديثين أحدهما: " لاتقطع الأيدي في السفر " والآخر: " اللهم أحسن عاقبتنا في الأمور كلها. " الحديث. وعنه جنادة بن أبي أمية وأيوب بن ميسرة بن حلبس وغيرهما ...... وقال بن سعد عن الواقدي: قبض النبي و بسر صغير ولم يسمع من النبي شيئاً. وقال بن يونس: بسر من أصحاب رسول الله ...... وقال بن عدي مشكوك في صحبته ...... وقال الدارقطني له صحبة ...... وقال الدوري عن بن معين أهل المدينة ينكرون أن يكون بسر سمع من النبي وأهل الشام يروون عنه عن النبي ...... وقال ابن حبان في الصحابة من قال بن أرطاة فقد وهم."[1]

ترجمہ: بسر بن ارطاۃ۔ ان کو "بن ابی ارطاۃ" بھی کہا جاتا ہے۔ ان کا نام عمیر بن عویمر بن عمران بن الحلیس بن سیار بن نزار بن معیص بن عامر بن لوی قرشی عامری شامی ابو عبدالرحمٰن ہے۔ ان کی صحابیت مختلف فیہ ہے، نبی کریم ﷺ سے انہوں نے دو حدیثیں روایتیں کی ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے: "سفر میں ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔" اور دوسری: "اے اللہ تمام اُمور میں ہماری عاقبت اچھی کر دے۔" الحدیث۔ ان سے جنادہ بن ابی امیہ اور ایوب بن میسرہ بن حلبس وغیرہما نے روایت لی ہے ...... ابن سعد واقدی سے نقل کرتے ہیں کہ:

---

[1] (تهذيب التهذيب لابن حجر (بحذف): ١/٤٣٥، ٤٣٦، الناشر: مكتبة دائرة المعارف النظامية، الهند)

''نبی اکرم ﷺ کی وفات کے وقت بسر چھوٹے تھے اور انہوں نے آپ ﷺ سے کوئی حدیث نہیں سنی۔'' ابن یونس کہتے ہیں: ''بسر رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں......'' ابن عدیؒ کہتے ہیں کہ: ''ان کی صحابیت مشکوک ہے۔''...... دار قطنیؒ کہتے ہیں: ''ان کی صحابیت ثابت ہے۔'' دوریؒ ابن معینؒ سے نقل کرتے ہیں کہ: ''اہل مدینہ بسر کے سماع کی نبی اکرم ﷺ سے نفی کرتے ہیں۔ اور اہل شام نبی اکرم ﷺ سے ان کا سماع نقل کرتے ہیں۔'' ابن حبان کہتے ہیں کہ: ''جو شخص بسر بن ارطاۃ کو صحابہ رضی اللہ عنہم میں شمار کرے تو یہ اُس کا وہم ہے۔ (ترجمہ ختم)

موصوف ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

**" قيل له صحبة قال ابن معين رجل سوء أهل المدينة ينكرون صحبته . "** [۱]

ترجمہ: کہا جاتا ہے کہ یہ صحابی ہیں۔ ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ یہ اچھے آدمی نہیں ہیں۔ اہل مدینہ ان کے صحابی ہونے کا انکار کرتے ہیں۔

حافظ مزی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۲ھ) لکھتے ہیں:

**" مختلف في صحبته . "** [۲]

ترجمہ: بسر کا صحابی ہونا مختلف فیہ ہے۔

علامہ خزرجی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۲۳ھ) لکھتے ہیں:

**" وقال أحمد و ابن معين : لا صحبة له . "** [۳]

ترجمہ: امام احمد بن حنبلؒ اور امام یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں کہ ان کی صحابیت ثابت نہیں ہے۔

علمائے فن اسماء الرجال کی محولہ بالا مختلف عبارات سے معلوم ہوا کہ حضرت بسر بن ارطاۃ کا صحابی ہونا یا صحابی نہ ہونا علمائے فن کے نزدیک مختلف فیہ ہے، اس لئے کوئی شخص اُنہیں قطعی اور یقینی طور پر صحابی کہنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

---

[۱] (لسان الميزان لابن حجر العسقلاني : ۱۸۳/۷ ، الناشر : مؤسسة الأعلمي للمطبوعات ، بيروت ، لبنان )

[۲] ( تهذيب الكمال في أسماء الرجال للمزي : ٦٠/٤ ، الناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت )

[۳] ( خلاصة تهذيب تهذيب الكمال : ٤٧/١ ، الناشر : مكتب المطبوعات الاسلامية / دار البشائر ، حلب / بيروت )

## ''استلحاقِ زیاد'' کے متعلق شیخ دہلویؒ پر ہاشمی صاحب کا اعتراض:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

اس کے علاوہ حضرت شاہ عبدالحق دہلویؒ کی دوسری کتاب "ماثبت بالسنة فی أيام السنة" مع ترجمہ ''مومن کے ماہ و سال'' مطبوعہ دارالاشاعت کراچی راقم الحروف کے پیش نظر ہے۔ اس میں سے چند اقتباسات ہدیۂ قارئین کیے جاتے ہیں: ''حضرت شیخ زیرِ عنوان:

" استطراد بذكر مصالحة امام المسلمين حسن بن علي ومعاوية بن أبي سفيان "۔ (یعنی امام المسلمین حضرت حسنؓ بن علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی مکر و فریب سے بالکل علیحدگی اور باہمی میل ملاپ) لکھتے ہیں کہ:

''اسی سال ۴۳ھ میں امیر معاویہؓ نے زیاد بن ابیہ کو اپنا نائب بنایا اور (اسلام) میں یہی وہ پہلا عمل ہے جس کے ذریعے احکامات رسالت مآب ﷺ کی نفی (تبدیلی) کی گئی (ثعالبی وغیرہ)

معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کاتب اور مترجم مولانا محمد الدین احمد دونوں سے ''سہو'' ہوا ہے کہ انہوں نے " استلحق " کی بجائے " استخلف " لکھ دیا۔ اصل میں یہ عبارت اس طرح ہے:

''استلحق معاوية زياد بن سميه وهو اوّل قضية غير فيها حكم النبي في الاسلام ذكر الثعلبي وغيره۔'' (از مؤلف کتابؒ) [1]

## ''استلحاقِ زیاد'' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی غلطی تھی!

اس میں شک نہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۴۳ھ میں زیاد کا استلحاق کر کے رسالت مآب ﷺ کے حکم کی نفی کی تھی اور اس کو تبدیل کر دیا تھا، لیکن ایسا آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی ذاتی خواہشات یا سیاسی اغراض کے لئے ہرگز نہیں کیا تھا، بلکہ دراصل یہ آپ رضی اللہ عنہ کی ایک اجتہادی غلطی تھی جس کے نتیجہ میں یہ عمل آپ رضی اللہ عنہ کی ذات سے صادر ہوا تھا۔

---

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۱۳۸)

اس کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے کہ ۴۴ھ میں جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کا استلحاق کرلیا تو اُس وقت کے بعض کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کو آپ رضی اللہ عنہ کا یہ استلحاق درست معلوم نہ ہوا، اس لئے انہوں نے یہ اعتراض کردیا کہ مشہور شرعی قاعدہ وفرمان نبوی ﷺ ہے کہ:

"الولد للفراش وللعاهر الحجر."[1]

ترجمہ: بچہ اسی کا ہوتا ہے جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔

لہٰذا یہاں پر بھی چوں کہ زیاد عبید مولی ثقیف کے بستر پر پیدا ہوا ہے اس لئے اُس کا نسب عبید ہی سے ثابت ہوتا ہے اس کا استلحاق کرنا اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے اس کا نسب ثابت کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔ جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اجتہادی مؤقف اس مسئلہ میں یہ تھا کہ مذکورہ بالا شرعی قاعدہ کا محمل اُس وقت درست ہے جب کہ صاحب فراش کی طرف سے دعویٰ نہ پایا گیا ہو، اور اُس کے مقابلہ میں دوسرے شخص نے اولاد کا اقرار کر رکھا ہو تو اُس صورت میں یہ استلحاق جائز ہے، خصوصاً اُس وقت جب کہ یہ اقرار زمانہ جاہلیت میں کیا گیا ہو۔

چنانچہ ایک مرتبہ اسی نوعیت کا ایک جھگڑا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوا، جس میں ایک شخص نصر بن حجاج بن علاط سلمی نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کے ایک غلام عبداللہ بن رباح کے متعلق دعویٰ دائر کیا کہ: "یہ میرا بھائی ہے اور میرے بھائی نے مجھے اس کے متعلق وصیت کی تھی۔" اس مسئلہ میں دوسرا فریق حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ تھے، انہوں نے بیان کیا کہ: "یہ میرا غلام ہے اور میرے غلام کے فراش پر پیدا ہوا ہے۔" جب فریقین کے اس تنازع نے طول پکڑا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کا فیصلہ اس طرح فرمایا کہ: نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

"الولد للفراش وللعاهر الحجر."[2]

ترجمہ: بچہ اسی کا ہوتا ہے جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے پر نصر بن حجاج نے اعتراض کیا کہ: "اے معاویہ رضی اللہ عنہ! زیاد کے حق میں آپ رضی اللہ عنہ نے کیسے فیصلہ کیا تھا؟ وہ فیصلہ تو اس کے برخلاف تھا۔" تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: "رسول اللہ ﷺ کا

---

[1] (صحیح البخاری: ۱۵۳/۸، الناشر: دار طوق النجاة)

[2] (صحیح البخاری: ۱۵۳/۸، الناشر: دار طوق النجاة)

فیصلہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سے بہتر اور برحق ہے۔

اس طرح جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی اجتہادی رائے کے خطاء ہونے پر نادم ہوئے تو بعد میں آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے سابقہ موقف کو ترک کر کے اس سے رجوع فرمالیا تھا۔

چنانچہ محدث ناقد شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد عثمانی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"وعن محمد بن اسحاق قال: ادعي نصر بن الحجاج بن علاط السهمي عبد الله بن رباح مولي خالد بن الوليد: مولاي ولد علي فراش مولاي وقال نصر: أخي أوصاني (أبي) بمنزله. قال: فطالت خصومتهم فدخلوا معه علي معاوية وهو تحت رأسه فدعيا فقال معاوية: سمعت رسول الله صلي الله عليه وسلم يقول: الولد للفراش وللعاهر الحجر" قال نصر: فأين قضائك هذا يا معاوية في زياد؟ فقال معاوية: قضاء رسول الله صلي الله عليه وسلم خير من قضاء معاوية. الحديث. رواه أبو يعلي واسناده منقطع ورجاله ثقات (مجمع الزوائد: ۱۴/۵) قوله عن محمد بن اسحاق الخ. قلت: انما ذكرته كيلا يحتج أحد ممن لا خبرة له بالحديث والفقه ولا السام له بالعلم بقصة استلحاق معاوية زيادا بأبي سفيان علي جواز استلحاق الأخ. فان الأمة أنكرت ذلك من معاوية ولم يرض به أحد من أئمة الفقه والحديث. قال السيوطي في تاريخ الخلفاء: وفيها أي في عام الجماعة استلحق معاوية زياد بن أبيه. وهي أوّل قضية غير فيها حكم النبي صلي الله عليه وسلم. الخ ص ۷۵) قلت: ولكن أثر بن عباس هذا يدل علي رجوع معاوية من قضائه الي قضاء رسول الله صلي الله عليه وسلم صريحا وهو وان كان منقطعا فاحسان الظن بالصحابي وجب علي كل حال لا سيما اذا كان له وجه منقول ولو مرسلا أو منقطعا، فافهم. فان قيل: هذا الأثر لايفيد حسن الظن به فانه لولاه لحملنا فعله علي أنه فعل ذلك لعدم علمه

بقضاء رسول الله صلي الله عليه وسلم في مثله . وأما هذا الاثر فانه يدل علي أن معاوية تعمد تغيير حكم النبي صلي الله عليه وسلم بعد ما علمه وسمعه . قلت : لا يصح القول بأن معاوية لم يكن يعلم قضاء النبي صلي الله عليه وسلم في مثل ذلک لکون هذا الحكم متواترا قد جاء عن بضعة وعشرين من الصحابة . قاله المناوي كما في العزيزي ( ٣/٩ ا ٣ ) وثبت انكار الصحابة علي معاوية استلحاقه زيادا كما ذكره أصحاب السير قاطبة وأما أنه تعمد تغيير حكم النبي صلي اله عليه وسلم بعد ما علمه فحاشاه من ذلک ،بل الظاهر أنه حمل قول النبي صلي الله عليه وسلم ﴿ الولد للفراش وللعاهر الحجر ﴾ علي ما اذا ادعاه صاحب الفراش كما اذا ادعا عبد بن زمعة ابن وليدة أبيه في مورد الحديث ، وأما اذا لم يدعه وأقر آخر بأنه ابنه فكان عند معاوية الحاقه بالمقر لاسيما اذا ثبت أنه أقر به في الجاهلية قبل الاسلام . وزياد بن أبيه كانت أمه مولاة صفية بنت عبيد بن اسد الثقفي ، وكانت من البغايا بالطائف ، ولد زياد علي فراش عبيد مولي ثقيف ، وكان عبدا فاشتراه زياد بألف درهم وأعتقه ، وأكن يقال له قبل استلحاق معاوية إياه :زياد بن أبيه ، كما رواه محمد بن عثمان بن أبي شيبة في تاريخه باسناد صحيح عن بن سيرين .وفيه دلالة علي أن صاحب الفراش لم يكن ادعاه ولا أقر به وقد تقدم عمل أهل الجاهلية في أولاد البغايا والحاقهم بمن ادعاهم بقول القافة مرة وبقول البغايا الأخري . وبقول المستلحق تارة وقد أقرهم الاسلام علي ذلک ولم ينف أحدا عمن الحقه أهل الجاهلية به قبل الاسلام وابطل ذلک فيما يستقبل به من الأمور وشهد عند معاوية زياد بن أسماء الحرمازي ومالک بن ربيعة السلولي والمنذر بن الزبير فيما ذكر المدائني بأسانيده وزادفي الشهود جويرية بن أبي سفيان والمستورد بن قدامة الباهلي

وابن أبي نصر الثقفي وزيدبن نفيل الأزدي وشعبة بن العلقلم المازني ورجل من حي عمربن شيبان ورجل من بني المصطلق شهدوا كلهم علي أبي سفيان أن زيادا ابنه الا ابن المنذر فشهد أنه سمع عليا يقول : اشهد أن أبا سفيان قال ذلک رأي في الجاهلية قبل اسلامه) فخطب معاوية فاستلحقه (الاصابة: ۳/۴۳) فتكلم زياد فقال : ان كان ماشهد الشهود به حقا فالحمد لله وان يكن باطلا جعلتهم بيني وبين الله الخ فكان استلحاق معاوية اياه بناء علي ما ثبت عنده عن ابيه أنه الحقه به في الجاهلية وأن الاسلام أقرهم علي ماسلف منهم ثم رجع عن ذلک الي الحق ، وتبين له خطأ اجتهاده في ذلک وعلم أنه لم يكن له الحاق من لم يشتهر نسبته الي أبي سفيان ، ولا اقراره به في الجاهلية بشاهدة قامت عنده بذلک في الاسلام وعرف أن الولد للفراش ولو لم يدعه صاحب الفراش بشرط أن لا ينفيه ولا يجوز الحاقه بعاهر أبداً فقال : قضاء رسول الله صلي الله عليه وسلم خير من قضاء معاوية فافهم والله تعالي أعلم "۔[1]

ترجمہ: محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ نصر بن حجاج بن علاط سلمیؓ نے حضرت خالد بن ولید ؓ کے غلام عبداللہ بن رباح کے متعلق یہ دعویٰ دائر کر دیا کہ خالد بن ولید ؓ نے کہا کہ یہ میرا غلام ہے اور میرے غلام کے بستر پر پیدا ہوا ہے اور نصر بن حجاج نے کہا کہ میرے بھائی نے مجھے اس کے متعلق وصیت کی ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ ان کا جھگڑا طول پکڑ گیا اور یہ حضرت معاویہ ؓ کے پاس آئے ــــ تو حضرت معاویہ ؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: "بچہ اسی کا ہوتا ہے جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔" پس نصر نے کہا کہ: "اے معاویہ ؓ! زیاد کے حق میں آپ ؓ کا یہ فیصلہ کہاں گیا؟۔ تو حضرت معاویہ ؓ نے فرمایا کہ: "رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ معاویہ ؓ کے فیصلے سے بہتر ہے۔"

---

[1] إعلاء السنن لظفر أحمد، ۱۵/۴۹۹ ... ط، الناشر: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراتشي، الباكستان

اس کو ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند منقطع ہے، اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔ (مجمع الزائد: ۵/۱۴)

قولہ عن محمد بن اسحاق..... الخ میں کہتا ہوں کہ میں محمد بن اسحاق کا اثر اس لئے ذکر کیا ہے تا کہ جس شخص کو حدیث اور فقہ سے واقفیت نہ ہو اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیاد کے استلحاق اور اُس کا حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ سے نسب ثابت کرنے کے واقعہ کا علم نہ ہو، کہیں وہ اس واقعہ سے بھائی کے استلحاق کے جواز پر حجت نہ قائم کرلے اس لئے کہ امت نے استلحاق زیاد کے واقعہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے انکار کیا ہے، اور ائمہ فقہ وحدیث کے علماء اس واقعہ کو ماننے کے لئے کسی بھی طرح تیار نہیں۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "تاریخ الخلفاء" میں لکھا ہے کہ: "اسی سال (عام الجماعۃ میں) زیاد بن ابیہ کا استلحاق کیا اور یہ پہلا معاملہ ہے جس میں نبی اکرم ﷺ کے حکم کو بدلا گیا ہے۔" (ص ۷) میں کہتا ہوں: "لیکن محمد بن اسحاق" کا یہ اثر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنے فیصلہ سے رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کی طرف رجوع کرنے پر صراحت کے ساتھ دلالت کر رہا ہے، اور محمد بن اسحاق کا یہ اثر اگرچہ منقطع ہے لیکن صحابی رسول کے ساتھ حسن ظن کی بناء پر بہر حال اس کو ماننا واجب اور ضروری ہے، بالخصوص جب کہ وہ ایک طریق سے منقول بھی ہے اگرچہ مرسل یا منقطع ہے، سمجھا کریں نا! تاہم اگر کوئی یہ اعتراض کر بیٹھے کہ یہ اثر صحابی رسول ﷺ کے ساتھ حسن ظن رکھنے میں مفید نہیں، کیوں کہ اگر ہم اس اثر کو موجود نہ مانیں تو اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ فعل (استلحاق زیاد) اس وجہ سے کیا کہ انہیں ان جیسے معاملات میں رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کے بارے میں علم نہیں تھا، اور اگر ہم اس اثر کو موجود مانیں تو اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سننے اور جاننے کے باوجود رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کو بدلنے کا ارادہ کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان جیسے معاملات میں رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کا علم نہیں تھا، اس لئے کہ یہ حکم تواتر کے ساتھ بیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ قال المناوی، جیسا کہ عزیزی میں ہے۔ (۳/۳۱۹)

''استلحاق زیادؓ'' کے معاملہ میں حضرات صحابہ کرام ؓ کا حضرت معاویہ ؓ پر انکار ثابت ہے، جیسا کہ تمام اصحاب سیر نے ذکر کیا ہے۔ اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت معاویہ ؓ نے آنحضرت ﷺ کے فیصلے کو بدلنے کا ارادہ کیا ہے تو یہ بات حضرت معاویہ ؓ کی شان سے بہت بعید ہے، بلکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ ؓ نے آنحضرت ﷺ کا یہ قول کہ: ''بچہ اُسی کا ہوتا ہے جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا ہو اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔'' اس معنی پر محمول کیا ہے کہ جب صاحب فراش بچے کا دعویٰ کر دے (تو اُس صورت میں بچہ صاحب فراش کے لئے ہوتا ہے اور عاہر کے لئے پتھر ہوتے ہیں) جیسا کہ عبد بن زمعہ الولیدۃ ابیہ نے مورد حدیث میں دعویٰ کیا ہے۔ اور جب صاحب فراش بچے کا دعویٰ نہ کرے اور دوسرا اس بات کا اقرار کرے کہ بچہ میرا ہے تو اُس صورت میں حضرت معاویہ ؓ کے نزدیک اقرار کرنے والے کے ساتھ بچہ کا استلحاق کر دیا جائے گا، خصوصاً اُس وقت جب کہ اُس نے اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں بچے کے نسب کا اقرار کیا ہو۔ زیاد بن ابیہ کی والدہ صفیہ بنت عبید بن اسد ثقفی کی لونڈی تھی اور طائف کی طوائف میں سے تھی، زیاد کا تولد عبید مولیٰ ثقیف کے بستر پر ہوا تھا، عبید غلام تھا جسے زیاد نے ہزار درہم کے بدلے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ حضرت معاویہ ؓ کے اس کو استلحاق سے پہلے زیاد بن ابیہ کہا جاتا تھا، جیسا کہ محمد بن عثمان بن ابی شیبہ نے اپنی تاریخ میں صحیح سند سے ابن سیرین سے نقل کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صاحب فراش (عبید مولیٰ ثقیف) نے نہ زیاد کے بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا اور نہ ہی اپنے سے اُس کے نسب کے ثابت ہونے کا اقرار کیا۔ اور پیچھے طوائف کی اولاد اور اُن کے الحاق کے بارے زمانہ جاہلیت کے لوگوں کا یہ عمل گزر چکا ہے کہ وہ کبھی قیافہ شناش لوگوں کی باتوں سے، کبھی طوائف کی باتوں سے اور کبھی اس شخص کی باتوں سے کہ جس کا استلحاق کیا ہے ثبوت نسب کا دعویٰ کرتے تھے، لیکن اس کے باوجود اسلام نے اُن کو اس دعوے پر ثابت رکھا اور جن لوگوں نے اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں اپنے ساتھ کسی کا استلحاق کیا تھا اُن میں سے کسی کے دعوے کی نفی نہیں کی، لیکن آئندہ پیش آنے والے معاملات میں اس طرح کے

استلحاق کو باطل قرار دیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے زیاد بن اسماء الحرمازی، مالک بن ربیعہ سلولی المنذر بن زبیر، فی ما ذکر المدائنی باسانیدہ، وزاد فی الشهود ."
جویریہ بنت ابی سفیان، مستورد بن قدامہ الباہلی، ابن ابی نصر ثقفی، زید بن نفیل ازدی، شعبہ بن علقم مازنی، عمر بن شیبان کے قبیلے کے ایک آدمی، اور بنو المصطلق میں سے ایک آدمی وغیرہ سوائے ابن منذر کے باقی تمام لوگوں نے اس بات کی گواہی دی کہ زیاد ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہے۔ ابن منذر نے یہ گواہی دی کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: ''ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں زیاد کے نسب کا دعویٰ کا تھا۔'' اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھا اور آپؓ نے زیاد کا استلحاق کرلیا۔ (الاصابہ: ۳/۴۳) زیاد نے جب یہ سنا تو اس نے کہا کہ: ''اگر تو جو کچھ گواہوں نے گواہی دی ہے حق (اور واقعہ کے مطابق) ہے پھر تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، اور اگر باطل (اور خلاف واقعہ) ہے تو پھر میں ان کو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ذمہ دار ٹھہراتا ہوں۔'' اس سے معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس لئے زیاد کا استلحاق کیا تھا کہ ان کے نزدیک یہ بات ثابت ہوگئی تھی کہ ان کے والد نے زمانہ جاہلیت میں زیاد کو اپنے ساتھ ملحق کرلیا تھا اور یہ کہ اسلام زمانہ جاہلیت کے لوگوں کو جس پر وہ تھے اسلام کے بعد بھی اُس پر ثابت رکھتا ہے، لیکن پھر آپ نے بعد میں اپنے اس غلط مؤقف سے حق بات کی طرف رجوع کرلی تھی، اور ان کے سامنے اُن کی اجتہادی غلطی واضح ہوگئی تھی، اور انہیں معلوم ہوگیا تھا کہ جس شخص کی نسبت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی طرف مشہور نہیں ہے اُسے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ لاحق کرنا اور زمانہ جاہلیت میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا اس کے نسب کا اقرار کرنا جس کی گواہی زمانہ اسلام میں لوگوں نے میرے سامنے پیش کی ہے میرے لئے جائز نہیں ہے۔ اور اُنہوں نے جان لیا کہ بچہ صاحب فراش ہی کا ہوتا ہے اگرچہ صاحب فراش بچہ کا دعویٰ نہ کرے، بشرطیکہ اس کے نسب کی نفی بھی نہ کرے۔ اور جائز نہیں ہے اس کو کبھی بھی زانی کے ساتھ ملحق کرنا، پس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پکار اُٹھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سے بہتر ہے۔ فافہم واللہ تعالیٰ اعلم۔ (ترجمہ ختم)

مذکورہ بالا تفصیل سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ "استلحاق زیاد" کا صدور حضرت معاویہ ؓ سے ہوا تھا اور ہوا بھی خطائے اجتہادی کے نتیجے میں تھا، کسی ذاتی خواہش یا کسی سیاسی غرض کی وجہ سے نہیں ہوا تھا، نیز اس خطائے اجتہادی سے بعد میں آپ ؓ نے کھلے دل سے رجوع بھی فرمالیا تھا اور اس بات کا ببانگ دہل اعلان کر دیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ معاویہ (ؓ) کے فیصلہ سے بہتر ہے۔

اب اس تناظر میں اگر دیکھا جائے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ ؓ کے بارے میں جو یہ لکھا ہے کہ: "اسی سال یعنی ۴۴ھ میں امیر معاویہ ؓ نے زیاد بن ابیہ کا استلحاق کیا اور (اسلام) میں یہی وہ پہلا عمل ہے جس کے ذریعے احکامات رسالت مآب ﷺ کی نفی (تبدیلی) کی گئی۔" تو وہ اپنی جگہ بالکل صحیح اور سچ ہے اور کسی بھی طرح اس کی نفی نہیں کی جا سکتی، لیکن اس کے باوجود شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پر یہ اعتراض بدستور قائم رہتا ہے کہ پھر انہوں نے اس مسئلہ میں حضرت معاویہ ؓ کا رجوع کیوں نقل نہیں کیا، تاکہ ان کی ذات سے اس دھبہ کا نشان مٹ جاتا؟ تو اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ بہت ممکن ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر سے محمد بن اسحاق کا وہ اثر نہ گزرا ہو جس میں حضرت معاویہ ؓ کا "استلحاق زیاد" سے رجوع ثابت ہے۔

## لوگوں میں فتنہ و فساد پھیلانے والے دو آدمی:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

> "موصوف (شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ) بحوالہ حسن بصریؒ لکھتے ہیں کہ: "لوگوں میں فتنہ و فساد کی آگ سلگانے والے صرف دو آدمی ہیں، جن میں سے ایک عمرو بن عاص ؓ ہیں جنہوں نے امیر معاویہ ؓ کو نیزوں پر قرآن کریم اٹھانے کا مشورہ دیا ..... اور دوسرے شخص مغیرہ بن شعبہ ؓ ہیں جو کوفہ میں امیر معاویہ ؓ کے گورنر تھے جن کے نام امیر معاویہ ؓ کا یہ فرمان پہنچا کہ اس حکم نامہ کی وصول یابی اور خواندگی کے بعد تم خود کو معزول سمجھو اور کوفہ سے فوراً ہمارے دربار میں حاضری دو۔ لیکن مغیرہ ؓ نے تعمیل حکم میں تعویق کی اور بہ تعویق دربار میں پہنچنے پر امیر معاویہ ؓ نے تعویق کا سبب پوچھا، تو جواب دیا کہ: "ایک معاملہ پیش تھا جسے سلجھانے اور مفید مطلب بنانے کی وجہ سے دیر ہو گئی۔" امیر معاویہ ؓ نے پوچھا "کیا معاملہ تھا بتاؤ؟؟" مغیرہ ؓ نے جواب دیا: "آپ ؓ کے بعد یزید کی بیعت لینے کے لئے

زمین ہموار کر رہا تھا۔" دریافت کیا" آیا تم نے یہ پورا کر لیا؟"۔ "جواب دیا" جی ہاں۔" یہ سن کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا" اچھا اپنی گورنری پر واپس جاؤ اور حسب سابق اپنے فرائض انجام دو۔" یہاں سے لوٹ کر مغیرہ رضی اللہ عنہ جب اپنے احباب کے پاس پہنچا تو انہوں نے پوچھا" بتاؤ کیسی رہی؟"۔ "مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا" میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں اس ناواقفیت کے رکاب میں رکھ دیے ہیں، جس میں قیامت تک وہ گرفتار رہیں گے۔ [1]

## اصل ماخذ کو چھوڑ کر ثانوی ماخذ پر اعتراض کرنا مناسب نہیں!

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے اوپر شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی (بحوالہ حضرت حسن بصری) جو عبارت نقل کی ہے اصل میں یہ عبارت شیخ دہلوی کی اپنی ذاتی نہیں ہے بلکہ انہوں نے یہ عبارت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "تاریخ الخلفاء" سے نقل کی ہے۔ علاوہ ازیں اسی طرح کی ایک عبارت مشہور حافظ الحدیث علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے جس کے آخر میں ان الفاظ کا بھی اضافہ ہے:

"قال الحسن : فمن اجل ذلک بایع ھؤلاء لأبنائھم ولولا ذلک لکانت شوریٰ الیٰ یوم القیامۃ " [2]

ترجمہ: حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:" اسی وجہ سے ان حضرات نے اپنے بیٹوں کے لئے بیعت لی اور اگر ایسے نہ ہوتا تو شوریٰ قیامت تک باقی رہتی۔ (ترجمہ ختم)

لہٰذا پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو چاہیے تھا کہ وہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے ان علماء (حسن بصریؒ، علامہ ذہبیؒ اور امام سیوطیؒ) کو ہدف تنقید بناتے کہ جنہوں نے یہ عبارت اپنی اپنی کتابوں میں لکھی ہے اور ان کی کتابیں اس عبارت کے لئے اصل ماخذ کا درجہ رکھتی ہیں اس کے بعد کہیں جا کر شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات پر اترتے کہ جنہوں نے یہ عبارت محض نقل کر کے اپنی کتاب میں درج کی ہے۔

اور اس بات میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ناکام بنانے کی جو تدبیر (تحکیم) اختیار کی تھی وہ واقعتاً اُمت میں چند در چند فتنوں اور رخنوں کے پیدا ہونے کا سبب بنی تھی۔

---

[1] (مؤمن کے ماہ و سال، ص ۳۰، ۳۲، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ۵ تقرری، ص ۱۲۷، ۱۳۸)

[2] (تاریخ الاسلام و وفیات المشاھیر والأعلام للذھبی، ۲۷۲/۵، الناشر - دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان)

چنانچہ مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایم اے فاضل دیوبند لکھتے ہیں:

"تحکیم کی پیش کش امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہی طرف سے ہوئی تھی جب انہوں نے دیکھا کہ "لیلۃ الہریر" کی جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کامیابی ہو چکی تھی اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا: "میں ایک ایسی ترکیب بتاتا ہوں جس کی وجہ سے علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں پھوٹ پڑ جائے گی اور ہم سب کا اس میں بھلا ہوگا۔" امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: "وہ کون سی ترکیب ہے؟" عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بولے: "وہ یہ کہ ہم نیزوں پر قرآن مجید اٹھا کر اہل عراق کو دعوت دیں کہ "یہ ہمارے اور تمہارے درمیان حکم ہے۔" چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو سمجھایا کہ: "تم اس فریب میں نہ آنا، میں ان لوگوں کی حقیقت سے اچھی طرح واقف ہوں۔" لیکن عراقیوں کی ایک بڑی جماعت اس فریب میں آچکی تھی۔ اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مجبور کر کے قرآن مجید کو حکم ماننے پر مجبور کر دیا۔ اب جنگ ملتوی ہوگئی اور یہ طے پایا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک ایک نمائندہ منتخب کیا جائے اور یہ دونوں نمائندے جو فیصلہ کر دیں، اس کی پابندی سختی کے ساتھ کی جائے۔ ان مشیران کار نے یہ بھی کہا کہ "حضرت علی رضی اللہ عنہ اس تجویز کو قبول کریں یا رد فرمائیں، بہر حال ہمارا فائدہ ہوگا۔"[1]

ان الفاظ سے خود معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ تحکیم کی تجویز کو پیش کر رہے تھے، ان کی نیتوں میں خلوص نہیں تھا اور وہ وقتی طور پر اس بہانہ اپنا کام نکالنا چاہتے تھے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس تجویز کو قبول کرنے سے انکار فرما دیا تھا اور وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ یہ تحکیم کی پیش کش جواب تقریباً ستر ہزار فرزندان اسلام کی لاشوں کے خاک وخون میں تڑپنے کے بعد کی جا رہی ہے "نیک نیتی پر نہیں بلکہ خدع وفریب پر مبنی ہے، مگر مشکل یہ تھی کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی توقع کے مطابق اب خود عراقیوں میں پھوٹ پڑ چکی تھی۔ اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے اس کو قبول کر لینے کے سوا کوئی اور چارہ کار تھا ہی کیا، مگر جو اقدام

---

[1] (تاریخ طبری ۲/ ۲۶، بحوالہ مسلمانوں کا عروج وزوال ص ۳۸ — ۳۹ ناشر ادارۂ اسلامیات، لاہور)

کسی غرض اور ذاتی منفعت کے پیش نظر کیا گیا ہو، اس میں اجتماعی خیر و برکت کی توقع کس حد تک ہو سکتی ہے؟ نتیجہ اس کا بھی اسلام کے حق میں نہایت خطرناک نکلا جس کا سب سے زیادہ الم ناک پہلو یہ تھا کہ اب تک مسلمانوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حامیوں کی دو جماعتیں تھیں۔ اب خوارج کے نام سے ایک اور فرقہ پیدا ہو گیا جو دونوں کا شدید مخالف اور دشمن تھا۔ اب ذرا تصور کیجئے! حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ناکام کرنے کی ایک تدبیر (تحکیم) جو فاتح اجنادین عمر بن العاص رضی اللہ عنہ کے دماغ نے سوچی تھی کس طرح اُمت میں چندور چند فتنوں اور رخنوں کے پیدا ہونے کا سبب ہوئی۔ خوارج کا ظہور بھی اسی کا ایک شاخسانہ تھا۔ اس فرقہ کے عناصر پہلے سے موجود تھے، لیکن ان کو ابھرنے اور منظم ہونے کا موقع نہیں ملتا تھا، اب ان سب نے ایک مرکز پر جمع ہو کر ایک مستقل اور نہایت خطرناک محاذ قائم کر لیا۔ نہروان کا مقام اس فرقہ کی کوششوں کا خاص آماج گاہ تھا......"[1]

لیکن جیسا کہ ہم پیچھے یہ بات لکھ آئے ہیں کہ جس دور میں یہ واقعات پیش آئے تھے وہ ایک ابتلائی اور آزمائشی دور تھا اور اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دونوں فریقوں میں سے ہر ایک فریق دوسرے فریق سے مسابقت اور تجاوز کرنے کی کوشش میں تھا، اس لئے ان حالات میں بعض دفعہ اس قسم کی چیزوں کا پایا جانا ایک فطرتی امر تھا۔

چنانچہ امام اہل سنت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۰۱۴ء) لکھتے ہیں:

"جس دور میں یہ واقعات مذکورہ بالا پیش آئے ہیں وہ ایک ابتلائی دور تھا اور اس میں ہر ایک فریق دوسرے سے مسابقت اور تجاوز کی کوشش میں تھا ان حالات میں بعض دفعہ زیادتیوں اور مظالم کا پایا جانا ایک فطرتی امر ہے اور ہر ایک فریق سے اس نوع کی ناروا کارروائیوں کا صادر ہونا کچھ بعید نہیں۔"[2]

پس معلوم ہوا کہ زیر بحث واقعات کا صدور جس دور میں ہوا تھا وہ ایک ابتلائی دور تھا، جس میں حضرت علی

---

[1] (مسلمانوں کا عروج و زوال، ص ۳۸ ــ ۴۰، ناشر: ادارۂ اسلامیات، لاہور)

[2] (سیرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، ۲/ ۵۳۲، ناشر: دار الکتاب، اردو بازار، لاہور)

ؓ اور حضرت معاویہ ؓ، دونوں فریقوں میں سے ہر ایک فریق اپنے مدمقابل دوسرے فریق سے سبقت اور تجاوز کرنے کی کوشش میں مصروف تھا اور ہر فریق ایک دوسرے کے علاقہ پر اپنے ہم نوا لوگوں کی حمایت پر زور دے رہا تھا، لہٰذا ابتلاء کے اس دور میں سنگین ترین حالات کے پیش نظر بعض مرتبہ دونوں طرف سے مظالم و مفاسد کا پایا جانا ایک فطرتی اور لابدی امر تھا۔ نیز ہر ایک فریق سے دوسرے فریق کے خلاف اس قسم کی ناروا کارروائیوں کا صادر ہو جانا کچھ مستبعد بھی نہیں تھا۔

## خلاصۂ کلام:

خلاصۂ کلام یہ کہ حضرت عمرو بن العاص ؓ کی تدبیر (تحکیم) کے نتیجہ میں اُمت چند در چند فتنوں اور رخنوں کے جنم لینے کا سبب بنی، جس کا واضح ثبوت ''فرقہ خوارج'' کا جنم لینا تھا جو حضرت علی ؓ اور حضرت معاویہ ؓ دونوں کا شدید مخالف اور دشمن تھا۔

اسی طرح جس دور میں یہ واقعات پیش آئے تھے وہ ایک ابتلائی دور تھا جس میں حالات کی نزاکت کے پیش نظر بعض دفعہ مفاسد اور مظالم کا پایا جانا ایک فطرتی امر تھا اور فریقین میں سے ہر ایک فریق سے اس نوع کی ناروا کارروائیوں کا صدور و وقوع کچھ مستبعد نہ تھا۔

## کیا واقعہ حرہ میں حضرت معاویہ ؓ بھی یزید کے برابر کے شریک ہیں؟:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''موصوف (شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنی) ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

''ابن ابی خیثمہؒ روایت بیان کرتے ہیں کہ: ''مدینہ منورہ کے بعض بزرگ بیان کرتے تھے کہ معاویہ ؓ نے جان کنی کے وقت یزید پلید کو اپنے سامنے بلایا اور کہا کہ ''مجھ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تجھ کو اہل مدینہ سے ایک سخت دن پیش آئے گا۔ تجھے چاہیے اس کی تدبیر مسلم ابن عقبہ ؓ کے ذریعہ سے کرنا۔ اس لئے کہ میں اپنی رائے میں کسی شخص کو اس سے زیادہ مدبر نہیں دیکھتا ہوں۔'' جب باپ کے بعد یزید پلید تخت امارت پر بیٹھا، جب اہل مدینہ سے جنگ کا موقع پیش آیا تو اس وقت اس نے باپ کی وصیت ہی پر عمل کر کے اہل مدینہ کی

لڑائی کو اختتام پر پہنچایا......

واقدی کتاب اطرہ میں نقل کرتے ہیں کہ یزید پلید مسرف (مسلم بن عقبہ) کے پاس آیا۔ اس کو دیکھا کہ فالج کے مرض میں گرفتار بستر ہلاکت پر پڑا ہوا ہے۔ یزید نے کہا کہ: ''اگر تجھ میں یہ ضعف اور مرض نہ ہوتا تو اس لڑائی کا حاکم اور والی تجھ کو بناتا۔ اس لئے کہ میں تجھ سے بڑھ کر مخلص اور ناصح دوسرا آدمی نہیں پاتا ہوں۔ امیر المومنین یعنی میرے والد بزرگ وار معاویہ بن ابی سفیان نے مجھ کو اپنے مرض موت میں یہ وصیت کی تھی کہ: ''اگر تجھے اہل حجاز کی طرف سے کوئی لڑائی پیش آئے تو اس کی تدبیر مسلم بن عقبہ کے ذریعے سے کرنا۔''

مسرف اٹھ بیٹھا اور کہنے لگا کہ: ''اے امیر المومنین! تجھے خدا کی قسم! اگر تو میرے سوا کسی کو متولی بنائے، کیوں کہ اس کام میں اہل مدینہ کا دشمن میرے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ میں نے اس بارے میں ایک خواب دیکھا ہے۔ ایک درخت کو درختان غرقد سے دیکھتا ہوں جو اپنی شاخوں کے ساتھ عثمان بن عفان کے انتقام کے متعلق فریاد کر رہا ہے۔ آگے گیا تو سنتا ہوں وہی درخت کہتا ہے کہ اس کا انجام مسلم بن عقبہ کے ہاتھ سے ہوگا۔ اس دن سے میں نے اہل مدینہ سے جنگ کی فال لی ہے اور اپنے دل کو قاتلان عثمان سے انتقام لینے کی تسلی دی ہے۔

یزید پلید نے جب اس کام کے اجراء میں اس کا پختہ ارادہ پایا تو کہا کہ: ''ہوشیار رہ اور بہ برکت خدا اہل مدینہ کی طرف متوجہ ہو! تو جن لوگوں کا حریف ہوگا اگر وہ لوگ مدینہ میں داخل ہونے کو میری بیعت اور اطاعت قبول کرنے میں تیرے سد راہ ہوں تو تیغ بے تیغ قہر و سیاست سے کام لینا اور ان کے چھوٹے بڑوں میں سے کسی کو بھی باقی نہ چھوڑنا۔ تین دن تک لوٹ اور غارت کی داد دینا اور اگر یہ لوگ تجھ سے جنگ نہ کریں تو ان سے تم بھی تعرض نہ کرنا۔ ہاں عبداللہ بن زبیر کی مہم پوری کرنے کی طرف متوجہ ہو جانا۔''[1]

---

[1] (راحت القلوب ص ۳۰، ۳۱، اردو ترجمہ ''جذب القلوب الی دیار المحبوب'' بحوالہ سیدنا معاویہ کے ناقدین ص ۱۳۹)

تھوڑا آگے چل پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

بقول حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ: یزید نے واقعہ "حرّہ" میں مدینہ منورہ پر یلغار اور اسے تاراج کرنے کے لئے مسلم بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو جو سپہ سالار مقرر کیا تھا تو وہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وصیت کے عین مطابق کیا تھا۔ ظاہر ہے اس واقعہ میں قتل وغارت، لوٹ مار اور "عصمت دری" کے جو سانحات رونما ہوئے تو اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بھی حصہ ہے۔

اس روایت میں بھی ابو مخنف لوط بن یحیٰی ہی کی طرح ایک اور کذاب (عند المحدثین) جناب واقدی تشریف فرما ہیں۔

قال أحمد بن حنبل : هو كذاب يقلب الأحاديث . قال ابن معين: ليس بثقة . وقال مرة: لايكتب حديثه . قال بخاري : متروك . قال أبو حاتم والنسائي : يضع الحديث ." [1]

ترجمہ: امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ: "واقدیؒ بہت بڑا جھوٹا راوی ہے۔ احادیث کو ادل بدل کر دیا کرتا تھا۔" ابن معینؒ نے کہا: "یہ ثقہ نہیں ہے۔" اور ایک مرتبہ کہا کہ: "اس کی بیان کردہ حدیث کتابت کے قابل نہیں ہے۔" امام بخاریؒ نے کہا: "واقدی متروک الحدیث ہے۔" جب کہ ابو حاتمؒ اور نسائیؒ نے اسے احادیث وضع کرنے والا بتایا ہے۔

## واقعۂ حرہ میں رُونما ہونے والے سانحات سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دامن پاک ہے!:

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ "یزید نے واقعہ "حرّہ" میں مدینہ منورہ پر یلغار اور اسے تاراج کرنے کے لئے مسلم بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو جو سپہ سالار مقرر کیا تھا تو وہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وصیت کے عین مطابق کیا تھا، جس کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ اس واقعہ میں قتل وغارت، لوٹ مار اور عصمت دری کے جو سانحات رُونما ہوئے ہیں ان میں حضرت معاویہ کا بھی برابر کا حصہ ہے۔ تو:

اولاً تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ وصیت ان کے اپنے تجربہ، ذاتی مشاہدہ، اور ایک حسن تدبیر کی بنیاد پر تھی جس کے مستقبل میں رُونما ہونے والے الم ناک اور دردناک نتائج سے قطعی اور یقینی طور پر وہ لاعلم اور

---

[1] (میزان الاعتدال: ۳/۱۱۰) و (تهذيب التهذيب: ۹/ ۳۶۴ بحوالہ سیدنا معاویہ کے ناقدین رضی اللہ عنہ، ص ۱۳۱)

سے بالاتر تھے۔ بلکہ اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو اس واقعہ میں رُونما ہونے والے تمام تر سانحات کے تانے بانے بھی مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے دورِ ابتلاء سے ہی جا کر ملتے ہیں۔ اور مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے دورِ ابتلاء میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس طرح کے واقعات کا رُونما ہونا ایک فطرتی امر ہے۔ کما مر آنفا من غیر مرة۔

اور ثانیاً اس کا جواب یہ ہے کہ اگر واقعی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ وصیت نعوذ باللہ! ایک غلط کام کے پورا کرنے کی تھی تو سوال یہ ہے کہ یزید کو اتنا تو علم تھا کہ کسی گناہ کے کام کی وصیت کو پورا کرنا بجائے خود ایک بڑا گناہ ہے پھر اس نے اس وصیت پر عمل کیوں کیا؟ بلکہ یہ تو اس کا اپنا ایک فعل تھا جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو برابر کا شریک اور حصہ دار بنانا بجائے خود ایک ظلم ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو ایک عظیم اور جلیل القدر کاتب وحی صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جملہ خطائیں اور لغزشیں اللہ تعالیٰ نے معاف کر دی ہیں، اس لئے اس واقعہ "حرہ" میں قتل و غارت، لوٹ مار اور عصمت دری کے جو جو سانحات رُونما ہوئے ہیں ان تمام تر سانحات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو برابر کا شریک اور حصہ دار ٹھہرانا کسی طرح بھی قرینِ انصاف اور دانش مندی نہیں ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پر اس واقعہ کے نقل کرنے میں کہ: "یزید نے واقعہ "حرہ" میں مدینہ منورہ پر یلغار اور اسے تاراج کرنے کے لئے مسلم بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو جو سپہ سالار مقرر کیا تھا تو وہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وصیت کے عین مطابق کیا تھا۔" کسی طرح کا کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔

## فنِ حدیث و سیر و مغازی میں امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ کا مقام:

باقی جہاں تک بات ہے اس روایت کے راوی امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ کے محدثین کے نزدیک ضعیف ہونے کی تو اس بارے میں تھوڑی سی تفصیل ہے۔

امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ فنِ حدیث کے محدثانہ معیار کے مطابق ایک مختلف فیہ راوی ہیں جن پر جرح کرنے والے بھی بہت سارے علماء ہیں اور ان کی تعدیل کرنے والے بھی بہت سارے علماء ہیں تاہم حدیث میں ان کے مختلف فیہ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سیرت، تاریخ، مغازی اور واقعات میں بھی انہیں غیر معتبر کہا یا مانا جائے۔ بلکہ وہ تاریخ، غزوات اور اسلامی واقعات میں بلاشبہ امام اور کسی اختلاف کے بغیر ایک مسلمہ شخصیت ہیں۔

چنانچہ ادیبِ وقت مولانا ابن الحسن عباسی صاحب زید مجدہم ارقام فرماتے ہیں:

"واقدی تاریخ، غزوات اور اسلامی واقعات میں بلاشبہ امام اور کسی اختلاف کے

بغیر ایک مسلم شخصیت ہے۔ البتہ فن حدیث کے محدثانہ معیار کے مطابق وہ ایک مختلف فیہ راوی ہیں، ان پر جرح کرنے والے بھی ہیں اور ان کی تعدیل کرنے والے بھی۔ لیکن حدیث میں مختلف فیہ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سیرت، تاریخ، مغازی اور (اسلامی) واقعات میں بھی انہیں غیر معتبر کہا یا سمجھا جائے۔"[1]

[1] (التجائے مسافر، ص ۱۳۳، ۱۳۴، ناشر: مکتبہ عمر فاروق ۱۰-۴-۴۱ شاہ فیصل کالونی، کراچی)

باقی پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جو یہ لکھا ہے کہ:

"امام واقدیؒ بلا تفریق عند المحدثین کذاب راوی ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ نے انہیں بڑا جھوٹا اور احادیث کو ادل بدل کر دینے والا راوی کہا ہے۔ ابن معینؒ نے انہیں غیر ثقہ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ: "ان کی بیان کردہ حدیث کتابت کے قابل نہیں۔" امام بخاریؒ نے انہیں "متروک الحدیث" کہا ہے۔ اسی طرح امام ابو حاتمؒ اور امام نسائیؒ نے انہیں "واضع الحدیث" کہا ہے۔"

تو پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی یہ اپنی بغض و تعصب سے لبریز نیم علمی تحقیق ہے جس کا فن جرح و تعدیل سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔

## امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ میزان جرح و تعدیل میں:

اصل بات یہ ہے کہ ائمہ جرح و تعدیل روایت حدیث میں امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تین جہتوں میں تقسیم ہیں۔ ایک بڑے طبقے نے ان پر جرح کی ہے، دوسرے طبقے نے ان کی تعدیل کی ہے اور تیسرا طبقہ وہ ہے جس سے جرح و تعدیل دونوں منقول ہیں۔

## پہلا طبقہ جس نے امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ پر جرح کی ہے:

۱۔ جن حضرات نے امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ پر جرح کی ہے، ان کی تعداد بھی زیادہ ہے اور علمی حیثیت سے بھی وہ بلند ہیں۔ ان میں: امام بخاریؒ (۱) امام مسلمؒ (۲) امام ابوداؤدؒ (۳) امام نسائیؒ (۴) امام احمدؒ (۵) امام شافعیؒ (۶) یحییٰ بن معینؒ (۷) دار قطنیؒ (۸) علی بن المدینیؒ (۹) اسحاق بن راہویہؒ (۱۰) ابو حاتم رازیؒ (۱۱) امام ابو زرعہ الدمشقیؒ (۱۲) امام حاکمؒ (۱۳) وکیع بن جراحؒ (۱۴) ابن نمیرؒ (۱۵) علامہ ہیثمیؒ (۱۶) امام عقیلیؒ (۱۷) ابن عدیؒ (۱۸)

علامہ ابن الاثیر الجزریؒ (۱۹) وغیرہ حضرات شامل ہیں۔

ان میں سے بعض حضرات کے الفاظ جرح سخت اور بعض کے الفاظ ذرا نرم ہیں، لیکن مجموعی طور پر ان تمام حضرات نے امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ کو "ضعیف فی الحدیث" قرار دیا ہے۔

## دوسرا طبقہ جنہوں نے امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ کی تعدیل کی ہے:

۲- ائمہ جرح وتعدیل کے ایک دوسرے طبقے نے امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ کی تعدیل کی ہے۔ ان میں دراوردیؒ (۲۰) ابو عبید قاسم بن سلامؒ (۲۱) مصعب زبیریؒ (۲۲) محمد بن سلام جمحیؒ (۲۳) ابراہیم حربیؒ (۲۴) معن بن عیسیٰؒ (۲۵) یزید بن ہارونؒ (۲۶) مجاہد بن موسیٰؒ (۲۷) سلیمان شاذ کونیؒ (۲۸) ابن سعدؒ (۲۹) محمد بن اسحاق صنعانی (۳۰) رمادیؒ (۳۱) عبد اللہ بن سلیمانؒ (۳۲) ابو یحییٰ الازہریؒ (۳۳) اور مسیبیؒ (۳۴) وغیرہم حضرات شامل ہیں۔

ان میں سے بعض کے الفاظ تعدیل ہلکے ہیں اور بعض کے الفاظ انتہائی عقیدت کے ہیں۔ بلکہ دراوردیؒ نے تو انہیں "أمیر المؤمنین فی الحدیث" کہا ہے۔

## تیسرا طبقہ جنہوں نے امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ پر جرح وتعدیل دونوں کی ہیں:

۳- تیسرے طبقے میں وہ ائمہ ہیں جن سے جرح وتعدیل دونوں منقول ہیں۔

چنانچہ امام مالکؒ سے تعدیل بھی منقول ہے (۳۵) اور جرح بھی۔ (۳۶) اسی طرح عبد اللہ بن مبارکؒ سے بھی جرح وتعدیل دونوں منقول ہیں۔ (۳۷)

اصحاب صحاح ستہ میں سے صرف امام ابن ماجہؒ نے ایک حدیث واقدیؒ کے طریق سے نقل کی ہے، اس میں بھی نام کے بجائے "شیخ لنا" کے الفاظ ہیں۔ (۳۸)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ واقدیؒ کے ضعیف ہونے کی وجہ سے امام ابن ماجہؒ نے ان کا نام لینے کی جسارت نہیں کی۔ (۳۹) لیکن دوسرے حضرات نے فرمایا کہ یہ تصرف ابن ماجہؒ نے نہیں کیا ہے، بلکہ یہ ان کے شیخ ابن ابی شیبہ کا تصرف ہے۔ (۴۰)

حافظ مغلطائی نے واقدیؒ کی حمایت اور ان کی توثیق کی ہے۔ حافظ ابن حجر ان کی حمایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"واقدیؒ کی حمایت میں مغلطائیؒ" نے تعصب سے کام لیا ہے، چنانچہ ان کو ثقہ قرار دینے والوں کا کلام تو ذکر کیا ہے، لیکن جنہوں نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے ان کے کلام سے خاموشی اختیار کر لی، حالاں کہ یہ عدد کے اعتبار سے بہت، حفظ واتقان کے حوالے سے پختہ اور واقدیؒ کو ان سے زیادہ اچھی طرح جانتے ہیں۔" (۴۱)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے اس تبصرہ کو تسلیم نہیں کیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"ما للواقدي ؟ وقد روى عنه الشافعي ، وابوبكر بن ابي شيبة ، و ابو عبيد ، وابو خيثمة . وعن مصعب الزبيري : ثقة ، مامون ، وكذا قال المسيبي وقال أبو عبيد : ثقة . وعن الدراوردي : الواقدي أمير المؤمنين في الحديث ." (٤٢)

ترجمہ: واقدیؒ کو کیا ہے؟ جب کہ امام شافعیؒ، ابوبکر بن ابی شیبہؒ، ابوعبیدؒ اور ابوخیثمہؒ جیسے لوگ ان سے روایت کرتے ہیں۔ مصعب زبیریؒ سے ان کے متعلق "ثقة ، مامون" کے الفاظ منقول ہیں۔ مسیبیؒ نے بھی ان کے متعلق یہی الفاظ کہے۔ ابوعبیدؒ نے انہیں "ثقة" کہا۔ اور دراوردیؒ سے منقول ہے کہ: "واقدیؒ" "أمير المؤمنين فى الحديث" ہیں۔

لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ جرح کرنے والوں کی تعداد بھی زیادہ ہے اور علمی رتبے کے لحاظ سے بھی وہ بلند ہیں۔ اس لئے فن حدیث میں واقدیؒ کے متعلق جرح کرنے والوں کا پلڑا بہر حال بھاری ہے۔

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے "سير اعلام النبلاء" میں ان کے تذکرے کے شروع میں لکھا:

"ومع هذا فلا يستغنى عنه في المغازي وأيام الصحابة وأخبارهم ." (٤٢)

ترجمہ: یعنی ضعیف ہونے کے باوجود مغازی، عہد صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے واقعات میں واقدیؒ سے بے نیازی نہیں برتی جا سکتی۔

اور ان کے تذکرہ کے آخر میں لکھا

"مع أن وزنه عندي أنه مع ضعفه يكتب حديثه ، ويروى لأني لا اتهمه بالوضع ." (٤٣)

ترجمہ: اس کے ساتھ ساتھ میرے نزدیک ضعیف ہونے کے باوجود واقدیؒ کا رُتبہ یہ ہے کہ ان کی حدیث لکھی اور اس کی روایت کی جاسکتی ہے اس لئے کہ میں اس پر حدیث وضع کرنے کی تہمت نہیں لگاتا۔ (ترجمہ ختم)

حاصل یہ ہے کہ واقدیؒ مغازی اور تاریخ میں تو بلاشبہ امام ہیں اور حدیث میں ضعیف ہیں، لیکن اس قدر بھی ضعیف نہیں کہ ان کی روایت کو لینا دُرست ہی نہ ہو بلکہ ان کی روایت کردہ حدیث لکھی اور بیان کی جاسکتی ہے۔" (٤٤)

پس ثابت ہوا کہ امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ سیرت، تاریخ، غزوات اور اسلامی واقعات میں بلاشک وشبہ امام اور کسی اختلاف کے بغیر ایک مسلمہ شخصیت ہیں، البتہ فن حدیث کے محدثانہ معیار کے مطابق وہ ایک مختلف فیہ راوی ہیں لیکن حدیث میں ان کے مختلف فیہ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سیرت، تاریخ، مغازی اور اسلامی واقعات میں بھی انہیں غیر معتبر کہا یا سمجھا جائے۔

## حواشی وحوالہ جات

(١) ألتاريخ الصغير للبخاري: ص ٢٢٦، ألناشر: ادارة احياء السنة، گوجرانواله، ألپاكستان۔

(٢) تهذيب الكمال في أسماء الرجال للمزي: ١٨٨/٢٦، ألناشر: موسسة الرسالة، بيروت۔

(٣) تهذيب التهذيب لابن حجر: ٣٦٧/٩، ألناشر: دائرة المعارف النظامية، حيدر آباد، دكن ألهند۔

(٤) الضعفاء والمتروكين للنسائي: ص ٣٠٣، ادارة احياء السنة گوجرانواله، ألپاكستان۔

(٥) موسوعة أقوال الامام أحمد بن حنبل، للسيد أبي المعالي ورفقائه: ٢٩٧/٣، ألناشر: عالم الكتب بيروت۔ و شذرات الذهب في اخبار من ذهب لابن العماد الحنبلي: ١٨/٢، ألناشر: دارالآفاق الجديد بيروت۔

(٦) سير أعلام النبلاء للذهبي : ٩/٤٦٦ ، ألناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت ـ

(٧) ألضعفاء الكبير للعقيلي : ٤/١٠٨ ، ألناشر : ألمكتبة العلمية ، بيروت ، لبنان ـ

(٨) ألضعفاء والمتروكين للدارقطني : ص ١٣٦ ، ألناشر : سانگله هل ، شيخوپوره ـ

(٩) ألجرح والتعديل لابن أبي حاتم : ٤/٢١ ، ألناشر : دائرة المعارف العثمانية ، حيدر آباد ، دكن الهند ـ

(١٠) موسوعة أقوال الامام أحمد بن حنبل للسيد أبي المعالي ورفقائه : ٣/٢٩٨ ، ألناشر : عالم الكتب ، بيروت ، لبنان ـ

(١١) ميزان الاعتدال في نقد أسماء الرجال للذهبي : ٣/٦٦٣ ، ألناشر : دار احياء الكتب العربية مصر ـ

(١٢) تاريخ بغداد للخطيب البغدادي : ٣/١٥ ، ألناشر : دار الكتاب العربي ، بيروت ، لبنان ـ

(١٣) تهذيب الكمال في أسماء الرجال للمزي : ٢٦/١٨٨ ، ألناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت ـ

(١٤) ألضعفاء الكبير للعقيلي : ٤/١٠٧ ، ألناشر : ألمكتبة العلمية ، بيروت ، لبنان ـ

(١٥) ألضعفاء الكبير للعقيلي : ٤/١٠٧ ، ألناشر : ألمكتبة العلمية ، بيروت ، لبنان ـ

(١٦) كشف الأستار عن زوائد البزار للهيثمي : ١/١٨١ ، ألناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت ـ و مجمع الزوائد ومنبع الفوائد للهيثمي : ٣/١٦٨ ، ألناشر : دار الفكر ، بيروت ـ

(١٧) تهذيب التهذيب لابن حجر : ٩/٣٦٧ ، ألناشر : دائرة المعارف النظامية ، حيدر آباد ، دكن الهند ـ

(١٨) ألكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي : ٦/١٤٣ ، ألناشر : دار الفكر ، بيروت ـ

(١٩) ألكامل في التاريخ لابن أثير الجزري : ٥/٢٠٩ ، ألناشر : دار الكتاب العربي ، بيروت ـ

(٢٠) تهذيب التهذيب لابن حجر : ٩/٣٦٥ ، ألناشر : دائرة المعارف النظامية ، حيدر آباد ، دكن الهند ـ

(٢١) تهذيب الكمال في أسماء الرجال للمزي : ٢٦/١٩٠ ، ألناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت ـ

(٢٢) سير أعلام النبلاء للذهبي : ٩/٤٥٨ ، ألناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت .

(٢٣) تاريخ بغداد للخطيب البغدادي : ٣/٥ ، ألناشر : دار الكتاب العربي ، بيروت ، لبنان .

(٢٤) معجم الأدباء لياقوت الحموي : ١٨/٢٨٧ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت .

(٢٥) تاريخ بغداد للخطيب البغدادي : ٣/١١ ، ألناشر : دار الكتاب العربي ، بيروت ، لبنان .

(٢٦) سير أعلام النبلاء للذهبي : ٩/٤٦١ ، ألناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت .

(٢٧) سير أعلام النبلاء للذهبي : ٩/٤٥٩ ، ألناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت .

(٢٨) تهذيب التهذيب لابن حجر : ٩/٤٦٥ ، ألناشر : دائرة المعارف النظامية ، حيدر آباد ، دكن الهند .

(٢٩) ميزان الاعتدال في نقد أسماء الرجال للذهبي : ٣/٦٦٥ ، ألناشر : دار احياء الكتب العربية مصر .

(٣٠) تهذيب التهذيب لابن حجر : ٩/٣٦٥ ، ألناشر : دائرة المعارف النظامية ، حيدر آباد ، دكن الهند .

(٣١) موسوعة أقوال الامام أحمد بن حنبل للسيد أبي المعالي ورفقائه : ٣/٣٠٠ ، ألناشر : عالم الكتب ، بيروت ، لبنان .

(٣٢) تاريخ بغداد للخطيب البغدادي : ٣/١٤ ، ألناشر : دار الكتاب العربي ، بيروت ، لبنان .

(٣٣) تاريخ بغداد للخطيب البغدادي : ٣/١١ ، ألناشر : دار الكتاب العربي ، بيروت ، لبنان .

(٣٤) تهذيب الكمال في أسماء الرجال للمزي : ٢٦/١٩٢ ، ألناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت .

(٣٥) تاريخ بغداد للخطيب البغدادي : ٣/٨ ، ألناشر : دار الكتاب العربي ، بيروت ، لبنان .

(٣٦) ألضعفاء الصغير للبخاري : ص ٢٧٥ .

(٣٧) أنظر للجرح : ألضعفاء الكبير للعقيلي : ٣/١٠٩ ، ألناشر : ألمكتبة العلمية ، بيروت ، لبنان .
وللتعديل : تهذيب الكمال في أسماء الرجال للمزي : ٢٦/١٨٩ ، ألناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت .

(٣٨) أنظر سنن ابن ماجة ، كتاب الصلاة ، باب "ماجاء في الزينة يوم الجمعة" : ص ١٠٩٥ .

(٣٩) سير أعلام النبلاء للذهبي : ٤٦٤/٩ ، الناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت ۔

(٤٠) حاشية الكاشف لسبط ابن العجمي : ٢٠٥/٢ ، مؤسسة علوم القرآن ، جدة ۔

(٤١) فتح الباري شرح البخاري لابن حجر ، كتاب النكاح ، باب كثرة النساء : ١٤١/٩ ، قديمي كتب خانه كراتشي ۔

(٤٢) عمدة القاري شرح البخاري للعيني ، كتاب النكاح باب كثرة النساء : ٦٩/٢٠ ، ٧٠ ، ادارة الطباعة المنيرية ۔

(٤٤) التجائے مسافر،ص ۱۳۳۔۔۔۱۴۲، ناشر: مکتبہ عمر فاروق ، شاہ فیصل کالونی، کراچی۔

﴿۱۱﴾

# علامہ احمد بن شیخ ابو سعید ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ

## (المتوفی ۱۱۳۰ھ)

### نام ونسب:

آپ کا نام نامی اسم گرامی: احمد، لقب: ملا جیون، والد کا نام: ابو سعید، اور دادا کا نام: عبد اللہ ہے۔
پورا سلسلہ نسب یہ ہے:
''احمد بن شیخ ابو سعید بن عبد اللہ بن شیخ عبد الرزاق بن شاہ مخدوم ..... الخ۔''
آخر میں آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔

### پیدائش اور سکونت:

آپؒ کے دادا عبد اللہ کے جد امجد مخدوم خاصہ جو شیخ صلاح الدین دہلوی کی اولاد سے ہیں قصبہ ''امیٹھی'' کے مشہور بزرگوں میں سے تھے۔ دہلی سے منتقل ہو کر قصبہ ''امیٹھی'' میں اقامت پذیر ہو گئے تھے۔ ملا جیو اسی قصبہ ''امیٹھی'' میں ۱۰۴۷ھ میں پیدا ہوئے۔

### تحصیل علم:

ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ نے سات سال کی عمر قرآن پاک حفظ کیا، پھر تحصیل علوم وفنون کی طرف متوجہ ہوئے اور یورپ کے متفرق قصبات میں رہ کر فضلائے عصر سے استفادۂ علوم کیا۔ درسیات میں سے اکثر کتب شیخ محمد صادق ترکھی سے پڑھیں، آخر میں ملا لطف اللہ کوروی جہاں آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے سند فراغت حاصل کی۔ آپؒ کے تبحر علمی کے متعلق مولانا آزاد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ہیں:

''حاصل کلام الٰہی و در دانش عقلی و نقلی بحر لا متناہی۔''

ترجمہ: یعنی کلام الٰہی کے حاصل کرنے اور عقلی و نقلی دانش میں بحر بے کراں ہیں۔

تحصیل علم سے فراغت کے بعد مسند صدارت تدریس کو زینت بخشی، اور اپنے وطن میں درس دیتے رہے۔

## قوت حافظہ و سادگی مزاج:

ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ نہایت سادہ وضع، غریب الطبع، منکسر المزاج، بلمن سار، اور رسمی تکلفات سے قطعاً بے گانہ اور قوت حافظہ میں یگانہ تھے، درسی کتابوں کی عبارتوں کے پورے پورے اوراق و صفحات حفظ اور بڑے بڑے قصیدے ایک مرتبہ سننے سے یاد کر لیتے تھے۔

## شاہ عالم گیر ملا صاحب کے سامنے:

چالیس سال کی عمر میں اجمیر شریف سے ہو کر دہلی پہنچے اور یہاں کافی مدت تک اقامت کی اور درس و افادہ کا مشغلہ جاری رہا۔ کشش طالع نے آپ کو شہاب الدین شاہ جہاں بادشاہ تک پہنچایا، شاہ جہان نے آپ کو اورنگ زیب عالم گیر کی تعلیم کے لئے مقرر کیا، اور عالم گیر نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، اور پھر عمر بھر حد سے زیادہ اعزاز و احترام کرتا رہا۔ اسی طرح شاہ عالم خلف عالم گیر آپ کے سامنے لوازم تکریم بجالاتا اور شاہ فرخ سیر بھی آپ کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا۔

## زیارت حرمین شریفین:

پچپن (۵۵) سال کی عمر میں حرمین شریفین حاضر ہوئے، یہاں بھی ایک مدت تک اقامت کی اور ظاہری و باطنی فیوض و برکات سے مالا مال ہوئے۔ چار پانچ سال کے بعد واپس ہو کر ''بلاد دکن'' میں سلطان عالم گیر کے ساتھ چھ (۶) سال گزارے۔

## حرمین شریفین کی دوبارہ حاضری:

۱۱۱۲ھ میں پھر حرمین شریفین حاضری دی، ایک سال اپنے والد ماجد کی طرف سے، اور دوسرے سال اپنی والدہ ماجدہ کی طرف سے مناسک حج ادا کئے، اور صحیحین کا درس نہایت تحقیق و اتقان کے ساتھ مراجعت کتب و شروح کے بغیر دیا۔

## تصوف وسلوک:

۱۱۱۶ھ میں ہندوستان واپس آکر اپنے وطن میں دو سال قیام کیا، اس زمانہ میں طریق سلوک وتصوف کی طرف زیادہ توجہ فرمائی، اور شیخ یاسین بن عبدالرزاق قادریؒ سے "خرقۂ خلافت" حاصل کیا، پھر اپنے احباب ومریدین کے ساتھ دہلی تشریف لائے اور درس وافادہ میں مشغول ہوئے۔

## ایک عجیب وغریب خواب:

صاحب آئینۂ اودھ شاہ سید محمد ابوالحسن مانک پوری نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے کہ ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ کے والد نے خواب دیکھا کہ میں اپنے دونوں بیٹوں (ملاجیون اور اُن کے برادرِ حقیقی ملا بوڈھن) کی اُنگلی پکڑے ہوئے چلا جارہا ہوں کہ اچانک ایک طرف سے "سور" دوڑا ہوا قریب میں آیا، میں نے ملا بوڈھن کو گود میں اُٹھالیا اور وہ ملاجیون کا دامن چھوکر چلا گیا، جب بیدار ہوئے تو بہت متاسف ہوئے اور فرمایا کہ: "سور" کے چھونے کا مطلب دُنیا میں ملوث ہونا ہے، ملا بوڈھن اس سے بچ گیا۔"

ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ تاحیات سوائے اپنے کھانے اور کپڑے کے اور کسی طرح بادشاہ سے متمتع نہیں ہوئے اور نہ اپنے لئے کوئی "علوفہ" مقرر کرایا، جب کہ بادشاہ خود اس کا متمنی رہتا تھا، لیکن بایں ہمہ احتیاط آپؒ کے والد نے اس قدر ملوث ہوجانے کی نسبت پہلے ہی فرمادیا کہ: "اس کو دُنیا نے چھولیا۔"

## تصانیف:

ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ کی چند اہم اور مشہور تصانیف یہ ہیں:

﴿۱﴾ التفسیرات الأحمدیة في بیان الآیات الشرعیة (مع تالیفات المسائل الفقهیة) ﴿۲﴾ نور الأنوار في شرح المنار ﴿۳﴾ السوانح ﴿۴﴾ مناقب الأولیاء ﴿۵﴾ آداب احمدي

## وفات حسرت آیات:

آپ نے ۱۱۳۰ھ میں بزبان اقبال یہ کہتے ہوئے:

آہ! اس آباد ویرانے سے گھبراتا ہوں میں<br>
رخصت اے بزم جہاں سوئے وطن جاتا ہوں میں

کاشانۂ فردوس کو نشیمن بنایا۔ اور پچاس دن کے بعد نعش مبارک دہلی سے امیٹھی لے جا کر اپنے مدرسہ میں دفن کی گئی۔ [۱]

## ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ حاسدین ومعاندین کے نشانے پر:

لیکن بایں ہمہ فضل وکمال آپ بھی کسی بھی طرح حاسدین ومعاندین کے حسد وعناد سے بچ نہ سکے۔ چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

> ''ملاجیون نے "نور الانوار" کے نام سے امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۱۰ھ) کی کتاب "المنار" کی شرح تحریر فرمائی ہے جو درسِ نظامی کے نصاب میں شامل ہے۔ اس میں موصوف فرماتے ہیں کہ:
>
> ''جب ہم اُمور "معترضۃ سماویۃ" کے بیان سے فارغ ہو گئے ہیں تو اب ہم اُمور "معترضۃ مکتسبۃ" یعنی ایسے اُمور کہ جن کے حصول میں بندوں کا بھی اختیار ہوتا ہے' کو شروع کریں گے اور ایسے اُمور کی بہت سی اقسام ہیں۔ پھر جہالت کی بھی بہت سی قسمیں ہیں، ان میں سے ایک قسم "جھل باطل" ہے، جو آخرت میں عذر کی صلاحیت نہیں رکھتا، جیسے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسولوں کی رسالت کے دلائل واضح ہو جانے کے بعد ایک کافر کی جہالت اور خواہشات کے پیروکار کی جہالت، اللہ تعالیٰ کی صفات اور آخرت کے احکام میں جیسے "معتزلہ" کی جہالت کہ انہوں نے صفاتِ الٰہی، عذابِ قبر، رؤیتِ باری تعالیٰ اور شفاعت کا انکار کیا۔ اور "باغی" کی جہالت، امامِ حق کی اطاعت سے دلیلِ فاسد سے استدلال کرتے ہوئے انکار کرنے والا ... اور اس شخص کی جہالت جو کتاب اللہ کی مخالفت کرے ... اور اس شخص کی جہالت جو سنتِ مشہورہ کی مخالفت کرے۔ "والجهل في نحوه كجهل الشافعي في جواز القضاء بشاهد ويمين، فانه مخالف للحديث المشهور وهو قوله (صلي الله عليه وسلم) "البينة علي المدعي واليمين علي من انكر" واوّل من قضيٰ به معاوية، وقد نقلنا كل هذا عليٰ نحو ما قال

---

[۱] ظفر المحصلين بأحوال المصنفين (باختصار)، ۲۱۷ ... ۲۱۹، الناشر: مير محمد كتب خانه، كراتشي.

اسلافنا و ان کنا لم نجتري عليه .''[1]

اور سنت کی مخالفت کے مثل میں جہالت کی مثال جیسے امام شافعیؒ کی جہالت ہے:
''ایک گواہ اور قسم سے فیصلے کے جواز میں، کیوں کہ یہ حدیث مشہور کے مخالف ہے اور آپ ﷺ کا فرمان ہے:

'' البينة على المدعي واليمين على من أنكر ''

ترجمہ: گواہی دعویٰ کرنے والے پر ہے اور جو انکار کرے اس پر قسم ہے۔
اور سب سے پہلے مدعی کی قسم پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ دیا۔ اور یہ سب کچھ ہم نے اس طرح نقل کیا ہے جس طرح اسلاف نے نقل کیا ہے۔ اگرچہ ہم اس پر جرأت نہیں کرتے۔

مذکورہ بحث میں ''جہل باطل'' کی مختلف اقسام بیان کی گئی ہیں۔ ''جہل باطل'' کا حکم یہ ہے کہ یہ آخرت میں ''عذر'' کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ جس طرح ایک کافر کے لئے توحید و رسالت کے دلائل واضح ہو جانے کے بعد اس کی جہالت آخرت میں عذر نہیں بن سکتی۔ البتہ ''ذمی کافر'' کے لئے دُنیا میں مفید ثابت ہو سکتی ہے۔

جہل باطل کے تحت ایک قسم '' جهل الباغي باطاعة الامام الحق متمسكا بدليل فاسد '' بھی بیان کی گئی ہے۔ اگرچہ ناقدین و معاندین معاویہ رضی اللہ عنہ اس قسم کا بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اطلاق کرتے ہیں لیکن اسے عمومی حیثیت میں بیان کیا گیا ہے۔

''جہل باطل'' کی بحث میں آگے ملاجیون نے '' والجهل في نحوه '' میں سنت کی مخالفت کی مثال میں بے موقع و بے محل اور بالکل غیر ضروری طور پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ''جہل باطل'' کی مثال پیش فرمائی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سنت کی مخالفت کی ہے جس کے متعلق آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ:

'' البينة على المدعي واليمين على من أنكر ''

---

[1] (نور الأنوار في شرح المنار: ص ۲۹۹، ۳۰۰، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۳۲، ۱۳۳)

ترجمہ: گواہی دعویٰ کرنے والے پر ہے اور جو انکار کرے اس پر قسم ہے۔

لیکن حضرت معاویہ ﷜ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس سنت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مدعی کی قسم پر فیصلہ صادر کیا۔

ملا جیونؒ نے حضرت معاویہ ﷜ کی طرف جہالت کی نسبت اور انہیں مخالف سنت ثابت کر کے یہ سارا بوجھا اپنے اسلاف، پر ڈال دیا ہے اور کہا ہے کہ:

" وقد نقلنا كل هذا على نحو ما قال أسلافنا وان كنا لم نجترئ عليه . "

لیکن یہ مثالیں "مثل لها" کے مطابق نہیں ہیں، کیوں کہ ایسا اجتہاد جو نص قطعی کے مخالف ہو اور وہ نص تاویل کو قبول نہ کرتی ہو تو ایسا اجتہاد قطعی طور پر "جہل باطل" ہے اور حضرت معاویہ ﷜ اور امام شافعیؒ کی جو مثالیں ملا جیونؒ نے پیش کی ہیں وہ "جہل باطل" میں ہرگز نہیں آتیں۔

یہی وجہ ہے کہ ملا جیونؒ نے آخر میں یہ لکھ دیا ہے کہ:

"یہ سب کچھ ہم نے اسلاف سے نقل کیا ہے اگر چہ ہم اس پر جرأت نہیں کرتے۔"

حالاں کہ کتاب "المنار" (جس کی شرح ملا جیونؒ نے "نور الانوار" کے نام سے تحریر فرمائی ہے) میں یہ مثالیں موجود نہیں ہیں۔ ملا جیونؒ نے خود ہی انہیں " والجهل في نحوه " کے تحت لا کر "جہل باطل" میں شامل کر دیا۔

سخت حیرت ہے کہ موصوف اسے ایک صحابی کی شان میں بے ادبی بھی سمجھتے ہیں اور اسے اپنے اسلاف سے صحیح سمجھ کر نقل بھی فرما رہے ہیں۔

نور الانوار کے فاضل محشی علامہ محمد عبد الحلیم (المتوفی ۱۲۸۵ھ) اپنے حاشیہ "قمر الاقمار" میں " لم نجترئ عليه " کے تحت فرماتے ہیں کہ:

" لأن في هذا البيان سوء الأدب . "

ترجمہ: کیوں کہ اس بیان میں سوئے ادب پایا جاتا ہے۔

اس مثال میں حضرت معاویہ ﷜ جیسے جلیل القدر صحابی کی طرف "جہل باطل" کی

نسبت بالکل خلاف واقع اور نہایت ہی ناروا جسارت ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ زیادہ سے زیادہ "اجتہادی اختلاف" کے زمرے میں آتا ہے۔" [۱]

## صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول بہا مسئلہ "جہل باطل" یا بدعت کے زمرے میں نہیں آتا!:

اس میں شک نہیں کہ "القضاء بشاهد ويمين" کا مسئلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے اور اسی وجہ سے فقہاء میں بھی مختلف فیہ ہی رہا ہے، قطع نظر اس سے کہ اس فعل کی نسبت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف صحیح ہے یا نہیں، تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ، مجتہد فیہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول بہا ہونے کی وجہ سے "جہل باطل" یا "بدعت" کے زمرے میں کسی طرح بھی نہیں آتا۔

لیکن ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تحقیق اپنی جگہ بالکل صحیح اور درست معلوم ہوتی ہے کہ بعض اسلاف سے یہ بات واقعتاً منقول ہے کہ: "سب سے پہلے حضرت معاویہ نے ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ صادر فرمایا ہے۔"

چنانچہ علامہ عبیداللہ بن مسعود محبوبی حنفی (التوفی ۷۱۹ھ) مبسوط کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"وذكر في المبسوط ان القضاء بشاهد ويمين بدعة وأوّل من قضي به معاوية." [۲]

ترجمہ: مبسوط میں ہے کہ ایک گواہ اور (مدعی کی) قسم کے ساتھ فیصلہ کرنا بدعت ہے اور اس طرح کا فیصلہ سب سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کیا ہے۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ ابوالعباس احمد بن ادریس القرافی رحمۃ اللہ علیہ (التوفی ۶۸۴ھ) لکھتے ہیں:

"وقد نص علىٰ نقضه أبو حنيفة رضي الله عنه وقال هو بدعة." [۳]

ترجمہ: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر نقض اور اس کی مخالفت کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ بدعت ہے۔

اسی طرح علامہ محمد امین الشہیر بامیر بادشاہ رحمۃ اللہ علیہ (التوفی ۹۷۲ھ) لکھتے ہیں:

"وعن الزهري بانه بدعة وأول من قضي به معاوية." [۴]

---

[۱] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۱۳۲.....۱۳۳)

[۲] (التوضيح لمتن التنقيح في أصول الفقه للمحبوبي: ۱۵/۲، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[۳] (أنوار البروق في أنواء الفروق للقرافي: ۱۰۸/٤، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[۴] (تيسير التحرير للأمير بادشاه: ۳٦٤/٤، الناشر: دار الفكر، بيروت)

ترجمہ: زہریؒ سے مروی ہے کہ یہ بدعت ہے۔ اور سب سے پہلے اس کا ارتکاب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کیا ہے۔

اسی طرح شمس الائمہ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۸۳ھ) لکھتے ہیں:

"اول من قضي به معاوية ."[1]

ترجمہ: (ایک گواہ اور قسم کے ساتھ) سب سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ دیا۔

اسی طرح علامہ برہان الدین مازہ حنفی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۱۶ھ) لکھتے ہیں:

"اول من قضي به معاوية ."[2]

ترجمہ: (ایک گواہ اور قسم کے ساتھ) سب سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ دیا۔

اسی طرح علامہ عبدالرحمان بن محمد شیخی زادہ داماد آفندی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۷۸ھ) لکھتے ہیں:

"واول من قضي به معاوية ."[3]

ترجمہ: اور ایک گواہ اور قسم کے ساتھ سب سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ دیا۔

اسی طرح علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۹۳ھ) مبسوط کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"وذكر في المبسوط أن القضاء بشاهد ويمين بدعة وأول من قضي به معاوية ."[4]

ترجمہ: مبسوط میں ہے کہ ایک گواہ اور (مدعی کی) قسم کے ساتھ فیصلہ کرنا بدعت ہے اور اس طرح کا فیصلہ سب سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے صادر فرمایا۔

ان حوالہ جات سے ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات تو ثابت ہو گئی کہ بعض اسلاف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس قسم کی بعض روایات واقعتاً منقول ہیں۔

تاہم اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا مسلک بھی اس بارے میں یہی تھا جب کہ وہ خود اس بات کا اقرار کر رہے ہیں کہ:

---

[1] (المبسوط للسرخسي: ۱۹۶/۲۶، الناشر: دار الفكر، بيروت، لبنان)

[2] (المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۵۳۵/۸، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت)

[3] (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر لشيخي زادة: ۳۵۰/۳، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[4] (شرح التلويح على التوضيح لمتن التنقيح في أصول الفقه للتفتازاني: ۱۶/۲، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت)

"وقد نقلنا كل هذا علي نحو ما قال اسلافنا وان كنا لم نجترئ عليه "[1]

ترجمہ: اور یہ سب کچھ ہم نے اُس طرح نقل کیا ہے جو ہمارے اسلاف نے فرمایا ہے اگرچہ ہم اس پر جرأت نہیں کرتے۔ (ترجمہ ختم)

## طعن معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ کا دامن پاک ہے!:

لہٰذا اس تناظر میں ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اُنہوں نے بعض اسلاف کا مذکورہ بالا قول حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں صرف نقل کیا ہے جس کی وجہ سے اُنہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد و معاند ہرگز نہیں ٹھہرایا جاسکتا، اس لئے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بعض اسلاف کے مذکورہ بالا اقوال نقل کرنے میں ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ کی حیثیت محض ایک ناقل کی ہے، خود اُن کا اپنا نظریہ اور مؤقف اس بارے میں وہ نہیں ہے جو اُنہوں نے نقل کیا ہے۔

## صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مغفور ہیں معصوم نہیں!:

باقی رہے وہ اسلاف جو اس روایت کے اصل ناقل ہیں، تو اُنہوں نے بھی اصولاً کوئی خلاف اسلام بات نہیں کہی، اس لئے کہ اہل سنت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے غلطی، الغزش، خطائے اجتہادی، صغیرہ و کبیرہ معصیت بھی کا امکان مانتے ہیں، جیسا کہ خود پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے بھی یہاں اس بات کا اقرار کیا ہے کہ:

"اس مثال میں ۔۔۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ زیادہ سے زیادہ "اجتہادی اختلاف" کے زُمرے میں آتا ہے۔"[2]

تو اس کے تو ہم بھی قائل ہیں۔

ہاں! یہ ہوسکتا ہے کہ فی الواقع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مذکورہ بالا فیصلہ کا صدور ثابت نہ ہو اور اُن کی طرف غلطی سے اس کی نسبت کردی جائے تو واقعی یہ بالکل خلاف واقع بات اور ایک انتہائی ناروا جسارت کہلائی جائے گی لیکن یہ بھی تب ہے جب کہ سند پر بحث کی جائے۔

---

[1] (نور الأنوار في شرح المنار، ص ۲۹۹، ۳۰۰)

[2] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۱۴۴)

﴿۱۴﴾

# بیہقی وقت، علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

## (المتوفی ۱۲۲۵ھ)

### تعارف:

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء پانی پتی قدس سرہ کی اولاد میں سے ہیں۔ اور آپ کا شمار شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز تلامذہ میں ہوتا ہے۔ آپ بہترین علماء، پرہیزگار اور عمدہ ترین متقیان روزگار میں سے تھے۔ اور دینی وعلمی حلقوں میں شیخ زماں، امام وقت، مجتہد عصر، مفسر قرآن محدث، فقیہ، محقق وشیخ طریقت کی حیثیت سے معروف تھے۔

### ابتدائی تعلیم:

آپ نے سات سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کیا اور سولہ سال کی عمر میں تحصیل علم سے فارغ ہوئے۔ زمانہ طالب علمی میں کتب درسیہ کے علاوہ بھی تقریباً ایک سو پچاس کتابیں مطالعہ کیں۔

پانی پت میں کچھ عرصہ تک "قضاء" کے منصب پر فائز رہے، اور ایک زمانہ تک افاضۂ ظاہر وباطن، اشاعت علوم، فصل خصومات، افتاء، سوالات اور حل مشکلات میں مصروف رہے۔

### بیعت وخلافت:

قاضی صاحبؒ پہلے شاہ محمد عابد سنامی قدس سرہ سے بیعت کی، پھر ان کی وفات کے بعد مجددی سلسلہ طریقت میں اس عہد کے سب سے بڑے شیخ مرزا مظہر جان جاناں (شہید ناموس صحابہ ؓ) کے ہاتھ پر بیعت کی اور بعد میں ان کے خلیفہ اعظم مقرر ہوئے۔

## علمی مقام:

علمی قابلیت وصلاحیت کے پیش نظر آپؒ کے پیر ومرشد حضرت مولانا مرزا جان جاناں صاحب قدس سرہ نے آپ کو "علم الہدیٰ" کے لقب سے سرفراز فرمایا، جب کہ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہم عصر ہونے کے باوجود آپ کو "بیہقی وقت" جیسے عظیم الشان لقب سے نوازا۔

حضرت قاضی صاحب قدس سرہ علم تفسیر، فقہ، کلام اور تصوف میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ خصوصاً علم فقہ میں ایسا مرتبہ حاصل تھا کہ اس میں کئی کتابیں اور رسالے تصنیف فرمائے۔ اور مشکل سوالات کے جوابات میں کئی خطوط تحریر فرمائے۔

## تصانیف:

حضرت قاضی صاحب قدس سرہ کو تصنیف وتالیف میں بھی حق تعالیٰ نے خصوصی ملکہ عطا فرما رکھا تھا۔ آپؒ نے مختلف موضوعات گراں قدر اور علمی کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں سے چند کے نام یہ ہیں:

﴿۱﴾ تفسیر مظہریؒ (عربی) کامل ضخیم سات جلدیں۔ اس کتاب کا نام آپؒ نے اپنے پیر ومرشد سے شدت عقیدت ومحبت کی بناء پر حضرت مولانا مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر رکھا ہے۔ ﴿۲﴾ سیف المسلول۔ رد شیعیت میں اس کتاب کو "شمشیر بے نیام" کہا جاتا ہے۔ ﴿۳﴾ ارشاد الطالبین ﴿۴﴾ مالا بد منہ (فارسی) ﴿۵﴾ تذکرۃ الموتیٰ والقبور ﴿۶﴾ تذکرۃ المعاد ﴿۷﴾ حقوق الاسلام (یہ کتاب حقیقت الاسلام کے نام سے مشہور ہے۔) ﴿۸﴾ رسالہ حرمت واباحت سرود ﴿۹﴾ رسالہ حرمت متعہ ﴿۱۰﴾ رسالہ شہاب ثاقب وغیرہم۔

علاوہ ازیں آپ کی دیگر بھی کئی کتابیں اور رسالے موجود ہیں جن کی تعداد تیس سے کچھ اوپر ہے۔

## وفات حسرت آیات:

حضرت قاضی صاحب قدس سرہ نے مورخہ یکم رجب المرجب ۱۲۲۵ھ بمطابق ۱۸۱۰ء کو اس جہان رنگ وبو کو خیر آباد کہا اور سفر آخرت کے لئے روانہ ہو گئے۔

مولوی حافظ محب اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے آپؒ نے تاریخ وفات قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ:

"فهم مكرمون في جنات نعيم."

سے نکالی ہے۔ ل

## حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حاسدین ومعاندین کے نشانے پر:

لیکن بایں ہمہ فضل وکمالات حاسدین ومعاندین کے تیرو ترکش سے آپ کسی طرح بھی نہ بچ سکے۔ چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"موصوف نے تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف کے ساتھ ساتھ اہل سنت کے عقائد و نظریات کے فروغ اور تحفظ کے لئے بھی مجاہدانہ کردار ادا کیا اور اہل تشیع کے افکار و نظریات تردید میں " السیف المسلول " کے نام سے ایک معرکۃ الآراء کتاب تصنیف فرمائی مگر صد افسوس! کہ بعض مقامات پر بالخصوص حضرت معاویہ ﷛ کے بارے میں مطلوب اعتدال برقرار نہ رکھ سکے اور انہیں "باطل" پر قرار دے دیا۔ چنانچہ موصوف حضرت معاویہ ﷛ کی خلافت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

"گو انہوں (حضرت حسن ﷛) نے یہ صلح مسلمانوں میں خون ریزی بند کرنے کے لئے کی تھی۔ ہاں! اس سے حضرت معاویہ ﷛ کی دوسروں پر افضلیت ثابت نہیں، کیوں کہ ان کی خلافت 'خلفائے اربعہ ﷛ کی خلافت کی طرح اہل حل وعقد کے اجتہاد اور مشورہ سے نہیں ہوئی تھی۔ ۲

موصوف آگے زیر عنوان "حضرت معاویہ ﷛ کی اجتہادی خطاء لکھتے ہیں کہ:

"اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی ﷛ کی خلافت برحق تھی اور حضرت معاویہ ﷛ باطل پر تھے اور بغاوت کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمار ﷛ کو فرمایا تھا:

"تقتلک ألفئة الباغية " ۳

---

۱ (تذکرہ علمائے ہند (از مولوی رحمان علی): ۱۴۴، ۱۴۵، ناشر: پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی)

۲ (السیف المسلول، ص ۱۰۲، مطبوعہ فاروقی کتب خانہ، بحوالہ: حضرت معاویہ ﷛ کے ناقدین ص ۱۳۷)

۳ (بحوالہ مذکورہ، ص ۱۳۸)

ترجمہ۔ تجھے باغی گروہ قتل کرے گا۔

حضرت موصوف کی یہ دونوں باتیں ”صحیح نہیں ہیں کہ: ”حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت اہل حل وعقد کے اجتہاد اور مشورہ سے نہیں ہوئی تھی۔“ اور ”حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باطل پر تھے۔“

ہر دور کے اپنے اہل وعقد ہوتے ہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہ دو حصوں میں تقسیم تھے۔ ان میں سے کچھ حضرات حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور کچھ حضرات شام میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ولایت میں تھے۔“ [۱]

## کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اہل حل وعقد کے مشورہ سے قائم ہوئی؟:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ارباب حل وعقد کے اجتہاد اور مشورے سے قائم ہونے کا اگر یہی مطلب ہے جو پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے مراد لیا ہے کہ:

”حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی اس پیشن گوئی [۲] ”ان ابنی هذا سید لعل الله یصلح به بین فئتین عظیمتین من المسلمین.“ کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں نہ صرف خلافت سے دست برداری اختیار کرلی، بلکہ اپنے اہل حل وعقد سمیت ان کے ہاتھ پر بیعت بھی کرلی۔ ... حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور آن کی جماعت کے بیعت کرنے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اُمت کا اجماع ہوگیا۔“ [۳]

تو اس میں شک ہی کیا ہے یا اس سے کون انکار کرتا ہے؟۔

اور اگر اس کا مطلب یہ ہے (جیسا کہ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے) کہ جس طرح حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی خلافت اہل حل وعقد کے اجتہاد اور مشورے سے قائم ہوئی تھی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اُس طرح اہل حل وعقد کے اجتہاد اور مشورے سے قائم نہیں ہوئی تھی تو پھر اس کا جواب منفی میں ہے اور حضرت

---

[۱] (السیف المسلول ص ۲۰۱، مطبوعہ فاروقی کتب خانہ، بحوالہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۱۴۷)

[۲] صحیح لفظ ”پیش گوئی“ یا ”پیشین گوئی“ ہے۔ (رفیع)

[۳] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۱۴۸)

قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق درست ہے۔

اس لئے کہ خلیفہ یا اہل حل وعقد کا آزادانہ مشورے سے افضل ترین فرد کو خلافت سپرد کرنا (جب کہ وہ خود اُس کا طالب نہ ہو) اور چیز ہے، اور کسی خلیفہ کا مسلمانوں کو خون ریزی سے بچانے کے لئے خلافت کے حصول پر مصر مخالف جماعت کو خلافت سپرد کر دینا دوسری چیز ہے۔

حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کا قیام پہلی صورت کے مطابق ہوا تھا کہ سب سے پہلے اہل حل وعقد یا خلیفہ نے اپنی آزادانہ رائے سے کسی ایک خلیفہ کو خلافت کے لئے نامزد کیا اور پھر اُس کے بعد اُس کے ہاتھ پر تمام مسلمانوں نے بیعت کی، جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا قیام دوسری صورت کے مطابق ہوا تھا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے فوراً بعد شام میں اپنی الگ خلافت کا دعویٰ کر چکے تھے، اور وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت (جو اصل شرعی خلیفہ کی نیابت تھی) بھی اُن سے لینا چاہتے تھے۔ اہل شام اور اہل عراق میں دوبارہ جنگوں کا خطرہ تھا۔ فوجیں تیار ہو رہی تھیں۔ ان حالات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو یہی صورت بتلائی کہ وہ منصب خلافت سے معزول ہو جائیں، جسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فقط مسلمانوں کی خون ریزی کے خطرہ کے پیش نظر اسے قبول کر لیا تھا۔

ہاں! ارباب حل وعقد کے اجتہاد اور مشورے کے بغیر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بننے سے آپ کی خلافت کا باطل ہونا ہرگز لازم نہیں آتا، اس لئے کہ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت کی باگ ڈور آپ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دی اور تمام مسلمانوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو اُس وقت کے آپ رضی اللہ عنہ بلاشک وریب مسلمانوں کے ایک خلیفہ برحق منتخب ہو گئے تھے۔

چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے صاف اور بے غبار وہ روایت ہے جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کر کے اپنی جامع میں نقل کی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ:

" حدثنا عبد الله بن محمد ، حدثنا سفيان ، عن أبي موسي ، قال : سمعت الحسن ، يقول : استقبل والله الحسن بن علي معاوية بكتائب أمثال الجبال ، فقال عمرو بن العاص : اني لأري كتائب لا تولي حتي تقتل أقرانها ، فقال له معاوية : وكان والله خير الرجلين أي عمرو ان قتل هؤلاء ، هؤلاء ،

وهؤلاء هؤلاء من لي بأمور الناس من لي بنسائهم من لي بضيعتهم فبعث اليه رجلين من قريش من بني عبد شمس ، عبد الرحمان بن سمرة وعبد الله بن عامر كريز ، فقال : اذهبا الى هذا الرجل ، فاعرضا عليه ، وقولا له : واطلبا اليه ، فأتياه ، فدخلا عليه فتكلما ، وقالا له : فطلبا اليه ، فقال لهما الحسن بن علي : انا بنو عبد المطلب ، قد أصبنا من هذا المال وإن هذه الامة قد عاثت في دمائها ، قالا : فانه يعرض عليك كذا وكذا ، ويطلب اليك ويسالك قال : فمن لي بهذا؟ قالا : نحن لک به ، فما سالهما شيئا الا قالا : نحن لک به ، فصالحه .''[1]

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پہاڑوں کے مانند لشکر اور جیوش باہم متقابل ہوئے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''یہ لشکر اور عساکر ایک دوسرے کو قتل کیے بغیر پسپا ہونے والے نہ تھے۔'' حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''اللہ کی قسم! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ''خیر الرجلین'' تھے۔'' یعنی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے بہتر تھے۔ انہوں نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: ''اگر ایک فریق دوسرے فریق کو قتل کر ڈالے اور دوسرا فریق پہلے فریق کو قتل کر ڈالے تو لوگوں کے معاملات کی دیکھ بھال کون کرے گا؟ ان کی عورتوں، ان کے بال بچوں اور ان کے کمزور لوگوں کی نگہداشت کون کرے گا؟ یعنی اس صورت میں یہ سب لوگ ضائع اور برباد ہو جائیں۔'' تو ان حالات کے پیش نظر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بنی عبد الشمس کے دو افراد عبد الرحمن بن سمرۃ اور عبد اللہ بن عامر کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف روانہ کیا اور فرمایا کہ: ''حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر صلح نامہ پیش کیجئے اور انہیں صلح پر آمادہ کیجئے!۔'' چنانچہ یہ دونوں حضرات حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور اس مسئلہ پر گفتگو کر کے انہیں صلح کی دعوت دی۔ اس پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ: ''ہم بنو عبد المطلب ہیں (اپنے اہل

---

[1] (صحیح البخاری: ۱۸۶/۳، الناشر: دار طوق النجاة)

وعیال اقرباء اور خدام پر بخشش، توسع اور کرم کرنا ہماری جبلت میں داخل ہے ) اور اس مال سے ہم ان سب کے حقوق ادا کرتے ہیں، اور اب اس امت میں بہت زیادہ انتشار اور فساد واقع ہوگیا ہے۔'' اس پر ان حضرات نے کہا کہ: '' آپ کی ضروریات اور تقاضے پورے کیے جائیں گے اور آپ کے تمام مطالبات تسلیم کیے جائیں گے۔'' حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ: '' ان وعدوں کے ایفاء کا ذمہ دار کون ہوگا؟ '' انہوں نے کہا: '' ہم ذمہ دار ہوں گے۔'' اس کے بعد مسئلہ خلافت میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرلی۔ (ترجمہ ختم)

## صلح کے بعد باہمی گفتگو:

نیز ہمارے دعوے کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے صلح کرلی تو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ:

'' اس مصالحت کی لوگوں کو اطلاع کیجئے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے امر خلافت کو ترک کردیا ہے اور اسے ہمارے سپرد کردیا ہے۔''

چنانچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنی جگہ سے اٹھے اور حمد وثناء کے بعد ارشاد فرمایا:

'' عقل مند شخص وہ ہے جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے اور عاجز شخص وہ ہے جو فاجر ہے۔ میں نے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت کے معاملہ میں جو باہم اختلاف کیا ہے یا تو میرا حق تھا جسے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے ترک کردیا ہے اور یا اس شخص کا حق تھا جو مجھ سے زیادہ حق دار ہے۔ میں نے تو صرف لوگوں کو خون ریزی سے بچانے کے لئے (صلح کی) یہ صورت اختیار کی ہے۔''

چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

'' قال الشعبي: فسمعته على المنبر حمد الله و اثنى عليه ثم قال: اما بعد! فان أكيس الكيس التقي، وان أعجز العجز الفجور، وان هذا الأمر الذي اختلفت فيه انا ومعاوية حق كان لي فتركته لمعاوية أوحق كان لامرئ احق به مني، وانما فعلت هذا لحقن دمائكم، وان أدري لعله فتنة لكم ومتاع

الحیٰ حیین [۱]

ترجمہ: عامر شعبیؒ ذکر کرتے ہیں کہ جب حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ کے ساتھ صلح کرلی تو میں بھی اس موقع وہاں حاضر تھا۔ حضرت معاویہؓ نے حضرت حسنؓ سے فرمایا کہ: "اس مصالحت کی لوگوں کو اطلاع کیجئے کہ آپ نے امر خلافت کو ترک کر دیا ہے اور اسے ہمارے سپرد کر دیا ہے۔" چنانچہ حضرت حسنؓ اپنی جگہ سے اُٹھے اور حمد وثناء کے بعد ارشاد فرمایا کہ: "عقل مندوں میں سے زیادہ عقل مند شخص وہ ہے جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے۔ اور عاجزوں میں سے زیادہ عاجز شخص وہ ہے جو فاجر ہے۔ یہ معاملہ جس میں حضرت معاویہؓ اور ہم نے باہم اختلاف کیا ہے' یہ یا تو میرا حق تھا جسے میں حضرت معاویہؓ کے لئے چھوڑ دیا ہے اور یا یہ اس شخص کا حق تھا جو مجھ سے زیادہ حق دار ہے۔ میں نے لوگوں کو خون ریزی سے بچانے کے لئے (صلح کی) یہ صورت اختیار کی ہے۔" (ترجمہ ختم)

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کی خلافت کے لئے نامزدگی خود ان کے اصرار اور مطالبہ پر ہوئی تھی، جسے حضرت حسنؓ نے جنگوں کا خطرہ ختم کرنے کی خاطر مان لیا تھا، ایسا نہیں تھا اُمت کے افضل حضرات یا خود حضرت حسنؓ نے آزادانہ طور پر سوچ بچار کی ہو کہ اس وقت اُمت میں بہتر فرد کون ہے؟ بہت سے نام سامنے ہوں اور پھر اُن ناموں میں سے حضرت معاویہؓ کا نام چن لیا گیا ہو، بلکہ فقط دو نام تھے، ایک حضرت حسنؓ کا اور دوسرے حضرت معاویہؓ کا، اور فیصلہ حضرت حسنؓ کے پاس تھا کہ یا میں ہی خلیفہ رہوں یا پھر حضرت معاویہؓ کو خلافت سونپ دی جائے۔

اگر آزاد شورائی فیصلہ ہوتا تو پھر حضرت معاویہؓ سے افضل حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابوہریرۃؓ وغیرہ کبار صحابہ کرامؓ موجود تھے تو اُن میں سے کوئی خلیفہ نامزد ہوتا۔

البتہ خلیفہ منتخب ہونے کے بعد آپؓ کی خلافت پر اُس وقت کے تمام مسلمانوں بشمول اہل حل وعقد نے بیعت کی تھی۔

چنانچہ حضرت حسنؓ کی حضرت معاویہؓ سے مصالحت اور سپردگی خلافت کے جس قدر بھی حوالہ جات

---

[۱] (مصنف ابن ابی شیبہ، ۱۱/۱۴۲، تحت کتاب الامراء)

موجود ہیں اُن سب سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو سپردگی خلافت کے فیصلہ کے بعد تمام مسلمانوں کو فقط فیصلہ سنانے کے لئے جمع کیا گیا تھا، اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا حکم ماننے کی خاطر ان سب ہی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور آپ کو خلیفۂ وقت تسلیم کیا تھا۔

چنانچہ خود پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا حوالہ ملاحظہ فرمایئے کہ جس میں اَن جانے میں وہ بھی ہمارے اس دعوے کو تسلیم کرتے ہوئے بحوالہ علامہ ابن عبدالبر لکھ گئے کہ:

''علامہ ابن عبدالبر اندلسی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں کہ:

'' واجتمع الناس عليه حين بايع له الحسن بن علي وجماعة ممن معه ۔۔۔ الخ ''[1]

اب آپ ذرا علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ پر غور فرمائیں کہ:

''جس وقت حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور اُن کی جماعت کے ساتھیوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تو اس پر لوگوں کا اجتماع ہوگیا۔''

تو آپ کو ہمارے اس دعوے کا حق اور سچ ہونا سمجھ میں آجائے گا۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے خلافت سپرد کرنے کے بعد اُن کی خلافت پر لوگوں کا اجتماع ہوا تھا، خلافت کی بیعت ہونے سے پہلے افاضل صحابہ رضی اللہ عنہم کو آزادانہ اختیار نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اُن میں سے جس کو چاہیں خلافت کے لئے چن لیں۔

یہ تھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے قائم ہونے کی وہ اصلی اور حقیقی صورت جو اُس نازک اور پرآشوب دور میں قائم ہوئی تھی اور پھر اُس پر تمام مسلمانوں بشمول اہل حل وعقد نے بیعت کی تھی، اور آپ رضی اللہ عنہ کو خلیفۃ المسلمین منتخب کیا تھا۔

## پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو کھلا چیلنج!:

اس سلسلے میں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو ہمارا کھلا چیلنج ہے کہ وہ اپنے دعوے کے مطابق ہمیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی خلافت کی طرح بیعت خلافت سے پہلے اہل حل وعقد کے

---

[1] (الاستیعاب مع الاصابۃ: ۳/۳۹۸ ــــ ۴۰۰ بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۱۳۶)

آزادانہ مشورے سے قائم ہونا ثابت کردیں! کیوں کہ اُن کا دعویٰ ہے کہ: ”حضرت معاویہ ؓ کی خلافت حضرات خلفائے اربعہ ؓ کی خلافت کی طرح بیعت خلافت اہل حل وعقد کے اجتہاد اور مشورے سے قائم ہوئی تھی، لہٰذا اب انہیں اپنے اس دعویٰ پر دلیل بھی پیش کرنا ضروری ہوگا۔

## کیا جنگ صفین میں حضرت معاویہ ؓ حق پر تھے؟:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب حضرت قاضی صاحب قدس سرہ پر بے جا یورش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی ؓ کی خلافت برحق تھی اور حضرت معاویہ ؓ باطل پر تھے اور بغاوت کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمار ؓ کو فرمایا تھا:

" تقتلك الفئة الباغية ."

ترجمہ: تجھے باغی گروہ قتل کرے گا۔

حضرت موصوف کی یہ دونوں باتیں ”صحیح نہیں ہیں کہ: ”حضرت معاویہ ؓ کی بیعت اہل حل وعقد کے اجتہاد اور مشورہ سے نہیں ہوئی تھی۔“ اور ”حضرت معاویہ ؓ باطل پر تھے۔“ [1]

## حضرت علی ؓ کے خلاف حضرت معاویہ ؓ کا خروج بالاتفاق ناحق تھا!:

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں مولانا عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے علمائے اہل سنت کا اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ حضرت معاویہ ؓ نے حضرت علی ؓ کے خلاف جو خروج کیا تھا وہ ایک ناحق خروج تھا لیکن چوں کہ تھا اُن کے اجتہاد شرعی کے نتیجہ میں اس لئے ان کے حق میں وہ معاف ہے۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

" ان أهل السنة أجمعوا علي أن من خرج علي عليٍّ كرم الله وجهه خارج علي الامام الحق ، الا أن هذا البغي الاجتهادي مغفور عنه ." [2]

---

[1] (السيف المسلول، ص ۲۰۱، مطبوعہ فاروقی کتب خانہ، بحوالہ حضرت معاویہ ؓ کے ناقدین: ص ۱۴۸)

[2] (الناهية عن طعن معاوية للفرهاروي: ص ۳۸، الناشر: الحكمة الحقيقة، استنبول، تركي)

ترجمہ:- (علمائے) اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ جنہوں (حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا تھا ان کا خروج ایک امام برحق کے خلاف خروج تھا، مگر یہ کہ یہ ان کی اجتہادی بغاوت تھی جو ان کے حق میں معاف ہے۔ (ترجمہ ختم)

## حاصل کلام:

خلاصۂ کلام یہ کہ ایک تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت اہل حل وعقد کے اجتہاد اور مشورہ سے نہیں ہوئی تھی، بلکہ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی خلافت کے قیام کی نوعیت اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے قیام کی نوعیت میں زمین وآسمان کا فرق تھا کہ حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی خلافت ارباب حل وعقد کے آزادانہ مشورے سے قائم ہوئی تھی، اور خلیفہ کے تجویز کرنے میں اہل شوریٰ پوری طرح آزاد تھے کہ وہ امت کے بہترین افراد میں سے جس کو چاہیں خلیفہ تجویز کرلیں، جب کہ یہاں اضطراری حالت تھی، کوئی شوریٰ نہیں تھی کہ جسے کئی افاضل امت میں سے کسی ایک کو چننے کا اختیار ہوتا، بلکہ دو گروہ تھے، ایک شرعی خلیفہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا اور دوسرا امیر شام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا جو خلیفہ کی اطاعت سے آزاد تھے۔ پہلا گروہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت پر مصر تھا، جب کہ دوسرا گروہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر مصر تھا، تاہم حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے گروہ کو اہل شام کو خلافت سونپ دینے پر منالیا تھا۔

اور دوسرے یہ کہ علمائے اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف جو خروج کیا تھا وہ ایک ناحق خروج تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باطل پر تھے اور بغاوت کررہے تھے۔ لیکن چوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ بغاوت اُن کے اجتہاد شرعی کے نتیجہ میں تھی اس لئے وہ اُن کے حق میں معاف ہے۔

﴿۱۳﴾

# حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

## (المتوفی ۱۲۳۹ھ)

### نام ونسب:

آپ کا نام نامی اسم گرامی: عبدالعزیز، لقب: سراج الہند، محدث دہلوی، والد کا نام: شاہ ولی اللہ اور دادا کا نام: شاہ عبدالرحیم ہے۔

پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:

''شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم ...... الخ۔''

### ولادت باسعادت:

آپؒ مورخہ ۲۵/ رمضان المبارک ۱۱۵۹ھ بمطابق ۱۱/اکتوبر ۱۷۴۶ء بروز جمعہ کو ''دہلی'' میں پیدا ہوئے آپ کا تاریخی نام ''غلام حلیم'' ہے، جس کے اعداد ۱۱۵۹ ہیں، اور اس سے آپ کا سن ولادت نکلتا ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب چونتیس (۳۴) واسطوں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔[۱]

### درس وتدریس:

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جب سترہ (۱۷) برس کے ہوئے تو آپؒ کے والد بزرگوار امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوگئی۔ آپؒ پچیس (۲۵) سال کی عمر ہی سے آپ متعدد موذی امراض میں

---

[۱] (حیات ولی از: محمد رحیم بخش، ص ۵۹۷، ناشر: مکتبہ سلفیہ، لاہور)

مبتلا رہنے لگے تھے، اور آخر عمر تک اس میں گرفتار رہے۔ اوائل عمر ہی میں کثرت امراض کے باوجود آپؒ نے مدت العمر درس وتدریس کی محفل سجائی رکھی اور اپنے والد کے سچے جانشین مقرر ہوئے، اور مدت العمر اپنے والد ماجد کی مسند کو درس وتدریس، دعوت وتبلیغ، تصنیف وتالیف، شریعت وطریقت اور جہاد وعزیمت سے خوب گرمایا۔ ۱

## تصانیف:

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں متعدد کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، آخری عمر میں جب مختلف قسم کے امراض نے آپؒ کو گھیر لیا اور آنکھوں کی بصارت زائل ہونا شروع ہوئی تو آپؒ نے بعض کتابیں املاء کروا کے بھی لکھوائی ہیں۔ ۲

چند اہم تصانیف کے نام یہ ہیں۔

(۱) تحفۂ اثنا عشریہ (فارسی) (۲) عجالہ نافعہ (فارسی) (۳) بستان المحدثین (فارسی) (۴) فتاویٰ عزیزیؒ (فارسی) (۵) تفسیر فتح العزیز المعروف بہ تفسیر عزیزیؒ (نامکمل) (۶) سر الشہادتین۔

## وفات حسرت آیات:

بالآخر اپنی حیات مستعار کی مکمل آٹھ دہائیاں دیکھنے کے بعد شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس عالم آب وگل کو خیر آباد کہا اور اسی (۸۰) برس کی عمر میں مؤرخہ ۹ شوال المکرم ۱۲۳۹ھ بمطابق ۱۸۲۳ء یک شنبہ (اتوار کے دن) اس دار فانی کو الوداع کہا۔

## حضرت شاہ صاحب حاسدین ومعاندین کے نشانے پر:

لیکن بایں ہمہ فضل وکمال دشمنوں، حاسدین ومعاندین کے حسد وعناد سے آپ کسی طرح مامون نہ رہے۔

## خلافت علیؓ اور حضرت حسینؓ کے درمیانی دور میں حضرت معاویہؓ کی حیثیت!

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت معاویہ سے متعلق ''فتاویٰ عزیزی'' اور تحفۂ اثنا عشریہ'' میں موجود بعض عبارات کو اگر ''الحاقی'' تسلیم نہ کیا جائے

---

۱ (دیباچہ فتاویٰ عزیزیہ ص ۳، ناشر مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۹۱ھ)
۲ (نزہۃ الخواطر ۷/۲۷۴)

تو ان مقامات پر ان کا قلم یقیناً "لغزش" کا شکار ہو گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

"یہاں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ بعض جاہل امامیہ انتہائی عناد و تعصب کی بناء پر کہتے ہیں کہ اہل سنت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو امام مانتے ہیں۔" یہ قول انتہائی بے شرمی اور شوخ چشمی پر مبنی ہے اور اس کو منہ پر جھوٹ بولنا کہتے ہیں، ورنہ معمولی پڑھا لکھا فارسی خواں جس نے اہل سنت کے مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کا مرتبہ عقائد نامہ فارسی پڑھا یا دیکھا ہے، یقین سے جانتا ہے کہ اہل سنت سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ: "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ابتدائی امامت سے لے کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے معاملہ امامت حوالہ کرنے تک حق پر نہیں تھے، بلکہ باغی جیسا کردار ادا کر رہے تھے، اس لئے کہ امام وقت کی اطاعت چھوڑ بیٹھے تھے۔

امام حسن رضی اللہ عنہ نے جب امامت سپرد کی تو اس وقت وہ بادشاہ ہوئے، یا ان کی حیثیت کے لئے زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک عام بادشاہ تھے۔ تمام اسلامی ممالک کے فرماں روا اور جناب امیر رضی اللہ عنہ نے کسی ناگزیر مصلحت کے سبب ان کی سلطنت کی وسعت کو گوارا کر لیا تھا اور وہ امام کی اتباع جیسا کہ چاہیے نہ کرتے تھے۔ [۱]

## خلافت علی رضی اللہ عنہ و مصالحت حسین رضی اللہ عنہ کا درمیانی دور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بغاوت کا کہلاتا ہے!

اس میں شک ہی کیا ہے کہ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلافت کے لئے نامزد ہوئے اور مسلمانوں نے آپ کی خلافت پر بیعت کر لی اور آپ باقاعدہ طور پر خلیفۃ المسلمین مقرر ہو گئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے اپنی "خطائے اجتہادی" کے سبب آپ کے ہاتھ پر بیعت خلافت نہ کر کے فقہی اصطلاح کے اعتبار سے بغاوت کا ارتکاب کر رکھا تھا اور خلیفہ برحق کی اطاعت چھوڑ رکھی تھی اور باغی جیسا کردار ادا کر رہے تھے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو ان کی سلطنت کی وسعت کو گوارا کر لیا تھا تو وہ اس مصلحت کی بناء پر تا کہ مسلمانوں میں باہم مزید خون ریزی نہ ہو سکے، لیکن اس کے باوجود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، ان کی اطاعت پر آمادہ نہ ہوئے، تا آں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت کی باگ ڈور آپ کے ہاتھ میں تھمائی اور تمام مسلمانوں (بشمول اہل حل وعقد) نے آپ

---

[۱] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۱۵۱)

کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لی اور آپ باقاعدہ طور پر خلیفۃ المسلمین منتخب ہو گئے، اس لئے آپ موعودہ خلیفہ راشد نہیں ہیں، کیوں کہ خلافت راشدہ موعودہ بہ نص قرآن صرف چار حضرات خلفائے راشدین ﷺ ہی میں منحصر ہے اور حضرت معاویہ ﷺ اس کے مصداق نہیں ہیں۔

اسی وجہ سے بہت سے وہ علماء کہ جنہوں نے حضرات خلفائے راشدین ﷺ کی خلافت اور حضرت معاویہ ﷺ کی خلافت کے درمیان فرق کرنے اور انہیں ایک دوسرے سے ممتاز کرنے کا لحاظ رکھا ہے، اُنہوں نے حضرات خلفائے راشدین ﷺ کی حکومت کو "خلافت" قرار دیا ہے اور حضرت معاویہ ﷺ کی حکومت کو "ملوکیت" کا نام دیا ہے چنانچہ زیر بحث عبارت میں اسی امتیازی فرق کو واضح کرنے کی خاطر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی حکومت کو "ملوکیت" کا نام دیا ہے۔

اور جن علماء نے حضرت معاویہ ﷺ کی حکومت کو فسق و فجور اور ظلم و زیادتی سے خالی ہونے اور عدل و انصاف اور فتوحات کے عام ہونے کے پہلو کو دیکھا ہے تو اُنہوں نے حضرات خلفائے راشدین ﷺ کی خلافت سے مشابہت کی بناء پر اُسے "خلافت" ہی قرار دیا ہے، لیکن اس سے آپ کی مطلق خلافت مراد ہے "خلافت راشدہ موعودہ" مراد نہیں۔

چنانچہ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم ارقام فرماتے ہیں:

> "جن لوگوں نے اس فرق کا لحاظ کیا اُنہوں نے ان (حضرت معاویہ ﷺ) کی حکومت کو ملوکیت کا نام دے دیا، اور جن لوگوں نے یہ دیکھا کہ یہ (حضرت معاویہ ﷺ کا دورِ حکومت) فسق و فجور کی حد تک نہیں پہنچا تھا تو اُنہوں نے اسے "خلافت" ہی قرار دیا۔ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل صحیح فرمایا کہ:
>
> "فلم يكن من ملوك المسلمين ملك خير من معاوية ولا كان الناس في زمان ملك من الملوك خيرا منهم في زمن معاوية اذا نسب أيامه الي أيام من بعده واما اذا نسبت الي أيام أبي بكر وعمر ظهر التفاضل." [1]
>
> ترجمہ: مسلمان بادشاہوں میں سے کوئی حضرت معاویہ ﷺ سے بہتر نہیں ہوا۔ اور اگر ان کے زمانے کا مقابلہ بعد کے زمانوں سے کیا جائے تو عوام کسی بادشاہ کے زمانے میں

---

[1] (منہاج السنۃ: ۳/۱۸۵، بحوالہ: حضرت معاویہ ﷺ اور تاریخی حقائق: ۱۶۳، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

اتنے بہتر نہیں رہے جتنے حضرت معاویہ کے زمانے کا مقابلہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ سے کیا جائے تو فضیلت کا فرق ظاہر ہو جائے گا۔[۱]

پس ثابت ہوا کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا کہ:

> ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ابتدائے امامت سے لے کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے سپردگی خلافت تک امام برحق یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت چھوڑنے کے سبب (اپنی اجتہادی غلطی کی بناء پر) حق پر نہیں تھے اور باغی جیسا کردار ادا کر رہے تھے، اور جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت کی باگ ڈور آپ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی تو اُس وقت آپ رضی اللہ عنہ (خلیفہ راشد غیر موعود اور) بادشاہ مقرر ہوئے۔''

اپنی جگہ بالکل صحیح اور درست ہے۔

ہاں! یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ تعبیر میں بہتری کی گنجائش کچھ نہ کچھ ضرور نکلتی ہے مگر معنی کے لحاظ سے حضرت شاہ صاحب کا موقف وہی ہے جو جمہور اہل سنت کا ہے۔

## شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی بعض موہم عبارات اور اُن کے جوابات:

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں میں بعض قابل اعتراض اور موہم عبارات واقعی ایسی ضرور موجود ہیں کہ جن کے مطالعہ سے ایک منصف مزاج اور معتدل نظریات کا حامل شخص شکوک و شبہات کا شکار ہو جاتا ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ عبارات حضرت شاہ صاحبؒ کی اپنی ہیں؟ حالاں کہ اگر اُن کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو وہ اپنی زندگی کے ہر موڑ پر سینہ تان کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دفاع کرتے نظر آتے ہیں، یا پھر یہ کہ یہ عبارات ان کی تصانیف میں الحاقی ہیں اور اُن سے حضرت شاہ صاحبؒ کا دامن بالکل پاک اور صاف ہے؟ ذیل میں اسی حقیقت کا سراغ لگانے کے لئے اس کا تحقیقی جائزہ لیا جاتا ہے:

ایک جگہ لکھا ہے:

﴿۱﴾ ''..... وليس هذا باول قارورة كسرت في الاسلام۔''

ترجمہ: اور یہ پہلا کانچ کا برتن نہیں ہے جو اسلام میں توڑا گیا۔

---

[۱] (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق: ۱۶۳، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

﴿۲﴾...... محققین اہل سنت از اطلاق لفظ "خلیفہ" ہم تحاشی می کردند، چناں کہ در حدیث صحیح: ﴿ الخلافة بعدي ثلاثون سنة ﴾...... وبالجملہ نزد اہل سنت از مقررات است کہ امامت حقہ بلاشبہ تا سی سال امتداد یافت و بہ صلح حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کہ پانزدہم ماہ جمادی الاولیٰ در سنہ چہل و یک بوقوع آمد انقطاع پذیر رفت۔"

ترجمہ: محققین اہل سنت تو اس معاملہ میں زیادہ محتاط تھے، وہ ان حضرات کے لئے "خلیفہ" کا لفظ استعمال نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں آیا ہے: "میرے بعد خلافت تیس (۳۰) سال تک باقی رہے گی۔"...... خلاصہ کلام یہ کہ اہل سنت کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ: "خلافت حقہ بلاشبہ تیس (۳۰) سال تک باقی رہے گی۔" جو (بالآخر مؤرخہ) ۱۵ جمادی الاولیٰ ۴۱ھ کو امام حسن رضی اللہ عنہ کی (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ) صلح پر ختم ہوگئی۔

﴿۳﴾...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد بن سمیہ کو سیاسی اغراض کے لئے اپنے نسب میں شامل کرکے شریعت کے ایک مسلم قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی۔[۱]

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

> "ناقدین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ بھی کرتے ہیں کہ "انہوں نے زیاد بن سمیہ کو سیاسی اغراض کے لئے اپنے نسب میں شامل کرکے شریعت کے ایک مسلم قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی۔ حیرت انگیز طور پر شاہ صاحب نے بھی اس اعتراض کا جواب دینے کے بجائے خود ہی اسے درست سمجھ کر نقل کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:
>
> "یہ مرد و دزمانہ جس کی اصل بھی قابل اعتراض رہی 'زیاد بن سمیہ (عرف زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ) تھا۔ وہ اتنا بے حیاء تھا کہ اپنی بے نسبی پر فخر کرتا اور علی الاعلان اپنی والدہ پر جو ایک لونڈی تھی زنا کی گواہی دیتا تھا..... حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو فارس کا حاکم بنایا تو نظم مملکت قائم کرنے، ان شہروں کی حالت درست کرنے اور فتنہ وفساد پر قابو پانے میں اس کی کارکردگی بڑی شاندار رہی اور اس کی تدابیر وتجاویز کے اچھے نتائج برآمد ہوئے۔ یہ حالت دیکھ کر جناب معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سے خفیہ رابطہ قائم کیا تا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر ان سے آملے اور اسے لالچ دیا کہ اگر وہ اس کے لئے تیار ہو کہ اسے "شریک نسب" بھی کر لیا جائے گا۔

---

[۱] (تحفہ اثنا عشریہ (اردو) ص ۵۹۴، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۱۵۳)

کیوں کہ ایسا خوش تدبیر اور لائق فائق اور کام کا آدمی اگر حریف سے کٹ کر اپنے سے آ ملے تو یہ بڑی سیاسی کامیابی تھی۔ آپ (یعنی حضرت معاویہ ﷛) نے اس کو لکھا کہ: "اگر تو میرے پاس آ گیا تو میں تجھے اپنا بھائی کہوں گا، اولادِ ابوسفیان ﷛ میں تجھے شامل قرار دوں گا، کیوں کہ تو آخر ابوسفیان ﷛ ہی کا نطفہ ہے اور تیری دانائی، شرافت، سوجھ بوجھ تیرے دعویٰ کی صداقت کے منہ بولتے گواہ ہیں۔ جب اس پخت و پز کی اطلاع حضرت علی ﷛ کو ملی تو آپ نے زیاد کو اس مضمون کا خط لکھا: "مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ معاویہ ﷛ نے تجھے خط لکھا ہے۔ وہ تجھے بے وقوف بنا کر تیری تیزی کو ماند کرنا چاہتا ہے، تم اس سے ڈرتے رہو۔ وہ (یعنی معاویہ ﷛) اس شیطان کی مانند ہے جو آدمی کو آگے سے، پیچھے سے، دائیں سے، بائیں سے ہر طرف سے گھیرنے کی فکر میں رہتا ہے، تا کہ جب اسے غافل یا بے فکر پائے تو قابو پا کر تباہ کر دے۔ تم اس سے ہوشیار رہو — مگر حضرت علی ﷛ کی شہادت تک (زیاد) آپ کا رفیق رہا، ساتھ نہ چھوڑا اور جب حضرت حسن ﷛ نے خلافت و سیادت کا معاملہ جناب معاویہ ﷛ کے سپرد کیا اور اُدھر جناب معاویہ ﷛ نے اسے اپنے ساتھ ملانے کی حد سے زیادہ کوشش کی اور ابوسفیان ﷛ کے اسی قول کو دلیل بنا کر جو جناب عمرو بن عاص ﷛ اور حضرت علی ﷛ کے روبرو کہا تھا، اس کو اپنا بھائی قرار دیا اور ۴۴ھ میں "زیاد بن ابی سفیان ﷛" اس کا لقب تجویز کر کے تمام قلم رو میں اعلان کرا دیا کہ آئندہ اسے "زیاد بن ابی سفیان ﷛" کہا جایا کرے۔ — بہرحال جناب معاویہ ﷛ اپنی سیاسی تدبیر میں کامیاب ہوئے اور وہ آپ کا رفیق و معاون بن گیا۔"[1]

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ ﷛ نے اپنے اقتدار کے عروج میں تمام مصلحتوں اور پروپیگنڈوں کی پرواہ کیے بغیر محض احترام شریعت میں اس استلحاق کے متعلق واشگاف الفاظ میں یہ اعلان فرمایا تھا:

"اللہ کی قسم! سارا عرب جانتا ہے کہ میں جاہلیت میں بھی سب سے زیادہ عزت

---

[1] (تحفہ اثناعشریہ (اردو) ص ۵۹۴، ۵۹۵، بحوالہ: سیدنا معاویہ ﷛ کے ناقدین ص ۱۵۳، ۱۵۴)

والا تھا اور اسلام نے بھی میری عزت میں اضافہ ہی کیا، لہٰذا نہ تو یہ بات ہے کہ میں نے زیاد کے ذریعے اپنی قلت کو کثرت میں تبدیل کیا ہو اور نہ میں کبھی کم زور تھا کہ زیاد کی وجہ سے مجھے قوت و عزت مل گئی ہو، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں نے اس کا حق پہچان لیا اور اس کے حق دار تک پہنچا دیا۔"[۱]

اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد جن چند حضرات نے اس استلحاق کی مخالفت کی تھی انہوں نے حضرت معاویہ سے اپنے طرزِ عمل پر معذرت و معافی طلب کرتے ہوئے رجوع کر لیا تھا۔[۲]

صحیح بخاری میں ہے کہ:

"ان زیاد بن أبي سفیان کتب الی عائشة ......"[۳]

بخاری کے علاوہ مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد اور طحاوی وغیرہ کتب میں زیاد بن ابی سفیان ؓ ہی لکھا گیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی زیاد بن ابی سفیان ؓ ہی لکھتی اور کہتی رہیں:

"عن عائشة الیٰ أم المؤمنین الیٰ زیاد بن أبي سفیان ......"

معلوم نہیں کہ حضرت شاہ صاحب کو ایک طے شدہ بات کو پھر سے متنازعہ بنانے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ پھر وہ بھی ایسے انداز سے جس سے ناقدین معاویہ کے موقف کو تقویت ملتی ہے۔"[۴]

﴿۴﴾ ..... بعض جانب داران معاویہ بن ابی سفیان ؓ این لفظ را تاویل می کنند و گویند مرادش این بود کہ چرا حضرت علی المرتضیٰ ؓ درشتی در کلام نمی کند و لے فہمائی کرد ست از حمایت قاتلانِ عثمان بردارد۔"

ترجمہ: بعض طرف دار معاویہ بن ابی سفیان ؓ کے اس لفظ کی تاویل کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ ؓ کی

---

[۱] (تاریخ طبری: ۴/۱۶۳، بحوالہ: سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین: ص ۱۵۴،۱۵۳)

[۲] (الاستیعاب مع الاصابۃ: ۱/۵۵۱، بحوالہ سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین: ص ۱۵۴،۱۵۳)

[۳] (صحیح البخاری: ۱/۲۳۰، بحوالہ: سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین: ص ۱۵۴،۱۵۳)

[۴] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین: ص ۱۵۴،۱۵۳)

مراد یہ تھی کہ کس واسطے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے اس لفظ کی تاویل کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ کس واسطے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تم سخت کلامی نہیں کرتے اور تم نہیں سمجھاتے کہ قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف داری سے وہ دست بردار ہو جائیں۔ (ترجمہ ختم)

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی صحیح مسلم کی حدیث ...... ﴿ مامنعک أن تسب أبا تراب ﴾ کے تحت ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''بعض طرف دار معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے اس لفظ کی تاویل کرتے ہیں کہ: ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ کس واسطے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تم سخت کلامی نہیں کرتے اور تم نہیں سمجھاتے کہ قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف داری سے وہ دست بردار ہو جائیں اور ان پر قصاص جاری کرنے کے لئے ان کو ہمارے سپرد کر دیں۔''

لیکن اس توجیہ میں دو خدشے ہوتے ہیں ...... (لہٰذا یہ صحیح نہیں) بلکہ بہتر یہی ہے کہ اس لفظ سے اس کا ظاہری معنی سمجھا جائے (کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ: ''وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب یا حکم سب کریں۔'') غایۃ الامر اس کا یہی ہوگا کہ ارتکاب اس فعل قبیح یعنی ''سب'' یا ''حکم سب'' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صادر ہونا لازم آئے گا تو یہ کوئی اول امر قبیح نہیں ہے جو اسلام میں ہوا ہے اس لئے کہ ''درجہ سب'' قتل و قتال سے بہت کم ہے۔ ...... جب قتال اور حکم قتال کا صادر ہونا یقینی ہے اس سے چارہ نہیں تو بہتر یہی ہے کہ ان کو مرتکب کبیرہ کا جاننا چاہیے، لیکن زبان طعن و لعن بند رکھنا چاہیے۔ اسی طور سے کہنا چاہیے جیسا صحابہ رضی اللہ عنہ سے ان کی شان میں کہا جاتا ہے جن سے زنا اور شراب خمر صادر ہوا رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اور ہر جگہ ''خطائے اجتہادی'' کو دخل دینا بے باکی سے خالی نہیں۔''[1]

یہ ملحوظ رہے کہ موصوف کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے مابین یہ گفتگو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی مصالحت کے بعد دورِ خلافت

---

[1] (فتاویٰ عزیزی، ص ۲۳۸، ۲۳۹، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۳۰۸ھ)

معاویہ رضی اللہ عنہ میں ہوئی۔

سخت تعجب ہے کہ جب صاحب معاملہ کے ساتھ جنگ صفین کے بعد باقاعدہ صلح ہوگئی، بعد ازاں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بھی بے مثال ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے امور خلافت تفویض کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے رفقاء سمیت بیعت بھی کر لی، اس کے باوجود ایک جلیل القدر صحابی اپنے اس عظیم محسن کے ساتھ اس "سلوک" کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اگر یہ احسانات نہ بھی ہوتے تو پھر بھی " اذکروا موتاکم بالخیر " کے نبوی فرمان کی روشنی میں کسی صحابی تو درکنار کسی "مسلمان" سے بھی اس "سلوک" کی توقع نہیں ہوسکتی۔...... اس پر مستزاد یہ کہ حضرت شاہ صاحبؒ اسے "خطائے اجتہادی" تسلیم کرنے پر بھی آمادہ نہیں ہیں اور بحوالہ "سباب المؤمن فسوق وقتاله کفر" اسے کبیرہ گناہ قرار دیتے ہیں۔ [1]

﴿۵﴾ این حرکات او خالی از شائبہ نفسانی نہ بود، و خالی از تہمت تعصب امویہ و قریشیہ کہ بہ جانب عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ داشت نہ بودہ است۔"

ترجمہ: یہ حرکات شائبہ نفسانی سے خالی نہ تھے، اور اس تہمت سے خالی نہیں کہ جناب ذی النورین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں جو تعصب امویہ اور قریشیہ میں تھا۔

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"حضرت شاہ صاحبؒ اس سوال کہ "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور مروان کو برا کہنے کے بارے میں اہل سنت کے نزدیک کیا ثابت ہے؟" کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"اہل بیت رضی اللہ عنہ کی محبت فرائض ایمان سے ہے نہ کہ لوازم سنت۔ اور محبت اہل بیت رضی اللہ عنہ سے ہے کہ مروان "علیہ اللعنة" کو برا کہنا چاہیے اور اس سے دل سے بیزار رہنا چاہیے۔ علی الخصوص اس نے نہایت بدسلوکی کی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور اہل بیت رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور کامل عداوت ان حضرات سے رکھتا تھا، اس خیال سے اس "شیطان" سے نہایت بیزار رہنا چاہیے۔

---

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۱۵۴، ۱۵۵)

لیکن حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور جناب کی شان میں بعض احادیث بھی وارد ہیں۔ آں جناب کے بارے میں علمائے اہل سنت میں اختلاف ہے۔ علمائے ماوراء النہر اور مفسرین اور فقہاء کہتے ہیں کہ: ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حرکات جنگ و جدال جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوئیں وہ صرف ''خطائے اجتہادی'' کی بناء پر تھیں۔'' محققین اہل حدیث نے بعد تتبع روایات دریافت کیا ہے کہ یہ حرکات شائبہ نفسانی سے خالی نہ تھے، اس تہمت سے خالی نہیں کہ جناب ذی النورین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں جو تعصب اُمویہ اور قریشیہ میں تھا۔ اسی وجہ سے یہ حرکات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے وقوع میں آئے، جس کا غایت نتیجہ یہی ہے کہ وہ مرتکب کبیرہ اور ''باغی'' قرار دیے جائیں: ﴿والفاسق لیس باھل اللعن ﴾ یعنی فاسق قابل لعن نہیں۔ تو اگر مراد برا کہنے سے اسی قدر ہے کہ ان کے اس فعل کو برا کہنا اور برا سمجھنا چاہیے تو بلاشبہ اس امر کا ثبوت محققین پر واضح ہے اور اگر برا کہنے سے مراد لعن وشتم ہے تو معاذ اللہ! کہ اہل سنت سے کوئی شخص اس کے گرد جائے، اس واسطے کہ اہل سنت کے نزدیک یہ حکم ثابت ہے کہ ''فاسق'' اور ''مرتکب کبیرہ'' کے حق میں استغفار کرنا چاہیے تو لعن کرنا ہے۔ علی الخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جو کہ صحابی ہیں، آپ کے حق میں آنحضرت ﷺ کی شفاعت کی زیادہ اُمید ہے اور یہ بھی زیادہ متوقع ہے کہ صاحب حق یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنا حق معاف فرما دیں گے۔'' [۱]

حضرت موصوف نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں علمائے ماوراء النہر، مفسرین اور فقہاء کے قول کو رد کرتے ہوئے اسے ''اجتہادی اختلاف'' کی بجائے ''نفسانیت'' اور ''قبائلی و خاندانی تعصب'' پر مبنی قرار دیا جو بالکل خلاف واقعہ ہے۔ علامہ تفتازانیؒ لکھتے ہیں:

''وماوقع من المخالفات والمحاربات (بين علي و معاوية) لم يكن من نزاع في خلافته بل عن خطاء في الاجتهاد.'' [۲]

---

[۱] (فتاویٰ عزیزی (کامل)، ص ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۲، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۵۶)

[۲] (شرح العقائد النسفية: ص ۱۰۹، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۵۷)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین جو لڑائی، جھگڑا ہوا وہ ان کی خلافت میں اختلاف کی وجہ سے نہ تھا بلکہ "خطائے اجتہادی" کی وجہ سے تھا۔

علامہ خفاجیؒ شرح شفاء میں لکھتے ہیں کہ

"انها أمور وقعت باجتهادمنهم لا أغراض النفسانية ومطامع دنيوية كما يظنه الجهلة." ۱

ترجمہ: یہ اُمور ان سے اجتہاداً صادر ہوئے، ان کا منشاء کوئی اغراض نفسانی نہ تھیں نہ ہی ان کا مطمح نظر کوئی دنیوی امور تھے۔

امام نووی شافعیؒ فرماتے ہیں کہ:

" وأما معاوية فهو من العدول الفضلاء، والصحابة النجباء، وأما الحروب التي جرت فكانت لكل طائفة شبهة اعتقدت تصويب أنفسها وكلهم عدول متأولون في حروبهم وغيرها " ۲

ترجمہ: اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عادل، فاضل، اور نجیب صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں، مگر جو جنگیں آپس میں لڑی گئیں تو ان میں سے ہر ایک گروہ کو ایک شبہ لاحق تھا جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو صواب پر ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے اور سب صحابہ رضی اللہ عنہم عادل ہیں اور ان جنگوں وغیرہ کے اختلاف میں تاویل کرنے والے ہیں اور ان میں سے کوئی چیز بھی انہیں وصف عدالت سے خارج نہیں کرتی کیوں کہ وہ مجتہد ہیں۔

علاوہ ازیں حضرت شاہ صاحبؒ نے حضرت مروانؒ کے بارے میں اہل سنت کا جو نظریہ پیش فرمایا ہے وہ بھی محل نظر ہے۔ اس میں موصوف نے نہ صرف حضرت مروانؒ کو "برا" کہنے کی نہایت ہی فراخ دلی کے ساتھ اجازت دی ہے، بلکہ خود بھی ان کے نام کے ساتھ "عليه اللعنة و شيطان" لکھ کر بیزاری کا اظہار فرمایا ہے۔ شاہ صاحب نے اپنے

---

۱ (نسيم الرياض في شرح الشفاء للقاضي عياض: ۳/۴۶۷، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۵۶، ۱۵۷)

۲ (شرح مسلم للنووي: ۲/۲۷۲، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۵۷)

فتویٰ میں واضح طور لکھا ہے کہ "مرتکب کبیرہ، باغی اور فاسق مستحق لعنت نہیں ہے، جب کہ حضرت مروان کو مستحق لعنت سمجھتے ہی نہیں، بلکہ خود بھی ان پر لعنت کرتے رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کے نزدیک حضرت مروانؒ کا شمار صحابہ وتابعین میں تو در کنار عام مسلمانوں میں بھی نہیں ہوتا ــــ حالاں کہ ابن کثیرؒ کے نزدیک حضرت مروانؒ کثیر جماعت کے نزدیک صحابی ہیں۔ [1]

امام ابن تیمیہؒ نے انہیں حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے طبقے میں سے شمار کیا ہے۔

حضرت مروانؒ نے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کی ہیں جو "صحیح بخاری" سمیت مختلف کتب حدیث میں پائی جاتی ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں ان القابات سے یاد فرمایا ہے:

"أما القارئ لكتاب الله، الفقيه في دين الله، الشديد في حدود الله." [2]

حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ:

"وكان يعد من في الفقهاء."

ترجمہ: وہ فقہاء میں شمار کیے جاتے تھے۔

سخت حیرت ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ان کے نام کے ساتھ: علیه اللعنة اور "شیطان" لکھ دیا۔ فيا أسفا!

مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے موصوف کے مضمون پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"حضرت شاہ عبد العزیز دہلویؒ جیسے جامع علوم بزرگ کی طرف اس کی نسبت کسی

---

[1] (البداية والنهاية: ۲۵۷/۸، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۱۵۷، ۱۵۸)

[2] (البداية والنهاية: ۲۵۷/۸، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۱۵۷، ۱۵۸)

طرح سمجھ میں نہیں آتی اور "فتاویٰ عزیزی" کے نام سے جو مجموعہ شائع ہو رہا ہے اس کے متعلق یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے نہ خود ان کو جمع فرمایا ہے نہ ان کی زندگی میں وہ شائع ہوا ہے۔ وفات کے معلوم نہیں کتنے عرصہ بعد مختلف لوگوں کے پاس جو ان کے خطوط و فتاویٰ دنیا میں پھیلے ہوئے تھے ان کو جمع کر کے یہ مجموعہ شائع ہوا ہے۔

اس میں بہت سے احتمالات ہو سکتے ہیں کہ کسی نے کوئی "تدلیس" اس میں کی ہو اور غلط بات ان کی طرف منسوب کرنے کے لئے فتاویٰ کے مجموعہ میں شامل کر دی ہو۔ اور اگر بالفرض یہ واقعی حضرت شاہ عبد العزیزؒ ہی کا قول ہے تو وہ بھی بمقابلہ جمہور علماء و فقہاء کے متروک ہے۔" ۱؎

﴿۲﴾......ایک دوسرے مقام پر محاربین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں بعض کلمات یوں ذکر کیے ہیں:

"و محاربت با ایشاں از راہ شامت نفس و حب جاہ از راہ تاویل باطل و شبہ فاسد فسق عملی یا فسق اعتقادی است نہ کفر...... الخ" ۲؎

ترجمہ: اور ان لوگوں کے ساتھ باطل تاویل اور فاسد شبہ کی بناء پر از راہ شامت نفس اور حب جاہ کے لڑائی کرنا عملی فسق یا اعتقادی فسق ہے کفر نہیں ہے۔ (ترجمہ ختم)

---

۱؎ (مقام صحابہ رضی اللہ عنہم، ص ۷۳، ۷۵۔ بار اول ۱۹۷۱ء، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۱۵۶...... ۱۵۸)

۲؎ اس عبارت میں جو "فسق اعتقادی" کا مسئلہ ذکر کیا ہے اس کی وضاحت اور تشریح کے لئے اسی مقدمہ کے اوائل میں مصنف نے خود مندرجہ ذیل عبارت ذکر کی ہے وہ جواب کے لئے کافی ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"اول آں کہ انکار معنی نص و مدلول آں بنا بر تاویل فاسد کفر نیست، بلکہ نوعی است از فسق اعتقادی کہ آں را در عرف اہل سنت "خطائے اجتہادی" نامند"

ترجمہ: پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی فاسد تاویل کی بناء پر نص کے معنی اور اس کے مدلول کا انکار کرنا کفر نہیں ہوتا بلکہ یہ فسق اعتقادی کی ایک قسم ہوتی ہے، جسے اہل سنت کی اصطلاح میں "خطائے اجتہادی" کہا جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اس مقام پر جو فسق اعتقادی کا ذکر ہے اسی کو عرف اہل سنت میں "خطائے اجتہادی" سے تعبیر کرتے ہیں =

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم اس مسئلہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس عبارت میں حضرت شاہ صاحبؒ نے اصحاب جمل و اصحاب صفین کے بارے میں بہ یک وقت ''خطائے اجتہادی'' کا لفظ بھی استعمال فرمایا ہے اور ''فسق اعتقادی'' کا بھی، بظاہر نظر اس میں تضاد معلوم ہوتا ہے، لیکن حضرت شاہ صاحبؒ کی یہ عبارت اور اس نوع کی بعض دوسری عبارتیں بنظر غائر پڑھنے کے بعد میں اس کا موقف یہ سمجھا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت چوں کہ نہایت مضبوط دلائل سے منعقد ہو چکی تھی اس لئے حضرت عائشہؓ یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ان کے خلاف قتال کرنا بلاشبہ غلط تھا اور دُنیوی احکام کے اعتبار سے ''بغاوت'' کے ذیل میں آتا تھا جو نفس الامر کے لحاظ سے گناہ کبیرہ یعنی فسق ہے، اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ان سے جنگ لڑنا جائز اور برحق تھا، لیکن چوں کہ حضرت عائشہؓ ہوں یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں سے یہ عمل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عداوت یا بغض کی وجہ سے نہیں، بلکہ شبہ اور تاویل کی بناء پر صادر ہوا تھا اور بہر حال وہ بھی اپنے پاس دلائل رکھتے تھے جو غلط فہمی پر مبنی سہی، لیکن دیانت دارانہ تھے، اس لئے اُخروی احکام کے اعتبار سے ان کا یہ عمل ''اجتہادی غلطی'' کے ذیل میں آتا ہے، اسی لئے ان پر طعن کرنا جائز نہیں۔'' [۱]

اب ذیل میں ہم ترجمان مسلک علمائے اہل سنت حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ'' کے حوالے سے چند ایسے اُمور ذکر کرتے ہیں کہ جن کا بہ نظر غائر مطالعہ کر لینے سے حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا بعض قابل اعتراض اور موہم عبارات سے متعلقہ تمام تر شبہات رفع دفع ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ موصوف فرماتے ہیں کہ:

﴿۱﴾ ...... نیز حضرت شاہ عبد العزیز (محدث دہلوی) رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات و تصنیفات کی بعض عبارات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں تعریضات پائے جانے کی شکایت بعض لوگوں نے خود آں جناب کو تحریر کی تھی

---

لہٰذا اکابرین علماء رضی اللہ عنہ کے حق میں جہاں ''فسق عملی'' یا ''فسق اعتقادی'' کا ذکر پایا جاتا ہے وہ ''خطائے اجتہادی'' ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ (سیرت حضرت امیر معاویہ ج ۱، ۶۷۵۳، ناشر: دار الکتاب، اردو بازار، لاہور)

[۱] (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق، ص ۲۶۲، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

اور بطور اعتراض اس چیز کو پیش کیا تھا تو اس شکایت نامہ کے جواب میں خود شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے بذریعہ خط جواب ارسال کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔ وہ جواب آں جناب کے مطبوعہ خطوط میں مذکور ہے۔ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

> ''وتعریضات در باب معاویہ ؓ ازیں فقیر واقع نہ شدہ۔ اگر در نسخہ تحفہ اثناعشریہ یافتہ شود، الحاق کسے خواہد بود کہ بنا بر فتنہ انگیزی وکید ومکر کہ بنائے مذہب ایشاں یعنی گروہ رافضہ از قدیم بر ہمیں امور است ایں کار کردہ باشد چنانچہ بسمع فقیر رسیدہ کہ الحاق شروع کردہ اند " فالله خير حافظاً " وایں تعریضات در نسخ معتبرہ البتہ یافتہ نہ خواہد شد۔''[1]
>
> ترجمہ: اور اس فقیر سے حضرت معاویہ ؓ کے بارے میں (کسی بھی قسم کی) تعریضات صادر نہیں ہوئیں۔ اگر تحفہ اثناعشریہ کے نسخوں میں کوئی تعریض پائی جائے تو وہ کسی کی الحاقی ہوگی، کیوں کہ (شیعہ و روافض) کا یہ قدیم سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ یہ لوگ فتنہ انگیزی اور کید ومکر کی بناء پر یہ کام کرتے رہے ہیں، چنانچہ فقیر کے سننے میں آیا ہے کہ ان لوگوں نے الحاق شروع کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہترین محافظ ہے اور معتبر نسخوں میں یہ تعریضات نہیں پائی جاتیں۔ (ترجمہ ختم)

حضرت شاہ صاحبؒ موصوف کی اس تحریر سے مندرجہ بالا قابل اعتراض اور تمام موہم عبارات کا مسئلہ حل ہوگیا کہ آں جناب نے اپنی تصنیفات میں حضرت امیر معاویہ ؓ کے حق میں تنقیص شان کی کوئی چیز تحریر نہیں فرمائی اور نہ اس چیز کو صحیح اور جائز قرار دیتے تھے۔ یہ بعض ناعاقبت اندیش[2] لوگوں کی طرف سے تصرفات ہیں جن کو شاہ صاحب کی طرف منسوب کردیا گیا۔

﴿۲﴾..... حقیقت یہ ہے کہ شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے ایک وسیع النظر بزرگ اور متبحر عالم دین تھے۔ ان کی دیانت اور وفور علم سے یہ چیز بعید ہے کہ وہ کسی ذی قدر اور مشہور صحابی کی تنقیص کریں اور اس کو اپنے مقام سے گرا کر بیان کریں۔

اس بناء پر ان کے بعد میں آنے والے متعدد علماء نے ان کی قابل اعتراض اور موہم عبارات کو الحاقی قرار

---

[1] (مکتوبات شاہ عبد العزیز، نمبر سوم ص ۲۶۵، ۲۶۶، مع مقدمہ محمد ایوب قادری: ۱/۱۳۱ ناشر: پاک اکیڈمی وحید آباد کراچی نمبر ۱۸)

[2] صحیح لفظ "عاقبت نااندیش" ہے۔ (فیروز اللغات اردو جدید ص ۹۲۷۔ از: رفیع)

دیا ہے اور ان میں لوگوں کے عبارتی تصرفات کو واضح کر دیا ہے، جیسا کہ خود شاہ صاحب موصوف نے اس چیز کو تسلیم کر کے اس کا رد کیا ہے۔

اس سلسلے میں درج ذیل اکابر اہل علم کی اس نشان دہی کو ہم ایک ترتیب سے ذکر کرتے ہیں:

۱۔امداد الفتاویٰ میں مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ عزیزی کی ایک عبارت کا جواب دیتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ:

''اوّل تو اس میں کلام ہے کہ وہ فتاویٰ شاہ عبد العزیز کا ہے بھی؟ مجھ کو تو قوی شک ہے۔''[۱]

۲۔حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کراچی والے اپنی کتاب ''مقام صحابہ رضی اللہ عنہم'' میں لکھتے ہیں (جیسا کہ پیچھے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے حوالے سے بھی ہم نقل کر آئے ہیں) کہ:

''اسی طرح کا ایک مضمون شاہ عبد العزیز (محدث) دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ان کے فتاویٰ کے حوالے سے منسوب کیا گیا ہے۔ یہ مضمون کسی وجہ سے ایسا ہے کہ شاہ عبد العزیز دہلویؒ جیسے جامع علوم بزرگ کی طرف اس کی نسبت کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی اور فتاویٰ عزیزی کے نام سے جو مجموعہ شائع ہو رہا ہے اس کے متعلق یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے نہ خود ان کو جمع فرمایا ہے نہ ان کی زندگی میں وہ شائع ہوا ہے۔ وفات کے معلوم نہیں کتنے عرصہ بعد مختلف لوگوں کے پاس جو ان کے خطوط و فتاویٰ دنیا میں پھیلے ہوئے تھے ان کو جمع کر کے یہ مجموعہ شائع ہوا ہے۔ اس میں بہت سے احتمالات ہو سکتے ہیں کہ کسی نے کوئی ''تدلیس'' اس میں کی ہو اور غلط بات ان کی طرف منسوب کرنے کے لئے فتاویٰ کے مجموعہ میں شامل کر دی ہو۔ اور اگر بالفرض یہ واقعی حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ ہی کا قول ہے تو وہ بھی بمقابلہ جمہور علماء وفقہاء کے متروک ہے۔''[۲]

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا بعض موہم اور قابل اعتراض عبارات کے

---

[۱] (امداد الفتاویٰ: ۵/۲۰۷، کتاب البدعات، طبع مجتبائی دہلی۔ بحوالہ سیرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ: ۲/۶۷۱-۶۷۵)

[۲] (مقام صحابہ رضی اللہ عنہم، ص ۱۷۴-۱۷۵، بحوالہ سیرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ: ۲/۶۷۱-۶۷۵)

ضمن میں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے مروان کی صحابیت وعدم صحابیت کی بحث کو بھی چھیڑا ہے اور مختلف قسم کے رنگ برنگے استدلال کر کے جمہور اہل سنت کے موقف کے برعکس مروان کی صحابیت کو ثابت کرنے کی ایسی ہی ناکام کوشش کی ہے اس لئے ذیل میں مروان کی صحابیت وعدم صحابیت پر بحث کی جاتی ہے۔

## مروان کی صحابیت وعدم صحابیت کی بحث:

مروان کے بارے میں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ وہ صحابی تھا۔ جس کے دلائل یہ ہیں:

﴿۱﴾..... ابن کثیرؒ کے نزدیک حضرت مروانؓ کثیر جماعت کے نزدیک صحابی ہیں۔[۱]

﴿۲﴾..... امام ابن تیمیہؒ نے انہیں حضرت عبداللہ بن زبیر کے طبقے میں سے شمار کیا ہے۔

﴿۳﴾..... حضرت مروانؓ نے اکابر صحابہ ؓ سے احادیث روایت کی ہیں جو صحیح بخاری سمیت مختلف کتب حدیث میں پائی جاتی ہیں۔[۲]

## پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے دلائل کا جائزہ:

### پہلی دلیل:

جہاں تک ہاشمی صاحب کی پہلی دلیل کا تعلق ہے کہ: ''ابن کثیرؒ کے نزدیک حضرت مروانؓ کثیر جماعت کے نزدیک صحابی ہیں۔'' تو سب سے پہلے تو امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی اصل عبارت ملاحظہ ہو:

''وهو صحابي عند طائفة كثيرة لأنه ولد في حياة النبي صلى الله عليه وسلم.''[۳]

ترجمہ: مروان کثیر جماعت کے نزدیک صحابی ہے، اس لئے کہ اس کی ولادت نبی پاک ﷺ کی زندگی میں ہوئی ہے۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا مروان کی صحابیت کے اثبات کے لئے استدلال کرنا بوجوہ درست نہیں:

۱- اولاً تو اس وجہ سے کہ یہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا ذاتی قول ہے اور اس قول کے نقل کرنے میں ان

---

[۱] (البداية والنهاية: ۸/۲۵۷، بحوالہ سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین: ص ۱۵۷، ۱۵۸)

[۲] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین: ص ۱۵۷، ۱۵۸)

[۳] (البداية والنهاية لابن كثير: ۸/۲۸۲، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

کا کوئی متابع نہیں پایا جاتا اس لئے جمہور کے مقابلہ میں یہ قول شاذ اور نادر ہے اور "النادر کالمعدوم والمعدوم لیس بشئ" . لہٰذا امام ابن کثیر کے اس قول کا کوئی اعتبار نہیں اور یہ قول درجۂ احتجاج سے ساقط ہے۔

۲- اور ثانیاً اس وجہ سے کہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے طائفہ کثیرہ کی تصریح نہیں کی کہ اس سے کون سی کثیر جماعت مراد ہے؟ نیز اس جماعت میں کون کون سے علماء شامل ہیں؟۔

۳- اور ثالثاً اس وجہ سے کہ محض نبی پاک ﷺ کی زندگی میں کسی کا پیدا ہونا اس کی صحابیت کے لئے ناکافی ہے ورنہ تو حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی صحابی ماننا چاہیے کہ وہ بھی آنحضرت ﷺ ہی کی حیات مبارکہ میں پیدا ہوئے تھے۔

دوسری دلیل:

اور جہاں تک پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی دوسری دلیل کا تعلق ہے کہ: "امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں (مروان کو) حضرت عبداللہ بن زبیر ﷺ کے طبقے میں سے شمار کیا ہے۔" تو یہ بھی مروان کی صحابیت کے اثبات کے لئے ہرگز کافی نہیں، اس لئے کہ کسی راوی کے نام کا کسی صحابی کے طبقہ میں ذکر کیا جانا اس کے صحابی ہونے پر ہرگز دلالت نہیں کرتا ہے، چنانچہ بعض غیر صحابہ راویوں کے نام جو طبقات صحابہ ﷺ میں مذکور ہیں تو وہ ضمناً اور فرع کے درجہ میں وہاں ذکر کئے گئے ہیں، اصالتاً وہ مطلوب نہیں ہیں، اس لئے محض طبقات صحابہ ﷺ میں کسی راوی کے نام کے ذکر کر دیئے جانے سے اس کے صحابی ہونے پر استدلال کرنا "تار عنکبوت" کی طرح انتہائی کمزور استدلال ہے۔

تیسری دلیل:

اور جہاں تک پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی تیسری دلیل کا تعلق ہے کہ: "حضرت مروانؓ نے اکابر صحابہ ﷺ سے احادیث روایت کی ہیں جو صحیح بخاری سمیت مختلف کتب حدیث میں پائی جاتی ہیں۔" تو یہ دلیل بھی مروان کی صحابیت کے اثبات کے لئے انتہائی کمزور ہے، اس لئے کہ پھر اس میں مروان کی کیا تخصیص ہے بلکہ اکابر صحابہ ﷺ سے مروان کے علاوہ بیسیوں تابعین نے مختلف قسم کی احادیث روایت کی ہیں تو کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ وہ سارے کے سارے تابعین صحابہ بن گئے؟ ہے کوئی عقل میں آنے والی بات؟۔

چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مروان سے اپنی صحیح میں ایک روایت نقل کی ہے جس سے مروان کی عدم صحابیت کا پردہ چاک ہوتا ہے۔ وہ روایت یہ ہے:

" عن بن شهاب قال أخبرني عروة بن الزبير : أنه سمع مروان والمسور بن مخرمة رضي الله عنهما يخبران عن أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ...... [1]

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

" قوله : يخبران عن أصحاب رسول الله ( صلى الله عليه وسلم ) ...... الخ . هكذا قال عقيل عن الزهري ...... وقد تبين برواية عقيل أنه عنهما مرسل وهو كذلك لأنهما لم يحضرا القصة ...... ( أما ) مروان فلا يصح له سماع من النبي صلى الله عليه ولا صحبة . وأما المسور فصح سماعه منه ، لكنه انما قدم مع أبيه وهو صغير بعد الفتح و كانت هذه القصة قبل ذلك بسنتين ." [2]

ترجمہ: قوله : يخبران عن أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ......الخ ، اسی طرح عقیلؒ نے زہریؒ سے نقل کیا ہے۔......اور عقیل کی روایت سے ظاہر ہو گیا ہے کہ یہ روایت ان دونوں (مروان اور مسور) سے مرسلاً منقول ہے۔ اور ہے بھی اسی طرح، اس لئے کہ (اس مذکورہ) قصہ کے وقت یہ دونوں (وہاں) موجود نہیں تھے۔ مروان تو اس وجہ سے کہ نہ اُس کا سماع حضور ﷺ سے ثابت ہے اور نہ ہی اُس کی صحابیت۔ اور مسور ؓ اس وجہ سے کہ اُن کا سماع تو حضور ﷺ سے ثابت ہے (لیکن) فتح مکہ کے بعد (جب) وہ بچپن میں اپنے والد کے ہم راہ آئے تھے۔ اور یہ قصہ فتح مکہ سے دو سال پہلے کا ہے۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) بھی لکھتے ہیں:

" وقد رواه البخاري في أول كتاب الشروط ...... عن مروان بن الحكم و المسور بن مخرمة عن أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم

---

[1] ( صحيح البخاري : ۳/۱۸۸ ، الناشر : دار طوق النجاة )

[2] ( فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن حجر العسقلاني : ۵/۳۱۳ ، الناشر : دار المعرفة ، بيروت )

فذكر القصة . وهذا هو الأشبه ، فإن مروان ومسوراً كانا صغيرين يوم الحديبية ، والظاهر أنهما أخذاه عن الصحابة رضي الله عنهم أجمعين ."[1]

ترجمہ: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت "کتاب الشروط" کے شروع میں روایت کی ہے...... مروان بن حکم اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ، اصحاب رسول ﷺ سے نقل کرتے ہیں پھر قصہ ذکر کیا۔ اور یہی زیادہ مشابہ ہے (کہ مروان اور مسور رضی اللہ عنہ نے یہ روایت اصحاب رسول ﷺ سے نقل کی ہے) اس لئے کہ مروان اور مسور رضی اللہ عنہ حدیبیہ کے دن چھوٹے بچے تھے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ روایت صحابہ رضی اللہ عنہم سے لی ہے۔ (ترجمہ ختم)

ماضی قریب کے مشہور محدث ناقد شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد عثمانی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "تهذيب التهذيب" میں ان کو رجال بخاری اور سنن اربعہ کے رواۃ میں شمار کیا ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں ان کا شمار قسم ثانی میں یعنی ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں کیا ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے، مگر سماع ثابت نہیں۔ بہر حال ان کے صحابی ہونے میں اختلاف نہیں ہے۔ اگر صرف رؤیت کو صحابیت کے لئے کافی سمجھا جائے اور یہی جمہور کا قول ہے تو اب ان لوگوں کے اقوال پر التفات نہ کیا جائے گا جو ان میں کلام کرتے ہیں یعنی تنقید کرتے ہیں......''[2]

## کیا مروان کو نبی پاک ﷺ کی رؤیت حاصل ہے؟:

مگر موصوف کا یہ کلام محل نظر ہے۔

۱- اولاً تو اس وجہ سے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے "تهذيب التهذيب" میں نہیں بلکہ اپنی ایک دوسری اسی کے ہم نام کتاب "تقريب التهذيب" میں مروان کا شمار قسم ثانی میں کیا ہے، لیکن اس سے پہلے یہ بھی فرمایا ہے کہ مروان کی صحابیت ثابت نہیں۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

---

[1] (البداية والنهاية لابن كثير: ٤/ ٢٠١ - الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

[2] (براءت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ص ۳۱، ناشر ادارہ اسلامیات، لاہور)

" لاتثبت له صحبة من الثانية ."[1]

ترجمہ: مروان کی صحابیت ثابت نہیں ہے، اس کا شمار قسم ثانی میں ہوتا ہے۔

معلوم نہیں کہ جب حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے واضح اور دوٹوک الفاظ میں مروان کی عدم صحابیت کی تصریح کردی ہے تو اس کے باوجود علامہ ظفر احمد عثانی حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی اس مذکورہ عبارت سے مروان کو قسم ثانی کے صحابہ میں شمار کرنے کا استدلال کیونکر کررہے ہیں؟۔

۲-اور ثانیاً اس وجہ سے کہ مروان کو حضور اقدس ﷺ کی رؤیت حاصل نہیں ہے۔

چنانچہ علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

" مروان بن الحكم قال البخاري : لم يري النبي ( صلي الله عليه وسلم قلت هو تابعي ."[2]

ترجمہ: مروان بن حکم کے بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو نہیں دیکھا۔ میں کہتا ہوں کہ وہ تابعی ہیں۔

حافظ ذہبیؒ اپنی ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:

" مروان بن الحكم الأموي أبو عبد الملك قال البخاري : لم يري النبي صلي الله عليه وسلم ."[3]

ترجمہ: ابوعبدالملک مروان بن حکم اموی کے بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبی پاک ﷺ کو نہیں دیکھا۔

اسی طرح علامہ ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ) لکھتے ہیں:

" ولم ير النبي صلي الله عليه وسلم ."[4]

ترجمہ: اور مروان نے نبی پاک ﷺ کو نہیں دیکھا۔

---

[1] ( تقريب التهذيب لابن حجر العسقلاني : ۱/۵۲۵ ، الناشر : دار الرشيد ، سوريا )

[2] ( المغني في الضعفاء للذهبي : ۲/۶۵۱ ، الناشر : ليس بمكتوب )

[3] ( ميزان الاعتدال في نقد أسماء الرجال للذهبي : ۸۹/٤ ، الناشر : دار المعرفة للطباعة والنشر ، بيروت ، لبنان )

[4] ( أسد الغابة في معرفة الصحابة لابن أثير الجزري : ۱۳۹/۵ ، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان )

اسی طرح امام ابن اثیر جزری (۶۰۶ ھ) اپنی ایک دوسری کتاب "جامع الاصول" میں لکھتے ہیں:

" ولم یر النبي صلي الله علیه وسلم لأن النبي نفيٰ أباه اليٰ الطائف فلم یزل بها حتي ولي عثمان فرده اليٰ المدینة فقدمها هو وابنه معه ۔ "[1]

ترجمہ: مروان نے نبی پاک ﷺ کو نہیں دیکھا اس لئے کہ اُس کے والد کو آنحضرت ﷺ نے طائف کی طرف بھیج دیا تھا جو وہیں رہتے رہے یہاں تک کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انہوں نے ان کو مدینہ کی طرف بھیج دیا پس یہ اور ان کے ساتھ ان کا بیٹا (مروان) مدینہ آ گئے۔

اسی طرح ماضی قریب کے مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبدالرحمان مبارک پوریؒ صاحب مشکوٰۃ امام خطیب بغدادیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

" وقال صاحب المشکاة في ترجمته ولد مروان عليٰ عهد رسول الله صلي الله علیه وسلم قبل سنة اثنین من الهجرة وقیل عام الخندق وقیل غیر ذلک فلم یر النبي صلي الله علیه وسلم لأن النبي صلي الله علیه وسلم نفيٰ (أباه) الي الطائف فلم یزل بها حتي ولي عثمان فرده اليٰ المدینة فقدمها هو وابنه معه مات بدمشق سنة خمس و ستین ۔ "[2]

ترجمہ: اور صاحب مشکوٰۃ مروان کے ترجمہ میں فرماتے ہیں کہ: مروان رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں پیدا ہوا، بعض کہتے ہیں کہ ۲ھ میں پیدا ہوا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ غزوۂ خندق کے سال پیدا ہوا ہے اور بعض کچھ اور کہتے ہیں۔ مروان نے نبی پاک ﷺ کو نہیں دیکھا اس لئے کہ اس کے والد کو آنحضرت ﷺ نے طائف کی طرف بھیج دیا تھا جو وہیں رہتا رہا یہاں تک کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انہوں نے اس کو مدینہ کی طرف بھیج دیا پس یہ اور اس کے ساتھ اس کا بیٹا (مروان) مدینہ آ گئے۔ مروان نے ۶۵ھ میں دمشق میں وفات

---

[1] (جامع الأصول في حدیث الرسول لابن أثیر الجزري: ۸٤۷/۱۲، الناشر: مکتبة الحلواني والملاح ودار البیان)

[2] (تحفة الأحوذي شرح جامع الترمذي للمبارك فوري: ۲٥/۳، الناشر: دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان)

پائی۔(ترجمہ ختم)

اسی طرح شارح بخاری علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:

"قال الذهبي ولم ير النبي (صلى الله عليه وسلم) لأنه خرج الى الطائف طفلا لايعقل لما نفي النبي أباه الحكم و كان مع أبيه حتى استخلف عثمان." [۱]

ترجمہ: علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مروان نے آنحضرت ﷺ کو نہیں دیکھا، کیوں کہ یہ بچپن ہی میں اپنے والد کے ساتھ طائف کی طرف چلا گیا تھا جب نبی پاک ﷺ نے اس کے والد "حکم" کو طائف کی طرف بھیج دیا تھا اور یہ اس وقت سن شعور کو نہیں پہنچا تھا (پھر) جب حضرت عثمان ؓ خلیفہ بنے (تو یہ اس وقت اپنے والد کے ساتھ واپس لوٹا تھا)۔

ایک دوسری جگہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"وهذا الحديث بالنسبة الى مروان مرسل لأنه لاصحبة له." [۲]

ترجمہ: مروان کی طرف اس حدیث کی نسبت کرنے سے یہ مرسل ہے کیوں کہ مروان کو آنحضرت ﷺ کا شرف صحابیت حاصل نہیں ہے۔

اسی طرح علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ امام بخاریؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"قال البخاري لم يري النبي صلى الله عليه وسلم قلت هو تابعي." [۳]

ترجمہ: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مروان کو آنحضرت ﷺ کی رؤیت حاصل نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ مروان تابعی ہے۔ (ترجمہ ختم)

امام ابوزرعہ العراقی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۲۶ھ) فرماتے ہیں:

"قال أبو زرعة لم يسمع من النبي صلى الله عليه وسلم شيئاً كان على عهده ابن خمسين سنين أو نحوها. قال العلائي: أخرج له البخاري

---

[۱] (عمدة القاري شرح صحيح البخاري للعيني: ٢٤/٦، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

[۲] (عمدة القاري شرح صحيح البخاري: ١٤/٦، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

[۳] (المغني في الضعفاء للذهبي: ٢/٦٥١، الناشر: ليس بمكتوب)

حديث الحديبية بطوله وهو مرسل . وعن الامام مالك أن مروان ولد يوم احد بمكة فيكون عمره عند موت النبي صلي الله عليه وسلم ثماني سنين. وقد ذكر ابن عبد البر أنه لا رؤية له تعتبر أيضاً وقال لأنه خرج صغيراً مع أبيه اليٰ الطائف لما نفاه النبي الله عليه وسلم انتهيٰ . قلت : قال الترمذي : سألت محمداً يعني البخاري قلت له : مروان بن الحكم رأي النبي صلي الله عليه وسلم ؟ قال : لا انتهيٰ ." [1]

ترجمہ۔امام ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مروان کا سماع نبی پاک ﷺ سے بالکل ثابت نہیں ، وہ آپ ﷺ کے زمانہ میں تقریباً پانچ سال کا تھا۔امام علائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیبیہ کی ایک لمبی حدیث مروان سے مرسلاً نقل کی ہے۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مروان کی ولادت احد کے دن مکہ میں ہوئی نبی پاک ﷺ کی وفات کی وقت اس کی عمر آٹھ سال تھی۔علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ (سماع کے ساتھ ساتھ ) مروان کی رؤیت بھی ناقابل اعتبار ہے،اس لئے کہ جب نبی پاک ﷺ نے اس کے والد کو طائف کی طرف بھیجا تھا تو اُس وقت یہ بھی اپنے والد کے ہم راہ تھا اور وہ وقت اس کی صغر سنی کا تھا۔میں کہتا ہوں کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ مروان بن حکم کی حضورا کرم ﷺ کی رؤیت ثابت ہے؟ توانہوں نے فرمایا کہ:"نہیں۔"(ترجمہ ختم)

اورحافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفیٰ ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

" قال الترمذي : في هذا الحديث رواية رجل من الصحابة وهو سهل بن سعد عن رجل من التابعين وهو مروان بن الحكم ولم يسمع من رسول الله صلي الله عليه وسلم فهو من التابعين . قلت : لايلزم من عدم السماع عدم الصحبة ، والأوليٰ ما قال فيه البخاري : لم ير النبي صلي الله

---

[1] ( تحفة التحصيل في ذكر رواة المراسيل لأبي زرعة العراقي : ۱/۲۹۸ ، الناشر : مكتبة الرشد ، الرياض )

عليه وسلم ." وقد ذكره ابن عبد البر في الصحابة لأنه ولد في عهد النبي صلي الله عليه وسلم قبل عام أحد وقيل عام الخندق . وثبت عن مروان أنه قال لما طلب الخلافة فذكروا له ابن عمر فقال : ليس ابن عمر بأفقه مني ولكنه أسن مني و كانت له صحبة فهذا اعتراف منه بعدم صحبته . وانما لم يسمع من النبي صلي الله عليه وسلم وان كان سماعه منه ممكناً لأن النبي صلي الله عليه وسلم نفيٰ أباه الي الطائف فلم يرده الا عثمان لما استخلف وقد تقدمت روايته عن النبي صلي الله عليه وسلم في كتاب الشروط مقرونة بالمسور بن مخرمة ونبهت هناك ايضاً عليٰ أنها مرسلة والله الموفق ."[1]

ترجمہ: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ایک صحابی شخص حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو انہوں نے ایک تابعی شخص مروان بن حکم سے روایت کی ہے اور مروان کا سماع نبی کریم سے ثابت نہیں ہے اس لئے مروان تابعی ہیں (صحابی نہیں ہیں)۔ میں کہتا ہوں کہ عدم سماع سے عدم صحابیت لازم نہیں آتی ۔مروان (کی عدم صحابیت) کے متعلق سب سے بہترین قول امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ: ''مروان کو آنحضرت ﷺ کی رؤیت حاصل نہیں ۔'' علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے مروان کو صحابہ میں رضی اللہ عنہ ذکر کیا ہے کیوں کہ وہ بعض کے قول کے مطابق احد کے سال سے پہلے اور بعض کے قول کے مطابق خندق کے سال حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں پیدا ہوا تھا۔ اور مروان سے اس بات کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ جب وہ خلافت طلب کرنے لگا تو لوگوں نے اسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی موجودگی کا احساس دلایا۔ اس پر وہ کہنے لگا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ عمر میں تو مجھ سے بڑے ہو سکتے ہیں اس لئے کہ وہ صحابی ہیں لیکن اُمور دینیہ میں وہ مجھ سے زیادہ سمجھدار نہیں ہو سکتے۔'' پس (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں) مروان کا یہ قول (کہ وہ صحابی ہیں) خود اس کی طرف سے اپنے صحابی نہ ہونے کا اعتراف ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ اگرچہ مروان کا

---

[1] (فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن حجر العسقلاني : ٨/ ٢٦٠ ، الناشر : دار المعرفة ، بيروت )

نبی اکرم ﷺ سے سماع کرنا ممکن تھا، لیکن اس کے باوجود وہ سماع نہ کرسکا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مروان کے والد کو آنحضرت ﷺ نے طائف کی طرف بھیج دیا تھا (اور وہ وہیں رہتا رہا، یہاں تک کہ جب) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو طائف سے واپس بلایا۔ اور مروان کی نبی پاک ﷺ سے روایت جو مسور بن مخرمہ کی روایت کے ساتھ ملی ہوئی ہے وہ پیچھے کتاب الشروط میں گزر چکی ہے اور وہاں پر بھی میں نے متنبہ کیا تھا کہ مروان کی یہ روایت مرسل ہے۔ واللہ الموفق۔ (ترجمہ ختم)

## علامہ بدرالدین عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی کا تعاقب!

مرقومہ بالا عبارت میں حافظ ابن عبد البرؒ کے حوالہ سے مروان کی صحابیت کے اثبات میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو عبارت نقل کی ہے اس کا تعاقب کرتے ہوئے علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"وقال بعضهم: لايلزم من عدم السماع عدم الصحبة وقد ذكره ابن عبد البر في الصحابة انتهى. قلت: ولو ذكره في كتاب (الاستيعاب) في باب مروان ولكنه قال: لم ير النبي صلى الله عليه وسلم." [1]

ترجمہ: بعض علماء (مراد حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں) کہتے ہیں کہ:

"عدم سماع سے عدم صحابیت لازم نہیں آتی۔ اور مروان کو علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم میں ذکر کیا ہے۔" میں کہتا ہوں کہ اگرچہ علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے مروان کا ذکر اپنی کتاب "الاستیعاب" میں مروان کے باب میں کیا ہے، لیکن وہاں پر انہوں نے (یہ نہیں فرمایا کہ مروان صحابی ہے بلکہ) یہ فرمایا ہے کہ: "مروان کو نبی اکرم ﷺ کی رؤیت حاصل نہیں ہے۔" (ترجمہ ختم)

ایک دوسری جگہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

"لم أر من جزم بصحبته." [2]

---

[1] (عمدة القاري شرح صحيح البخاري للعيني: ۱۸/۱۸٦، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

[2] (الاصابة في معرفة الصحابة لابن حجر العسقلاني: ٦/۲۰۳، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

ترجمہ: میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے مروان کی صحابیت کا جزم کیا ہو۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ومروان لم يسمع من النبي صلى الله عليه وسلم وهو من التابعين." [۱]

ترجمہ: اور مروان نے نبی اکرم ﷺ سے سماع نہیں کیا۔ اور وہ تابعین میں سے ہے۔

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

"ومن كبار التابعين مروان بن الحكم." [۲]

ترجمہ: اور مروان بن حکم کبار تابعین میں سے ہے۔

اور حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

"لم يصح له سماعة." [۳]

ترجمہ: مروان کی سماعت نبی پاک ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔

اسی طرح حافظ جمال الدین مزی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۲ھ) لکھتے ہیں:

"ولم يصح له سماع من النبي صلى الله عليه وسلم." [۴]

ترجمہ: مروان کی سماعت نبی پاک ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔

بہرحال مذکورہ بالا تمام تر تفصیلات سے یہ بات خوب اچھی طرح ثابت ہوگئی کہ مروان کو نہ تو رسول اللہ ﷺ کی رؤیت حاصل ہے اور نہ ہی آپ ﷺ سے اُس کا سماع ثابت ہے۔ اس لئے مروان تابعی ہوا نہ کہ صحابی۔ اور تابعی بھی کس قسم کا؟ حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قلت: هو تابعي له تلك الأفاعيل." [۵]

---

۱ (جامع الترمذي: ۲۴۲/۵، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي، مصر)

۲ (الإصابة في تمييز الصحابة: ۱۲۲/۶، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

۳ (الكاشف في معرفة من له رواية في الكتب الستة للذهبي: ۲۵۳/۲، الناشر: دار القبلة للثقافة الإسلامية، مؤسسة علوم القرآن، جدة، السعودية العربية)

۴ (تهذيب الكمال في أسماء الرجال للمزي: ۳۸۸/۲۷، الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت)

۵ (ميزان الاعتدال في نقد أسماء الرجال للذهبي: ۸۹/۴، الناشر: دار المعرفة للطباعة والنشر، بيروت، لبنان)

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ مروان تابعی ہے اور اُس کی یہ یہ حرکات ہیں۔

ایک دوسری جگہ حافظ ذہبی فرماتے ہیں:

**" له أعمال موبقة نسأل الله السلامة رمي طلحة بسهم وفعل و فعل ."** [۱]

ترجمہ: مروان کے اعمال ہلاکت میں ڈالنے والے ہیں۔ اُس نے حضرت کو تیر مارا (جس کی وجہ سے وہ شہید ہوئے) اور اُس نے یہ کیا اور وہ کیا۔

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام پر حافظ مزیؒ کی کتاب **" تهذيب الكمال في أسماء الرجال "** کے محقق بشار عواد معروف تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

**" كلام الذهبي صحيح ، فينظر في أمر توثيقه مطلقا ويدرس ."** [۲]

ترجمہ: علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام صحیح ہے، لہٰذا مطلق طور پر مروان کی توثیق کے معاملہ میں نظر کی جائے اور اُسے سدھایا جائے۔ (ترجمہ ختم)

جن حضرات نے مروان کے بارے میں تعریف و توصیف کے کلمات کہے ہیں تو وہ اُس کی شروع والی زندگی کو دیکھ کر کہے ہیں اور جنہوں نے اس کے بارے میں تھوڑ بہت سخت الفاظ استعمال فرمائے ہیں تو انہوں نے اس کی آخری زندگی کے اعمال و کرتوت کو سامنے رکھ کر کہے ہیں۔ باقی اس میں شک ہی کیا ہے کہ مروان کی آخری زندگی اُس کی شروع والی زندگی کی بہ نسبت کوئی اتنی اچھی نہیں تھی۔ اور اعتبار تو خاتمہ کا ہی ہوتا ہے۔

---

۱ (ميزان الاعتدال في نقد أسماء الرجال للذهبي : ٨٩/٤ ، الناشر : دار المعرفة للطباعة والنشر ، بيروت ، لبنان )

۲ (حاشية تهذيب الكمال في أسماء الرجال للبشار : ٣٨٩/٢٧، الناشر: دار المعرفة للطباعة والنشر ، بيروت ، لبنان )

﴿۱۴﴾

# حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

﴿المتوفی ۱۲۹۷ھ﴾

## نام ونسب:

آپ کا نام نامی اسم گرامی: محمد قاسم، لقب: حجۃ الاسلام، قاسم العلوم والخیرات، والد کا نام: اسد علی اور دادا کا نام: غلام شاہ ہے۔

والد کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے:

''محمد قاسم بن اسد علی بن غلام شاہ بن محمد بخش بن علاء الدین بن محمد فتح بن محمد مفتی بن عبد السمیع بن مولوی محمد ہاشم...... الخ۔''

سلسلۂ نسب چلتے چلتے سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔

آپ کا تاریخی نام ''خورشید حسین'' ہے۔ اگر کسی مصلحت کی غرض سے اصل نام کا اخفاء مقصود ہوتا تو فرماتے کہ ''میرا نام ''خورشید حسین'' ہے۔''

## ولادت باسعادت:

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ضلع سہارن پور کے مردم خیز قصبہ ''نانوتہ'' [1] میں ماہ شعبان یا رمضان ۱۲۴۸ھ بمطابق ۱۸۳۳ء میں پیدا ہوئے۔

---

[1] یہ قصبہ دیو بند سے بارہ کوس مغرب میں اور سہارن پور سے پندرہ کوس جنوب میں اور گنگوہ سے نو کوس مشرق میں اور دہلی سے ساٹھ کوس شمال میں واقع ہے۔ رفیع

## تحصیل علم:

بعض خاندان والوں کی طرف سے اذیت کے پیش نظر والد نے آپؒ کو دیوبند منتقل کر دیا تھا، جہاں رہتے ہوئے آپؒ نے ابتدائی کتابیں مولانا مہتاب علی صاحبؒ سے پڑھیں۔ اس کے بعد سہارن پور میں مولانا محمد نواز صاحب سہارن پوریؒ سے فارسی اور عربی کی کچھ کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد ذی الحجہ ۱۲۵۹ھ میں دہلی روانہ ہوئے اور حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتویؒ سے "کافیہ" شروع کی اور فلسفہ اور معقول کی کتابیں "صدرا، شمس بازغہ، میرزاہد اور قاضی وغیرہ" کتابیں وہاں پڑھیں اور بہ معیت حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ دونوں نے حدیث شریف حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی۔ اور دونوں اسی زمانہ میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور سلوک شروع کیا۔ حضرت مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۱ ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ کو وفات پا گئے اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے "مطبع احمدی" میں مزدوری پر تصحیح کتب کا سلسلہ شروع کیا۔ اس زمانہ میں حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۹۷ھ) نے بخاری شریف کا حاشیہ لکھنا شروع کیا جو اس وقت برصغیر پاک و ہند کے تقریباً تمام ہی مطبوعہ نسخوں پر موجود ہے۔ آخری پانچ، چھ پاروں کا حاشیہ (جو سب سے زیادہ مشکل مقامات ہیں) حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔

## ایک نیک خواب:

طالب علمی کے زمانہ میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خواب دیکھا تھا کہ آپؒ خانۂ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہیں اور آپؒ سے ہزاروں نہریں جاری ہو رہی ہیں۔ مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ تعبیر دی کہ: "تم سے علم دین کا فیض بہ کثرت جاری ہوگا۔"

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے دو سال رمضان المبارک میں (نصف قرآن کریم ایک رمضان شریف میں اور نصف دوسرے میں) یاد کر لیا اور جب سنایا تو ایسا صاف جیسے پرانے پختہ کار حافظ سناتے ہیں۔

## حج بیت اللہ کی سعادت:

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے تین حج کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ پہلا حج ۱۲۷۷ھ میں اور دوسرا ۱۲۸۵ھ میں اور تیسرا ۱۲۹۴ھ میں کیا۔

## فتنوں کا تعاقب اور اُن کی سرکوبی:

اس زمانہ میں ہندوستان میں دو فتنے خوب پھیلے ہوئے تھے، ایک پادریوں کا اور دوسرا پنڈت دیانند سرسوتی کا۔ یہ بزعم خویش بڑا منطقی وفلسفی تھا، مگر بفضلہ تعالیٰ حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے عملی طور پر اس کی ایسی سرکوبی کی کہ رہتی نسلوں تک اس کی "آریہ جماعت" کو اپنے باطل نظریات عملی دُنیا میں پیش کرنے کی جرأت نہیں ہوگی چنانچہ "انتصار الاسلام" اور "قبلہ نما" اور "ترکی بہ ترکی" وغیرہ کتابیں اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

اسی طرح پادریوں کا بھی تعاقب کیا اور ۱۲۹۳ھ میں چاند پور ضلع شاہ جہان پور میں جلسۂ عام میں پادریوں کو ایسا لاجواب کیا کہ وہ عین جلسہ سے بھاگ کھڑے ہوئے اور بعض کتابیں افراتفری میں چھوڑ گئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی بدولت اسلام کو فتح ونصرت عطا فرمائی۔ اس جلسہ میں اہل کتاب کے مقابلہ میں یکتا مناظر حضرت مولانا منصور علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی شریک تھے۔

ظالم برطانیہ کے خلاف عملی جہاد میں بھی حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھرپور حصہ لیا اور جہاد شاملی وغیرہ میں شرکت اور جرأت وبہادری سے کفار کا مقابلہ کرنا ایک واضح تاریخی حقیقت ہے۔

## قیام دار العلوم دیوبند:

محرم ۱۲۹۳ھ میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے دار العلوم دیوبند کی بنیاد ڈالی اور اس کار خیر میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ، حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ اور حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ نے بھرپور تعاون اور شرکت کی۔ مدرس کی پندرہ روپے ماہانہ تنخواہ مقرر ہوئی، چند ہی روز میں چندہ بڑھ گیا اور مدرس بڑھائے گئے اور معلم قاری اور حافظ قرآن مقرر ہوئے اور کتب خانہ جمع ہوا۔

## شادی اور اولاد:

ــــ ھ میں آپؒ رشتۂ ازدواج سے منسلک ہوئے جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین لڑکیاں (اکرامن بی بی، رقیہ بی بی اور عائشہ بی بی) اور دو لڑکے (مولانا حافظ محمد احمد صاحب اور محمد ہاشم صاحب) جیسے نیک اور صالح فرزند عطاء فرمائے، جن سے آگے چل کر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (سابق مہتمم دار العلوم دیوبند) اور حضرت مولانا قاری محمد طاہر قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے مشاہیر اہل علم نے جنم لیا۔

## باقیات الصالحات:

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی باقیات الصالحات میں جہاں اپنی نیک وصالح اولاد واحفاد، دسیوں شاگردوں، بیسیوں متوسلین اور سیکڑوں معتقدین کو چھوڑے ہیں تو وہیں بیش قیمت علمی اور گراں قدر تحقیقی کتابوں کا بھی ایک عظیم ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے، جن کے نام یہ ہیں:

(۱) آب حیات (۲) ہدیۃ الشیعہ (۳) اجوبۂ اربعین (۴) انتباہ المؤمنین (۵) تقریر دل پذیر (۶) حجۃ اسلام (۷) مباحثہ شاہ جہاں پور (۸) میلا خدا شناسی (۹) انتصار الاسلام (۱۰) قبلہ نما (۱۱) تصفیۃ العقائد (۱۲) توثیق الکلام (۱۳) دلیل محکم (۱۴) تحفۂ لحمیہ (۱۵) قصائد قاسمی (۱۶) جمال قاسمی (۱۷) لطائف قاسمیؒ (۱۸) مناظرۂ عجیبہ (۱۹) تحذیر الناس من انکار اثر ابن عباسؓ (۲۰) اسرار قرآنی (۲۱) ترکی بہ ترکی۔

## وفات حسرت آیات:

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے مؤرخہ ۴ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ کو جمعرات کے روز بعد از نماز ظہر بعلت ''ضیق النفس'' اس جہانِ رنگ وبو کو خیر آباد کہا اور دار العلوم دیوبند کے عین متصل قبرستان قاسمیؒ میں رحمت خداوندی کی آغوش میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محو استراحت ہو گئے۔

## حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ حاسدین ومعاندین کے نشانے پر:

لیکن بایں ہمہ فضل وکمال وستودہ صفات مخالفین ومعاندین اور حاسدین کے سم آلود تیروں کے ظالمانہ واروں سے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کسی بھی طرح نہ بچ سکے۔

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب اپنی قلبی بھڑاس نکالتے ہوئے مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''سیدنا الامام سیدنا الامام الکبیر جن دنوں میں دیوبند کو وطن بنا کر یہاں مقیم ہو چکے تھے، اسی زمانہ کے اچھے اچھے ممتاز گھرانوں میں تفضیل کا اثر موجود تھا، بلکہ سوانح مخطوطہ کے مصنف نے بجائے ''تفضیل'' کے لکھا ہے کہ: ''مادہ رفض کا غالب تھا۔'' [۱]

---

(۱) سوانح قاسمی: ۲/۲۷، بحوالہ: سیدنا معاویہؓ کے ناقدین، ص ۱۶۵)

آگے چل کر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب خود لکھتے ہیں:

''حضرت نانوتوی نے اپنے طور پر ''تفضیلیت ورفض'' کے اس سیلاب کے آگے بند باندھنے کی سعی فرمائی، لیکن صد افسوس کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشاجرات کے شرعی حکم (امساک، توقف اور سکوت) پر کما حقہ گامزن نہ رہ سکے۔ اس تمہید اور پس منظر کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں موصوف کے چند افکار ملاحظہ فرمائیں:

''باقی رہے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہر چند ان کو بظاہر تمکین میسر آئی، لیکن حقیقت میں وہ تمکین دین نہ تھی، تمکین ملک و سلطنت تھی، چنانچہ واقفان فن سیر پر پوشیدہ نہیں کہ خلفائے اربعہ کے اطوار اور انداز اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اطوار اور انداز میں زمین و آسمان کا فرق تھا، ان کی گزران فقیرانہ اور زاہدانہ تھی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا طور ملوک کا سا تھا، اس لئے اہل سنت ان کو باوجودیکہ صحابی سمجھتے ہیں خلفاء میں نہیں گنتے، ملوک میں شمار کرتے ہیں۔ لیکن ملوک ملوک میں بھی فرق ہے، ایک نوشیروان تھا، ایک چنگیز تھا، سو یہ ہر چند ملوک میں سے تھے، لیکن اس کے معنی یہ ہیں کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے مقابلہ میں دُنیادار معلوم ہوتے تھے۔ [1]

## حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو میسر آنے والی تمکین کی حقیقت:

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس جملے: ''باقی رہے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہر چند ان کو بظاہر تمکین میسر آئی، لیکن حقیقت میں وہ تمکین دین نہ تھی، تمکین ملک و سلطنت تھی۔'' کا مطلب یہ ہے کہ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی تمکین کی بہ نسبت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تمکین، تمکین ملک و سلطنت تھی، نہ کہ بعد میں آنے والے ملوک و سلاطین کی بہ نسبت، اس لئے کہ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم احتیاط و تقویٰ اور احساسِ ذمہ داری کے جس معیار بلند پر فائز تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں وہ معیار باقی نہیں رہا تھا، کیوں کہ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم عزیمت پر عمل کرتے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رخصت پر، وہ حضرات اپنی عمومی زندگی میں تقویٰ اور احتیاط پر عمل کرتے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ توسعات سے کام لیتے ہوئے مباحات پر عمل کرتے تھے۔ لہٰذا حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت اور تمکین میں فرق تو بے شک تھا ہی، لیکن یہ فرق تقویٰ و طہارت اور فسق و فجور کا نہ تھا بلکہ

---

[1] (ہدیۃ الشیعہ، ص ۲۶ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۱۶۶)

﴿حسنات الأبرار سيآت المقربين﴾ کے بموجب تقویٰ واحتیاط اور رخصت ومباحات کا فرق تھا۔

چنانچہ ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ (جو صفین وغیرہ جنگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سرگرم حامیوں میں سے تھے) سے پوچھا کہ: ''ہمارے عہد حکومت کے بارے میں تمہارا خیال ہے، وہ کیسا ہے؟۔'' حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''اگر سچ کہیں تو تمہارا خوف ہے اور اگر جھوٹ کہیں تو اللہ کا۔'' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں تمہیں قسم دیتا ہوں سچ سچ بیان کرو!۔'' اس پر حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے کہا:

"عدل زمانكم هذا جور زمان قد مضيٰ، وجور زمانكم هذا عدل زمان ما يأتي."[1]

ترجمہ: تمہارے زمانے کا انصاف پہلے زمانے کا ظلم تھا، اور تمہارے زمانے کا ظلم آئندہ زمانے کا انصاف ہوگا۔ (ترجمہ ختم)

علمائے عقائد نے بھی حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں یہی فرق بیان فرمایا ہے۔

چنانچہ علم عقائد کے مشہور محقق عالم علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں:

"قلت: لأهل الخير مراتب بعضها فوق بعض، وكل مرتبة منها يكون محل قدح بالنسبة الىٰ التي فوقها ...... ولذا قيل: ﴿حسنات الأبرار سيآت المقربين﴾ ...... الىٰ أن قال ...... و اذا تقرر ذلك فنقول كان الخلفاء الراشدين لم يتوسعوا في المباحات وكان سيرتهم سيرة النبي صلي الله عليه وسلم في الصبر علي ضيق العيش والجهد ...... وأما معاوية فهو ان لم يرتكب منكراً لكنه توسع في المباحات ولم يكن في درجة الخلفاء الخلفاء الراشدين في اداء حقوق الخلافة لكنه عدم المساوات بهم لايوجب قدحاً فيه."[2]

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ اہل خیر کے مراتب (آپس میں) مختلف ہوتے ہیں جن

---

[1] (تاريخ اليعقوبي، ۲/۲۳۳، الناشر: دار صادر بيروت)

[2] (النبراس شرح شرح العقائد النسفية للفرهاروي: ص ۵۱۰، الناشر: المكتبة الحقانية، ملتان، پاكستان)

میں بعض دوسرے بعض سے بلند ہوتے ہیں اوران میں سے ہر مرتبہ اپنے سے بلند مرتبے کے اعتبار سے قابل اعتراض ہوتا ہے..... اسی لئے مقولہ مشہور ہے کہ" نیک لوگوں کی اچھائیاں مقرب لوگوں کی برائیاں (معلوم) ہوتی ہیں۔" جب مذکورہ بالا بات طے ہوگئی تو ہم یہ کہتے ہیں کہ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے مباحات میں توسع سے کام نہیں لیا تھا اور تنگی عیش پر صبر اور جدو جہد کے معاملہ میں ان کی سیرت آنحضرت ﷺ کی سیرت کے مشابہ تھی..... باقی جہاں تک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بات ہے تو انہوں نے اگرچہ سر عام کسی گناہ کا ارتکاب تو نہیں کیا، لیکن انہوں نے مباحات میں تسع ضرور اختیار کیا ہے، اور حقوق خلافت کی ادائیگی میں وہ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے درجہ میں نہیں تھے، لیکن حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ساتھ ان کا برابری نہ کرسکنا ان کے لئے کسی قدح کا موجب نہیں ہے۔(ترجمہ ختم)

چنانچہ اگر غور کیا جائے تو حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی مؤخر الذکر عبارت:

"لیکن ملوک ملوک میں بھی فرق ہے، ایک نوشیروان تھا، ایک چنگیز تھا، سو یہ ہر چند ملوک میں سے تھے، لیکن اس کے معنی یہ ہیں کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے مقابلہ میں دُنیا دار معلوم ہوتے تھے۔[1]

ہمارے اس مؤقف پر آفتاب نصف النہار کی طرح شاہد عدل ہے، جس میں کسی قسم کا کوئی ابہام اور شبہ نہیں ہے۔

## حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں فرق:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

"موصوف ایک دوسری کتاب میں اہل تشیع کے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

"اور یہ سچ ہے کہ سُنی اصحاب اربعہ رضی اللہ عنہم یعنی چار یار کو بہ ترتیب معلوم جانشین حضرت سید المرسلین ﷺ سمجھتے ہیں اور خلیفۂ راشد اعتقاد کرتے ہیں، پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید

---

[1] (ہدیۃ الشیعہ: ص ٦٦ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ١٢٦)

پلید اور عبدالملک وغیرہ کو سنیوں میں کوئی ایک بھی خلیفۂ راشد نہیں سمجھتا، ہاں جھوٹ کا جواب جھوٹ ہے......

اجی صاحب! اہل سنت ان لوگوں کو بادشاہ سمجھتے ہیں، خلیفۂ راشد نہیں سمجھتے۔ اگر کسی نے ان کو خلیفہ لکھ دیا تو اس سے خلیفۂ راشد مراد نہیں......

اجی صاحب! اہل سنت گو سب کو خلیفہ کہیں پر خلیفۂ برحق اور خلیفۂ راشد چار یاری کو سمجھتے ہیں اور یہ ایسی بات ہے کہ جیسے اولاد کو ہر کوئی "خلف" کہتا ہے، پر "خلف الرشید" اس کو کہتے ہیں جو "فرزند کامل" ہو ورنہ یا تو "ناخلف" ہے یا کوئی صفت بھلی بری اس کے ساتھ کچھ نہیں لگاتے۔ سو خلیفۂ راشد تو چار یاری تھے اور یزید، ولید، عبدالملک وغیرہ مروانی عباسی اکثر ناخلف تھے۔

اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس باب میں نہ خلیفۂ راشد ہیں نہ ناخلف۔ ہاں! فضیلت صحبت اور بزرگی صحابیت اور اخوت اُم المؤمنین اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کی ان کو حاصل تھی، اور اس لئے سب کے واجب التعظیم ہیں جو برا کہے وہ اپنی عاقبت کھوتا ہے...... بالجملہ اہل سنت خلیفہ بھی کو کہہ دیا کرتے ہیں، اس لفظ میں کچھ بزرگی نہیں، اس کے معنی فقط جانشین ہیں۔ سو تمہیں کہو اس میں کیا بزرگی ہے؟۔ اگر کسی نیک آدمی کی جگہ کوئی بدمعاش بیٹھ جائے تو اس کو جانشین (یعنی خلیفہ) تو ضرور کہیں گے پر اس میں کچھ بزرگی نہ نکلے گی۔

ہاں لفظ راشد بزرگی پر دلالت کرتا ہے۔ اس صورت میں خلیفہ کی دو قسمیں ہوں گی: ایک خلیفۂ راشد، یہ تو چار یار اور پانچویں پانچ چھ مہینے کے لئے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ہو گئے تھے۔

دوسرا خلیفۂ غیر راشد، اور خلیفۂ غیر راشد کو بادشاہ اور ملک بھی سنیوں کی اصطلاح میں کہتے ہیں۔ یزید اور عبدالملک وغیرہ سب اسی قسم کے ہیں، ہاں! عمر بن عبدالعزیزؒ البتہ مروانیوں میں سے خلیفۂ راشد ہوئے ہیں۔[۱]

---

[۱] (اجوبۂ اربعین، ص ۱۸۵......۱۸۸ مطبوعہ مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالا، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۱۶۶، ۱۶۷)

## خلافت راشدہ موعودہ صرف خلفائے اربعہ ہی میں منحصر ہے!

خلافت راشدہ موعودہ بہ نص قرآن صرف مہاجرین اولین چار خلفاء (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ) ہی میں منحصر ہے۔ کوئی دوسرا خلیفہ اس میں شامل نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

> الذين اخرجوا من ديارهم بغير حق الا أن يقولوا ربنا الله ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبيع وصلوات ومساجد يذكر فيها اسم الله كثيرا، ولينصرن الله من ينصره، ان الله لقوي عزيز، الذين ان مكنهم في الأرض أقاموا الصلوة وآتوا الزكوة وأمروا بالمعروف ونهوا عن المنكر، ولله عاقبة الأمور." [1]

> ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جنہیں صرف اتنی بات پر اپنے گھروں سے ناحق نکالا گیا ہے کہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ: "ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ اور اگر اللہ لوگوں کے ایک گروہ (کے شر) کو دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہتا تو خانقاہیں، اور کلیسا اور عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے سب مسمار کر دی جاتیں۔ اور اللہ ضرور اُن لوگوں کی مدد کرے گا جو اُس (کے دین) کی مدد کریں گے۔ بلاشبہ اللہ بڑی قوت والا، بڑے اقتدار والا ہے۔
>
> یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور لوگوں کو نیکی کی تاکید کریں اور برائی سے روکیں اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے قبضے میں ہے۔ [2]

اس آیت حکیمہ میں اللہ تعالیٰ نے اُن مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق اعلان فرمایا جنہیں کافروں نے اُن کے گھروں سے نکال دیا تھا اور وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کے تحت مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہو گئے تھے کہ اگر ہم ان کو ملک

---

[1] (الحج: ۲۲/ ۴۰، ۴۱)

[2] (آسان ترجمہ قرآن: ۲/ ۱۰۳۶، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

میں حکومت واقتدار دے دیں تو وہ ضرور ان چار کاموں (نماز کو قائم رکھنے، زکوٰۃ ادا کرنے، بھلی باتوں کا حکم کرنے اور بری باتوں سے منع کرنے) کی تکمیل کریں گے۔

اور چوں کہ ان مہاجرین اوّلین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے آنحضرت ﷺ کے بعد اللہ تعالیٰ نے صرف ان چار خلفاء (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) ہی کو ملکی اقتدار عطا فرمایا ہے، اس لئے ان کی خلافت کو خصوصی طور پر "خلافت راشدہ" کہا جاتا ہے۔

چنانچہ امام ابو جعفر طحاوی (المتوفی ۳۲۱ ھ) عقیدۂ خلافت کے ذیل میں ارقام فرماتے ہیں۔

"ونثبت الخلافة بعد رسول الله (صلي الله عليه وسلم) اوّلاً لأبي بكر الصديق (رضي الله عنه) تفضيلاً له وتقديماً علي جميع الأمة، ثم لعمر بن الخطاب رضي الله عنه، ثم لعثمان رضي الله عنه، ثم لعلي بن أبي طالب رضي الله عنه وهم الخلفاء الراشدون والأئمة المهديون."[1]

ترجمہ: اور ہم رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت ثابت کرتے ہیں، اس طور پر کہ آپ رضی اللہ عنہ کو تمام اُمت پر تفضیل وتقدیم حاصل ہے۔ پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لئے ثابت کرتے ہیں، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے ثابت کرتے ہیں، پھر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے لئے ثابت کرتے ہیں اور یہی خلفائے راشدین اور ائمہ مہدیین ہیں۔ (ترجمہ ختم)

اور امام ابوالحسن الاشعری (المتوفی ۳۲۴ ھ) فرماتے ہیں:

"ونتولي سائر أصحاب النبي (صلي الله عليه وسلم) ونكف عما شجر بينهم وندين الله بأن الأئمة الأربعة خلفاء راشدون مهديون فضلا لا يوازيهم في الفضل غيرهم."[2]

ترجمہ: اور ہم سب صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت رکھتے ہیں اور ان میں ہوئے اختلافات

---

[1] (عقيدة الطحاوية: ص ١١)

[2] (كتاب الإبانة ص ١١)

سے اپنے آپ کو دور رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ ائمہ اربعہ ہی خلفائے راشدین و مہدیین ہیں اور کوئی بھی فضیلت میں ان کی برابری نہیں کر سکتا۔

اور امام ابوالحسن الاشعری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۲۴ھ) فرماتے ہیں:

"يعرفون حق السلف الذين اختارهم الله - سبحانه - لصحبة نبيه (صلي الله عليه وسلم) ويأخذون بفضائلهم ويمسكون عما شجر بينهم صغيرهم وكبيرهم ويقدمون أبابكر ثم عمر ثم عثمان ثم عليا رضوان الله عليهم. ويقرون أنهم الخلفاء الراشدون المهديون أفضل الناس كلهم بعد النبي (صلي الله عليه وسلم) ويصدقون بالأحاديث التي جاء ت عن رسول الله (صلي الله عليه وسلم)." [1]

ترجمہ: (اہل سنت والجماعت) ان اسلاف کا حق پہچانتے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت کے لئے منتخب فرمایا ہے، وہ ان کے فضائل کو لیتے ہیں اور جو اختلاف اُن کے چھوٹوں بڑوں میں چلے وہ اس اختلاف میں بحث کرنے سے پیچھے ہٹتے ہیں، اور سب سے مقدم وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رکھتے ہیں، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو، پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اور پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو۔ اور اقرار کرتے ہیں کہ یہی خلفائے راشدین مہدیین ہیں اور نبی پاک ﷺ کے بعد تمام لوگوں سے افضل ہیں اور اُن تمام احادیث کی تصدیق کرتے ہیں جو حضور نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہیں۔ (ترجمہ ختم)

## خلافت حسن رضی اللہ عنہ کی شرعی نوعیت:

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت حسن رضی اللہ عنہ بھی موعودہ خلیفہ راشد ہیں یا نہیں؟ کیوں کہ آپ کی خلافت 'خلافت راشدہ ہی کا تتمہ و تکملہ تھی، جیسا کہ ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ:

"الخلافة في أمتي ثلاثون سنة ثم ملك بعد ذلك." [2]

---

[1] (مقالات الاسلاميين واختلاف المصلين للأشعري: ١/ ٢٢٨، الناشر: المكتبة العصرية)

[2] (جامع الترمذي: ٤/ ٥٠٣، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي، مصر)

ترجمہ: میری اُمت میں خلافت تیس (۳۰) سال تک رہے گی اس کے بعد بادشاہت ہوگی۔ (ترجمہ ختم)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعض علماء نے اس حدیث کے پیشِ نظر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو مذکورہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں سے خلیفہ راشد تسلیم کیا ہے، اس لئے کہ مذکورہ بالا حدیث کے پیشِ نظر یہ تیس سال اُس وقت پورے ہوئے جب ۴۱ھ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرکے خلافت کی باگ ڈور اُن کے ہاتھ میں دے دی تھی اور خود اُن کے ہاتھ پر بیعت کرلی تھی۔

چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

"وانما كملت الثلاثون بخلافة الحسن بن علي (رضي الله عنهما) فانه نزل عن الخلافة لمعاوية في ربيع الأول من سنة احدي وأربعين ."[1]

اور تیس سال جو پورے ہوئے تو وہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی خلافت پر پورے ہوئے کیوں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ماہ ربیع الاوّل ۴۱ھ میں خلافت سے دست بردار ہوئے۔

لیکن بعض دوسرے علماء نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ان مذکورہ چار خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں سے شمار نہیں کیا بلکہ حکماً آپ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد کہہ دیا ہے۔

چنانچہ امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"بعض علمائے کرام نے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور اُن کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام کا اضافہ کیا ہے، مگر میں نے باتباعِ جمہور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر خلافتِ راشدہ کو اس لئے ختم کردیا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت صرف چھ ماہ رہی، پھر اُنہوں نے خود ہی خلافت کی باگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دی اور خود بھی اُن سے بیعت کرلی۔"[2]

اور قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

---

[1] (البداية والنهاية لابن كثير، ۸/۱۷، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

[2] (خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم: ص ۲۳۸، ۲۳۹)

''اور آیت ﴿ وعد الله الذين آمنوا منكم ﴾ میں ﴿ منكم ﴾ کی قید کی وجہ سے (خلفائے اربعہ حضرات خلفائے راشدین ﷢ کے) بعد کے خلفاء اس آیت کا مصداق قرار نہیں دیئے جا سکتے، خواہ حضرت امام حسن ﷜ ہوں یا حضرت امیر معاویہ ﷜ اور خواہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہوں۔'' [1]

اور مولانا مفتی محمد ظفر اقبال صاحب زید مجدہم لکھتے ہیں:

''سیدنا حسن ﷜ کا عہد 'خلافت راشدہ کا تتمہ و تکملہ تھا۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ آپ کی خلافت خلفائے اربعہ ﷢ کی طرح قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ ہے۔'' [2]

## علماء کے اقوال میں تطبیق:

ان دونوں طبقوں کے علماء کے اقوال کے درمیان تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ جن حضرات نے حضرت امام حسن ﷜ کی خلافت کو خلافت راشدہ قرار دیا ہے تو انہوں نے اصالۃً نہیں بلکہ تبعاً قرار دیا ہے، اس لئے کہ آپ کی خلافت کے چھ ماہ کا زمانہ اگرچہ خلافت راشدہ کے ان تیس سالوں میں ضرور آتا ہے جن کے بارے آنحضرت ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ: ''میرے بعد خلافت تیس سال تک رہے گی۔'' لیکن دوسری طرف اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی خلافت علیٰ منہاج النبوۃ ضرور تھی، لیکن خلافت راشدہ موعودہ نہیں تھی، اس لئے کہ خلافت راشدہ موعودہ صرف خلفائے اربعہ حضرات خلفائے راشدین ﷢ ہی کی خلافت تھی اس لئے آپ کو حکماً خلیفہ راشد کہہ دیا ہے اصالۃً نہیں کہا۔

اور جن دوسرے بعض حضرات نے آپ ﷜ کی خلافت کو سرے سے خلافت راشدہ ہی تسلیم نہیں کیا تو وہ اس وجہ سے کہ ایک تو آپ ﷜ کا عہد خلافت 'خلافت راشدہ کا تتمہ و تکملہ تھا، حضرات خلفائے اربعہ ﷢ کی خلافت موعودہ کی طرح خلافت موعودہ نہیں تھی جیسا کہ ابھی اوپر گزرا۔ اور دوسرے اس وجہ سے کہ آپ ﷜ کا عہد 'خلافت تامہ بھی نہیں تھا اس لئے کہ آپ ﷜ نے ماہ ربیع الاول ۴۱ھ میں خلافت کی باگ ڈور حضرت معاویہ ﷜ کے ہاتھ میں تھما دی تھی اور خود خلافت سے دست بردار ہو کر ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ [3]

---

[1] (سنی موقف: ۵۲، ۵۳)

[2] (سیدنا معاویہ ﷜ کے بارے میں گم راہ کن غلط فہمیوں کا ازالہ: ص ۲۷۶، ۲۷۷)

اس لئے یہ حضرات بھی آپ رضی اللہ عنہ کو خلفائے اربعہ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی طرح خلیفۂ راشد موعود نہیں مانتے بلکہ حکماً خلیفہ کہہ دیتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت اگرچہ علیٰ منہاج النبوۃ ضرور تھی لیکن خلافت راشدہ موعودہ نہیں تھی اس لئے آپ رضی اللہ عنہ خلیفۂ راشد موعود نہیں ہیں بلکہ آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل عالیہ وصفات کمالیہ کے سبب حکماً آپ رضی اللہ عنہ کو خلیفۂ راشد کہہ دیا جاتا ہے۔

لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بھی جدا ہے، اس لئے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت ان تیس سالوں کے بعد پہلے منازعت اور پھر مصالحت حسن رضی اللہ عنہ کی صورت میں معرض وجود میں آئی تھی، جس کی پیشین گوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی کر دی تھی، اس لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت نہ تو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ تھی اور نہ ہی خلافت راشدہ موعودہ تھی، بلکہ آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر ملوکیت کی شان غالب تھی اور آپ رضی اللہ عنہ سے ملوکیت و سلطنت کا زمانہ شروع ہو گیا تھا، لیکن ملوک ملوک میں بھی فرق ہے، ایک نوشیروان تھا اور ایک چنگیز خان، لہٰذا اس کا یہ مطلب نہیں کہ دونوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانک دیا جائے اور دونوں کے درمیان فرق مراتب کا کوئی امتیاز نہ کیا جائے، بلکہ دونوں کے فرق مراتب کا خیال رکھتے ہوئے منصف و عادل کو ظالم و جابر سے ضرور ممتاز کیا جائے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار اگرچہ ملوک وسلاطین میں ہوتا ہے لیکن ان ملوک وسلاطین میں نہیں کہ جن کا کام ہی ظلم وستم، قتل وغارت اور تعیش پسندانہ زندگی گزارنا ہوتا ہے، بلکہ آپ رضی اللہ عنہ کا شمار ان ملوک وسلاطین میں ہوتا ہے کہ جن کا مقصد عدل وانصاف، امن وامان اور زاہدانہ زندگی گزارنا ہوتا ہے۔ چنانچہ انہی فضائل محمودہ وخصائل ستودہ کے پیش نظر حکماً آپ رضی اللہ عنہ کو بھی خلیفۂ راشد کہہ دیا جاتا ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"سلطان کامل حکمی خلیفۂ راشد ہے، یعنی اگرچہ خلافت راشدہ تک نہیں پہنچا، لیکن خلافت راشدہ کے عمدہ آثار بعض ظواہر شریعت کی خدمت صدق واخلاص سے اس سے صادر ہوں۔"[1]

---

= "وانما كملت الثلاثون بخلافة الحسن بن علي، فانه نزل عن الخلافة لمعاوية في ربيع الأول من سنة احدى وأربعين." (البداية والنهاية لابن كثير: ۲۷/۸، الناشر: دار احياء التراث العربي - بيروت، لبنان)

[1] (منصب امامت (از: شاہ اسماعیل شہیدؒ) ص۹۹)

## کیا حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جلیل القدر صحابہ میں شمار نہیں کیا؟

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت نانوتوی پر ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہ کو جلیل القدر صحابہ میں سے شمار نہیں کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''حضرت نانوتویؒ زیر عنوان ''مذہب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دربارہ خلافت'' لکھتے ہیں کہ:

''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نظریہ خلافت کے متعلق یہ تھا کہ جس کسی کو مملکت کے انتظام کا سلیقہ دوسروں سے زیادہ ہو، گو اس سے افضل ہوں تو دوسروں سے اس کا خلیفہ بنانا افضل ہے، اس بات پر نظر رکھتے ہوئے یزید کو انہوں نے دوسروں سے افضل جانا اور اگر (بالفرض) افضل نہ بھی جانا جاتا تو اس سے زیادہ بات آگے نہیں بڑھتی کہ انہوں نے افضل کو چھوڑ دیا، جیسا کہ گزشتہ مقدمات میں واضح ہو گیا کہ افضل کا خلیفہ بنانا افضل ہے نہ کہ واجب۔ لیکن اتنی بات کے باعث ترک افضل کا ان پر گناہ نہیں تھوپا جا سکتا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ گالم گلوچ سے ہم پیش آئیں۔ اور پھر ہم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم میں شمار نہیں کرتے ہیں (از اجلہ صحابہ نمی شماریم) کہ افضل اور اولیٰ کے ترک کرنے کے باعث ان جیسے معاملات میں ہم ان کی طرف سے معذرت پیش کریں۔[1]

یہ ملحوظ رہے کہ حضرت نانوتویؒ کا یہ فارسی مکتوب (بنام مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ) ان کے مجموعہ مکتوبات بنام ''قاسم العلوم'' میں شائع ہو چکا ہے۔[2]

پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی صاحبؒ نے حضرت نانوتویؒ کے اس قول کہ ''ہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم میں شمار نہیں کرتے'' کی تاویل کرتے ہوئے نیچے حاشیہ پر لکھا ہے کہ ''یعنی چوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ و علی رضی اللہ عنہ کی طرح ایسے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے نہ تھے کہ یزید کو اپنا جانشین بنانے پر ان کی طرف سے ہم

---

[1] (انوار النجوم، ص ۱۷۴، ۱۷۵، مترجمہ مولانا پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی فاضل دارالعلوم دیوبند بحوالہ سیدنا معاویہؓ کے ناقدین، ص ۱۶۷)

[2] (ملاحظہ ہو یادگار حسینی، ص ۳ مؤلفہ مولانا قاضی مظہر حسینؒ بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ۱۶۷)

معذرت پیش کریں۔"(حوالہ مذکورہ)

یعنی اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہوتے تو پھر ہم یزید کی ولی عہدی وغیرہ جیسے معاملات پر "سب وتنقید" کی صورت میں اُن کی طرف سے معذرت پیش کرتے۔

اوّل تو حضرت نانوتوی کی یہ بات ہی خلاف حقیقت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی نہیں تھے۔

علامہ عبدالعزیز فرہاروی فرماتے ہیں کہ:

"أقول قد صرح علماء الحديث بأن معاوية رضي الله عنه من كبار الصحابة ونجبائهم ومجتهديهم ولو سلم أنه من صغارهم فلا شك في أنه داخل عموم الأحاديث الصحيحة الواردة في تشريف الصحابة رضي الله عنهم بل قد ورد فيه بخصوصه أحاديث ......ا

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ علمائے حدیث نے صراحت کی ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اکابر صحابہ، اشراف اور مجتہد صحابہ میں سے ہیں۔ اور اگر یہ بات تسلیم کرلی جائے کہ وہ اصاغر صحابہ میں سے تھے تب بھی اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ ان صحیح احادیث کے عموم میں داخل ہیں جو صحابہ کے شرف وفضیلت میں وارد ہوئی ہیں، بلکہ خاص امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی احادیث وارد ہوئی ہیں، جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ﴿ اللهم اجعله هاديا مهديا واهد به ﴾ اسے ترمذی نے روایت کیا۔ اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ﴿ اللهم علم معاوية الحساب والكتاب وقه العذاب ﴾ اسے امام احمدؒ نے روایت کیا ...... بہرحال حضرت نانوتوی کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع سے معذرت خواہی کے بارے میں یہی عرض کیا جاسکتا ہے کہ:

معذرت راخندہ می آید براستغفار" ۲

---

ا (النبراس شرح لشرح العقائد: ۵۵۰)

۲ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۶۷، ۱۶۸)

## ہنر بچشم عداوت بزرگ ترعیب است!

فاضل مترجم مولانا انوار الحسن شیر کوٹی سے دورانِ ترجمہ یہاں تھوڑا بہت تسامح اور سہو ہو گیا، اور اسی غلط فہمی کے نتیجے میں انہوں نے نیچے حاشیہ میں بھی غلطی کھائی، جس کی وجہ سے بات کہیں سے کہیں نکل گئی اور مخالفین و معاندین پروفیسر طاہر ہاشمی وغیرہ نے حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف پروپیگنڈے کا بازار گرم کر کے انہیں حضرت معاویہ ؓ کا ناقد و گستاخ ٹھہرا دیا۔

## مولانا انوار الحسن شیر کوٹیؒ کا تسامح اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کی وضاحت:

لہٰذا ہم سب سے پہلے اصل کتاب قاسم العلوم (یعنی مکتوبات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ) کی فارسی عبارت نقل کرتے ہیں اور اُس کے بعد سلیس اُردو زبان میں اُس کا ترجمہ کرتے ہیں، تا کہ اصل حقیقت ناظرین و قارئین حضرات کے سامنے واضح ہو سکے اور حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف حضرت معاویہ ؓ پر طعن و تنقید کے حوالے سے حاسدین و مخالفین پروفیسر طاہر ہاشمی وغیرہ نے جو پروپیگنڈا کھڑا کر رکھا ہے اُس کا ازالہ ہو سکے اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی نکھر کر علیحدہ علیحدہ ہو جائے۔

چنانچہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی "مذہب امیر معاویہ ؓ در بارۂ خلافت" عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

> "وایں طرف مذہب حضرت امیر معاویہ ؓ، در بارۂ خلافت آں بود کہ ہر کرا سلیقہ انتظام مملکت زائد از دیگراں باشد (گو افضل از و باشد) افضل است از دیگراں، نظر بریں اورا افضل از دیگراں دانستند، و اگر افضل نہ دانستند پس بیش ازیں نیست کہ ترک افضل کردند۔ چنانچہ در مقدمات سابقہ واضح شدہ کہ استخلاف افضل، افضل است نہ واجب، لیکن ایں قدر را گناہ نتواں گفت کہ سب و شتم امیر معاویہ ؓ پیش آئیم، ایں طرف امیر معاویہ ؓ را از اجلہ صحابہ ہمی شماریم کہ بہ نسبت ترک افضل و اولیٰ ہم دریں چنیں اُمور معذرت نمائیم۔" [۱]
>
> ترجمہ: اور خلافت کے بارے میں حضرت امیر معاویہ ؓ کا مسلک یہ تھا کہ جس شخص کو انتظام مملکت کا سلیقہ بہ نسبت دوسروں کے زیادہ ہو (اگر چہ وہ دیگر اُمور میں اس سے

---

[۱] (قاسم العلوم مع ترجمہ انوار النجوم، ص ۱۷۴، ۱۷۵، مطبوعہ ناشران قرآن لاہور، سن طباعت ۱۹۷۳ء)

افضل ہی کیوں نہ ہوں) وہ دوسروں سے افضل ہے۔اسی بات کے پیش نظر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اُس (یعنی یزید) کو دوسروں سے افضل جانتے تھے۔اور اگر اُس کو افضل نہ بھی جانتے تو اس سے زیادہ کچھ نہیں (کہا جا سکتا) کہ انہوں نے افضل کو ترک کیا ہے (واجب کو ترک نہیں کیا)۔ چنانچہ گزشتہ مقدمات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ افضل کو خلیفہ بنانا افضل ہے واجب نہیں ہے، لیکن اس (ترک افضل و ترک اولیٰ جیسے) قدرے (اور معمولی عمل) کو (بہر حال ایسا) گناہ نہیں کہا جا سکتا کہ جس کے سبب ہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر سب و شتم کرنے لگ جائیں اور اس حوالے سے ہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم میں شمار نہ کریں، بلکہ ترک اولیٰ و افضل کی نسبت سے ہم اس جیسے (دیگر تمام) اُمور میں (ان کی طرف سے) معذرت پیش کرتے ہیں۔ (ترجمہ ختم)

یہ ہے حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی اصل فارسی عبارت کا صحیح معنی و مفہوم کہ جس کے پڑھ لینے اور سمجھ لینے کے بعد حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بے مثال محبت و عقیدت اور بے پناہ عاشقانہ دفاع کی ایک ہلکی سی جھلک نظر آتی ہے۔

مولانا انوار الحسن شیرکوٹی رحمۃ اللہ علیہ سے سہو اور تسامح کیا ہوا پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے ہاتھ ایک بہت بڑا شکار لگ گیا اور وہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف بغلیں بجانے لگ گئے اور اُسے اُنہوں نے اپنے مذموم عزائم اور فاسد اغراض کی خاطر حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مستحسن امر کو ایک مطعون و معیوب چیز کا نام دے دیا۔

واقعی کسی نے سچ کہا ہے کہ

"ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیب است"

﴿۱۵﴾

# قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

## (المتوفی ۱۳۲۳ھ بمطابق ۱۹۰۵ء)

### نام ونسب:

آپ کا نام نامی اسم گرامی: رشید احمد، لقب: قطب الارشاد، والد کا نام: ہدایت احمد، اور دادا کا نام: پیر بخش ہے۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

''رشید احمد بن ہدایت احمد بن پیر بخش بن غلام حسن بن غلام علی بن علی اکبر بن محمد اسلم الانصاری الایوبی ــــ الخ۔''

اور اس طرح پینتیسویں پشت پر جا کر یہ سلسلہ مشہور میزبان رسول ﷺ سیدنا حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔

### ولادت باسعادت:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ۶ ذی القعدہ ۱۲۴۴ھ کو یوم دوشنبہ (سوموار کے دن) چاشت کے وقت قصبہ گنگوہ ضلع سہارن پور میں پیدا ہوئے۔ اور جس وقت آپؒ کے والد ماجد مولانا ہدایت احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بہ عمر پینتیس سال ۱۲۵۲ھ میں گورکھ پور میں انتقال فرمایا اس وقت آپؒ کی عمر مبارک صرف سات برس کی تھی۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے دو حقیقی بھائی تھے۔ ایک بڑے حضرت مولانا عنایت احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو فارسی کی ابتدائی کتابوں میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ بھی تھے۔ اور دوسرے چھوٹے جناب سعید احمد صاحب جو کہ صرف نو سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے تھے۔ علاوہ ازیں آپؒ کی دو بہنیں بھی تھیں، ایک

حقیقی، جن کا نام "فصیحا" اور دوسری سوتیلی جن کا نام "امۃ الحق" تھا۔

## تحصیل علم:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک سال بعد ۱۲۶۳ھ میں اُستاذ الکل حضرت مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے (جو دہلی میں اجمیری دروازہ کے قریب صدر مدرس تھے) تعلیم شروع کی، اور پھر دونوں (حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ) ہم سبق ہو گئے اور بہت تھوڑے عرصہ میں کتابیں ختم کر لیں اور حفظ قرآن پاک کی نعمت عظمیٰ سے بہرہ ور ہوئے۔

بعد ازاں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے نو عمری ہی میں فارسی کی کتابیں "کرنال" میں اپنے ماموں حضرت مولانا محمد تقی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں جو فارسی کے قابل ترین اُستاذ تھے۔ فارسی کی کتابوں سے فارغ ہونے کے بعد آپ کو عربی کی کتابوں کے پڑھنے کا شوق ہوا، اور آپؒ نے ابتدائی صرف ونحو کی کتابیں حضرت مولانا محمد بخش صاحب رام پوری رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں۔ اور اُستاذ کی ترغیب سے نے بہ عمر سترہ سال ۱۲۶۱ھ کو آپؒ نے دہلی کا سفر کیا اور حضرت مولانا قاضی احمد الدین صاحب جہلمی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلیم شروع کی۔

## نکاح اور بیعت:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا نکاح آپؒ کے حقیقی بڑے ماموں حضرت مولانا محمد تقی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صاحب زادی "خدیجہ" خاتون علیہا الرحمۃ سے ہوا، اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر سلاسل اربعہ میں بیعت ہوئے۔

### اولاد و احفاد:

اس خاتون سے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے دو صاحب زادے اور دو ہی صاحب زادیاں تولد ہوئیں۔ ایک صاحب زادے ولادت کے بعد چند ایام ہی کی عمر میں فوت ہو گئے تھے۔ اور دوسرے صاحب زادے مولانا حکیم مسعود احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۲ جمادی الثانی ۱۲۷۸ھ کو پیدا ہوئے تھے۔ اور ایک لڑکی بنام "امہانی" تین، چار سال کی عمر میں انتقال کر گئیں تھیں۔ اور دوسری صاحب زادی "صفیہ خاتون" تھیں جو حافظ محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ تھیں۔

## انگریز کے خلاف جہاد میں شرکت:

برطانیہ کے خلاف ہندوستان میں جب رمضان المبارک (۱۲۷۳ھ بمطابق ۱۸۵۷ء) میں تحریک آزادی شروع ہوئی تو اس جہاد میں (جس کو کم بخت مورخ غدر لکھنے سے نہیں چوکتے) حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حافظ محمد ضامن صاحب شہیدؒ نے بھرپور حصہ لیا اور موخر الذکر "جہاد شاملی" میں شہید ہو گئے۔

اس جہاد کی پرزور تحریک کئی وجوہ کی بناء پر ناکام ہو گئی۔ اور سابق تینوں حضرات کے خلاف حکومت برطانیہ نے وارنٹ گرفتاری جاری کر دیئے۔ اور گرفتار کرنے والوں کے لئے صلہ اور انعام تجویز کیا۔ اس لئے طالب دُنیا لوگ ان کی تلاش میں مساعی اور ان کو گرفتار کرانے کی تگ و دو میں سرگرداں رہے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرید صادق جناب راؤ عبداللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے "اصطبل اسپاں" میں پنج لاسہ ضلع انبالہ میں روپوش ہو گئے۔ کسی بدبخت مخبر نے حکومت کو خبر کر دی اور سرکاری عملہ آ پہنچا اور راؤ صاحب علیہ الرحمۃ سے گھوڑوں کی دیکھ بھال کے بہانے پورے "اصطبل" کا محاصرہ کر کے تلاشی لی، مگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی نگاہوں سے اُوجھل رکھا اور وہ خائب و خاسر ہو کر بے نیل مرام واپس چلے گئے۔

لیکن ظالم برطانیہ کی آتش انتقام اس سے کب ٹھنڈی ہو سکتی تھی؟ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا تعاقب اور تلاش بھی بدستور جاری رہی، آپؒ ظالموں کی نگاہ سے بچ کر رام پور چلے گئے اور حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکان میں جا ٹھہرے اور وہیں سے ۱۲۷۵ھ کے شروع میں گرفتار کئے گئے اور سہارن پور کے جیل خانہ میں پہنچا کر جنگی پہرہ کی نگرانی میں دے دیئے گئے۔ تین چار دن آپؒ کو کال کوٹھری میں اور پھر پندرہ دن جیل خانہ کے حوالات میں مقید رکھا گیا۔ اس کے بعد پیدل ہی براستہ دیوبند مظفر نگر کے جیل خانہ میں منتقل کر دیا گیا اور تقریباً چھ ماہ وہاں رہے اور بالآخر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے باعزت رہائی نصیب ہوئی۔

اس کی یہ وجہ تھی کہ ظالم برطانیہ کے قدم مضبوط ہو چکے تھے اور کوئی خطرہ باقی نہ رہا تھا، اس لئے مسلمانوں کی ایک مقتدر شخصیت کو رہا کر کے ہی ملکی شورش کو ختم کرنا مناسب سمجھا گیا اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مولانا ابو النصر علیہ الرحمۃ اور اُن کے والد مولانا عبد الغنی صاحب علیہ الرحمۃ وغیرہ متعلقین واحباب کی معیت میں گنگوہ پہنچے۔ اور گنگوہ میں ۱۳۲۳ھ تک ایک کم پچاس برس تک "برہما، سندھ، بنگال، پنجاب، مدراس، دکن، برار اور افغانستان وغیرہ اطراف و

اکناف کے طلبۂ دین آپؒ سے مستفید ہوتے رہے۔

## حج بیت اللہ کی سعادت:

۱۲۸۰ھ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو حج کی سعادت نصیب فرمائی اور یہ حج فرض تھا۔ دوسرا حج ۱۲۹۴ھ میں نصیب ہوا جو حج بدل تھا۔ اور تیسرا حج ۱۲۹۹ھ میں کیا یہ بھی حج بدل تھا۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو جہاں اللہ تعالیٰ نے حقیقی اولاد سے نواز رکھا تھا تو وہیں روحانی نیک وصالح اولاد سے بھی نواز رکھا تھا۔ چنانچہ آپؒ نے روحانی اولاد کی صورت میں ہزاروں طلباء، سیکڑوں علماء، اور بے شمار خلفاء اپنے پیچھے چھوڑے۔

## تصانیف:

اسی طرح صدقۂ جاریہ کی صورت میں بے مثال وباکمال نہایت ہی عالمانہ ومحققانہ تصانیف آپؒ نے یادگار چھوڑیں، جن کے نام یہ ہیں:

(۱) فتاویٰ رشیدیہ (۲) اوثق العریٰ (۳) ہدایۃ الشیعۃ (۴) سبیل الرشاد (۵) امداد السلوک (۶) القطوف الدانیہ (۷) زبدۃ المناسک (۸) لطائف رشیدیہ (۹) رسالہ تراویح (۱۰) رسالہ وقف (۱۱) فتویٰ ظہر احتیاطی (۱۲) فتویٰ میلاد (۱۳) ہدایۃ المعتدی (۱۴) رسالہ خطوط وغیرہ۔

## وفات حسرت آیات:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۲۳ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا اور لاکھوں عقیدت مندوں، ہزاروں علماء اور بے شمار طلباء کو داغ مفارقت دے کر مسافران آخرت میں شامل ہو گئے۔

## حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حاسدین ومعاندین کے نشانے پر:

لیکن بایں ہمہ فضل وکمال آپؒ حاسدین ومعاندین اور مختلف قسم کے مخالفین کے تیز وتند تیروں اور تلواروں کے وار سے چاروں طرف سے ہمیشہ نشانہ پر رہے۔

## حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی گستاخی کا الزام:

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں۔

''حضرت گنگوہیؒ نے (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اہل تشیع کے سوالات کے جوابات دینے میں) جو انداز اور لب ولہجہ اختیار فرمایا ہے وہ ہرگز ہرگز کاتب وحی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے شایانِ شان نہیں ہے۔ بلکہ حسب ذیل کلمات تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے مؤقف کے حامی دیگر صحابہ وتابعین کی توہین وتنقیص کے زُمرے میں آتے ہیں۔

''اور معاویہ رضی اللہ عنہ کا محاربہ جو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا تو اہل سنت اس کو کب بھلا اور جائز کہتے ہیں؟ ذرا کوئی کتاب اہل سنت کی دیکھی ہوتی۔ اہل سنت ان کو اس فعل میں خاطی کہتے ہیں، مگر معاویہ رضی اللہ عنہ اس خطا کے سبب ایمان سے نہیں نکل گئے...... فسق وگناہ کبیرہ سے مسلمان کافر نہیں ہوتا۔ اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا قصہ مشہور ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھ والوں کو آپ نے لعن کرنے نہیں دیا اور منع لعن سے فرمایا۔ اگر کافر ہوتے تو کیا وجہ منع لعن کی ہوتی؟...... ہاں البتہ اس میں بہ سبب شبہ وتاویل کمی آگئی تھی۔ اور یہ خود بیّن ہے کہ گناہ کرنے سے اسلام کامل نہیں رہتا، نہ یہ کہ بالکل اسلام سے خارج ہو جائے۔ سو! اس نص سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ حرب معاویہ رضی اللہ عنہ سے خطا ہوئی مگر بتاویل۔''

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ:

''اے بھائی! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس معاملے میں تنہا نہیں ہیں، کم وبیش آدھے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم اُن کے ساتھ اس معاملہ میں شریک ہیں...... الخ۔'' [1]

ظاہر ہے کہ صحابہ وتابعین پر مشتمل تقریباً یہ نصف تعداد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فعل ''حرب'' کو جائز ہی سمجھ رہی تھی، جب ہی تو انہوں نے ان کا ساتھ دیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ حضرات بھی اہل سنت میں شمار ہوتے ہیں؟ اس کا جواب نفی میں تو ہو نہیں سکتا۔ پھر اس فتوے یا فیصلے کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے کہ ''معاویہ رضی اللہ عنہ کا محاربہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو ہوا تو اہل سنت اس کو کب بھلا اور جائز کہتے ہیں، اہل سنت ان کو اس فعل میں خاطی کہتے ہیں۔'' [2]

---

[1] (مکتوبات امام ربانی (اُردو) ۲/۵۸۰، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۱۷۰، ۱۷۱)

[2] (ہدایۃ الشیعہ ص ۳۰، ۳۱، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۱۷۰، ۱۷۱)

## حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا صحیح مفہوم:

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیعوں کے سوالات کے جوابات کے سلسلہ میں در اصل اس مسئلے پر گفتگو فرما رہے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کرنا جائز نہیں ہے۔ اس ذیل میں وہ یہ فرماتے ہیں کہ اہل سنت اگرچہ انہیں اور اُن کے جملہ اصحاب کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کے اصحاب کے ساتھ جنگ لڑنے میں مجتہد مخطی مانتے ہیں، لیکن اس خطائے اجتہادی کے سبب وہ ایمان سے نہیں نکل جاتے، بلکہ ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے گناہ کبیرہ اور فسق کا ارتکاب کیا ہو، اور فاسق لعنت کا مستحق نہیں ہوتا۔

اس عبارت میں حضرت گنگوہی قدس سرہ اپنا مسلک یا اپنا موقف ہرگز بیان نہیں فرما رہے کہ معاذ اللہ! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے جملہ اصحاب گناہ کبیرہ کے مرتکب اور فاسق تھے، بلکہ علی سبیل التسلیم یہ کہہ رہے ہیں کہ بفرض محال اگر انہیں مرتکب گناہ کبیرہ اور فاسق مان بھی لیا جائے جب بھی اُن پر کسی قسم کا لعن طعن کرنا جائز نہیں۔ لأن الفاسق ليس بأهل اللعن.

## حضرت گنگوہیؒ پر اہل تشیع کے بارھویں امام کو اہل سنت کا پیشوا قرار دینے کا اعتراض:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب اپنے خبث باطن کا زہر اُگلتے ہوئے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مزید لکھتے ہیں:

> ''قارئین کرام! کیا حضرت (گنگوہیؒ) کا یہ فرمانا بھی حق ہے؟ کہ:
>
> ''ہم سب اہل سنت ائمہ اثنا عشر کو امام اور مقتدائے دین و قطب ارشاد عقیدہ رکھتے ہیں اور امام ظاہر بجز حضرت امیر رضی اللہ عنہ اور چھ مہینے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے اور کسی کو نہیں جانتے، اگرچہ ان میں لیاقت امامت ظاہرہ کی سب معاصرین سے زیادہ تھی، مگر وقوع اس کا بہ سبب ان کے زُہد کے تقدیر الٰہی سے نہ ہوا۔''[1]

اس عبارت میں موصوف نے اہل تشیع کے بارہویں فرضی امام مہدی کو بھی اہل سنت کا پیشوا، مقتداء اور قطب ارشاد (بحیثیت عقیدہ) قرار دیا ہے، جو بعد از ظہور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر حد جاری کرنے کے علاوہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو روضۂ

---

[1] (تالیفات رشیدیہ تحت ہدایۃ الشیعہ: ص ۵۸۳ مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور، کراچی، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۱۳۸)

نبوی ﷺ سے نکال کر ہزار مرتبہ روزانہ قتل کرے گا۔ حضرت گنگوہیؒ کی اس عبارت میں "ائمہ اثنا عشر" سے کسی فاسد ترین تاویل کے ذریعے بھی ہرگز "سنی مہدی" مراد نہیں لیا جا سکتا۔"[1]

## حضرت گنگوہیؒ کی حقانیت اور پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا طشت از بام ہوتا دجل وفریب:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے یہاں پر بھی اپنے دجل وفریب اور ہیرا پھیری کا خوب سے خوب تر مظاہرہ کیا ہے، اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا سیاق حذف کر کے صرف اپنے مطلب کی عبارت قارئین کے سامنے پیش کی ہے، تاکہ قارئین کے ذہن میں عملی طور پر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق نفرتوں اور بدگمانیوں کا بیج بو کر انہیں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے مکمل طرح بدظن کیا جائے، لیکن ان شاء اللہ! حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی فرزند پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو کسی بھی صورت ان کے ان مکروہ اور ناپاک عزائم میں کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔

چنانچہ اب ہم "تالیفات رشیدیہ تحت ہدایۃ الشیعہ" سے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ مکمل عبارت مع سیاق وسباق کے ذکر کرتے ہیں کہ جس کا صرف ایک جزو پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب ذکر کر کے قارئین کو اپنے دجل و فریب کے شکار میں لینا چاہ رہے ہیں، تاکہ قارئین کرام کے سامنے اصل حقیقت کھل کر سامنے آجائے اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق اُن کا ذہن "آئینۂ تمثال" کی طرح صاف وشفاف اور بے غبار ہو جائے اور پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے دجل وفریب کی قلعی کھل جائے اور اُن کا دجل وفریب طشت از بام ہو جائے۔

چنانچہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> "ہم سب اہل سنت ائمہ اثنا عشر کو امام اور مقتدائے دین وقطب ارشاد عقیدہ رکھتے ہیں اور امام ظاہر بجز حضرت امیر ﷺ اور چھ مہینے حضرت حسن ﷺ کے اور کسی کو نہیں جانتے، اگرچہ ان میں لیاقت امامت ظاہرہ کی سب معاصرین سے زیادہ تھی، مگر وقوع اس کا بہ سبب ان کے زہد کے تقدیر الٰہی سے نہ ہوا، کیوں کہ امام کا کام انتظام رعایا کا اور داد مظلوم ظالم سے لینا اور جہاد وغیرہ اُمور ہوتے ہیں، اور پھر ان حضرات دہگانہ میں بھی یہ بات ہوئی ہے جو ان کو امام ظاہر کہا جاوے، ورنہ یوں تو جس کو چاہو امام نام رکھ لو۔ ہاں! استحقاق ولیاقت

---

[1] (سیدنا معاویہ ﷺ کے ناقدین: ص ۱۷۴)

میں کچھ کلام نہیں، مگر محض لیاقت سے تو کام نہیں چلتا۔ اگر لیاقت امام کا نام امام ہے تو اتنا تو ہم بھی مقر ہیں، ورنہ بہ قول سائل شیعہ کو وہی خواہش و ہوا کا امام بنا کر پرستش کرنا پڑا۔ خیر! ہم یہاں زیادہ کچھ نہیں کہتے جواب سائل کو شافی حاصل ہو گیا۔ ہاں! البتہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کو زندہ تصور کر کے امام ٹھہرانا یہ بھی ایک مضحکہ صبیان ہے اور پابندی اپنے اُصول میں ایسی ہزل پر عقیدہ کرنا محض حماقت ہے۔''[1]

قارئین کرام! اس عبارت میں صاف طور پر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ شیعوں کے مزعومہ اور فرضی امام مہدی کے زندہ تصور کرنے کو مضحکہ صبیان کہہ رہے ہیں، نہ کہ سنیوں کے سُنّی امام مہدی علیہ السلام کو، جس سے صاف اور واضح طور پر آشکارا ہو جاتا ہے کہ بارھویں امام سے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد شیعوں کا مزعومہ و فرضی اور مضحکہ صبیان امام مہدی ہرگز ہرگز مراد نہیں، بلکہ اس سے مسلمانوں کے وہ (سُنّی) امام مہدی علیہ السلام مراد ہیں جو قیامت کے قریب پیدا ہوں گے اور اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

## حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر فضیلت و فوقیت کا شبہ:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب پہلے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ذکر کر کے اور پھر مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ذکر کر کے دو مختلف اسالیب نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا قصہ مشہور ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھ والوں کو آپ نے لعن کرنے نہیں دیا اور منع لعن سے فرمایا، اگر کافر ہوتے تو کیا وجہ منع لعن کی ہوتی؟ ہاں! البتہ اس میں یہ سبب شبہ و تاویل کجی آ گئی تھی اور یہ خود یقین ہے کہ گناہ کرنے سے اسلام کامل نہیں رہتا نہ یہ کہ بالکل اسلام سے خارج ہو جائے۔ سو اس نص سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ حرب معاویہ سے خطا ہوئی مگر بتاویل۔''[2]

''احتمال خطاء اور امکان زلت کے درجہ میں آپ (حضرت گنگوہیؒ) یقیناً بشر تھے

---

[1] (تالیفات رشیدیہ تحت ہدایۃ الشیعہ: ص ۵۸۴ مطبوعہ ادارۂ اسلامیات لاہور، کراچی)

[2] (ہدایۃ الشیعہ: ص ۳۲، ۳۳، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین (مختصرا): ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱)

مگر ہادی و رہبر عالم ہونے کی حیثیت سے چوں کہ آپ اس بے لوث مسند پر بٹھائے گئے تھے جو بطحائے پیغمبر ﷺ کی میراث ہے، اس لئے آپ کی قدم قدم پر حق تعالیٰ کی جانب سے نگرانی و نگہبانی ہوتی تھی۔ آپؒ اولیاء اللہ کے اس اعلیٰ طبقہ میں رُکن اعظم بن کر داخل ہوئے تھے جن کے اقوال و افعال اور قلب و جوارح کی ہر زمانہ میں حفاظت کی گئی ہے، اور جن کی زبان اور اعضائے بدن کو تائید و توفیق خداوندی نے مخلوق کو گم راہی سے بچانے کے لئے اپنی تربیت و کفالت میں لے رکھا تھا۔" [۱]

یہاں دونوں قسم کے اُسلوب قارئین کرام کے سامنے لانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ چودھویں صدی میں حضرت مکیؒ کی تعلیم و تربیت سے حضرت گنگوہیؒ اس مقام تک پہنچ گئے کہ بہ تقاضائے بشریت ان سے خطاء و لغزش کا صرف "احتمال" اور "امکان" ہے دوسری طرف سید المرسلین محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ کے باوجود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے "خطاؤں" اور "کبائر" کا "احتمال" و "امکان" ہی نہیں بلکہ فی الواقع عملی طور پر "صدور و ارتکاب" بھی ہوا ہے، البتہ اس کی وجہ سے وہ "لعن" کے مستحق نہیں ہیں۔" [۲]

## حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا صحیح مفہوم:

مذکورہ بالا عبارت میں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے جو دو مختلف اسالیب ذکر کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت گنگوہی قدس سرہ کی ذاتوں کا باہم تقابل کر کے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر فضیلت و فوقیت ثابت کرتے ہوئے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد ٹھہرا کر اپنے خبث باطن کا ثبوت دیتے ہوئے جو بے جا استدلال اور غلط نتیجہ اخذ کیا ہے وہ کسی طرح بھی تام، صحیح اور درست نہیں۔ اس لئے کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (جیسا کہ پیچھے کافی تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے) شیعوں کے سوالات کے جوابات کے سلسلہ میں دراصل اس مسئلے پر گفتگو فرما رہے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کرنا جائز نہیں ہے، اس ذیل میں وہ یہ فرماتے ہیں کہ اہل سنت اگر چہ انہیں اور اُن کے جملہ اصحاب کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کے اصحاب کے ساتھ جنگ

---

[۱] (تذکرۃ الرشید: ۲/ ۱۶، ۱۷، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۱۷۴)

[۲] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین (مختصراً) ص ۱۷۸)

لڑنے میں مجتہد مخطی مانتے ہیں (نہ کہ مطلقاً مخطی)، لیکن اس خطائے اجتہادی کے سبب سے وہ ایمان سے نہیں نکل جاتے، بلکہ ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے گناہ کبیرہ اور فسق کا ارتکاب کیا ہے، اور فاسق لعنت کا مستحق نہیں ہوتا۔

اس عبارت میں حضرت گنگوہی قدس سرہ اپنا مسلک یا اپنا موقف ہرگز بیان نہیں فرما رہے کہ معاذ اللہ! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے جملہ اصحاب گناہ کبیرہ کے مرتکب اور فاسق تھے اور سید المرسلین محمد مصطفی ﷺ کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ سے ''خطاؤں'' اور ''کبائر'' کا ''احتمال'' و ''امکان'' ہی نہیں بلکہ فی الواقع عملی طور پر صدور ''وارتکاب'' بھی ہوا ہے، البتہ اس کی وجہ سے وہ ''لعن'' کے مستحق نہیں ہیں۔'' بلکہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ علی سبیل التسلیم یہ کہہ رہے ہیں کہ بفرض محال اگر انہیں مرتکب گناہ کبیرہ اور فاسق مان بھی لیا جائے جب بھی اُن پر کسی قسم کا لعن طعن کرنا جائز نہیں۔ لأن الفاسق ليس باهل اللعن

## مولانا میرٹھیؒ کے والہانہ کلام کو حضرت گنگوہیؒ کے سر تھوپنا آخر کہاں کا انصاف ہے؟:

جب کہ دوسری طرف مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے جو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی تعلیم و تربیت سے حضرت گنگوہی کے اس مقام تک پہنچ جانے کہ جس میں ان سے بہ تقاضائے بشریت صرف خطا، ولغزش کا امکان باقی رہ جانے کا ذکر کیا ہے تو یہ ایک مرید عاشق کا اپنے پیر و مرشد کے بارے میں والہانہ و وارفتہ گانہ کلام ہے، ورنہ خود حضرت گنگوہی قدس سرہ نے کبھی بھی اپنے آپ کو خطاء ولغزش سے مبرا نہیں سمجھا۔

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو لے کر حضرت گنگوہی قدس سرہ کو آڑے ہاتھوں لینا، اُن کو کوسنا اور اُن کو برا بھلا کہنا آخر کہاں کا انصاف ہے؟ اگر حضرت گنگوہی قدس سرہ اپنی اس تعریف کو ملاحظہ فرما لیتے تو سختی سے منع کرتے اور فرماتے کہ میں تو ایک بندۂ گناہ گار و خطا کار ہوں۔

حضرت گنگوہی قدس سرہ کی وفات کے بعد اُن کے ایک وارفتہ عاشق صادق کی طرف سے اُن کی تعریف و توصیف میں کہے گئے کلام مدح کے الزام کو حضرت گنگوہی قدس سرہ کے سر تھوپنا اور

''کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا، بھان متی نے کنبہ جوڑا''

کا مصداق انہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا گستاخ ٹھہرانا اور ناقد یاور کرانا اکابر دشمنی کا عملی ثبوت نہیں تو پھر اور کیا ہے؟۔

## پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو کھلا چیلنج:

نیز مولانا عاشق الٰہی صاحب کا حضرت گنگوہی کو خطاؤں کے وقوع سے محفوظ کہنا اپنے جائزے کے لحاظ سے ہے۔ البتہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو اگر حضرت گنگوہی قدس سرہ کی اپنی کسی خطاء کا علم ہے تو ہمیں آگاہ کریں، اگر ثابت ہو جائے تو اُسے کسی کو بھی ماننے میں ذرہ برابر تامل نہیں ہوگا، اس لئے کہ ہم انہیں بشر ہی مانتے ہیں، فرشتہ نہیں۔

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت گنگوہی قدس سرہ کے درمیان خطاؤں اور غلطیوں کا جو بے جا باہمی تقابل کرایا ہے اگر بہ نظر عمیق دیکھا جائے تو یہ تقابل تو خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی پایا جاتا ہے کہ بعض عام صحابہ رضی اللہ عنہم سے چھوٹی موٹی غلطیاں تک صادر نہیں ہوئیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اتنی بڑی بڑی غلطیاں صادر ہوئی ہیں، تو کیا اب کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ عام صحابہ رضی اللہ عنہم سے تو چھوٹی موٹی غلطیاں بھی صادر نہیں ہوئیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر اور کاتب وحی صحابی سے اتنی بڑی بڑی غلطیاں کیوں کر صادر ہوئی ہیں؟ ظاہر ہے کہ کوئی بھی عقل مند شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس تقابل کو صحیح اور درست نہیں مان سکتا۔ پس اسی طرح حضرت گنگوہی قدس سرہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے جو بے جا تقابل کرایا ہے اسے بھی کسی طرح صحیح اور درست نہیں کہا جا سکتا۔

دراصل بات یہ ہے کہ جو شخصیت جتنی بڑی ہوتی ہے اسی قدر زیادہ اُس کی ہر ہر بات کو محفوظ رکھا جاتا ہے۔ اس میں جہاں لاکھوں بھلائیاں اور اچھا شامل ہوتی ہیں تو وہیں اُس کی چند لغزشیں اور تھوڑی بہت خطائیں بھی شامل ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ ہزاروں صحابہ ایسے ہیں کہ جن کی ایک نماز کا بھی قضاء ہونا یا نماز میں سہو ہو جانا کہیں بھی منقول نہیں مگر اس کے بالمقابل خود آنحضرت کی نمازوں کا قضاء ہونا اور متعدد بار نماز میں سہو ہو جانا بھی منقول ہے، حالاں کہ سب اس کے قائل ہیں اور کوئی بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا، لیکن اس کے باوجود کوئی شخص بھی نہیں کہتا کہ یہ توہین رسالت ہے۔

## الزامی جواب:

اور اگر یہی بات ہے تو پھر ہم پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب سے یہ پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ حضرت ماعزؓ سے تو زنا بھی صادر ہوا ہے اور حضرت مسطح بن اثاثہؓ نے تو حضرت عائشہؓ پر زنا کی تہمت بھی لگائی تھی حالاں کہ ہزاروں

تابعین، فقہاء، ائمہ مجتہدین وغیرہ حضرات میں سے کسی ایک کی زندگی میں بھی اس قسم کا کوئی واقعہ رُونما نہیں ہوا تو کیا پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب ان ہزاروں تابعین، فقہاء، ائمہ مجتہدین وغیرہ حضرات کی فضیلت وفوقیت حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ اور مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ پر ثابت کر سکتے ہیں؟ نہیں کر سکتے اور ہرگز ثابت نہیں کر سکتے۔ پس اسی طرح حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی فضیلت وفوقیت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کسی بھی طرح ثابت نہیں ہو سکتی۔ اور جب حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی فضیلت وفوقیت کسی بھی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ثابت نہیں ہو سکتی تو پھر مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت لے کر خواہ مخواہ بحث ومباحثہ کا بازار گرم کرنا اور جو چیز کسی کا اعتقاد ہی نہ ہو اُس پر چہ میگوئی کرنا شقاوت و حماقت اور بدبختی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

﴿۱۶﴾

# خاتمۃ المحدثین علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

## (المتوفی ۱۳۵۲ھ)

## نام ونسب:

آپ کا نام نامی اسم گرامی: محمد انور، لقب: خاتمۃ المحدثین، اور والد کا نام: محمد معظم ہے۔

پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

''انور شاہ بن معظم شاہ بن شاہ عبدالکبیر بن شاہ عبدالخالق بن شاہ محمد اکبر بن شاہ محمد عارف بن شاہ عبدربہ بن شاہ علی بن شیخ عبداللہ بن شیخ مسعودی نروری کشمیری...... الخ۔''

آگے جا کر علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ نسب حضرت شیخ مسعود نروری کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے جن کے بزرگوں کا اصل وطن ''بغداد'' تھا۔ وہاں سے ملتان، ملتان سے لاہور اور پھر لاہور سے کشمیر سکونت اختیار کی۔ بلکہ اگر اس سے بھی اوپر جایا جائے تو علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ نسب امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے جا ملتا ہے۔

## ولادت باسعادت:

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ مؤرخہ ۲۷ شوال المکرم ۱۲۹۲ھ بمطابق ۱۸۷۵ء یوم شنبہ (ہفتہ کے دن) بوقت صبح وادیٔ کشمیر کے علاقہ ''لولاب'' کے مقام ودوان میں مولانا معظم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں پیدا ہوئے۔

## تحصیل علم:

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے چار پانچ سال کی عمر میں اپنے والد ماجد مولانا معظم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

قرآن مجید پڑھنا شروع کیا اور چھ برس کی عمر تک قرآن مجید سمیت فارسی کے متعدد رسائل بھی ختم کر ڈالے۔ اس کے بعد مولانا غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فارسی اور عربی کی تعلیم حاصل کی۔ اور پھر کشمیر اور ہزارہ سمیت مختلف مدارس سے علوم متداولہ کی تحصیل کے بعد دار العلوم دیوبند سے بیس، اکیس برس کی عمر میں نمایاں شہرت وعزت کے ساتھ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے دورہ حدیث پڑھ کر ۱۳۱۲ھ سند فراغت حاصل کی۔

شیوخ واساتذہ:

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو جن اصحاب علم وفن کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کی سعادت حاصل ہوئی اُن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں:

﴿۱﴾ شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ ﴿۲﴾ حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ ﴿۳﴾ حضرت مولانا محمد اسحاق امرت سری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ ﴿۴﴾ حضرت مولانا غلام رسول ہزاروی صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

درس نظامی کی تکمیل کے بعد مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے سند حدیث کے علاوہ باطنی فیوض سے بھی مستفیض ہوئے اور خلافت سے نوازے گئے۔ اس کے بعد کشمیر، دہلی دار العلوم دیوبند اور ڈابھیل میں تدریسی فرائض سرانجام دیتے رہے۔

زیارت حرمین شریفین:

۱۳۲۳ھ میں علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بعض مشاہیر کشمیر کی رفاقت میں حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اس سفر میں طرابلس، بصرہ، مصر اور شام کے جلیل القدر علماء نے آپؒ کی بہت عزت کی اور سب نے آپ کی خداداد استعداد اور بے نظیر لیاقت کو دیکھ کر سندات حدیث عطا فرمائیں۔

عقد نکاح:

تینتالیس (۴۳) برس کی عمر میں علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے بزرگوں کے پُر زور اصرار پر رشتۂ ازدواج سے منسلک ہوئے، جس سے سات صاحب زادے اور پانچ صاحب زادیاں تولد ہوئیں۔

صاحب زادوں میں مولانا محمد انظر شاہ مسعودی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد ازہر شاہ قیصر رحمۃ اللہ علیہ زیادہ معروف ہیں۔

## تلامذہ وشاگرد:

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے دار العلوم دیوبند کے اٹھارہ سالہ قیام کے دوران تقریباً دو ہزار طلباء آپ سے بلاواسطہ مستفید ہوئے جن میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

﴿۱﴾ حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ ﴿۲﴾ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ (مفتی اعظم پاکستان) ﴿۳﴾ حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ ﴿۴﴾ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ﴿۵﴾ حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ ﴿۶﴾ حضرت مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ ﴿۷﴾ حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ ﴿۸﴾ حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ ﴿۹﴾ حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرت سری رحمۃ اللہ علیہ ﴿۱۰﴾ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ۔

## علمی مقام:

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے علمی وعملی کمالات میں سے جو چیز آپ کو اقران واعیان میں سب سے زیادہ ممتاز کرتی ہے وہ آپ کی جامعیت اور تبحر علمی ہے۔ علوم عقلیہ وشرعیہ میں سے کوئی بھی ایسا علم نہیں ہے جس میں آپ کو مہارت تامہ حاصل نہ ہو۔ اور شاید یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ علمائے متقدمین میں بھی ہر حیثیت سے ایسی جامع علوم عقلیہ ونقلیہ ہستیاں شاذ ونادر ہی ملتی ہیں۔

## تصانیف:

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے دینی، تدریسی اور تبلیغی خدمات کے علاوہ تصنیف وتالیف میں بھی اپنے قلمی جوہر خوب دکھائے اور اُن کے ذریعہ ایک نمایاں مقام حاصل کیا۔ جن میں سے چند ایک تصانیف کے نام یہ ہیں:

﴿۱﴾ التصریح بما في تواتر نزول المسیح ﴿۲﴾ عقیدۃ الاسلام في حیات عیسی علیہ السلام ﴿۳﴾ فصل الخطاب في مسالۃ ام الکتاب ﴿۴﴾ خاتم النبیین۔ ان کے علاوہ چند تقریریں ہیں جو درس کے وقت آپ املاء کرواتے تھے اور جنہیں آپ کے اجلہ تلامذہ نے قلم بند کیا تھا۔ اُن میں سے ایک پہلی تقریر ﴿۵﴾ "فیض الباري شرح صحیح البخاري" ہے جو آپ کے تلمیذ رشید مولانا سید بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

نے عربی زبان میں قلم بندکی تھی اور وہ چار جلدوں میں چھپی ہے۔ اور دوسری دوسری تقریر ﴿۶﴾ "شرح صحیح مسلم" ہے جو آپؒ کے دوسرے تلمیذ رشید علامہ سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے قلم بند کی ہے۔ اور تیسری تقریر ﴿۷﴾ "حاشیہ سنن ابی داؤد" ہے جو آپؒ کے ایک اور مایہ ناز شاگرد مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے قلم بندکی ہے (لیکن یہ حاشیہ تاہنوز زیور طبع سے آراستہ نہ ہوسکا، اگر کوئی صاحب استعداد فاضل ہمت کرکے اسے منصۂ شہود پر لانے کی سعی فرمائیں تو یہ ایک گراں قدر علمی خدمت اور صدقۂ جاریہ ہوگا۔ رفیع) اور چوتھی تقریر ﴿۸﴾ "العرف الشذي حاشية جامع الترمذي" ہے جو آپؒ کے ایک اور تلمیذ رشید مولانا چراغ محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دوران درس اردو سے عربی میں قلم بند کی تھی اور آج کل ترمذی کے متداول نسخوں کے حاشیہ پر چھپی ہوئی ہے۔ پانچویں تقریر ﴿۹﴾ "انوار الباری شرح صحیح البخاری" ہے جو اردو زبان میں آپؒ کے ایک اور نامور شاگرد مولانا احمد رضا بجنوری رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے ۳۲ صفحات میں تقریباً ساڑھے چھ ہزار صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی دیگر دینی و علمی خدمات کے علاوہ تحریک ختم نبوت ﷺ میں بھی آپؒ کی گراں قدر دینی و علمی خدمات کا ایک کثیر ذخیرہ موجود ہے۔

## وفات حسرت آیات:

بالآخر علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اُنسٹھ سال تین ماہ اور پانچ دن کی عمر میں مؤرخہ ۳ صفر المظفر ۱۳۵۲ھ بمطابق ۲۹ مئی ۱۹۳۳ء کو شب کے آخری حصہ میں دیوبند میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور اس جہان فانی کو ہمیشہ کے لئے خیرآباد کہہ دیا۔

آپؒ کے وصال پُر ملال پر مؤرخ اسلام علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تعزیتی نوٹ میں فرمایا:

> "مرحوم کم سخن لیکن وسیع النظر عالم تھے۔ ان کی مثال اُس سمندر کی سی تھی جس کی اُوپر کی سطح ساکن لیکن اندر کی سطح موتیوں کے گراں قیمت خزانوں سے معمور ہوتی ہے۔ وہ وسعت نظر، قوت حافظہ اور کثرت حفظ میں اس عہد میں بے مثال تھے۔ علوم حدیث کے حافظ اور نکتہ شناس، علوم ادب میں بلند پایہ، معقولات میں ماہر، شعر و سخن سے بہرہ مند اور زہد و تقویٰ میں کامل تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنی نوازشوں کی جنت میں ان کا مقام اعلیٰ کرے کہ مرتے دم تک علم

ومعرفت کے اس شہید نے "قال اللہ" اور "قال الرسول" کا نعرہ بلند رکھا۔ مرحوم معلومات کے دریا، حافظہ کے بادشاہ، اور وسعت علمی کی نادر مثال تھے، ان کو زندہ کتب خانہ کہنا بالکل بجا ہے۔ شاید ہی کوئی کتاب مطبوعہ ہو یا قلمی ان کے مطالعہ سے بچی ہو۔" [1]

## حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک رکعت وتر پڑھنے کے متعلق حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"حضرت شاہ صاحبؒ کے علو مرتبت اور عظمت کے ساتھ ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے یہاں اُن کا تفرد اور اس پر تبصرہ ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے، کیوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمت منصوص اور یقینی ہے، وہ تو خیر ایک جلیل القدر صحابی ہیں، مسلک اہل سنت کے مطابق یہ جملہ اکابر و اولیاء و تابعین کسی ادنیٰ صحابی کی خاک پا کے برابر نہیں ہو سکتے۔

امام بخاریؒ اپنی صحیح بخاری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت و منقبت میں یہ روایات لائے ہیں جن میں بتایا گیا کہ

"أوتر معاوية بعد العشاء بركعة وعنده مولى لابن عباس، فأتى ابن عباس، فقال دعه، فإنه قد صحب رسول الله (صلى الله عليه وسلم). قيل لابن عباس: هل لك في أمير المؤمنين معاوية؟ فإنه ما أوتر إلا بواحدة قال: أصاب إنه فقيه." [2]

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عشاء کے بعد وتر کی ایک رکعت پڑھی، اُن کے پاس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ایک غلام (کریب) بیٹھا تھا، وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا (اور ایک رکعت پڑھنے پر اعتراض کیا) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ان کے متعلق کچھ نہ کہو وہ حضور ﷺ کی صحبت میں رہ چکے ہیں۔" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ: "کیا آپ کو امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کچھ اعتراض ہے کہ انہوں

---

[1] (یادرفتگان کراچی ۱۹۵۵ء، ص ۱۹۹، ۲۰۰، بحوالہ اکابر علمائے دیوبند، ص ۹۵...۱۰۳)

[2] (صحیح البخاری، باب ذکر معاویۃ بن أبی سفیان، بحوالہ سیدنا معاویہ کے ناقدین، ص ۱۸۵)

نے وتر کی ایک رکعت پڑھی ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "انہوں نے ٹھیک اور درُست کام کیا، کیوں کہ وہ فقیہ و مجتہد ہیں۔" (ترجمہ ختم)

حضرت علامہ محمد انور شاہ کاشمیریؒ مذکورہ روایت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"قلت : وليس فيه تصويب له بل اغماض وتحو تسامح عنه وعند الطحاوي : فقام معاوية فركع ركعة واحدة ، و قال ابن عباس : من أين ترى أخذها الحمار ؟ فان الكلمة شديدة ."[1]

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول ﴿أصاب انه فقيه﴾ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تائید و تصویب نہیں، بلکہ چشم پوشی" اور" تسامح" ہے۔ اور طحاویؒ کے نزدیک یہ روایت یوں ہے کہ: "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے تو انہوں نے ایک رکعت وتر نماز پڑھی۔" اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: "اس "حمار" نے ایک رکعت کہاں سے لے لی؟۔"

گویا موصوف کے نزدیک صحیح بخاری کی روایت کے مقابلہ میں طحاوی کی توہین معاویہ رضی اللہ عنہ پر مبنی مذکورہ روایت زیادہ صحیح اور راجح ہے، حالاں کہ رکعات وتر میں اختلاف فقہی فروعی اور اجتہادی ہے، خود نبی اکرم ﷺ سے رکعات وتر کی مختلف تعداد ثابت ہے۔ اس اختلاف کے باعث کسی کو "حمار" کہنے کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے؟۔ طحاوی کی زیر بحث روایت کے بعد اسی سند سے یہ روایت بھی منقول ہے جس میں "حمار" کا لفظ نہیں پایا جاتا:

"حدثنا عمران و ذكر باسناده مثله الا أنه لم يقل الحمار ."[1]

کاش! حضرت شاہ صاحبؒ صحیح بخاری کی زیر بحث حدیث کی تدریس کے دوران طحاوی کی اس روایت کا حوالہ دے دیتے جس میں لفظ "حمار" منقول نہیں ہے۔

یہ ملحوظ رہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی جس تصویب کو حضرت شاہ

---

[1] فيض الباري شرح صحيح البخاري ۔ ٤ ۔ ٧٠ ۔ بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۱۸۵)

صاحبؒ نے ''اغماض'' و'' تسامح'' قرار دیا ہے اُسے امام طحاویؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ''تقیہ'' کہا ہے۔

''وقد يجوز ان يكون قول ابن عباس ﴿ اصاب معاوية على التقية ﴾ اي له اصاب في شئ آخر لانه كان في زمنه .'' [1]

یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما چوں کہ حضرت معاویہ ؓ کے دورِ خلافت میں اُن کے ماتحت تھے، اس لئے وہ حق بات کے اظہار کی جرأت نہ کر سکے، اس لئے اُنہوں نے بطورِ تقیہ حضرت معاویہ ؓ کے ایک رکعت وتر پڑھنے کی تائید و تصویب کی۔ ان کی زبان پر تو ﴿ اصاب معاوية ﴾ کے الفاظ تھے، لیکن دل میں اُنہوں نے معاویہ ؓ کی کسی دوسری بات کی تصویب کا قصد کیا ہوا تھا۔ لاحول ولاقوة الا بالله العلي العظيم.

طحاوی کی اس روایت سے اور حضرت شاہ صاحبؒ کے تردیدی بیان : ﴿ قلت ليس فيه تصويب له بل اغماض ونحو تسامح عنه ﴾ سے حضرت معاویہ ؓ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما دونوں کی توہین ظاہر ہوتی ہے۔ [2]

## ہاشمی صاحب کی نرالی گپ:

مذکورہ بالا عبارت میں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت شاہ صاحبؒ پر دو بڑے اور بین السطور چند چھوٹے موٹے اعتراضات کئے ہیں۔

ذیل میں وہ تمام اعتراضات اور اُن کے جوابات پیش کیے جاتے ہیں

## پہلا اعتراض:

پہلا اعتراض پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر یہ کیا ہے کہ آپؒ نے صحیح بخاری کی روایت کے مقابلہ میں طحاوی کی توہینِ معاویہ ؓ پر مبنی (لفظ ''حمار'' والی) روایت کو صحیح اور راجح قرار دیا ہے۔

---

[1] (طحاوی ۱/۱۹۹ باب الوتر ، بحوالہ سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین ص ۱۸۶)

[2] (طحاوی ۱/۱۹۹ باب الوتر ، بحوالہ سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین ص ۱۸۶)

[3] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین ص ۱۸۵، ۱۸۶)

## اعتراض کا جواب:

پہلے تو پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب سے ہم یہ پوچھتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کس عبارت سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ انہوں نے طحاوی کی توہین معاویہ ﷜ پرمبنی روایت کو صحیح بخاری کی روایت کے مقابلہ میں زیادہ صحیح اور راجح قرار دیا ہے؟ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تو صرف ایک موضوع کے متعلق دو مختلف روایات نقل فرمائی ہیں، ایک بخاری کی اور دوسری طحاوی کی، اور طحاوی کی روایت کے بارے میں فرمایا ہے:

"فان الکلمۃ شدیدۃ." [1]

ترجمہ: کہ (اس روایت میں لفظ "حمار" والا) کلمہ سخت ہے۔

گویا اس عبارت میں تو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے طحاوی کی روایت کو مرجوح اور سخت کلمہ والی روایت کہہ دیا ہے اور بخاری کی روایت پر تو کوئی تبصرہ ہی نہیں فرمایا۔ نیز کیا ایک موضوع کے متعلق مختلف روایات نقل کرنا اور بعض کو بعض کے مقابلہ میں زیادہ صحیح اور راجح قرار دینا مبنی بر توہین ہوتا ہے؟۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا توہین معاویہ ﷜ پرمبنی طحاوی کی لفظ "حمار" والی روایت کے بلا تبصرہ نقل کرنے سے حضرت معاویہ ﷜ کی توہین کا پہلو نہیں نکلتا، اس لئے کہ اس روایت کے نقل کرنے سے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد حضرت معاویہ ﷜ کی توہین کرنا ہرگز نہیں، بلکہ ایک موضوع پر مختلف روایات کا نقل کرنا مقصود ہے۔

اور چوں کہ طحاوی کی اس کے بعد والی روایت اور صحیح بخاری کی روایت میں کوئی خاص فرق نہ تھا اس لئے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے نقل کرنے کو ضروری نہیں سمجھا۔

## طحاوی شریف کی بعض قابل اعتراض عبارات کا علمی وتحقیقی جائزہ:

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح معانی الآثار (طحاوی شریف) میں بعض ایسی روایات نقل کی ہیں کہ جن میں حضرت معاویہ ﷜ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں بعض شنیع قسم کے الفاظ مذکور ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ان روایات کا علمی وتحقیقی جائزہ لیا جائے اور پھر بفرض صحت روایات ہذا کی کوئی معقول اور مناسب توجیہ پیش کی جائے تا کہ یہ الجھا ہوا معاملہ کسی طرح سلجھ جائے۔

---

[1] (فیض الباری شرح صحیح البخاری للکشمیری: ۴/ ۵۹۴، الناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)

چنانچہ امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) فرماتے ہیں:

"فان قال قائل : فقد روي عن ابن عباس رضي الله عنهما خلاف هذا ( أي أنه يوتر وترا لم يقدمه تطوع ) فذكر ماحدثنا محمد بن عبد الله بن ميمون البغدادي قال : ثنا الوليد بن مسلم عن الأوزاعي ، عن عطاء قال : قال رجل لابن عباس : هل لك في معاوية أوتر بواحد ، وهو يريد أن يعيب معاوية . فقال ابن عباس: أصاب معاوية قيل له:قد روي عن ابن عباس رضي الله عنهما في فعل معاوية هذا ما يدل علىٰ انكاره اياه عليه . وذلك أن أبا غسان مالك ابن يحيي الهمداني حدثنا قال: ثنا عبد الوهاب بن عطاء قال: أنا عمران بن حدير عن عكرمة أنه قال : كنت مع ابن عباس عند معاوية نتحدث حتي ذهب هزيع من الليل فقال معاوية : فركع ركعة واحدة ، فقال ابن عباس : من أين تري أخذها الحمار؟

حدثنا أبوبكرة قال : ثنا عثمان بن عمر ، قال : ثنا عمران ، فذكر باسناده مثله الا أنه لم يقل الحمار . وقد يجوز أن يكون قول ابن عباس (أصاب معاوية ) علىٰ التقية له ، أي أصاب في شئ آخر ، لأنه كان في زمنه ولا يجوز عليه عندنا أن يكون ما خالف فعل رسول الله صلي الله عليه وسلم الذي قد علمه عنه صواباً . وقد روي عن ابن عباس في الوتر أنه ثلاث ."[1]

## طحاوی شریف کی مذکورہ بالا روایات کا ماحصل:

اس عبارت میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ ؓ کے ایک رکعت نماز وتر ادا کرنے پر ابتداءً حضرت ابن عباس سے اُن کی تائید و تصویب ذکر کی ہے، جو بالفاظ ذیل درج ہے:

" فقال ابن عباس : أصاب معاوية ."

اس کے بعد امام طحاوی نے قول مذکور کی تزییف کرنے کے لئے تمام کلام کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

---

[1] (شرح معاني الآثار للطحاوي : ۱/۲۸۹ ، الناشر : عالم الكتب ، بيروت )

۱۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک دوسرا کلام بھی منقول ہے:

"فقال ابن عباس : من أين ترى أخذها الحمار؟."

اگرچہ اس روایت کے ایک دوسرے طریق میں لفظ ﴿الحمار﴾ مفقود ہے، گویا یہ لفظ اس جملے کا جزو نہ تھا اور اس کلام کو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا جملے کو رد کرنے کے لئے پیش کیا ہے تو اس صورت میں ﴿اصاب معاویۃ﴾ کا قول کس طرح دُرست ہوسکتا ہے؟۔

۲۔دوسری چیز یہ ہے کہ ﴿اصاب معاویۃ﴾ کا قول علی سبیل التقیۃ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صادر ہوا، اس وجہ سے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے دورِ خلافت میں تھے (یعنی ان کی مخالفت نہیں کرسکتے تھے)۔

## طحاوی شریف کی مذکورہ بالا روایات کا جواب:

یہ دونوں اعتراض فی نفسہٖ اپنے اپنے مقام پر دُرست نہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا سابقہ قول ﴿اصاب معاویۃ﴾ بالکل دُرست ہے۔اور اس کے متعارض جو روایت لائی گئی ہے اگر وہ واقعی متعارض ہے تو وہ یقیناً صحیح نہیں۔اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر تقیہ کا الزام لگانا سراسر ناانصافی ہے۔وہ تقیہ کے قائل ہرگز نہ تھے۔اور یہ واقعات کے برخلاف ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علمی وقار اور وثاقت دینی کے متضاد ہے۔

## قرائن وشواہد:

اب اس چیز پر مندرجہ ذیل قرائن ذکر کئے جاتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فعل ﴿اوتر بر کعۃ واحدۃ﴾ کی تصویب کی ہے، یہ بالکل صحیح ہے اور دیگر کئی روایات اور واقعات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تغلیط وتردید ہرگز نہیں کی تھی کہ وہ آپ کو سخت اور درشت الفاظ کہتے۔آئندہ مندرجات پر نظر فرمائیں تسلی ہوجائے گی:

۱۔حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح ومصالحت کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلی تھی، یہ بیعت مجبوری سے نہیں بلکہ رضامندی سے تھی اور بیعت کے لائق شخصیت سے کی تھی۔ یہ چیز مسلمات میں سے ہے جس پر کسی حوالہ کی ضرورت نہیں۔

۲۔ان کریباً مولیٰ ابن عباس ( رضي الله عنهما ) اخبره أنه رأي ابن عباس ( رضي الله

عنهما ) يصلي في المقصورة مع معاوية."[1]

ترجمہ: کریبؒ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ "مقصورہ" میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

یہ چیز باہم ارتباط اور عدم انقباض کی دلیل ہے۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے جب مسئلہ وتر میں عدد رکعت کی بحث ہوئی اور اس ضمن میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر آیا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ

" دعه فانه قد صحب رسول الله صلي الله عليه وسلم ." [2]

ترجمہ: انہیں چھوڑ دو! کیوں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت اٹھائی ہے۔

اور ایک جگہ فرمایا:

" ليس احد منا أعلم من معاوية ." [3]

ترجمہ: ہم میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں۔

اور ایک جگہ فرمایا:

" أصاب ( معاوية ) انه فقيه . [4]

ترجمہ: معاویہ رضی اللہ عنہ نے ٹھیک کیا کیوں کہ وہ فقیہ ہیں۔

یعنی یہ کوئی تعجب کی چیز نہیں، وہ صاحب اجتہاد اور فقیہ ہیں، اُن کو اجتہاد اور قیاس کا حق حاصل ہے۔

---

[1] (المصنف لعبد الرزاق : ٢/ ٤١٤ ، بحوالہ مسئلہ اقربا نوازی، ص۱۳۹، ۱۴۰)

[2] ( صحيح البخاري : ٥/ ٢٨ ، الناشر : دار طوق النجاة )

[3] (السنن الكبرى للبيهقي : ٣/ ٣٩ ، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان ) و ( تاريخ دمشق لابن عساكر : ٤١/ ٧٥ و ٥٩/ ١٦٥ ، الناشر : دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع )

[4] ( صحيح البخاري : ٥/ ٢٨ ، الناشر : دار طوق النجاة ، بحوالہ مسئلہ اقربا نوازی، ص۱۳۸ ) و ( جامع الأصول لابن أثير الجزري : ٦/ ٥١ ، الناشر : مكتبة الحلواني ، مطبعة الملاح ، مكتبة دار البيان ) و ( مشكاة المصابيح للخطيب التبريزي : ١/ ٣٩٩ ، الناشر : المكتب الاسلامي ، بيروت ) و ( مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح للقاري : ٣/ ٩٥٤ ، الناشر : دار الفكر ، بيروت ، لبنان )

۴-عن عطاء ( بن أبي رباح ) أتيٰ رجل ( كريب موليٰ ابن عباس ) اليٰ ابن عباس فقال: هل لک في معاوية يوتر بركعة ؟ يريد أن يعيبه ، فقال ابن عباس: أصاب معاوية." [1]

ترجمہ: حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی (کریب مولی ابن عباس رضی اللہ عنہما) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہا: "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے کہ وہ وتر ایک رکعت پڑھتے ہیں؟۔" اُس کا ارادہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر عیب لگانے کا تھا۔ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: "معاویہ نے ٹھیک کیا۔" (ترجمہ ختم)

۵-(واخرج المروزي)من طريق علي بن عبد الله بن عباس قال بت مع ابي عند معاوية فرايته اوتر بركعة ، فذكرت ذلک لأبي ، فقال : يا بني ! هو أعلم." [2]

ترجمہ: حضرت علی بن عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ: "میں نے اپنے والد کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے یہاں شب باشی کی ،تو میں نے دیکھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے وتر (کی نماز) ایک رکعت پڑھی، پس میں نے اپنے والد سے اس کا ذکر کیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ: "بیٹا! وہ زیادہ جانتے ہیں۔" (ترجمہ ختم)

۶-وفي روايته قال ابن ابي مليكة أوتر معاوية بعد العشاء بركعة وعنده موليٰ ابن عباس فاتي ابن عباس فأخبره ، فقال : دعه فانه قد صحب النبي صلي الله عليه وسلم." [3]

۷-مسند امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت قصر شعر مشقص کے متعلق منقول ہے کہ عطاء (شاگرد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ: یہ روایت تو صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ،تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ:

"ما كان معاوية علي رسول الله صلي الله عليه وسلم متهماً." [4]

---

[1] (مختصر قيام الليل وقيام رمضان و كتاب الوتر للمروزي: ۲۸۲/۱ ، ألناشر: حديث أكادمي ، فيصل آباد ، ألباكستان)

[2] (فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن حجر العسقلاني: ۱۰۴/۷ ، ألناشر: دار المعرفة ، بيروت )

[3] (صحيح البخاري: ۲۸/۵ ، ألناشر: دار طوق النجاة) و( تاريخ دمشق لابن عساكر: ۱۶۴/۵۹ ، ألناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع )

[4] (مسند امام أحمد بن الحنبل: ۱۳۶، ۷۷/۲۸) و( تاريخ دمشق لابن عساكر: ۵۶/۵۹ ، ألناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع )

ترجمہ: حضرت معاویہ ﷜ رسول اللہ ﷺ پر تہمت لگانے والے نہیں تھے۔

یہ وہ صحیح روایات اور اقوال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہیں جنہیں محدثین اور مؤرخین نے اپنی صحیح اسانید کے ساتھ اس مقام پر نقل کیا ہے، لہٰذا ان کے مقابلہ میں طحاوی شریف کی مذکورہ روایات شاذ ہوں گی اور قابل اعتناء نہ ہوں گی۔ نیز ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں اس مقام پر اپنی اسانید کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حضرت معاویہ ﷜ کے حق میں متعدد اقوال بھی درج کئے ہیں، جن میں سے کسی ایک مقام پر بھی ﴿الحمار﴾ کا لفظ ذکر نہیں کیا، بلکہ حضرت معاویہ ﷜ کے حق میں "وتافق" کے کلمات ذکر کئے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اصل روایت میں یہ شدید لفظ منقول نہیں تھا، بعد میں راوی نے اپنی جانب سے روایت میں اضافہ کر دیا ہے۔

## روایت حدیث کے قبول وعدم قبول میں محدثین عظام کا اُصول:

۱- طحاوی شریف کی جس روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ ﷜ کو لفظ "حمار" سے تعبیر کیا ہے اس روایت کا کوئی متابع نہیں، لہٰذا یہ روایت شاذ اور اہل فن کے نزدیک نا قابل قبول ہے۔ اس لئے کہ ان الفاظ کے ساتھ اس روایت کے نقل کرنے میں عکرمہ (مولی ابن عباسؓ) متفرد ہے اور اس کا کوئی متابع نہیں۔

۲- دوسری بات یہ ہے کہ لفظ "حمار" والی روایت مذکورہ بالا ان تمام معروف روایات کے برخلاف پائی گئی ہے جو بالکل صحیح اور محدثین کے نزدیک معروف ومقبول ہیں۔ کما مر آنفا

اس لئے اس صورت میں لفظ "حمار" والی روایت منکر یا شاذ قرار پائے گی۔ پس معروف روایات کو لے لیا جائے گا اور منکر یا شاذ روایت کو ترک کر دیا جائے گا۔

۳- "و اذا اختلف کلام امام فیؤخذ مایوافق الأدلة الظاهرة ویعرض عن ما خالفها "[۱]

ترجمہ: اور جب کسی امام کے کلام میں اختلاف کیا جائے تو وہ کلام لے لیا جائے گا جو ظاہری دلائل کے موافق ہو، اور جو ان کے مخالف ہوگا ان سے اعراض کیا جائے گا۔ (ترجمہ ختم)

اس قاعدہ کے اعتبار سے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا صرف وہی کلام قبول کیا جائے گا جو ظاہر دلائل کے موافق ہے اور جو اس کے خلاف ہے وہ غیر مقبول اور متروک ہوگا۔

## عکرمہ (مولی ابن عباس رضی اللہ عنہما) میزانِ جرح وتعدیل میں:

کبار علماء نے عکرمہ (مولی ابن عباس رضی اللہ عنہما) کی کمال توثیق کے باوجود یہ بات تحریر کی ہے کہ بعض

وقعہ عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف غلط چیز کا انتساب کر دیتا تھا۔ (بلکہ) حضرت عبداللہ بن عمرؓ علی بن عبداللہ بن عباسؒ، سعید بن مسیبؒ اور عطاء بن ابی رباحؒ (شاگرد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما) وغیرہ حضرات نے تصریح کر دی ہے کہ بعض وقعہ عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر جھوٹ لگاتا تھا۔ [۲]

اگر یہ بات موجود ہے تو پھر عکرمہ نے ہی یہ الفاظ روایت میں زیادہ کر دیئے ہوں تو کیا بعید ہے؟۔

عکرمہ (مولی ابن عباس رضی اللہ عنہما) پر نقد کے لئے مقامات ذیل ملاحظہ ہوں:

۱-ألكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي: ٦/٤٦٩ ...... ٤٧٧، ألناشر: دار الكتب العلمية بيروت، لبنان) یہاں جرح و مدح دونوں دستیاب ہیں اور یہ چیز بھی مذکور ہے کہ (یہ) ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف عنہما کی طرف بعض وقعہ جھوٹ منسوب کرتا تھا اور خارجیوں کی رائے رکھتا تھا۔

۲- تاريخ دمشق لابن عساكر: ٤١/١١٠، ألناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع۔

۳-عقیلی کی عبارت ملاحظہ ہو:

"عن عبد الله بن الحارث قال: دخلت علي عليٌ بن عبد الله بن عباس، فاذا عكرمة في وثاق عند باب الحسن، فقلت له ألا تتقي الله؟ قال فان هذا الخبث يكذب علي أبي." [۳]

---

[۱] (ألزواجر عن اقتراف الكبائر: لابن حجر الهيثمي: ١/٥٧، ألناشر: دار الفكر، بيروت، لبنان) و (ردالمحتار على الدر المختار لابن عابدين الشامي: ٤/٢٣١، ألناشر: دار الفكر بيروت، لبنان)

[۲] "عن يحيى البكاء سمعت ابن عمر يقول لنافع اتق الله ويحك يا نافع ولاتكذب علي كما كذب عكرمة علي ابن عباس. وقال ابراهيم بن سعد عن أبيه عن سعيد بن المسيب أنه كان يقول لغلامه برد يا برد لاتكذب علي كما يكذب عكرمة علي ابن عباس...... وقال جرير بن عبد الحميد عن يزيد بن أبي زياد دخلت علي علي بن عبد الله بن عباس وعكرمة مقيد علي باب الحش قال قلت ما لهذا قال انه يكذب علي أبي...... وقال فطر بن خليفة قلت لعطاء أن عكرمة يقول سبق الكتاب المسح علي الخفين فقال كذب عكرمة سمعت بن عباس يقول أمسح علي الخفين وان خرجت من الخلاء." (تهذيب التهذيب لابن حجر العسقلاني: ٧/٢٦٧، ٢٦٨، ألناشر: مطبعة دائرة المعارف النظامية، حيدر آباد، ألهند)

[۳] (الضعفاء الكبير للعقيلي: ٣/٣٧٣، ألناشر: دار المكتبة العلمية، بيروت، لبنان) و (تهذيب التهذيب لابن حجر العسقلاني: ٧/٢٦٧، ألناشر: مطبعة دائرة المعارف النظامية، حيدر آباد، ألهند)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن حارث رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: "میں حضرت علی بن عبداللہ بن عباس رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا، تو عکرمہ کو باب حسن کے پاس ایک بند حسن میں (باندھا ہوا) دیکھا، میں نے حضرت علی بن عبداللہ بن عباس رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے (کہ اپنے غلام عکرمہ کو باندھا ہوا ہے اور سزا دے رہے ہیں) تو انہوں نے فرمایا کہ (سزا اس لئے میں اس کو دے رہا ہوں کہ) یہ خبیث میرے والد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر جھوٹ باندھتا ہے۔ (ترجمہ ختم)

۴- یعقوب بن عبداللہ بسوی کی عبارت ملاحظہ ہو:

"ثنا ابراهيم بن سعد عن أبيه عن سعيد بن المسيب: أنه كان يقول: لبرد مولاه يا برد! لا تكذب علي كما كذب عكرمة علي ابن عباس." [۲]

ترجمہ: سعید بن مسیبؒ اپنے غلام برد کو فرمایا کرتے تھے کہ اے برد! تو مجھ پر ایسے جھوٹ مت باندھنا جیسے عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر جھوٹ باندھتا ہے۔

۵- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے:

"وقال أبو خلف الخزار عن يحيي البكاء سمعت ابن عمر يقول لنافع: اتق الله ويحك يا نافع! ولا تكذب عليّ كما كذب عكرمة علي ابن عباس." [۱]

ترجمہ: حضرت یحییٰ بکاء رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا وہ نافع سے فرمارہے تھے کہ اللہ سے ڈر، تیرا بھلا ہو اے نافع! اور تو مجھ پر جھوٹ مت باندھ جیسا کہ عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر جھوٹ باندھتا ہے۔ (ترجمہ ختم)

۶- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے دیگر شاگرد حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

---

[۱] (كتاب المعرفة والتاريخ لأبي يوسف الفسوي: ۲/۵، الناشر: موسسة الرسالة، بيروت) و(تهذيب التهذيب لابن حجر العسقلاني: ۲۶۸/۷، الناشر: مطبعة دائرة المعارف النظامية، الهند) و(المعارف لابن قتيبة: ۴۳۸/۱، الناشر: الهيئة المصرية العامة للكتاب، القاهرة) و(تاريخ دمشق لابن عساكر: ۱۰۹/۴۱، الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع)

"عن فطر قلت لعطاء أن عكرمة يقول : ابن عباس سبق الكتاب المسح عليٰ الخفين." فقال : كذب عكرمة اني رأيت ابن عباس يمسح عليهما." ۲

ترجمہ: حضرت فطر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ عکرمہ کہتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں کتاب اللہ پر سبقت لے گئے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ عکرمہ جھوٹ کہتا ہے میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔(ترجمہ ختم)

۷۔طبقات ابن سعد میں ہے کہ:

"وعجب الناس من اجتماعهما في الموت واختلاف رأيهما عكرمة يظن أنه يريٰ رأي الخوارج يكفر بالنظرة وكثير شيعي يؤمن بالرجعة." ۳

ترجمہ: اور ان دونوں (عکرمہ اور کثیر عزہ شاعر) کے موت میں متفق ہونے اور رائے میں مختلف ہونے پر لوگوں نے تعجب کیا۔ گمان کیا جاتا ہے کہ عکرمہ خوارج کی رائے رکھتا تھا کہ (حضرت علی ﷺ کے دوبارہ دنیا میں واپسی کے) انتظار پر تکفیر کرتا تھا، اور کثیر شیعی تھا کہ وہ (حضرت علی ﷺ کے دوبارہ دنیا میں) واپس آنے پر ایمان رکھتا تھا۔(ترجمہ ختم)

۹ مطلب یہ ہے کہ ۱۰۵ھ میں ایک ہی روز مدینہ شریف میں یہ دونوں صاحبان فوت ہوئے اور بعد نماز ظہر ایک ہی مقام پر ان کا جنازہ پڑھایا گیا اور اختلاف نظریات ان کا اس طرح تھا کہ عکرمہ خارجی ذہن اور کثیر شیعی ذہن رکھتا تھا۔"

قدیم مؤرخ اور محدث امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۳۳ھ) نے عکرمہ کے متعلق مندرجہ ذیل کلام کیا ہے۔

"قال يحيي : وبلغنا عن عكرمة أنه كان لايقول هذا (أي قول

---

۱ (تهذيب التهذيب لابن حجر العسقلاني : ۷/۲۶۷ ، الناشر : مطبعة دائرة المعارف النظامية ، الهند)

۲ (الدراية في تخريج احاديث الهداية لابن حجر العسقلاني : ۱/۷۶ ، الناشر : دار المعرفة بيروت)

۳ (الطبقات الكبرىٰ المعروف بطبقات ابن سعد : ۵/۲۲۴ ، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

**الخوارج و هذا باطل )** [1]

ترجمہ: امام یحییٰ (بن معین) رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ عکرمہ یہ نہیں کہتا تھا (یعنی خوارج کا قول اور یہ باطل ہے، بلکہ وہ خوارج کی رائے رکھتا تھا۔)

مصعب بن عبداللہ الزبیری فرماتے ہیں:

**"كان عكرمة يري راي الخوارج فطلبه بعض ولاة المدينة فتغيب عند داؤد بن الحصين حتي مات عنده۔ قالوا: وكان عكرمة كثير الحديث والعلم بحراً من البحور وليس يحتج بحديثه ويتكلم الناس فيه۔"** [2]

ترجمہ: عکرمہ خوارج کی رائے رکھتا تھا۔ اُسے مدینہ کے کسی والی نے طلب کیا اور داؤد ابن الحصین کے پاس پوشیدہ کر دیا یہاں تک کہ اُنہیں کے پاس اُس کی وفات ہوگئی۔ لوگوں نے کہا کہ عکرمہ کثیر الحدیث، کثیر العلم اور (علم کے) دریاؤں میں سے ایک دریا تھا۔ اس کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جاتا۔ لوگ اُس کے (ثقہ ہونے) کے بارے کلام کرتے ہیں۔ (ترجمہ ختم)

کئی علماء نے عکرمہ کے حق میں رائے خوارج کا ذکر کیا ہے۔ جب یہ بزرگ خارجی ہے تو پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ہونا ایک کھلی بات ہے۔ خارجی جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ہیں، اسی طرح وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بھی خلاف ہیں۔ تو اس اعتبار سے بھی مسئلہ ہذا صاف ہوگیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے «الحمار» کا نہیں فرمایا تھا، بلکہ یہ شدید الفاظ عکرمہ اپنی طرف سے کہہ گیا ہے۔ اور اس طرح کے قبیح الفاظ سے اس نے اپنا قلبی بغض ظاہر کیا ہے۔

عکرمہ کا حدیث پیغمبر میں ثقہ ہونا اور بات ہے اور آحاد اُمت کے بارے میں سیاسی اختلاف کی بناء پر اس قسم کی باتیں کہہ جانا دوسری بات ہے۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے توثیق عکرمہ کے بعد لکھا ہے کہ

---

[1] (تاريخ ابن معين (رواية الدوري: ۳/۶، ۱، الناشر: مركز البحث العلمي واحياء التراث الاسلامي، مكة المكرمة)

[2] (الطبقات الكبرىٰ المعروف بطبقات ابن سعد: ۵/۲۲۴، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان) و (المعارف لابن قتيبة: ۱/۴۵۷، الناشر: الهيئة المصرية العامة للكتاب، مصر)

"تكلم فيه مجاهد وابن سيرين ومالك ..... قال أحمد كان يري رأي الخوارج الصفرية. وقال ابن المدائني : كان عكرمة يري رأي نجدة الحروري ، وقد وثقه جماعة واحتجوا به ."[1]

ترجمہ: مجاہد، ابن سیرین اور امام مالکؒ نے عکرمہ کو جھوٹا کہا ہے..... امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عکرمہ خوارج صفریہ کی رائے رکھتا تھا۔ امام ابن المدائنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عکرمہ نجدہ حروری کی رائے رکھتا تھا۔ علماء کی ایک جماعت نے عکرمہ کی توثیق کی ہے اور اسے حجت مانا ہے۔ (ترجمہ ختم)[2]

## شاہ صاحبؒ پر ابن عباسؓ کی تصویب کو اغماض وتسامح پر محمول کرنے کا الزام:

دوسرا اعتراض پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت شاہ صاحب اور امام طحاوی رحمہما اللہ پر یہ کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی جس تصویب کو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "اغماض وتسامح" (چشم پوشی) قرار دیا ہے اُسے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا "تقیہ" کہا ہے۔

## شاہ صاحبؒ کا ابن عباسؓ کی تصویب کو اغماض وتسامح پر محمول کرنے کا مطلب:

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تصویب کو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو "اغماض وتسامح" پر محمول کیا ہے تو اس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنے غلام کریب کے سوال کرنے پر اگر یہ فرما دیتے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے غلط کیا ہے تو اس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف عیب جوئی اور طعنہ زنی کرنے کے مزید مواقع فراہم ہو جاتے اور اس طرح عظیم صحابی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں طعن وتشنیع اور ہدف وتنقید کا ایک نیا باب کھل جاتا، اس لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سائل کو خاموش کرنے کی نیت سے "اغماض وتسامح" سے کام لیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فعل کی بظاہر تصویب فرمائی اور اعتراض کرنے والے کو بتا دیا کہ وہ ایک مجتہد وفقیہ صحابی ہیں، انہوں نے اپنے اجتہاد سے یہ کام کیا ہے۔ کیونکہ رکعات وتر کی تعداد کے بابت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے یکسر مختلف ہے اور حضرت

---

[1] (ذكر اسماء من تكلم فيه وهو موثق للذهبي ، ١٣٦/١ ، الناشر: مكتبة المنار ، الزرقاء)

[2] (سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (بحذف وتغیر) ٥٥٣/٢ ..... ٥٦١ ، ناشر: دار الکتاب، اردو بازار، لاہور)

معاویہ ﷺ کا مذہب آپ کی نظر میں مرجوح ہے، لیکن اس سب کے باوجود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اغماض و تسامح اور چشم پوشی سے کام لیتے ہوئے حضرت معاویہ ﷺ کی ذات بابرکات کو طعن و تشنیع اور قدح و ملامت کا محل بننے سے محفوظ رکھا۔

**امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تصویب کو "تقیہ" پر محمول کرنے کا مطلب:**

اور تقریباً یہی جواب امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی اُس عبارت کا بھی ہے کہ جس میں آپؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اسی تصویب کو "تقیہ" فرمایا ہے۔ چنانچہ طحاوی کی اسی "تقیہ" والی عبارت کی تشریح کرتے ہوئے علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:

"یجوز أن یکون معنی قول ابن عباس رضی اللہ عنہما : " أصاب معاویة " علیٰ التقیة منه له ای علیٰ التقیة منه لأجل معاویة یعنی دفعاً عنه ما یعیب به ذلک الرجل علیه حتی یمتنع من أن یعیب علیه ، فقال أصاب یعنی أصاب فی شیٔ آخر غیر ایتاره برکعة واحدة ، وهذا من باب الایهام و التوریة وهو باب شائع ذائع "[۱]

ترجمہ: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کا یہ قول: ﴿أصاب معاویة﴾ اُن کی طرف سے حضرت معاویہ ﷺ کے لئے "تقیہ" کی بناء پر ہو، یعنی اس کلام سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت معاویہ ﷺ سے اُس عیب کو دفع فرمارہے ہوں جس سے سائل آپ کی ذات کو معیوب بنانا چاہتا ہے، تاکہ وہ آپ کی ذات پر عیب لگانے سے رُکا رہے۔ پس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ کے اس عمل کی تصویب فرمادی ہو، یعنی ایک رکعت وتر پڑھنے کے علاوہ آپ کے کسی دوسرے فعل کی تصویب فرمائی ہو، اور یہ ایہام[۲] اور توریہ[۳] کے باب میں سے ہے جس کا استعمال شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔

---

[۱] (نخب الأفکار فی تنقیح مبانی الأخبار فی شرح معانی الآثار: ۵/ ۱۸۴، الناشر: وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامیة قطر)

[۲] اصطلاح شعر میں وہ صنعت جس میں شاعر اپنے کلام میں ایک ایسا لفظ لائے جس کے دو معنی ہوں، ایک اس مقام کے قریب دوسرا بعید لیکن شاعر معنی بعید مراد لے۔ رفیع

[۳] علم بدیع کی وہ صنعت کہ جس میں ایک لفظ کے دو معنی ہوں ایک قریب اور دوسرا بعید لیکن متکلم اس سے معنی بعید مراد لے۔ رفیع

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تصویب کو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو اغماض وتسامح (چشم پوشی) پر محمول کیا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایسا کرنے سے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت معاویہ ؓ پر نقد فرمانا تھا، بلکہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد تو اس سے یہ تھا کہ وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس کلمہ شدیدہ کی کوئی ایسی مناسب اور معقول توجیہ بیان کریں کہ جس سے آپ کے کلام کا شنیع ومذموم ہونا لازم نہ آئے، بلکہ اس سے آپ کے مقام صحابیت کا کسی حد تک دفاع ہو سکے۔

بالکل اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تصویب کو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جو تقیہ وغیرہ پر محمول کیا ہے تو اس سے اُن کی مراد وہ مخصوص "تقیہ" ہرگز نہیں کہ جس میں آدمی کسی کے خوف اور ڈر کی وجہ سے حق بات بھی اپنی زبان کی نوک پر لانے کی طاقت وقدرت نہ رکھتا ہو، جیسا کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے گمان کر رکھا ہے، بلکہ اس "تقیہ" سے فن بلاغت میں علم بدیع کی وہ مشہور ومعروف صنعت "ایہام" اور "بدیع" مراد ہے کہ جس میں متکلم ایک ایسا کلمہ بولے کہ جس کے دو معنی ہوں ایک معنی قریب اور دوسرا معنی بعید، متکلم اُس سے خلاف توقع معنی بعید مراد لے، جب کہ مخاطب اُس سے بظاہر مفہوم ہونے والا معنی قریب مراد لے اور یہ چیز متکلم کے فصیح وبلیغ ہونے کی علامت ہے، جیسا کہ قرینہ اس بات کا یہ ہے کہ اگر اس سے بقول پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے یہی مراد ہے کہ: "حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما چوں کہ حضرت معاویہ ؓ کے دورِ خلافت میں اُن کے ماتحت تھے، اس لئے وہ حق بات کے اظہار کی جرأت نہ کر سکے۔" تو پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ ؓ کے بارے میں "حمار" کا لفظ بولا تو اُس وقت اُنہوں نے شدتِ انکار کی بناء پر اس سخت کلمہ کے اظہار کی جرأت کیسے کر لی تھی؟! اس لئے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ ؓ کے ایک رکعت وتر نماز ادا کرنے کے عمل پر رد عمل کرتے ہوئے جو اُن کے بارے میں "حمار" کا لفظ نوک زبان پر لایا تھا تو اُس کے تین ہی زمانے ممکن ہیں: (۱) یا تو حضرت معاویہ کے خلیفہ بننے سے پہلے انہوں نے یہ لفظ بولا ہوگا۔ (۲) یا عین اُن کی خلافت کے زمانہ میں بولا ہوگا۔ (۳) اور یا پھر اُن کی وفات کے بعد بولا ہوگا۔ وفات کے بعد والا تیسرا زمانہ تو اس لئے مراد نہیں لیا جا سکتا کہ اُس میں حضرت معاویہ ؓ کے اس عمل کا وجود ہی ناممکن ہے، رہے پہلے دو زمانے، ایک خلافت سے پہلے کا اور دوسرا خلافت کے بعد کا کہ ان دونوں زمانوں میں اس عمل کا وجود ممکن ہے، لیکن پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر حضرت معاویہ ؓ

نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس کلمہ شدیدہ وشنیعہ پر کسی بھی قسم کا کوئی مثبت یا منفی، سخت یا نرم، عفو و درگزر کرنے یا انتقام لینے کا کوئی ایکشن کیوں نہیں لیا؟۔

## تحقیقی جواب:

ممکن ہے کہ ہمارے الزامی جواب سے کچھ حضرات مطمئن نہ ہوں اور وہ یہ کہیں کہ یہ جواب دل کو نہیں لگتا تو اُن حضرات کی خدمت میں ہم امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں اپنا ایک تحقیقی جواب پیش کرتے ہیں، اُمید ہے کہ اُس سے ان حضرات کی اطمینان قلبی کا سامان ہو سکے گا۔

سو اس کا تحقیقی جواب یہ ہے کہ ایک تو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے زیر بحث قابل اعتراض لفظ "حمار" والی روایت ﴿ذُکِیَ﴾ صیغہ مجہول کے ساتھ ذکر کی ہے، جس سے اس کا ضعیف ہونا خود بخود سمجھ میں آرہا ہے، اور دوسرے یہ کہ یہ کم زور اور شاذ وشنیع قسم کی روایت نقل کرنے کے عین متصل بعد امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی روایت ایک دوسرے طریق اور ایک دوسری سند سے بھی ذکر کی ہے، جس میں "حمار" کا لفظ موجود نہیں ہے، اور اس روایت کے ذکر کرنے سے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد مذکورہ بالا جملے (لفظ "حمار") کو رد کرنا ہے۔

پس جب امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا قابل اعتراضات روایات کو ایسے انداز اور ایسے الفاظ سے ذکر کیا ہے کہ جس سے خود بخود ان روایات کے ضعیف اور شاذ ہونے کی طرف اشارہ ہو رہا ہے، نیز ان روایات کے نقل کرنے کے عین متصل بعد جب یہی قابل اعتراض لفظ "حمار" والی روایت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ ایک دوسری سند کے ساتھ بھی ذکر کر دیتے ہیں جس میں "حمار" کا لفظ نہیں ہے تو پھر اس کا سوائے اس کے اور کیا مطلب ہو سکتا ہے کہ حقیقت میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا دامن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نقد کرنے سے بالکل پاک اور صاف شفاف ہے۔

نیز حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علمی مقام کے پیش نظر بہت بلکہ عین ممکن ہے کہ مذکورہ بالا حقیقت اُن کے علم میں ہو جب ہی تو وہ طحاوی کی یہ روایت خاموشی سے نقل کر کے آگے کی طرف چل پڑے اور بطور اشارہ کے صرف اتنا فرما دینا کافی سمجھا کہ اس روایت میں لفظ "حمار" ایک سخت قسم کا کلمہ ہے۔

گویا صحیح بخاری کی روایت کے مقابلہ میں طحاوی کی لفظ "حمار" والی روایت کے بارے میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا صرف اتنا فرما دینا بھی صحیح بخاری کی روایت کے صحیح اور راجح ہونے اور طحاوی شریف کی روایت

کے ضعیف، شاذ اور مرجوح ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

## طحاوی کی لفظ "حمار" والی روایت کی بابت علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کی توجیہ:

زیر بحث طحاوی کی لفظ "حمار" والی روایت کے متعلق علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ توجیہ ذکر کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ ؓ کے ایک رکعت وتر پڑھنے کے اس عمل پر سختی سے انکار کرتے ہوئے آپ کے لئے "حمار" کا لفظ بول دیا تھا۔

چنانچہ موصوف فرماتے ہیں:

" وقوله : ﴿ الحمار ﴾ اشارة الى شدة انكاره عليه في ايتاره بركعة واحدة "[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لفظ "حمار" بولنے میں حضرت معاویہ ؓ کے ایک رکعت وتر پڑھنے کے عمل پر سختی کے ساتھ انکار کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ (ترجمہ ختم)

پس معلوم ہوا کہ بفرض صحتِ روایات مذکورہ لفظ "حمار" یہاں اپنے حقیقی معنی (سب وشتم اور گالم گلوچ) میں ہرگز مستعمل نہیں ہے، بلکہ یہ لفظ حضرت معاویہ کے ایک رکعت وتر پڑھنے کے ردّعمل کے نتیجہ میں شدت انکار کے بناء پر غیر اختیاری طور پر حضرت ابن عباس کی نوک زبان پر آ گیا تھا۔

خلاصہ کلام یہ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تصویب کو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو "اغماض وتسامح" پر اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے "تقیہ" پر محمول کیا ہے تو اس میں کسی بھی طرح نہ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی توہین ظاہر ہوتی ہے اور نہ ہی حضرت معاویہ ؓ کی، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں خوب شرح وبسط کے ساتھ گزر چکا ہے۔

## حضرت شاہ صاحبؒ پر حضرت مغیرہؓ وعمرو بن العاصؓ کو فتنہ پرداز قرار دینے کا الزام:

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر تیسرا اعتراض کرتے ہوئے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

> "حضرت کاشمیریؒ نے ایک مسئلہ کی توضیح میں بالکل غیر ضروری طور پر حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو "مفسد" اور "فتنہ پرداز" قرار دے دیا:
>
> " وكان المغيرة من دهاة الحرب حتى قال الحسن البصري أفسد

---

[1] نخب الأفكار في تنقيح مباني الأخبار في شرح معاني الآثار: ۶: ۸۲، طبع وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية، قطر

الناس اثنان المغيرة و عمرو بن العاص۔"[1]

## تاکید المدح بما یشبه الذم:

﴿دھاۃ﴾ اصل میں کہتے ہیں چالاک اور ہوشیار آدمی کو کہ جسے کوئی دوسرا شخص دھوکہ نہ دے سکے اور وہ اپنی ذہانت وزیرکی کے سبب کسی کے نرغے نہ آتا ہو۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مغیرۃ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو یہ لفظ نقل کیا ہے تو اس سے حضرت شاہ صاحب کا ان کی تعریف وتوصیف کرنا اور ان کا مقام صحابیت بیان فرمانا مقصود ہے کہ وہ کوئی عام اور سادہ قسم کے آدمی نہیں تھے کہ دورانِ جنگ کسی کے دھوکے اور نرغے میں آجاتے بلکہ وہ تو جنگ کے جملہ امور اور اُس کی خفیہ چالوں کے سمجھنے میں بڑے ہوشیار اور چالاک اور زیرک قسم کے آدمی تھے۔ اس ضمن میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "بلکہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ: "لوگوں میں سب سے زیادہ فساد پھیلانے والے حضرت مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہیں۔"

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اس قول کے نقل کرنے سے یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ وہ ان دونوں حضرات کو مفسد اور فتنہ پرداز سمجھتے ہیں، بلکہ مقصد صرف اُن کی ہوشیاری بتانا تھا، اس لئے اُنہوں نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کر دیا۔ اور چوں کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے مقام و مرتبہ کے پیش نظر اس بات پر یقین کرنا خاصا مشکل ہے اس لئے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں اُن کی اس روایت پر تبصرہ کرنا کوئی ضروری خیال نہیں فرمایا۔

## پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے خداواسطے کا بیر:

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو "مفسد" اور "فتنہ پرداز" قرار نہیں دیا، بلکہ اُنہوں نے تو اس بارے میں صرف حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مشہور قول نقل کیا ہے، جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ: "لوگوں میں سب سے زیادہ ہوشیار اور جنگی چال وچلن کو سب سے زیادہ سمجھنے والے حضرت مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہیں۔" اور اگر بالفرض اس سے فتنہ و فساد برپا کرنے والا شخص ہی مراد لے لیا جائے تو پھر تو یہ اعتراض حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بجائے براہ

---

[1] (فیض الباری: ۲/۳۸۶، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۸۷)

راست حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات پر پڑتا ہے۔ پھر معلوم نہیں کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات کو چھوڑ کر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات کو طعن وتشنیع کا محل کیوں بنالیا؟۔

رہی یہ بات کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بھی اس قول کی نسبت صحیح ہے یا نہیں؟ تو آیئے! ذیل کی سطور میں اس حقیقت کا سراغ لگاتے ہیں اور اس کا علمی وتحقیقی جائزہ لیتے ہیں:

## حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے زیرِ بحث قول کا علمی وتحقیقی جائزہ:

سب سے پہلے تو ہم اُن علمائے کرام کی کتابوں کے حوالہ جات پیش کرتے ہیں کہ جنہوں نے مذکورہ بالا قول ﴿افسد الناس اثنان المغیرة وعمرو بن العاص﴾ کی نسبت حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کی ہے اور پھر اُس کے بعد اس قول کا جائزہ لیتے ہیں:

## علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا حوالہ:

چنانچہ مشہور مورخ علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

"وروي زحر بن حصن، عن جده حميد بن منهب، قال: زرت الحسن بن أبي الحسن فخلوت به فقلت: يا أبا سعيد اما تري ماالناس فيه؟ فقال لي: افسد امر الناس اثنان: عمرو بن العاص يوم أشار علي معاوية برفع المصاحف، فحملت، وقال ابن القراء: فحكم الخوارج، فلا يزال هذا التحكيم الي يوم القيامة، والمغيرة بن شعبة فانه كان عامل معاوية علي الكوفة فكتب اليه معاوية اذا قرأت كتابي هذا فاقبل معزولا فأبطأ عنه فلما ورد عليه قال: أمر كنت أوطئه وأهيئه قال: وما هو؟ قال: البيعة ليزيد من بعدك، قال: أو فعلت؟ قال: نعم قال ارجع الي عملك، فلما خرج قال له أصحابه: ما ورائك قال: وضعت رجل معاوية في غرز غيٍّ لايزال فيه الي يوم القيامة. قال الحسن: فمن أجل ذلك بايع هؤلاء لأبنائهم ولولا ذلك لكانت شوريٰ الي يوم القيامة." [1]

---

[1] (تاريخ الاسلام ووفيات المشاهير والأعلام للذهبي: ۲۷۲/۵، الناشر: دار الكتاب العربي، بيروت، لبنان)

ترجمہ: زجر بن حصنؒ اپنے دادا حمید بن منہبؒ سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت حسن بن ابی الحسن رضی اللہ عنہما کی زیارت کی اور اُن کے ساتھ تنہائی میں ملاقات کی، پس میں نے کہا اے ابوسعید! آپ کا کیا خیال ہے کہ لوگ کس اختلاف میں مبتلا ہیں؟ تو اُنہوں نے مجھ سے فرمایا کہ لوگوں میں فتنہ وفساد کی آگ سلگانے والے دو شخص ہیں: ایک حضرت عمرو بن العاص ؓ کہ جنہوں نے حضرت معاویہ ؓ کو نیزوں پر قرآن مجید اُٹھانے کا مشورہ دیا اور قرآن مجید نیزوں پر اُٹھائے گئے۔ اور امام ابن فراء رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ خارجیوں کو اُنہوں نے ہی ثالث بنایا تھا۔ اور یہ وہ ثالث تھے جن کا چرچا قیامت تک رہے گا۔ اور (فسادیوں میں سے دوسرے شخص) حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ ہیں جو کوفہ میں حضرت معاویہ ؓ کی طرف سے گورنر تھے۔ حضرت معاویہ ؓ نے اُن کی طرف لکھا کہ جب تم میرا یہ خط پڑھ لو تو اپنا معزول ہونا قبول کر لینا (اور کوفہ سے فوراً ہمارے دربار میں حاضر ہو جانا!) لیکن حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ نے آنے میں تاخیر کر دی۔ پھر جب حضرت معاویہ ؓ کے پاس آئے (تو حضرت معاویہ ؓ نے تاخیر سے آنے کا سبب پوچھا) تو حضرت مغیرہ ؓ نے کہا کہ ایک معاملہ درپیش تھا جسے سلجھانے اور مفید مطلب بنا رہا تھا۔ حضرت معاویہ ؓ نے پوچھا کیا معاملہ تھا؟ حضرت مغیرہ ؓ نے جواب دیا کہ آپ کے بعد یزید کی بیعت کے لئے زمین ہموار کر رہا تھا۔ حضرت معاویہ ؓ نے پوچھا کیا تم نے یہ پورا کر لیا؟ حضرت مغیرہ ؓ نے جواب دیا جی ہاں! ۔ یہ سن حضرت معاویہ ؓ نے فرمایا اچھا! اپنی گورنری پر واپس چلے جاؤ! (اور حسبِ سابق اپنے فرائض سرانجام دیتے رہو!) یہاں سے اُٹھ کر حضرت مغیرہ ؓ جب اپنے احباب کے پاس پہنچے تو اُنہوں نے پوچھا بتاؤ کیسی رہی؟ حضرت مغیرہ ؓ نے جواب دیا کہ میں نے حضرت معاویہ ؓ کے پاؤں اُس ناواقفیت کے رکاب میں پھنسا دیے ہیں جس سے وہ قیامت تک نہیں نکل سکیں گے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے ان خلفاء نے اپنے بیٹوں کی بیعت لی اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو قیامت تک شورائی نظام چلتا۔ (ترجمہ ختم)

### علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا حوالہ:

اسی طرح علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک دوسری کتاب "سیر أعلام النبلاء" میں بھی اختصار کے ساتھ تقریباً یہی عبارت نقل کی ہے لیکن اس میں ﴿أفسد أمر الناس اثنان : عمرو بن العاص والمغيرة بن شعبة ..... الخ ﴾ وغیرہ کے الفاظ نہیں ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے!:

"وعن الحسن : أن المغيرة بن شعبة أشار على معاوية ببيعة ابنه ففعل فقيل له: ما ورائك؟ قال وضعت رجل معاوية في غرز غيٍّ ..... الخ." [۱]

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ مروی ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اشارۃً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے بیٹے کی بیعت لینے کا کہا تو اُنہوں نے بیعت لے لی۔ پس حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا بنا؟ تو اُنہوں نے کہا کہ میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں اُس ناواقفیت کے رکاب میں پھنسا دیئے ہیں کہ..... الخ۔ (ترجمہ ختم)

### علامہ عبد الملک بن حسین عصامی مکی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح علامہ عبد الملک بن حسین عصامی مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۱۱ھ) نے بھی علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے مذکورہ بالا عبارت اپنی کتاب "سمط النجوم العوالي في أنباء الأوائل والتوالي" میں نقل کی ہے۔ [۲]

### مؤرخ شہیر امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اور امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

"وقال الحسن بن أبي الحسن ما أفسد أمر الناس الا اثنان عمرو بن العاص يوم أشار على معاوية ..... الخ." [۳]

ترجمہ: لوگوں فتنہ وفساد کی آگ سلگانے والے دو ہی آدمی ہیں: ایک حضرت عمرو

---

[۱] (سير أعلام النبلاء للذهبي: ۷/۵، الناشر: دار الحديث، القاهرة)

[۲] ملاحظہ ہو: (سمط النجوم العوالي في أنباء الأوائل والتوالي للعصامي: ۲۰۶/۳، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت)

[۳] (البداية والنهاية لابن كثير: ۶۴۹/۱۱، الناشر: دار الهجر للطباعة والنشر والتوزيع والاعلام)

بن العاص ﷺ کہ جس دن انہوں نے حضرت معاویہ ﷺ کو اشارہ کیا ۔ الخ ۔ (ترجمہ ختم)

## امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اور امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۷۱ھ) لکھتے ہیں:

" أخبرنا أبو القاسم بن السمرقندي أنا أحمد بن محمد بن النقور قالا: أنبا عيسى بن علي بن عيسى نا أبو عبيد علي بن الحسين بن حرب نا أبو السكين زكريا بن يحيى حدثني عم أبي زحر بن حصن عن جده حميد بن منهب قال: زرت الحسن بن أبي الحسن، فخلوت به، فقلت له: يا أبا سعيد! أما ترى ما الناس فيه من الاختلاف؟ فقال لي: يا أبا يحيى! أصلح أمر الناس أربعة وأفسده اثنان فعمر بن الخطاب يوم سقيفة بنو ساعدة حيث قالت قريش: منا أمير، وقالت الأنصار: منا أمير، فقال لهم عمر: ألستم تعلمون أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الأئمة من قريش؟ قالوا: بلى! قال: أو لستم تعلمون أنه أمر أبابكر يصلي بالناس؟ قالوا بلى، قال: فأيكم يتقدم أبا بكر؟ قالوا لا أحد فسلمت لهم الأنصار، ولولا ما احتج به عمر من ذلک لتنازع الناس هذه الخلافة الى يوم القيامة. وأبوبكر الصديق حيث ارتدت العرب فشاور فيهم الناس فكلهم أشار عليه بأن يقبل منهم الصلاة ويدع لهم الزكاة، فقال: والله لو منعوني عقالاً مما كانوا يعطونه رسول الله صلى الله عليه وسلم لجاهدتهم، ولولا ما فعل أبوبكر من ذلک لألحد الناس في الزكاة الى يوم القيامة. وعثمان بن عفان حيث جمع الناس على هذه القرائة، وقد كانوا يقرئونه على سبعة أحرف، فكان هؤلاء يلقون هؤلاء، فيقولون قرائتنا أفضل من قرائتكم حتى كاد بعضهم أن يكفر بعضاً، فجمعهم عثمان على هذا الحرف، ولولا ما فعل عثمان من ذلک لألحد الناس في القرآن الى يوم القيامة وعلي بن أبي طالب حيث قاتل أهل البصرة

فلما فرغ منهم قسم بين أصحابه ما حوي عسكرهم فقالوا له : يا أمير المؤمنين ! الا تقسم بيننا امائهم ونسائهم ؟ فقال : أيكم يأخذ عائشة في سهمه ؟ قالوا ومن يأخذ ام المؤمنين في سهمه ؟ قال : أفرئيتم هؤلاء اللواتي قتل عنهن أزواجهن يعتددن اربعة أشهر وعشرا ويورثن الربع والثمن قالوا : نعم ! قال : فما أراهن اماءً ، ولو كن اماءً لم يعتددن ولم يورثن ولولا ما فعل علي من ذلک لم يعلم الناس كيف يقاتل أهل القبلة. وأما اللذان أفسدا أمر الناس فعمرو بن العاص يوم أشار علي معاوية برفع المصاحف فحكمت الخوارج ، فلا يزال هذا التحكيم الي يوم القيامة والمغيرة بن شعبة فانه كان عامل معاوية علي الكوفة ، فكتب اليه معاوية : اذا قرأت كتابي هذا ، فأقبل معزولا فأبطأ في مسيره فلما ورد عليه قال له يا مغيرة ! ما الذي أبطأ بک ؟ قال: أمر والله كنت أوطئه واهيئه قال: وما هو؟ قال: البيعة ليزيد من بعدک قال : أو فعلت ؟ قال : نعم ! قال ارجع الي عملک فأنت عليه فلما خرج من عند معاوية قال له أصحابه : ما ورائک يا مغيرة ؟ قال : ورائي والله اني قد وضعت رجل معاوية في غرز غيٍّ لايزال فيه الي يوم القيامة . قال الحسن : فمن أجل ذلک بايع هؤلاء لأبنائهم . ولولا ذلک لكانت شوري الي يوم القيامة ."[1]

ترجمہ: زحر بن حصنؒ اپنے دادا حمید بن منہبؒ سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت حسن بن ابی الحسن رضی اللہ عنہما کی زیارت کی اور اُن کے ساتھ تنہائی میں ملاقات کی، پس میں نے کہا اے ابوسعید! آپ کا کیا خیال ہے کہ لوگ کس اختلاف میں مبتلا ہیں؟ تو اُنہوں نے مجھ سے فرمایا اے ابو یحییٰ! لوگوں میں صلح وصفائی کا دیا زوشن کرنے والے چار شخص ہیں اور اُن میں فتنہ وفساد کی آگ سلگانے والے دو شخص ہیں۔ (صلح وصفائی

---

[1] ( تاريخ دمشق لابن عساكر : ۳۰/۲۸۷ ، الناشر : دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع )

کرانے والے ایک شخص) حضرت عمر بن خطاب ﷺ ہیں۔ سقیفہ بنو ساعدہ کے دن جس وقت قریش کہنے لگے کہ امیر ہم میں سے ہوگا اور انصار کہنے لگے کہ امیر ہم میں سے ہوگا تو حضرت عمر ﷺ نے ان سے فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ امام قریش میں سے ہوں گے؟ لوگوں نے کہا کیوں نہیں؟ حضرت عمر ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر ﷺ کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں؟۔ لوگوں نے کہا کیوں نہیں؟ تو حضرت عمر ﷺ نے فرمایا کہ پھر تم میں سے کون حضرت ابوبکر ﷺ سے مقدم ہوتا ہے؟ لوگوں نے کہا کوئی بھی نہیں ا۔ پس انصار نے قریش کی امارت کو تسلیم کر لیا۔ اگر حضرت عمر ﷺ ان چیزوں کو بطور حجت و دلیل کے پیش نہ فرماتے تو قیامت تک لوگ خلافت کے معاملہ میں لڑتے رہتے۔ (لوگوں میں صلح و صفائی کرانے والے دوسرے شخص) حضرت ابوبکر صدیق ﷺ ہیں۔ جس وقت عرب مرتد ہو گئے تو حضرت ابوبکر ﷺ نے ان کے بارے میں لوگوں سے مشورہ کیا، تو سب نے یہ رائے دی کہ ان سے نماز قبول کر لی جائے اور زکوۃ کو چھوڑ دیا جائے۔ تو حضرت ابوبکر ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ مجھے سالانہ زکوۃ لینے سے روکیں گے جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ادا کرتے تھے تو میں ان سے جہاد کروں گا۔ اگر حضرت ابوبکر ﷺ یہ نہ کرتے تو لوگ قیامت کے دن تک زکوۃ کے معاملہ میں الحاد کا شکار ہو جاتے۔ (لوگوں میں صلح و صفائی کرانے والے تیسرے شخص) حضرت عثمان غنی ﷺ ہیں۔ جس وقت کہ انہوں نے لوگوں کو ایک قرأت پر جمع کیا۔ حالاں کہ لوگ قرآن پاک کو سات قرأتوں میں پڑھتے تھے۔ پس ایک قرأت والے لوگ دوسری قرأت والے لوگوں سے ملتے تو ایک دوسرے سے کہتے کہ ہماری قرأت تمہاری قرأت سے افضل ہے! یہاں تک کہ قریب تھا کہ دونوں ایک دوسرے کی تکفیر کرنے لگ جاتے۔ پس حضرت عثمان ﷺ نے انہیں ایک قرأت پر جمع کیا۔ اگر حضرت عثمان ﷺ یہ کام نہ کرتے تو لوگ قیامت کے دن تک قرآن مجید کے معاملہ میں الحاد کا شکار ہو جاتے۔ (لوگوں میں صلح و صفائی کرانے والے چوتھے شخص) حضرت علی المرتضیٰ ﷺ ہیں۔ جس وقت انہوں نے اہل بصرہ کے ساتھ لڑائی کی۔ پس

جب وہ اُن سے لڑائی کر کے فارغ ہوئے تو اُنہوں نے اپنے ساتھیوں کے درمیان وہ مال تقسیم کرنا شروع کیا جو ان کے لشکر نے جمع کیا تھا۔ تو لوگوں نے اُن سے عرض کیا کہ کیا آپ مخالفین کی بیویاں اور اُن کی باندیاں ہمارے درمیان تقسیم نہیں کریں گے؟۔ تو حضرت علی ﷛ نے فرمایا کہ تم میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے حصے میں کون لے گا؟ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے حصے میں کون لے سکتا ہے؟۔ حضرت علی ﷛ نے فرمایا کہ تم کیا سمجھتے ہو کہ جن عورتوں کے شوہر قتل کئے گئے ہیں وہ چار مہینے اور دس دن اپنی عدت پوری کریں گی اور (اپنے شوہر کے مال میں سے) چوتھے اور آٹھویں حصے کی وارث ٹھہریں گی؟ لوگوں نے عرض کیا جی ہاں! تو حضرت علی ﷛ نے فرمایا کہ میں تو انہیں باندیاں نہیں سمجھتا ہوں، کیوں کہ اگر وہ باندیاں ہوتیں تو وہ نہ اپنے شوہروں کی عدت گزارتیں اور نہ ہی (اُن کے مال کی) وارث ہوتیں۔ اگر حضرت علی المرتضیٰ ﷛ یہ کام نہ کرتے تو قیامت کے دن تک لوگوں کو یہ معلوم نہ ہوسکتا کہ اہل قبلہ کے ساتھ قتال کس طرح کی جاتی ہے؟۔ بہر حال وہ دو شخص کہ جنہوں نے لوگوں میں فتنہ وفساد کی آگ سلگائی ہے: ایک حضرت عمرو بن العاص ﷛ ہیں کہ جنہوں نے حضرت معاویہ ﷛ کو نیزوں پر قرآن مجید اُٹھانے کا مشورہ دیا اور قرآن مجید نیزوں پر اُٹھائے گئے۔ اور خارجیوں کو ثالث بنایا گیا۔ پس یہ قیامت تک ثالث رہیں گے۔ اور (دوسرے) حضرت مغیرہ بن شعبہ ﷛ ہیں جو کوفہ میں حضرت معاویہ ﷛ کی طرف سے گورنر تھے۔ حضرت معاویہ ﷛ نے اُن کی طرف لکھا کہ جب تم میرا یہ خط پڑھ لو تو اپنا معزول ہونا قبول کر لینا (اور کوفہ سے فوراً ہمارے دربار میں حاضر ہو جانا!) لیکن حضرت مغیرہ بن شعبہ ﷛ نے آنے میں تاخیر کردی۔ پھر جب حضرت معاویہ ﷛ کے پاس آئے تو حضرت معاویہ ﷛ نے پوچھا کہ آنے میں کس وجہ سے تاخیر ہوئی؟ حضرت مغیرہ ﷛ نے کہا کہ ایک معاملہ درپیش تھا اللہ کی قسم اُسے سلجھا اور مفید مطلب بنا رہا تھا۔ حضرت معاویہ ﷛ نے پوچھا کیا معاملہ تھا؟ حضرت مغیرہ ﷛ نے کہا کہ آپ کے بعد یزید کی بیعت کے لئے زمین ہموار کر رہا تھا۔ حضرت معاویہ ﷛ نے پوچھا کیا تم نے یہ پورا کر لیا؟ حضرت مغیرہ

ﷺ نے کہا جی ہاں!۔ (یہ سن کر) حضرت معاویہ ﷺ نے فرمایا اچھا اپنی گورنری پر واپس چلے جاؤ! اور حسب سابق اپنے فرائض سرانجام دیتے رہو!۔ پس جب حضرت مغیرہ ﷺ حضرت معاویہ کے پاس سے اُٹھے تو ساتھیوں نے پوچھا مغیرہ بتاؤ کیسا رہا؟ حضرت مغیرہ ﷺ نے کہا کہ اللہ کی قسم! میں نے حضرت معاویہ ﷺ کے پاؤں اُس ناواقفیت کے رکاب میں پھنسا دیئے ہیں جس سے وہ قیامت نہیں نکل سکیں گے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے ان خلفاء نے اپنے بیٹوں کی بیعت لی اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو قیامت تک شورائی نظام چلتا۔ (ترجمہ ختم)

## امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اور امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں:

"قال الحسن البصري: أفسد أمر الناس اثنان عمرو بن العاص يوم أشار علي معاوية برفع المصاحف، فحملت ..... الخ." [1]

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگوں فتنہ وفساد کی آگ بھڑکانے والے دو شخص ہیں: ایک حضرت عمرو بن العاص ﷺ کہ جس دن اُنہوں نے حضرت معاویہ ﷺ کو قرآن مجید اُٹھانے کا اشارہ کیا اور قرآن مجید اُٹھائے گئے.....الخ۔ (ترجمہ ختم)

## علامہ محمد رشید بن علی رضا قلمونی حسینی کا حوالہ:

اسی طرح علامہ محمد رشید بن علی رضا قلمونی حسینی (المتوفی ۱۳۵۴ھ) نے بھی امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے "تاریخ الخلفاء" کی مذکورہ بالا عبارت اختصار کے ساتھ اپنی کتاب میں نقل کی ہے۔ [2]

یاد رہے کہ زیر بحث مذکورہ بالا روایت اُصولی طور پر صرف امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، باقی سب اس کے ناقل ہیں۔

## زحر بن حصن میزانِ جرح وتعدیل میں:

---

[1] (تاريخ الخلفاء للسيوطي: ١/١٥٦، الناشر: مكتبة نزار مصطفى الباز)

[2] ملاحظہ ہو: كتاب الخلافة للقلموني: ١/٥٣، الناشر: الزهراء للإعلام العربي، مصر، القاهرة)

پھر جس سند کے ساتھ امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت نقل کی ہے اُس کا بنیادی راوی زجر بن حصن ہے جس کے بارے میں علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ یہ غیر معروف یعنی مجہول راوی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"زجر بن حصن عن جده وعنه أبو السكين الطائي لايعرف." [1]

ترجمہ: زجر بن حصن اپنے دادا سے روایت کرتا ہے اور اس سے ابو السکین طائی روایت کرتا ہے۔ یہ غیر معروف راوی ہے۔

اور امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد المصنعي العنسي دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

"زجر بن حصن ويقال حصين لايعرف قاله الذهبي." [2]

ترجمہ: زجر بن حصن کو زجر بن حصین بھی کہا جاتا ہے۔ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ غیر معروف راوی ہے۔

اسی طرح "تهذيب الكمال في أسماء الرجال" کے محقق الدکتور بشار عواد معروف لکھتے ہیں:

"قلت: وزجر هذا مجهول." [3]

ترجمہ: اور یہ زجر مجہول (راوی) ہے۔

مذکورہ بالا تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ قدحِ صحابہ رضی اللہ عنہم پر مشتمل زیرِ بحث مذکورہ بالا روایت نہ تو پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے اور نہ ہی اس کی نسبت معروف اور ہر دل عزیز مشہور تابعی حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف صحیح معلوم ہوتی ہے، بلکہ یہ روایت مجہول، نا قابلِ اعتبار اور درجۂ احتجاج سے ساقط ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

[1] (ميزان الاعتدال في نقد أسماء الرجال للذهبي: ٢/٦٩، الناشر: دار المعرفة للطباعة والنشر، بيروت، لبنان)

[2] (مصباح الأريب في تقريب الرواة الذين ليسوا في تقريب التهذيب للعنسي: ١/٤٦١، الناشر: مكتبة صنعاء الأثرية اليمن، والفاروق الحديثة للطباعة والنشر، مصر)

[3] حاشية تهذيب الكمال في أسماء الرجال لبشار العواد: ٩/٣٨٤، الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت)

﴿۱۷﴾

# حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

## (المتوفی ۱۳۷۲ھ بمطابق ۱۹۵۲ء)

### نام ونسب:

آپ کا نام نامی اسم گرامی: کفایت اللہ، لقب: ابو حنیفہ ثانی، اور والد کا نام: عنایت اللہ تھا۔

پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:

''کفایت اللہ بن عنایت اللہ بن فیض اللہ......الخ۔''

### ولادت باسعادت:

آپ ہندوستان کے مشہور صوبے ''اتر پردیش'' کے معروف علاقے ''شاہ جہان پور'' میں ۱۲۹۲ھ بمطابق ۱۸۷۵ء کو ایک نہایت ہی نیک اور نفیس صاحب تقویٰ بزرگ شیخ عنایت اللہ کے یہاں پیدا ہوئے۔

### تحصیل علم:

آپ نے ابتدائی تعلیم پانچ برس کی عمر میں اپنے محلے ہی میں حافظ برکت اللہ صاحب سے حاصل کرنا شروع کی، اور پھر اس کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے آپ مدرسہ شاہی مراد آباد میں داخل ہوئے اور تقریباً دو سال تک وہاں تعلیم حاصل کرتے رہے۔

۱۳۰۰ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابر اساتذہ سے علوم وفنون کی مختلف کتابیں پڑھیں اور پھر ۱۳۱۵ھ میں مولانا عبد العلی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے دورۂ حدیث کر کے سند فراغت حاصل کی۔

درس وتدریس:

فراغت کے بعد کچھ عرصہ شاہ جہان پور میں درس وتدریس کا مشغلہ جاری رکھا، اور پھر شوال ۱۳۳۱ھ کو مولوی محمد امین الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں سے دہلی تشریف لے گئے اور مدرسہ امینیہ دہلی میں درس و تدریس شروع کردی۔

مدرسہ امینیہ (جیسا کہ نام سے ظاہر ہے) مولوی محمد امین الدین صاحب نے ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ میں قائم کیا تھا، علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اس کے صدر مدرس تھے۔ ان کے چلے جانے کے بعد حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ کے تمام انتظامات سنبھالے۔ مولوی محمد امین الدین صاحب کی وفات ۱۹۲۰ء کو ہوئی اس کے بعد ۲۶ جون ۱۹۲۰ء کو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ امینیہ کا اہتمام بھی آپؒ ہی کے حوالے کردیا۔

آزادئ ہند کا مطالبہ:

۱۹۱۷ء میں برطانوی وزیر ہند "لارڈ مانٹیگو" ہندوستان آیا۔ اس موقع پر حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کی قومی اور مذہبی اغراض کی حفاظت کے لئے ایک پمفلٹ میں حکومت سے خوداختیاری (آزادئ ہند) کا مطالبہ کیا۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی رہائی کے لئے جدوجہد:

۱۹۱۸ء میں حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے "رولٹ ایکٹ" کے نفاذ اور "تحریک شیخ الہند" (تحریک ریشمی رمال) کے قائدین کی گرفتاری اور جلاوطنی کے بعد "انجمن اعانت نظر بندان اسلام" قائم فرمائی، جس کے سرپرست مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان مرحوم تھے۔

تحریکات میں حصہ:

رولٹ بل ۱۹۱۹ء کے خلاف جب گاندھی جی نے خلافت کمیٹی کی شرکت میں ستیہ گرہ شروع کی تو حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے بڑے انہماک سے اس تحریک میں حصہ لیا۔ آپؒ کے دولت خانے پر ہندوستانی لیڈروں کے بڑے بڑے مشورے ہوتے تھے۔

جمعیت علمائے ہند کی صدارت:

جمعیت علمائے ہند کی تاسیس کے وقت حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کو نائب صدر بنایا گیا تھا اور جمعیت کی صدارت حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے لئے محفوظ رکھی گئی تھی، جو اُس وقت "مالٹا" میں نظر بند تھے۔ چنانچہ جمعیت کے دوسرے اجلاس منعقدہ دہلی کی صدارت حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی۔ اگرچہ علالت کی وجہ سے اجلاس میں تشریف نہ لاسکے اور اجلاس کے بعد آپؒ کا وصال بھی ہوگیا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ۱۹۳۹ء تک حضرت مفتی صاحب قدس سرہ جمعیت علمائے ہند کے صدر رہے۔

## وفات حسرت آیات:

بالآخر نصف صدی دینی وسیاسی جد وجہد میں گزار کر، زمانے کی ناسازگاریوں سے تنگ ہار کر، ملت اسلامیہ کا یہ عظیم شہسوار مؤرخہ ۳۱دسمبر ۱۹۵۲ء شب ساڑھے دس بجے رحمت خداوندی کی آغوش میں ابدی نیند سوکر محو استراحت ہوگیا۔

## حضرت مفتی صاحب قدس سرہ حاسدین ومعاندین کے نشانے پر:

لیکن بایں ہمہ فضل وکمال آپؒ حاسدین ومعاندین کے حسد وعناد کے زہر آلود تیروں سے کسی بھی طرح محفوظ نہیں رہے۔ چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

> "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید کے ہاتھ پر ولی عہدی کی بیعت کرنے والے جملہ صحابہؓ وتابعینؒ کے بارے میں مفتی صاحبؒ سے حسب ذیل ایک غیر موزوں اور نامناسب بلکہ خلاف واقع فتویٰ صادر ہوگیا:
>
> "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کے لئے بیعت لینے میں غلطی کی، کیوں کہ یزید سے بہتر اور اولیٰ وافضل افراد موجود تھے۔" [1]
>
> سوال یہ ہے کہ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت لینے میں غلطی کی تھی تو پھر جن صحابہؓ وتابعینؒ نے یزید کی بیعت کی تھی انہوں نے جانتے بوجھتے ایک غلط کام پر اتفاق کیسے کرلیا تھا؟" [2]

---

[1] (کفایت المفتی، ج ۱ص ۲۳۸، مطبوعہ دار الاشاعت کراچی، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۱۹۲، ۱۹۳)

[2] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین (بحذف واختصار)، ص ۱۹۲، ۱۹۳)

## یزید کی ولی عہدی حضرت معاویہ ﷜ کی اجتہادی غلطی تھی!

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس غلطی سے رائے، تدبیر اور نتائج کی اجتہادی غلطی مراد ہے، جس پر بعض صحابہ و تابعین حضرات نے محض مسلمانوں کو باہمی افتراق و انتشار اور خانہ جنگی سے بچانے کے لئے ایک نیک مصلحت کے تحت یزید کی ولی عہدی کی بیعت کر لی تھی۔

چنانچہ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم ارقام فرماتے ہیں:

''جمہور اُمت کا موقف اس (یزید کی ولی عہدی) کے بارے میں یہ ہے کہ حضرت معاویہ ﷜ کے اس فعل کو بہ لحاظ تدبیر و رائے تو غلط کہا جا سکتا ہے، لیکن اُن کی نیت پر حملہ کرنے اور اُن پر مفاد پرستی کا الزام عائد کرنے کا کسی کو حق نہیں۔'' [1]

اس لئے کہ جس وقت یزید کو ولی عہد بنایا جا رہا تھا اُس وقت بہ کثرت قابل، افضل اور جلیل القدر صحابہ ﷜ صلحائے اُمت اور مدبرین ہستیاں حضرت عبد اللہ بن عباس ﷜، حضرت عبد اللہ بن عمر ﷜، حضرت عبد اللہ بن زبیر ﷜، حضرت عبد الرحمان بن ابی بکر ﷜ اور امام حسین ﷜ وغیرہ کی صورت میں موجود تھیں، جن کے سامنے یزید پر کاہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ ایسے ماحول میں یزید کو خلافت کے لئے نااہل یا غیر موزوں سمجھنا کچھ بھی بعید نہیں تھا۔ زمانہ صحابہ کرام ﷜ اور کبار تابعین کا تھا۔ اُمت میں خیر و صلاح کا دور دورہ تھا۔ تو ایسے حالات میں خلافت کے لئے عدالت و تقویٰ کے جس بلند اور اہم معیار کی ضرورت تھی، یزید کسی بھی طرح اُس پر پورا نہیں اُتر سکتا تھا، اسی لئے بعض صحابہ ﷜ نے یزید کی اس نامزدگی کی خوب کھل کر مخالفت کی تھی۔

## بحالات موجودہ بیعت یزید ناگزیر تھی!

باقی رہی بات اُن بعض صحابہ ﷜ و تابعین ؒ کی کہ جنہوں نے یزید کی بیعت کر لی تھی تو اُس کا جواب یہ ہے کہ اُن حضرات نے محض مسلمانوں کو باہمی افتراق و انتشار اور خانہ جنگی سے بچانے کے لئے ایک نیک مصلحت کے تحت بحالات موجودہ یزید کی بیعت کر لی تھی۔

چنانچہ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم لکھتے ہیں:

''تیسرے صحابہ کرام ﷜ کا ایک گروہ وہ تھا جو حضرت حسین ﷜ اور حضرت ابن

---

[1] (حضرت معاویہ ﷜ اور تاریخی حقائق: ص ۱۱۳، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں یزید کو خلافت کے لئے بہتر تو نہیں سمجھتا تھا، لیکن اس خیال سے اس کی خلافت کو گوارا کر رہا تھا کہ اُمت میں افتراق وانتشار برپا نہ ہو۔ مثلاً حمید بن عبدالرحمان کہتے ہیں کہ: "میں یزید کی ولی عہدی کے وقت حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا جو صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے، تو انہوں نے فرمایا:

"يقولون انما يزيد ليس بخير أمة محمد صلي الله عليه وسلم وأنا أقول ذلک، ولكن لأن يجمع الله أمة محمد احب الي من أن تفترق." [1]

[1] (تاریخ الاسلام للذهبي: ۲/۲۶۷، ۲۶۸، بحوالہ: حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق: ۱۳۳)

ترجمہ: لوگ کہتے ہیں کہ یزید اُمت محمد ﷺ میں سب سے بہتر نہیں ہے اور میں بھی یہی کہتا ہوں، لیکن اُمت محمد ﷺ کا جمع ہو جانا مجھے افتراق کی بہ نسبت زیادہ پسندیدہ ہے۔

اسی طرح علامہ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فعل (یعنی یزید کی ولی عہدی) کو غیر مستحسن قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان معاوية ترک الأفضل في أن يجعلها شوري وأن لا يخص بها أحداً من قرابته فكيف ولداً، و أن يقتدي بما أشار به عبد الله بن الزبير في الترک أو الفعل." [1]

ترجمہ: بلاشبہ افضل یہ تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلافت کے معاملے کو شوریٰ کے سپرد کر دیتے اور اپنے کسی رشتہ دار اور خاص طور سے بیٹے کے لئے اس کو مخصوص نہ کرتے، اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کو جو مشورہ دیا تھا، ولی عہد بنانے یا نہ بنانے میں اسی پر عمل کرتے لیکن انہوں نے اس افضل کام کو چھوڑ دیا۔ (ترجمہ ختم)

## حاصل کلام:

پس ثابت ہوا کہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کو غلط کہنا اپنی جگہ

[1] (العواصم من القواصم لابن العربي المالكي: ۱/۲۲۲، الناشر: وزارة الشؤون الاسلامية و الأوقاف والدعوة والارشاد المملكة العربية السعودية)

بالکل صحیح اور درست ہے۔ اس لئے کہ اہل سنت والجماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں عصمت کا عقیدہ نہیں رکھتے بلکہ اُن سے گناہ و معصیت کے صدور کے قائل ہیں، البتہ اُنہیں مغفور ضرور مانتے ہیں۔

لیکن یہاں پر تو گناہ اور معصیت کا نام بھی نہیں بلکہ غلطی کا ذکر ہے۔ تو اس میں شک ہی کیا ہے کہ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک اجتہادی غلطی تھی کہ اُنہوں یزید جیسے شخص کو اپنا ولی عہد مقرر کیا، جس نے خلافت کو ملوکیت میں بدل دیا اور اُس کے عہد میں ایسے بدترین نتائج برآمد ہوئے کہ جن کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔ بالخصوص واقعہ کربلا، جنگ حرہ اور کعبہ پر سنگ باری یہ ایسے واقعات ہیں کہ انہوں نے پوری دُنیائے اسلام کو لرزہ براندام کر دیا۔

(18)

﴿۱۹﴾

# امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ

## (المتوفی ۱۳۸۱ھ بمطابق ۱۹۶۲ء)

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنؤ سے گیارہ کلومیٹر دور ''اودھ'' کے تاریخی اور مردم خیز قصبہ ''کاکوری'' میں مورخہ ۲۳/ذی الحجہ ۱۲۹۳ھ بمطابق ۱۸۷۶ء کو پیدا ہوئے۔ اور فتح پور میں نشوونما پائی جہاں ان کے والد حکومت کی طرف سے خراج کے محصل تھے۔

ابتدائی کتابیں مولانا نور محمد فتح پوری رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں۔ پھر لکھنؤ کا سفر کیا اور تمام درسی کتابیں مولانا عین القضاۃ حیدر آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے ۱۳۱۰ھ تا ۱۳۱۷ھ کے دوران پڑھیں، اور کافی عرصہ اُن کی خدمت میں رہے۔

آپؒ کے والد مولانا ناظر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دوران تعلیم ہی آپ کا نکاح سید ذاکر علی کی دختر نیک اختر نجیب الطرفین سیدہ کے ساتھ کر دیا تھا۔

علم طب کی تحصیل حکیم عبدالولی مرحوم سے کی۔ پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تدریس پر مامور ہوئے اور ایک عرصہ تک اپنا مشغلہ تدریس جاری رکھا۔ پھر دہلی چلے گئے اور مرزا حیرت کے مطبع میں کام کرتے رہے۔ مرزا حیرت کی طرف سے قرآن مجید اور صحیح بخاری کا ترجمہ کیا۔ پھر لکھنؤ آکر اپنے استاذ کے مدرسہ فاروقیہ میں تدریس کرنے لگے اور ایک مدت تک وہاں پڑھاتے رہے۔

۱۳۲۱ھ میں وہاں سے علیحدگی اختیار کی اور تصنیف و تالیف اور مناظرہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اہل سنت کے دفاع اور شیعہ کے رد میں کئی کامیاب مناظرے کئے۔ فقہ میں گہری نظر رکھتے تھے اور قرآن میں نظر نہایت وسیع تھی

آخری عمر میں جیل میں رہتے ہوئے تھوڑے سے عرصہ میں قرآن مجید حفظ کرلیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدح ہر صورت کرتے تھے اور کسی قانون کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف میں

﴿۱﴾ علم الفقہ (سات جلدوں میں) ﴿۲﴾ ترجمہ اسد الغابہ ﴿۳﴾ ترجمہ تاریخ طبریؒ ﴿۴﴾ ترجمہ ازالۃ الخفاء ﴿۵﴾ مجموعہ تفسیر آیات الامۃ والخلافۃ (بارہ رسائل پر مشتمل) ﴿۶﴾ سیرت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ﴿۸﴾ تحفۂ عنبریہ (سیرۃ النبی ﷺ کے موضوع پر) اور ﴿۹﴾ سیرۃ الحبیب الشفیع من الکلام العزیز الرفیع وغیرہ کتابیں شامل ہیں۔

مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ ابو احمد خلیفہ حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور خلافت حاصل کی۔ سات مرتبہ حج کی سعادت حاصل کی اور دو مرتبہ مدح صحابہ رضی اللہ عنہم کے سلسلہ میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔

آپؒ بیک وقت بہترین مفسر نامور محدث اور بے بدل مؤرخ ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ فقیہ اور عظیم مناظر بھی تھے۔

آپؒ نے لکھنؤ میں "دارُ المبلّغین" کے نام سے اپنا ایک مرکز قائم کیا جہاں آپؒ نے آخر دم تک دفاع صحابہ رضی اللہ عنہم و اہل بیت رضی اللہ عنہم اور مسلک اہل سنت والجماعت کی حفاظت و اشاعت کے ناقابل فراموش تاریخی کارنامے سرانجام دیئے اور مختلف علماء کو فرق باطلہ سے ٹکر لینے کے علمی انداز سکھائے اور سینکڑوں علماء نے آپؒ سے فن مناظرہ میں تربیت حاصل کی۔

ردّ شیعت میں تو وہ شمشیر بے نیام تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی زبان اور قلم سے دفاع صحابہ رضی اللہ عنہم کا عظیم کام لیا جس کی بناء پر انہیں بجا طور پر "امام اہل سنت" کا عظیم خطاب عطاء کیا گیا۔

آپؒ کی ذات جامع کمالات اور سلف صالحین کا نمونہ تھی۔ علم و عمل اور تدین و تقویٰ میں آپؒ کا مقام بہت بلند تھا۔ درس و تدریس، تصنیف و تالیف، وعظ و تبلیغ اور ارشاد و ہدایت غرضیکہ تمام شعبہ ہائے زندگی میں آپؒ کے کارہائے نمایاں محفوظ ہیں۔

نصف صدی تک آپؒ کا فیض برابر جاری رہا۔ اور زندگی کے آخری پچیس، تیس سالوں میں آپؒ خاموشی، گوشہ نشینی اختیار کر کے "موتوا قبل ان تموتوا" کی عملی تفسیر بن گئے۔ اور بالآخر ۱۷/ ذی قعدہ ۱۳۸۱ھ بمطابق

۲۳ر اپریل ۱۹۶۲ء بروز پیر بعد از نمازِ عصر آپؒ نے اس جہانِ فانی سے کوالوداع کہا۔

## مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ حاسدین ومعاندین کے نشانے پر:

لیکن بایں ہمہ فضل وکمال آپؒ معاندین وحاسدین کی حسد وعناد کی آگ سے کسی طرح محفوظ نہیں رہے۔

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت موصوف کی زبان سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک ''تنقیصی'' جملہ نکل گیا تھا، جسے بعد میں نہ صرف شہرت حاصل ہوئی، بلکہ اُسے حق بر اعتدال بھی قرار دے دیا گیا۔

چنانچہ مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ بروایت مولانا محمد منظور نعمانی فرماتے ہیں کہ:

''ایک موقع پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درجات کا فرق بیان کرتے ہوئے (مولانا عبد الشکور لکھنویؒ نے) ارشاد فرمایا: ''حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سابقین اولین کی بھی پہلی صف کے اکابر میں ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ صحابی ہونے کی حیثیت سے ہمارے سرتاج ہیں لیکن حضرت علی المرتضیٰ سے ان کو کیا نسبت؟ ان کی مجلس میں اگر صف نعال میں بھی حضرت معاویہ کو جگہ مل جائے تو ان کے لئے سعادت اور باعث فخر ہے۔[1]

امام اہل سنتؒ کے عظیم کام اور بلند علمی مقام کے پیش نظر بالکل یقین نہیں آتا کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین تقابل کرتے ہوئے یہ کہا ہوگا کہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مجلس میں اگر صف نعال (یعنی جوتوں کی صف) میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جگہ مل جائے تو اُن کے لئے سعادت اور باعث افتخار ہے۔'' لیکن مولانا محمد منظور نعمانی، سید نفیس الحسینی شاہ صاحبؒ، مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ، نبیرۂ امام اہل سنت پروفیسر عبد الحی فاروقی لکھنویؒ، اور مفتی محمد سعید خان صاحب کی تصدیقات نے اسے تسلیم

---

[1] (تحفۂ خلافت: ص ۱۵۔ ناشر تحریک خدام اہل سنت پاکستان، جہلم، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۲۱ے)

کرنے پر مجبور کر دیا ہے کہ یہ قول ان ہی کا ہوگا۔'' [۱]

## امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کے زیر بحث قول کی مختلف توجیہات:

مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا قول کے متعلق ہمارے بعض اکابر علماء نے چند مختلف توجیہات پیش فرمائی ہیں انہیں ملاحظہ فرمایئے۔

۱۔مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ موصوف کے اس قول کی تحسین فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''تصوف کا اثر کہیے یا مولانا کی سلامت طبع اور حقیقت پسندی کہ فرقہ اثنا عشریہ سے طویل مناظرہ کے باوجود حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں انہوں نے ہمیشہ فرق مراتب کالحاظ رکھا ہے۔'' [۲]

۲۔اور نبیرۂ امام اہل سنت پروفیسر محمد عبد الحی فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''(مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے) جہاں اسلام کے چوتھے خلیفہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب کو محبت واحترام کے ساتھ بیان کیا ہے، وہیں اسی پاس ولحاظ کے ساتھ آنحضور ﷺ کے عظیم المرتبت صحابی اور کاتب وحی الہی حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے بھی فضائل ومناقب کو بیان کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ دونوں بزرگوں میں جو فرق مراتب تھا اس کو بھی ملحوظ خاطر رکھا ہے۔۔۔۔الخ۔'' [۳]

۳۔اور مولانا منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''ان (مذکورہ بالا دونوں شہادتوں) سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آپ (مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ) نے مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور دیگر اختلافی امور میں کبھی جادۂ حق سے انحراف نہیں کیا اور ہمیشہ مسلک وسط کو اختیار کیا ہے۔۔۔۔الخ۔'' [۴]

---

۱ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۲۱۸)

۲ (پرانے چراغ حصہ دوم ص ۲۲۳)

۳ (خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ص ۱۲، ۱۳ بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۲۱۹، ۲۲۰)

۴ (امام اہل سنت مولانا عبد الشکور فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ حیات وخدمات ص ۶۲۶، ۶۲۷)

## امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کے زیر بحث جملہ کی بہترین توجیہ:

اوّل تو پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا یہ استدلال ہی بالکل غلط ہے، اس لئے کہ موصوف نے "صف نعال" کا ترجمہ "جوتوں کی صف" سے کیا ہے، حالاں علمائے اہل لغت نے اس کا ترجمہ اس صف سے کیا ہے، جو باہر کی جانب اہل مجلس کے جوتے اتارنے کی جگہ سے متصل ہو۔

چنانچہ مولانا محمد غیاث الدین بسال رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۴۲ھ) لکھتے ہیں:

"صف نعال: بکسر نون، صف آخرین کہ بجانب بیرون باشد کہ اہل مجلس متصل آن نعلین از پا گزارند۔"[1]

ترجمہ: "صف نعال" نون کی زیر کے ساتھ، وہ آخری صف جو باہر کی جانب ہوتی اس کے متصل اہل مجلس پاؤں سے جوتے اتارتے ہیں۔ (ترجمہ ختم)

اور دوسرے یہ کہ امام اہل سنت مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول اپنے حقیقی معنی پر محمول نہیں، بلکہ مجازی معنی پر محمول ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی ﷛ صف اوّل کے صحابہ ﷡ میں سے ہیں اور حضرت معاویہ ﷛ آخری صفوں کے صحابہ ﷡ میں سے ہیں۔

## حسب مراتب صحابہ کرام ﷡ کے بارہ طبقات:

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۲۳ھ) فرماتے ہیں کہ علمائے کرام نے ترتیب کے مطابق صحابہ کرام ﷡ کے چند (بارہ طبقے) بیان فرمائے ہیں، اُن میں سے ایک امام حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں کہ جنہوں نے اپنی کتاب "علوم الحدیث" میں صحابہ کرام ﷡ کو اس طرح بارہ طبقات میں تقسیم کیا ہے:

### پہلا طبقہ:

وہ لوگ جو مکہ میں آنحضرت ﷺ کی ابتدائے بعثت کے وقت اسلام لائے۔ یہ لوگ تمام مسلمانوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں۔ جیسے حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا، حضرت علی بن ابی طالب ﷛ حضرت ابوبکر صدیق ﷛ حضرت زید بن حارثہ ﷛، اور باقی عشرہ مبشرہ۔

---

[1] (غیاث اللغات (فارسی) ص ۳۳۲، باب صاد مہملہ، ناشر: قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی)

دوسرا طبقہ:

دار الندوہ والے صحابہ ﷺ کا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب ﷺ کے اسلام لانے کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر ﷺ اور جو آپ کے ساتھ مسلمان تھے انہیں ''دار الندوہ'' کی طرف بھیج دیا۔ جس کی وجہ سے اہل مکہ کی ایک جماعت نے اسلام قبول کر لیا۔

تیسرا طبقہ:

اُن لوگوں کا ہے کہ جنہوں نے مشرکین (مکہ) کی تکلیفوں سے بھاگ اپنے دین کی خاطر حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ جن میں سے حضرت جعفر بن ابی طالب ﷺ اور حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد ﷺ ہیں۔

چوتھا طبقہ:

عقبۂ اولیٰ کے صحابہ ﷺ کا ہے، جو انصار سے پہلے اسلام لائے۔ اور یہ چھ حضرات ہیں۔ اور عقبۂ ثانیہ کے صحابہ ﷺ کا ہے جو آئندہ سال پیش آیا، اور یہ بارہ حضرات ہیں۔

پانچواں طبقہ:

عقبۂ ثالثہ کے صحابہ ﷺ کا ہے۔ اور یہ ستر (۷۰) انصار صحابہ ﷺ ہیں۔ جن میں براء بن معرور ﷺ، عبد اللہ بن عمرو بن حرام ﷺ، سعد بن عبادہ ﷺ، سعد بن ربیع ﷺ، اور عبد اللہ بن رواحہ ﷺ (وغیرہ حضرات شامل) ہیں۔

چھٹا طبقہ:

اُن مہاجرین صحابہ ﷺ کا ہے جو ہجرت کے بعد آنحضرت ﷺ سے جا ملے، جب کہ آپ ﷺ قباء میں تھے اور ابھی تک مسجد قباء نہیں بنی تھی اور نہ ہی آپ ﷺ مدینہ میں داخل ہوئے تھے۔

ساتواں طبقہ:

بدر کبریٰ کے صحابہ کا ہے۔ حضور اقدس نے حاطب بن ابی بلتعہ کے قصہ میں حضرت عمر سے فرمایا کہ:

آٹھواں طبقہ:

اُن صحابہ ﷺ کا ہے کہ جو بدر اور حدیبیہ کے درمیانی زمانہ میں اسلام لائے۔

**نواں طبقہ:**

بیعت رضوان والے صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے، جنہوں نے حدیبیہ میں درخت کے نیچے بیعت کی تھی۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: "ان شاء اللہ اور خت (کے نیچے بیعت کرنے) والے صحابہ رضی اللہ عنہم میں کوئی ایک بھی (جہنم کی) آگ میں داخل نہ ہوگا۔"

**دسواں طبقہ:**

اُن صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے جو حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے۔ جیسے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔ اس سلسلہ میں بعض علماء حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کا نام بھی ذکر کرتے ہیں، لیکن حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہاں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کا نام ذکر کرنا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اُنہوں نے حدیبیہ سے پہلے اور خیبر کے بعد بلکہ خیبر کے آخر میں ہجرت کی ہے۔

**گیارھواں طبقہ:**

اُن لوگوں کا ہے جو فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ اور یہ بہت زیادہ لوگ ہیں۔ ان میں سے بعض نے تو دلی رغبت اور خوشی سے اسلام قبول کیا، اور بعض نے تنگ اور مجبور ہو کر اسلام قبول کیا۔ پھر ان میں سے بعض کا اسلام اچھا ہوگیا۔ **واللہ اعلم بھم**۔

**بارھواں طبقہ:**

وہ مسلمان بچے کہ جنہوں نے آنحضرت ﷺ کا زمانہ پایا اور اُنہوں نے فتح مکہ کے سال اور اُس کے بعد حجۃ الوداع وغیرہما میں آپ ﷺ کی زیارت کی۔ جیسے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ [۱]

---

[۱] طبقات الصحابة : وقد ذكر العلماء للصحابة ترتيبا على طبقات ، وممن قسمهم كذلك الحاكم في "علوم الحديث" الطبقة الأولى : قوم أسلموا بمكة أول البعث ، و هم سباق المسلمين ، مثل : خديجة بنت خويلد ، و علي بن أبي طالب ، و أبي بكر الصديق ، و زيد ابن حارثة ، و بقية العشرة . وقد تقدم الخلاف في أوّل من أسلم في المقصد الأول . المقصد الثانية: اصحاب دار الندوة . بعد اسلام عمر بن الخطاب حمل النبي صلى الله عليه وسلم و من معه من المسلمين الى دار الندوة ، فاسلم لذلك جماعة من أهل مكة . الطبقة الثالثة : الذين هاجروا الى الحبشة فراراً بدينهم من أذى المشركين أهل مكة ،منهم : جعفر بن أبي طالب ، و أبو سلمة بن عبد الأسد

مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے انہی فرق مراتب کو سامنے رکھتے ہوئے ایک بلیغ استعارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا باہمی مقام ومرتبہ بیان فرمایا ہے۔ اس سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ واقعی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مجلس میں تشریف لائیں تو انہیں جوتوں کی جگہ ملے گی یا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مجلس میں جوتوں کی جگہ میں بیٹھنے کے قابل ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شمار صف اول کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اگرچہ جلیل القدر اور کبار صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہ نسبت آپ کا شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اُن آخری صفوں میں ہوتا ہے کہ جن کے لوگ فتح مکہ سے پہلے ایمان لے آئے تھے۔ اور یہ تو آپ نے ملاحظہ فرمالیا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کو علماء نے طبقات صحابہ رضی اللہ عنہم کے دسویں طبقہ میں شمار کیا ہے۔

اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے متعلق یہ بات کتب تواریخ میں قطعی طور پر مذکور ہے کہ انہوں

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

=الطبقة الرابعة : أصحاب العقبة الأولي وهم سابق الأنصار الي الاسلام، و كانوا ستة، و أصحاب العقبة الثانية من العام المقبل و كانوا اثني عشر وقد قدمت أسماء أهل العقبتين في المقصد الأولي .الطبقة الخامسة :أصحاب العقبة الثالثة و كانوا سبعين من الأنصار منهم البراء بن معرور وعبد الله بن حرام وسعد بن عبادة وسعد بن الربيع وعبد الله بن رواحة. الطبقة السادسة : المهاجرون الذين وصلوا الي النبي صلي الله عليه وسلم بعد هجرته و هو بقباء، قبل أن يبني المسجد، وينتقل الي المدينة . الطبقة السابعة : أهل بدر الكبريٰ : قال صلي الله عليه وسلم لعمر في قصة حاطب ابن أبي بلتعة : وما يدريک لعل الله اطلع علي هذه العصابة من أهل بدر، فقال : اعملوا ماشئتم، فقد غفرت لكم (رواه مسلم) الطبقة الثامنة : الذين هاجروا بين بدر والحديبية . الطبقة التاسعة : أهل بيعة الرضوان الذين بايعوا بالحديبية تحت الشجرة، قال صلي الله عليه وسلم : لا يدخل النار ان شاء الله تعالي من أصحاب الشجرة أحد . ( رواه مسلم ). الطبقة العاشرة : الذين هاجروا بعد الحديبية و قبل الفتح كخالد بن الوليد وعمرو بن العاص ومثل بعضهم بأبي هريرة لكن قال الحافظ العراقي : لايصح التمثيل به فانه هاجر قبل الحديبية عقب خيبر بل في أواخرها . الطبقة الحادية عشر : الذين أسلموا يوم الفتح وهم خلق كثير فمنهم من أسلم طائعا ومنهم من أسلم كارها ثم اسلام بعضهم . والله أعلم بهم . الطبقة الثانية عشر : صبيان أدركوا النبي صلي الله عليه وسلم، ورأوه عام الفتح وبعده في حجة الوداع وغيرهما كالسائب بن يزيد ." (المواهب اللدنية بالمنح المحمدية للقسطلاني : ٦٩٩/٢ ـ ٧٧٠، الناشر : المكتبة التوفيقية، القاهرة، المصر)

نے عمرۃ القضاء ۷ھ کے موقع پر اسلام قبول کرلیا تھا، لیکن فتح مکہ تک انہوں نے اپنا اسلام اپنے والدین کے ڈر سے چھپائے رکھا، یا فتح مکہ کے دن ۸ھ میں (علی حسب اختلاف الاقوال) آپ مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ اس لئے کہ سن سات، یا آٹھ ہجری سے قبل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا۔

پس جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دسویں طبقہ میں ہوتا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شمار پہلے طبقہ میں ہوتا ہے، تو ایسے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مرتبہ کے برابر یا اس کے قریب قریب کیوں کر رکھا جا سکتا ہے؟۔

بہر حال جس شخص نے اپنی پوری زندگی مدح صحابہ رضی اللہ عنہم و ردِ قدح صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے رفیع العظمت اور عظیم المرتبت کام میں بسر کی ہو اُس کی ذات سے ایسے بلیغ استعارات کے صادر ہونے کو اس قسم کے غلط معنی پر محمول کرنا کسی طرح بھی قرین انصاف نہیں، بلکہ عقل اور سمجھ سے باہر ہے۔

## ولی عہد بنتے وقت یزید کی کیفیت:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

> "موصوف (نبیرۂ امام اہل سنت پروفیسر عبدالحی فاروقی لکھنوی) بحوالہ علامہ ابن حجر مکی تحریر کرتے ہیں کہ:
>
> "..... لیکن اس کے باوجود بعض (صحابہؓ) سے ایسی باتیں صادر ہوئی ہیں جو اُن کے مرتبہ کے لائق نہ تھیں، جیسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو خلیفہ بنا دیا۔ بیٹے کی شدید محبت نے اُس کے کمالات اُن کی نظر میں جما دیئے تھے اور اُس کے عیوب اُن کی نظروں سے پوشیدہ کردیئے تھے حالاں کہ اُس کے عیوب آفتاب سے بھی زیادہ روشن تھے۔ پس یہ بات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مرتبہ کے لحاظ سے لغزش تھی (جس پر) اللہ اُن کو بخش دے گا۔ مگر کسی دوسرے کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تقلید اس فعل میں جائز نہیں۔ اور جو شخص اس بات میں ان کی تقلید کرے گا وہ سرنگوں کر کے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔"[1]

مذکورہ تفصیل سے یہ عیاں ہو گیا کہ یزید میں فسق تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے

---

[1] (امام اہل سنت علامہ عبدالشکور فاروقی لکھنوی۔ حیات و خدمات ص ۶۲۷، ۶۲۸، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۲۲۵)

انہیں امیر بنانے میں خطائے اجتہادی ہوئی تھی۔ تطہیر الجنان کا اردو میں ترجمہ کر کے حضرت لکھنوی نے دوبارا سے شائع کیا تھا، مگر اس مقام پر انہوں نے کوئی اختلافی نوٹ نہیں لگایا، جس سے معلوم ہوا کہ وہ بھی اس رائے سے متفق تھے، ورنہ ضرور اس کے خلاف اپنی رائے تحریر کرتے۔

موصوف کی اس توضیح'' کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس استخلاف میں معذور تھے، کیوں کہ وہ اس کے'' فاسقانہ و فاجرانہ'' اعمال سے بے خبر تھے۔ اور دوسری طرف یہ فرمانا کہ: '' اس کے عیوب آفتاب سے بھی زیادہ روشن تھے، مگر بیٹے کی شدت محبت نے اُس کے عیوب ان کی نظروں سے پوشیدہ کردیئے تھے۔'' کو صحیح تسلیم کرنے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی برأت'' بعید از فہم'' ہے۔ سخت حیرت ہے کہ جس شخص کے عیوب آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہوں اُس سے خود اس کا اپنا والد اور اپنے وقت کا عظیم سیاست دان، مدبر اعظم اور خلیفۂ وقت بے خبر ہو؟ پھر ایسے فاسق و فاجر بیٹے کو محض '' شدت محبت'' سے مغلوب ہو کر اُمت مسلمہ پر مسلط کردیا جائے۔ فیا اُسفا!''

تعجب بالائے تعجب یہ کہ دیگر سینکڑوں صحابہ رضی اللہ عنہم اور ہزاروں تابعینؒ نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس طویل دورانیے میں اس کے'' فاسقانہ و فاجرانہ'' اعمال سے آگاہ کرنے کے بجائے اُلٹا پہلے ولی عہدی اور بعد میں خلافت کی بیعت کر کے اسی خطائے اجتہادی کا ارتکاب کرلیا۔ [۱]

## پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب سے ایک سوال:

اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ عرض ہے کہ یہ عبارت حضرت لکھنوی کی نہیں بلکہ علامہ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جیسا کہ خود پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے بھی لکھا ہے کہ:

'' موصوف بحوالہ علامہ ابن حجر کی تحریر کرتے ہیں کہ:..... الخ۔'' [۲]

---

[۱] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۲۲۴، ۲۲۵)

[۲] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۲۲۴)

پھر معلوم نہیں کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب علامہ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کو اُٹھا کر مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف کیوں اعتراض اُٹھا رہے ہیں؟۔

## ایک وہم اور اُس کا ازالہ

ہاں زیادہ سے زیادہ اس بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت:

"یغفرھا اللہ۔"[1]

کا ترجمہ (اللہ اُن کو بخش دے گا) مستقبل کے صیغہ کے ساتھ کیا ہے، جس کا مطلب بقول پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے یہ بنتا ہے کہ: "ابھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بخشش نہیں ہوئی۔"

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے اُخروی مغفرت اور بخشش مراد ہے۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی دُنیا میں مغفرت اور بخشش کی ہے، اسی طرح آخرت میں بھی وہ ان کی مغفرت اور بخشش کرے گا۔

## ہاشمی صاحب کی تلبیس اور علامہ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کی توضیح:

اور دوسرے یہ کہ یہاں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے انتہائی دجل و تلبیس سے کام لیا ہے، اور قارئین باتمکین کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی ناکام سی کوشش کی ہے کہ یزید کے فاسقانہ و فاجرانہ اعمال اور یزید کی عیوب و نقائص کو شئے واحد کے طور پر ذکر کیا ہے، جس سے بجا طور پر ہر شخص کے ذہن میں لازماً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس شخص کے عیوب و نقائص آفتاب سے بھی زیادہ رُوشن ہوں تو اُس سے خود اُس کا اپنا والد اور اپنے وقت کا عظیم سیاست دان، مدبر اعظم، اور خلیفہ وقت کیوں کر بے خبر ہوسکتا ہے؟۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یزید کے فاسقانہ و فاجرانہ اعمال سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بے خبر ہونا اور چیز ہے اور اس کے عیوب و نقائص کا آفتاب سے زیادہ رُوشن ہونا دوسری چیز ہے۔ یزید کے فاسقانہ و فاجرانہ اعمال سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بے خبر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یزید خلیفہ بننے سے پہلے چھپ چھپ کر بعض خلاف شرع اُمور کا ارتکاب کرتا تھا جس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین سمیت سب بے خبر تھے۔

---

[1] تطہیر الجنان و اللسان عن الخطور و التفوہ بثلب معاویۃ بن أبي سفیان للہیتمي: ص ۵۹، مکتبۃ الحقیقۃ، شارع دار الشفقۃ، فاتح ۵۷ ۱۰ استنبول (ترکي)

اور اس کے عیوب و نقائص کا آفتاب سے زیادہ روشن ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اُس کی فطرتی عادات مثلاً عدم برداشت، جلد بازی، اور غصہ وغیرہ آفتاب سے زیادہ روشن تھیں، اور انہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت ہر شخص خوب اچھی طرح سے جانتا تھا۔

چنانچہ ولی عہد بنتے وقت یزید کے فسق و فجور کے واقعات مستور تھے اور وہ کسی کو بھی معلوم نہیں تھے، ان کا ظہور تو خلافت کے دوسرے، اور تیسرے سال میں ہوا، جب اُس نے خوب کھل کر خلاف شرع کام کرنے شروع کر دیے، اور یا آ خر انہی خلاف شرع کاموں کے باعث مدینہ میں اُس کے خلاف خروج ہوا۔

امام حسین رضی اللہ عنہ، اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے جو یزید کی ولی عہدی کی مخالفت کی تھی تو وہ اُس کے اُمور عادیہ و خصائل فطریہ کی بناء پر ہی کی تھی، نیز اس وجہ سے کی تھی تاکہ خلافت کی جگہ ملوکیت نہ لے لے، اس وجہ سے نہیں کی تھی کہ ولی عہد بنتے وقت یزید میں فسق و فجور آفتاب سے زیادہ روشن تھے، بلکہ تھے بھی تو وہ بھی لوگوں کی نظروں سے مستور اور پوشیدہ تھے وگرنہ تو پھر بقول پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے بات اُس وقت کے سینکڑوں صحابہ رضی اللہ عنہم اور ہزاروں تابعینؒ پر آجاتی ہے کہ اُنہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس طویل دورانیے میں یزید کے ''فاسقانہ و فاجرانہ'' اعمال سے آگاہ کرنے کے بجائے اُلٹا پہلے خود یزید کی ولی عہدی کو قبول کیا ہے اور بعد میں خلافت کی بیعت کر کے ایک عظیم گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔

(۱۹)

﴿۲۰﴾

# شیخ الحدیث مولانا عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

## (المتوفی ۱۴۲۰ھ / ۱۹۹۹ء)

مولانا عبدالرشید نعمانی ایک مشہور و معروف اور صاحب تصنیف عالم دین ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ محبت وعقیدت کی وجہ سے نسبت ''نعمانی'' ان کی پہچان بن گئی ہے۔ ایک عرصہ تک جامعہ اسلامیہ بہاول پور بطور استاذ حدیث تدریسی فرائض سرانجام دیتے رہے، جب کہ اس دور میں شیخ الحدیث کا منصب مولانا سید احمد سعید کاظمی کے پاس تھا۔ موصوف نے بعد میں جامعہ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں بھی کچھ عرصہ تک تدریسی ذمہ داری نبھائی، لیکن انہیں سب سے زیادہ شہرت محمود احمد عباسی کے افکار و نظریات کا انتہا پسندانہ تعاقب کرنے کی وجہ سے حاصل ہوئی۔

### مولانا نعمانی پر پہلا اعتراض:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''ایک مرتبہ علماء کی ایک مجلس (جس میں مولانا عبداللہ شہیدؒ، مولانا پیر سیف اللہ خالدؒ اور مولانا عبدالرشید نعمانی وغیرہ حضرات بھی شریک تھے) کے دوران مولانا عبدالغفور سیالکوٹی نے عرض کیا کہ: ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی، طاغی، جائر اور ظلمی وغیرہ کہنے کے بجائے اگر ان کے اس اقدام کی کوئی ایسی مناسب تاویل وتوجیہ کر لی جائے جس سے ان کو یہ کچھ کہنا نہ پڑے تو کیا زیادہ مناسب نہ ہوگا؟'' حضرت مولانا نعمانی مدظلہ نے برجستہ جواب فرمایا کہ: ''ہاں! کتاب الحدود میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے مذکورہ واقعات کی جو توجیہ تم کر سکتے ہو وہ

یہاں بھی کرلو!... نیز فرمایا کہ ''حضرت نانوتویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کوئی اتنے بڑے صحابی نہیں ہیں کہ ان کے ہر قول و فعل کی ہم توجیہ کرتے پھریں۔''

حضرت مولانا نعمانی کی یہ دونوں باتیں نہ صرف حد درجہ غلط اور لغو ہیں، بلکہ ان کی سبائیت گزیدگی کی بین دلیل بھی ہیں۔''[1]

## مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے مؤقف کی توضیح:

خلیفہ برحق یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف جو ناحق خروج کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے خطاء صادر ہوئی ہے اُس کی وجہ سے وہ فی نفسہٖ یقیناً بغاوت کے مرتکب ہوئے ہیں اور اسی وجہ سے جمہور علمائے سلف و خلف نے فقہی اصطلاح کے اعتبار سے اُنہیں ''باغی'' کہا ہے، لیکن چوں کہ وہ ایک صحابیٔ مجتہد تھے اور اُن کا یہ عمل ان کی اجتہادی رائے سے وجود میں آیا تھا اگرچہ اُن کا یہ اجتہاد غلط ہی تھا، اس لئے اُن کے مجتہد ہونے کی بناء پر اُن کے اس عمل کو فقہی اعتبار سے بغاوت کہا جائے گا نہ کہ عرفِ عام کے اعتبار سے۔ نیز چوں کہ اُن کا یہ اجتہاد غلطی پر مبنی تھا اس لئے اس اجتہاد میں اُنہیں مجتہد مخطی مان کر فقہی اعتبار سے باغی ضرور کہیں گے۔ اس کے علاوہ اور کوئی تاویل ایسی ممکن ہی نہیں کہ جس کی وجہ سے اُنہیں باغی و خاطی وغیرہ کہنے کے بجائے اُن کے اس اقدام کو کسی طرح دُرست کہا جاسکے۔

چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کو اگر فی نفسہٖ حقیقت کے آئینہ میں دیکھا جائے تو بلاشبہ اُن کا یہ عمل خروج کے زُمرے میں آتا ہے، اور وہ اس اقدام کی وجہ سے فقہی اصطلاح کے اعتبار سے باغی کہلائیں گے۔

اور اگر بالکل ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو غلطی سے پاک مان لیا جائے تو پھر اس صورت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ناحق ہونا لازم آئے گا، بایں حیثیت کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کے گروہوں میں سے ایک گروہ کے مؤقف کا دُرست اور دوسرے گروہ کے مؤقف کا غلط ہونا لازم آئے گا، تو اب اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے نافذ ہونے کے قائل نہیں تھے) غلطی سے مبرا تسلیم کر کے مجتہد مصیب مان لیا جائے تو اس صورت میں خلیفہ برحق یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا عدمِ نفاذ لازم آئے گا، اور یہ بات اجماعِ اُمت اور مسلکِ اہلِ سنت کے بالکل خلاف ہے۔

اور اگر اس کے برعکس حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اہلِ شام کے مؤقف کے مقابلہ میں مجتہد مصیب مان لیا جائے

---

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۴۳ تا ۴۷)

(جیسا کہ واقعہ میں بھی ہے) تو ایسی صورت میں حضرت معاویہ ؓ اور اُن کے ساتھیوں کا غلطی پر ہونا لازم آئے گا۔ اور یہی بات جمہور علمائے سلف وخلف کے نزدیک قرین قیاس بھی ہے۔

چنانچہ اہل سنت کا عقیدہ یہی ہے کہ حضرت علی ؓ اس جنگ میں مجتہد مصیب اور اُن کے ساتھی حق پر تھے اور حضرت معاویہ ؓ مجتہد مخطی ہونے کے سبب اپنے تمام ساتھیوں سمیت فقہی اصطلاح کے اعتبار سے "باغی" کہلائے گئے۔

پس حضرت معاویہ ؓ اور اُن کے ساتھیوں کے اس غلط اقدام کی بناء پر سوائے اس کے اور کچھ بھی ممکن نہیں کہ انہیں لشکر علوی ؓ کے مقابلہ میں باغی اور خاطی قرار دیا جائے، اور یہی موقف تمام اہل سنت کا ہے، جسے مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے، اور جسے پروفیسر آں موصوف سبائیت گزیدگی کی مثال قرار دے رہے ہیں، جب کہ حقیقت میں وہ خود ناصبیت گزیدہ ہیں، اگر ہمت ہے تو مولانا نعمانی کو کوسنے کے بجائے اُن کی دلیل کا جواب دیں!۔

باقی جہاں تک بات ہے مولانا نعمانی کی اس تحقیق کی کہ

> "حضرت نانوتویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ ؓ کوئی اتنے بڑے صحابی نہیں ہیں کہ ان کے ہر قول وفعل کی ہم توجیہ کرتے پھریں۔"

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اس بات کی نسبت کرنا خلاف تحقیق ہے۔ لگتا یوں ہے کہ مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تحقیق "انوار النجوم ترجمہ قاسم العلوم" سے نقل کی ہے، جو اس کے مترجم مولانا انوار الحسن شیرکوٹی رحمۃ اللہ علیہ سے دوران ترجمہ سہواً ونسیاناً غلط ترجمانی کے نتیجہ میں واقع ہوئی ہے۔

ہم نے اس حقیقت کا سراغ لگانے کے لئے "حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ" کے عنوان کے تحت گزشتہ صفحات میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں فاضلانہ بحث کی ہے، اور مولانا انوار الحسن شیرکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کی غلطی کی نشان دہی کر کے حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ پر سے نقد معاویہ ؓ کے بدنما داغ کو مکمل طرح سے صاف کیا ہے۔ من شاء فلیراجع۔

## مولانا نعمانی پر دوسرا اعتراض:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مولانا عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اقتباس نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مشرق میں جب بنی عباس کے ہاتھوں بنی اُمیہ کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور ان کا آخری حکمران مروان الحمار قتل ہوگیا تو اس کے قتل کے ساتھ ہی اس فرقہ نواصب کا بھی جس کو شیعہ مروانیہ اُمویہ اور شیعہ عثمانیہ بھی کہا جاتا ہے خاتمہ ہوگیا، اور پھر دُنیا ان کے ناپاک وجود سے جلد ہی پاک ہوگئی۔'' [1]

## " للأكثر حكم الكل " کا قاعدہ:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو مولانا عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت پر یہ اعتراض ہے کہ انہوں نے ایک ہی لاٹھی سے ہانک کر بلا استثناء حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور تمام بنوأمیہ کو نواصب اور ان کے وجود کو ناپاک کہا ہے۔ تو اس کا جواب وہی ہے جو مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے اسی موقع پر مولانا عبیداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیا تھا کہ

''استثناء بر بنائے اعمال صالحہ ہر حال میں قدرتی طور پر موجود ہے اور حکم اکثر پر ہوتا ہے۔'' [2]

اس لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنے اعمال غیر اُمویہ واتباع سنت شیخین جلیلین کی بناء پر ان مذکورہ بالا بنواُمیہ کے دونوں اوصاف قبیحہ وصفات شنیعہ سے کلی طور پر مستثنیٰ ہیں۔

علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۷۴ھ) لکھتے ہیں:

" وفي الحديث الصحيح قال الحاكم : على شرط الشيخين عن أبي برزة رضي الله عنه كان أبغض الأحياء أو الناس الى رسول الله صلى الله عليه وسلم بنو أمية . ومعاوية من بني أمية فهو من الأشرار ...... وجوابه انما المراد من الحديث أن أكثر بني أمية موصوف بالشرية والأبغضية فلا ينافي أن أقلهم ليسوا أشراراً ولا مبغوضين بل هم من خيار الأمة واكبر الأئمة. " [3]

ترجمہ: ایک صحیح حدیث میں آیا ہے (امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ

---

[1] (حادثۂ کربلا کا پس منظر ۱۳۱، ۱۳۲ بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ۲۷۵)

[2] (ماہنامہ الہلال کلکتہ ۱۹۱۳ء)

[3] (تطهير الجنان واللسان عن الخطور والتفوه بثلب معاوية بن أبي سفيان للهيتمي ـ ص ۳۰ ، الناشر ـ مكتبة الحقيقة شارع دار الشفقة ، فاتح ۵۷ ، استنبول ـ تركيا )

حدیث شیخین کی شرط پر ہے) کہ حضرت ابو برزۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تمام قبیلوں یا تمام لوگوں میں حضور ﷺ کو مبغوض ترین بنو اُمیہ (کے لوگ) تھے، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی بنو اُمیہ قبیلہ سے ہیں پس وہ بھی ناپسندیدہ لوگوں میں سے ہوئے..... تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ اکثر بنو اُمیہ شر کے ساتھ موصوف ہیں۔ پس یہ بات اس کے منافی نہیں کہ ان میں سے بہت سے کم لوگ مبغوض اور ناپسندیدہ نہ ہوں، بلکہ (یہ ہوسکتا ہے کہ ان میں سے) بعض بہت کم لوگ خیار اُمت ائمہ کبار میں سے ہوں۔ (جیسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ تھے۔) (ترجمہ ختم)

## مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ پر تیسرا اعتراض:

مولانا عبد الرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''جناب معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے والد ابو سفیان رضی اللہ عنہ "مؤلفة القلوب" میں سے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے "طلقاء" میں ان کا شمار ہے۔'' [۱]

مولانا نعمانی کی اس عبارت پر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تحقیقی اعتبار سے موصوف (مولانا نعمانی) کا یہ دعویٰ ہی بالکل غلط اور باطل ہے کہ ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ ''فتح مکہ'' کے موقع پر اسلام لائے تھے اور ان کا شمار "طلقاء" اور "مؤلفة القلوب" میں ہوتا تھا۔'' [۲]

## حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے متعلق تحقیق!

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے اور آپ رضی اللہ عنہ کے اور آپ کے والد حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے "مؤلفة القلوب" اور "طلقاء" میں سے ہونے کے متعلق شروع کتاب میں کافی شرح وبسط سے کلام ہو چکا ہے، اس لئے یہاں اُس کا اعادہ نہیں کیا جاتا، البتہ یہاں اُس کا لب لباب نقل کیا جاتا ہے:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد ماجد حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے ''فتح مکہ'' سے پہلے یا ''فتح مکہ'' کے بعد

---

۱ (حادثہ کربلا کا پس منظر: ص ۲۹۱، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۲۷۷، ۲۷۸)

۲ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۲۷۷، ۲۷۸)

اسلام لائے اور حضرت معاویہ کے "طلقاء" اور "مؤلفة القلوب" میں سے ہونے کے بارے میں دونوں قسم کے اقوال کتب تواریخ میں پائے جاتے ہیں۔ اور حضرت ابوسفیان ؓ کے "طلقاء" اور "مؤلفة القلوب" میں سے ہونے کے بارے میں تو تقریباً تمام ہی مؤرخین کا اتفاق ہے۔

لہٰذا اس تناظر میں یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ مولانا عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو قول اختیار کیا ہے وہ راجح نہیں بلکہ مرجوح ہے، لیکن اس کے بجائے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا مولانا عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا دعوے کو قطعی اور یقینی طور پر بالکل ہی غلط اور باطل کہنا بجائے خود تحقیقی طور پر غلط اور باطل بلکہ فتنہ کا موجب ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعاء ہے کہ وہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو مرنے سے پہلے پہلے سیدھی راہ سجھادے تو زہے نصیب!۔

## مولانا نعمانیؒ پر چوتھا اعتراض:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں کہ:

> ''یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ جو لوگ ان حضرات کو "طلقاء" اور "مؤلفة القلوب" میں شمار کرتے تھے اس سے ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ لقب ان کے لئے موجب مذمت ہے اور اسے بطور تحقیر استعمال کرتے ہیں۔ حالاں کہ کسی صحابی کو حقارت آمیز کلمہ سے تعبیر کرنا "رفض خفی" ہے۔'' [۱]

## ''طلقاء'' اور ''مؤلفة القلوب'' میں سے ہونا کوئی عیب نہیں ہے!

اوّل تو پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے یہ بات بلا حوالہ نقل کی ہے کہ "طلقاء" اور "مؤلفة القلوب" کے الفاظ ان لوگوں کے لئے موجب مذمت اور بطور تحقیر کے استعمال کیے جاتے تھے۔ اور دوسرے یہ کہ یہ الفاظ صرف ان لوگوں کی معافی اور ان کی تالیف قلب کے لئے وضع کئے گئے تھے، ان کی مذمت یا حقارت وتحقیر کے لئے ہرگز وضع نہیں کیے گئے تھے۔ اسی وجہ سے صحابہ کرام ؓ کے دور میں ان حضرات کے حق میں باہمی حقارت وتنفر کی نہ فضاء قائم تھی اور نہ ہی یہ الفاظ ان حضرات کے حق میں بطور طعن استعمال کیے جاتے تھے۔

چنانچہ امام اہل سنت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کلمہ "طلقاء" کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''نیز "الطلقاء" کا کلمہ صرف معافی کے الفاظ ہیں، یہ کلمہ کوئی مذمت یا حقارت و

---

[۱] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین، ص ۴۷۸)

تحقیر کے لئے نہیں کہ جس سے عوام میں تنفر و نفرت پیدا کی جائے۔ مزید برآں یہ چیز بھی قابل لحاظ ہے کہ اس لفظ کی وجہ سے صحابہ کرام کے دور میں باہمی حقارت و تنفر قائم نہیں تھا اور نہ یہ الفاظ ان حضرات کے حق میں بطور طعن استعمال کیے جاتے تھے۔ [۱]

اور کلمہ "مؤلفة القلوب" کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"صاحب نبوت ﷺ کی طرف سے یہ ایک حکمت عملی تھی جو وقتی مصالح کے تحت عمل میں لائی گئی۔ یہ کوئی عیب کی چیز نہیں تھی جس کو معائب میں شمار کیا جائے۔ [۲]

---

[۱] (سیرت حضرت امیر معاویہ ؓ: ۲/۳۸۳، ناشر: دار الکتاب، اردو بازار، لاہور)

[۲] (سیرت حضرت امیر معاویہ ؓ: ۲/۳۹۰، ناشر: دار الکتاب، اردو بازار، لاہور)

﴿۳۰﴾

# مناظر اسلام مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

## (المتوفی ۱۴۲۱ھ بمطابق ۲۰۰۰ء)

### نام ونسب:

آپ کا نام نامی اسم گرامی محمد امین، لقب صفدر، والد کا نام میاں ولی محمد، اور دادا کا نام میاں پیر محمد ہے۔

پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

''محمد امین بن میاں ولی محمد بن میاں پیر محمد......الخ۔''

### ولادت باسعادت:

آپؒ مورخہ ۴ راپریل ۱۹۳۲ء کو ریاست بیکانیر ضلع گنگانگر میں پیدا ہوئے، جہاں آپؒ کے دادا جان میاں پیر محمد نے اپنی محنت شاقہ سے تین مربع زمین خرید رکھی تھی۔ آپؒ کا خاندانی تعلق ''آرائیں'' خاندان سے ہے جو کئی پشتوں سے ''باغبانی'' کا کام کرتا چلا آرہا ہے۔

### تحصیل علم:

مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ شروع ہی سے نہایت ذہین وفطین تھے۔ جب آپؒ اپنے سن شعور کو پہنچے تو والد محترم نے قرآن مجید کی تعلیم دلوانے کی غرض سے آپؒ کو حافظ محمد رمضان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس چھوڑ دیا جو بدقسمتی سے غیر مقلد تھے، ان کی صحبت میں اٹھنے بیٹھنے سے غیر مقلدیت کے جراثیم آپؒ میں بھی سرایت کر گئے۔ پھر جب آپؒ نے سکول میں عصری تعلیم حاصل کرنا شروع کی تو آپؒ کے والد ماجد نے آپؒ کے لئے عربی کا مضمون رکھوایا تا کہ دینی علوم کے حصول میں یہ مضمون آپؒ کا ممد ومعاون ثابت ہو۔ جب آپؒ نویں جماعت میں گئے تو عربی زبان

میں دسترس حاصل کرنے کے لئے آپؒ نے مولانا عبدالجبار کنڈیلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھنا شروع کر دیں، لیکن بدقسمتی سے یہ بھی ایک بہت بڑے غیر مقلد تھے، اب ان کی صحبت میں رہ کر آپ بھی غیر مقلد بن گئے۔ لیکن پھر ۱۹۵۳ء میں جب جامعہ محمودیہ عیدگاہ میں مولانا عبدالقدیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ (فاضل دیوبند) اور مولانا عبدالحنان صاحب رحمۃ اللہ علیہ (فاضل دیوبند) کا تقرر ہوا تو ان دونوں حضرات کی محنت اور اپنے والد ماجد کی پرخلوص دعاؤں کی برکت سے غیر مقلدیت سے تائب ہو کر آپؒ جادۂ مستقیم پر گامزن ہو گئے اور پھر اپنی تعلیم کا سلسلہ انہی دونوں حضرات کے ساتھ جوڑ لیا۔ علاوہ ازیں آپؒ نے اپنے وقت کے بڑے بڑے علماء سے درس نظامی کی کتابیں سبقاً سبقاً پڑھیں اور حدیث کے اسباق مولانا عبدالحنان صاحب رحمۃ اللہ علیہ شاگرد رشید مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھے۔

## اصلاحی تعلق:

چوں کہ شروع میں مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ میں غیر مقلدیت کے جراثیم سرایت کر گئے تھے، اس لئے آپؒ اس سے تائب ہو جانے کے بعد بھی پیری مریدی اور بیعت مرشد کو اچھا نہیں سمجھتے تھے، بلکہ کوئی بیعت کی ترغیب دیتا تو آپؒ اس کا مذاق اُڑاتے۔ ایک مرتبہ ایک بزرگ مولانا بشیر احمد پسروی رحمۃ اللہ علیہ عیدگاہ تشریف لائے، تمام طلباء ان سے مصافحہ کرنے کے لئے گئے، جب آپؒ نے ان سے مصافحہ کیا تو انہوں نے مصافحہ فرما کر آپ کو اپنے پاس بٹھالیا۔ نام پوچھا اور فرمایا یہ شخص ایک بہت بڑے علاقے کو سنبھال سکتا ہے اور آپ کو بار بار بیعت ہونے کی ترغیب دیتے رہے، لیکن آپؒ جواب میں یہی کہتے رہے کہ بیعت کون سی ضروری چیز ہے؟ لیکن حضرت کا اصرار بڑھتا گیا کہ تم ضرور مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کرلو! چنانچہ مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے وعدہ کرلیا اور پھر کچھ عرصہ بعد حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہو گئے۔

## تجدید بیعت:

جب مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہو گئی تو آپؒ کے قلق و اضطرار میں اضافہ ہو گیا۔ اس لئے تجدید بیعت کی خاطر آپؒ اپنے مرشدزادے مولانا عبیداللہ انور صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے مولانا عبیداللہ انور صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود بیعت کرنے کے بجائے آپ کو مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہونے کا مشورہ دیا، جس پر آپ نے فوراً عمل کیا اور چکوال جا کر آپ مولانا قاضی مظہر حسین صاحب

رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے۔

## علمی مقام اور فرقِ باطلہ کا تعاقب:

مولانا امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے بہترین مناظر، نامور محقق اور کثیر التصانیف عالم تھے۔ آپؒ کے طرزِ استدلال، قوت گرفت، حاضر جوابی کے سامنے کوئی بڑے سے بڑا عالم بھی نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ آپؒ نے اپنے زمانے کے مشہور باطل فرقوں روافض، منکرین حدیث، قادیانی، چکڑالوی، بہائی اور غیر مقلدیت کا بہترین تعاقب اور خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپؒ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ان تمام باطل فرقوں کی بنیاد عدم تقلید اور خود رائی ہے۔ اصل دین وہی ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وساطت سے نسلاً بعد نسلٍ ہم تک پہنچا ہے، غیر مقلدیت ایک بہت بڑا منبع فتن ہے، باقی تمام فتنے اسی سے نکلتے ہیں، اس لئے کہ آدمی غیر مقلد ہونے کے بعد کسی بھی وقت منکر حدیث، قادیانی، چکڑالوی، بہائی اور رافضی ہو سکتا ہے۔

## وفات حسرتِ آیات:

مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کا علمائے حرمین شریفین کے اصرار پر رمضان المبارک میں عمرہ پر جانے کا ارادہ تھا کہ اچانک طبیعت خراب ہو گئی اور دل کا دورہ پڑ گیا۔ ۳۱ را کتوبر ۲۰۰۰ء کا دن آپؒ نے گھر میں گزارا، رات کو عشاء کی نماز آپؒ نے گھر پر ہی ادا کی اور نو بجے کے قریب دوبارہ دل کا دورہ پڑا جس کے ساتھ ہی آپؒ نے داعیِ اجل کو لبیک کہا اور اس طرح دُنیائے علم وتحقیق کا یہ چہچہاتا بلبل اپنا نغمہ سناتے سناتے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔

بڑے غور سے سن رہا تھا زمانہ
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

## مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ حاسدین ومعاندین کے نشانے پر:

لیکن بایں ہمہ فضل وکمال آپ اپنے حاسدین ومعاندین کی طعن وتشنیع اور اُن کے دودھاری خنجروں کے وار سے کسی بھی طرح مامون اور سالم نہیں رہے۔

## یزید کی کردار کشی:

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''چنانچہ'' زبدۃ المحدثین و سلطان المحققین '' کردار یزید کی آڑ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کردار کشی کرتے ہوئے یزید کے خلاف اور اپنے مؤقف کی تائید میں حسب ذیل روایت کو ''صحیح'' سمجھ کر نقل فرماتے ہیں کہ:

''خدا کی قسم! ہم یزید کے خلاف اُس وقت تک نہیں اُٹھے یہاں تک کہ ہمیں خوف ہوا کہ اب نہ اُٹھنے سے آسمان سے ہم پر پتھر نہ برس پڑیں۔ یہ وہ آدمی ہے جو باپ کی اُن لونڈیوں سے بھی صحبت کرتا ہے جن سے باپ کی اولاد پیدا ہوئی اور وہ بیٹیوں اور بہنوں سے بھی صحبت کرتا ہے، شراب پیتا ہے اور نماز نہیں پڑھتا۔'' [1]

## یزید کی کردار کشی کو حضرت معاویہ کی طرف منسوب کرنا بہت بڑی ناانصافی ہے!:

مذکورہ بالا روایت کی حیثیت جو بھی بہر حال اس کے نقل کرنے سے مولانا امین اوکاڑوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر یہ الزام کسی بھی طرح عائد نہیں ہوتا کہ انہوں نے کردار یزید کی آڑ میں (نعوذ باللہ!) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کردار کشی کی ہے، اس لئے کہ یزید نے مذکورہ بالا جتنے بھی سیاہ کارنامے انجام دیئے ہیں وہ سب کے سب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے بعد انجام دیئے ہیں۔ ان تمام اعمال سیئہ کا ذمہ دار خود یزید ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے کہ اُس کے ان اعمال سیئہ کے ذکر کرنے کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کردار کشی کا نام دینا بہت بڑی ناانصافی کی بات ہے۔

پس معلوم ہوا کہ یزید کے مذکورہ بالا اعمال سیئہ کی آڑ میں مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کردار کشی نہیں کی بلکہ سرچڑھ کر خود یزید کی کردار کشی کی ہے، جس پر انہیں ملامت نہیں کیا جا سکتا۔

## یزید کی کردار کشی پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تادیب:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''فاتح مذاہب باطلہ اور حامل علوم وہبیہ جناب صفدر کبیر مزید فرماتے ہیں:

''یزید نوجوانی میں ہی شراب پیتا تھا اور نوجوانوں والی حرکتیں کرتا تھا جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو حضرت معاویہ نے نرمی سے نصیحت فرمائی کہ: ''بیٹا! ایسے کام نہ کرو کہ

---

[1] (تجلیات صفدر، ۱/ ۵۰۳، ناشر: جمعیت اشاعت العلوم الحنفیہ، طبع اوّل، اکتوبر ۱۹۹۶ء بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ۲۸۱)

جس سے مروت ختم ہو جائے، دشمن خوش ہوں، دوست برا سمجھیں۔" اور فرمایا: "کم از کم دن
بھر ایسی باتوں سے صبر کیا کرو اور جب رات آتی ہے تو رقیب کی آنکھ بند ہو جاتی ہے، کتنے
فاسق ہیں کہ دن عبادت میں گزارتے ہیں اور رات لذت وعیش میں گزارتے ہیں۔"[1]

## پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا دجل وفریب:

اس روایت کی نسبت پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے دانستہ براہ راست مولانا اوکاڑوی کی طرف کی ہے تاکہ اس کے موضوع اور من گھڑت ہونے میں کسی کو شک وشبہ نہ رہے۔ ظاہر ہے کہ مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ موجودہ صدی کے عالم ہیں، پھر وہ اتنی پرانی بات از خود کیوں کر نقل کر سکتے ہیں؟۔

یہ روایت اصل میں معجم طبرانی کی ہے اور مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے وہیں سے نقل کی ہے، لیکن ہاشمی صاحب نے غالباً طبرانی کا نام لینا اس وجہ سے گوارہ نہیں کیا تاکہ کہیں اس روایت کی صحت کا کسی درجہ میں کوئی ثبوت ہی نہ مل جائے۔

بہر حال اس روایت کی بھی اسنادی حیثیت جو بھی ہو بہر حال اس سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ یہ روایت کسی نہ کسی درجہ میں ثابت ضرور ہے، موضوع اور من گھڑت نہیں ہے۔ اور یزید سے مذکورہ بالا فاسقانہ اعمال کا ارتکاب ضرور ہوا ہے کہ بلاشبہ وہ نوجوانی ہی میں شراب پینے لگ گیا تھا اور نوجوانوں والی حرکتیں اس نے کرنی شروع کر دی تھیں، ۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی ان حرکتوں کا علم ہوا تو انہوں نے اس کو نرمی سے سمجھایا کہ ایسی حرکتیں کرنی چھوڑ دو، لیکن اگر یہ حرکتیں کرنی ہی ہیں تو پھر کم از کم رات کو کر لیا کرو جب رقیب کی آنکھ بند ہو جاتی ہے، دن کو نہ کیا کرو کہ اس سے مروت ختم ہو جاتی ہے، دوست برا سمجھتے ہیں، اور دشمن اس سے خوش ہوتے ہیں۔

## حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کی وضاحت:

اس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ واقعی دن کو ان فاسقانہ اعمال سے پہلو تہی کیا کرو اور جب رات کو رقیب کی آنکھ بند ہو جائے تو پھر اس قسم کی غلط حرکتیں کر لیا کرو، بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ازراہ تہدید وتنبیہ یزید کو ان فاسقانہ اعمال سے مکمل طور پر بچنے کی ترغیب دے رہے ہیں کہ اول تو ان فاسقانہ اعمال کا ارتکاب کسی بھی وقت کسی بھی صورت نہیں کرنا چاہیے، لیکن اگر کرنا ہی ہو تو کم از کم رات کو آدمی کرے، جب رقیب کی آنکھ بند ہو جاتی

---

[1] (تجلیات صفدر ۱/۲۰۵۔ ۲۲۳، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۴۸۱)

ہے اور دن کو نہ کرے کہ اس سے آدمی کی مروت ختم ہو جاتی ہے، دوست پریشان ہوتے ہیں اور دشمن خوش ہوتے ہیں۔

اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص اسلامی حلیہ اپنا کر کسی خلاف شرع کام کا ارتکاب کرے۔ مثلاً رقص و سرود کی محفل میں شریک ہو اور وہاں نامحرم عورتوں کے ساتھ آزادانہ اختلاط کرے وغیرہ تو اسے ہر شخص یہی کہے گا اگر یہ کام کرنے ہی تھے تو پھر کم از کم اپنا حلیہ تو اس طرح کا بنا کر نہ کرتے کہ اس سے دین اسلام کی سخت توہین اور رسوائی ہوتی ہے۔ تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ واقعی اسلامی حلیہ اپنا کر اس قسم کی مجالس و محافل میں شریک ہونا قبیح اور برا ہے اور غیر اسلامی حلیہ اپنا کر اس قسم کی مجالس و محافل میں شریک ہونا قبیح اور برا نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی حلیہ اپنائے بغیر بھی اس قسم کی محفلوں میں جانا اور شریک ہونا انتہائی قبیح اور بہت برا ہے۔

اور دوسرا جواب اس کا یہ ہے کہ مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت معاویہ ؓ کے متعلق یہ عقیدہ ہرگز نہیں تھا کہ انہوں نے واقعی یزید کو اس قسم کی نصیحت فرمائی ہے کہ دن کو اس قسم کے فاسقانہ افعال مت کیا کرو، بلکہ رات کو جب رقیب کی آنکھ بند ہو جائے تب کر لیا کرو، بلکہ جس طرح مولانا عبدالغفور سیال کوٹی صاحب نے یزید کی مدح سرائی اور اس کی تعریف و توصیف میں ہر قسم کی روایات جمع کر کے اس کی مدح و تحسین فرمائی ہے تو اسی طرح مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جواب بالمثل کے طور پر یزید کے جملہ فاسقانہ و فاجرانہ افعال شنیعہ و اعمال قبیحہ سے متعلق ہر قسم کی روایات جمع کر کے اس کے فسق و فجور اور اس کے کردار سے پردہ چاک کیا ہے۔

## پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ پر تلبیسانہ اعتراض:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید فرماتے ہیں:

> ''یزید کی ولادت حضرت معاویہ ؓ کے دور امارت میں بعہد عثمانی (علی اختلاف الاقوال) ۲۵ھ، ۲۶ھ یا ۲۷ھ میں ہوئی تھی۔ زبدۃ المحدثین (مولانا اوکاڑوی) کی توضیح کے مطابق یزید کو نوجوانی کے عالم سے ہی مذکورہ ''افعال قبیحہ'' کی ''لت'' پڑ گئی تھی اور وہ اپنی وفات (۶۴ھ) تک ان امور کا عادی رہا ہے۔ گویا وہ حضرت معاویہ ؓ کے عہد خلافت میں ''اپنی بیٹیوں، ماؤں، اور بہنوں (جو حضرت معاویہ ؓ کی لونڈیاں اور بیٹیاں تھیں) کے ساتھ زنا کرتا تھا۔ جب حضرت معاویہ ؓ کو ان امور کا علم ہوا تو انہوں نے پہلے نرمی سے

سمجھایا اور پھر کسی مجبوری کے تحت فرمایا: "کم از کم دن بھر ایسی باتوں سے صبر کیا کرو اور جب رات آتی ہے تو رقیب کی آنکھ بند ہو جاتی ہے، کتنے فاسق ہیں کہ دن عبادت میں گزارتے ہیں اور رات لذت و عیش میں گزارتے ہیں۔" [۱]

## مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا تلبیسانہ منظر:

یہاں ایک بار پھر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے اپنی تلبیس اور اپنے دجل وفریب کا خوب مظاہرہ کیا ہے کہ مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی دو مختلف عبارات کو ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط کر کے اُس سے مرضی کا مطلب نکال کر موصوف کو خواہ مخواہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد اور گستاخ ثابت کر کے اپنے خبث باطن کی خوب بھڑاس نکالی ہے حالاں کہ درحقیقت یہ دو مختلف واقعات ہیں۔

چنانچہ یزید کا نوجوانی میں شراب پینے اور نوجوانوں والی حرکتیں کرنے کا واقعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کا ہے کہ جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اُسے نرمی سے نصیحت فرمائی اور از راہِ تہدید و تنبیہ فرمایا کہ اگر یہ کام کرنے ہی ہیں تو کم از کم رات کو کر لیا کرو البتہ دن کو نہ کیا کرو۔

اور یزید کے اپنے باپ کی اُن لونڈیوں سے صحبت کرنا کہ جن سے باپ کی اولاد پیدا ہوئی ہے، اور بیٹیوں اور بہنوں سے صحبت کرنے کی روایت تو اُس وقت سے متعلق ہے جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یزید تخت نشین ہو چکا تھا اور اُس کے خلاف اُس کے فاسقانہ و فاجرانہ اعمال اور اُس کے غلط کردار کی بدولت اہل مدینہ نے ۶۳ھ میں بغاوت کر لی تھی، جس کے نتیجہ میں بعد میں جنگ حرہ کا الم ناک واقعہ پیش آیا تھا۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"واللہ ما خرجنا علیٰ یزید حتی خفنا أن نرمی بالحجارة من السماء ان کان رجلا ینکح أمهات الأولاد والبنات والأخوات و یشرب الخمر ویدع الصلوة." [۲]

ترجمہ: اللہ کی قسم! ہم یزید کے خلاف اُس وقت تک نہیں اُٹھے یہاں تک کہ ہمیں

---

[۱] (تجلیات صفدر: ۱/ ۵۲۰ - ۵۲۳، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۲۹۲)

[۲] (الصواعق المحرقة في الرد على أهل البدع والزندقة لهيتمي، ۲۲۱، الناشر مكتبة الحقيقة، استنبول، تركي)

خوف ہوا کہ ان اٹھنے سے آسمان سے ہم پر پتھر نہ برس پڑیں، یہ وہ آدمی ہے جو باپ کی اُن لونڈیوں سے صحبت کرتا ہے جن سے باپ کی اولاد پیدا ہوئی ہے اور وہ بیٹیوں اور بہنوں سے بھی صحبت کرتا ہے، شراب پیتا ہے، اور نماز نہیں پڑھتا۔ (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ یزید کے نوجوانی میں شراب پینے اور نوجوانوں والی حرکتیں کرنے کی روایت کا تعلق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کا ہے، اور اپنے باپ کی اُن لونڈیوں سے کہ جن سے باپ کی اولاد پیدا ہوئی ہے اور بیٹیوں اور بہنوں سے صحبت کرنے کی روایت کا تعلق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ۶۳ھ کا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کی سند پر کلام کیا گیا ہے۔

قارئین کرام! آپ نے بخوبی ملاحظہ فرمالیا ہے کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے کس طرح دو مختلف واقعات کو ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط کر کے دجل وفریب اور تلبیس ابلیس کا مظاہرہ کیا ہے اور کس طرح کھینچ تان کر مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کو ناقدین معاویہ رضی اللہ عنہ کی صف میں کھڑا کرنے کی اپنی سی مذموم سعی کی ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ اور قلم ناصبیت گزیدہ قاضی طاہر ہاشمی کا ہے، لیکن ذہن اور دماغ شیطان ابلیس کا ہے۔

## مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ پر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی نیت پر حملہ کرنے کا الزام:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

"حجۃ اللہ فی الارض مزید فرماتے ہیں کہ:

"حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ (المتوفی ۵۰ھ) کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بوجہ کبر سنی امارت کوفہ سے معزول کر دیا اور ارادہ کیا کہ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو ان کی جگہ گورنر بنایا جائے تو مغیرہ رضی اللہ عنہ اس پر نادم ہوئے اور اُنہوں نے آکر یزید کو کہا کہ تم اپنے باپ سے مطالبہ کرو کہ وہ تمہیں ولی عہد بنا دے! تو یزید نے باپ سے عرض کر دیا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تمہیں مطالبہ کا مشورہ کس نے دیا ہے؟۔ یزید نے کہا: "مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے۔" معاویہ رضی اللہ عنہ کو مغیرہ رضی اللہ عنہ کا یہ مشورہ بہت پسند آیا اور اس کو امارت کوفہ پر برقرار رکھا اور اسے حکم دیا کہ یزید کی ولی عہدی کے لئے کوشش کرو، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے یہ کوشش شروع کر دی ..... الخ"۔[1]

---

[1] (تجلیات صفدر: ۱/ ۵۲۱، ۵۲۲، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ۲۸۱، ۲۸۲)

مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''موصوف (مولانا اوکاڑویؒ) کے بیان کردہ ارشادات کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

''۷۔حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اپنی گورنری بچانے کے لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یزید کو ولی عہد بنانے کا مشورہ دیا۔

۸۔حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کا یہ مشورہ بہت پسند آیا اور بطور انعام گورنری پر برقرار رکھا۔

۱۳۔اوکاڑوی صاحبؒ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی نیت پر بھی بدترین حملہ کیا ہے کہ اُنہوں نے گورنری بچانے کے لئے یزید کی ولی عہدی کا مشورہ ہی نہیں دیا بلکہ بڑی محنت کے ساتھ رُکاوٹیں دُور کیں اور راستہ ہموار کیا۔''[1]

## الزام کا دفعیہ:

یہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا خبث باطن اور اُن کی اکابر دُشمنی ہے کہ وہ ہر سیدھی چیز کو اُلٹی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اکابر کی جو تحقیق یزیدیت ازم اور ناصبیت ازم کے خلاف پڑ رہی ہو وہ اُس کو ہر طرح سے رد کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں۔

دراصل مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ '' البداية والنهاية '' سے نقل کیا ہے (جس پر قرینہ مولانا موصوف کے ترجمہ کے الفاظ ہیں) اور ابن خلدونؒ اور کامل ابن اثیرؒ میں بھی اس واقعہ کے بعض حصوں کا ذکر ہے۔ لیکن نہ تو '' البداية والنهاية '' میں کسی ایسی بات کا ذکر ہے کہ جس کی بناء پر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی اس تجویز کو ذاتی مفاد پر مبنی قرار دیا جائے اور نہ ہی مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ میں کسی ایسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ بلکہ '' البداية والنهاية '' میں تو اور بھی زیادہ واضح اور صاف طور پر لکھا ہوا ہے کہ: ''حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس خود آ کر امارت کوفہ سے استعفاء دیا تھا۔

چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ بروایت امام طبری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

---

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ۴۸۳،۴۸۲)

"فروي ابن جرير من طريق الشعبي أن المغيرة كان قد قدم علي معاوية وأعفاه من امرة الكوفة فأعفاه لكبره وضعفه وعزم علي توليتها سعيد بن العاص فلما بلغ ذلک المغيرة كانه ندم فجاء الي يزيد بن معاوية فأشار عليه بان يسأل من ابيه ان يكون ولي العهد فسأل ذلک من ابيه فقال: من امرک بهذا؟ قال: المغيرة فاعجب ذلک معاوية من المغيرة ورده الي عمل الكوفة وأمره ان يسعي في ذلک ..... الخ."[1]

ترجمہ: ابن جریرؒ نے شعبیؒ کی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور امارت کوفہ سے استعفاء دیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اُن کے ضعف اور کبر سنی کی وجہ سے امارت کوفہ سے معزول کر دیا، اور ارادہ کیا کہ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو اس کی جگہ گورنر بنایا جائے تو مغیرہ رضی اللہ عنہ اس پر نادم ہوئے اور انہوں نے آ کر یزید کو کہا کہ تم اپنے باپ سے مطالبہ کرو کہ وہ تمہیں ولی عہد بنا دے، تو یزید نے باپ سے عرض کر دیا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تمہیں مطالبہ کا مشورہ کس نے دیا ہے؟ یزید نے کہا: مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کو مغیرہ رضی اللہ عنہ کا یہ مشورہ بہت پسند آیا اور اس کو امارت کوفہ پر برقرار رکھا اور اسے حکم دیا کہ یزید کی ولی عہدی کے لئے کوشش کرو..... الخ۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو امارت کوفہ سے از خود معزول نہیں کیا بلکہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے خود اپنے ضعف اور کبر سنی کی وجہ سے استعفاء پیش کیا تھا۔ تاریخ کے اولین ماخذ میں تو واقعہ صرف اتنا ہی لکھا ہے۔

## ایک سوال اور اُس کا جواب:

لیکن یہاں پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو گورنری کا اتنا ہی زیادہ شوق تھا کہ وہ اس کے لئے اُمت محمدیہ ﷺ کے مفاد کو قربان کر سکتے تھے تو انہوں نے خود آ کر استعفاء کیوں پیش کیا؟۔ اس سوال کا ایک جواب تو وہ ہے جو علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے اور یہی پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو بھی سوجے

---

[1] (البداية والنهاية لابن كثير: ٨/٨٦، الناشر: دار احياء التراث العربي - بيروت - لبنان)

ظن کی بناء پر مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ سے شکایت ہے کہ درحقیقت یہ استعفاء بھی اپنی قیمت بڑھانے کی ایک چال تھی۔ انہیں پہلے یہ معلوم ہو چکا ہوگا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کسی وجہ سے ان کو معزول کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا انہوں نے یزید کی ولی عہدی کو آڑ بنا کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خوش نودی حاصل کرنی چاہی، مگر یہ سمجھا کہ اگر بحالات موجودہ یہ رائے پیش کروں گا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سمجھ جائیں گے کہ یہ تجویز محض گورنری بچانے کے لئے پیش کی جارہی ہے۔ اس لئے انہوں نے پہلے مصنوعی طور پر استعفاء پیش کر دیا، تاکہ لوگوں پر اور خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ واضح ہو جائے میں ان کا سچا خیر خواہ ہوں اور پھر وہ زبردستی مجھے گورنر بنادیں گے۔

## دوسرا جواب:

اور دوسرا جواب مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے یہ دیا جاسکتا ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے واقعتاً خلوص کے ساتھ اپنے ضعف کی بناء پر استعفاء پیش کیا تھا، لیکن جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کچھ کہے بغیر استعفاء منظور کر کے دوسروں کو گورنر بنانے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے ان سے کہا کہ معلوم ایسے ہوتا ہے کہ تمہارے استعفاء دینے سے امیر المؤمنین ناراض ہو گئے ہیں (جیسا کہ پرانے ماتحت کے اچانک استعفاء دے دینے سے عموماً افسر بالا کو گرانی ہوا کرتی ہے) اس پر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ واضح کرنا چاہا کہ میں نے کسی رنجش یا ملت کے امور سے عدم دل چسپی کی بناء پر استعفاء نہیں دیا، بلکہ ضعف کی بناء پر استعفاء دیا ہے، ورنہ جہاں تک اُمت کے اجتماعی اُمور کا تعلق ہے اُن سے میری دل چسپی اب بھی برقرار ہے، جس کا عملی ثبوت یہ ہے کہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد یزید کو ولی عہد بنانا چاہتا ہوں جو میری نظر میں خلافت کا اہل ہے، اور اُس کی ولی عہدی میرے خیال میں اُمت کو افتراق سے بچا سکتی ہے۔ اور اگر اس مقصد کے لئے دوبارہ گورنری کی ضرورت پیش آئی تو میں یہ خدمت دوبارہ انجام دینے کے لئے تیار ہوں۔

اس واقعہ کی جو عبارت طبریؒ، ابن کثیرؒ اور ابن خلدونؒ نے نقل کی ہے اُس میں واقعہ کی ان دونوں توجیہات کی یکساں گنجائش ہے، یہ عبارتیں نہ پہلے مفہوم میں صریح ہیں، نہ دوسرے مفہوم میں، بلکہ پہلے مفہوم پر بھی کچھ عقلی اعتراضات وارد ہو سکتے ہیں اور دوسرے مفہوم پر بھی، اور دونوں ہی صورتوں میں واقعہ کے مبہم خلاء کو قیاسات سے پر کرنا پڑتا ہے۔

اب یہ فیصلہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں کہ وہ پہلے مفہوم کو ترجیح دیتے ہیں یا دوسرے مفہوم کو۔ خود ہمارا اور

مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ سمیت تمام علمائے اہل سنت کا ضمیر یہ کہتا ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی جلالت شان اور اُن کے مقام صحابیت کے پیش نظر دوسرا مفہوم اختیار کیا جائے، کیوں کہ جس صحابی کی ساری زندگی اعلائے کلمۃ اللہ اور اسلام کی خدمت میں گزری ہو، اُس سے محض اقتدار کی مدت کچھ اور بڑھانے کی خاطر جھوٹ، فریب، رشوت، ضمیر فروشی اور اُمت محمدیہ ﷺ سے غداری جیسے سنگین اور گھناؤنے جرائم کا ارتکاب بعید از قیاس بلکہ ناممکن نظر آتا ہے، اس لئے اس تاریخی واقعہ کی جو تعبیر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے علامہ ابن اثیرؒ اور مولانا اوکاڑویؒ سے سوئے ظن کی بناء پر اختیار کی ہے، بالکل غلط اور قطعی طور پر باطل ہے۔

﴿۲۲﴾

# حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

## (المتوفی ۳/ ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ بمطابق ۲۶/ جنوری ۲۰۰۴ء)

مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مورخہ ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ بمطابق ۲۰/ اکتوبر ۱۹۱۴ء کو بمقام ''بھیں'' ضلع چکوال مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں متولد ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۳۵۹ھ میں دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث کی تکمیل کے لئے داخلہ لیا۔ اساتذہ کرام میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، شیخ الادب مولانا محمد اعزاز علی، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانی، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی اور مفسر قرآن علامہ شمس الحق افغانی رحمہم اللہ شامل ہیں۔ جب کہ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت وخلافت کا شرف حاصل ہے۔

دیوبند سے فراغت اور وطن مراجعت کے بعد ابتلاء میں مبتلاء ہو گئے۔ اس کا آغاز خود قاضی صاحبؒ کے بقول یوں ہوا کہ گاؤں کے ایک متنازعہ مکان کے سلسلہ میں دوسرے گاؤں سے آئے ہوئے ایک شخص کے وار کے دفاع میں میرے طرف سے اُسے ایک کاری ضرب لگ گئی، وہ بھاگ کھڑا ہوا، میں نے اُس کا تعاقب کرتے ہوئے اسے پکڑا لیکن پھر اس کے کہنے پر اسے چھوڑ بھی دیا۔ نتیجہ۔ نکلا کہ وہ ہسپتال میں دم توڑ گیا۔ میں نے مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے ورثہ سے معافی مانگنے کے سلسلہ میں استفسار کیا تو آپؒ نے فرمایا اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

### حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر پہلا اعتراض:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مذکورہ بالا واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''موصوف حضرت علی ﷺ کے ساتھ مصالحت کے باوجود حضرت معاویہ ﷺ کے اجتہادی ودفاعی اقدام کو تو برملا اور بہ تکرار غلط کہتے ہوئے انہیں قطعی قرار دیتے ہیں، جب کہ اپنے دفاعی اقدام کو صحیح سمجھتے ہیں۔'' [1]

## ضروری نہیں کہ عدم ضرورت صحت کو بھی مستلزم ہو!

یہ ہاشمی صاحب کا اپنا اجتہاد ہے کہ وہ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رہائی کے بعد مقتول کے ورثاء سے معافی مانگنے کی عدم ضرورت کا مطلب یہ لے رہے ہیں کہ اس سے قاضی صاحبؒ اپنا دفاعی اقدام صحیح سمجھ رہے ہیں اس لئے کہ کسی کام کی عدم ضرورت اس کام کی صحت کو ہرگز مستلزم نہیں ہوتی۔ یعنی یہ کوئی قاعدہ وکلیہ نہیں ہے کہ جو کام ضروری نہ ہو وہ صحیح بھی ہو، بلکہ یہ ہوسکتا ہے کہ ایک کام ضروری بھی نہ ہو اور صحیح بھی نہ ہو۔ چنانچہ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معاملہ بھی اسی نوعیت کا تھا کہ انہوں نے اپنے استاد کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے مقتول کے ورثہ سے معافی مانگنے کو ضروری نہیں سمجھا، لیکن اس کے باوجود وہ اپنے اس دفاعی کام کو صحیح نہیں بلکہ غلط سمجھتے تھے۔

## حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر دوسرا اعتراض:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''تاریخ اسلام میں پہلی مرتبہ قاضی صاحبؒ نے ''حق چار یار'' کے نعرے کا اجراء فرمایا۔ اس نعرے سے یہ تصور ابھرتا ہے کہ بس یہی چاروں خلفاء برحق ہیں، کیا باقی خلفاء صحابہ حضرت حسن ﷺ، حضرت معاویہ ﷺ، اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما...... حق نہیں ہیں؟۔ خوارج کی طرح قاضی صاحب کا یہ نعرہ ہے تو برحق لیکن اس نعرہ کا مقصد حضرت معاویہ ﷺ کو خلفائے راشدین ﷺ کی فہرست سے خارج کرنا ہے۔ انتهى مختصراً [2]

## حق چار یار سے مراد خلافت راشدہ موعودہ کا اثبات ہے!:

اس میں شک نہیں حضرت حسن مجتبیٰ ﷺ اور حضرت معاویہ ﷺ سمیت خلفاء وغیر خلفاء، تمام صحابہ ہی برحق ہیں، کوئی مؤمن بالقرآن ان کے برحق ہونے کی نفی نہیں کرسکتا، لیکن حق چار یار کا جو نعرہ حضرات خلفائے اربعہ ﷺ کے

---

[1] (سیدنا معاویہ ﷺ کے ناقدین: ۲۸۸)

[2] (سیدنا معاویہ ﷺ کے ناقدین: ۲۹۰، ۲۹۱)

حق میں خصوصیت کے ساتھ لگایا جاتا ہے تو یہ ہرگز کوئی نئی چیز نہیں، بلکہ قرنِ اوّل سے اہل سنت کا یہی اعتقاد چلا آ رہا ہے۔

## امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

چنانچہ امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۲۱ھ) فرماتے ہیں:

" ونثبت الخلافة بعد رسول الله صلي الله عليه وسلم أوّلاً لأبي بكر الصديق رضي الله عنه تفضيلاً له وتقديماً علي جميع الأمة ثم لعمر بن الخطاب رضي الله عنه ثم لعثمان رضي الله عنه ثم لعلي بن أبي طالب رضي الله عنه وهم الخلفاء الراشدون والأئمة المهديون ." [1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے پہلے خلافت ہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے مانتے ہیں، کیوں کہ وہ تمام اُمت پر مقدم اور افضل ہیں۔ پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لئے مانتے ہیں، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے مانتے ہیں اور پھر حضرت علی بن طالب رضی اللہ عنہ کے لئے مانتے ہیں۔ اور یہی (چار حضرات) خلفائے راشدین اور ائمہ مہدیین ہیں۔

## امام ابوالحسن الاشعری رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح امام ابوالاحسن الاشعری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۲۴ھ) حضرت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بارے میں اہل سنت کا اعتقاد ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" ويقرون أنهم الخلفاء الراشدون المهديون ." [2]

ترجمہ: اہل سنت اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ یہی (چار حضرات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ) خلفائے راشدین، مہدیین ہیں۔ (ترجمہ ختم)

## امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح امام ابوالمعالی امام الحرمین الجوینی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۷۸ھ) لکھتے ہیں:

---

[1] (العقيدة الطحاوية للطحاوي: ۸۱/۱، الناشر: المكتب الاسلامي، بيروت)

[2] (مقالات الاسلاميين واختلاف المصلين للأشعري: ۲۲۸/۱، الناشر: المكتبة العصرية)

"الخلفاء الراشدون ..... بعد رسول الله (صلى الله عليه وسلم) ابوبكر ثم عمر ثم عثمان ثم علي رضي الله عنهم أجمعين."[1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ (ترجمہ ختم)

## حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی امام ابوحامد محمد بن محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۰۵ ھ) فرماتے ہیں:

"فأما الخلفاء الراشدون فهم أفضل من غيرهم."[2]

ترجمہ: بہر حال خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں۔

## امام عبدالغنی المقدسی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح امام ابومحمد تقی الدین عبدالغنی المقدسی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۰۰ ھ) حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کا تعارف کرانے کے بعد لکھتے ہیں:

"فهٰؤلاء الخلفاء الراشدون المهديون."[3]

ترجمہ: پس یہ (چاروں حضرات) خلفائے راشدین، مہدیین ہیں۔

## علامہ ابن قدامہ المقدسی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح علامہ ابومحمد موفق الدین ابن قدامہ المقدسی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۲۰ ھ) حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کا تعارف کرانے کے بعد لکھتے ہیں:

"هٰؤلاء الخلفاء الراشدون المهديون."[4]

---

[1] (لمع الأدلة في قواعد عقائد أهل السنة والجماعة لامام الحرمين الجويني: ١/١٢٩، الناشر: عالم الكتاب، لبنان)

[2] (الاقتصاد في الاعتقاد للغزالي: ١/١٣٢، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[3] (الاقتصاد في الاعتقاد للمقدسي: ١/٢٠٠، الناشر: مكتبة العلوم والحكم، المدينة المنورة، السعودية) و (عقيدة الحافظ تقي الدين عبد الغني بن عبد الواحد المقدسي: ١/٩٩، الناشر: مطابع الفرزدق، الرياض، السعودية)

[4] (لمعة الاعتقاد لابن قدامة المقدسي: ١/٣٦، الناشر: وزارة الشؤون الاسلامية والأوقاف والدعوة والارشاد، السعودية)

ترجمہ: یہ (چاروں حضرات) خلفائے راشدین مہدیین ہیں۔

## امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح امام جلال الدین عبدالرحمان بن ابی بکر السیوطی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۱۱ھ) حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"فهم الخلفاء الراشدون ."[ع]

ترجمہ: پس یہ (چاروں حضرات) خلفائے راشدین ہیں۔

تو اب سوال یہ ہے کہ کیا محولہ بالا اکابر علماء اور ان جیسے دیگر تمام حضرات علمائے اہل سنت ناقدین معاویہ رضی اللہ عنہ کی فہرست میں شامل ہیں؟۔

## نعرۂ "حق چار یار" کا مقصد:

دراصل "حق چار یار" کے نعرے سے شیعوں کے اُس عقیدہ پر ضرب لگانی مقصود ہوتی ہے جس میں وہ حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو ناحق خلیفہ مانتے ہیں۔ اہل سنت "حق چار یار" کا نعرہ لگا کر گویا اُنہیں یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم میں سے تم تو صرف ایک یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ برحق ہونے کے قائل ہو، اور ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ سمیت چاروں حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے برحق ہونے کے قائل ہیں۔

خود مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "چار یار" سے وہی چار خلفائے راشدین مراد ہیں، جن کو قرآنی وعدہ کے تحت اللہ تعالیٰ نے خلافت راشدہ عطا فرمائی ہے۔ اس خلافت راشدہ کے اعلان کے جواب میں "چار یار" پکارا جاتا ہے اور قرآن کی خلافت راشدہ کا مصداق صرف یہی چار خلفاء ہیں، جیسا کہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "ہدیۃ الشیعہ" میں چار یار ہی کے عنوان سے ان کا امتیاز کیا ہے۔
>
> حضرت حسن رضی اللہ عنہ گو برحق خلیفہ ہیں اور ان کی صلح کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

---

ع (حقيقة السنة والبدعة الأمر بالاتباع والنهي عن الابتداع للسيوطي : ۲۰۹/۱ ، الناشر : مطابع الرشيد)

بھی خلیفہ برحق ہیں اور ان کو رُشد وہدایت کی وجہ سے تو خلیفہ راشد کہہ سکتے ہیں، لیکن قرآن کی مراد کے تحت ان کو خلیفہ راشد نہیں کہہ سکتے، کیوں کہ یہ خلافت راشدہ مہاجرین اولین کے ساتھ مختص ہے، اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں مہاجرین میں سے نہیں ہیں۔'' [1]

گویا ''حق چار یار'' کا نعرہ خلافت راشدہ منصوصہ کے حق میں قید احترازی کے طور پر لگایا جاتا ہے، بعد کے نیک خلفاء کے برحق نہ ہونے سے قید احترازی کے طور پر ہرگز نہیں لگایا جاتا۔

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی یہ انوکھی سوچ ہے کہ وہ ہر سیدھی بات کو بھی اُلٹی نگاہ ہی سے دیکھتے ہیں، غالباً وہ پاؤں اوپر اور سر نیچے کرکے جی رہے ہیں، تب ہی تو سب کچھ انہیں اُلٹا دکھائی دے رہا ہے۔

## حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر تیسرا اعتراض:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں۔

''خلافت راشدہ موعودہ کے خلفائے اربعہ میں ہی منحصر ہونے پر استدلال کرتے ہوئے حضرت قاضی صاحب'' لکھتے ہیں:

''اور چوں کہ وعدۂ خداوندی حکومت وخلافت کا مؤمنین صالحین ہی کے لئے تھا اس لئے ثابت ہوا کہ ارادۂ خداوندی میں یہی تھا کہ ان اصحاب اربعہ کو ہی منصب خلافت عطاء کیا جائے گا، اس لئے ان چار یار کی خلافت راشدہ موعودہ کا کوئی مؤمن بالقرآن انکار نہیں کرسکتا۔ برعکس اس کے اگر ﴿منکم﴾ اور ﴿الذین اخرجوا من دیارھم﴾ کو نظر انداز کردیا جائے اور اس وعدۂ خلافت کو عام رکھا جائے تو سب سے پہلے ان خلفاء کا مؤمنین صالحین ہونا ثابت کرنا پڑے گا، پھر اس کے بعد ان کو خلفائے راشدین تسلیم کیا جائے گا۔ اور خلفائے اربعہ کے بعد کسی خلیفہ کے بارے میں یہ ثابت کرنا مشکل ہوجائے گا کہ وہ مؤمنین صالحین میں سے تھے، مخالفین کے لئے بحث کا دروازہ کھل جائے گا۔'' [2]

---

[1] (خارجی فتنہ: ۱/۴۹۲، ناشر: خدام تحریک اہل سنت والجماعت، پاکستان)

[2] (موعودہ خلافت راشدہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذاتی حالات غائی گروہ ص ۳۹ بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۳۰۳)

""اس عبارت سے تو یہ واضح ہو رہا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قاضی صاحبؒ کے نزدیک "مومنین صالحین میں سے نہیں تھے۔ اگر وہ مومن صالح ہوتے تو پھر انہیں ضرور خلیفہ راشد تسلیم کر لیا جاتا۔"[1]

## ہاشمی صاحب کا دجل اور حضرت قاضی صاحبؒ کی عبارت کی توضیح:

یہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا جھوٹا الزام ہے جو وہ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سر تھوپ رہے ہیں کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مومن صالح ہی تسلیم نہیں کیا ورنہ خلیفہ راشد ضرور تسلیم کر لیتے۔ حالاں کہ حقیقت میں اگر دیکھا جائے تو حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں کسی بھی طرح سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ادنیٰ گستاخی بھی نہیں پائی جاتی۔ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو محض سمجھانے کی غرض سے ایک مثال بیان فرما رہے ہیں کہ اگر بالفرض آیت استخلاف سے ﴿منکم﴾ اور آیت تمکین سے ﴿الذین اخرجوا من دیارھم﴾ کو نظر انداز کر دیا جائے اور اس وعدۂ خلافت کو عام رکھا جائے تو سب سے پہلے تو قیامت تک آنے والے تمام خلفاء کا مومنین صالحین ہونا ثابت کرنا پڑے گا اور پھر اس کے بعد ان کو خلفائے راشدین تسلیم کیا جائے گا، حالاں کہ ان میں بہت سے فاسق و فاجر بھی ہوں گے۔ لہٰذا خلفائے اربعہ کے بعد کسی خلیفہ کے بارے میں یہ ثابت کرنا مشکل ہو جائے گا کہ وہ مومنین صالحین میں سے تھا یا نہیں اور اس طرح کرنے سے مخالفین کے لئے بحث کا ایک نیا دروازہ کھل جائے گا۔

لہٰذا حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ: "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مومنین صالحین میں سے نہیں تھے، کیوں کہ اگر وہ مومن صالح ہوتے تو پھر انہیں ضرور خلیفہ راشد تسلیم کر لیا جاتا۔" بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ مومنین صالحین میں سے تھے اور خلیفہ برحق تھے اور ان کو رشد و ہدایت کی وجہ سے تو خلیفہ راشد کہہ سکتے ہیں، لیکن قرآن کی مراد کے تحت اُن کو خلیفہ راشد ہرگز نہیں کہہ سکتے، اس لئے کہ یہ خلافت راشدہ صرف مہاجرین اولین کے ساتھ مختص ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مہاجرین اولین میں سے نہیں ہیں۔

اور دوسرے یہ کہ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت میں تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات کی طرف اشارہ تک نہیں، اس لئے کہ وہ تو قیامت تک آنے والے علی الاطلاق تمام مسلم حکمرانوں کی بات کر رہے ہیں کہ اگر آیت تمکین و استخلاف میں ﴿منکم﴾ اور ﴿الذین اخرجوا من دیارھم﴾ کی قیدیں نہ ہوتی تو پھر یزید، حجاج

---

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۳۰۴)

مامون، معتصم اور پرویز مشرف جیسے بدعتی اور فاسق حکمران بھی اپنے آپ کو اس آیت کا مصداق قرار دیتے۔

چنانچہ "آیت تمکین" و "آیت استخلاف" کے متعلق اسی بحث کو مزید وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے ایک دوسری جگہ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"آیت تمکین" میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین صحابہ ﷺ کے متعلق ایک اعلان فرمایا ہے (جن کو کافروں نے گھروں سے نکال دیا تھا اور وہ رسول اکرم ﷺ کے حکم کے تحت مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہو گئے تھے) کہ اگر ہم ان کو ملک میں حکومت واقتدار دے دیں تو وہ ضرور ان چار کاموں کی تکمیل کریں گے، اور چوں کہ ان مہاجرین صحابہ کرام ﷺ میں سے آنحضرت ﷺ کے بعد صرف ان چار اصحاب ﷺ ہی کو ملکی اقتدار عطا فرمایا ہے، یعنی حضرت ابوبکر صدیق ﷺ حضرت عمر فاروق ﷺ حضرت عثمان ذوالنورین ﷺ اور حضرت علی المرتضیٰ ﷺ اس لئے حسب اعلان خداوندی قرآن پر ایمان رکھنے والوں کے لئے یہ قطعی عقیدہ لازم ہے کہ ان چاروں خلفاء ﷺ نے ضرور وہ کام سرانجام دیئے ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے، یعنی اقامت صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ اور اگر کوئی شخص باوجود اس اعلان خداوندی کے ان خلفائے اربعہ ﷺ کو برحق تسلیم نہیں کرتا تو وہ اس آیت کا منکر ہے، اور اُس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا مذکورہ اعلان صحیح ثابت نہیں ہوا۔ العیاذ باللہ!۔ اور اس آیت کا یہ مطلب بھی نہیں لیا جا سکتا کہ مذکورہ تمکین واقتدار کا وعدہ مابعد کے خلفاء کے لئے ہے، کیوں کہ یہ اعلان ﴿ الذین أخرجوا من دیارھم ﴾ کے لئے ہے، جو مہاجرین صحابہ ﷺ ہیں، اور سوائے ان چار خلفاء کے صحابہ ﷺ میں سے اور کسی مہاجر صحابی کو خلافت نہیں ملی۔ اسی بناء پر ان چاروں خلفاء ﷺ کی خلافت کو خصوصی طور پر "خلافت راشدہ" کہتے ہیں جو قرآن کی موعودہ خلافت ہے، اور یہ خلافت ان چار یار ﷺ ہی میں منحصر ہے۔.... اسی طرح "آیت استخلاف" میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ایمان وعمل صالح والے صحابہ کرام ﷺ کو خلیفہ بنانے کا وعدہ فرمایا ہے جو اس آیت کے نازل ہونے کے وقت موجود تھے، جس پر لفظ ﴿ منکم ﴾ دلالت کرتا ہے۔ اور چوں کہ نبی کریم، رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد

صرف حضرت ابوبکر صدیق ؓ، حضرت عمر فاروق ؓ، حضرت عثمان ذوالنورین ؓ اور حضرت علی المرتضیٰ ؓ کو ہی خلافت اور جانشینی کا عظیم شرف نصیب ہوا ہے، اس لئے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن خلفاء کے متعلق اس آیت میں وعدہ فرمایا تھا وہ یہی چار ہیں اور ان کی خلافت قرآن کی موعودہ خلافت ہے، اور اگر ان چار خلفاء کو اس آیت کا مصداق نہ قرار دیا جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ثابت نہیں ہو سکتا، اور آیت میں ﴿منکم﴾ کی قید کی وجہ سے بعد کے خلفاء اس آیت کا مصداق قرار نہیں دیے جا سکتے، خواہ حضرت امام حسن ؓ ہوں یا حضرت امیر معاویہ ؓ اور خواہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہوں یا قرب قیامت میں پیدا ہونے والے حضرت مہدی علیہ السلام جو اُمت محمدیہ ﷺ کے آخری ہادی اور مجدد ہوں گے، اور جن کی عادلانہ اسلامی حکومت کے بارے میں احادیث میں پیش گوئی موجود ہے۔ ان مابعد خلفاء کو بعض حضرات نے جو خلفائے راشدین میں شمار کیا ہے تو وہ لغوی معنی میں ہے کہ ان کی حکومتیں بھی برحق خلافتیں ہیں اور وہ بھی رشد و ہدایت والے ہیں۔ لیکن اصل خلفائے راشدین یہی خلفائے اربعہ (چار یار) ہیں جو قرآن کی موعودہ خلافت کا صحیح مصداق ہیں اور ان کے بعد آنے والے خلفاء اس آیت کے موعودہ خلفاء نہیں قرار دیے جا سکتے، کیوں کہ حسب آیت تمکین اس آیت استخلاف سے مراد بھی وہی خلفاء ہیں جو مہاجرین صحابہ ؓ میں سے ہوں گے۔''[1]

اس تمام تر تفصیل سے ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے جن خلفاء کے متعلق آیت تمکین میں یہ فرمایا ہے کہ اگر ہم ان کو ملک میں حکومت واقتدار دے دیں تو وہ ضرور ان چار کاموں (اقامت صلوٰۃ، ایتاء زکوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) کی تکمیل کریں گے، تو وہ یہی چار خلفاء یعنی حضرت ابوبکر صدیق ؓ، حضرت عمر فاروق ؓ، حضرت عثمان ذوالنورین ؓ اور حضرت علی المرتضیٰ ؓ تھے، جن کو آنحضرت ﷺ کے بعد حسب وعدہ اللہ تعالیٰ نے ملکی اقتدار اور خلافت عطا فرمائی، اور انہی چار خلفاء کی خلافت قرآن کی موعودہ خلافت ہے۔ ان کے بعد آنے والے دیگر خلفاء کو آیت تمکین میں بقید لفظ ﴿منکم﴾ کے اور آیت استخلاف میں بقید ﴿الذین اخرجوا من دیارھم﴾ کے قرآن مجید کی موعودہ

---

[1] (سنی موقف: ۵۲، ۵۳)

خلافت کا کسی بھی طرح مصداق نہیں قرار دیا جاسکتا۔

## حضرت قاضی صاحب کے حامیانِ یزید کے تعاقب کرنے پر ہاشمی صاحب کی برہمی:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''موصوف (حضرت قاضی صاحب) نے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد تسلیم کرنے والوں کو'' حامیانِ یزید'' قرار دیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ'' حامیانِ یزید جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید کی آیت ﴿ اولٓئک ھم الراشدون ﴾ کے تحت خلیفہ راشد قرار دیتے ہیں، یعنی جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بحیثیت صحابی راشد ہیں تو بحیثیت خلیفہ کیوں نہ راشد ہوں گے، لیکن اُن کا یہ استدلال غلط ہے۔'' [1]

## ہاشمی صاحب کا دجل اور حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کی وضاحت:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مدعا پر مشتمل بارہ سطروں کے ایک پیرائے کو ڈیڑھ سطر میں بیان کر کے اُس کا سیاق حذف کر کے اپنے دجل وتلبیس سے کام لیتے ہوئے قارئین یا تمکین کو یہ باور کرانے کی ناکام کوشش کی ہے کہ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نعوذ باللہ! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد ہی تسلیم نہیں کرتے بلکہ اُلٹا آپ کو خلیفہ راشد تسلیم کرنے والوں کو'' حامیانِ یزید'' قرار دیتے ہیں، حالاں کہ حقیقت میں ایسی کوئی بات نہیں ہے، بلکہ اگر آپ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مکمل عبارت ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا فسوں خود ٹوٹتا ہوا نظر آئے گا۔

چنانچہ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''خلیفہ راشد'' کے لغوی واصطلاحی معنی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''حامیانِ یزید جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید کی آیت ..... ﴿ اولٓئک ھم الراشدون ﴾ کے تحت خلیفہ راشد قرار دیتے ہیں، یعنی جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بحیثیت صحابی راشد ہیں تو بحیثیت خلیفہ کیوں نہ راشد ہوں گے، لیکن اُن کا یہ استدلال غلط ہے۔ بے شک شخصی طور پر دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی راشد ہیں اور حضرت امام

---

[1] اظہار حق قسط حصہ دوم: ۲۔ ۲۴۳ بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۳۰۳)

بلکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ مع اپنے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے جنت کے جوانوں کے سردار ہیں لیکن بوجہ مہاجرین اوّلین میں نہ ہونے کے قرآن مجید کے موعودہ خلفائے راشدین میں شمار نہیں ہو سکتے اور ﴿علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین﴾ میں بھی وہی قرآن کے معیاری چار خلفائے راشدین مراد ہیں، کیوں کہ ان چار کی خلافت باقتضائے نص قرآنی اللہ تعالیٰ کی ہر طرح سے پسندیدہ خلافت ہے۔ لہٰذا شرعی اصطلاح میں سوائے ان خلفائے اربعہ (چار یار) کے اور کوئی خلیفہ راشد نہیں ہوگا، اور لغوی معنی میں دوسرے صحابہ جو منصب خلافت پر متمکن ہوئے ہیں یعنی حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بھی خلیفۂ راشد ہوں گے۔''[1]

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مطلق خلیفۂ راشد ہونے کا ہرگز انکار نہیں فرمایا بلکہ جس طرح حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے لئے اصطلاحی خلیفہ راشد ہونے کا انکار فرمایا ہے، اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے بھی شرعی خلیفۂ راشد ہونے کا انکار فرمایا ہے، اس لئے کہ آیت تمکین و آیت استخلاف کی رُو سے اصطلاحی خلفائے راشدین صرف خلفائے اربعہ (چار یار) ہی ہیں، البتہ لغوی اعتبار سے آپؒ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تینوں حضرات کو خلیفہ راشد کہا ہے، اور اس میں کوئی اشکال نہیں۔

ہاں! قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اصطلاحی خلیفہ راشد قرار دینے والوں کو ''حامیان یزید'' کہنا ایک حقیقت ہے۔ یہ نیا عقیدہ وہی لوگ الاپ رہے ہیں جو در اصل یزیدی ہیں اور اس طرح یزید پلید کی حکومت کو خلافت راشدہ کا تسلسل ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

## قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ''منصب نبوت'' پر فائز کرنے کا اعتراض:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت قاضی صاحب لکھتے ہیں:

''۲- آیت استخلاف کے تحت صحیح انتخاب سے بہ حکم و رضائے خداوندی 'منصب

---

[1] (خارجی فتنہ: ۲/۷۷۰)

نبوت'' پر فائز ہونے والے خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیعت کا مطالبہ کیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قاتلین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے سپرد کرنے اور قصاص لینے کی شرط پیش کر دی۔''[1]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت کرتے کرتے قاضی صاحبؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ''منصب نبوت'' پر بھی فائز کر دیا۔ فیا اسفا! (ظاہر ہے کہ یہ ''کتابت'' کی غلطی ہے)[2]

## حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ''منصب نبوت'' پر فائز ہونے کا مطلب:

(دیگر خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی طرح) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ''منصب نبوت'' پر فائز ہونے کا وہ مطلب نہیں جو پروفیسر آں موصوف نے مراد لے رکھا ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دیگر حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم سمیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت مطلق حکومت نہیں بلکہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ ہے۔ اور امت مسلمہ شروع ہی سے ان چاروں خلفاء کو جانشین رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی خلافت کو ''تتمۂ مصطفوی'' سمجھتی آئی ہے۔

چنانچہ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''ایام خلافت بقیہ ایام نبوت است۔''[3]

ترجمہ: خلفائے راشدین کی خلافت کا زمانہ بقیہ زمانہ نبوت تھا۔

اور امام اہل سنت مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''اس میں شک نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا تذکرہ اور ان کے اوصاف و کمالات کا بیان درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کا تتمہ اور تکملہ ہے۔''[4]

اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہ آج کل مدارس سے نئے فارغ التحصیل ہونے والے فضلائے کرام کو یہ کہا

---

[1] (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۲۸۱ بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۳۰۵)

[2] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۳۰۵)

[3] (ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء: ۱/۱۰۰)

[4] (خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم: ص ۵، بحوالہ خارجی فتنہ ۲/۴۷۵، ناشر: تحریک خدام اہل سنت والجماعت، پاکستان)

جاتا ہے کہ اب آپ منصب نبوت کے امین اور وارث ہیں یا جیسے تبلیغی جماعت والے کہتے ہیں کہ "دعوت وتبلیغ" نبیوں والا کام ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کے ہر ہر فرد کے ذمہ لگایا ہے۔ تو اب اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ حضرات منصب نبوت پر فائز ہو گئے ہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو کام نبیوں کا تھا وہی کام اب ان کے ذمہ بھی لگ گیا ہے۔

حاصل یہ کہ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے جو منصب نبوت پر فائز ہونے کے الفاظ بولے ہیں تو اس سے (دیگر حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم سمیت) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا علیٰ منہاج النبوۃ اور آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تتمہ مصطفویہ ہونا مراد لیا ہے، آپ کا (نعوذ باللہ!) نبی ہونا مراد نہیں لیا۔

ہاں! زیادہ سے زیادہ اس بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کی جگہ کوئی کوئی زیادہ واضح تعبیر اختیار فرماتے تو بہتر تھا مگر کون سا مصنف ایسا ہے کہ جس کا ہر ہر حرف کامل واکمل ہو؟۔

## حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر توہین معاویہ رضی اللہ عنہ کا الزام:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

> "قاضی صاحب اپنے ایک دوسرے جوابی مضمون میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صریح "توہین وتفسیق" کا ارتکاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "میرے پیش کردہ مذکورہ مؤقف پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ مولانا ابوریحان صاحب نے تو اجتہادی خطا وصواب کے حتمی اور یقینی ہونے پر یہ قید لگائی ہے کہ ان کا یقینی ہونا کسی نص سے ثابت ہو جائے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے صواب اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطا کے ثابت کرنے کے لئے کون سی نص پائی جاتی ہے؟۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سورۃ النور کی آیت استخلاف اور سورۃ الحج کی آیت تمکین سے خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کا موعودہ خلفائے راشدین ہونا ثابت ہوتا ہے۔
>
> چنانچہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آیت استخلاف کے تحت لکھتے ہیں:
>
> "خطاب فرمایا حضرت کے وقت کے لوگوں کو جو ان میں نیک ہیں، پیچھے ان کو حکومت دے گا، اور جو دین پسند ہے ان کے ہاتھ سے قائم کرے گا، اور وہ بندگی کریں گے بغیر شرک۔ یہ چاروں خلیفوں سے ہوا، پہلے خلیفوں سے اور زیادہ، پھر جو کوئی اس نعمت کی

ناشکری کرے ان کو بے حکم (فاسق) فرمایا۔ جو کوئی ان کی خلافت کا منکر ہو اس کا حال سمجھا گیا

(ومن کفر بعد ذلک فاولئک هم الفاسقون)۔"

حضرت دہلویؒ نے واضح فرمادیا کہ جو کوئی ان چاروں خلفاءؓ کی خلافت کا منکر ہو وہ بے حکم یعنی نافرمان ہے۔

اب فرمایئے کہ کیا حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت علی المرتضیٰؓ کے ساتھ جنگ نہیں کی؟۔

(اس طرح قاضی صاحبؒ نے محقق اہل سنت مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی نوراللہ مرقدہ کے سوال کے جواب میں حضرت معاویہؓ کی خطا "نص" سے ثابت کردی۔ معلوم نہیں کہ جو خطا "نص" سے ثابت ہو تو اُسے "خطائے اجتہادی" کیوں کر قرار دیا جاسکتا ہے؟۔) [1]

## نص سے ثابت ہونے والی خطائے اجتہادی کو خطائے اجتہادی نہ کہیں تو پھر اور کیا کہیں؟:

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت معاویہ کی نص قرآنی سے ثابت ہونے والی "خطائے اجتہادی" کو "خطائے اجتہادی" نہ کہیں تو پھر اور کیا کہیں؟

حضرت معاویہؓ کی جو خطا خلیفہ برحق یعنی حضرت علیؓ کے خلاف ناحق خروج کی صورت میں واقع ہوئی تھی تو درحقیقت وہ حدیث عمارؓ ﴿تقتلک الفئة الباغية﴾ کی رُو سے بالاجماع بشری خطا تھی، لیکن حضرت معاویہؓ کے شرف صحبت اور علم وفضل کی بناء پر اُسے "خطائے اجتہادی" کہا جاتا ہے۔ اگر یہی خطا کسی عام شخص سے صادر ہوتی تو اُس پر گناہ کبیرہ اور فسق کا اطلاق کیا جاتا، مگر یہاں حضرت معاویہؓ کا شرف صحابیت اور آپ کا علم و فضل یہ لازم کرتا ہے کہ اگر فسق ومعصیت کے اطلاق سے مفر کی کوئی شکل ہو تو اُسے اختیار کیا جائے اور وہ واحد شکل یہی ہے کہ حضرت معاویہؓ کی اس خطا کو "خطائے اجتہادی" قرار دیا جائے۔

یہ تو علمائے اہل سنت والجماعت کی انتہائی احتیاط ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہؓ کی انتہائی تعظیم و تکریم سے کام لیا ہے اور کوشش کی ہے کہ اُن کے اس عمل کی وجہ سے کسی بھی طرح اُن پر فسق ومعصیت کا اطلاق نہ

---

[1] (سیدنا معاویہؓ کے ناقدین، ۳۰۷، ۳۰۸)

ہونے دیا جائے۔ مگر ناصبیت کہاں اس پر راضی ہوتی ہے؟ بلکہ وہ تو مصر ہے اس بات پر کہ حضرت معاویہ ؓ کو بہر حال مصیب ہی مانا جائے چاہے کسی نص شرعی اور حدیث متواتر کا حلیہ ہی کیوں نہ بگاڑنا پڑے۔

﴿مِن سعادة ابن آدم استخارتُه الله ، الحديث﴾

یعنی اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرنا آدمی کی سعادت مندی کی علامت ہے۔ (ترمذی)

# استخارہ کی شرعی حیثیت


از قلم :

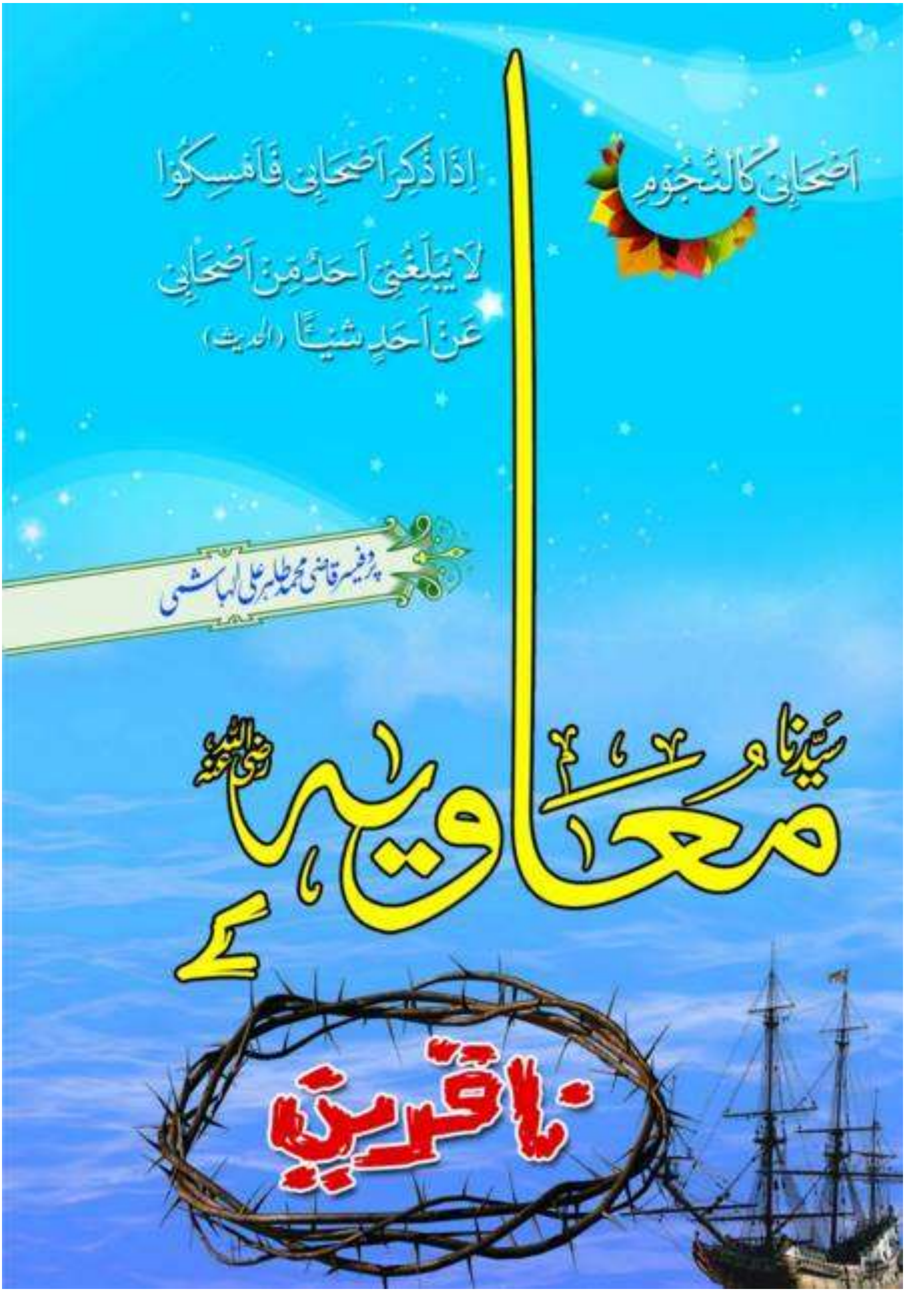
مفتی محمد وقاص رفیعؔ

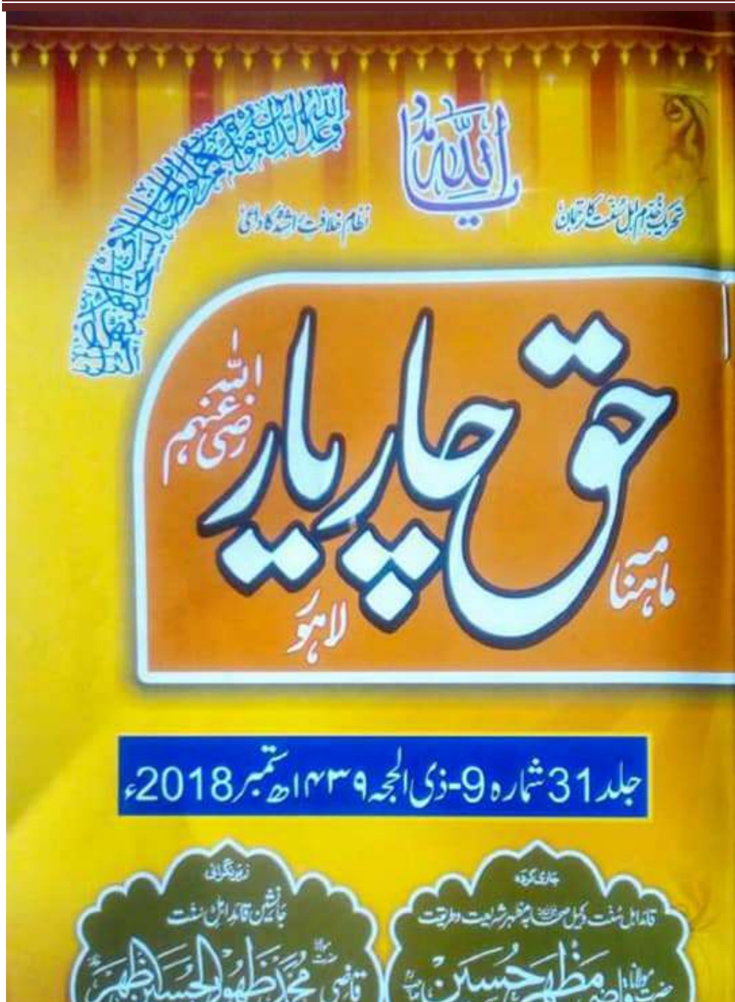
فاضل مدرسہ عربیہ تبلیغی مرکز رائے ونڈ لاہور



من منشورات:

ادارة التحقيق والأدب


اَصحابی کالنّجوم
اِذا ذُکِرَ اَصحابی فَامسِکُوا
لا یُبَلِّغُنِی اَحَدٌ مِن اَصحابی
عَن اَحَدٍ شَیئًا (الحدیث)
پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی
سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ
کے
ناقدین


ماہنامہ
حق چار یار
رضی اللہ عنہم
لاہور
جلد 31 شمارہ 9- ذی الحجہ ۱۴۳۹ھ ستمبر 2018ء
حضرت مولانا قاضی مظہر حسین
بانی تحریک خدام اہل سنت پاکستان
قاضی محمد ظہور الحسین اظہر
امیر تحریک خدام اہل سنت پاکستان

## تبصرہ کتب

| | | |
|---|---|---|
| کتاب کا نام | ........ | حضرت امیر معاویہؓ اور عباراتِ اکابر |
| تصنیف | ........ | مولانا مفتی محمد وقاص رفیع |
| صفحات | ........ | ۲۳۲ |
| قیمت مندرجہ | ........ | ۱۰۰۰ روپے |
| ناشر | ........ | ادارۃ التحقیق والادب، واہ کینٹ 0300-5808678 |

علامہ عبدالعزیز پرہاڑویؒ نے محمد بن محمود آملیؒ کی کتاب ''نفائس الفنون'' کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں کسی نے پوچھا کہ آپ افضل ہیں یا حضرت علیؓ؟ تو انہوں نے جواب دیا ''**خطوط من علی خیر من آلِ ابی سفیان**'' علیؓ کے نقش پا بھی ابوسفیانؓ کی آل سے بہتر ہیں۔ (الناہیہ عن طعن المعاویہؓ ص ۲۸)

اللہ تعالیٰ کے فرمان عالیشان ''**رحماء بینھم**'' میں کسی کو شک کی مجال نہیں ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس سے صحابہ کرامؓ کی معصومیت کا اصول نہیں نکلتا، بعض بشری تقاضوں، مخصوصی حالات اور منافقین و یہود کی سازشوں کی وجہ سے ان نفوسِ قدسیہ کے مابین جتنے نزاعات پیش آئے۔ اہل سنت سبھی سے حُسن ظن رکھتے ہوئے ان کی معقول توجیہ کرتے ہیں تا کہ کسی کی بے ادبی لازم نہ آئے جب کہ اہل سنت کے بالمقابل روافض، خوارج، نواصب یا انہی کے بطن سے نکلنے والے انڈے، بچے سب کے سب حصہ بقدر جثہ کے تحت بے ادبی اور بے توقیری کے مرتکب ہوتے ہیں چند سال قبل مولانا طاہر ہاشمی کی کتاب ''ناقدین امیر معاویہؓ'' شائع ہو کر آئی تھی جس کا خلاصہ اگر چند لفظوں میں لکھا جائے تو وہ یہ ہوگا بہ قول مصنف کہ پوری کی پوری امت مسلمہ نے کبھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو قبول نہیں کیا اور زعماء امت نے ان پر ناقدانہ نظر ہی رکھی ہے۔ تب حضرت قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسینؒ بہت یاد آئے، جب انہوں نے اپنی ایک کتاب کا نام ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نادان حامی (غالی گروہ)'' رکھا تھا۔ اس سے بڑی کمال نادانی اور کیا ہوگی کہ روافض کے اس نظریہ کو

یہ کہہ کر تقویت دی جائے کہ اہل سنت والجماعت کے چوٹی کے اسلاف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے ادبی کرتے رہے۔ میرا خیال ہے جناب ہاشمی صاحب نے ناقدین کی ابتداء امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ملا علی قاریؒ سے کر کے بھی زبردست غلطی کی ہے۔ بلکہ انہیں "ناقدین امیر معاویہ رضی اللہ عنہ" کی ابتداء خود اصحاب رسول ﷺ سے کر لینی چاہیے تھی جو ایک بڑی تعداد میں خلیفۂ موعود سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معیت میں اُن کے خلاف لڑائیوں میں حصہ لے رہے تھے (اعاذنا اللہ منہ)۔ مجھے یہاں ایک تاریخی واقعہ یاد آ گیا۔ مشہور انقلابی اور احراری راہنما جانباز مرزا مرحوم نے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کی سوانح لکھی تھی۔ جو مولانا ابوذر عطا المنعم شاہ بخاریؒ کے دل کو نہ لگی تو انہوں نے زور دار الفاظ میں فرمایا یہ بھی کوئی سوانح ہے؟ اب میں خود لکھوں گا اور آغاز حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے کروں گا۔ مرزا صاحب کو مزاح سوجھا تو کہا، جناب حضرت آدم علیہ السلام کا کیا قصور ہے؟ وہاں سے آغاز فرمائیے گا۔ اس لیے جناب ہاشمی صاحب بھی ناقدین کی فہرست میں اگر ہابیل کا نام بھی درج فرما دیتے کہ نہ وہ پیدا ہوتے، نہ ان کی نسل میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نام کی شخصیت دنیا میں آتی، نہ مشاجرات کے قضیے پیش آتے اور نہ تنقید کے دروازے کھلتے، سو

کس کو باغ میں نہ جانے دیجو
کہ ناحق خون پروانے کا ہوگا

اہل بیت رسول ﷺ کو روافض اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو موجودہ دور کے یہ "نادان حامی" ایسے وکیل نصیب ہوئے کہ جو بجائے دفاع کرنے کے اُلٹا خود ہی توہین کے مرتکب ہو جاتے ہیں، اس وقت تفصیل میں جانا باعث طوالت ہوگا، فی الحال ہم ہاشمی صاحب کی کتاب "ناقدین امیر معاویہ رضی اللہ عنہ" کے جواب میں حال ہی میں منظر عام پر آنے والی والی زیر تبصرہ کتاب پر اپنی چند گزارشات پیش قارئین کریں گے۔ یہ کتاب مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے فاضل مولانا مفتی محمد وقاص رفیع کے گوہر ریز قلم کا نتیجہ ہے۔ اس میں انہوں نے بڑی متانت اور خوش اسلوبی کے ساتھ یہ نازک پگڈنڈی عبور کرنے کی ہمت کی ہے۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ جب کوئی شخصیت کسی بھی متحارب گروہ سے متعلق ہوتی ہے تو اس سے وابستہ جذبات میں مد و جزر کا پیدا ہو جانا ایک امر طبعی ہے۔ اہل سنت والجماعت کا دو ٹوک نظریہ ہے کہ خلفاء راشدین موعودہ چار ہیں، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی

رسول ﷺ کاتب وحی اور اپنے دیگر کمالات کی بناء پر جنتی ہیں اور ان کی محبت اہل ایمان کا اثاثہ ایمان ہے۔ تاہم مرتبہ کے لحاظ سے وہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہم پلہ نہ تھے اور باہمی جنگوں میں حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا اور نکتہ خطاء پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ مگر اس سے مراد خطاء اجتہادی ہے، جس میں مجتہد نیکی سے محروم نہیں ہوتا اور اس کی عزت و توقیر میں کوئی فرق نہیں آتا۔ زمانہ حال کے جذباتی، اشتعالی اور ہائی بلڈ پریشر کے مریض خوانخواہ اسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص سمجھ بیٹھے اور یوں انہیں اپنے سوا پوری کائنات کے مسلمان ''ناقدین'' دکھنے لگے۔

اس کتاب کے بعض ابواب کے مباحث یقیناً کمزور پہلو بھی لیے ہوئے ہیں۔ اور کمزور پہلوؤں سے کسی مصنف کی تصنیف خالی نہیں ہوتی۔ تاہم اُن چند کمزوریوں کے باوصف مجموعی اعتبار سے یہ کتاب سلسلۂ دفاعِ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک بہترین، لائق مطالعہ، قابل قدر اور مستحق تحسین کاوش ہے۔ کتاب ہذا ۶۳۲ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ حوالہ جاتی کتب پر نظر ڈالنے سے محسوس ہوتا ہے کہ مصنف کتاب ہذا نے سینکڑوں صفحات کا مطالعہ بایں معنی کیا ہے کہ اصل مصادر اور علمی منابع پر توجہ مرکوز رکھی ہے۔ استدلال اور نتیجہ فکر کے طور پر انہوں نے جو سطور لکھی ہیں، ان میں بھی کافی حد تک اعتدال چھلکتا ہے۔ اگر کوئی محقق عالم اس کتاب پر تنقیدی تبصرہ کر ڈالے تو مصنف کو دل برداشتہ نہیں ہونا ہوگا۔ بلکہ انہیں خوشی ہونی چاہیے کہ ان کی نگارشات کو اہل علم کے ہاں پذیرائی مل رہی ہے جب کہ یزیدی ٹولے کی جاہلانہ، غیر عالمانہ اور سوشل میڈیا پر پھیلائی جانے والی بعض خبیثانہ حرکتوں کو ہنس کر نظر انداز کر دینا چاہیے کہ ان ہوائی گولوں کی نہ پہلے کبھی وقعت رہی ہے، نہ اب ہوگی اور نہ کبھی ہو سکے گی۔ دورِ حاضر میں ایک بار پھر جب کہ غلط فہمیوں کے جال بُنے جا رہے ہیں۔ مصنف کتاب ہذا جیسے حساس مزاج فاضل کا میدانِ علم میں اترنا باعث مسرت ہے۔ بصر کی خواہش ہے کہ مولانا محمد اسماعیل ریحان، مفتی ابولبابہ شاہ منصور، مولانا طلحہ السیف اور اس سے اگلی صف کے لوگوں میں سے بالخصوص حضرت مولانا عبدالقدوس خان قارن اس محاذ پر توجہ دیں اور مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم، خلافت راشدہ موعودہ، نیز داخلی فتنوں کے متعلق جمہور اہل سنت والجماعت کے بے غبار نظریہ کو اپنی خداداد صلاحیتوں سے آشکار کریں۔ ایسے ہی بریلوی اور اہل حدیث کتب فکر میں بھی چند اہل قلم اس مخصوص اور حساس فکر کے موجود ہیں، جو دیگر تعبیری اختلافات کو چھوڑ کر اگر اس اجماعی اور اجتماعی کاز پر اپنی

دماغی پنہائیاں نچھاور کردیں تو ان کا بڑا احسان ہوگا۔ اہل علم زیر تبصرہ کتاب دیئے گئے فون نمبر سے رابطہ کر کے حاصل کریں۔ اسے اپنے کتب خانوں کی زینت بنائیں اور اس علمی تحفہ کی قدر کر کے اپنے خزانہ معلومات میں اضافے کے ساتھ ساتھ مصنف کی بھی ضرور حوصلہ افزائی فرمائیں۔ کتاب کی جلد مضبوط، کاغذ مناسب، سرورق جاذب نظر، کمپوزنگ قابل برداشت اور قیمت ''نا قابل برداشت'' ہے۔ اللہ کریم مصنف کی اس محنت کو قبولِ عام کا شرف بخشیں اور اپنی بارگاہ میں اسے مقبول فرما کر مخلوق کی ہدایت کا ذریعہ بنائیں۔ آمین ثم آمین۔

## موعودہ خلفاء راشدینؓ خلافت کی مرکزی پالیسی میں اجتہادی خطاء سے بھی محفوظ تھے

مقامِ حدیبیہ میں ۱۴ یا ۱۵ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کا خصوصی شرف حاصل ہوا ہے "لقد رضی الله عن المؤمنین اذیبا یعونك تحت الشجرہ "الآیۃ ۔ بالتحقیق اللہ تعالیٰ ان مؤمنین سے اس وقت راضی ہوگیا جو اس درخت کے نیچے آپ کی بیعت کر رہے تھے۔'' اس آیت کی بناء پر اہل السنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ اصحاب بیعت رضوان (جن میں خلفائے اربعہ حسب ترتیب خلافت سب سے افضل ہیں) سے اس کے بعد ایسا کوئی کام نہیں ہوا جو اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا باعث بنے۔ اللہ تعالیٰ کی خصوصی توفیق نے ان کو اپنی رضا پر قائم رکھا ہے۔ البتہ ان سے اجتہادی خطاء سرزد ہو سکتی ہے اور بعض سے اس کا وقوع بھی ہوا لیکن اجتہادی خطاء رضائے خداوندی کے منافی نہیں ہے کیونکہ وہ حق کے دائرہ میں ہی ہوتی ہے۔ اسی بناء پر ان کو اس خطا پر بھی حسب حدیث بخاری ایک ثواب ملتا ہے۔ اہل سنت کے نزدیک یہ چاروں خلفائے راشدین اجتہادی خطاء سے محفوظ نہیں ہیں۔ البتہ ان کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق خلیفہ بنایا ہے اس لیے خلافت کی مرکزی اہم پالیسی میں وہ خطائے اجتہادی سے بھی محفوظ ہیں تا کہ قیامت تک ایک معیاری خلافت کا نمونہ باقی رہے۔ (کشف خارجیت، قائد اہل سنت ص ۴۷۲)

# "حضرت امیر معاویہؓ اور عباراتِ اکابر" پر تبصرہ۔ ضمیمہ "اکابر کے نادان وکیل"

حافظ عبید اللہ

8 September 2018

بسلسلہ دفاع سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

"من ترا حاجی بگویم، تو مرا حاجی بگو" (قسط: 1)
(ضمیمہ "اکابر کے نادان وکیل")

ہم نے "مفتی محمد وقاص رفیع" کی کتاب "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابر" پر تقریباً 220 صفحات پر مشتمل قسط وار تبصرہ کیا تھا، اس کتاب میں مفتی موصوف نے کاتب وحی، صحابیِ رسول سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے خلاف "وکیل جرح" اور ان جلیل القدر صحابی پر تنقید کرنے والے غیر صحابہ اکابرین کے حق میں "وکیل دفاع" کا کردار ادا کیا تھا.
ہمارا یہ تبصرہ بعنوان "اکابر کے ناداں وکیل" پی ڈی ایف فائل کی صورت میں نیچے دیے گئے لنک سے حاصل کیا جا سکتا ہے، جن حضرات نے اس کا مطالعہ نہیں کیا وہ ضرور پہلے اسے پڑھیں.

+http://www.mediafire.com/.../%D8%A7%DA%A9%D8%A7%D8%A8%D8%B1...%

جیسا کہ مفتی وقاص رفیع کی کتاب کے نام سے ظاہر ہے، اس کا موضوع "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع" ہر گز نہیں، بلکہ غیر صحابہ اکابر کی ان عبارات کا دفاع اور ان کی تاویل کرنا مقصد ہے جن عبارات میں ایسے الفاظ پائے جاتے ہیں جن سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات پر تنقید اور آپ کی تنقیص کا پہلو نکلتا ہے، اور اگر مزید غور کیا جائے تو یہ کتاب لکھ کر اور ان عبارات کی تاویلات اور مطالب بیان کرکے (واضح رہے کہ مفتی وقاص کی ان باطل تاویلات پر ہم اپنے تبصرے میں بات کر چکے ہیں) خود مفتی وقاص رفیع نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ ان عبارات کی اگر کوئی مناسب تاویل نہ کی جائے تو ان میں واقعی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص اور آپ پر تنقید موجود ہے، ورنہ مفتی وقاص رفیع کو ان عبارات کی چونکہ چنانچہ اور آئیں بائیں شائیں کے ساتھ دور از کار تاویلات نہ کرنا پڑتیں، دوسرے لفظوں میں ان عبارات کی تاویل کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اگر تاویل نہ کی جائے اور ان عبارات کا ظاہری معنی لیا جائے تو واقعی ان سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص کا پہلو نکلتا ہے.
دو دن پہلے ایک دوست نے لاہور سے نکلنے والے "ماہنامہ حق چار یار" کے ستمبر 2018 کے شمارے کی طرف توجہ

دلائی کہ اس میں مفتی وقاص رفیع کی اسی کتاب پر "تبصرہ" شائع ہوا ہے، میرا اشتیاق بڑھا کہ ضرور دیکھنا چاہیے کہ کیا تبصرہ کیا گیا ہے، چنانچہ اسی دوست سے عرض کیا کہ میرے پاس تو یہ ماہنامہ نہیں آتا، اگر ان صفحات کا فوٹو بھیج دیں جن پر یہ تبصرہ موجود ہے تو نوازش ہوگی، چنانچہ انہوں نے مہربانی فرمائی اور مذکورہ شمارہ کے صفحات 46 تا 49 بھیج دیے، چونکہ ان صفحات پر مجھے "تبصرہ نگار" کا نام نہیں نظر آیا، اور رسالے کے شروع کے صفحات میرے سامنے نہیں کہ وہاں "تبصرہ کتب" کے آگے کس کا نام لکھا ہے اس لیے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ یہ تبصرہ کس کے قلم سے نکلا ہے، لیکن یہ صفحات بھیجنے والے دوست نے اطلاع دی کہ تبصرہ نگار کا نام "حافظ عبدالجبار سلفی" ہے، اور وہ ایک صاحب علم اور وسیع مطالعہ رکھنے والی شخصیت ہیں، چونکہ میرا موصوف سے کوئی ذاتی تعارف نہیں ہے، البتہ چند کتب اور تحریرات میں آپ کا نام کئی بار نظر سے گزرا ہے جس سے مجھے یہ اندازہ ہے کہ سلفی صاحب کا پسندیدہ موضوع "مشاجرات صحابہ کی بحثیں" ہے اور یہی ان کا اوڑھنا بچھونا ہے، اور آج کل اتفاق سے انہی کی مرتب کردہ کتاب "تذکرہ مولانا محمد نافع" میرے مطالعہ کے میز پر سامنے پڑی بھی ہے (جس کتاب سے حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ کے بیٹوں نے اظہار براءت کا اعلان بھی کیا تھا، اور یہ بھی اتفاق ہی ہے کہ "رحماء بینہم ٹرسٹ" کی طرف سے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ پر شائع کی گئی کتاب "حیات نافع" بھی سامنے ہی پڑی ہے) اس لیے مجھے اشتیاق ہوا کہ اگر واقعی یہ تبصرہ سلفی صاحب مذکور نے لکھا ہے تو مفتی وقاص رفیع کی کتاب پر ان کا تبصرہ ضرور پڑھنا چاہیے.

(میں یہ فرض کر لیتا ہوں کہ یہ تبصرہ حافظ عبدالجبار سلفی صاحب کے قلم سے ہی نکلا ہے)

چنانچہ تبصرہ پڑھنا شروع کیا تو سب سے پہلے اس کتاب کا نام لکھا تھا جس پر تبصرہ کیا جا رہا ہے اور وہ کتاب ہے "حضرت امیر معاویہ اور عبارات اکابر"، مصنف کا نام لکھا ہے "مولانا مفتی محمد وقاص رفیع"، لیکن حیرت کی بات ہے کہ تقریباً ساڑھے تین صفحات پر مشتمل اس تبصرے کے پہلے تقریباً اڑھائی صفحات میں اس "زیر تبصرہ" کتاب کے بارے میں کچھ بھی نہیں، بلکہ ایک دوسری کتاب "حضرت معاویہ کے ناقدین" پر تبصرہ کیا گیا ہے (جس پر یہی سلفی صاحب پہلے ہی بہت کچھ لکھ چکے ہیں)، اور حسب عادت تبصرہ نگار نے (بقول مفتی وقاص رفیع) اپنے "شعلہ بار قلم" کی شعلہ باری کا نمونہ دکھایا ہے، لیکن مجھے شدید حیرت اس پر ہوئی جب میں نے پروفیسر قاضی محمد طاہر ہاشمی صاحب کی کتاب "حضرت معاویہ کے ناقدین" کے بارے میں تبصرہ نگار کے یہ "طنزیہ" الفاظ پڑھے:

"میرا خیال ہے کہ جناب ہاشمی صاحب نے ناقدین کی ابتداء امام ابو حنیفہ (رح) اور ملا علی قاری (رح) سے کر کے بھی

زبردست غلطی کی ہے بلکہ انھیں ناقدینِ امیر معاویہ (رض) کی ابتداء خود اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کر لینی چاہیے تھی جو ایک بڑی تعداد میں خلیفہ موعود سدینا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معیت میں ان کے خلاف لڑائیوں میں حصہ رے رہے تھے" (ص 47).

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ قاضی طاہر ہاشمی صاحب کی کتاب میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا تو ناقدین حضرت معاویہ (رض) میں ذکر ہی سرے سے نہیں، اور ملا علی قاری (رح) کی تنقیدی عبارات کا ذکر بھی "نویں نمبر" پر ہے، یوں قاضی طاہر ہاشمی صاحب نے اپنی کتاب میں "ناقدین" کی ابتداء ہر گز حضرت امام ابو حنیفہ یا ملا علی قاری (رحمہما اللہ) سے نہیں کی، جن کے پاس یہ کتاب موجود ہے وہ خود دیکھ سکتے ہیں.

واضح رہے کہ میری ان معروضات کا مقصد مفتی وقاص رفیع کی کتاب کے مندرجات پر تبصرہ کرنا نہیں کہ وہ میں پہلے کافی حد تک کر چکا ہوں، ورنہ میں تبصرہ نگار کی اس طنز پر بھی کچھ عرض کرتا، یہاں میرا مقصد ماہنامہ حق چار میں کیے گئے مفتی وقاص رفیع کی کتاب پر تبصرے پر تبصرہ کرنا ہے، اب ایک تو میں یہ سوچ رہا ہوں کہ تبصرہ نگار نے تبصرہ کرنا تھا مفتی وقاص کی کتاب پر، لیکن وہ لے بیٹھے قاضی طاہر ہاشمی صاحب کی کتاب کو، پھر وہ کتاب بھی انہوں نے خود نہیں پڑھی، کیونکہ اگر پڑھی ہوتی تو انہیں ضرور علم ہوتا کہ اس کتاب میں مذکور ناقدین کی فہرست میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا نام ہے بھی یا نہیں؟ اور کیا اس فہرست کی ابتداء صاحب کتاب نے حضرت امام ابو حنیفہ (رح) یا ملا علی قاری (رح) سے کی ہے یا نہیں؟، تو کیا انہوں نے مفتی وقاص رفیع کی کتاب پڑھی ہو گی؟، میرے خیال میں تبصرہ نگار نے جو تبصرہ لکھا ہے اس کی بناء پر میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ انہوں نے مفتی وقاص رفیع کی کتاب بھی بالاستیعاب نہیں پڑھی.

بہر حال اب ہم ترتیب وار اس تبصرے کا جائزہ لیتے ہیں

(جاری ہے)

حافظ عبیداللہ

9 September

بسلسلہ دفاع سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

"من ترا حاجی بگویم، تو مرا حاجی بگو" (قسط 2)
(ضمیمہ "اکابر کے نادان وکیل")

مفتی وقاص رفیع کی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے ماہنامہ حق چار یار، (بابت ماہ ستمبر 2018) کے تبصرہ نگار، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین ہونے والے مشاجرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:
"بعض بشری تقاضوں، مخصوص حالات اور منافقین و یہود کی سازشوں کی وجہ سے ان نفوس قدسیہ کے مابین جتنے تنازعات پیش آئے، اہل سنت سبھی سے حسن ظن رکھتے ہیں، ان کی معقول توجیہ کرتے ہیں تاکہ کسی کی بے ادبی لازم نہ آئے، جب کہ اہل سنت کے بالمقابل روافض و خوارج، نواصب یا انہی کے بطن سے نکلنے والے انڈے، بچے سب کے سب حصہ بقدر جثہ کے تحت بے ادبی اور بے توقیری کے مرتکب ہوتے ہیں" (صفحہ 46)

قارئین محترم! تبصرہ نگار کی اس بات سے ہم سو فیصد متفق ہیں کہ زمانہ فتنہ (یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اور اس کے بعد) صحابہ کرام کے درمیان ہونے والے یہ تنازعات منافقین اور یہود کی سازشوں کی وجہ سے ہی پیش آئے، اور اہل سنت کا مسلک سبھی صحابہ سے حسن ظن رکھنا ہی ہے، وہ کوئی ایسی بات نہیں کرتے جس سے کسی بھی صحابی کی بے ادبی اور تنقیص نکلتی ہو.... بالفاظ دیگر، اگر کوئی اپنے آپ کو اہل سنت بھی کہے اور پھر صحابہ کرام کے درمیان ہونے والے ان تنازعات پر اپنی عدالت قائم کرکے ایسے فیصلے صادر کرے جس سے صحابہ کے کسی بھی فریق کی تنقیص یا بے ادبی کا پہلو نکلتا ہو تو ہم ایسے آدمی کو اہل سنت نہیں سمجھیں گے.
پھر تبصرہ نگار نے اہل سنت کے مقابلے میں "روافض" "خوارج" اور "انہی کے بطن سے نکلنے والے انڈوں اور بچوں" کا نام لے کر ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ سب کے سب حصہ بقدر جثہ صحابہ کرام کی بے ادبی اور بے توقیری کے مرتکب ہوتے ہیں... ہم تبصرہ نگار کی اس بات سے بھی متفق ہیں کہ صحابہ کرام کے مابین وقوع پذیر ہونے والے ان تنازعات و مشاجرات کو بیان کرتے ہوئے ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے صحابہ کرام کے کسی بھی فریق کی بے ادبی اور

بے توقیری ہوتی ہو یہ روافض، خوارج، نواصب اور ان کے انڈوں اور بچوں کا ہی وطیرہ ہے، ہاں ہم اس میں ایک اور نام "سبائی گروہ" کا بھی اضافہ کرتے ہیں کہ تبصرہ نگار نے شروع میں جس "منافقین و یہودی کی سازش" کا ذکر کیا ہے اس سے مراد یہی "سبائی گروہ" ہے.

اب قابل وضاحت یہ بات رہ گئی کہ تبصرہ نگار کے نزدیک کسی صحابی کی "بے ادبی، بے توقیری اور تنقیص" سے مراد کیا ہے؟ ہمارے نزدیک تو کسی بھی صحابی کے بارے میں ہر وہ بات اس کی بے ادبی ہی ہے جو بالفرض اگر وہ صحابی ہمارے سامنے ہوں تو ہم ان کے سامنے کہنا پسند نہ کریں، اور اسے اس صحابی کی بے ادبی خیال کریں، یا چلیں پیمانہ آج کے زمانے کے حساب سے ہی بنالیں کہ ہمارے کوئی بزرگ، استاد، شیخ یا پیر ہوں، تو ہر وہ بات جو ہم ان کی ذات کے بارے میں ان کے سامنے کہنا ان کی بے ادبی سمجھیں وہ بات ان کی بے ادبی اور بے توقیری ہی سمجھی جائے گی، رہے صحابہ کرام تو ان کے بارے میں تو اللہ تعالی نے "وکلًا وعد اللہ الحسنی" اور "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" فرما کر بتا دیا ہے کہ ان کے ساتھ اللہ نے کیا معاملہ فرمانا ہے، جبکہ غیر صحابی کسی بڑے سے بڑے امام، شیخ، مفسر، محدث یا فقیہ کے بارے میں اللہ نے ایسا اعلان نہیں فرمایا، تو جو بات ہم آج کے اپنے کسی بزرگ کے منہ پر کہنا بے ادبی سمجھیں، ویسی ہی بات صحابہ کرام کے بارے میں اگر کہی جائے تو وہ بطریق اولی ان کی بے ادبی اور بے توقیری ہی شمار ہو گی...

یہ تو تھی ہمارے نزدیک بے ادبی اور بے توقیری کی وضاحت، لیکن تبصرہ نگار نے اپنے تبصرہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

"حضرت معاویہ رضی للہ عنہ کی محبت اہل ایمان کا اثاثہ ہے تاہم مرتبہ کے لحاظ سے وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہم پلہ نہ تھے، اور باہمی جنگوں میں حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا اور نکتہ خطا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے مگر وہ خطائے اجتہادی ہے جس میں مجتہد نیکی سے محروم نہیں ہوتا اور اس کی عزت وتوقیر میں کوئی فرق نہیں پڑتا، زمانہ حال کے جذباتی، اشتعالی اور ہائی بلڈ پریشر کے مریض خوامخواہ اسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص سمجھ بیٹھے ہیں"

(ماہنامہ حق چار یار، صفحہ 48)

ان الفاظ میں تبصرہ نگار نے بتایا ہے کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہما) کے درمیان ہونے والی جنگوں میں "حق" حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، اور "نکتہ خطا" پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے، اور ان کی یہ خطا بھی (جان بوجھ کر نہیں) بلکہ اجتہادی غلطی ہے اور اس پر انہیں اجر بھی ملے گا، نیز تبصرہ نگار کے مطابق کسی کو "مجتہد مخطی" کہنے سے اس کی عزت وتوقیر میں کوئی فرق نہیں پڑتا.

میں عرض کروں گا کہ اول تو "حق" کا مقابل "خطا" نہیں بلکہ "باطل" ہوتا ہے، اگر تبصرہ نگار نے یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ "ان جنگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے" تو اس کا مقابل یہ بنتا ہے کہ "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یقینی طور پر باطل پر تھے"، لیکن تبصرہ نگار نے "حق" کا مقابل یہاں "ایسی خطائے اجتہادی کو بنایا ہے جس پر اجر بھی ملے گا"، یوں تبصرہ نگار کی اس بات میں تضاد ہے، وہ یوں کہ اگر ان مشاجرات کے بارے میں وہ یہ قطعی فیصلہ کرنے بیٹھے ہیں کہ فلاں فریق "حق" پر تھا اور فلاں "باطل" پر، تو یہ اجتہادی اختلاف نہ ہوا، لہٰذا پھر یہاں "خطائے اجتہادی" کی کوئی تُک نہیں بنتی، اور اگر وہ ان مشاجرات کو واقعی "اجتہادی اختلاف" سمجھتے ہیں تو پھر کسی ایک فریق کو قطعیت کے ساتھ "حق" پر وہ نہیں کہہ سکتے، کہ مجتہد کے قطعی صواب یا خطا کا قطعی فیصلہ یہاں دنیا میں نہیں ہو سکتا... اس نکتے پر میں مفتی وقاص رفیع کی کتاب پر اپنے مفصل تبصرے میں لکھ چکا ہوں... لیکن یہاں میں اس بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ تبصرہ نگار نے لکھا ہے کہ "کسی صحابی کے بارے میں یہ کہنا کہ ان سے اجتہادی غلطی ہو گئی، اس سے اس صحابی کی عزت و توقیر میں کوئی فرق نہیں پڑتا"، میرا سوال ہے کہ تبصرہ نگار کا یہ فیصلہ صرف حضرت معاویہ، حضرت عائشہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عمرو بن العاص اور ان تمام صحابہ کرام جنھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کی یا ان سے جنگ کی (رضی اللہ عنہم) کے لئے ہی ہے یا حضرت علی، حضرت حسن وحضرت حسین اور ان تمام صحابہ کرام جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف تھے (رضی اللہ عنہم) وغیرہم کے لئے بھی ہے؟ یعنی مثلًا اگر کوئی آدمی یہ کہہ دے کہ "فلاں مسئلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اجتہادی غلطی ہو گئی" یا "حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے فلاں موقع پر اجتہادی غلطی کا صدور ہو گیا" تو یہ بات ان حضرات کے بارے میں "بے ادبی" تو نہیں سمجھی جائے گی؟ اور ایسا کہنے والے پر "ناصبی" و "یزیدی" کے فتوے تو نہیں لگائے جائیں گے؟؟ اور اگر تبصرہ نگار کے نزدیک ان حضرات کے بارے میں یہ بات کہنا بے ادبی سمجھا جائے گا تو پھر کسی اور صحابی کے بارے میں بھی ایسی بات کہنا کیوں بے ادبی نہیں ہو گا؟؟.

یا تھوڑا نیچے آتا ہوں، اگر میں کہوں کہ وہ تمام غیر صحابہ اکابرین جن کی عبارات کا دفاع کرنے کے لیے مفتی وقاص رفیع نے 632 صفحات کی کتاب لکھی ہے، ان سب اکابر سے "اجتہادی غلطی" ہوئی ہے، تو کیا یہ ان اکابر کی بے ادبی و بے توقیری سمجھی جائے گی یا نہیں؟؟، اگر نہیں تو پھر مفتی وقاص رفیع نے اپنی کتاب میں مضحکہ خیز تاویلات کے ذریعے ایسی ایسی باتوں کو درست ثابت کرنے کی سعی نامشکور کیوں کی جن کا غلط ہونا اظہر من الشّمس ہے؟ مثال کے طور پر حضرت قاضی مظہر حسین صاحب (رح) نے خارجی فتنہ (طبع اول) میں ایک جگہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے

میں لکھا تھا کہ "آیت استخلاف کے تحت صحیح انتخاب سے بہ حکم ورضائے خداوندی منصب نبوت پر فائز ہونے والے خلیفہ راشد حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ"....اس عبارت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے "منصب نبوت پر فائز" ہونے کے لفظ ہیں جو کسی طرح بھی درست نہیں.. لیکن اس کا جواب دیتے ہوئے بھی مفتی و قاص رفیع یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں کہ یہ طباعت کی غلطی ہے یا اجتہادی غلطی ہے، بلکہ انہوں نے اس کی تاویلات شروع کر دیں کہ قاضی صاحب کی اس سے مراد یہ ہے وہ ہے... لیکن جب خود بھی دل مطمئن نہ ہوا تو آخر میں یہ بھی لکھ دیا کہ "ہاں زیادہ سے زیادہ اس بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت قاضی صاحب رحمۃاللہ علیہ اس کی جگہ کوئی زیادہ واضح تعبیر اختیار فرماتے تو بہتر تھا" (مفتی و قاص کی کتاب: صفحہ 630)... یہاں مفتی و قاص رفیع، قاضی صاحب کی اس بات کو اجتہادی غلطی تو دور کی بات "طباعت کی غلطی" بھی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں کہ یوں قاضی صاحب کی بے ادبی ہوتی تھی.

بہر حال! اس سوال کا جواب تو تبصرہ نگار کے بڑے بھی نہ دے سکے، یہ کیا دیں گے... میں آگے چلتا ہوں، تبصرہ نگار کی بات سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے درمیان سبائی سازشیوں کی طرف سے لگائی گئی آگ کی وجہ سے جو کچھ ہوا، اس پر بات کرتے ہوئی ہمارے لیے آخری حد یہ ہے کہ ہم "خطائے اجتہادی" سے آگے کچھ نہ کہیں، کیونکہ اگر ہم اس سے آگے بڑھیں گے تو یا رافضیت کی حدود میں داخل ہو جائیں گے یا ناصبیت و خارجیت کی زمین میں قدم رکھ دیں گے... اور جیسا کہ بیان ہوا تبصرہ نگار کے خیال میں کسی صحابی کے بارے میں قطعیت کے ساتھ یہ کہنا کہ اس سے اجتہادی غلطی ہو گئی یہ اس صحابی کی بے ادبی ہرگز نہیں.

اب اگر آج کا کوئی محقق مشاجرات صحابہ پر کتابیں لکھے اور اس حد سے تجاوز کرے، تو تبصرہ نگار بھی مانتے ہیں کہ یہ اہل سنت کا مسلک نہیں، یوں اگر ہم یہ ثابت کردیں کہ مفتی محمد و قاص رفیع نے اس حد سے خطرناک حد تک تجاوز کیا ہے تو تبصرہ نگار کی ایمانداری کا تقاضہ ہے کہ وہ تسلیم کریں کہ مفتی و قاص رفیع نے رافضیت و سبائیت کی خدمت کی ہے (ان شاء اللہ ہم آگے یہ ثابت کریں گے) .

یہاں ہم وضاحت کردیں کہ ہمارے نزدیک اہل سنت کا سب سے قوی، محتاط اور عمدہ مسلک یہی ہے کہ صحابہ کرام کے مابین ہونے والے مشاجرت پر توقف و سکوت اختیار کیا جائے اور اس پر عدالتیں لگا کر فیصلے نہ کیے جائیں کہ ان تمام نفوس قدسیہ کے لیے اچھائی کا وعدہ اللہ کے قرآن میں موجود ہے، اور نہ ہی ہم سے ان کے اعمال کے بارے میں سوال کیا جائے گا، ہمارے لئے ان سب کا ادب و احترام ضروری ہے... اور ہم ان مشاجرات کو حقیقت میں اجتہادی ہی سمجھتے

ہیں، اور اجتہادی اختلافات میں "حق" و "باطل" کے فیصلے نہیں کیے جاسکتے ... ہم کسی کو بھی مخطی نہیں کہتے، ہم صحابہ کرام کی اس اکثریتی جماعت کے موقف کو ہی محتاط سمجھتے ہیں جو ان جنگوں کے دوران غیر جانبدار رہے ... اگر یہ "خارجیت" اور "رافضیت" ہے تو پھر شوق سے ہمیں خارجی ورافضی کہیں ... لیکن اگر یہ موقف صحابہ کرام کے ادب واحترام کے عین مطابق ہے تو پھر "خارجی" اور "یزیدی" کی گردانیں پڑھنے والے اصول کے ساتھ بات کریں اور ہمیں سمجھائیں کہ اجتہادی اختلافات کے اصول و قواعد کیا ہوتے ہیں ...

(جاری ہے)

حافظ عبیداللہ

10 September

بسلسلہ دفاع سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ
"من ترا حاجی بگویم، تو مرا حاجی بگو" (قسط 3)
(ضمیمہ "اکابر کے نادان وکیل")

مفتی محمد وقاص رفیع کی کتاب "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابر" پر تبصرہ کرتے ہوئے ماہنامہ حق چار یار لاہور کے تبصرہ نگار لکھتے ہیں:

"چند سال قبل مولانا طاہر ہاشمی کی کتاب "ناقدین امیر معاویہ" شائع ہو کر آئی تھی، جس کا خلاصہ اگر چند لفظوں میں لکھا جائے تو وہ یہ ہوگا بہ قول مصنف کہ پوری امت مسلمہ نے کبھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو قبول نہیں کیا اور زعماء امت نے ان پر ناقدانہ نظر ہی رکھی ہے" (صفحہ 46)

تبصرہ نگار نے مولانا طاہر ہاشمی صاحب کی کتاب کا جو "خلاصہ" نکالا ہے یہ بھی ان کے اندر کا غبار ہے جو وہ نکال رہے ہیں، ورنہ ہاشمی صاحب نے نہ تو "پوری امت اسلامیہ" کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد بتایا ہے اور نہ ان کی کتاب کا یہ خلاصہ ہی ہے، حقیقت یہ ہے کہ کتاب مذکور کے دوسرے ایڈیشن میں کل 44 حضرات کی عبارات پر بات کی گئ ہے، کیا حق چار یار کے تبصرہ نگار کے نزدیک چودہ صدیوں میں پوری امت مسلمہ کے زعماء کی تعداد صرف 44 ہے؟؟ اور جب مفتی وقاص رفیع نے بزعم خود ہاشمی صاحب کی اس کتاب کا جواب لکھا تو ان 44 میں سے صرف 21 حضرات کی عبارات کا ہی دفاع کرنے کی کوشش کی... پھر طاہر ہاشمی صاحب نے بھی صرف ان حضرات کی چند عبارات پیش کرکے ان کے بارے میں کہا ہے کہ عبارات کی حدتک یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید دکھتی ہے، یہ ہرگز نہیں لکھا کہ "ان میں سے کسی نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بطور صحابی یا بطور خلیفہ قبول نہیں کیا، یوں میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ تبصرہ نگار نے یہ بات بھی خلاف حقیقت لکھی ہے.

اس کے بعد تبصرہ نگار لکھتے ہیں:

"اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو روافض اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو موجودہ دور کے یہ نادان حامی ایسے وکیل نصیب ہوئے ہیں جو بجائے دفاع کرنے کے الٹا خود ہی توہین کے مرتکب ہو جاتے ہیں" (صفحہ 74).

یہاں بہتر تھا کہ تبصرہ نگار دو تین نام ذکر کر دیتے جنہیں وہ "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نادان حامی" فرمارہے ہیں تاکہ ہم ان حضرات کی تحریرات دیکھ کر اس بات کا فیصلہ کر سکتے کہ آیا انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع کرتے ہوئے ان کی توہین کی ہے یا نہیں، یا کسی بھی صحابی کا دفاع کرتے ہوئے، کسی دوسرے صحابی کی تنقیص کے مرتکب ہوئے ہیں یا نہیں، لیکن تبصرہ نگار نے نام کسی کا نہیں لکھا.. البتہ ان کی تحریر کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اشارہ قاضی طاہر ہاشمی صاحب کی طرف ہی ہوگا... تو حقیقت یہ ہے کہ طاہر ہاشمی صاحب نے بھی اپنی مذکورہ کتاب میں ہرگز کسی بھی صحابی کی اشارتاً بھی توہین و تنقیص نہیں کی، بلکہ انہوں نے اپنا موقف یہ ہی لکھا ہے کہ مشاجرات صحابہ میں بہتر یہی ہے کہ توقف و امساک اور کف لسان کیا جائے... ہاں البتہ تبصرہ نگار جس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں ان کے لٹریچر میں ہمیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع کے نام پر ایسی تحریرات جا بجا ملتی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نصوص قرآنیہ وحدیثیہ کی مخالفت کی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رضائے الٰہی مشروط تھی سابقین اولین کی اتباع کے ساتھ جو کہ انہوں نے نہیں کی تھی، حضرات حکمین (حضرت عمرو بن العاص اور حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہما) خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا... وغیرہ وغیرہ... اور پھر آخر میں یہ لکھ دیا کہ "ہماری مراد اس سب سے خطائے اجتہادی ہے"... نیز لکھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بغاوت کی جس کے خلاف حضرت علی رضی اللہ علیہ عنہ نے بحکم قرآن قتال کیا..... اور پھر لکھ دیا کہ "اس بغاوت سے مراد حقیقی بغاوت نہیں بلکہ صورتاً بغاوت ہے"..... (قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ کی کتاب "خارجی فتنہ حصہ اول" میں آپ کو یہ سب باتیں ملیں گی)..

ہاں اگر تبصرہ نگار کے نزدیک یہ موقف رکھنا کہ:

"مشاجرات صحابہ میں توقف و امساک اور کف لسان کرنا چاہیے اور تمام صحابہ کرام کا ذکر اچھائی کے ساتھ کرنا چاہیے (جیسا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے بھی صحیح سند کے ساتھ منقول ہے) اور غیر صحابہ کو اپنی اپنی عدالت نہیں لگانی چاہیے".

یہ اگر کسی صحابی کی توہین و تنقیص ہے تو ہم کچھ نہیں کہہ سکتے.

تبصرہ نگار کے گروہ کے پیر و مرشد جناب قاضی مظہر حسین صاحب (رح) نے بھی اصولی طور پر اس بات سے اتفاق کیا تھا، لکھتے ہیں:

" احتیاط اسی میں ہے کہ مشاجراتِ صحابہ کا ذکر ہی نہ کیا جائے لیکن اگر کسی ضرورت کے تحت کرنا پڑے تو طرزِ بیان

ایسا ہو جس سے کسی صحابی کی تنقیص و توہین لازم نہ آئے"۔ (خارجی فتنہ طبع اول، ص303،304/ج1)
ایک اور جگہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (رح) کے حوالہ سے امام قرطبیؒ (رح) کی عبارت پر تبصرہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:
"حضرت مفتی صاحب (رح) کے مندرجہ تبصرہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلم اور بہتر تو یہی ہے کہ مشاجراتِ صحابہ کے بارے میں سکوت کیا جائے...الخ"۔ (خارجی فتنہ طبع اول، ص315/ج1)
الغرض! یوں تبصرہ نگار نے پہلے اپنے شعلہ بار قلم سے شعلے برسائے، اپنا سینہ ٹھنڈا کیا اور اس کے بعد کہیں جا کر اس کتاب کا تذکرہ کرتے ہیں جس پر تبصرہ کرنا مقصد ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:
"یہ کتاب مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے فاضل مولانا مفتی محمد وقاص رفیع کے گوہر ریز قلم کا نتیجہ ہے" (صفحہ 47).
قارئین محترم! "گوہر" کہا جاتا ہے قیمتی پتھر یا موتی وغیرہ کو، یوں "گوہر ریز قلم" کا مطلب ہوا وہ قلم جس سے موتی یا قیمتی پتھر جھڑیں.. ہم نے مفتی وقاص رفیع کی کتاب پر اپنے دو سو صفحے سے زیادہ پر مشتمل تبصرے میں وہ تمام "گوہر" جمع کیے ہیں جو مفتی موصوف کے قلم سے جھڑے ہیں اور بہت جلد یہی "گوہر" اکٹھے کرکے ایک استفتاء کی صورت میں ملک کے بڑے بڑے دار الافتاؤں کو بھی ارسال کرنے کا ارادہ ہے... بطور نمونہ چند گوہر ملاحظہ فرمائیں: (مفتی وقاص لکھتے ہیں).
"امام برحق کے خلاف ناحق خروج کرنے والے کو باغی نہیں تو پھر اور کیا کہا جائے؟ یہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کو بھی برحق مانا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کو بھی برحق کہا جائے" (مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 243)
"اب اس تناظر میں اگر دیکھا جائے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو یہ لکھا ہے کہ اسی سال یعنی 43 ہجری میں امیر معاویہ نے زیاد بن ابیہ کا استلحاق کیا اور اسلام میں یہی وہ پہلا عمل ہے جس کے ذریعے احکامات رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نفی (تبدیلی) کی گئی تو وہ اپنی جگہ صحیح اور سچ ہے اور کسی طرح بھی اس کی نفی نہیں کی جا سکتی" (صفحہ 455)
"اس بات میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ حضرت عمرو بن العاص (رض) نے حضرت علی (رض) کو ناکام بنانے کی جو تدبیر (تحکیم) اختیار کی تھی وہ واقعتاً امت میں چند در چند فتنوں اور رخنوں کے پیدا ہونے کا سبب بنی تھی" (صفحہ 456)

"جو لوگ تحکیم کی تجویز کو پیش کر رہے تھے (یعنی حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ وغیرہ_ناقل) ان کی نتیوں میں خلوص نہ تھا" (صفحہ 457)

"خلاصہ کلام یہ کہ حضرت عمرو بن العاص (رض) کی تدبیر (تحکیم) کے نتیجہ میں امت چند در چند فتنوں اور رخنوں کے جنم لینے کا سبب بنی" (صفحہ 459).

"اگر یہی خطأ کسی عام شخص سے صادر ہوتی تو اس پر گناہ کبیرہ اور فسق کا اطلاق کیا جاتا، مگر یہاں حضرت معاویہ (رض) کا شرف صحابیت اور آپ کا علم و فضل یہ لازم کرتا ہے کہ اگر فسق و معصیت کے اطلاق سے مفر کی کوئی شکل ہو تو اسے اختیار کیا جائے اور وہ واحد شکل یہی ہے کہ حضرت معاویہ (رض) کی اس خطأ کو خطائے اجتہادی قرار دیا جائے.."

(صفحہ 613).

قارئین محترم! سبِّ صحابہؓ اہل سنت کے نزدیک بھی حرام اور اس کا مرتکب اہل السنۃ سے خارج ہی ہوگا (خیر الفتاویٰ، ج1 ص374) اور سبّ، (ماہنامہ حق چار یار لاہور کے تبصرہ نگار کے پیر و مرشد) قاضی مظہر حسین صاحب (رح) صاحب کے نزدیک ہی "ہر اس بات کو کہتے ہیں جس سے مخالف برافروختہ ہو اس میں وہ اپنی توہین سمجھے" (حق چار یار، ص6 بابت ماہ محرم سنہ 1413ھ/جولائی 1992ء)، تو آپ ہی فرمایئے کہ اگر حضرت معاویہ (رض) اور وہ تمام صحابہ کرام (رض) جنھوں نے حضرت علی (رض) کی بیعت نہ کی آج زندہ ہوتے اور ان کو یہ کہا جاتا کہ آپ مشاجراتی اختلاف میں بطورِ اصل حکم تو گناہ، فسق، شرعی و فقہی بغاوت، اللہ و رسول کے حکم کی مخالفت، اور نصوصِ قرآنیہ وحدیثیہ کی خلاف ورزی کرنے کے ہی مرتکب ہوئے ہیں، کہا تو آپ کو باغی، خاطی، جائر اور آپ کے موقف کو از روئے نصِ قرآنی در حقیقت بالکل ناجائز ہی جائے گا، ہاں چونکہ آپ صحابہؓ ہیں اس لئے اس کی اس شرعی و فقہی بغاوت اور گناہ کو ہم "اجتہادی خطأ" کہیں گے، تو کیا اس سے ان کو انقباض نہ ہوتا؟ اگر ہوتا تو کیا مفتی و قاص رفیع کی یہ ساری باتیں سبِّ صحابہؓ کے ضمن میں نہیں آتیں؟.

اس کے بعد تبصرہ نگار لکھتے ہیں کہ:

"اہل سنت والجماعت کا دو ٹوک نظریہ یہ ہے کہ خلفاء راشدین موعودہ چار ہیں"

(صفحہ 47)

یقینا تبصرہ نگار کی "موعودہ" سے مراد وہ خلافت ہے جس کا قرآن کریم کی آیت "استخلاف" میں وعدہ کیا گیا ہے، تو میں اس پر صرف ایک سوال کروں گا کہ حضرت مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمہ اللہ علیہ، جن کے بارے میں خود مفتی

وقاص رفیع نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ : "آپ بیک وقت بہترین مفسر، نامور محدث اور بے بدل مؤرخ ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ فقیہ اور عظیم مناظر بھی تھے" (صفحہ 588)، وہ آیت استخلاف سے صرف پہلے تین خلفاء کی خلافت ہی ثابت فرماتے تھے اور ان کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں آیت مذکورہ کی تمام شرائط کا مجموعہ نہیں پایا گیا... مولانا عبدالشکور لکھنوی (رح) نے لکھا ہے کہ :

"(آیت استخلاف میں مذکور) تینوں نعمتوں کا مجموعہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے زمانے میں نہیں پایا گیا، سنی شیعہ دونوں کا اس پر اتفاق ہے" (تحفہ خلافت، مجموعہ تفسیر آیات قرآنی، صفحہ 120، مطبوعہ تحریک خدام اہل سنت، جہلم).

نیز لکھا :

"یہ بات باتفاق فریقین ثابت ہے کہ حضرت علی (رض) کو ان تینوں نعمتوں کا مجموعہ نہیں ملا، لہٰذا ان کی خلافت اس آیت (یعنی آیت استخلاف_ ناقل) کی موعودہ خلافت ہر گز نہیں ہو سکتی نہ وہ خصوصیت کے ساتھ اس آیت کے موعود لہ کہے جا سکتے ہیں، پس قطعی طور پر یہ بات ثابت ہو گئی کہ سوا اس کے کوئی صورت نہیں کہ وقت نزول کے تمام مومنین صالحین سے یہ وعدہ متعلق مانا جائے اور حضرت خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کو اس آیت کی موعودہ خلافت تسلیم کیا جائے"

(تحفہ خلافت، صفحہ 124، مطبوعہ تحریک خدام اہل سنت جہلم)

آپ نے ایک مناظرے کے دوران یہ فرمایا کہ :

"حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق سنی شیعہ دونوں کا اتفاق ہے کہ ان کو یہ تینوں نعمتیں (جن کا ذکر آیت استخلاف میں ہے_ نقل) نہیں ملیں" ........ لہٰذا حضرت علی (رض) کسی طرح اس آیت کے موعود لہ نہیں ہو سکتے"

(دیکھیں مناظرہ منٹگمری 1930 کی روداد، شائع شدہ ماہنامہ "مناقب، بھکر" بابت ماہ دسمبر 1991، صفحہ 14، طلب کرنے پر سکین دستیاب ہے)

تو میرا سوال یہ ہے کہ تبصرہ نگار کے نزدیک مولانا لکھنوی رحمہ اللہ کے متعلق کیا فتویٰ ہے؟؟ وہ اہل سنت میں سے ہیں یا نہیں؟.

(جاری)

بسلسلہ دفاع سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ
(من تراحاجی بگویم، تومراحاجی بگو" (آخری قسط"
("ضمیمہ "اکابر کے نادان وکیل)

مفتی وقاص رفیع کی کتاب "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابر" پر تبصرہ کرتے ہوئی ماہنامہ "حق چار یار" ماہ ستمبر 2018 کے تبصرہ نگار، کتاب مذکور کے بارے میں لکھتے ہیں بلکہ اعتراف کرتے ہیں کہ:
اس کتاب کے بعض ابواب کے مباحث یقیناً کمزور پہلو بھی لئے ہوئے ہیں مگر ان چند کمزوریوں کے باوصف مجموعی " اعتبار سے یہ کتاب سلسلۂ دفاعِ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک بہترین لائق مطالعہ، قابل قدر اور مستحق تحسین کاوش ہے" (ماہنامہ حق چار یار، صفحہ 48.
قارئین محترم! ان تین سطروں میں تبصرہ نگار نے دبے لفظوں میں یہ اعتراف کیا ہے کہ مفتی وقاص رفیع کی کتاب میں یقیناً ایسی باتیں موجود ہیں جو کمزور پہلو لئے ہوئے ہیں، وہ کونسی باتیں ہیں؟ اس کی کوئی مثال تبصرہ نگار پیش کر دیتے تو تبصرہ کو "غیر جانبدار" کہا جاسکتا تھا، لیکن افسوس کہ تبصرہ نگار نے یہاں تلبیس سے کام لیا ہے، کیونکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ اس کتاب میں "بعض" نہیں بلکہ اکثر باتیں قابل اعتراض و قابل گرفت ہیں، اسی لیے تبصرہ نگار نے مفتی وقاص رفیع کو یہ تسلی بھی دی ہے کہ:
(اگر کوئی محقق عالم اس کتاب پر تنقیدی تبصرہ کرڈالے تو مصنف کو دل بر داشتہ نہیں ہونا ہوگا" (صفحہ 48".
اس سے قارئین اندازہ کر سکتے ہیں کہ تبصرہ نگار خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس کتاب میں ایسی باتیں ضرور ہیں جن پر محققین علماء کی طرف سے منفی تبصرہ آسکتا ہے، لیکن افسوس کہ وہ پھر بھی بجائے اس کتاب پر خود "تنقیدی تبصرہ" کرنے کے اس کی تعریف میں رطب اللسان ہورہے ہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ وہی ہے جو ہم نے اپنے اس مضمون کا عنوان رکھا ہے "من تراحاجی بگویم، تومراحاجی بگو" (میں تجھے حاجی کہتا ہوں، تم مجھے حاجی کہو)، چونکہ مفتی وقاص رفیع اور تبصرہ نگار ایک ہی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں، اور ان کا ون پوائنٹ ایجنڈا ہے، اور وہ ہے "جو ان کے مخصوص افکار و نظریات کو نہ مانے تو اس پر ناصبی، خارجی اور یزیدی کے فتوے لگاؤ"، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ دونوں ایک دوسرے کو "حاجی" نہ کہیں؟، اور تبصرہ نگار کے علم کا تو یہ حال ہے کہ وہ یہ تک نہیں جانتے کہ مفتی وقاص رفیع نے اپنی کتاب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع میں نہیں لکھی جیسے تبصرہ نگار نے اس کتاب کو "سلسلۂ دفاع

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک بہترین لائق مطالعہ ، قابل قدر کاوش" لکھا ہے، بلکہ مفتی وقاص رفیع نے خود اپنی کتاب کے بارے میں یوں لکھا ہے کہ :

"..... اس لئے ہم اپنے ایسے اکابر حضرات کی عبارات کا عادلانہ ومنصفانہ دفاع کرنا انتہائی ضروری اور نہایت ہی واجب سمجھتے ہیں ..... " (آگے لکھا) ....... اب ذیل میں ہم پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی چاند ماری کا نشانہ بننے والے اہل سنت والجماعت کے ایک ایک عالم کا نام لے کر سن وفات کی ترتیب کے اعتبار سے ان کا دفاع پیش کرتے ہیں "

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 149 – 150).

اب مصنف کتاب تو صاف لکھے کہ اس نے یہ کتاب اکابر کی ان عبارات کے دفاع میں لکھی ہے جن میں بقول قاضی طاہر ہاشمی صاحب، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید پائی جاتی ہے، اور حق چار یار کے تبصرہ نگار اس کتاب کو "سلسلۂ دفاعِ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک بہترین کتاب" لکھ رہے ہیں، اسی بنیاد پر ہمیں یقین محکم ہے کہ تبصرہ نگار نے جیسے قاضی محمد طاہر ہاشمی صاحب کی کتاب کا مطالعہ نہیں کیا، اسی طرح تبصرہ نگار نے اس کتاب کا بھی مطالعہ نہیں کیا جس پر وہ تبصرہ لکھ رہے ہیں، کیونکہ اگر انہوں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا ہوتا تو انہیں علم ہوتا کہ مفتی وقاص رفیع نے کس کے دفاع میں یہ کتاب لکھی ہے ...

اس لئے میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ ماہنامہ حق چار یار کا یہ تبصرہ "من ترا حاجی بگویم، تم مرا حاجی بگو" کے سوا کچھ بھی نہیں، اور تبصرہ نگار کی معلومات کا تو کیا ہی کہنا، کبھی وہ قاضی طاہر ہاشمی صاحب کی کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس میں حضرت امام ابو حنیفہ (رح) اور ملا علی قاری (رح) سے " ناقدین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ " کی ابتدا کی گئی ہے، اور کبھی وہ مفتی وقاص رفیع کی کتاب کو " دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک بہترین کتاب" قرار دیتے ہیں، اگر کسی کا دفاع ایسے ہوتا ہے جیسے مفتی وقاص نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کیا ہے تو پھر دنیا میں "دفاع" نام کی کوئی چیز ہے ہی نہیں .

آگے تبصرہ نگار کی سنیے، مفتی وقاص رفیع کو تسلی دیتے ہوئے کیا کہتے ہیں:

" یزیدی ٹولے کی جاہلانہ، غیر عالمانہ اور سوشل میڈیا پر پھیلائی جانے والی بعض خبیثانہ حرکتوں کو ہنس کر نظر انداز کر دینا چاہیے کہ ان ہوائی لوگوں کی نہ پہلے کبھی وقعت رہی ہے اور نہ کبھی ہو سکے گی" (صفحہ 48) .

قارئین محترم! جس ٹولے سے تبصرہ نگار کا تعلق ہے (یعنی جدید سبائی ٹولہ) اس ٹولے کا ٹریڈ مارک نعرہ ہے "یزیدی، خارجی، ناصبی"، یعنی جب کسی کی علمی دلیل کا جواب دلیل سے نہ دیا جا سکے تو اس پر "یزیدی"، "خارجی" اور "ناصبی"

کے فتوے لگانا شروع کردو، اس ٹولے کے بڑے بھی یہی کام کرتے رہے اور اب یہ بھی احسن طریقے سے ان کے نقش قدم پر چل رہے ہیں، اور کسی کے بارے میں تو میں نہیں جانتا، لیکن میں نے مفتی وقاص رفیع کی کتاب پر دو سو صفحے سے زیادہ کا ایک تبصرہ قسط وار لکھا تھا جو سوشل میڈیا پر ہی نشر ہوا تھا، اور وہ "غیر عالمانہ" نہیں بلکہ دلائل کے ساتھ تھا، اور میں آج تک اس انتظار میں ہوں کہ اس کا کوئی "عالمانہ" جواب دے، لیکن آج مجھے علم ہوا کہ میرے اس تبصرے کی گونج "سبائی" کیمپ میں سنائی دی ہے اور میرے اس تبصرے کو "جاہلانہ، غیر عالمانہ" اور اسے "خبیثانہ حرکت" لکھ کر اپنے آپ کو تسلی دی جا رہی ہے، جبکہ دوسری طرف تبصرہ نگار نے مفتی وقاص رفیع پر اپنا یہ تبصرہ لکھ کر اپنے جاہل اور غیر عالم ہونے پر بقلم خود مہر تصدیق ثبت کردی ہے... آپ خود سوچیں! جس تبصرہ نگار کو یہ علم ہی نہیں کہ قاضی طاہر ہاشمی صاحب کی کتاب میں "امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ" کا نام ناقدین میں ہے یا نہیں، اور جو یہ بھی نہیں جانتا کہ مفتی وقاص رفیع کی کتاب "دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ" پر لکھی گئی ہے یا "دفاعِ عبارات غیر صحابہ اکابر" پر، اس کی جہالت میں کیا کوئی شک ہے؟

آنکھیں اگر بند ہیں تو پھر دن بھی رات ہے
اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا؟

حافظ عبیداللہ

14 September 2018

بسلسلۂ دفاع سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

"من ترا حاجی بگویم، تو مرا حاجی بگو"

تتمہ ضمیمۃ "اکابر کے نادان وکیل" (قسط: 2)

جیسا کہ "کتاب دوست" نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ مفتی وقاص رفیع کی توہین وتنقیص صحابہ کرام پر مشتمل کتاب پر ماہنامہ حق چار یار بابت ماہ ستمبر 2018 میں تبصرہ لکھنے والے حافظ عبدالجبار سلفی صاحب خود ہیں، اور "کتاب دوست" نے باقاعدہ سلفی صاحب کی طرف منسوب ایک نیا بیان بھی جاری کیا ہے تو اس بناء پر اب ہم صریح طور پر حافظ عبدالجبار سلفی صاحب کا نام لے کر اس نئے بیان پر اپنی معروضات پیش کرتے ہیں.

ان صاحب کا محبوب مشغلہ دوسروں کی پگڑیاں اچھالنا ہے، اور غلط بیانی وکذب بیانی کے عادی ہیں، اور جب کوئی ان کی غلطی پکڑتا ہے تو یہ آپے سے باہر ہو جاتے ہیں، اور جو اول فول قلم پر آتا ہے بے دھڑک لکھ دیتے ہیں، لیکن حیرت ہے کہ "فشار خون کے دائمی مریض" کی جملہ علامات خود موصوف میں بدرجہ اتم موجود ہوتے ہوئے یہ دوسروں کو طعنے دیتے ہیں، ہمیشہ اپنے سے اختلاف رکھنے والوں پر "ناصبی" اور "یزیدی" کے آوازے کستے ہیں، اور کبھی یہ بھڑک مارتے ہیں کہ "ان ناصبیوں کے لیے تو ہمارے دو نفل ہی کافی ہیں" (یعنی اپنے آپ کو کوئی پہنچی ہوئی سرکار سمجھتے ہیں)... ان کا بس نہیں چلتا ورنہ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت ان تمام صحابہ کرام کو بھی "یزیدی" لکھ دیں جنہوں نے یزید بن معاویہ کی ولی عہدی کی تجویز سے اتفاق کیا اور پھر بعد میں یزید کی بیعت کی، کیونکہ یہ آج چودہ سو سال بعد ہونے والے جن حضرات کو "یزیدی" لکھتے ہیں ان میں سے تو کوئی بھی اُس وقت موجود نہ تھا، نہ ان میں سے کسی نے یزید کی ولی عہدی پر صاد کہا اور نہ ہی یزید کی بیعت کی، اور نہ ہی اس کی بیعت توڑنے والوں کو وعیدیں سنا کر اس کام سے روکا... بلکہ اس "جدید سبائی" ٹولے کا اگر بس چلے تو یہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو بھی "یزیدی" کا خطاب دے دیں کہ آپ نے بھی صحیح روایات کے مطابق کربلا میں ایک تجویز یہ بھی دی تھی کہ مجھے یزید کے پاس جانے دو کہ میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں رکھ دوں.... لیکن چونکہ اس گروہ نے لیبل "اہل سنت" کا لگا رکھا ہے اس

لئے یہ براہ راست ان تمام صحابہ کو "یزیدی" نہیں کہہ سکتے تو اپنے دل کا غبار ان پر نکالتے ہیں جنھوں نے نہ یزید کا زمانہ پایا اور نہ اس کی بیعت کی، نہ انہوں نے حضرت علی و حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی تنقیص کی اور نہ کسی اور صحابی پر تنقید کے نشتر چلائے... اس لیے سلفی صاحب کو مشورہ ہے کہ وہ جب "یزیدی یزیدی" کی گردان پڑھیں تو ابتداء ان صحابہ کرام سے کیا کریں جنھوں نے یزید کی ولی عہدی پر آمین کہا اور پھر اس کی بیعت بھی کی.... (یہ مشورہ ان کے اس مشورے کے جواب میں فری میں دیا جارہا ہے جو جناب نے اپنے تبصرے دیا ہے کہ ہاشمی صاحب کو ناقدین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ابتداء ان صحابہ سے کرنی چاہیے تھی جو اُس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرفدار تھے).

ہم سلفی صاحب کی حالت کا اندازہ لگا سکتے ہیں، جب کسی چور کی چوری پکڑی جاتی ہے تو وہ ایسا ہی بد حواس ہو جاتا ہے، ہم نے تو مفتی وقاص رفیع کی کتاب پر تبصرے میں انکی دو غلط بیانیاں پکڑی ہیں تو ان کا آپے سے باہر ہونا تو بنتا ہے، اس لیے ہم انہیں "معذور" سمجھتے ہوئے ان کے قلم سے نکلے مندرجہ ذیل الفاظ کا جواب ادھار رکھتے ہیں جو انہوں نے لکھے ہیں کہ: "علم، شعور، عقل، اخلاق، مروت، تمیز اور ذوق تحقیق سے عاری یزیدان عصر نو"... وغیرہ..، وجہ یہ نہیں کہ ہم ان کی زبان میں جواب نہیں دے سکتے، بلکہ ہم اس حالت کو سلفی صاحب کی مجبوری سمجھتے ہیں، ظاہر ہے ان کی غلط بیانی پکڑی گئی ہے، اور ہمیں کوئی مجبوری نہیں کہ ہم بقول سلفی صاحب "نسوانی طعنے" دیں... ہم دلیل سے بات کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے، اور سبائیانِ عصرِ نو کے دجل و فریب سے پردہ اٹھاتے رہیں گے.

اب آیئے، سلفی صاحب کے نئے بیان کی طرف، موصوف نے اپنے تبصرے میں یہ الفاظ لکھے تھے:

"میرا خیال ہے کہ جناب ہاشمی صاحب نے ناقدین کی ابتداء امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ملا علی قاری سے کرکے بھی زبردست غلطی کی ہے، بلکہ انہیں ناقدین امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ابتداء خود اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کرلینی چاہیے تھی" (صفحہ 47، ماہنامہ حق چار یار، ستمبر 2018).

قارئین محترم! آپ ان تین سطروں کو دوبارہ پڑھیں اور پھر غیر جانبدار ہو کر بتائیں کہ ان الفاظ کا سیدھا سادا مطلب یہ نہیں کہ:

1. ہاشمی صاحب نے ناقدین کی ابتداء امام ابو حنیفہ اور ملا علی قاری (رحمہما اللہ) سے کی ہے.

2. ایسا کرکے ہاشمی صاحب نے سخت غلطی کی ہے.

جس آدمی نے ہاشمی صاحب کی کتاب نہیں پڑھی، کیا وہ ان الفاظ سے یہ نہیں سمجھتا کہ ہاشمی صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین میں سب سے پہلا نام حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا اور پھر ملا علی قاری رحمہ اللہ کا لکھا ہے؟؟

یہ سراسر غلط بیانی اور جھوٹ ہے جو سلفی صاحب نے ہاشمی صاحب کی طرف منسوب کیا ہے، آپ کو کسی سے لاکھ اختلاف سہی لیکن اپنے آپ کو اہل سنت کا ٹھیکیدار کہنے والوں کو یہ شیوہ نہیں دیتا کہ وہ یوں غلط بیانی کریں ...

اب نئے بیان میں سلفی صاحب نے بجائے یہ تسلیم کرنے کے کہ ان سے یہ سہو ہو گیا، الٹا اس غلطی کو صحیح ثابت کرنے کے لیے یہ تاویل کی ہے کہ :

"دوسرا مغالطہ دیا گیا کہ میں نے شاید کتاب پڑھی نہیں اس لئے مولانا ہاشمی صاحب کی طرف امام ابو حنیفہ رح کو بطور ناقدِ معاویہ رض منسوب کر دیا. گزارش ھے کہ میں نے اس کتاب کا اس وقت ھی مکمل مطالعہ کر لیا تھا جب اسکا پہلا اڈیشن طبع ھوا. یہ ستمبر 2013ء کی بات ھے. اس لئے میں نے اپنی کتاب "دفاع حضرت حسین رض "پر اختصار کیساتھ تبصرہ درج کر دیا تھا. رہ گیا یہ اعتراض کہ پھر امام صاحب علیہ الرحمہ کا نام کیوں لکھا گیا تو عرض ھے کہ ملا علی قاری, امام جصاص,. برہان الدین مرغینانی, ملاجیون, شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی, اور علماء دیوبند جو جہابذہء روزگار تھے اور فقہ حنفی کے مایہء ناز ترجمان اور وکلاء ھیں, انکو نام بہ نام ناقدین میں شمار کر دیا گیا تو اب پیچھے امام صاحب کا نام لینے کی کیا کسر رہ گئی تھی"

قارئین محترم! اپنے اس بیان میں سلفی صاحب نے یہ تسلیم کیا ہے کہ انہوں نے ہاشمی صاحب کی کتاب تو 2013 میں ہی پڑھ لی تھی، اور پھر اپنی کتاب "دفاع حضرت حسین رض" میں اس پر اختصار کے ساتھ تبصرہ درج کر دیا تھا (واضح رہے کہ جناب نے "یزیدی فتنہ" کے نام سے مضامین لکھے تھے، جب ان مضامین کو کتابی شکل میں شائع کیا تو اس کا نام "یزیدی فتنہ" سے بدل کر "دفاع حضرت حسین" رکھ دیا گیا)، اب انہوں نے اپنی غلط بیانی کی یہ توجیہ کی ہے کہ چونکہ ہاشمی صاحب نے اپنی کتاب میں بہت سے حنفی علماء کو بھی ناقدین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں شمار کیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ان کے نزدیک حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بھی ناقدین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں سے ہی ہیں ....

اب اس منطق پر ہم کیا کہیں؟ سلفی صاحب یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا کوئی بھی مقلد اگر کوئی بھی غلط بات کہے یا لکھے گا تو یہ سمجھا جائے کہ وہ بات حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ہی ہے، اور اس کی بات پر نقد کرنا

گویا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر نقد کرنا شمار ہوگا...
میرا یہاں سوال ہے کہ امام جصاص نے اپنی تفسیر "احکام القرآن" میں سورۃ التوبۃ کی آیت "فقاتلوا ائمۃ الکفر" کے تحت لکھا ہے کہ:
"(صحیح) بات یہ ہے کہ ان ائمہ کفر سے مراد قریش کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیا (جی صرف ظاہر کیا_ ناقل) وہم الطلقاء من نحو ابی سفیان واحزابہ ممن لم ینق قلبہ من الکفر.. اور وہ طلقاء ہیں، جیسے ابو سفیان اور ان کا گروہ جن کے دل کفر سے پاک نہیں ہوئے تھے"
انہی جصاص صاحب نے قرآن کریم کی آیت "لا ینال عہدی الظالمین" (البقرۃ: 124) کے تحت لکھا ہے کہ:
"عرب اور آل مروان میں عبد الملک سے بڑھ کر کوئی ظالم، کافر اور فاجر نہ تھا، اور نہ اس کے عمال میں حجاج سے بڑھ کر کوئی کافر ظالم اور فاجر تھا"
اب سلفی صاحب فرمائیں کہ کوئی رافضی اس سے یوں استدلال کرے کہ "امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ابو سفیان نے صرف اسلام ظاہر کیا تھا لیکن ان کا دل کفر سے پاک نہیں ہوا تھا، نیز امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک "عبد الملک بن مروان اور حجاج بن یوسف کافر تھے" تو سلفی صاحب اس بات کو تسلیم کریں گے ؟؟؟ جواب صاف اور واضح درکار ہے... کیونکہ سلفی صاحب نے یہ منطق پیش کی ہے کہ کسی بھی معروف حنفی ہستی کی کسی بھی بات سے اختلاف کرنا درحقیقت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اختلاف ہوتا ہے...
امید ہے عقل رکھنے والے سمجھ گئے ہوں گے کہ سلفی صاحب نے یہ لکھ کر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرفداری کی ہے یا امام صاحب پر طعن و تشنیع کے مزید دروازے کھولے ہیں...
سلفی صاحب اور آج کا جدید سبائی ٹولہ، یہ واویلا کرتا ہے کہ "فلاں فلاں امام، ناصبت کے نشانے پر"، جبکہ اصل مسئلہ یہ نہیں، بلکہ اصل مسئلہ بعض علماء کی وہ عبارات ہیں جن سے صحابہ کرام یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص یا ان پر تنقید کا پہلو نکلتا ہے، یہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ یا کسی بھی غیر صحابی امام کا معاملہ نہیں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے احترام اور ادب کا معاملہ ہے، صحابہ کرام کے درمیان آپس میں جو کچھ بھی ہوا، ان میں سے کسی نے دوسرے کو اگر کچھ کہا تو اسے دلیل بنا کر ہم غیر صحابہ کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ چونکہ فلاں صحابی نے اپنے ہی ساتھی صحابی کو یہ یہ کہا تھا لہٰذا اب ہم بھی اس صحابی کو یہ یہ کہیں گے... اگر اس کو اصول بنا لیا جائے تو پھر بات بہت آگے تک جائے گی.
لہٰذا سلفی صاحب کی یہ تاویل کہ چونکہ فلاں فلاں حنفی عالم کی عبارات کے بارے میں ہاشمی صاحب نے یہ لکھا کہ اس

سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات پر تنقید کا پہلو نکلتا ہے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفیہ رحمہ اللہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین میں سے ہیں، سراسر ایک غیر معقول اور غلط سوچ ہے اور توجیہ القول بمایرضی بہ قائلہ کے قبیل سے ہے.

پھر ہم یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ حنفی، حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مقلدین کو کہا جاتا ہے، امام جصاص، صاحب ہدایہ، ملاجیون وغیرہ کے مقلدین کو نہیں.

(جاری ہے)

----------

بسلسلۂ دفاع سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

"من تراحاجی بگویم، تو مراحاجی بگو"

"تتمہ ضمیمۃ "اکابر کے نادان وکیل

قارئین محترم! ماہنامہ حق چار بابت ماہ ستمبر 2018 میں مفتی وقاص رفیع کی کتاب "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابر" پر ایک تبصرہ شائع ہوا تھا، جس کے ساتھ تبصرہ نگار کا نام نہیں لکھا تھا، ہم نے اس تبصرہ کا بطور قاری تین قسطوں میں ایک مختصر جائزہ لیا تھا، ہماری تیسری قسط پر کمنٹ کرتے ہوئے "کتاب دوست" (فیس بک آئی ڈی) سے مندرجہ ذیل بیان آیا ہے، پہلے وہ پڑھ لیں:

مولانا عبدالجبار سلفی حفظہ اللہ کی نئی تحریر درج ذیل ہے"

السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ - جہاں تک ماہ نامہ حق چار یار بابت ماہ ستمبر میں مولانا محمد وقاص صاحب رفیع کی کتاب پہ تبصرہ کی بات ھے تو وہ بندہ ھی نے لکھا ھے. چونکہ ماھنامہ کے مستقل قارئین جانتے ھیں کہ عموماً مفصل تبصرے میں ھی کرتا ھوں اس لئے اس پہ میرا نام درج کرنے کا اھتمام لازمی نہیں سمجھا جاتا. کبھی نام درج ھو جاتا ھے اور کبھی کمپوزر بھول جاتا ھے. سو احباب کا یہ مغالطہ دور ھو جانا چاھئیے کہ کیا وہ تبصرہ میرا ھی ھے یا کسی اور کا؟ دوسرا مغالطہ دیا گیا کہ میں نے شاید کتاب پڑھی نہیں اس لئے مولانا ھاشمی صاحب کی طرف امام ابوحنیفہ رح کو بطور ناقدِ معاویہ رض منسوب کر دیا. گزارش ھے کہ میں نے اس کتاب کا اس وقت ھی مکمل مطالعہ کر لیا تھا جب اسکا پہلا اڈیشن طبع ھوا. یہ ستمبر 2013ء کی بات ھے. اس لئے میں نے اپنی کتاب "دفاع حضرت حسین رض" پر اختصار کیساتھ تبصرہ

درج کر دیا تھا. رہ گیا یہ اعتراض کہ پھر امام صاحب علیہ الرحمہ کا نام کیوں لکھا گیا تو عرض ھے کہ ملا علی قاری, امام جصاص, برہان الدین مرغینانی, ملا جیون, شاہ عبد العزیز محدث دھلوی, اور علماء دیوبند جو جہابذہء روزگار تھے اور فقہ حنفی کے مایہء ناز ترجمان اور وکلاء ھیں, انکو نام بہ نام ناقدین میں شمار کر دیا گیا تو اب پیچھے امام صاحب کا نام لینے کی کیا کسر رہ گئی تھی. یہ بالکل ایسے ھے جیسے اھل حدیث احباب میں سے متشدد ٹولہ حنفی فقہ اور حنفی فقہاء پہ الزامات عائد کرتا ھے تو امام ابو حنیفہ رح کو پہلے نشانہ بناتا ھے. اس لئے کہ امام صاحب طبقہء احناف کے سرخیل ھیں. بعینہٖ جب چوٹی کے حنفی علماء ناصبیت کے نشانہ پہ آتے ھیں تو وہ دراصل امام ابو حنیفہ رح پہ انگشت نمائی کرتے ھیں. فرق صرف یہ ھے کہ غیر مقلد بے حجابانہ نام لے لیتا ھے اور جدید ناصبی چوزوں کو امام ابو حنیفہ رح کا نام لے کر ھدفِ ملامت کرنے کی جرات نہیں ھوتی- باقی رہ گئی یہ بات کہ مشاجرات میں صحابہ کی اکثریت کس کیساتھ تھی اور کس کے ساتھ نہ تھی. یہ محل بحث نہیں ھے. باوجودیکہ یہ کہنا قلتِ مطالعہ کی دلیل ھے. کیونکہ کتب تواریخ وسِیَر میں
جابجا حوالے موجود ھیں کہ جلیل القدر اصحاب کی بڑی تعداد حضرت علی رض کیساتھ تھی. بالخصوص وہ صحابہ
جو قاصدین و مصلحین کا فریضہ سرانجام دے رہے تھے, وہ بار بار حضرت معاویہ رض کو اسی بات کی طرف متوجہ کرتے رھے کہ حضرت علی رض شرف دامادگی, خلافت موعودہ اور بکثرت صحابہ کرام کی تائید کی بناء پہ آپ سے بڑی فضیلت کے حقدار ھیں. علامہ ابو حنیفہ الدینوری نے اپنی کتاب "الاخبار الطوال" کے اندر یہ تفصیلات جمع کی ھیں. باقی ان مباحث میں فشارِ خون کے دائمی مریض جو گستاخ گستاخ کی رَٹ لگا رھے ھیں. یہ محض نسوانی
طعنے ھیں. اور اگر واقعی اصل گستاخوں سے نقاب اٹھانا ضروری ھے تو پھر کسی موقع پہ ان شاءاللہ ھم وہ واقعات درج کر دیں گے جس میں ماضی قریب کے ناصبیوں نے خاندان نبوت اور اھل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ کیساتھ خود جناب امیر معاویہ رض کی شان والا تبار میں بھی بے حد توھین کی ھے. اور ایک یہ بات کہ ھم اس محاذ پہ کسی کو مدد کے لئے نہیں پکار رھے. بلکہ ھم اپنے ھی ذی استعداد دوستوں کو دعوت فکر دے کر ناموس صحابہ کرام رض اور رد رفض والحاد کی جانب متوجہ کر رھے ھیں. رہ گئے, یہ ناصبی ! تو ان کے لئے ھمارے دو نفل ھی کافی ھیں. علم, شعور, عقل, اخلاق, مروت, تمیز, اور ذوقِ تحقیق سے عاری ان یزیدانِ عصر نو نے تنظیمی تعلیمی اور علمی میدان میں کب کوئی ایسا انوکھا کام کیا ھے کہ ان کا سر کچلنے کے لئے ھمیں اپنے دوستوں کو المدد المدد کہہ کے پکارنا پڑے؟ سو یہ خام خیالی اور بھونڈی دلالی آپکو ھی نامبارک ھو. والسلام

تو دوستو! اب چونکہ "سبائی بلی" بلکہ "بلا" تھیلے سے باہر آگیا ہے، تو اب ہمارے لیے کوئی مانع نہیں کہ ہم حافظ عبدالجبار سلفی صاحب کا نام نہ لیں، لہٰذا اب مندرجہ بالا بیان پر ہم اپنی معروضات لکھتے ہیں... سلفی صاحب کی مزید غلط ... بیانیوں کو بھی اب آشکار کرنا ضروری ہے

(جاری ہے)

حافظ عبیداللہ

14 September2018

بسلسلۂ دفاع سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

"من ترا حاجی بگویم، تو مرا حاجی بگو"

تتمہ ضمیمۃ "اکابر کے نادان وکیل" (قسط: 2)

جیساکہ "کتاب دوست" نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ مفتی وقاص رفیع کی توہین و تنقیص صحابہ کرام پر مشتمل کتاب پر ماہنامہ حق چار یار بابت ماہ ستمبر 2018 میں تبصرہ لکھنے والے حافظ عبدالجبار سلفی صاحب خود ہیں، اور "کتاب دوست" نے باقاعدہ سلفی صاحب کی طرف منسوب ایک نیا بیان بھی جاری کیا ہے تو اس بناء پر اب ہم صریح طور پر حافظ عبدالجبار سلفی صاحب کا نام لے کر اس نئے بیان پر اپنی معروضات پیش کرتے ہیں.

ان صاحب کا محبوب مشغلہ دوسروں کی پگڑیاں اچھالنا ہے، اور غلط بیانی و کذب بیانی کے عادی ہیں، اور جب کوئی ان کی غلطی پکڑتا ہے تو یہ آپے سے باہر ہو جاتے ہیں، اور جو اول فول قلم پر آتا ہے بے دھڑک لکھ دیتے ہیں، لیکن حیرت ہے کہ "فشار خون کے دائمی مریض" کی جملہ علامات خود موصوف میں بدرجہ اتم موجود ہوتے ہوئے یہ دوسروں کو طعنے دیتے ہیں، ہمیشہ اپنے سے اختلاف رکھنے والوں پر "ناصبی" اور "یزیدی" کے آوازے کستے ہیں، اور کبھی یہ بھڑک مارتے ہیں کہ "ان ناصبیوں کے لیے تو ہمارے دو نفل ہی کافی ہیں" (یعنی اپنے آپ کو کوئی پہنچی ہوئی سرکار سمجھتے ہیں)... ان کا بس نہیں چلتا ورنہ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت ان تمام صحابہ کرام کو بھی "یزیدی" لکھ دیں جنہوں نے یزید بن معاویہ کی ولی عہدی کی تجویز سے اتفاق کیا اور پھر بعد میں یزید کی بیعت کی، کیونکہ یہ آج چودہ سو سال بعد ہونے والے جن حضرات کو "یزیدی" لکھتے ہیں ان میں سے تو کوئی بھی اُس وقت موجود نہ تھا، نہ ان میں سے کسی نے یزید کی ولی عہدی پر صاد کہا اور نہ ہی یزید کی بیعت کی، اور نہ ہی اس کی بیعت توڑنے والوں کو وعیدیں سنا کر اس کام سے روکا... بلکہ اس "جدید سبائی" ٹولے کا اگر بس چلے تو یہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو بھی "یزیدی" کا

خطاب دے دیں کہ آپ نے بھی صحیح روایات کے مطابق کربلا میں ایک تجویز یہ بھی دی تھی کہ مجھے یزید کے پاس جانے دو کہ میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں رکھ دوں.... لیکن چونکہ اس گروہ نے لیبل "اہل سنت" کا لگا رکھا ہے اس لئے یہ براہ راست ان تمام صحابہ کو "یزیدی" نہیں کہہ سکتے تو اپنے دل کا غبار ان پر نکالتے ہیں جنھوں نے نہ یزید کا زمانہ پایا اور نہ اس کی بیعت کی، نہ انہوں نے حضرت علی و حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی تنقیص کی اور نہ کسی اور صحابی پر تنقید کے نشتر چلائے... اس لیے سلفی صاحب کو مشورہ ہے کہ وہ جب "یزیدی یزیدی" کی گردان پڑھیں تو ابتداء ان صحابہ کرام سے کیا کریں جنھوں نے یزید کی ولی عہدی پر آمین کہا اور پھر اس کی بیعت بھی کی.... (یہ مشورہ ان کے اس مشورے کے جواب میں فری میں دیا جا رہا ہے جو جناب نے اپنے تبصرے دیا ہے کہ ہاشمی صاحب کو ناقدین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ابتداء ان صحابہ سے کرنی چاہیے تھی جو اُس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرفدار تھے).

ہم سلفی صاحب کی حالت کا اندازہ لگا سکتے ہیں، جب کسی چور کی چوری پکڑی جاتی ہے تو وہ ایسا ہی بد حواس ہو جاتا ہے، ہم نے تو مفتی وقاص رفیع کی کتاب پر تبصرے میں انکی دو غلط بیانیاں پکڑی ہیں تو ان کا آپے سے باہر ہونا تو بنتا ہے، اس لیے ہم انہیں "معذور" سمجھتے ہوئے ان کے قلم سے نکلے مندرجہ ذیل الفاظ کا جواب ادھار رکھتے ہیں جو انہوں نے لکھے ہیں کہ: "علم، شعور، عقل، اخلاق، مروت، تمیز اور ذوق تحقیق سے عاری یزیدان عصر نو"... وغیرہ..، وجہ یہ نہیں کہ ہم ان کی زبان میں جواب نہیں دے سکتے، بلکہ ہم اس حالت کو سلفی صاحب کی مجبوری سمجھتے ہیں، ظاہر ہے ان کی غلط بیانی پکڑی گئی ہے، اور ہمیں کوئی مجبوری نہیں کہ ہم بقول سلفی صاحب "نسوانی طعنے" دیں... ہم دلیل سے بات کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے، اور سبائیانِ عصرِ نو کے دجل وفریب سے پردہ اٹھاتے رہیں گے.

اب آیئے، سلفی صاحب کے نئے بیان کی طرف، موصوف نے اپنے تبصرے میں یہ الفاظ لکھے تھے:

"میرا خیال ہے کہ جناب ہاشمی صاحب نے ناقدین کی ابتداء امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ملا علی قاری سے کر کے بھی زبردست غلطی کی ہے، بلکہ انہیں ناقدین امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ابتداء خود اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کر لینی چاہیے تھی" (صفحہ 47، ماہنامہ حق چار یار، ستمبر 2018).

قارئین محترم! آپ ان تین سطروں کو دوبارہ پڑھیں اور پھر غیر جانبدار ہو کر بتائیں کہ ان الفاظ کا سیدھا سادا مطلب یہ نہیں کہ:

1. ہاشمی صاحب نے ناقدین کی ابتداء امام ابو حنیفہ اور ملا علی قاری (رحمہما اللہ) سے کی ہے.
2. ایسا کر کے ہاشمی صاحب نے سخت غلطی کی ہے.

جس آدمی نے ہاشمی صاحب کی کتاب نہیں پڑھی، کیا وہ ان الفاظ سے یہ نہیں سمجھتا کہ ہاشمی صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین میں سب سے پہلا نام حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا اور پھر ملا علی قاری رحمہ اللہ کا لکھا ہے؟؟

یہ سراسر غلط بیانی اور جھوٹ ہے جو سلفی صاحب نے ہاشمی صاحب کی طرف منسوب کیا ہے، آپ کو کسی سے لاکھ اختلاف سہی لیکن اپنے آپ کو اہل سنت کا ٹھیکیدار کہنے والوں کو یہ شیوہ نہیں دیتا کہ وہ یوں غلط بیانی کریں...

اب نئے بیان میں سلفی صاحب نے بجائے یہ تسلیم کرنے کے کہ ان سے یہ سہو ہو گیا، الٹا اس غلطی کو صحیح ثابت کرنے کے لیے یہ تاویل کی ہے کہ:

"دوسرا مغالطہ دیا گیا کہ میں نے شاید کتاب پڑھی نہیں اس لئے مولانا ہاشمی صاحب کی طرف امام ابو حنیفہ رح کو بطور ناقدِ معاویہ رض منسوب کر دیا. گزارش ھے کہ میں نے اس کتاب کا اس وقت ھی مکمل مطالعہ کر لیا تھا جب اسکا پہلا اڈیشن طبع ھوا. یہ ستمبر 2013ء کی بات ھے. اس لئے میں نے اپنی کتاب "دفاع حضرت حسین رض "پر اختصار کیساتھ تبصرہ درج کر دیا تھا. رہ گیا یہ اعتراض کہ پھر امام صاحب علیہ الرحمہ کا نام کیوں لکھا گیا تو عرض ھے کہ ملا علی قاری, امام جصاص, برہان الدین مرغینانی, ملا جیون, شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی, اور علماء دیوبند جو جہابذہء روزگار تھے اور فقہ حنفی کے مایہء ناز ترجمان اور وکلاء ھیں, انکو نام بہ نام ناقدین میں شمار کر دیا گیا تو اب پیچھے امام صاحب کا نام لینے کی کیا کسر رہ گئ تھی"

قارئین محترم! اپنے اس بیان میں سلفی صاحب نے یہ تسلیم کیا ہے کہ انہوں نے ہاشمی صاحب کی کتاب تو 2013 میں ہی پڑھ لی تھی، اور پھر اپنی کتاب "دفاع حضرت حسین رض" میں اس پر اختصار کے ساتھ تبصرہ درج کر دیا تھا (واضح رہے کہ جناب نے "یزیدی فتنہ" کے نام سے مضامین لکھے تھے، جب ان مضامین کو کتابی شکل میں شائع کیا تو اس کا نام "یزیدی فتنہ" سے بدل کر "دفاع حضرت حسین" رکھ دیا گیا)، اب انہوں نے اپنی غلط بیانی کی یہ توجیہ کی ہے کہ چونکہ ہاشمی صاحب نے اپنی کتاب میں بہت سے حنفی علماء کو بھی ناقدین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں شمار کیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ان کے نزدیک حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بھی ناقدین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں سے ہی ہیں ....

اب اس منطق پر ہم کیا کہیں؟ سلفی صاحب یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا کوئی بھی مقلد اگر کوئی بھی غلط بات کہے یا لکھے گا تو یہ سمجھا جائے کہ وہ بات حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ہی ہے، اور اس کی بات پر نقد کرنا گویا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر نقد کرنا شمار ہو گا...

میرا یہاں سوال ہے کہ امام جصاص نے اپنی تفسیر "احکام القرآن" میں سورۃ التوبۃ کی آیت "فقاتلوا ائمۃ الکفر" کے تحت لکھا ہے کہ:

"(صحیح) بات یہ ہے کہ ان ائمہ کفر سے مراد قریش کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیا (جی صرف ظاہر کیا_ ناقل) وہم الطلقاء من نحو ابی سفیان واحزابہ ممن لم ینق قلبہ من الکفر.. اور وہ طلقاء ہیں، جیسے ابو سفیان اور ان کا گروہ جن کے دل کفر سے پاک نہیں ہوئے تھے"

انہی جصاص صاحب نے قرآن کریم کی آیت "لا ینال عہدی الظالمین" (البقرۃ: 124) کے تحت لکھا ہے کہ:

"عرب اور آل مروان میں عبد الملک سے بڑھ کر کوئی ظالم، کافر اور فاجر نہ تھا، اور نہ اس کے عمال میں حجاج سے بڑھ کر کوئی کافر ظالم اور فاجر تھا"

اب سلفی صاحب فرمائیں کہ کوئی رافضی اس سے یوں استدلال کرے کہ "امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ابو سفیان نے صرف اسلام ظاہر کیا تھا لیکن ان کا دل کفر سے پاک نہیں ہوا تھا، نیز امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک "عبد الملک بن مروان اور حجاج بن یوسف کافر تھے" تو سلفی صاحب اس بات کو تسلیم کریں گے؟؟؟ جواب صاف اور واضح درکار ہے... کیونکہ سلفی صاحب نے یہ منطق پیش کی ہے کہ کسی بھی معروف حنفی ہستی کی کسی بھی بات سے اختلاف کرنا درحقیقت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اختلاف ہوتا ہے...

امید ہے عقل رکھنے والے سمجھ گئے ہوں گے کہ سلفی صاحب نے یہ لکھ کر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرفداری کی ہے یا امام صاحب پر طعن و تشنیع کے مزید دروازے کھولے ہیں...

سلفی صاحب اور آج کا جدید سبائی ٹولہ، یہ واویلا کرتا ہے کہ "فلاں فلاں امام، ناصبت کے نشانے پر"، جبکہ اصل مسئلہ یہ نہیں، بلکہ اصل مسئلہ بعض علماء کی وہ عبارات ہیں جن سے صحابہ کرام یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص یا ان پر تنقید کا پہلو نکلتا ہے، یہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ یا کسی بھی غیر صحابی امام کا معاملہ نہیں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے احترام اور ادب کا معاملہ ہے، صحابہ کرام کے درمیان آپس میں جو کچھ بھی ہوا، ان میں سے کسی نے دوسرے کو اگر کچھ کہا تو اسے دلیل بنا کر ہم غیر صحابہ کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ چونکہ فلاں صحابی نے اپنے ہی ساتھی صحابی کو یہ یہ

کہا تھا لہٰذا اب ہم بھی اس صحابی کو یہ یہ کہیں گے ... اگر اس کو اصول بنا لیا جائے تو پھر بات بہت آگے تک جائے گی .
لہٰذا سلفی صاحب کی یہ تاویل کہ چونکہ فلاں فلاں حنفی عالم کی عبارات کے بارے میں ہاشمی صاحب نے یہ لکھا کہ اس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات پر تنقید کا پہلو نکلتا ہے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفیہ رحمہ اللہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین میں سے ہیں، سراسر ایک غیر معقول اور غلط سوچ ہے اور توجیہ القول بمایرضی بہ قائلہ کے قبیل سے ہے .
پھر ہم یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ حنفی، حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مقلدین کو کہا جاتا ہے، امام جصاص، صاحب ہدایہ، ملا جیون وغیرہ کے مقلدین کو نہیں .

(جاری ہے)